

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اک صِفتِ سخن جس کا تعلق ہے نبیؐ سے
صد شکر کہ نسبت ہے طبیعت کو اسی سے
عزیز احسن

اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا

تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر عبدالعزیز خان (عزیز احسن)

پی۔ ایچ۔ ڈی (اردو)، ایم۔ فل (اقبالیات)

ایم۔ اے (تاریخ اسلام)، ایل۔ ایل۔ بی، بی۔ بی۔ کام، فاضل اردو،

فاضل فارسی

جملہ حقوق محفوظ ہیں:

نام کتاب	:	اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ (مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی رارڈو.....۲۰۱۲ء)
مصنف	:	عبدالعزیز خان (عزیز احسن)
تاریخ اشاعت	:	ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ مطابق: مارچ ۲۰۱۳ء
تعداد	:	۵۰۰ (پانچ صد)
قیمت	:	۷۰۰/- (سات سو روپے) پاکستان میں۔
اہتمام	:	سید معراج جامی، بزمِ تخلیق ادب پاکستان، کراچی
رابطہ	:	نعت ریسرچ سنٹر، B-306، بلاک 14، گلستانِ جوہر، کراچی پوسٹل کوڈ: 75290 بزمِ یوسفی، A-12، بلاک 13، گلستانِ جوہر، کراچی، پوسٹل کوڈ: 75290
سیل	:	0333-5567941.....0333-2457575

ISBN-978-969-8918-23-1

ناشر:

نعت ریسرچ سنٹر، کراچی

تعاون

بزمِ یوسفی، کراچی

انتساب

میں اپنی اس طالب علمانہ تحریر کو ان تمام شخصیات کے نام معنون کرتا ہوں جن سے
میں نے زبان و بیان کے نکات سیکھے اور جن کے فیض صحبت نے مجھ میں نعتیہ شاعری
کے موضوعات و اسالیب سے آگاہی حاصل کرنے کا داعیہ پیدا کیا:
اسکول ماسٹر: جناب محمد احمد نقوی مرحوم و مغفور
کالج کے استاد: جناب پروفیسر وسیم فاضلی مرحوم و مغفور
جن حضرات نے شعر گوئی میں رہنمائی فرمائی:
بڑے ماموں جان جناب عبدالحفیظ بے پوری مرحوم و مغفور
جناب حسن احسانی مراد آبادی (تلمیذ احسان دانش) مرحوم و مغفور
حضرت فدا خالدي دہلوی (تلمیذ و جانشین بیجو دہلوی) مرحوم و مغفور
نعتیہ شاعری کی طرف راغب کرنے والے:
پیر و مرشد حضرت سید ظہور الحسنین شاہ ظاہر، یوسفی، احسنی، تاجی، جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
مجھے اپنے وہ محسنین بھی بے حد عزیز ہیں جن کی بدولت میں معاشی میدان میں
حلال روزی کمانے کے قابل ہو سکا۔ چنانچہ میں اپنی اس کاوش کو ان شخصیات کے نام
بھی معنون کرتا ہوں:

☆ جناب عنایت اللہ سندھو، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ
☆ جناب شیخ جلال الدین، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ..... اور
☆ شمس الہدیٰ صدیقی چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ، مرحوم و مغفور

ڈاکٹر عبدالعزیز خان (عزیز احسن)

شہرِ ایات میں خامے کا سفر نازک ہے
مدحِ سرکارِ دو عالم ﷺ کا ہنر نازک ہے
عزیز احسن

ترتیب

انتساب.....5

ترتیب.....7

تقدیم:.....19

پیش گفتار.....22

باب اول: 29

29 تنقید کی تعریف اور اردو میں تنقیدی روایت

29 ۱۔ عربی اور فارسی تنقیدی آراء کا احوال:

تمہید۔ شعر کی تعریف اور اس کے محاسن

34 ادب کا مقصد تخلیق۔ ادب برائے ادب۔ ادب برائے زندگی

قرآن کریم میں شعراء کی مذمت۔ امیہ بن الصلت کے کلام پر حضور اکرم ﷺ کا تبصرہ

امراء القیس شاعروں کا سرتاج لیکن جہمی۔ عنترہ کا شعر سن حضور ﷺ کا شوق ملاقات

اقبال کا تبصرہ۔ ادب کے مطالعے کی تین صورتیں

38 عربی اور فارسی لغات میں تنقید کے معنی

39 ۲۔ انگریزی تنقید کا مفہوم:

فیلز، اردو، انگریزی، ڈکشنری۔ پیٹکون، انگریزی، ڈکشنری۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کی تشریحات

40 اردو لغات تنقید:

نیاز فتح پوری کی رائے۔ حامد اللہ افسر اور ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کی آراء۔ سید وقار عظیم کی رائے۔ جیلانی

کامران کی رائے۔ بحر الفصاحت میں شعر کے صوری و معنوی اوصاف۔ نقاد کی ذمہ داری۔ ڈاکٹر

عبادت بریلوی۔ قابوس نامہ۔ چہار مقالہ۔ ابن خلدون۔ ملا وجہی کا شعری آدرش۔ نکولا بولو پروا۔ تذکروں

کی تنقید کی کمزوریوں کی نشاندہی ڈاکٹر فرمان فتح پوری۔ ڈاکٹر ساجد امجد کی تحقیق میں فائز دہلوی کے

تنقیدی شعور کا عکس۔ ناسخ کی اصلاحات۔

53 داغ دہلوی کا ہدایت نامہ

55

۳۔ اردو نعتیہ ادب میں تنقیدی آراء کا جائزہ:

تذکروں میں نعت گو شعراء کا ذکر۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفۃ۔ سعادت خاں ناصر حکیم سید عبدالحی اور مولانا حسرت موہانی کے تذکرے۔ تاریخ شعرائے روہیلکھنڈ میں نعت گو شعراء کا ذکر۔ شعرا ہند میں ”مدہبی شاعری“ کا حوالہ۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے محسن کا کوروی کو نعت گو کی حیثیت سے خراج تحسین پیش کیا۔ محسن کا کوروی پر حسن عسکری کا مضمون

65

مآخذات و منابع

68

باب دوم:

قرآن و سنت (احادیث نبویؐ) میں نعت کے متن کی صحت کے اصولی اشارے:

68

۱۔ قرآن پاک میں شعراء کی راست سمی کے لیے رہنمائی:

تفسیر مظہری۔ الاعلیٰ مودودی۔ تفسیری نکات

72

لفظ راعنا کے استعمال کی ممانعت

نبی علیہ السلام سے مخاطبیت کے آداب۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری
- حکم صلوة علی النبی ﷺ۔ حضرت ابن عباسؓ۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر
اللہ تعالیٰ کی صنعت میں کوئی کمی نہیں

79

خلاصہ کلام

79

۲۔ احادیث میں شعری تحسین کے نمونے اور ان کا متنی جائزہ:

محمود شکر آلوسی۔ سیوف الہند۔ حضور اکرم ﷺ کی اصلاح کے بعد ”سیوف اللہ“

علامہ اقبال کی مثنوی رموز بیخودی۔ حضور اکرم ﷺ نے بعض اشعار پڑھے

حضرت حسان بن الاعجاز۔ حضرت حسانؓ کے لیے منبر رکھوانا۔ اچھے کلام اور برے کلام کی مثال

امراء القیس کے بارے میں حضور ﷺ کی رائے ﴿﴾ علامہ اقبال کا تبصرہ

عسکرہ سے ملنے کی خواہش۔ علامہ اقبال کا تبصرہ۔ خلاصہ کلام

90

۳۔ قرآن و احادیث کی روشنی میں مقام رسالت کی تفہیم:

90

☆ قرآن کریم میں مقام رسالت مآب ﷺ کا اظہار:

کا ربوبت کی تعیین۔ رسالت کے چار کام۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کی تفسیر۔ حضور اکرم ﷺ کی جان کی قسم
- آیات قرآنی میں مقام محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمت کا اظہار۔ حضور اکرم ﷺ کی ثنا کا جواز۔ قرآن کریم میں

نبوت کے دلائل اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کے اختصاصی نکات - نبوت عامہ کے دلائل اور مختلف موضوعات پر قرآنی آیات کا اشاریہ - ارسلنک - انک - کذالک - ربکم - قل (قرآنی آیات)

☆ احادیث کی روشنی میں مقام رسالت کی تفہیم: 108

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ - حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت - اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلویؒ کی تشریح - تفسیر عزیزی - علامہ طاہر القادری اور حقیقت محمدیہ - شیخ اکبر ابن عربی کی رائے سے استشہاد - حضور اکرم ﷺ کے نور کی تخلیق - امام نبہانی رحمۃ اللہ علیہ اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ - حضور اکرم ﷺ کا خاتم النبیین ہونا - اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہ - جامع ترمذی - نبوت کب عطا کی گئی - شفاعت - حدیث شفاعت کی قرآن کریم کی آیت سے تطبیق - دیگر انبیاء پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت - حضور اکرم کے مقام رسالت کی تفہیم کے دوا لگ الگ رجحانات - ظاہر شریعت - اصلیت یعنی روح رسالت

114 مآخذ و منابع

117 باب سوم:

نعتیہ شاعری میں فارسی اور اردو شعراء کے تنقیدی شعور کا انعکاس:

۱۔ نعتیہ موضوع کی نزاکت کا شعری اظہار: 117

عرفی شیرازی - عزت بخاری - سعید وارثی - احسان دانش - بدر ساگر - الطاف حسین حالی - سید انور ظہوری - صبا اکبر آبادی - فضل احمد کریم فضلی - حفیظ تائب - محمد فیروز شاہ - قسری کانپوری - جعفر بلوچ - سبطین شاہ جہانی - قمر وارثی

۲۔ اشعار میں عجز بیاں کے مظاہر: 121

ابوالکلام قاسمی - ادیب رائے پوری - نعت گو شعراء کا تنقیدی شعور - شیخ سعدی - خواجہ ہام تبریزی - غلام قادر گرامی - خواجہ معین الدین چشتی - جمال خان جمالی کنوہ دہلوی - عزیز الدین احمد عظمیٰ - عبدالرحمن جامی - سعد اللہ پانی پتی، مسیح - میرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی - اسد اللہ خاں غالب - محمد جمال الدین عرفی شیرازی - فرید الدین عطار - حکیم قانی - احمد حسن محدث نیازی - شیخ عبدالحق حقّی محدث دہلوی - میرزا مظہر جان جاناں - مولانا احمد حسن محدث پچھرا یونی - سعادت یار خاں رنگین دہلوی - آزاد بیکانی - ازہر درانی - اسلم انصاری - محمد افضل کوٹلوی - انور جمال - صوفی غلام مصطفیٰ تبسم - حافظ لدھیانوی - حیات

وارثی لکھنوی-خالد شفیق-خالد احمد-مفتی خلیل خاں برکاتی-خورشید علی پوری-رفعت سلطان-روحی کتباہی-طاہر شادانی-طاہر سر دھنوی-وہاب عادل-محمد فیروز شاہ-قیصر بارہوی-ہوش ترمذی-شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی-آغا شاعر قزلباش دہلوی-احمد رضا خاں بریلوی-نواب بہادر یار جنگ-مفتی محمد شفیع-ڈاکٹر سید انعام احسن فقیر-عبدالعزیز خالد-منظور احمد صدیقی-افسر امر وہوی-راغب مراد آبادی-راز کاشمیری-شمس قادری-صفدر صدیقی-رضی-سجاد خن-آدا، بیگم سلطانہ ذاکر-قمر سلطانہ سید-نور بدایونی-مسرت جہاں نوری-شاہد سلطانہ ناز-محشر بدایونی-پروفیسر محمد یونس حسرت-شیخ امیر الدین آزاد-محمد اشفاق علی اشفاق-محمد عبدالرزاق خان رزاق-خواجہ احمد شمس-محمد سعادت حسین شیدا-مرزا عباس بیگ عباس-محمد حسن علمی-سید محسن علی محسن-سید سلطان احمد نامی-صہبا اختر-نظر لکھنوی-عاصی کرناٹی-بشیر حسین ناظم-امین راحت چغتائی-ہلال جعفری-رضا بریلوی-حافظ لدھیانوی-شہزاد مجددی-اعجاز رحمانی-ایاز صدیقی-اقبال عظیم-سعید وارثی-حمید، سید حمید الدین احمد-محمد کمال اظہر-نعیم تقویٰ-ابرار کرپوی-حافظ عبدالغفار حافظ-شوق لکھنوی-مسرور کیفی-منیر سیفی-محمد حسن زیدی-عارف عبدالتین

140

۳۔ مقام رسالت کی شاعرانہ تفہیم:

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی-محمد حسن عسکری-مرزا قادر بخش صابر دہلوی-جامی-خواجہ قطب الدین بختیار کاکی-سعدی-جمالی کنوہ-شیخ محمد علی حزیں-غلام قادر گرامی-عزیز الدین احمد عظامی-مرزا عبدالقادر بیدل-غالب-نیاز بے نیاز بریلوی-علامہ اقبال-جمیل نقوی-حافظ مظہر الدین-پیر نصیر الدین نصیر-مہر وجدانی-اعظم چشتی-سعید وارثی-وقار صدیقی-افسر صدیقی-امر وہوی-اختر بجنوری-ڈاکٹر ثار احمد ثار-اعظم چشتی-صہبا اختر-ضمیر اظہر-ظفر علی زرین-ماہر القادری-بشیر حسین ناظم-امین راحت چغتائی-عبدالعزیز خالد-آصف بشیر چشتی-ماجد خلیل-سرشار صدیقی-ہلال جعفری-ساجد رضوی-سیماب اکبر آبادی-نصیر آرزو-نظر لکھنوی-حافظ مظہر الدین-حافظ لدھیانوی-حفیظ تائب-شہزاد مجددی-اعجاز رحمانی-محمد مسعود اختر-منور بدایونی-صبیح رحمانی-تنویر پھول-راجا رشید محمود-ایاز صدیقی-اقبال عظیم-قمر یزدانی-شاہ حاتم، شیخ ظہور الدین دہلوی-شاہ نصیر-اسلمعلیل میرٹھی-خاور قریشی-سجاد خن-جعفر بلوچ-قمر وارثی-محبوب الہی عطا-آفتاب کریمی-محمد اظہر کمال-سید حمید الدین احمد-عزیز الدین خاکی-سروسہار پوری-اختر لکھنوی-خاطر غزنوی-شیدا جلیپوری-سہیل غازی پوری-حیرت الہ آبادی-بیدم وارثی-حافظ عبدالغفار-مبارک موگیلی-حکیم روکش اجیری-خادمی اجیری-شوق لکھنوی-جمیل نظر-منیر سیفی-مسرور کیفی-وسیم فاضلی-مقبول نقش-حامد امر وہوی-ریاض حسین چودھری-حالی، مقدمہ شعر و شاعری-بین الہمتی رشتے-رولال بارتھ

- 170 مآخذ و منابع
- 174 باب چہارم:
- نعتیہ شعری مجموعوں اور دواوین میں دیباچوں، تقاریر اور مقدمات کی صورت میں تنقیدی عمل کا جائزہ:
- 174 ۱۔ کتب نعت میں دیباچوں اور تقاریر کا تنقیدی معیار:
- چودھری محمد یوسف ورک قادری۔ طاہر قریشی
- 175 مقدمہ
- 177 تقریر - دیباچہ
- مقدمہ ابن خلدون، اقبال کی رائے۔ مقدمہ شعری و شاعری، حالی۔ مقدمات عبدالحق، ڈاکٹر عبادت بریلوی۔ مولانا محمد حبیب الرحمن خاں شروانی۔ مقدمہ کے معانی۔ تقریر، معانی۔ دیباچہ، معانی۔ احمد ندیم قاسمی کی رائے۔ ڈاکٹر خورشید رضوی، حفیظ تائب کی نعت گوئی پر ”تقدیم“۔ قصیدے کے فنی لوازم۔ حالی اور حفیظ تائب کے قصائد کا تقابل۔ حاصل اور غایت کا فرق۔ حنیف اسعدی کی تضمین نگاری، سحر انصاری کی رائے۔ حفیظ تائب کا فلیپ، حنیف اسعدی کی شعری گوئی کی تحسین۔ تائب دہلوی کی ”تقدیس“، ڈاکٹر سید ابوالخیر کشتی کی رائے۔ قد اخلا دی دہلوی کی نعتیہ شاعری پر ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی رائے۔ ڈاکٹر ارشاد الحق قدوسی کی رائے۔ وقار صدیقی اجیری کی شاعری پر ڈاکٹر سید ابوالخیر کشتی کی رائے۔ ”محراب توحید“ پر احمد ندیم قاسمی کی تقریر۔ نعت نگاری اور قاسمی کا نقطہ نظر۔ ”روشنی ہی روشنی“ پر کلیم عاجز کی تقریر۔ ”جلوہ گاہ“ پر احسان دانش کا اظہار۔ ”تجلیات“ پر محمد ایوب صابر کا دیباچہ۔ ”باب جبریل“ پر پیر محمد کرم شاہ الازہری کا پیش لفظ۔ شبلی نعمانی، شاعری کی بڑی شرط۔ حاضری اور حضوری پر عاصی کرنالی کا اظہار خیال۔ ”جمال جہاں فروز“ پر راجہ محمد ظفر الحق کی تقریر
- 199 ۲۔ کتب نعت میں مقدمات کی تنقیدی اہمیت:
- نعت کی تحسین کے تقاضے۔ ڈاکٹر فرمان فتحپوری اور تنقید نعت۔ اسماعیل انیس کی کتاب ”چراغ عالمیں“۔ قرآن معظم کی قسم۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تفسیر۔ معراج رسول اکرم ﷺ کی عدم تفہیم۔ معراج کا قرآنی حوالہ۔ تقریر نگار: رئیس امر وہوی۔ الحاج محمد محسن۔ مشتاق چغتائی۔ ڈاکٹر شاہد الوری۔ فراست رضوی
- 204 ۳۔ مقدمات میں پیش کی جانے والی تنقیدی آراء کی معروضی پرکھ:
- صحیفہ نور کی نعتیہ شاعری پر اہل علم کی آراء۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی۔ ڈاکٹر الیاس عشقی۔ پروفیسر نذیر احمد بھٹی۔ محمد زبیر فاروقی شوکت الہ آبادی۔ لطیف اثر کی شاعری کے نمونے۔ الیاس عشقی کا طنز ملیح۔ رشید وارثی اور علم عروض۔ بقول رشید وارثی، علم عروض کی کوئی شرعی اہمیت نہیں۔ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے

شاعری نہیں سکھائی۔ حضرت کعب بن زہیرؓ کے مصرعے میں ”سیوف الہند“ کی جگہ ”سیوف اللہ“ بنانے سے معنوی حسن تو بڑھ گیا، عروضی سقم بھی پیدا نہیں ہوا۔ ان الہی ولا کذب۔ شعر فن لطیف، موزوں اور مقفی کلام۔ خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل صاحب کتاب کو کرنا چاہیے۔ اعظم چشتی کی کتاب نیر اعظم پر تقریظیں۔ بدنا شعر۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کی تحریر سے اقتباس۔ مولینا کوثر نیازی کی تحریر سے اقتباس۔ ”شہر جبریل“ کے تقریظ نگار۔ نعت گوئی پر صاحب کتاب کی تحریر کا اقتباس۔ قابل اعتراض اشعار۔ قرآن کریم کا حوالہ دیتے ہوئے ایک حقیقت کا انکار۔ صحابی بننے کا دعویٰ

214

ماخذ و منابع

216

باب پنجم:

انتخاب ہائے نعت میں چھپنے والے مقدموں، دیباچوں اور تحقیقی مقالوں میں تنقیدی آراء

کا جائزہ:

216

۱۔ انتخاب ہائے نعت میں شامل مقدموں اور دیباچوں کی تنقیدی نہج کا تعین:

خیر البشر ﷺ کے حضور میں۔ ممتاز حسن کی تحریر سے اقتباسات۔ ممتاز حسن کی رائے کا ابہام۔ جمال صوری کی مثال میں حضرت حسانؓ کے اشعار۔ قابل اعتراض اشعار کی مثالیں۔ صفات رسالت۔ کوئی نعت حالی کے مسدس کے برابر نہیں۔ ساری مخلوق خدا کا کنبہ۔ علامہ اقبال کا رد کردہ نعتیہ شعر۔ حالی کی نعت پر محمد حسن عسکری کی رائے۔ ارغمان نعت۔ مولینا سید عبدالقدوس ہاشمی۔ نشر و نظم میں نعت۔ محسن کا کوروی کا ذکر۔ امیر مینائی۔ صنعت براعت استہلال۔ حالی کی مداحی۔ مخزن نعت۔ نعتیہ انتخاب کی خصوصیت۔ پروفیسر اقبال جاوید کی تحریر سے اقتباسات۔ تشریحی تنقید۔ محسن پر اعتراضات اور ان کے جوابات۔ محسن کا کوروی کا منظوم جواب۔ امیر مینائی اور حالی کی شاعری پر اقبال جاوید کا تبصرہ۔ ظفر علی خاں اور عبدالعزیز خالد کی شاعری پر اقبال جاوید کی رائے۔ نعت کائنات۔ نعت کے موضوعات کی فہرست۔ نعت پر تنقید کی ضرورت، راجا رشید محمود۔ انتخاب نعت کا جواز۔ بن جاسن اور قلم کاری کے تین اصول۔ مستند نعتیہ کلام۔ مفتی محمد تقی عثمانی۔ اعلیٰ فن پارے کا نمایاں وصف، وزن بلیک۔ شعر کا موضوع، محبت۔ غزل کی روایت میں تصوف کے اجزا کی آمیزش۔ غزل میں نعت کی جلوہ گری، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی۔ نعت، شاعری کی افضل ترین صنف۔ علم عروض و قوافی اور علم بیان کا استعمال نعت میں۔ آداب کی رعایت کے بغیر نعت نہیں۔ امیر مینائی کی تعریف بھی اور مضمون کی بے احتیاط بنت کا ذکر بھی، مالک روز جزا۔ نعت میں کسی دوسرے پیغمبر کی شان کا استخفاف۔ کالی کملی والے۔ ممنوعات نعت۔ عام طرز غزل۔ امیر مینائی کے اشعار

نعت نہیں غزل کے ہیں۔ اچھے شعر کی تمام خوبیاں نعت میں۔ مفتی عثمانی کے پسندیدہ اشعار۔ مدینہ منورہ کی تعریف و توصیف اور نعت۔ مفتی عثمانی کا منہاج نقد۔ جمال اندر جمال۔ راغب مراد آبادی کی تحریر سے اقتباس۔ مشاعروں میں پڑھی جانے والی نعتوں کی عروضی تقسیم۔ تجزیاتی تنقید۔ مہکا مہکا حرف حرف۔ عاصی کرنالی کا مقدمہ۔ ردیف، مولوی نجم الغنی رامپوری۔ ردیف کے بے کار استعمال کی مثال۔ اصلاحی تنقید۔ انتخاب نعت۔ ڈاکٹر کشتی کی تاثراتی تنقید۔ شہر نعت۔ فرن نعت گوئی، ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی۔ اصلاحی اور عمرانی تنقید۔ ایوان نعت۔ دبستان کراچی، صبح رحمانی۔ دبستان کی تفہیم، اے ڈکشنری آف لٹریچر ٹرمز۔ تاریخی اور عمرانی تنقید۔ نعتیہ شاعری میں ادبی حسن۔ جمالیاتی تنقید

۲۔ تحقیقی مقالوں میں مختلف شعراء کے کلام پر دی جانے والی آراء کی تنقیدی اساس کا تعین: 252

منتخب مقالوں کی فہرست۔ لکھنؤ کا دبستان شاعری۔ محسن کا کوروی کا ذکر۔ اردو کی نعتیہ شاعری۔ اسلوب اور فن کی تخلیقی صداقتیں، ڈاکٹر فرمان فتحپوری۔ ہیدم وارثی کے کلام پر تبصرہ۔ عبدالعزیز خالد کی شاعری پر رائے۔ اردو میں نعتیہ شاعری۔ برصغیر میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی سطح کا پہلا مقالہ۔ ولی دکن کی نعتیہ شاعری۔ سراج اورنگ آبادی۔ امیر بینائی۔ نعت گو شعرا کی تین قسمیں۔ اقبال کی نظموں ”جنگِ ریموک کا ایک واقعہ“ اور ”صدیق“ پر تبصرہ۔ شاہنامہء اسلام۔ شبلی نعمانی کی شاعری۔ جمالیاتی تنقید۔ اردو میں نعت گوئی۔ لطف بریلوی۔ تمنا مراد آبادی۔ مولانا ظفر علی خاں۔ اقبال سہیل۔ امجد حیدر آبادی۔ امجد حیدر آبادی کی بے اعتیاطی کا ذکر۔ تاریخی، تقابلی، جمالیاتی اور تشریحی تنقید کا امتزاج۔ اردو حمد و نعت پر فارسی روایت کا اثر۔ اسماعیل میرٹھی۔ رفیع الدین ذکی قریشی۔ عزیز حاصل پوری۔ لالہ صحرائی۔ حزیں صدیقی۔ حنیف اسعدی۔ عاصی کرنالی کے تنقیدی نظریات۔ سرمستی کا ناپسندیدہ اظہار۔ ضماڑ کے استعمال کی بحث۔ یثرب کا استعمال۔ عملی تنقید کے نمونے۔ شعری معیارات، عاصی کرنالی۔ نقاد کے لیے عاصی کرنالی کی ہدایات۔ عاصی کا منہاج نقد۔ اردو نعت کے جدید رجحانات۔ سید معراج جامی۔ ڈاکٹر شوکت زریں، تنقیدی کاوش۔ مقالے کے ابواب۔ جدید رجحانات کی عکاسی کا پہلا نقش۔ اقبال، دور جدید کے سب سے اہم اور ممتاز نعت گو۔ عبدالعزیز خالد۔ مظفر وارثی۔ محشر بدایونی۔ امجد اسلام امجد۔ آثم میرزا۔ عارف عبدالمتین۔ قمر ہاشمی کی نظم ”مرسل آخر“۔ محشر رسول نگری۔ فلسفیانہ انداز کی نعتیں۔ حفیظ تائب کی نعت۔ تغزل کے رنگ میں نعتیں۔ قمر وارثی۔ جمیل عظیم آبادی۔ بہزاد لکھنوی۔ ریاض حسین چودھری۔ محشر رسول نگری کا مسدس۔ جمالیاتی، تاریخی، عمرانی تنقیدی رجحانات۔ اردو نعت کا ہمہ جہتی مطالعہ۔ غزل کی ہیئت میں سب سے زیادہ نعتیہ کلام۔ مثلث کی ہیئت۔ ع۔ س۔ مسلم کا مٹمن۔ ڈاکٹر افضال احمد انور اور تنقید کے چار اصول۔ نعت گو شاعر کا پہلا تذکرہ ”لکھنؤ کا دبستان شاعری“ میں

ہوا۔ ابوالجہد کی طویل نعت کا ہیئت مطالعہ۔ جمالیاتی، تاثراتی، تجزیاتی اور تاریخی دبستان تنقید کا مرکب۔ اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی۔ نعت نگار کی حیثیت سے امام احمد رضا فاضل بریلوی کا مقام۔ تاثراتی تحسین۔ حدیث کے مقابلے میں اکابرین امت۔ مفتی زرولی کا اعتراض۔ عینیت اور پردہ میم۔ کلام رضا کا آہنگ۔ اسلوبیاتی تجزیہ کاری۔ گوپی چند نارنگ، اسلوبیات۔ استعارہ۔ بڑا تخلیقی ذہن۔ تاثراتی، تشریحی، تاریخی، جمالیاتی اور اسلوبی تنقید کا مرکب۔ مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری، ایک تحقیقی مطالعہ۔ ہیئت و مواد۔ صنائع بدائع اور علم عروض سے احمد رضا بریلوی کی واقفیت۔ صنائع بدائع کی مثالیں۔ ضماؤ کا استعمال۔ شیشہ اور میخوار۔ امیر مینائی کے شعر میں ضماؤ کا غیر محتاط استعمال۔ احمد رضا بریلوی کی احتیاط پسندی۔ لفظ شہنشاہ کا استعمال، حدیث اور اعلیٰ حضرت کا موقف

۳۔ انتخابوں اور تحقیقی مقالوں میں شامل تنقید کے معیارات کا جائزہ: 322

مختلف تنقیدی دبستانوں کے لونی عکس (shades)۔ ڈاکٹر زریں چغتائی اور ڈاکٹر افضال احمد انور کے مقالوں میں تنقیدی رجحانات واضح ہیں۔ تنقیدی معیار بلند ہے

۳۲۳ مآخذ و منابع

۳۲۶ باب ششم:

نعت رنگ اور دیگر کتابی سلسلوں، مجلوں اور رسائل میں شائع ہونے والے تنقیدی

مضامین کا جائزہ:

۱۔ نعتیہ شاعری کے ضمن میں ادبی تنقید کے ظہور کا جائزہ: 327

خاتون پاکستان۔ ماہ نو، سیرت رسول ﷺ۔ ماہنامہ بصیر۔ سیارہ ڈائجسٹ کا رسول ﷺ نمبر۔ نعت گوئی اور اس کا فن، شمیم احمد۔ اردوئے قدیم اور نعت گوئی، افسر صدیقی امر وہوی۔ شمیم احمد کی تحریر سے اقتباس۔ بیانیہ شاعری۔ عقیدت کا پر خلوص اظہار۔ صریر خامہ کا قصیدہ نمبر۔ امیر مینائی کے قصائد میں نعتیہ رنگ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی تشریحی تنقید۔ محسن کا کوروی کے قصائد اور انعتیہ رنگ۔ محسن کے قصیدے کا فنی جائزہ۔ صریر خامہ کا نعت نمبر۔ حمایت علی شاعر کا مضمون۔ عقیدے کا بنیادی مثلث۔ جس نے میرے متعلق جھوٹ بات کہی تو وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنا لے (حدیث)۔ صریر خامہ میں شامل مضامین کی تفصیل

۲۔ شاعری کو جدید شعری رجحانات کی روشنی میں پرکھنے کے میلانات کا جائزہ: 333

ماہنامہ سیارہ، عبدالعزیز خالد نمبر۔ مضامین کی تفصیل۔ عاشق رسول ﷺ خالد، عفت موہانی۔ خالد کی نعتیہ شاعری، پروفیسر آل محمد عبدالرؤف فاطمی۔ خالد اور نعت سرور کونین، حسن ثقی ندوی۔ خالد کی نعت گوئی،

سیدہ حنا- خالد اور نعت سرور کونین، حضور احمد سلیم- خالد کا اسلامی ادب، پروفیسر اسرار احمد سہاروی- کلام خالد میں اسلام کی عکاسی، پروفیسر ہارون الرشید- ماہنامہ شام و سحر- جدید نعت گوئی ایک جائزہ، تحسین فراقی- علیم ناصری- ڈاکٹر انور سدید- جعفر بلوچ- پروفیسر سید مشتاق احمد- نعتیہ شہر آشوب، علیم ناصری- خالد بڑی، ایک منفرد نعت گو، ڈاکٹر انور سدید- علیم ناصری کا اسلوب نعت نگاری، جعفر بلوچ- شاعر چادر رحمت، منیر قصوری، پروفیسر سید مشتاق احمد- نقوش کا رسول ﷺ نمبر- لیلیۃ النعت- ماہنامہ الرشید- اوج نعت نمبر- صنف نعت، مجید امجد- نعت کیا ہے؟ سید ریاض حسین شاہ- نعت کا فن، ڈاکٹر رشاد عثمانی- نعت اور اس کے آداب، مولانا محمد تقی عثمانی- نعت میں احترام رسالت کے تقاضے، ڈاکٹر محمد اظہار الحق قریشی-

ماہنامہ حمد و نعت- غیر محتاط نعت گو، سید رفیق عزیزی- کتابی سلسلہ ”ایوان نعت“

363

۳- تنقیدی اصولوں کی فکری، فنی اور مذہبی اساس کی تلاش و جستجو:

کتابی سلسلہ نعت رنگ- دبستان کراچی کی نعتیہ شاعری، صبیح رحمانی- اردو نعت گوئی میں عقیدت و محبت کا اظہار، ڈاکٹر عصمت جاوید- اردو نعت گوئی میں ہیئت کے تجربات کی ضرورت، ڈاکٹر فرمان فتحپوری- محرکات نعت، ڈاکٹر سلیم اختر- جدید اردو نعت اور علامت نگاری، احمد ہدائی- نعیم صدیقی کی ایک نعت، ڈاکٹر ایوب شاہد- اردو نعت گوئی کے موضوعات، ڈاکٹر سید یحییٰ خٹیب- منفرد لہجہ کا نعت گو شاعر، سرشار صدیقی، اصل عثمانی- نعت گوئی کا تصور انسان، جمال پانی پتی- حقیقت محمدیہ کا مفہوم- حضارت جدید، تجزیاتی مطالعہ، حمید نسیم- ظفر علی خاں کی نعت نگاری، ڈاکٹر شبیہ الحسن- علیم صبا نویدی کا فن نعت گوئی، ڈاکٹر سید سجاد حسین- بیکل اتساہی کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر جمیل راٹھور- نعت کے موضوعات، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری- نعتیہ شاعری کے لوازمات- ظہیر غازی پوری- غزل میں نعت کی جلوہ گری (ایک جائزہ) احمد صغیر صدیقی- نعت کے اشعار میں فنی سقم، شارق جمال- حضرت رضا بریلوی کی نعت میں مضمون آفرینی، ڈاکٹر صابر سنہلی- کھف الوری، میری نظر میں، ڈاکٹر طلحہ رضوی برق، دانا پوری- نعت اور رشید احمد صدیقی، ادارہ- تنقید نعت کی اہمیت اور اس کی مثبت جہتیں، پروفیسر انصاف احمد انور- شاعر جہاد، رحمان کیانی، شاہ مصباح الدین ٹکلیل- حنیف نازش قادری کی نعتیہ شاعری، پروفیسر غلام رسول عدیم- اردو نعتیہ شاعری میں موضوع روایات، محمد شہزاد مجددی- احمد ندیم قاسمی بحیثیت نعت نگار، ڈاکٹر شبیر احمد قادری- فیاض بانڈوی کی نعتیہ شاعری، سید مرغوب اشرف- اردو نعتیہ شاعری میں موضوع روایات، محمد شہزاد مجددی- نعت نبوی اور توحید و رسالت کے مابین فرق کی اہمیت، ڈاکٹر شعیب نگرانی- اردو نعت میں ضماؤ کا استعمال (ایک تنقیدی جائزہ)، ڈاکٹر اشفاق انجم- نعت رنگ شمارہ ۲۲ تا ۲۳ میں شائع ہونے والے خطوط- ماہنامہ نعت، لاہور، راجا رشید محمود- دنیائے نعت، کراچی، عزیز الدین

خاکہ۔ سفیر نعت، آفتاب کرمی۔ سفیر نعت، کتابی سلسلہ، چوتھی کتاب، آفتاب کرمی، محسن کاکوروی نمبر۔ ایں رہ نعت است نہ صحر است، فاروق احمد صدیقی۔ کلیم الدین احمد کا اقبال کے شعر پر اعتراض اور فاروق احمد صدیقی کا جواب۔ سہ ماہی مفیض، گوجرانوالہ، محمد اقبال نجی۔ سہ ماہی مفیض کا عارف عبد المتین نمبر۔ ماہنامہ قمر طاس۔ ماہنامہ کاروان نعت، محمد ابرار حنیف مغل۔ سہ ماہی کتابی سلسلہ ”مدحت“، سرور حسین نقشبندی۔ سہ ماہی مدحت کا حفیظ تائب نمبر۔ ماہنامہ ”بیاض“ نعت نمبر۔ سہ ماہی عقیدت، شاکر کنڈان۔ نغمہ محمدی سے نکلی ہوئی جوئے آب، شاکر کنڈان۔ سہ ماہی عقیدت (تبصرہ نمبر)۔ ”مشکبار“ عدیم یوسفی، زہیر کجانی۔ ٹیلی ساقی کی منظوم سیرت نگاری ”خیرالواریہ“ شاکر کنڈان۔ متاع امیر، معراج رسول ﷺ اور انوار نعت کا خصوصی شمارہ، فیصل آباد، محمد امیر نواز امیر۔ خوشبوئے نعت، سرگودھا، ڈاکٹر محمد مشرف انجم۔ شہر نعت، کتابی سلسلہ، فیصل آباد، ڈاکٹر شبیر احمد قادری۔ خالد بخاری، آسمان نعت کا رخشندہ ستارہ، گوہر ملیانی۔ خوشبوئے التفات، ارمغانِ تلمیحات، محمد طارق بن آزاد۔ رشید وارثی کے عقائد۔ ماہنامہ ”الاحسن“

454

مآخذ و منابع

458

باب ہفتم:

نعتیہ شاعری کے حوالے سے وجود میں آنے والی تنقیدی کتب کا جائزہ:

459

۱۔ تنقید نعت میں شعری معیارات کا تعین.....

مقدمہ سحر و ساحری۔ حنیف اسعدی کا مجموعہء کلام ”خیرالانام“۔ تابش دہلوی کا نعتیہ مجموعہ ”نقدیس“۔ تشریحی اور عملی تنقید۔ پاکستانی ادب، شناخت کی نصف صدی، غفور شاہ قاسم۔ بت خانہ شکستہ من (تنقیدی مضامین کا مجموعہ) امیر حسنین جلیسی۔ اساس، سرشار صدیقی کا شعر عقیدت۔ سخن واران کاکوری، حکیم نثار احمد علوی

479

۲۔ تنقید نعت میں شرعی اصولوں کی طرف رہنمائی.....

ردِ عمل، امین راحت چغتائی۔ جستجو، تحسین فراقی۔ ولایے رسول، قمر ربیعہ۔ زبورِ حرم، اقبال عظیم۔ اللہ کی سنت، منظر عارفی۔ فروغ نوا، رئیس احمد نعمانی

492

۳۔ نعت کے تنقیدی عمل پر مختلف تنقیدی دہشتانوں کے اثرات کا جائزہ:

اردو زبان میں نعت گوئی کا فن اور تجلیات۔ نعت کے چند شعرائے متقدمین، ڈاکٹر سید شمیم گوہر نعت اور تنقید نعت، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی۔ شاعران نعت، راجا رشید محمود۔ فنِ نعت کی نئی جہات (نعت

پڑا کٹر طاہر تونسوی کے تنقیدی مضامین کا انتخاب)، محمد حیات چغتائی - نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلات تنقید، ادیب رائے پوری - محسن کا کوری کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی - اردو میں نعت گوئی، چند گوشے، پروفیسر شفقت رضوی - سرو و نعت، ابوالاعلیٰ ع - س - مسلم - نعت کے جدید رنگ، جاذب قریشی - نعت حقیقت کے آئینے میں، محمد شفیق اختر - غالب اور ثنائے خواجہ - نعت نگر کا باسی (ڈاکٹر سید ابوالخیر کشتی کی نعت گوئی و نعت شناسی کا ایک جائزہ)، سید صبیح رحمانی - نعت میں کیسے کہوں، پروفیسر محمد اقبال جاوید - قافلہ شوق کے مسافر، پروفیسر محمد اکرم رضا - تاجدار ملک سخن، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی، پروفیسر محمد اکرم رضا - سوء ادب فی حسن ادب، ع - ع - بخار علیگ - جادہ رحمت کا مسافر (صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری پر تنقیدی مضامین کا مجموعہ)، ڈاکٹر حسرت کا س گنجوی - نعت رنگ کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ، پروفیسر شفقت رضوی - دلیل آفتاب، مطالعات نعت، ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، عمران نقوی -

☆ نقد نعت اور پاس شریعت: 575

شائم النعت (تحقیقی و تنقیدی مقالات کا مجموعہ)، ڈاکٹر سراج احمد قادری - اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، شریعت اسلامیہ کے تناظر میں، رشید وارثی - نعت اور آداب نعت، کوکب نورانی اوکاڑوی - نعت گوئی اور اس کے آداب، پروفیسر عبداللہ شاہین -

584 مآخذ و منابع باب ہشتم:

588 مذکورہ مباحث کی روشنی میں تنقید نعت کے مجوزہ اصول:

588 ۱- شعری معیارات کی پرکھ کے اصول:

ٹی۔ ایس۔ الیٹ - شاعری کو شاعری کے طور پر قبول کیا جائے - تنقید کے چار پہنچے - لفظوں کا صحیح استعمال - معنی - عروض - اصناف سخن کی ہیئت - صنائع بدائع - شعری جمالیات - معانی سخن

593 ۲- شرعی معیارات کی پرکھ کے اصول:

قرآن، احادیث، آثارِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین - ممنوعات نعت - واقعہ معراج خیال کو واقعہ بنا کر پیش کرنا - ڈاکٹر عندلیب شادانی - شطیحات - بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا

- ۳۔ تاریخی اسناد کی روشنی میں نعتیہ اشعار کی پرکھ کے اصول: 598
مسئلہ امتناع نظیر۔ 607
- ۴۔ الفاظ کے استعمال میں احتیاط کے تقاضے: 610
کبریا۔ بیٹھا۔ شہنشاہ۔ اصحاب النبی رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے برابر مرتبہ پانے کا بیان۔ شاعرانہ تعلی۔
☆ نفاذ کی معروضیت 617
☆ مآخذ و منابع 617
☆ کتابیات..... 619
☆ تعارف..... 635

تقدیم!

جب میں نے ۱۹۸۱ء میں ایک نعتیہ انتخاب ”جواہر النعت“ مرتب کیا تو اس کا مقدمہ بہت مختصر ہونے کے باوجود اہل علم نے سراہا اور استاذی جناب پروفیسر وسیم فاضلی مرحوم و مغفور نے اس تحریر کو ملاحظہ فرما کر مجھ سے سٹی کالج کے مجلے کے لیے ”پاکستان میں نعت گوئی“ پر مضمون لکھوایا۔ وہ مضمون ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا تو نعت کے حوالے سے مطالعہ کرنے اور اسی موضوع پر کچھ نہ کچھ لکھتے رہنے کی مجھے مسلسل توفیق ملی۔

۱۹۹۴ء میں حج کی سعادت نصیب ہوئی تو ایک دن مسجد نبوی میں میرے لبوں پر ایک دعا آئی ”بارالہ! مجھے لکھنے پڑھنے کی جو کچھ صلاحیت عطا ہوئی ہے وہ دین کی خدمت کے لیے وقف کرنے کی توفیق مرحمت فرما دے!..... اور میرے مالک! جو کچھ میں لکھوں اس کے چھپوانے کی ذمہ داری میری نہ ہو!“

الحمد للہ! میری دعا قبول ہوئی۔ حج سے واپس آیا تو ایک آدھ ماہ بعد ہی صبحِ رحمانی سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے ”نعت رنگ“ کتابی سلسلے کا اجراء کیا۔ اپریل ۱۹۹۵ء میں ”نعت رنگ“ کا پہلا شمارہ منصہء شہود پر آیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اور صبحِ رحمانی کو بیت اللہ میں یک جا کر دیا اور ہم لوگوں نے اللہ رب العزت کے حضور یہ درخواست پیش کی کہ نعت رنگ کی صورت میں ہم نے نعتیہ ادب کے حوالے سے جو انتقادی سرگرمیاں شروع کی ہیں، اگر ان میں خیر ہے تو انہیں جاری رکھنے کی توفیق ارزانی ہو اور اگر اس کام میں کوئی شر پوشیدہ ہے تو یہ سلسلہ یہیں رک جائے!..... الحمد للہ! یہ دعا بھی قبول ہوئی اور اس طرح نعتیہ ادب کے حوالے سے میری تنقیدی تحریریں منظرِ عام پر آتی چلی گئیں جنہیں اہل علم نے تحسین آمیز تبصروں سے نوازا..... نعت رنگ کے اب تک 23 شمارے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ اس کتابی سلسلے میں بار پانے والے میرے مضامین، کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

رٹائرمنٹ کے بعد ”جامعہ کراچی“ میں پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے میرا رجسٹریشن ہوا اور الحمد للہ! میرے مشفق نگراں مریٹوریس پروفیسر ڈاکٹر ظفر اقبال (صدر نشین شعبہء اردو، رئیسِ کلیہٴ فنون، جامعہ کراچی)..... الحمد للہ! اب وہ شیخ الجامعہ، وفاقی اردو یونیورسٹی، ہیں) کے تعاون سے میں نے مقررہ

مدت (دو سال) میں اپنا مقالہ مکمل کر لیا اور ستمبر کی 26 تاریخ (2012ء) کو مجھے پی۔ ایچ۔ ڈی (اردو) کی سند عطا کر دی گئی۔

پی۔ کام کے بعد ایک صاحب کے مشورے سے پنجاب یونیورسٹی میں ایم۔ اے (اردو) میں داخلہ لے لیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھا..... میرا ایڈمٹ کارڈ مجھ تک نہیں پہنچا اور امتحانات ہو گئے۔ ناچار میں نے ”فاضلِ اردو“ کا امتحان دے ڈالا..... بعد ازاں میں نے چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ بننے کی ٹھانی اور سندھو اینڈ کمپنی، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس، میں آرٹیکل شپ لے لی..... لیکن جلد ہی مجھے احساس ہوا کہ ایسی تعلیم کے لیے میری طبیعت قطعی موزوں نہیں ہے۔ چنانچہ اسی دوران میں میں نے فارسی فاضل کا امتحان بھی پاس کر لیا..... البتہ آرٹیکل شپ کی بنیاد پر مجھے آڈٹ کے شعبے میں ملازمت مل گئی۔ اسی اثناء میں، ایم۔ اے (تاریخ اسلام) اور ایل۔ بی، کے امتحانات دے ڈالے۔ پھر جب میرا تادمہ اسلام آباد ہو گیا تو وہاں مجھے ایم فل (اقبالیات) کرنے کا موقع مل گیا۔ لیکن دفتری مصروفیتوں اور بار بار کے تبادلوں کے باعث میں دل جمعی کے ساتھ کام نہیں کر سکا۔ یوں بڑی تاخیر سے یعنی 2009ء میں ایم فل (اقبالیات) کا مرحلہ طے ہو سکا۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ جامعہ کراچی میں مجھے براہ راست پی۔ ایچ۔ ڈی میں داخلہ مل گیا۔

”پیش گفتار“ میں جن محسنین کا شکریہ ادا کیا ہے ان میں جناب ڈاکٹر پروفیسر فرمان فتح پوری، میریٹورس پروفیسر، صدر نشین شعبہء اردو، رئیسِ کلیہ فنون، جامعہ کراچی [حال] شیخ الجامعہ فیڈرل اردو یونیورسٹی کراچی، جناب ڈاکٹر ظفر اقبال، جناب ڈاکٹر شاداب احسانی، سید معراج جامی، سید صبیح رحمانی اور میرے پیرو مرشد حضرت علامہ قاضی شفیق احمد فاروقی مدنی کے اسماء شامل ہیں..... میں ایک بار پھر ان حضرات کا شکریہ ادا کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

میرے لیے یہ بات بڑے اطمینان کا باعث ہے کہ گرامی قدر جناب پروفیسر ڈاکٹر اسلم فرخی نے زبانی امتحان کے موقع پر میرے مقالے کو سراہا اور اس کی اشاعت کی خواہش ظاہر فرمائی اور پروفیسر ڈاکٹر محترمہ عظمیٰ فرمان فاروقی، صدر شعبہء اردو، جامعہ کراچی نے بھی تائید فرمائی۔ ان شخصیات کا شکریہ ادا کرنا بھی مجھ پر فرض ہے۔ اللہ انہیں خوش رکھے!

اس مقالے کی ایک کاپی جامعہ ٹوکیو برائے مطالعات خارجی کے پروفیسر جناب ڈاکٹر سہیل عباس کو بھیجوائی گئی تھی اور دوسری کاپی جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی، بھارت، کے پروفیسر جناب ڈاکٹر معین الدین جینا بڑے کو ارسال کی گئی تھی۔ الحمد للہ! دونوں پروفیسروں نے انتہائی مثبت اور حوصلہ افزا

آراء سے نوازا۔ میں ان دونوں حضرات کا بھی شکرگزار ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مقالے کے مندرجات میں مجھ سے دانستہ یا نادانستہ کوئی لغزش ہوئی ہو تو مجھے معاف فرمائے اور صحیح سمت میں میری رہنمائی فرمائے تاکہ آئندہ میں تسامحات سے بچ سکوں! قارئین سے بھی درخواست ہے کہ مقالے میں کوئی غلطی دیکھیں تو ازراہ کرم مجھے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ میں اپنی اصلاح کر سکوں!

عبدالعزیز خان (عزیز احسن)

جمعۃ المبارک، ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

مطابق: ۸ مارچ ۲۰۱۳ء

A-12، بلاک 13،

گلستان جوہر،

کراچی۔

پوسٹ کوڈ: 75290

سیل: 0333-5567941

پیش گفتار

اردو نعت کے موضوع پر متعدد پی۔ ایچ۔ ڈی کی سطح کے مقالات قلم بند ہو چکے ہیں۔ لیکن تا حال صرف دو مقالے ایسے سامنے آئے ہیں جن میں جزوی طور پر نعت پر تنقید کے ضمن میں کچھ لکھا گیا ہے:

- (i) ڈاکٹر عاصی کرناٹی کا مقالہ ”اردو نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر“ (سن اشاعت ۲۰۰۱ء)، جس کے صفحہ نمبر ۲۲ پر دو عنوانات قائم کیے گئے ہیں: [الف] ”نعتیہ شاعری پر تنقید..... قباحتیں اور نزاکتیں“ اور [ب] ”نعتیہ شاعری کو پرکھنے کی صورتیں اور معیارات“۔
- (ii) ڈاکٹر افضال احمد انور کا مقالہ ”اردو نعت کا ہیئت مطالعہ“ (سن تکمیل ۲۰۰۷ء، غیر مطبوعہ) جس کے صفحات ۴۴ تا ۵۲ پر ”نعت پر تنقید“ کے موضوع پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے۔

اردو میں نعت نگاری تو اردو کی پہلی معلومہ مثنوی ”کدم راؤ پدم راؤ“ مصنفہ فخر الدین نظامی (جو ۵۲۸ھ/۱۴۲۱ء اور ۸۳۹ھ/۱۴۳۵ء کے درمیان لکھی گئی) ہی سے شروع ہو گئی تھی، لیکن نعتیہ شاعری کے مضامین اور اسالیب کی پرکھ پر باقاعدہ تنقید، طویل مدت تک نہیں ہو سکی، محسن کا کوروی (متوفی ۱۹۰۵ء) سے قبل کسی شاعر نے نعتیہ شاعری میں ایسا فی کمال بھی حاصل نہیں کیا تھا کہ ناقدین اس کی شاعری کو تنقیدی مطالعے کے لیے درخور اعتنا جانتے۔ محسن کے نعتیہ قصیدے

ع سمت کاشی سے چلا جانپ متھرا بادل

کی دھوم مچی تو اس پر اعتراضات کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ کہا گیا کہ اس قصیدے کی تشبیہ غیر مشروع ہے۔ شرعی حوالوں سے کسی نعت کے متن کو پرکھنے کی یہ پہلی سنجیدہ کوشش تھی جس کے باعث نعتیہ شاعری بھی زیر بحث آئی۔ ڈاکٹر ابوالیث صدیقی نے ”لکھنؤ کا دبستان شاعری“ میں پہلی بار ایک نعت گو شاعر کے حوالے سے محسن کے کلام پر سیر حاصل گفتگو کی تھی۔ محسن ہی ایسے نعت گو شاعر ٹھہرے جن کے کلام پر ۱۹۵۹ء میں محمد حسن عسکری نے تنقیدی مضمون لکھا تھا۔ محسن کا کوروی کے علاوہ کوئی ایسا نعت گو نہیں تھا جس کے شعر عقیدت پر کسی مستند نقاد نے کوئی تنقیدی رائے دی ہو۔ ڈاکٹر فرمان فتحپوری کی کتاب ”اردو کی نعتیہ شاعری“ سن ۱۹۷۴ء میں شائع ہوئی جو پاکستان میں اپنے موضوع کے اعتبار سے اولین کاوش قرار پائی۔

پاکستان میں اسی کی دھائی میں، نعتیہ شاعری کے فروغ کا آغاز ہوا۔ سرکاری سطح پر نعت کی پذیرائی نے اس صنف شریف کی ترویج کے شوق کو ہمیز دی۔ کچھ ادبی رسائل نے نعتیہ شاعری کی اشاعت بھی شروع کر دی۔ بہت سے نعتیہ مجموعے منظر عام پر آئے جن میں صاحبانِ نقد و نظر نے تقریظیں لکھیں۔ کچھ نعتیہ انتخاب بھی شائع کیے گئے جن میں ممتاز حسن کا انتخاب ”خیر البشر ﷺ کے حضور میں“ (سن اشاعت ۱۹۷۵ء) ایک وقیع انتخاب تھا۔ اس نعتیہ انتخاب کا مقدمہ، شعر عقیدت کے چند تنقیدی نکات کے باعث ایک اہم تحریر کے طور پر نمایاں ہوا۔ پروفیسر اقبال جاوید نے بھی ”مخزنِ نعت“ (مطبوعہ ۱۹۷۹ء) میں مقدمہ لکھا تھا جس میں تنقیدی اشارے موجود تھے۔ راقم الحروف نے بھی ایک مجموعہ ”جواہرِ نعت“ کے نام سے ۱۹۸۱ء میں پیش کیا تھا اور اس میں ایک مقدمہ لکھ کر نعت پر تنقید کی ضرورت پر زور دیا تھا۔ (واضح رہے کہ میں نے تاریخی ریکارڈ درست کرنے کی غرض سے اپنا ذکر دیا ہے لیکن اس مقالے میں اپنی کسی سابقہ تحریر سے کوئی اقتباس نہیں دیا ہے، کیوں کہ ایسا کرنا مقالہ نگاری کے اصولوں کے خلاف ہے)۔ راجا رشید محمود نے نعتیہ انتخاب ”نعت کا نبات“ (سن اشاعت ۱۹۹۳ء) کے مقدمے میں ”نعت پر تنقید“ کا عنوان قائم کر کے کچھ باتیں لکھ دی ہیں۔

یہاں یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ تخلیقی اور تحقیقی کاموں کی حد تک نعتیہ شاعری کے موضوع کو برتنے میں جو کوتاہیاں ہوتی رہی تھیں ان کا کچھ نہ کچھ ازالہ تو اسی کے دھے میں (پاکستان کی حد تک) نعتیہ ادب کے فروغ میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر توجہ مرکوز کرنے کے ساتھ ہی ہونے لگا تھا۔ لیکن نعتیہ شاعری پر تنقید کا دروازہ پھر بھی نہیں کھل سکا تھا۔ کتابوں اور مقالوں میں تنقید کی ضرورت پر زور دینے جانے کے باوجود تنقید کے میدان میں مردانِ کار نے قدم نہیں رکھا تھا۔ اس کی وجوہات میں دو عوامل کارفرما تھے (الف) خوفِ فسادِ خلق..... اور..... (ب) نعت کے لیے شرعی اور شعری تقاضوں سے آگاہی کا فقدان۔

۱۹۹۵ء میں کراچی سے ”نعت رنگ“ کی اشاعت عمل میں آئی اور نعتیہ شاعری کا تنقیدی جائزہ لینے کی باقاعدہ تحریک نے جنم لیا۔ نعت رنگ سے قلمی تعاون کرنے والوں میں رشید وارثی، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی، پروفیسر شفقت رضوی، ادیب رائے پوری، پروفیسر اقبال جاوید، پروفیسر محمد اکرم رضا اور بھارت کے ڈاکٹر سید طلحہ رضوی، ڈاکٹر محمد یحییٰ خٹیب، اسماعیل آزاد چٹواری اور ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھ چھوی وغیرہم ناقدین کی حیثیت سے دنیا نے نعت میں نمایاں ہوئے۔

نعتیہ تنقید کا کام کچھ آگے بڑھا تو اس موضوع پر کتب کی اشاعت بھی ہوئی۔ ان کتب میں

شرعی پہلوؤں کا جائزہ بھی لیا گیا تھا اور شعری تحسین بھی کی گئی تھی۔ کتابوں کی تفصیل تو مقالے میں پیش کردی گئی ہے۔ یہاں عرض کردوں کہ نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے میں اضافہ کرنے والی کتب میں ڈاکٹر ابولخیر کشفی، رشید وارثی، ادیب رائے پوری، ڈاکٹر مولانا کوکب نورانی، پروفیسر شفقت رضوی وغیرہم کی کتب شامل ہیں۔ راقم الحروف نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا ہے لیکن اپنے کام کا ذکر صرف اسی قدر ضروری ہے کہ اب تک اس موضوع پر چار کتب منظر عام پر آچکی ہیں۔

اب جب کہ نعتیہ ادب میں تنقید کا دروازہ کھلا تو ضرورت اس بات کی تھی کہ نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ بھی کیا جائے اور مستقبل کے لیے نعت کے موضوعات کی تطہیر کے لیے کچھ تجاویز بھی پیش کردی جائیں۔ علاوہ ازیں موضوع کی نزاکت کے حوالے سے تنقیدی معیارات کی تعیین کی طرف بھی توجہ مبذول کروائی جائے۔ چنانچہ راقم الحروف نے ”اردو نعت کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ“ پیش کرنے کا بیڑا اٹھایا اور الحمد للہ! جامعہ کراچی میں یہ موضوع قبول ہو گیا۔ سن ۲۰۱۰ء میں مجھے کام کی اجازت ملی تھی اور الحمد للہ! اب میں اس قابل ہو گیا ہوں کہ اپنا یہ مقالہ پیش کردوں۔

اس مقالے کے آٹھ ابواب ہیں۔

باب اول میں تنقید کی تعریف بھی پیش کی گئی ہے اور عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں میں تنقید کے جو معانی متعین کیے گئے ہیں ان کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ لیکن اختصار کی غرض سے صرف چند نکات ہی بیان میں آسکے ہیں کیوں کہ تفصیل کی نہ تو مقالے میں گنجائش تھی اور نہ ضرورت۔

باب دوم میں قرآن و سنت (احادیث نبوی) میں نعت کے متن کی صحت کے لیے جو اصولی اشارے پائے جاتے ہیں ان کا ذکر ہے۔ اور مقام رسالت مآب ﷺ کی تفہیم کے لیے قرآن و احادیث کی روشنی میں بات کی گئی ہے۔

باب سوم میں شعراء کا تنقیدی شعور منعکس کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے ہر تحریر کے وجود میں آنے سے قبل تخلیق کار کا تنقیدی شعور عمل آراء ہوتا ہے۔ اس لیے نعتیہ شاعری اور حضور اکرم ﷺ کے مقام و مرتبے کے ادراک کے جو شاہد نعت کے تخلیقی سرمائے میں پائے جاتے تھے ان کی ہلکی سی جھلک دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

باب چہارم ان تحریروں کی تنقیدی جانچ پڑتال کے لیے وقف ہے جو نعتیہ شعری مجموعوں میں مقدمہ، تقریظ یا دیباچوں کی شکل میں لکھی گئی تھیں۔

باب پنجم میں نعتیہ انتخابوں اور تحقیقی مقالوں میں شامل تنقیدی آراء کا احوال قلم بند ہوا ہے۔

باب ہشتم میں نعت رنگ اور دیگر کتابی سلسلوں، مجلوں اور رسائل میں شائع ہونے والے تنقیدی مضامین کا جائزہ لیا گیا ہے۔

باب ہفتم میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے وجود میں آنے والی تنقیدی کتب کا جائزہ لیا گیا ہے..... اور

باب ہشتم میں تنقید نعت کے چند نمونے پیش کر کے محدث مصطفیٰ ﷺ کے تخلیقی اور تنقیدی اصول متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ بات بھی واضح کرتا چلوں کہ نعتیہ ادب میں تنقیدی تحریروں کی مقدار بہت کم ہونے کے باوجود تحقیقی مقالوں، تقریظوں، مقدموں، دیباچوں اور مضامین کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان سب کا احاطہ کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اس لیے راقم الحروف نے صرف ان تحریروں پر توجہ دی ہے جن میں ”کلم“ سے زیادہ ”کلام“ پر گفتگو کی گئی تھی۔ کیوں کہ تنقید کی بنیادی شرط ہی لکھے ہوئے حرف پر بات کرنے سے پوری ہوتی ہے۔ تخلیق کار کی شخصیت اور اس کے ذاتی احوال کا تعلق تذکرہ نگاری سے جڑتا ہے۔ تحقیقی مقالوں میں کلم اور کلام پر ساتھ ساتھ گفتگو چلتی ہے اس لیے ان مقالوں میں سے بھی صرف تنقیدی آراء کا جائزہ لیا گیا ہے۔ تحقیقی مضامین کا بھی بیشتر ذکر کر دیا گیا ہے لیکن ان کا بھرپور جائزہ لینے سے گریز کیا گیا ہے۔

یہ وضاحت بھی ناگزیر ہے کہ راقم الحروف نے اپنی کسی سابقہ تحریر سے اقتباس تو پیش نہیں کیا ہے لیکن موضوع کی تنقیدی جہت کی یکسانیت کے باعث، اس مقالے میں کچھ باتیں ایسی ضرور آگئی ہیں جن پر میں نے اس سے قبل بھی اظہار خیال کیا تھا۔ تاہم میں نے یہ احتیاط برتی ہے کہ اشعار یا کتب کے اصل مآخذ سے رجوع کرتے ہوئے نئے سرے سے غور و خوض کر کے کچھ نکات پیش کیے جائیں۔

تکمیلیت (Perfection) کا دعویٰ نہ کرنے کے باوجود، یہ اعتراف ضروری ہے کہ ممکن ہے کسی اہم تحریر پر میں اس مقالے میں کوئی گفتگو نہیں کر سکا ہوں یا جو تحریریں زیادہ توجہ کی مستحق تھیں انہیں مطلوبہ توجہ نہ دے سکا ہوں..... اس کے لیے ان کتب کے مصنفین یا مضمون نگاروں سے معذرت ہی کر سکتا ہوں۔ مرحومین کے لیے بھی صرف دعا ہی کی جاسکتی ہے۔

اس بات کا ذکر بھی ناگزیر ہے کہ تنقیدی سرمائے میں بیشتر کسی شاعر کے شعر عقیدت پر لکھے ہوئے مضامین ہیں۔ ظاہر ہے ایسے مضامین میں زیادہ تر دل جوئی کا پہلو پیش نظر ہوتا ہے اس لیے زیادہ تر تحریروں میں ہر شاعر کو ”اچھا شاعر“ ہی کہا گیا ہے۔ کئی شعراء اچھے بھی ہیں لیکن ان کے ہاں بھی کچھ کمزور

شاعری کے نمونے پائے جاتے ہیں جن سے تقریظ نگاروں نے صرف نظر کیا ہے۔ تنقیدی معروضیت ان مضامین میں بہت کم ہے۔

اس حقیقت کے بیان میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی کہ اب تک نعتیہ تنقیدی ادب کے سرمائے میں کوئی ایسی کتاب نظر سے نہیں گزری جس میں تنقید کے چاروں پہیے (Four Wheels) استعمال کیے گئے ہوں۔ یعنی وہ چار معروف تنقیدی اصول: (i) تقابل (Comparison)، (ii) تجزیہ (Analysis)، (iii) امتیاز (Discrimination) (iv) اور تعین قدر (Evaluation) جن کو بروئے کار لا کر کسی ایک شاعر کا کلام بالکل معروضی انداز سے پرکھا گیا ہو۔ معروضیت کا فقدان عمومی ادبی تنقید میں بھی محسوس کیا جاتا ہے، لیکن مذہبی شاعری میں اس فقدان کی وجوہات سہ ابعادی ہیں:

(الف) شاعر سے عقیدت۔ (ب) موضوع کا احترام..... اور (ج) مسلکی شدت پسندی

تاہم جزوی طور پر ہر تنقیدی تحریر میں کچھ نہ کچھ نکات مل جاتے ہیں۔

یہ بات بھی لکھ دینا ضروری ہے کہ ادب میں تنقیدی ساکھ قائم کر لینے والے نقادوں (Recognised and Reputed Critics) میں سے صرف چند ایک ہی نے نعتیہ شاعری پر کچھ لکھنے کی زحمت کی ہے، باقی تنقید نگار ابھی عمومی شاعری کے چنگل ہی سے نہیں نکلے ہیں۔ مذہبی شاعری پر تنقید کرنے کے معاملے میں مسلکی جنگ شروع ہونے کا خدشہ بھی رہتا ہے۔ نعتیہ شاعری میں بعض مقتدر ہستیوں کی شاعری میں کمزوریوں کی نشاندہی سے ان کے معتقدین ناراض ہو جاتے ہیں۔ اس لیے یا تو کوئی قلم ہی نہیں اٹھاتا، اور اگر کچھ لکھتا بھی ہے تو تنقید کو تحسینی (Appreciative) دائرے میں ہی محدود رکھتا ہے۔ اسی لیے اس معمورے میں معروضی تنقید کم نظر آتی ہے۔

باایں ہمہ، راقم الحروف نے تنقیدی مضامین کے مزاج اور انداز کے غالب رجحان کو پیش نظر رکھ کر ہی کسی نہ کسی تنقیدی دبستان سے وابستہ کر کے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

آخر میں میں ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جن کی تحریک پر اور جن کے تعاون سے یہ مقالہ وجود میں آیا۔

ڈاکٹر پروفیسر فرمان فتح پوری صاحب میرے شکرینے کے مستحق ہیں اس لیے کہ انہوں نے سن ۱۹۹۵ء میں میرے ایک مضمون کو دیکھ کر مجھے خصوصی طور پر اپنے دولت کدے پر بلا کر پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت و تندرستی کے ساتھ سلامت باکرامت رکھے (آمین)!

مریٹورس پروفیسر ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب نے، مقالے کے خاکے کی تیاری اور اس کی

منظوری سے لے کر مقالے کی آخری سطر لکھتے تک، قدم قدم پر میری رہنمائی فرمائی۔ اس لیے مجھ پر لازم ہے کہ ان کا شکریہ ادا کروں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنے فضل و کرم کے در، وار رکھے (آمین)!

سید صبیح الدین صبیح رحمانی میرے شکرے کے اس لیے مستحق ہیں کہ انہی کی تحریک پر میں نے تنقیدی مضامین لکھے اور انہی کے اصرار پر (رٹائرمنٹ کے بعد) پی۔ ایچ۔ ڈی کی سطح کا مقالہ لکھنے کا ڈول ڈالا۔ علاوہ ازیں نعتیہ ادب سے متعلق کتب کی فراہمی کی جان لیوا محنت سے بھی انہوں نے مجھے بہت حد تک بے نیاز کر دیا۔ الحمد للہ! نعت ریسرچ سینٹر ہی کی کتب کم نہ تھیں۔ انہوں نے ان کتب کے علاوہ بھی دوسرے ذخیروں سے کتب حاصل کر کے مجھے فراہم کیں۔ اللہ انہیں سدا خوش رکھے (آمین)!

ڈاکٹر شاداب احسانی بھی میرے شکرے کے مستحق ہیں جن کے پر خلوص مشورے میرے لیے مشعل راہ بنے رہے۔ اللہ انہیں خوش و خرم رکھے (آمین)!

میرے گھر والوں میں میری اہلیہ، طلعت عزیز خان نے تحقیق کے کام سے عدم دلچسپی کے باوجود مجھے اس کام میں اتنی مہلت ضروری کہ میں یک سوئی سے اس مقالے کی تیاری کو وقت دے سکا۔ اگر ان کا تعاون حاصل نہیں ہوتا تو میں یہ صبر آزما کام کر ہی نہیں سکتا تھا۔ میرے بیٹے فاروق عزیز خان اور محمد جنید عزیز خان نے بھی مجھ بوڑھے طوطے کے لکھنے پڑھنے میں میری مدد کی۔ میری ہمیشہ شازیہ اظہر، میرا بیٹا کامران عزیز خان، میری بہو عالیہ کامران خان، میری بڑی بیٹی کرن زاہد فیض اور چھوٹی بیٹی کنول شاہد خان نے پاکستان سے دور رہ کر بھی میری علمی سرگرمیوں کو سراہا اور میرے حوصلے بڑھائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان سب کو صحت و سلامتی کے ساتھ زندہ و پابندہ رکھے (آمین)!

ڈاکٹر محمود حسین لاہری میری مہتمم جناب محمد حنیف اور ان کے عملے کے تمام راکین کا شکریہ گزار ہوں جن کے تعاون کے باعث مجھے کتب کے حصول میں سہولت رہی۔ سمینار شعبہ اردو، جامعہ کراچی، کے مہتمم بھی میرے شکرے کے مستحق ہیں۔ اللہ سب کو اجر جزیل عطا فرمائے (آمین)!

سید معراج جامی، قدا خالیدی دہلوی کے شاگرد ہونے کے باعث میرے استاد بھائی ہیں۔ انہوں نے مقالے کی کمپوزنگ کے اصولوں سے مجھے آگاہ کیا اور ہر مرحلے پر میری مدد کی۔ ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی کا تحقیقی مقالہ جس پر مرحومہ کو سن ۱۹۹۰ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند ملی تھی۔ جامی صاحب نے اس مقالے کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا اور سن ۲۰۱۱ء میں اسے شائع کر دیا..... پھر بہ نفس نفیس میرے غریب خانے پر تشریف لاکر ”اردو نعت کے جدید رجحانات“ کا ایک نسخہ مجھے عطا کیا۔ ان کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں، مجھے الفاظ کی بے بضاعتی کا احساس ہو رہا ہے۔ اللہ انہیں ہر طرح خوش و خرم رکھے (آمین)!

— اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ —

انجمن ترقی اردو کے کتب خانہء خاص کے مہتمم سید معروف، ان کے معاونین لال حسین شاہ اور جاوید اختر اور بیدل لاہیری کے مہتمم جناب محمد زبیر اور ان کے معاون امان اللہ شیخ بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں کہ ان حضرات نے بھی کتب کی فراہمی میں میرے ساتھ بڑا تعاون کیا۔

اس تحقیقی کام میں جہاں جہاں خوبی نظر آئے، اسے ریڈیو ریس پروفیسر ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب کی خصوصی توجہ کا نتیجہ سمجھنا چاہئے اور جہاں کوئی کوتاہی محسوس ہو اس کا ذمہ دار اس عاجز راقم الحروف ہی کو گردانا جائے۔

عبدالعزیز خان (عزیز احسن)

جمعۃ المبارک ۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

مطابق: ۱۰ فروری ۲۰۱۲ء

باب اول:

تنقید کی تعریف اور اردو میں تنقیدی روایات

۱۔ عربی اور فارسی تنقیدی آراء کا احوال:

☆ تمہید:

اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ کرتے ہوئے سب سے پہلے ہمیں ادب کی نوعیت جاننی ہوگی کیوں کہ تنقید کا مطالعہ، پورے ادب کا مطالعہ ہے۔ (۱) ادب کی تعریف تو تقریباً طے شدہ ہے اس لیے زیادہ تفصیل میں جائے بغیر صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ تنقید کی حامل ہر تحریر ادب کے زمرے میں آئے گی۔ (۲)

لفظ ادب کا انگریزی مترادف لٹریچر (LITERATURE) ہے، لیکن لفظ لٹریچر کے کثیر المعانی استعمال کے باعث اس کی دو اہم شاخوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ بقول ڈاکٹر احسن فاروقی، ”ٹامس ڈی کوئینسی“ نے انیسویں صدی کے شروع میں لٹریچر کی دو اقسام بتائی تھیں۔

(الف) LITERATURE OF KNOWLEDGE یا معلوماتی ادب اور

(ب) LITERATURE OF POWER یا زوردار ادب۔ (۳)

انگریزی لفظ کی کثیر المعنویت کے لحاظ سے اس کی دو شاخیں ضرور ملتی ہیں لیکن اردو میں رائج، عربی لفظ ”ادب“ اپنی معنویت خود ظاہر کر دیتا ہے اور اس کی وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر احسن فاروقی اسی لیے کہتے ہیں:

”ہمارا لفظ، ادب ان معنوں میں لٹریچر سے بہتر ہے کہ وہ زور دار [متاثر کن]

تحریروں ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے“۔ (۴)

ادب کی تخلیقی اصناف دو ہیں، ”شاعری“ اور ”نثر“ اور بقول پروفیسر مجنوں گورکھپوری:

”ادب کی سب سے زیادہ قدیم، سب سے زیادہ فطری اور سب سے زیادہ مقبول

عام شکل شاعری ہے“ (۵)

☆ شعر کی تعریف اور اس کے محاسن:

اس مرحلے پر ہمیں ”شعر“ کی شناخت اور اس سے متعلق پیدا ہونے والے سوالات کا بھی

کچھ ادراک ہونا چاہیے کیونکہ ہمیں بالآخر نعتیہ ادب میں ”نخن نعت“ یا ”شعر عقیدت“ ہی پر بات کرنی ہے۔ اس لیے پہلے دیکھتے ہیں کہ علمائے ادب نے شعر کی کیا تعریف کی ہے۔

عبدالحلیم ندوی نے بتایا ہے کہ عربوں نے فن شعر کو ادب عالیہ کا نام دیا ہے جس میں شعر کے علاوہ نقاشی، پینٹنگ اور موسیقی بھی آتی ہے۔ ماہرین عروض اور دیگر نقادان ادب سے استنبہا کرتے ہوئے عبدالحلیم ندوی نے شعر کی کچھ تعریفیں لکھی ہیں، مثلاً

”شعر موزوں و مقفی کلام کو کہتے ہیں“۔ (۶)

لیکن اس تعریف سے بھی وہ مطمئن نہیں ہیں اور کہتے ہیں:

”کسی خیال یا حقیقت کو صرف نظم کر دینا شعر ہونے کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ اور خصوصیات کا ہونا بھی ضروری ہے۔ وہ خصوصیات کیا ہیں؟ وہ ہیں اچھوتے خیالات و افکار، لطیف جذبات و احساسات کی ایک خاص نچ سے تعبیر۔ چنانچہ نقاد شعر کی یوں تعریف کرتے ہیں: ☆ شعر وہ فصیح و بلیغ کلام ہے جس میں وزن کے علاوہ نادرا ورا اچھوتے خیالات اور لطیف جذبات و احساسات کی عکاسی اس طرح کی گئی ہو کہ انسان کے دل و دماغ پر براہ راست اس کا اثر پڑے“۔ (۷)

عبدالحلیم ندوی نے قدامہ ابن جعفر، ابن طباطبای، ابن قتیبہ، ابن رشیق اور دکتور احمد بدوی کے افکار و خیالات کی روشنی میں بتایا ہے:

”ان نقادوں کے نزدیک شعر کے اجزائے ترکیبی میں چونکہ ندرت خیال اور لطافت جذبات و احساسات اور وزن کے ساتھ اثر اندوزی کو اولیت حاصل ہے اس لیے اس میں سے بعض نے ہر اس کلام کو جس میں یہ صفات موجود ہوں شعر کا نام دیدیا ہے، چاہے وہ نثر ہی کیوں نہ ہو“۔ (۸)

نثر کو شعر بتانے کی تقریب یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسانؓ کے بیٹے کو کسی کیڑے نے کاٹ لیا تھا اور وہ اس کیڑے کا نام نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہ بیان دیا کہ ”کانہ ملتف فی بردی حیرہ“ وہ [کیڑا] ایسا لگ رہا تھا جیسے کہ حیرہ کی دو چادروں میں لپٹا ہو“۔ کیڑے کی شناخت کے حوالے سے یہ خوبصورت بیان سن کر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ پھر ک گئے اور فرمایا ”شعر و رب کعبہ“ (رب کعبہ کی قسم یہ تو شعر ہے)۔ (۹)

شعر کے لیے وزن کی قید ہے کہ نہیں اس پر مولانا الطاف حسین حالی نے بھی لکھا ہے۔ حالی شعر کے وزن کو وہی اہمیت دیتے ہیں جو ”راگ کے لیے بول“ کی ہوتی ہے لیکن پھر بتاتے ہیں کہ جس

طرح راگ الفاظ کا محتاج نہیں اسی طرح شعر بھی وزن کا محتاج نہیں۔ پھر وہ انگریزی ادب میں پوٹری POETRY اور ورس VERSE کی بات کرتے ہوئے بتاتے ہیں:

”جس طرح ان کے ہاں وزن کی شرط پوٹری کے لیے نہیں، بلکہ ورس کے لیے ہے۔ اسی طرح

ہمارے ہاں بھی یہ شرط شعر میں نہیں بلکہ نظم میں معتبر ہونی چاہیے۔“ (۱۰)

حالی نے بتایا ہے کہ قدیم عرب کے لوگ بھی شعر کے لیے وزن ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ

”جو شخص معمولی آدمیوں سے بڑھ کر کوئی مؤثر اور دلکش تقریر کرتا تھا، اسی کو شاعر جانتے تھے۔“ (۱۱)

قرآن کریم میں وزن کا مطلق التزام نہ ہونے کے باوجود اس کو عربوں نے شاعری قرار دیا تو

اس کی وجہ بھی حالی کے نزدیک قرآن کی ”زراعی عبارت“ تھی۔

حالی نے محقق طوسی کی کتاب ”اساس الاقتباس“ کے حوالے سے بتایا ہے:

”عبری اور سریانی اور قدیم فارسی شعر کے لیے وزن حقیقی ضروری نہ تھا سب سے پہلے وزن کا التزام

عرب نے کیا ہے۔“ (۱۲)

صاحب بحر الفصاحت نے لکھا ہے :

”منطقیوں کے نزدیک وزن، شعر کی ماہیت میں معتبر نہیں۔ ان کے نزدیک جو کلام قضایائے

تخیلیہ سے بنے وہ شعر ہے۔ چنانچہ شیخ بوعلی سینا کتاب شفا کی بحث منطق میں فرماتا ہے۔

[لانظر للمنطقی فی شیء من ذلک الا فی کونہ کلاما مخیلا] یعنی منطقی کی نظر وزن

اور قافیہ کی طرف نہیں اس کے نزدیک تو یہ چاہیے کہ وہ کلام خیل ہو۔ دوسری جگہ کہتا ہے۔ [انما

ینظر المنطقی فی الشعر من حیث ہو مخیل] یعنی وہ شعر میں اس حیثیت سے غور و فکر کرتا

ہے کہ وہ کلام خیل ہے۔“ (۱۳)

صاحب بحر الفصاحت نے امام رازی کی رائے بھی نقل کی ہے۔ عیون الحکمہ میں وہ فرماتے ہیں:

”[ان نظر فیہ من حیث انه یفید تخیلا قائما مقام التصدیق والترغیب فذلک هو

المنطق] یعنی منطق میں شعر اس حیثیت سے قابل لحاظ ہے کہ وہ تخیل کے لیے تصدیق و ترغیب کے

مقابلے میں مفید ہے۔“ (۱۴)

نجم الغنی نے تخیلا اور وزن کے ضمن میں محقق طوسی کی توضیح بھی نقل کی ہے:

”[نظر منطقی خاص است بہ تخیل و وزن را ازان جہت اعتبار کنند، کہ بوجہ اقتضائے تخیل کند و

صناعت منطق باعث بالذات از تخیل شعرست و بالعرض از دیگر احوال] یعنی منطقی کی نظر بہ تخیل

خاص ہے اور وزن اس لیے اعتبار کرتے ہیں کہ ایک طرح تخیل کا تقاضہ کرتا ہے، اور صنعت منطق میں تخیل مقصود بالذات شعر ہے، اور دوسری حالتیں بالعرض ہیں۔“ (۱۵)

شعر کے وزن کی شرط پر اتنا جاننا ہی کافی ہے کہ کچھ اہل نقد نے وزن کو لازمی بتایا ہے اور کچھ نے اضافی۔ یہی وجہ ہے کہ صاحب بحر الفصاحت نے لکھا ہے:

”منطقیین کی اصطلاح میں شعر اور چیز ہے اور شعر کے نزدیک شعر اور چیز ہے“ (۱۶)

شعر کے وزن کے مسئلے سے نمٹ کر شعر کی تعریف پر غور کرتے ہیں۔ عبدالحلیم ندوی نے عرب ناقدین کے خیالات کو پیش نظر رکھ کر لکھا ہے:

”شعر کے معنی ہیں دل سے کسی بات کو محسوس کرنا اور اس طرح موزوں کئے ہوئے کلام کو اصطلاح میں ’شعر فی‘ کہتے ہیں۔“ (۱۷)

قاضی عبدالعزیز جرجانی لکھتے ہیں:

”شعر ایسا فن ہے جس میں طبیعت (جذبات) روایت (نقالی) اور زکاوت (تخیل) کو دخل ہوتا ہے۔“ (۱۸)

ابن رشیق ”کتاب العمدہ“ میں رقم طراز ہیں:

”شعر ایسا کلام ہے جو موزوں اور مقفی ہو اور بالا راہ لکھا گیا ہو۔“ (۱۹)

عبدالحلیم ندوی نے شعر فی کے تین عناصر ترکیبی لکھے ہیں:

۱۔ ایسے معانی اور مطالب کا پایا جانا جنہیں خیال نے جنم دیا ہو۔

۲۔ ایسے خوبصورت اور چیدہ الفاظ کا پایا جانا، جن سے شعر کے تخیل اور موسیقیت میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے۔

۳۔ ان الفاظ کا ایک خاص سچ دھج سے اس طرح ترتیب دینا کہ ان کے ذریعے اثر اندازی کی شان دو بالا ہو جائے اور یہ صفت ’وزن‘ کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔ (۲۰)

مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں:

”یونانی زبان میں شاعر کو POET یعنی صانع اور خالق کہتے تھے۔ اور اہل روم شاعر اور نبی یعنی غیب

کی خبر دینے والے کے لیے ایک ہی لفظ VATES استعمال کرتے تھے۔ عربی، فارسی اور اردو میں

شاعر کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے اصل معنی، باخبر اور ادراک کرنے والے کے ہیں۔“ (۲۱)

مجنوں گورکھپوری نے بتایا ہے کہ شعر کی تمام تعریفوں میں دو خصوصیات پر زور دیا گیا

ہے [۱] جذباتی ماہیت اور [۲] موسیقیت اور یہ دونوں داخلی حقیقتیں ہیں۔ مجنوں نے مغربی ناقدین کی شعری تفہیم کے ملفوظی اظہار کو اپنی زبان میں اس طرح لکھا ہے:

۱۔ ڈاکٹر جانسن نے شعر کو 'موزوں تصنیف' کہا ہے [Metrical composition]

۲۔ جان اسٹورٹ مل پوچھتا ہے 'شاعری ایسے خیال اور الفاظ کے سوا جن میں جذبات کو بے ساختہ ظاہر کر سکیں اور کیا ہے؟'

۳۔ کارلائل شاعری کو 'مترنم خیال' بتاتا ہے۔

۴۔ شیلے 'تخیل کے اظہار کو شاعری کہتا ہے'۔

۵۔ ہیزلٹ کے نزدیک شاعری 'تخیل اور جذبات کی زبان' ہے۔

۶۔ لے ہنٹ کا خیال ہے کہ انسان کے اندر حقیقت، حسن اور قوت کی طلب کا جو پرورش جذبہ ہے اسی کے بے اختیار اظہار کا نام شاعری ہے، اور اس اظہار کے لیے تخیل اور الفاظ کا متناسب اتار چڑھاؤ لازمی ہیں۔

۷۔ کولرج کے تصور میں 'شاعری علم و حکمت کی ضد ہے اور اس کا نصب العین'

۸۔ ورڈس ورثہ کی لغت میں 'شاعری تمام علم انسانی کی جان اور اس کی لطیف ترین روح ہے۔

شاعری جذبات کی وہ پر جوش علامت ہے جو تمام علم و حکمت کے چہرے میں نمایاں ہوتی ہے۔

۹۔ ایڈگراہلین پو کے خیال کے مطابق 'شاعری حسن کی پراہنگ اور مترنم تخلیق کا نام ہے'۔

۱۰۔ واٹس ڈنٹن WATTS DUNTON کا قول ہے: 'شاعری جذباتی اور مترنم زبان میں شعور انسانی کے محسوس اور جمالیاتی اظہار کا نام ہے'۔ (۲۲)

پروفیسر عبدالقادر سروری نے بھی کچھ مغربی ناقدین کی آراء کو اردو ترجمے کی شکل میں پیش کیا

ہے مثلاً

۱۔ 'شعر الفاظ کا ایسا استعمال ہے کہ اس سے تخیل دھوکا کھا جائے۔ مصور رنگ کی مدد سے جو کام کرتا ہے اس کو الفاظ کے ذریعے انجام کرنے کی صنعت کا نام شاعری ہے' (مکالے، اے سے آن ملٹن)۔

۲۔ 'شاعری تنقید حیات ہے ان اصولوں کے تحت جو شاعرانہ صداقت اور شاعرانہ حسن کے مقرر کردہ ہیں' (میتھیو آرئلڈ اسٹڈی آف پوٹری)

۳۔ 'شعر حیات کی تبدیل ہیئت ہے بالفاظ دیگر وہ ہماری مرئی اشیاء محسوسات اور خیالات کا تخیلی

اظہار ہے“ (الفرڈ اسٹن، مقدمہ ہیومن ٹریجڈی)

۴۔ شعر ایسی متوازن اور تخیلی زبان ہے، جو مذاق، اختراع، خیالات، جذبات اور بطون انسان کو ظاہر کرتی ہے“ (ای۔سی۔ اسٹڈن، نیچر اینڈ الیمینٹ آف پوٹری)۔

۵۔ ”شعر مطلق بطون انسانی کا مجسم اور حسن کا رانہ اظہار ہوتا ہے جس کے لیے پر جوش اور مسجع زبان استعمال کی ہے“ (تھیوڈر وائلسن۔ مضمون ’انسان کو پیڈیا برٹیکا‘)

۶۔ شاعری مسرت زانعت گری ہے جس میں تخیلی حقائق جمع زبان میں ادا کئے جاتے ہیں“ (ڈبلیو جے کور تھوپ، دی لبرل موومنٹ ان انگلش پوٹری)

۷۔ ”شاعری موضوع کے مناسب مجمع زبان بلکہ بحر میں ان اشیاء کا جو پر معنی ہوں تخیلی اور جذباتی اظہار یا ایما ہے“ (سی۔ ایم۔ گے، دی پرنسپلس اینڈ پروگریس آف انگلش پوٹری)

۸۔ ”شاعری ادب ہے جو عام طور سے انسان سے گہرا اور اعلیٰ علاقہ رکھتا ہے۔ انسانی دلچسپی کے جز کے علاوہ اس میں جمالی دلچسپی بھی بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے۔ کیونکہ ان لوگوں میں جن میں تفکر کا ذریعہ ایسی زبان ہے جس میں شعر لکھا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ جمالی حس کے ایسے نفیس سانچے تیار ہو جاتے ہیں کہ خیالات کو حسن کا رانہ رنگ عطا کر کے پڑھنے والوں کے قلوب کو متاثر کر سکتے ہیں“ (ایم۔ ایچ۔ لڈل، مقدمہ ’سائنٹیفک اسٹڈی آف پوٹری‘) (۲۳)

ادب کا مقصد تخلیق:

ادب کی تعریف اور اس کی شعری اور نثری اصناف میں شناخت کے احوال سے فارغ ہو کر ایک اور مسئلے کی طرف دھیان جاتا ہے۔ وہ مسئلہ ہے ”مقصدیت“ کا۔ کیوں کہ ایک گروہ کے نزدیک ادب صرف اور محض تفریح طبع کے خیال سے تخلیق کیا جاتا ہے اور اس کے ابلاغ کا بھی تفریحی مقصد ہوتا ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ادب کو زندگی کے تابع ہونا چاہیے اور اس میں زندگی کے لیے کوئی افادی قدر ہونا ضروری ہے۔

”کشاف تنقیدی اصطلاحات“ کے مرتب کا خیال ہے کہ:

”ادب برائے ادب [ART FOR ARTS SAKE] کے نظریے کے علم بردار ادب کو ایک خالص جمالیاتی چیز قرار دیتے ہیں اور ادب میں مقصدیت اور ادب کی سماجی افادیت کے قائل نہیں۔ ان کے نزدیک ادب کا منصب فقط یہ ہے کہ وہ قارئین کو جمالیاتی مسرت سے ہم کنار کرے۔ ان کا خیال ہے کہ ادب سے جمالیاتی مسرت کے سوا کسی قسم کے سیاسی پیغام، اخلاقی مقصد یا سماجی افادیت کی

توقع کرنا بد مذاقی ہے۔“ (۲۴)

”ادب برائے زندگی“ یا [ART FOR LIFE SAKE] کے ضمن میں صاحب ”کشاف“ نے

لکھا:

”ادب کا اولین کام یہ ہے کہ وہ قارئین و سامعین کو مسرت بہم پہنچائے۔ ادب کا دوسرا فریضہ یہ ہے کہ وہ زندگی کے بارے میں ہماری آگہی میں اضافہ کرے یعنی ہمیں اپنی ذات اور اپنے ماحول کو سمجھنے میں معاون ثابت ہو۔ چنانچہ کسی نہ کسی شکل میں سماجی زندگی سے اعتنا ادب کے لیے لازم ہے تو اس صورت میں اگر ادب سے زندگی کے حسن کو نکھارنے، اس کے معائب کو دور کرنے کی توقع کی جائے تو یہ بے جا توقع نہیں۔ اور یہی ادب برائے زندگی کا نظریہ ہے۔“ (۲۵)

اس صورت حال میں ادب کی تنقید کے لیے بھی اضافی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ تنقید کے اصول اور تنقید کے مقاصد کا تعین خود فن پارے کے صوری اور معنوی جمال اور اس میں پوشیدہ مقصد کی روشنی ہی میں کیا جاسکتا ہے۔ اگر فن پارے کی بنت میں لامقصدیت کا جوہر ہو تو بات صرف حسن کا رانہ اسلوب کی اور فن کے اصولوں کی رہ جائے گی بصورت دیگر فن پارے کے مقصد تخلیق کے حوالے سے فن پارے کا مافیہ نفس مضمون یا content اہم ہوگا اور فن پارے کے صوری اور صنفی جمال کے ساتھ ساتھ فکر و خیال کی اصابت یا کجی کا بھی لحاظ رکھ کر بات کی جائے گی۔

ادب کی لامقصدیت یا صرف زندگی کی سادہ نقالی کے تصور کو تو ہم رد کرتے ہیں کیونکہ ہمارا بنیادی قضیہ یا thesis ہی یہ ہے کہ ادب کو افادی قدروں کا حامل اور معاشرے کے لیے مفید ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں مجنوں گورکھپوری کی رائے جان لینا ہی کافی ہوگا۔ وہ فرماتے ہیں:

”ادب یا حسن کاری اگر زندگی کی محض سادہ نقل ہے تو یقیناً ایک فعل عبث ہے جو زیادہ سے زیادہ تفریح کا ذریعہ بن سکتا ہے اور افلاطون نے اگر اس کو اپنی جمہوریت سے خارج کر دیا تو بہت ٹھیک کیا۔“ (۲۶)

قرآن کریم میں جن شعراء کی مذمت آئی ہے وہ ایسی شاعری کرنے والے طبقے سے تعلق رکھتے تھے جو ادب کو برائے ادب یعنی محض تفریح طبع کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ جن کی شاعری وقتی ملذذ کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ ادب کا تفریحی استعمال دین اسلام کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے شعراء کے لیے بھی اچھی اور بری شاعری میں فرق کر کے بتا دیا۔ سورہ شعراء میں ارشاد ہوا:

”وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۚ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۚ وَ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا

لَا يَفْعَلُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا
مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا ط

”رہے شعراء، تو ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور جب ان پر ظلم کیا گیا تو صرف بدلہ لے لیا۔“ (۲۷)

ان آیات میں اللہ رب العزت نے بری شاعری کرنے والوں اور اس شاعری سے لطف اندوز ہونے والوں کو بہکے ہوئے لوگ کہا لیکن استثنائی صورت میں ان شعراء کا ذکر فرمایا جو ایمان، اعمال صالحہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں اور اپنے مخالفین کی بدگوئی یعنی ہجو یہ شاعری کا اسی انداز میں صرف جواب دیدیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والے شعراء اور ہجو کہنے اور سننے، سنانے والے گروہ کے معاملے میں بھی یہ بات پسند نہیں فرماتے کہ ان لوگوں کی طرف سے ہونے والی زیادتی کا بدلہ بھی خود ان کے ظلم کی مقدار سے بڑھ جائے!

معروف جرمن مستشرق خاتون ابنی میری شمل نے لکھا ہے:

”ادب برائے ادب کی مذمت قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق ہے۔۔۔ قرآن مجید کی سورۃ

الشعراء [نمبر ۲۶] میں جھوٹے اور خیال باف شعراء کی مذمت آئی ہے۔“ (۲۸)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے دربار خاص یعنی مسجد نبوی میں ایسے ہی شعراء کو کفار کی ہجو یہ شاعری کا جواب دینے اور اسلام کے محاسن بیان کرنے کے لیے جمع فرمایا تھا۔ اللہ کے رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے اچھے اشعار کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے:

”ان من الشعر لحکمة“ (بعض اشعار حکیمانہ ہوتے ہیں) (۲۹)

امیہ ابن الصلت کا کلام سن کر آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

”امِنْ شِعْرِهِ وَ كُفْرِ قَلْبِهِ“ (اس کا شعر مومن ہے مگر اس کا دل کافر ہے) (۳۰)

حضور اکرم ﷺ نے، دور جاہلیت کے دو شعراء امراء القیس اور عترة کے متعلق دو جدا گانے، مختلف اور چچی تلی آراء کا اظہار فرمایا تھا۔ امراء القیس کے بارے میں ارشاد ہوا تھا:

”اشعر الشعراء و قائد هم الى النار“ (یعنی وہ شاعروں کا سر تاج تو ہے ہی لیکن جہنم کے مرحلے

میں ان سب کا سپہ سالار بھی ہے)

عترة کا درج ذیل شعر حضرت رسالت مآب ﷺ کو سنایا گیا:

ولقد ابیت علی الطوی اظله

حتی انال بد کریم الما کل

(میں نے بہت سی راتیں محنت مشقت میں بسر کی ہیں تاکہ میں اکل حلال کے قابل ہوں سکوں)

یہ شعر سن کر حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”کسی عرب کی تعریف نے میرے دل میں اس کا شوق ملاقات پیدا نہیں کیا لیکن میں سچ کہتا ہوں

کہ اس شعر کے نگارندہ کے دیکھنے کو میرا دل بے اختیار چاہتا ہے۔“

حضور اکرم ﷺ کے ان ارشادات کے حوالے سے علامہ اقبال نے لکھا تھا:

”اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امراء القیس کی شاعری میں وہ کون سی باتیں ہیں جنہوں نے حضور

سرور کائنات ﷺ سے یہ رائے ظاہر کروائی۔ امراء القیس کے دیوان پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو

ہمیں شراب ارغوانی کے دور، عشق و حسن کی ہوش ربا داستانوں اور جاں گداز جذبوں، آندھیوں سے

اڑی ہوئی پرانی بستیوں کے کھنڈروں کے مرثیوں، سنسان، ریتیلے ویرانوں کے دل دہلانے والے

منظروں کی تصویریں نظر آتی ہیں۔ اور یہی عرب کے دور جاہلیت کی کل تخیلی کائنات ہے۔ امراء

القیس، قوت ارادی کو جنبش میں لانے کے بجائے اپنے سامعین کے تخیل پر جادو کے دورے ڈالتا

ہے اور ان میں بجائے ہوشیاری کے بے خودی کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی

حکیمانہ تنقید میں فنون لطیفہ کے اس اہم اصول کی توضیح فرمائی ہے کہ صنائع و بدائع کے محاسن اور انسانی

زندگی کے محاسن، یہ کچھ ضروری نہیں کہ یہ دونوں ایک ہی ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ شاعر بہت اچھا شعر

کہے لیکن وہی شعر، پڑھنے والے کو اعلیٰ علیین کی سیر کرانے کی بجائے اسفل السافلین کا تماشا دکھا

دے۔“ (۳۱)

اقبال نے رسول اللہ ﷺ کے تبصرے کے حوالے سے عترہ کی شعری اقدار پر اس طرح

روشنی ڈالی:

”رسول اللہ ﷺ نے جو عزت عترہ کو بخشی اس کی وجہ ظاہر ہے۔ عترہ کا شعر ایک صحت بخش زندگی کی

جیتی جاگتی، بولتی چالنی تصویر ہے۔ حلال کمائی میں انسان کو جو سختیاں اٹھانی پڑتی ہیں، جو کڑیاں جھیلنی

پڑتی ہیں ان کا نقش پردہء خیال پر شاعر نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ کھینچا ہے۔ حضور خواجه دو

جہاں ﷺ (بابی و انت و امی) نے جو اس قدر شعر کی تعریف فرمائی ہے اس سے صنعت کے ایک

دوسرے بڑے اصول کی شرح ہوتی ہے کہ صنعت، حیات انسانی کے تابع ہے، اس پر فوقیت نہیں

— اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ —

شعر کے عیب ظاہر کرنا۔ اسی نسبت سے جب اسم بنا تو ”النتقاد“ ہوا جس کے معانی ہوئے ”روپے پر کھنے والا۔ تنقید کرنے والا۔ (۳۵)

☆ فارسی:

فارسی لغات میں ”انتقاد“ کا مطلب ہے (i) نقد لینا (ii) بھوسے سے دانے جدا کرنا، غلہ صاف کرنا (iii) پرکھنا (iv) تنقید کرنا۔ نقاد: پرکھنے والا۔ روپے اشرافی کو پرکھنے والا۔ کھوٹے کو کھرے سے الگ کرنے والا۔ (۳۶)

۲۔ انگریزی میں تنقید کا مفہوم:

انگریزی: انگریزی میں تنقید یا انتقاد کے لیے CRITICISM کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ Fallon's اردو انگریزی ڈکشنری میں لکھا ہے:

Criticism, n 1. critical examination
دریافت۔ [تبصرہ۔ نقد۔ تنقیدی مضمون۔ نکتہ چینی۔ انتقاد]۔۔۔ نکتہ چینی۔ حرف گیری۔ خردہ گیری۔ کسی کتاب کا سختی کے ساتھ عیب نکالنا یا بتانا۔ Critic - n، دقیقہ سنج۔ باریک بین۔ نکتہ سنج۔ نکتہ دان۔ سخن چیں۔ محقق [نقاد۔ رائے زن۔ معترض]۔ (۳۷)

پیٹوین انگریزی ڈکشنری میں تحریر ہے:

Criticism [kRiticism] n art or process of judging merits of artistic or literary work; analysis or review of such work; guiding critic's method; expression of unfavourable opinion, pointing out of faults.

Critic [kRitik] n expert judge of literary or artistic merit; professional reviewer of books, drama etc; one expert in study of manuscripts and texts; severe judge, fault.finder (۳۸)

ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

”عربی میں نقدا یا انتقاد کے بنیادی معنی کھوٹا کھرا پرکھنا ہے۔ یونانی زبان میں Krinein کا مطلب ہے: ”To Judge or to discern“۔

انگریزی کتابوں، لغات اور دائرۃ المعارف کے مطالعے سے ڈاکٹر سید عبداللہ نے مندرجہ ذیل نکات اخذ کیے ہیں:

۱۔ تنقید کامل بصیرت و علم کے ساتھ، موزوں و مناسب طریقے سے، کسی ادب پارے یا فن پارے

کے محاسن و معائب کی قدر شناسی یا اس کے بارے میں ”حکم لگانا“ [فیصلہ صادر کرنا] ہے۔

Webster, New International, 2nd ed:

۲۔ کسی ادب پارے یا فن پارے کے خصائص اور ان کی نوعیت کا تعین کرنا۔ نیز کسی نقاد کا عمل یا

منصب یا وظیفہ۔ New English Dictionary

۳۔ محدود معنوں میں تنقید کا مطلب کسی ادب پارے کی خوبیوں اور کمزوریوں کا مطالعہ ہے۔ وسیع معنوں میں، اس میں تنقید کے اصول قائم کرنا اور ان اصولوں کو تنقید میں استعمال کرنا بھی شامل ہے۔ گویا اس میں کچھ نہ کچھ فلسفہ بھی داخل ہو جاتا ہے، کیونکہ اصول بندی فلسفیانہ عمل ہے۔

انسائیکلو پیڈیا امریکانا، (۱۹۴۶ء ایڈیشن)

۴۔ ایڈمن گوس Ed. Goss کا خیال ہے کہ کسی ”جمال پارے“ (ادبی یا فنی) کے خصائص اور ”قیمت“ کے بارے میں محاکمہ کرنے۔ یا فیصلہ صادر کرنے کا فن ”تنقید“ کہلاتا ہے۔ بعد ازاں اس نے ادب پارے کے خصائص کا لکھا ہوا ہونا بھی لازمی شرط کے طور پر لکھا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برطانیکا، ۱۱واں ایڈیشن۔

۵۔ آئی۔ اے۔ رچرڈز کا خیال ہے کہ تنقید کا کام کسی مصنف کے کام کا تجزیہ، اس کی مدلل توضیح اور بالآخر اس کی جمالیاتی قدروں کے بارے میں فیصلہ صادر کرنا ہے۔

۶۔ تنقید فکر کا وہ شعبہ ہے جو یا تو یہ دریافت کرتا ہے کہ ”شاعری کیا ہے؟“ اس کے فوائد و وظائف کیا ہیں؟ یہ کن خواہشات کی تسکین کرتی ہے؟ شاعر شاعری کیوں کرتا ہے؟ اور لوگ اسے کیوں پڑھتے ہیں؟..... یا پھر یہ اندازہ لگاتا ہے کہ کوئی شاعری یا نظم اچھی ہے یا بری ہے۔ (ٹی ایس ایلینٹ)

۔ (۳۹)

☆ اردو: اردو لغات میں ”تنقید“:

تنقید: (فت، ت، سک، ن، ی، مع) کے معانی ہیں: (i) ایسی رائے جو برے بھلے یا صحیح اور غلط کی تمیز کر دے، پرکھ، چھان بین، کھوٹا کھرا جانچنا۔ (ii) وہ تحریر جس میں کسی فن پارے کے حسن و قبح پر فنی اصول و ضوابط کی روشنی میں اظہار رائے کیا گیا ہو۔ (iii) نکتہ چینی، اعتراض۔
انتقاد (کس، اس، سک، ن، کس، خفت) کے معنی ہیں (صحت و عدم صحت کی) (i) پرکھ، پرکھنا۔ (ii) نقد و نظر، تنقید، نکتہ چینی۔

انتقادی (کس، اس، سک، ن، کس، مجت) صف۔ نقد و تبصرے یا تنقید سے متعلق (الفاظ یا خیالات وغیرہ)۔

نَقْدُ الْأَدَبِ: ادبی تنقید، ادب کے محاسن اور معائب کا اندازہ، ادب و فن پر رائے، ادب پر کھانا۔
نَقْدُ الشَّعْرِ: شعر کے فن پر کی جانے والی تنقید، شعر کو پر کھانا۔ (۴۰)

تقد (فتن، شوق) صف - (i) جو کھرے کھوئے سکوں کو پر کھے، کھر اکھوٹا خوب پر کھنے والا، پارکھ، صراف - (ii) حق و باطل کو پر کھنے والا، خیر و شر میں امتیاز کرنے والا - (iii) شعر و ادب کو پر کھنے والا، کسی تحریر یا کتاب وغیرہ کو جانچنے والا، ماہر، استاذین، تنقید نگار - (۴۱)

لغات کی ورق گردانی کے بعد ہم اس مرحلے پر تنقید کا وہ مفہوم بھی جاننا چاہیں گے جو ادباء، شعراء یا ناقدین نے سمجھا ہے۔

نیاز فتح پوری لکھتے ہیں:

”ادبیات کے مطالعے کے سلسلے میں سب سے زیادہ اہم چیز جو نہ صرف اپنے ذوق کی تسکین بلکہ دوسروں کے نتائج فکر کی قیمت کا اندازہ کرنے کے لیے بھی از بس ضروری ہے اصولاً اس فن کو جاننا ہے جسے انگریزی میں CRITICISM کہتے ہیں اس کا ماخذ یونانی لفظ ہے، جس کے معنی فیصلہ کرنے کے ہیں۔ اردو میں عام طور پر اس کا ترجمہ تنقید کیا جاتا ہے، لیکن زیادہ صحیح لفظ نقد یا انتقاد ہے جس کا مفہوم پرکھنا یا جانچنا ہے اور ہر وہ شخص جو یہ خدمت انجام دیتا ہے اسے نقاد کہتے ہیں۔“ (۴۲)

حامد اللہ افسر رقم طراز ہیں:

”لفظ تنقید عربی صرف ونحو کے اعتبار سے صحیح نہیں، اس کی جگہ نقد یا انتقاد ہونا چاہیے۔ لیکن اردو میں اب یہ لفظ اس قدر رائج ہو گیا ہے کہ اس کی جگہ دوسرے لفظ کا استعمال مناسب نہ ہوگا۔ جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے اسے صحیح سمجھنا جائیے“۔ (۴۳)

ڈاکٹر سجاد باقر رضوی تنقید کے منصب پر اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں:

”تنقید کے مختلف منصب بنائے گئے ہیں۔ تحسین، تشریح، حسن، قبح کی توضیح، تجربہ، فن پارے کی قدر کا تعین وغیرہ۔ مگر تنقید کا سب سے مفید کام یہ ہے کہ وہ زندگی کو زیادہ سے زیادہ تخلیقی بنانے کے متعلق سوال اٹھاتی ہے۔“ (۴۴)

سید وقار عظیم رقم طراز ہیں:

”تنقید، اچھائی برائی جانچ پرکھ کی ایسی کسوٹی ہے جس میں اصول و ضابطے بھی کام کرتے ہیں اور

ذاتی پسند اور ناپسندیدگی بھی“ (۴۵)

تقدیر چونکہ لکھے ہوئے ایسے لفظ پر کی جاتی ہے جس میں انبساط کا پہلو بھی ہوتا ہے اور اس لفظ میں انبساط کی ترسیل کی قوت بھی ہوتی ہے۔ وہ لفظ اپنے لغوی انسلک کے علاوہ لکھنے والے کے احساسات کا امین بھی ہوتا ہے اور ان احساسات کو قاری تک منتقل کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اہل فن، ادب یا لٹریچر اور ادبی نثر اور شاعری کو کیا سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک ادب و شعر کی کیا اہمیت ہے۔ تخلیق شعر و ادب کے معیارات کیا ہیں؟ ان نکات کی جانکاری ہی دراصل تقدیر کی ابتداء ہے۔

اس مقالے میں ہمارا سروکار، مدحت رسول ﷺ یعنی نعتیہ شاعری سے ہے اس لیے ہم شعر کے ضمن میں اہل علم کی آراء بھی جاننا چاہیں گے تاکہ تقدیر کا عملی پہلو اجاگر کیا جاسکے۔

بقول جیلانی کا مران، ہندوستانی مسلمانوں کی ادبیات کے پیچھے ہمیشہ علم الشعر کے نظریات کا رفر مار ہے ہیں۔ ادبی تقدیر کو مسلمانوں کی علمی روایت میں ”علم الشعر“ کہا گیا ہے۔ چنانچہ فن کو اس کے باطنی کشف سے جدا کر کے اس کے اجزائے ترکیبی پر بحث کی گئی ہے۔

جیلانی کا مران، شاعری کے فن پر کیے جانے والے مسلمانوں کے کام کو پورے یورپ سے زیادہ قرار دیتے ہیں۔ کیوں کہ بحور و عروض کا مطالعہ اپنی تفصیل میں، مسلمانوں کا ایک نہایت جامع اور منفرد کارنامہ ہے۔ (۴۶)

جیلانی کا مران نے جن باتوں کی طرف اشارے کیے ہیں ان کی تفصیل ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنی کتاب ”اشارات تقدیر“ میں فراہم کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”مسلمانوں کے علوم شعر اور علوم ادب کئی ہیں اور اس ذوقی تقدیر میں جس کا مسلمانوں میں بڑا رواج رہا ہے، یہ سب علوم کام میں لائے جاتے رہے ہیں:

۱۔ معانی یا (بلاغت): یہ علم عبارت (کلام) کے سیاق اور اس میں کلمات کی منطقی ترتیب اور اجزائی مناسب ترکیب کا علم ہے۔ کلام سے مراد نظم بھی ہے، نثر بھی اور گفتگو بھی ۲۔ بدیع: صنعتوں کا علم ۳۔ علم قافیہ ۴۔ عروض: شعر کے وزن کو ناپنے کا علم ۵۔ ادب: ان سب فنون کا مجموعہ ہے جن کی مدد سے زبان و بیان پر قدرت حاصل ہو سکتی ہے جو بہترین اظہار کی نمائندگی کرتے ہیں ۶۔ انشا: تخلیقی اور ادبی نثر ۷۔ ترسل: خط نگاری کے لیے فصیح و بلیغ نثر ۸۔ (۴۷)

مولوی نجم الغنی، رامپوری نے اپنی معرکہ آرا تصنیف ”بحر الفصاحت“ میں جہاں شعری

اصناف کو ہیئت کے اعتبار سے غزل، قصیدہ، مثنوی وغیرہ کی صورت میں تقسیم کر کے بیان کیا ہے وہیں شعر کے معنوی اوصاف کے حوالے سے بھی اصناف شعر کا ذکر کیا ہے۔ شعر کے معنوی جمال کی یہ تفصیل دیکھ کر ہی اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے شاعری کو کن کن زاویوں سے پرکھا ہے اور کس عرق ریزی سے اس کے صورتی و معنوی حسن کو اجاگر کر کے، شعر کی ہر معنوی سطح کو ایک نام دیا ہے۔ مثلاً

۱۔ شعر مطبوع: ایسا شعر جو پسندیدہ وزن میں بنایا جائے جیسے مومن کا شعر

دُفن جب خاک میں ہم سوختہ سماں ہوں گے
فلس ماہی کے، گل شمع شبستاں ہوں گے!

۲۔ نامطبوع: جس کا وزن ثقیل ہو جیسے:

عجب نشاط سے جلا د کے چلے ہیں ہم آگے

کہ اپنے سائے سے سراپاؤں سے ہے دو قدم آگے

۳۔ ملائم: ایسا شعر جس کے الفاظ آسان اور شیریں اور دل پسند ہوں، جیسے:

نزاکت اس گل رعنا کی دیکھ اے انشا

نسیم صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا

۴۔ متنافر، ملائم کی ضد، جیسے:

ترے عہد میں ہیں معطل بتوں کے

سہام جفون و سیوف حواجب (منیر)

۵۔ ایسا شعر جس کے لطائف و معانی سمجھنا آسان ہو جیسے میر تقی میر

آ کے سجادہ نشین قیس ہوا میرے بعد

نہ رہی دشت میں خالی مری جا میرے بعد

۶۔ سہل شعر کی ضد معترف (سیدھے ہاتھ سے پھر جانے والی) کہلاتی ہے، جیسے غالب:

شمار سبجہ مرغوب بت مشکل پسند آیا

تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا

۷۔ سہل ممتنع: لغت میں سہل آسان کے معنی میں ہے اور ممتنع دشوار کے معنی میں۔ اصطلاح میں ایسے

شعر کو کہتے ہیں جس کی مثال بنانا دشوار ہو، اگرچہ بظاہر سہل معلوم ہوتا ہے، جیسے بقا:

دیکھ آئینہ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں

اس کا میں چاہنے والا ہوں بقاء، واہ رے میں

۸۔ حزل: لغت میں تمام اور بڑے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں ایسے شعر کا نام ہے جس میں الفاظ عمدہ اور زوردار ہوں، ان کی نشست مضبوط ہو۔ معانی عالی اور مثین ہوں۔ پھس پھسے الفاظ اور پھسیدہ بندش سے پاک ہو۔ لفظاً اور معناً اس میں کسی طرح کا نقصان متصور نہ ہو، جیسے غالب:

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے، شبِ غم بری بلا ہے

مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

۹۔ مرتجل: ارتجالاً بلا سوچے سمجھے فی البدیہہ شعر بنانا جیسے ناسخ نے ایک مصرعہ کہا

ع ہے چشمِ نیم باز، عجب خواب ناز ہے

اور دوسرے مصرعے کی فکر میں تھے کہ خواجہ وزیر آگئے۔ خاموشی کا سبب پوچھا۔ ناسخ نے مصرعہ پڑھا تو

انہوں نے فی البدیہہ مصرعہ کہہ دیا: ع فتنہ تو سو رہا ہے، در فتنہ باز ہے

۱۰۔ فکری: یعنی وہ شعر جو غور و فکر کے بعد بنایا جائے۔ یہ مرتجل کی ضد ہے۔

۱۱۔ ذوالنوعین: ایسا شعر جس میں دو قسم کی صنعتیں جمع ہوں، جیسے:

نہ وہ پہنچا نہ کلائی ہے بات

نہ وہ پہنچا، نہ کل آئی ہیبت

اس میں ایک جگہ ”پہنچا“ عضو کا نام ہے۔ دوسری جگہ مصدر پہنچنا سے ماضی کا صیغہ ہے۔ ایک جگہ

”کلائی“ ہاتھ کے خاص حصے کا نام ہے۔ دوسری جگہ ”کل آئی“ چین اور آرام کے معنی میں

ہے۔ ایک جگہ ”ہاتھ“ ایک عضو ہے اور ”ہے“ کا لفظ رابطہ غیر زمانی ہے۔ جبکہ دوسری جگہ

”ہیبت“ عربی کا لفظ ہے جس کے معنی افسوس کے ہیں۔

۱۲۔ اگر دو سے زیادہ صنعتیں جمع ہوں تو اسے متنوع کہتے ہیں۔

۱۳۔ خمریات: ایسے اشعار جن میں شراب کے اوصاف اور ساقی اور آرائش محفل کے حالات

ہوں۔ جیسے: سید محمد خاں رند:

ساقیا، پلو اتک ظرفوں کو چلو بھر شراب

میں ہوں دریا نوش، کیا دیتا ہے اک ساغر، شراب

نجم الغنی رامپوری نے اپنی مذکورہ تصنیف میں ”اعجم“ کے حوالے سے لکھا ہے:

”شعری بنیاد اچھے وزن، شیریں الفاظ، عمدہ معانی، درست قوانین، سہل ترکیب اور لطیف مضامین پر

ہو..... استعارات بعیدہ، مجازات شاذہ، تشبیہات کا ذبہ، اور تجنیسات مکروہ سے خالی ہو۔ ہر بیت کے لفظ و معنی پورے پورے اس میں موجود ہوں۔ سوائے سیاق کلام اور سلسلہ معانی کے دوسرے اعتبار سے غیر بیت پر موقوف نہ ہو۔ الفاظ و توانی کا دروبست بخوبی ہو۔“ (۴۸)

قصیدے کے ضمن میں نجم الغنی نے بتایا ہے کہ وہ مکمل ایک ہی طرز پر ہو۔ عبارت کہیں عمدہ اور کہیں خراب نہ ہو۔ معانی بھی کبھی مرتب اور کبھی مضطرب نہ ہوں۔ الفاظ کا باہم میل بنا رہے۔ متروک الفاظ سے پاک ہو۔ وہ لکھتا ہے:

”اس امر کو تفویف کہتے ہیں جو لغت میں کپڑے پر رنگ برنگ کے خطوط بنانے کے معنی میں ہے۔“ (۴۹)

بحر الفصاحت کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے تخلیقی ادب کے موضوع پر کتنی گہرائی سے سوچا اور علم ادب کو کتنی عرق ریزی کے ساتھ معجزاتی، مدون کر دیا ہے۔
نقاد کی ذمہ داری:

درج بالا تمام تفصیلات دینے اور علوم و معارف کی طرف اشارہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ”نقد ادب“ کے سلسلے میں نقاد کو کن کن خوبیوں کا خیال رکھتے ہوئے اشعار کو پرکھنا ہوتا ہے، اس کا بھی ایک دھندلا سا نقشہ بن جائے!

ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

”عربوں میں شعر فنی اور سخن سنجی کا ملکہ خدا داد تھا۔ بازارِ عکاظ میں جب شعر گوئی کے بڑے بڑے معرکے ہوتے تھے تو ان کو سمجھنے کے بعد تنقید بھی کی جاتی تھی..... ابن جعفر قدامہ نے اپنی کتاب نقد الشعر میں سببہ معلقہ کے شعرا کے متعلق مختلف تنقیدی اقوال نقل کیے ہیں۔ ان اقوال سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں جن سے اس وقت کے تنقیدی نظریات کا اندازہ ہوتا ہے:

۱۔ عہد جاہلیت میں الفاظ کا زیادہ خیال نہیں کیا جاتا تھا، عام طور پر تنقید کے وقت معانی کو پیش نظر رکھتے تھے۔

۲۔ اظہار معنی میں وہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ شاعر نے جو بات کہی ہے وہ ان قبائلی عقائد اور سوسائٹی کے رسوم سے کہاں تک منطبق ہے۔

۳۔ کسی شاعر کے بڑے شاعر ہونے کا دار و مدار اس بات پر تھا کہ اس میں تشریحی و توضیحی عنصر کہاں تک ہے۔

۴۔ ایسے شاعروں کو ترجیح دی جاتی تھی جن کے یہاں جذبات آفرینی اور ولولہ انگیزی زیادہ ہو۔“ (۵۰)

”قابوس نامہ“ امیر غنصر المعالی کی کاؤس بن اسکندر بن قابوس بن دشگیر کی تصنیف ہے جو خود مصنف کے بیان کے مطابق ۴۷۵ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اس کتاب میں امیر کی کاؤس نے اپنے بیٹے کو عملی زندگی گزارنے کے لیے بہترین نصیحتیں کی ہیں۔ اس کتاب کے پینتیسویں [۳۵] باب میں ”شاعری اور اس کے آداب و اسلوب“ کے زیر عنوان وہ لکھتا ہے:

”فرزند: اگر اتفاق سے تو شاعر ہو تو کوشش کر کہ شعر سہل متنع ہو۔ مشکل اور گنگناک الفاظ سے پرہیز کر۔ وہ کیا بیان ہوا کہ جسے صرف تو سمجھ سکے اور دوسرا کوئی نہ سمجھے یا جس کی تشریح کی ضرورت پیش آئے۔ شعر تو آخر لوگوں کے لیے ہی ہوتا ہے۔ صرف اپنے لیے نہیں ہوتا۔ وزن اور قافیہ میں نئی راہیں تلاش کر۔ صنعت اور ترتیب کے بغیر شعر مت کہہ کیوں کہ سیدھا سادا شعر اپیل نہیں کرتا۔ مرصع کاری اور مبالغہ آرائی ہر حال میں ہونی چاہیے۔“ (۵۱)

قابوس نامہ میں شعری حسن پیدا کرنے کی تراکیب بھی دی گئی ہیں اور مختلف اصنافِ سخن کے مزاج اور اسالیب کا ذکر بھی ہے علاوہ ازیں ان اصنافِ سخن کے لیے مخصوص زبان و بیان کے پیرائے بھی بتائے گئے ہیں۔ پانچویں صدی ہجری کی تصنیف میں حیرت انگیز طور پر ایسی ہدایات ہیں جو آج کے شعری مذاق سے بہت زیادہ مشابہ ہیں۔ مثلاً:

۱۔ اگر تیری خواہش ہو کہ تیری شاعری بلند درجہ کی اور ہمیشہ باقی رہ جانے والی ہو تو شعروں میں استعارہ استعمال کر۔ ۲۔ استعارہ ممکنات کے متعلق ہو۔ ۳۔ مدح میں استعارے سے کام لے۔ ۴۔ اگر غزل یا ترانہ ہو تو اسے آسان اور نرم زبان میں ادا کر۔ ۵۔ قافیہ کی زمین معروف ہونی چاہیے۔ ۶۔ اجنبی اور نامانوس تراکیب سے پرہیز کر۔ ۷۔ انداز بیان عاشقانہ اور پیرایہ لطیف ہو۔ ۸۔ عمدہ عمدہ امثال استعمال کر جو خاص و عام کو پسند آسکیں۔ ۹۔ عروض، علم شعر اور القاب اور شعر کی تنقید کو باقاعدہ سیکھ۔ ۱۰۔ شعر کی خواہ کوئی قسم ہو غزل ہو، ہجو گوئی ہو، مرثیہ ہو، نعت ہو، اس سے انصاف کر۔ ۱۱۔ جو بات نشر میں کہنے کے لائق نہیں، نظم میں بھی نہ کہہ۔ ۱۲۔ غزل ہو کہ گیت، شوخ ہونا چاہیے۔ ۱۳۔ قصیدے میں جرات اور شان و شوکت ہونی چاہیے۔ ۱۴۔ ہر شخص کی قدر و قیمت اور مقام کا خیال رکھ اور اس کی مدح و تعریف اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق کر۔ ۱۵۔ شاعر کے لیے لازم ہے کہ ممدوح کی طبیعت سے واقف ہو اور اسے معلوم ہو کہ ممدوح کو کوئی بات اچھی لگتی ہے۔ اس

کے بعد اس کی تعریف اس طرح کرے کہ اسے پسند آئے۔ ۱۶۔ نعت اور حمد کہنے کی لیاقت ہو تو اس میں کوتاہی نہ کر کیونکہ دونوں جہانوں کی سرخروئی اس میں ہے۔ ۱۷۔ جو کچھ بھی تو کہے وہ تیرا اپنا تخیل ہو، دوسرے لوگوں کا چایا ہوا نوالہ نہ ہو۔ ۱۸۔ پامال اور دوسروں کے مستعار مضامین سے نہ تو تیرے شعر کا میدان فراخ ہوگا اور نہ تیری طبیعت میں کشادگی پیدا ہوگی۔ (۵۲)

نظامی عروضی سمرقندی نے چہار مقالہ میں ”شعر کی حقیقت اور شاعر کی صلاحیت کے بیان میں“ مقالہ دوم قلم بند کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

”شاعری ایک ایسے فن کا نام ہے کہ شاعر اس فن کے ساتھ وہی مقدمات کو ترتیب دیتا ہے اور قیاسات کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ ادنیٰ بات کو اعلیٰ اور اعلیٰ کو ادنیٰ ظاہر کرتا ہے۔ خوبصورت چیز کو برے لباس میں اور بری چیز کو اچھے لباس میں جلوہ نما کرتا ہے اور صنعت ایہام کی بنا پر غرضی اور شہوانی قوتوں کو ابھارتا ہے یہاں تک کہ اس ایہام سے طبیعتوں میں رنج اور خوشی پیدا ہوتی ہے اور شاعری دنیا میں بڑے بڑے کاموں کے انتظام کا سبب بنتی ہے۔“ (۵۳)

شاعروں کے لیے اس نے جو ہدایات رقم کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

☆ شاعر کو تسلیم الفطرت، بلند و عمدہ فکر، باریک بین، درست طبع، مختلف علوم کا ماہر اور اپنے ماحول کے رسم و رواج کا دانندہ ہونا چاہیے..... ☆ متقدمین کے بیس ہزار اشعار اور متاخرین کے نشانات سے دس ہزار جملے شاعر کو یاد ہونے چاہئیں..... ☆ شاعر کو چاہیے کہ ہمیشہ اساتذہ کے دواوین پڑھتا رہے..... ☆ علم عروض بھی پڑھے۔ (۵۴)

چہار مقالہ میں، احمد عبداللہ نجستانی کا واقعہ لکھا کہ وہ ایک گدھوں والا تھا بعد میں خراسان کا امیر بن گیا۔ جب اس سے اس غیر معمولی ترقی کا راز دریافت کیا گیا تو اس نے بتایا کہ وہ حنظلہ باغیسی کا یہ شعر پڑھ کر اس منصب کے لیے کوشش کرنے لگا تھا۔ اس شعر کا مفہوم یہ ہے:

”اگر سرداری شیر کے حلق میں ہے تو اسے جا کر آفتیں برداشت کر کے بھی نکال لا۔ یا تو بزرگی، عزت، نعمت اور مرتبہ حاصل ہوگا یا جو انمردوں کی مانند مر کر چلا۔“

شعر کی تاثیر ظاہر کرنے کے لیے نظامی نے بتایا کہ رودکی نے سلطان نصر بن احمد کے سامنے قصیدہ پڑھا تو سلطان پر ایسا اثر ہوا کہ وہ تخت سے اتر کے بغیر موزہ پہنے گھوڑے پر سوار ہو کر بخارا کی جانب چل دیا۔ حالانکہ اس کا دل اس جگہ سے ہلنے کو نہیں چاہتا تھا اور یہاں پڑاؤ ڈالے چار سال ہو گئے تھے جس سے سپاہی تنگ آچکے تھے۔ رودکی کے وہ اشعار درج ذیل ہیں:

یاد یار مہرباں آید ہے بوائے جوئے مولیاں آید ہے
ریگ آموئے درشتیہائے او پائے مارا پرئیاں آید ہے
آب جیون و شکر فیہائے او خنگ مارا تا میاں آید ہے
اے بخارا شاد باش و شاد ذی شاہ سویت میہماں آید ہے
شاہ ماہ ہست و بخارا آسماں ماہ سوئے آسماں آید ہے
شاہ سرو است و بخارا بوستاں سرو سوئے بوستاں آید ہے

(ترجمہ: مولیاں نہر کی بو آ رہی ہے۔ گویا کہ یار مہربان کی بو آ رہی ہے.....☆ دریا آموں کی ریت اور اس کے راستے کی سختی ہمارے پاؤں کے نیچے ریشم کی طرح معلوم ہوتی ہے.....☆ دریائے جیون کا پانی دوست کے چہرے کی خوشی سے ہمارے گھوڑے کی کمر تک آتا ہے.....☆ اے بخارا! تجھے خوش ہونا چاہیے اور تو دیر تک سلامت رہے۔ امیر تیری طرف خوشی کی حالت میں آ رہا ہے.....☆ امیر چاند کے مانند ہے اور بخارا آسمان ہے۔ چاند آسمان کی طرف آ رہا ہے.....☆ امیر سرو ہے اور بخارا باغ ہے اور سرو باغ کی طرف آ رہا ہے)۔ (۵۵)

ابن خلدون (پیدائش ۷۳۲ء تا ۸۰۸ء) نے بھی شعری ماہیت پر روشنی ڈالی ہے اور اچھے شعر کے اوصاف بتائے ہیں۔ عربوں کے شعری معیارات کی بھی بات کی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مقدمہ ابن خلدون سے بھی کچھ استفادہ کر لیا جائے۔ ابن خلدون لکھتا ہے:

۱۔ عربوں کے نزدیک کلام میں شعر کا فن بڑا شریف سمجھا جاتا ہے..... ۲۔ شعرا اپنی کٹھن منزل اور غرابت فن کی وجہ سے طبائع پر کھنے کی کسوٹی ہے کہ کون اس کے عمدہ سے عمدہ اسالیب پیش کر سکتا ہے اور کون نہیں..... ۳۔ [شعر] افکار کی تیزیاں جانچنے کا معیار ہے کہ کون کلام کو شعروں کے سانچوں میں خوبصورتی سے ڈھال سکتا ہے اور کون نہیں..... ۴۔ اس [شعر] میں مطلق کلام عربی کا ملکہ ہی کافی نہیں بلکہ خاص طور سے عربوں کے مخصوص اسالیب کی رعایت پیش نظر رکھنے کی اور انہیں لطیف پیرایوں میں ادا کرنے کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔ (۵۶)

ابن خلدون نے شعراء کی رہنمائی کے لیے کچھ نواہی کا بھی ذکر کیا ہے۔ نواہی کی اس فہرست سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن شعراء کے کلام میں اس قسم کے اجزا ہونگے جو نہیں ہونے چاہئیں تو وہ کلام تنقیدی نقطہ نظر سے غیر معیاری ہوگا۔ ابن خلدون کے خاص خاص نواہی درج ذیل ہیں:

۱۔ غیر مانوس الفاظ کے استعمال سے اجتناب کیا جائے..... ۲۔ معانی کی صحیح ترجمانی کرنے سے قاصر الفاظ

۳۔ استعمال سے پرہیز کیا جائے..... ۳۔ بازاری اور رذیل الفاظ کے استعمال سے گریز کیا جائے۔
۴۔ کان کو برے لگنے والے الفاظ چاہے کتنے ہی وزن والے کیوں نہ ہوں، ان کے استعمال سے مکمل پرہیز لازم ہے۔

ہمارے نزدیک (اور ہمارے موضوع سے ہم رشتہ) یہ بات بڑی اہم ہے کہ ابن خلدون نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ:
”حمد و نعت کے اشعار عموماً زور جمال سے خالی ہوتے ہیں اس لیے ان مضامین پر اچھے اشعار چوٹی کے شعراء ہی پیش کر سکتے ہیں۔“

ابن خلدون کے نزدیک بہترین شعروہ ہیں:

(الف) جن پر منظم کرنے کے بعد تنقیدی نظر ڈالی جائے..... (ب) لوگ سنیں تو سمجھیں ہم بھی ایسے اشعار کہہ سکتے ہیں لیکن جب کہنے بیٹھیں تو عاجز ہو جائیں۔ (۵۷)

اردو میں بھی شعراء کی ایسی تنقیدی آراء ملتی ہیں جن سے ان کا تنقیدی شعور جھلکتا ہے۔ ملا وجہی، قطب شاہی عہد کا شاعر ہے جس نے اپنی مثنوی موسوم بہ ”قطب مشتری“ میں اپنا شعری آدرش منظوم کیا ہے۔ یہ مثنوی خود مصنف کے بقول ۱۰۱۸ء کی تصنیف ہے۔ اس مثنوی کا ایک باب ہے ”در شرح شعر“۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق (بابائے اردو) نے مثنوی کے مذکورہ باب کی تسہیل کرنے کی غرض سے اسے اپنی سلیس اردو میں لکھا ہے۔ ہم ”مقدمات عبدالحق“ کی اس عبارت کی تلخیص کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

۱۔ شعر سلیس ہونا چاہیے..... ۲۔ شعر کم کہے جائیں، لیکن اچھے..... ۳۔ شعر میں نزاکت ہونی چاہیے..... ۴۔ شعر کے لفظ و معنی میں وحدت ہو..... ۵۔ لفظ موزوں، منتخب اور ان کے معنی بلند ہوں ۶۔ شعر کے معنی میں زور ہونا چاہیے..... ۷۔ شعر کو سنوارنا چاہیے..... ۸۔ شعر میں کوئی جدت ہونی چاہیے..... ۹۔ تقلید سے بچ کر اپنے دل سے نئی بات پیدا کرنے کی کوشش ہونی چاہیے..... ۱۰۔ ملا وجہی کہتا ہے کہ ”میں تو اس رنگین بات کا قائل ہوں جو دل میں بیٹھ جائے، جس سے دل میں ولولہ پیدا ہو اور آدمی اچھل پڑے“۔ (۵۸)

ایک فرانسیسی نقاد، نکولا بولو پروا (۱۶۳۶ء تا ۱۷۱۱ء) کے خیالات، مشرقی مفکرین اور ناقدین کے خیالات سے کتنے ملتے ہیں، اس کا اندازہ نکولا کے منتخب نظریات کی ایک جھلک دیکھنے سے ہو جاتا ہے۔ نکولا بولو پروا شعراء کو مشورے دیتا ہے:

۱۔ اپنی شعر گوئی کی صلاحیت کو چھینیس سمجھ کر فضول شعر گوئی میں وقت ضائع نہ کرو..... ۲۔ اپنی شعری تخلیق کے لیے عقل سے حسن، قوت اور روشنی حاصل کرو..... ۳۔ اپنی تحریر کی خوب قطع برید کرتے رہو..... ۴۔ ایسا لکھو جس سے پڑھنے والا خوش ہو جائے..... ۵۔ آسان مصرعوں کا انتخاب کرو..... ۶۔ وزن اور بحر پر توجہ دو..... ۷۔ کرخت آوازوں کے شور سے بچو۔ کربہہ الصوت لفظ مت لکھو!..... ۸۔ زبان کی درستگی کا ہر حال میں لحاظ رکھو!..... ۹۔ سوچنے اور غور کرنے پر وقت لگاؤ، جلد بازی مت دکھاؤ اور زود نویسی پر فخر مت کرو..... ۱۰۔ بری شاعری میں خدا کی حمد پڑھ کر لٹھ بھی کا نپ اٹھے گا!..... ۱۱۔ اعلیٰ خیالات، دلکش انداز، ٹھوس طریقے اور گہرائی کے ساتھ آسان لفظوں میں پیش کرو..... ۱۲۔ حیرت و استعجاب سے فن میں جان ڈالنے کی کوشش کرو..... ۱۳۔ شعری تخلیق کا ہر مصرعہ کوئی نئی بات سامنے لائے..... ۱۴۔ سارا مواد مناسب طریقے سے گوندھو تا کہ [قاری کا] ذہن متاثر ہو..... ۱۵۔ فن شاعری، اچھے اور خراب کے درمیان سمجھوتہ نہیں کرتا..... ۱۶۔ اس فن میں اوسط درجے کے شاعر کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ (۵۹) ☆☆

☆ اردو میں تنقیدی روایت:

اردو ادب کی تاریخ میں شعر و شاعری کا ذکر تو بہت زیادہ ہوا ہے لیکن نقد شعر کا باقاعدہ نظام بہت بعد میں قائم ہوا۔ حالی، شبلی اور محمد حسین آزاد سے قبل تذکرہ نگاری عام تھی۔ تذکروں میں زیادہ تر تو شعراء کے کوائف درج ہوتے تھے اور کلام کے نمونے بھی دیدیے جاتے تھے لیکن تنقیدی رائے دو چار جملوں اور لگے بندھے فقروں سے آگے نہیں بڑھی تھی۔

آزاد نے آب حیات کے دیباچے میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ انگریزی سے واقف اہل علم ہمارے تذکروں کے اس نقص پر حرف رکھتے ہیں کہ:

☆ ان سے نہ کسی شاعری کی زندگی کی سرگزشت کا حال معلوم ہوتا ہے..... ☆ نہ کسی شاعر کے مزاج، عادات و اطوار کا حال کھلتا ہے..... ☆ نہ کسی شاعر کے کلام کی خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں..... ☆ نہ کسی شاعر کے کلام کی صحت و سقم کی کیفیت کھلتی ہے..... ☆ نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس (شاعر) کے معاصروں میں اور اس کے

☆☆ ”شعری ماہیت کے مسئلہ پر مشرق اور مغرب کی تنقید تقریباً ہم آہنگ ہے۔ بہت سی باتیں جو ہمارے نقاد مغرب کے حوالے سے کہتے ہیں اور کچھ قارئین کے نزدیک مغرب پرستی کے مجرم ٹھہرتے ہیں، وہی باتیں مشرقی مفکرین نے بھی کہی ہیں۔“ (شمس الرحمن فاروقی، نگار پاکستان، ۱۹۶۸ء، مسائل ادب نمبر، ص ۲۵۸) اس موقع پر فاروقی نے نظامی عروضی، سمرقندی اور شبلی کی مماثلت کے چند حوالے دیئے ہیں۔ (عبدالعزیز خان)

کلام میں کن کن باتوں میں کیا نسبت تھی.....☆ سال ولادت اور تاریخ رحلت کا بھی پتہ نہیں چلتا۔
(۶۰)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے بھی ان تذکروں میں پیش کی جانے والی تنقیدی آراء کی کچھ کمزوریوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

☆ شعر کے محاسن میں زیادہ تر صنائع لفظی و معنوی کو اہمیت دی گئی ہے اور حسب ضرورت ان کو ظاہر کیا گیا ہے.....☆ تنقیدی لب و لہجہ پر اخلاقی جوش غالب ہے اور عموماً سب کو اچھے الفاظ میں یاد کیا گیا ہے.....☆ اکثر تذکروں پر ایک دوسرے کی تقلید کا اثر نمایاں ہے اور تازگی و ندرت بہت کم نظر آتی ہے.....☆ اکثر شعراء کے اسلوب و سلیقہ شعر کے لیے مہم الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن سے شاعر کی حیثیت واضح نہیں ہوتی۔ (۶۱)

اس کے باوجود ڈاکٹر فرمان فتح پوری، تذکروں کی تنقیدی اہمیت کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ تذکروں کو ان کے عہد تصنیف کے مروج معیارات کی روشنی میں پرکھا جائے۔

”ہمیں ان کی تنقیدی قدر و قیمت متعین کرنے کے لیے لفظی تنقید کے ان اصول و ضوابط کو سامنے رکھنا ہوگا جو انیسویں صدی کے وسط تک شعر و ادب کا پیمانہ خاص خیال کیے جاتے تھے۔“ (۶۲)

ڈاکٹر موصوف نے میر تقی میر کے تذکرے ”نکات الشعراء“ سے ان تنقیدی اصولوں کی فہرست بھی اخذ کی ہے جن کو میر نے بار بار دہرایا ہے:

۱۔ ربط کلام..... ۲۔ خوش فکری..... ۳۔ تلاش لفظ تازہ..... ۴۔ صفائی گفتگو..... ۵۔ ایجاد مضامین..... ۶۔ تہہ داری..... ۷۔ دردمندی..... ۸۔ طرز خاص۔ (۶۳)

ڈاکٹر ساجد امجد اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے (اردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات) میں بتاتے ہیں کہ اردو میں تنقیدی فکر کا دائرہ، فارسی کے تتبع میں اظہار کی خوبی اور لسانی برجستگی تک محدود تھا۔ کیونکہ فارسی تنقید کا محل ’ادب برائے ادب‘ کے نظریے کی بنیادوں پر استوار ہوا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

”فارسی تنقید، ادب برائے ادب کی قائل تھی جس میں معنی سے زیادہ لفظوں کے دروبست کو پرکھا جاتا تھا۔ فارسی کے اثر سے اردو میں بھی یہی تنقیدی اصول مروج رہے۔“ (۶۴)

ڈاکٹر ساجد امجد سے ہی ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ان تنقیدی اصولوں کی بازگشت، سب سے پہلے دیوان فائز دہلوی کے دیباچے میں سنی گئی تھی۔ فائز دہلوی کے دیباچے سے جو اقتباس ڈاکٹر صاحب نے

اپنے مقالے کی زینت بنایا ہے، وہ اقتباس یہاں نقل کر دینے سے ہماری بات زیادہ واضح ہو جائے گی: ”تمام اقسام شعر میں چاہیے کہ نظم بدیع ہو، قافیہ درست ہوں، معنی لطیف ہوں، الفاظ شیریں ہوں، عبارت صاف ہو، یعنی اس کے سمجھنے میں دقت نہ ہو بیان میں تکلف نہ ہو، حروف زائد سے پاک ہو اور الفاظ صحیح ہوں ☆☆ شاعر کے لیے لازم ہے کہ نظم کے طور و ترکیب کو پہچانتا ہو۔ تشبیہ کے قاعدوں، استعارے کی قسموں اور زبان کے محاوروں سے واقف ہو۔ قدامت کی تاریخ اور نظم سے باخبر ہو اور حکماء کے کلام کا تتبع نہ کرے اور اپنی طبع سلیم سے جزیل اور رکیک لفظوں میں امتیاز کرے۔ جھوٹی تشبیہوں، مجہول اشاروں، ناپسندیدہ ایہاموں، غریب وصفوں، بعید استعاروں، نادرست محاوروں اور نامطبوع تکلفوں سے پرہیز کرے“۔ (۶۵)

الفاظ و محاورات کے درست استعمال پر ہر عہد کے لوگوں نے توجہ مرکوز کی ہے۔ شیخ امام بخش ناسخ نے عمومی طور پر اپنے کلام کو طاہری عیبوں اور سقموں سے پاک رکھا انہوں نے کلام میں، ترکیب کی چستی اور گرمی میں فرق تو گوارا کر لیا لیکن اصول کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ (۶۶)

ناسخ نے شاعری میں تازہ گوئی کی شعوری کوشش کی جس کو ان کے شاگردوں نے ایک تحریک کے طور پر آگے بڑھایا۔ ناسخ کی اصلاحات اور ان کی شاعری کے اختصاصی پہلوؤں کی نشاندہی رشید حسن خاں نے ”انتخاب کلام ناسخ“ میں کی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے بھی ”تاریخ ادب اردو“ (جلد سوم) میں کچھ تفصیل دی ہے۔ ہم ان دونوں محققین کے بیان کردہ نکات کی تلخیص درج ذیل کرتے ہیں: ☆ زبان اردو کو پہلے ریختہ کہتے تھے۔ ریختہ کا لفظ نظم کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا۔ ناسخ کے عہد سے زبان کے لیے ”اردو“ کا لفظ مقرر ہوا۔ (۶۷)..... ☆ غزل کے لیے ”ریختہ“ کا لفظ رائج تھا۔ ناسخ نے ”غزل“ کو

☆☆ ہمارے تنقیدی نظریات کو قدیم بتایا جاتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جدید ترین مغربی مفکرین اور ناقدین کے ہاں بھی ہمارے تنقیدی نظریات کی گونج سنائی دیتی ہے۔ فائز دہلوی نے زائد حروف سے پاک شاعری کو اچھا کہا ہے تو ایڈرا پاؤنڈ (۱۸۸۵ء تا ۱۹۷۲ء) بھی یہی کہتا ہوا نظر آتا ہے ”فاضل کوئی لفظ استعمال نہ کریں۔ ایسی کوئی صفت نہ برتیں جس سے کسی خاص بات کا اظہار نہ ہو۔ کوئی ترکیب (Expression) اس طرح استعمال نہ کیجیے جیسے امن کی مدہم سر زمینیں اس سے ایج مردہ ہو جاتا ہے“۔ (عبدالعزیز خان) (Modern Poets on Modern Poetry, James Scully, William Collins)

Ltd. London 1973.)

رواج دیا۔ (۶۸).....☆ افعال کے بعض استعمالات کی بنا پر ناسخ و دہلوی شعراء کے مماثل ہیں (۶۹)

☆ بہ حالتِ عطف و اضافت، اعلانِ نون سے گریز کی ناسخ اور آتش کے ہاں ہی مکمل پابندی ملتی ہے۔ (۷۰).....☆ آئے ہے، جائے ہے، جیسی افعال کی صورتیں، نیز کسو، کھو اور 'جا' [جگہ] کے لیے جائے وغیرہ کے استعمال کی مثالیں بھی ناسخ کے ہاں نہیں ملتیں۔ (۷۱).....☆ ناسخ نے اپنے پیشروں کے متروکات کے ترک کی سختی سے پابندی کی۔ (۷۲).....☆ ناسخ نے لکھنوی معاشرے کو ایک نیا شعری اسلوب بلکہ پیرایہء اظہار دیا جس میں اس معاشرے کی طرح ظاہری بلند آہنگی، ظاہر داری، رعایتوں اور تلازموں کی چمک دمک تھی۔ (۷۳).....☆ ناسخ کی تشبیہات اور استعاروں میں نیا پن تھا اور معاشرت کی پسندیدہ چیزیں بھی منعکس تھیں۔ (۷۴).....☆ شاعری میں خارجیت کے پہلو نمایاں ہوئے۔ سادہ گوئی، غزل کی اقلیم سے خارج ہوئی۔ (۷۵).....☆ لفظوں کے تلازموں کے نئے زاویے اور خیال آفرینی کی نئی وسعتیں سامنے آئیں جس سے نئے امکانات روشن ہوئے۔ (۷۶)

☆ ناسخ کی اصلاحات کے باعث، دبستانِ لکھنؤ کو سند کا درجہ ملا۔ (۷۷).....☆ ناسخ طرزِ جدید کے بانی اور سب سے ممتاز نمائندہ ہیں۔ (۷۸).....☆ طرزِ جدید میں خارجیت، نیا معیارِ سخن، ٹھہری، عشق غائب ہوا۔ 'حسن' کا بیان اور معنی حقیقی کے بجائے قیاسی اور فرضی شاعری کے لیے غالب عناصر تسلیم کیے گئے۔ (۷۹).....☆ صحتِ زبان پر زور دیا گیا۔ عربی فارسی کے الفاظ اصل زبانوں کے قواعد کے مطابق اردو میں استعمال کیے گئے۔ (۸۰).....☆ ناسخ کے طرزِ جدید کی وجہ سے زبانِ اردو دھل مٹھ کر صاف اور مضبوط ہو گئی۔ (۸۱)

☆ دنیائے سخن میں داغ دہلوی نے بھی زبان و بیان پر خاص توجہ دے کر فن کے اصولوں کو نہ صرف خود اپنایا بلکہ اپنے شاگردوں کے لیے ایک "ہدایت نامہ" بھی نظم کر دیا تاکہ وہ اس کی روشنی میں اپنا کلام جانچنے کے قابل ہو جائیں۔ اس ہدایت نامے میں اس عہد کی تنقید کے اصول بڑی خوبی سے نظم ہو گئے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکمل ہدایت نامہ یہاں نقل کر دیا جائے:

اپنے شاگردوں کی ہے مجھ کو ہدایت منظور	کہ سمجھ لیں تمہارے دل سے وہ بجا و بے جا
شعر گوئی میں رہیں پیشِ نظر یہ باتیں	کہ بغیر ان کے نہیں ہوتی فصاحت پیدا
چست بندش ہو نہ ہو ست یہی خوبی ہے	وہ فصاحت سے گرا، شعر میں جو حرف دبا
عربی فارسی الفاظ جو اردو میں کہیں	حرف علت کا برا ان میں ہے دہنا گرنا
الف وصل اگر آئے تو کچھ عیب نہیں	لیکن الفاظ میں اردو کے یہ گرنا ہے روا

جسمیں گجنگ نہوتھوڑی سی صراحت بھی رہے وہ کنایہ ہے جو تصریح سے بھی ہو اولیٰ عیب و خوبی کا سمجھنا ہے اک امر نازک یہی اردو ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے مستند اہل زباں خاص ہیں دھلی والے جو ہری نقد سخن کے ہیں پرکھنے والے بعض الفاظ جو دو آئے ہیں اک معنی میں ترک جو لفظ کیا اب وہ نہیں مستعمل گرچہ تعقید بری ہے مگر اچھی ہے کہیں شعر میں حسو و زوائد بھی برے ہوتے ہیں گر کسی شعر میں ایٹائے جلی آتا ہے استعارہ جو مزے کا ہو مزے کی تشبیہ اصطلاح اچھی مثل اچھی ہو بندش اچھی ہے اضافت بھی ضروری مگر ایسی بھی نہ ہو عطف کا بھی ہے یہی حال یہی صورت ہے لف و نشر آئے مرتب وہ بہت اچھا ہے شعر میں آئے جو ایہام کسی موقع پر جو نہ مرغوب طبیعت ہو بری ہے وہ ردیف ایک مصرعے میں ہوتا دوسرے مصرعے میں ہو تو چند بحر میں متعارف ہیں فقط اردو میں شعر میں ہوتی ہے شاعر کو ضرورت اس کی مختصر یہ ہے کہ ہوتی ہے طبیعت استاد بے اثر کے نہیں ہوتا کبھی مقبول کلام گرچہ دنیا میں ہوئے اور ہیں لاکھوں شاعر پند نامہ جو کہا داغ نے بے کار نہیں

وہ کنایہ ہے جو تصریح سے بھی ہو اولیٰ پہلے کچھ اور تھا اب رنگ زباں اور ہوا اہل دہلی نے اسے اور سے اب اور کیا اس میں غیروں کا تصرف نہیں مانا جاتا ہے وہ نکسال سے باہر جو کسوٹی نہ چڑھا ایک کو ترک کیا ایک کو قائم رکھا اگلے لوگوں کی زباں پر وہی دیتا تھا مزا ہو جو بندش میں مناسب تو نہیں عیب ذرا ایسی بھرتی کو سمجھتے نہیں شاعر اچھا وہ بڑا عیب ہے کہتے ہیں اسے بے معنی اس میں اک لطف ہے اس کہنے کا پھر کیا کہنا روز مرہ بھی رہے صاف فصاحت سے بھرا ایک مصرعے میں جو ہو چار جگہ بلکہ سوا وہ بھی آئے متوالی تو نہایت ہے برا اور ہو غیر مرتب تو نہیں کچھ بے جا کیفیت اس میں بھی ہے وہ بھی نہایت اچھا شعر بے لطف ہے گر قافیہ ہو بے ڈھنگا یہ شتر گربہ ہوا، میں نے اسے ترک کیا فارسی میں عربی میں ہیں مگر اس سے سوا گر عروض اس نے پڑھا ہے وہ سخنور دانا دین، اللہ کی ہے، جس کو یہ نعمت ہو عطا اور تاثیر وہ شے ہے جسے دیتا ہے خدا کسب فن سے نہیں ہوتی ہے یہ خوبی پیدا کام کا قطعہ ہے یہ وقت پہ کام آئے گا (۸۲)

اس ہدایت نامے میں داغ نے فن شعر کے حوالے سے جن اصطلاحات کا ذکر کیا ہے، ان

کا تعلق شعری حسن و قبح سے ہے۔ یہی اصطلاحات اس عہد کی تنقید کی بھی تھیں۔ ان ہی نکات پر غور و فکر کر کے شعری معیارات مقرر کئے جاتے تھے یعنی، فصاحت کا ہونا، شعری بندش میں چستی کا ہونا استعارے اور تشبیہات کا بر محل استعمال، روزمرہ کی نگہداشت، لف و نشر مرتب اور غیر مرتب کا استعمال، ایہام گوئی، ردیف کا چست اور درست بیٹھنا، قافیہ کا درست ہونا وغیرہ تو محاسن میں شمار کئے جاتے تھے، اور شتر گریہ کا ہونا، عروضی سقم کا ہونا، حرف کا دہن یا گرنا، حرف علت کا دہن یا گرنا، مفہوم کا گنجلک ہونا، عیب تعقید، عیب تنافر، حشو و زوائد اور ایطائے جلی کا شعر میں ہونا عیب سمجھے جاتے تھے۔ فن کے یہ تمام عیوب تو آج بھی عیوب ہی ہیں لیکن محاسن کلام میں فکری رو کا عمل دخل اور نظریوں کی آمیزش سے شعری تنقید کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے۔

۳۔ اردو نعتیہ ادب میں تنقیدی آراء کا جائزہ:

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے ”نکات الشعراء“ از میر تقی میر [مرقومہ ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۲ء] سے ”آب حیات“ از محمد حسین آزاد [مرقومہ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء] کل ۶۷ تذکروں کی فہرست فراہم کی ہے (ایضاً ص ۶۲-۶۳)۔ ان تذکروں میں سے بیشتر نے نعت گو شعراء کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ بعض تذکروں میں کرامت علی خاں شہیدی اور امیر مینائی کا ذکر تو ہے لیکن ان کی غزل کے ذکر پر بات ختم کر دی گئی ہے۔ مثلاً نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ جو کرامت علی خاں شہیدی کے ہم عصر ہیں، شہیدی کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”شہیدی تخلص، کرامت علی نام، باشندہ لکھنؤ۔ طبع خوشے دارد و در عرض دست گاہے معقول و در حساب مکانات مقبول“ (۸۳)

اس کے بعد شہیدی کی غزل کے گیارہ اشعار منتخب کیے ہیں۔

سعادت خاں ناصر نے اپنے تذکرے ”خوش معرکہ زیبا“ [مرقومہ ۱۲۶۰-۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶-۱۸۴۷ء] میں بھی شہیدی کی غزل گوئی کا ذکر کر کے چند اشعار غزلوں کے نقل کر دیئے ہیں اور بس۔ شہیدی کی نعت کا ذکر انہوں نے بھی نہیں کیا ہے۔ البتہ اتنا ضرور لکھ دیا ہے کہ:

”ایک مدت ہوئی کہ وہ عازم بیت اللہ ہوا تھا، پھر حال اس کا ظاہر نہ ہوا کہ زندہ ہے یا سائل مرگ کا لبیک گویاں ہوا“۔ (۸۴)

تذکرہ شعراء اردو ”گل رعنا“ از مولانا حکیم سید عبدالحیء میں بھی شہیدی کے حوالے سے غزل کے اشعار پر کچھ گفتگو کی گئی ہے لیکن ان کی نعت گوئی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ صرف اس مشہور

نعت کے چند اشعار لکھ دیئے گئے ہیں جس میں روح کے قفسِ عنصری سے اس وقت نکلنے کی آرزو کی گئی تھی جب وہ مدینہ منورہ کی حدود میں پہنچ جائیں۔ شہیدی کے حج اور وفات کا احوال گلِ رعنا میں اس طرح لکھا ہے:

”۱۲۵۵ھ میں حج و زیارت کے ارادہ سے گھر سے نکلے، اسی سال فریضہ حج ادا کر کے مدینہ منورہ جا رہے تھے کہ راستہ میں بیمار پڑے، ۴ صفر ۱۲۵۶ھ کو جس وقت تمام منزلیں طے کرتے ہوئے ایسے مقام پر پہنچے جہاں سے روضہ مطہرہ نظر آتا تھا، ایک حسرتناک نظر اس پر ڈالی، اور طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا، ان کے مشہور قصیدہ کے چند اشعار ملاحظہ طلب ہیں، جن میں انھوں نے اسی کی تمنا کی ہے، کیسے خوش نصیب تھے، کہ جن کی آرزو ایک حد تک پوری ہو گئی:

ہوئی ہے ہمت عالی مری معراج کی طالب
میسر ہو طواف اے کاش مجھ کو تیری مرقد کا
کبھی نزدیک جا کر آستانہ پر ملوں آنکھیں
کبھی گر دور بیٹھوں میں کروں نظارہ گنبد کا
فراغِ دل سے گرداںِ زندگی کا کوئی دم گزرے
حسد ہو خضر و عیسیٰ کو مرے عیشِ مخلد کا
مدینہ کی زمیں کے گر نہ لائق ہو مرا لاشہ
کسی صحرا میں واں کے طعمہ ہوں میں دام اور دد کا
تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روح مقید کا“

سن ۱۹۹۹ء میں پروفیسر شفقت رضوی نے مولانا حسرت موہانی کا ”تذکرۃ الشعراء“ مرتب کر کے شائع کیا تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ اس تذکرے میں مولانا حسن رضا بریلوی اور شہیدی کا ذکر محض غزل گو کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ اشعار بھی غزل کے لکھے ہیں البتہ شہیدی کی ایک نعت کے اشعار بھی نقل کر دیئے ہیں، لیکن ان پر نعت کے حوالے سے کوئی تبصرہ نہیں ہے۔ شہیدی کی ایک غزل کے چند اشعار درج کیے ہیں:

دلجوئی عشاق سے فرصت نہیں ملتی
یا ناز سے اپنے تمہیں رخصت نہیں ملتی

جانے کی رضا یار سے حاصل ہوئی ہر چند
پر اس دل مضطر سے اجازت نہیں ملتی
فرش قدم بت ہے مرا جامہء احرام
بے خوار ہوئے عشق میں لذت نہیں ملتی
ناکامیء جاوید کی ہم مانتے منت
افسوس شہیدی تری تربت نہیں ملتی

ان اشعار پر حسرت نے تنقیدی خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے:

”مرقومہ بالا تمام اشعار میں صفائی اور سادگی ہی کی شان زیادہ تر نمایاں ہے اور یہی شہیدی کا خاص رنگ ہے بھی، لیکن ایک دو جگہ بلندی قافیہ کی ضرورت سے انہوں نے بلاغت کے میدان میں بھی اشہب فکر کو اس آن بان سے جولان کیا ہے کہ طبیعت ستالیش پر مجبور ہو جاتی ہے۔ کیا خوب لکھا ہے:

گر نہیں ہے باغباں گلشن میں طغیان بہار
جام عمر بلبلاں بھر دے گا طوفان بہار!
کس کے باغ حسن کی رکھتی ہے گل چینی ہوس
چاک ہو گا مثل گل سو جا سے دامن بہار

مضمون والفاظ کی دل پذیری و رنگینی کے ساتھ ترکیب فارسی کی خوبی نے اس غزل کو لا جواب اور شہیدی کو اساتذہ قدیم کا ہم پلہ ثابت کر دیا ہے۔“ (۸۶)

حسرت موہانی نے شہیدی کی ایک نعت شامل انتخاب کی ہے اور ایک شعر پر اطلاعی نوٹ بھی لکھ دیا ہے۔ نعت کا مطلع اور اور مذکورہ شعر درج ذیل ہیں:

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کی مد کا
سر دیواں لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمد کا
تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا ☆

☆ شہیدی کی یہ دعا مقبول ہوئی اور وہ مدینہ منورہ میں روضے کے سامنے جاں بحق تسلیم ہوئے (حسرت)“ (۸۷)

حسن رضا بریلوی کے بارے میں حسرت موہانی لکھتے ہیں:

”شاگردانِ داغ میں حسن مرحوم بریلوی کا پایہء شاعری بہت بلند ہے۔ وہ بجائے خود استاد و مستند تھے۔ انہوں نے اپنے اندازِ سخن کو استاد کے رنگِ کلام سے مشابہ بنانے میں اس قدر کامیابی حاصل کی ہے کہ اکثر موقعوں پر داغ و حسن کی شاعری میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔“ (۸۸)

حسن رضا بریلوی کے نعتیہ دیوان کا ذکر اس طرح کیا ہے:

”دیوانِ نعتیہ زیرِ طبع تھا کہ آپ نے سفر حج سے واپس آ کر ۱۳۲۶ء میں انتقال کیا۔“

چند اشعار بھی ایک نعتیہ غزل کے درج کر دیئے ہیں لیکن ان پر کوئی ناقدانہ رائے نہیں دی ہے، صرف ”از دیوانِ نعتیہ لکھ دیا ہے:

اس کے جلوے سے نہ کیوں کا فور ہو ظلمات کفر
پیشگاہِ نور سے آیا ہے فرمانِ جمال
خوبرویانِ جہاں کو بھی یہی کہتے سنا
تم ہو شانِ حسن، جانِ حسن، ایمانِ جمال (۸۹)

تاریخِ شعرائے روہیلکھنڈ کے مؤلف سید تعظیم علی نقوی نے چار ضخیم جلدوں میں بہت سے شعراء کا تذکرہ کیا ہے۔ ان شعراء میں نعت کہنے والے شعراء بھی شامل ہیں۔ لیکن اس تاریخ میں بھی نعتیہ کلام پر کوئی تنقیدی تبصرہ نہیں ہے۔ کہیں کہیں شاعری کی دوسری اصناف پر کچھ گفتگو کی گئی ہے لیکن بیشتر شعراء کے بود و باش اور نوشت و خواند کے احوال رقم ہیں۔ اس تاریخ میں شعراء کا تذکرہ استادِ شاگردی کے خصوصی ذکر کے ساتھ ملتا ہے۔

مولانا سید کفایت علی قاسمی مراد آبادی جن کے بارے میں مصنف نے لکھا ہے کہ ان کو فاضل بریلوی حضرت احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ ”شہنشاہِ نعت“ کہتے تھے، ان کا ذکر بھی صرف ان کے احوال و کوائف تک محدود ہے۔ مثلاً لکھا ہے:

”۲۲ اپریل ۱۸۵۸ء کو انگریزوں کا مراد آباد پر قبضہ ہو گیا تو مولانا کافی گرفتار ہوئے۔ پھانسی کا حکم ہوا تو مسرور و شادان قتل گاہ کی طرف گئے اور راستے میں مندرجہ ذیل نعت بہ آواز بلند پڑھتے گئے:

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا
ہم صفیرو باغ میں ہے کوئی دم کا چچہا
بلبلیں اڑ جائیں گی، سونا چمن رہ جائے گا

اطلس و کخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو
اس تن بے جان پر خالی کفن رہ جائے گا
نام شاہان جہاں مٹ جائیں لیکن یہاں
حشر تک نام و نشان بچتے رہ جائے گا
جو پڑھے گا صاحبِ لولاک کے اوپر درود
آگ سے محفوظ اس کا تن بدن رہ جائے گا
سب فنا ہو جائیں گے کافّی و لیکن حشر تک
نعت حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا (۹۰)

اردو نعتیہ ادب میں تنقیدی آراء کا جائزہ لیتے ہوئے ہمیں اس بات کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ اردو ادب کے ابتدائی نقوش میں نعت کا حوالہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عہد کا کلچر ہی ”غزل“ کا کلچر تھا اور شعراء اسی میدان میں توسن فکر کو دوڑاتے تھے، اسی کی تحسین کی جاتی تھی۔ نعتیہ اشعار نہ تو بہت زیادہ کہے جاتے تھے نہ ان کی تحسین، فنی یا شرعی نقطہ نظر سے کرنے کا رواج عام ہوا تھا۔ اردو نعتیہ شاعری پر تنقیدی رائے دینے کا رواج اس لیے عام نہیں ہوا تھا کہ اردو میں نعتیہ شعری سرمایہ اتنا نہیں تھا کہ نقادوں کی توجہ اس طرف مبذول ہوتی۔ سچی بات یہ ہے کہ محسن کا کوئی سے قبل کسی شاعر نے نعتیہ شاعری میں ایسا اختصاص بھی حاصل نہیں کیا تھا کہ ناقدین اس طرف متوجہ ہوتے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر ابوللیث صدیقی کی رائے سے استشہاد کرنا ہی کافی ہوگا، وہ لکھتے ہیں:

”نعت گوئی اگرچہ ہمیشہ سے موجود تھی لیکن اسے فن کی حیثیت سے کسی اردو شاعر نے محسن سے پہلے اختیار نہیں کیا اور جن لوگوں نے عقیدت کی بنا پر صرف نعت گوئی کو اپنا شعار بنایا، انہوں نے کوئی شاعرانہ کمال پیدا نہیں کیا، شعراء کے اردو فارسی کے جتنے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تذکرے اور تاریخیں راقم السطور کی نظر سے گزریں ان میں ایسے شعراء کا حال دستیاب نہ ہوا، جن کا مسلک شعری محض نعت گوئی رہا ہو اسی ایک بات کو ملحوظ رکھیں تو بھی محسن کا درجہ اس سے کہیں بلند ہو جاتا ہے، جواب تک انہیں دیا جاتا رہا ہے۔“ (۹۱)

عبد السلام ندوی کی تصنیف ”شعر الہند“ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کے دوسرے حصے میں مصنف نے ’نذہبی شاعری‘ کا عنوان قائم کیا ہے۔ اس میں نعت پر علاحدہ بحث تو نہیں ہے لیکن اتنا ذکر ضرور ملتا ہے کہ قدما کے ہاں نعت اور منقبت کے لیے ’قصائد‘ مخصوص تھے جبکہ مولوی غلام امام شہید نے ان

میں شعری اصناف کے لحاظ سے وسعت پیدا کی۔ غلام امام شہید اٹھویں سال وفات، شفیق بریلوی نے اپنی کتاب ’ارمغانِ نعت‘ میں ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء لکھا ہے اور انہیں ’’شہید اٹھویں‘‘ لکھا ہے۔ (۹۲) شعر الہند میں غلام امام شہید کے حوالے سے لکھا ہے:

’’قدا کے دور میں نعت و منقبت کے لیے صرف قصائد مخصوص تھے، اور مومن و غالب نے بھی انہی کی تقلید کی، لیکن اس دور میں مولوی غلام امام شہید نے اس میں زیادہ وسعت پیدا کی، اور غزل و مثنوی، قصیدہ و ترجیع بند میں نعت لکھی، چنانچہ مولود شہید میں انہوں نے اپنی جو نعتیں نظمیں شامل کی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ ترجیع بند (متعلق تذکرہ معراج)..... ۲۔ خمسہ شہید بر غزل خسرو..... ۳۔ قصہ حضرت بلالؓ.....

۴۔ غزل در وصف قدم شریف..... ۵۔ قصہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ..... ۶۔ روایت

استن حنانہ، غزلیں اور قصائد الگ ہیں اور وہ دوسری کتابوں میں ملتے ہیں‘۔ (۹۳)

عبدالسلام ندوی نے شہید کے کلام پر تنقیدی رائے کے ساتھ کچھ نعتیہ کلام بھی نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

’’اگرچہ شعرائے دکن نے بھی نعتیہ مثنویاں، معراج نامے، اور جستہ جستہ نعتیہ غزلیں لکھی تھیں لیکن ان میں شاعری بہت کم تھی، صرف واقعات کو نظم کر دیا تھا، لیکن مولوی غلام امام شہید نے ان میں شاعرانہ رنگ کی آمیزش کی اور تشبیہات و استعارات سے اس کو دلچسپ بنادیا‘۔ (۹۴)

کلام پر تبصرے کے ساتھ ہی شعر الہند میں شہید کی شاعری کے نمونے بھی دیئے گئے ہیں مثلاً

ترجیع بند

قد رعنا کی ادا جامہ زیا کی پھین	سرمہ چشم غضب، ناز بھری وہ چتون
وہ عمامے کی سجاوٹ وہ جبین روشن	اور وہ مکھڑے کی تجلی وہ بیاض گردن
وہ عمامہ عربی (اور) وہ نیچا دامن	دلربایانہ وہ رفتار وہ بیساختہ پن
مردہ بھی دیکھے تو کرچاک گریبان کفن	اٹھ چلے قبر سے بیتاب زباں پر یہ سخن
’مرحبا سید کمی مدنی العربی‘	دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقمی‘

اس کے ساتھ ہی قصہ حضرت بلالؓ، قصہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ اور روایت استن حنانہ کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ ایک مجمع قصیدہ جو بحر طویل میں لکھا گیا تھا، شعر الہند میں اس کے بھی دو بیت لکھے ہیں جو درج ذیل کئے جاتے ہیں:

باغ جہاں آباد ہے یاں سرو بھی آزاد ہے قمری نہایت شاد ہے نہ صید نہ صیاد ہے

ہاں محفلِ میلاد ہے، وقت مبارکباد ہے، جبریل کو ارشاد ہے، مشہور کر دے یہ سخن
نور خدا پیدا ہوا، خیرالورای پیدا ہوا، بحر عطا پیدا ہوا، ابرِ سخا پیدا ہوا
نجم الہدیٰ پیدا ہوا، بدرالدجی پیدا ہوا، شمس الضحیٰ پیدا ہوا، پیدا ہوا شاہِ زمن (۹۶)
صاحب شعر الہند نے غلام امام شہیدی کی ایک نعتیہ غزل کے بھی چند اشعار نقل کئے ہیں، جس کا مطلع ہے۔

سینہ ہے مرا روکش صحرائے مدینہ

دل ہے جس محمل لیلائے مدینہ (۹۷)

شعر الہند کے مصنف نے نعت کے مخصوص شعراء کے ذکر کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھا:

”غالباً اس دور میں لطف علی خان لطف نے بھی نعت گوئی کو اپنا خاص موضوع بنالیا اور جو کچھ لکھا
صرف مدحِ رسول ﷺ میں لکھا، چنانچہ تذکرہء مہر جہانتاب میں ہے [و دیوانش تمامہا در
نعت]۔“ (۹۸)

شعر الہند کا اختصار یہ ہے کہ اس میں نعتیہ شاعری پر تنقیدی رائے بھی دی گئی ہے۔ تنقید نگار
کا کام یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ کسی شاعر کے کلام کا موازنہ کسی دوسرے شاعر سے کرتے ہوئے اس کے کلام کی
درجہ بندی کرنے کی کوشش کرے۔ عبدالسلام ندوی نے غالباً پہلی بار، نعتیہ شاعری کے ضمن میں، یہ کام کیا
ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”اگرچہ وہ (لطف علی خان لطف) مولوی غلام امام شہید کا زور و اثر اپنے کلام میں پیدا نہ کر سکے، تاہم
ان کا کلام بھی جوشِ مذہبی سے خالی نہیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

خدا کا صاف یہ قرآن میں حکم ناطق ہے مرے نبی پہ تم اے مومنو درود پڑھو
خدا خدا کے فرشتے درود پڑھتے ہیں خبر نہیں تمہیں کیا غافلو درود پڑھو
اتو بلاو اپنے در پر مرے پیہر کب تک پھرا کروں میں در در مرے پیہر
(۹۹)

صاحب شعر الہند نے کرامت علی شہیدی کے بارے میں وہی معلومات مہیا کی ہیں جو ہم نے
اس مقالے میں پہلے ہی درج کر دی ہیں۔ یعنی روضہء اقدس کو دیکھتے ہی ان کا طائرِ روح قفسِ عنصری سے
پرواز کر گیا تھا۔

شعر الہند میں جلال کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ انہوں نے بھی نعتیہ شاعری کی طرف
توجہ دی لیکن عبدالسلام ندوی کو ان کے کلام میں کوئی دلکشی نظر نہیں آئی اس لیے ان کے کلام کا نمونہ بھی

انہوں نے پیش نہیں کیا۔ منشی امیر احمد (مینائی) کے ساتھ بھی انہوں نے یہی سلوک کیا ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری کا ذکر کر کے کوئی نمونہ کلام دینے کی زحمت گوارا نہیں کی اور کوئی تنقیدی رائے بھی نہیں دی۔ (۱۰۰)

محسن کا کوروی کی نعتیہ شاعری کے اختصا صی پہلو کا البتہ صاحب شعر الہند نے تذکرہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ اسی فن کے باعث محسن کی غیر معمولی شہرت بھی ہوئی۔ تاہم جناب ندوی لکھنؤ کی ’برخود غلط‘ شاعری کا استعمال پسند نہیں آیا اور انہوں نے نور الحسن نیر (محسن کا کوروی کے صاحبزادے، نور اللغات کے مولف) کی محسن کے کلام پر رائے کو اپنی مخالفانہ رائے کے لیے استعمال کیا۔ نور الحسن نیر نے لکھا تھا: ”ان (محسن) کی سدا بہار طبیعت، حسرت و یاس کے مضامین سے الگ رہتی ہے، شکستگی طبع اور زندہ دلی کی برقی روشنی ہر بیان میں اپنی چمک دکھاتی ہے، مضامین کی بلند پروازی، الفاظ کا شان و شکوہ، بندش کی چستی، ان کا خاصہ طبیعت ہے، اس میں شبہ نہیں ہے کہ بوجہ دقت مضامین و بلندی خیالات و تمبیحات قصہ طلب کے ان کا کلام کم استعداد کے حضرات کی سمجھ سے باہر ہے۔“ (۱۰۱)

عبد السلام ندوی نے نور الحسن نیر کی تحریر کے اس اقتباس کے بعد محسن کے کلام میں ’رعایت لفظی‘ کے نمونے دکھائے ہیں اور بڑی بھرپور تنقیدی رائے دی ہے، وہ لکھتے ہیں:

”ان تمام خصوصیات کے اجتماع نے ان کے کلام کو اس قدر بے اثر کر دیا ہے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں کسی مذہبی جذبہ سے متاثر ہو کر لکھتے ہیں۔ غرض انہوں نے جو نعتیہ قصائد اور مثنویاں لکھی ہیں ان کا بیشتر حصہ ایک معما اور چیتاں ہے، نعت نہیں ہے۔ البتہ استعارات کی جدت، تشبیہات کی لطافت، بندش کی چستی اور الفاظ کی متانت اور جزالت میں کلام نہیں۔ ان باتوں کے ساتھ جہاں صفائی اور سادگی کی بھی آمیزش ہو گئی ہے، وہاں ان کا کلام کیف و اثر سے خالی ہو تو ہو، لیکن لطف سے خالی نہیں۔“ (۱۰۲)

عبد السلام ندوی نے محسن کا کوروی کے کلام سے نمونے پیش کرتے ہوئے ’سراپا‘، صفت براق، تشریف آوری بیت اللہ، خاتمہ و مناجات کے عنوانات قائم کر کے اشعار دیئے ہیں۔ مولانا ندوی نے نعت گو شعراء کے بارے میں عمومی رائے دیتے ہوئے کچھ نکات اٹھائے ہیں۔ چونکہ یہ نکات کسی تذکرے میں پہلی بار مربوط شکل میں سامنے آئے ہیں اس لیے ان تمام نکات کا یہاں درج کرنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

۱۔ رسول اللہ صلعم کی شان میں عاشقانہ الفاظ مثلاً وصل، ہجر، شوق اور بیتابی وغیرہ کا استعمال کیا گیا ہے

اور اسی حیثیت سے آپ ﷺ کے خط و خال، زلف و گیسو، لب و دہن اور چہرہ و رخسار وغیرہ کی تعریف کی گئی ہے، اور یہ ان شعراء کا قصور نہیں، بلکہ ہمارے صوفیہ کا قصور ہے..... ۲۔ معنی سے زیادہ الفاظ پر زور دیا گیا ہے، یعنی جدید استعارے پیدا کئے گئے ہیں، اور رعایت لفظی اور صنعت تضاد وغیرہ سے بھی کام لیا گیا ہے..... ۳۔ بہت سی موضوع روایتیں اور فرضی معجزات نظم کیے گئے ہیں۔ چنانچہ منشی امیر احمد صاحب خود اپنے نعتیہ دیوان کے دیباچہ میں لکھتے ہیں 'اس سے پہلے مسدسات جن کے اسما یہ ہیں، ذکر شاہ انبیا، صبح ازل، شام ابد، لیلیۃ القدر، میں نے موزوں کئے ہیں اور وہ چھپ کر شائع ہوئے ہیں ان میں بعض روایات جیسے عکاشہ بن محسن کا قصہ ذکر شاہ انبیا میں ہے، قطعاً غیر صحیح ہیں اور جو روایات نامعتبرہ ان مؤلفات میں موزوں ہو گئے ہیں، ان سب سے میں توبہ کرتا ہوں.....' ۴۔ شاعرانہ مبالغہ طرازیوں میں صحیح واقعات اور مستند روایات کی صورت بھی بدل گئی ہے لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل، اخلاق، وعظ و پند و ہدایات و ارشادات، میں ان سب سے زیادہ درد و اثر ہے۔ (۱۰۳)

عبدالسلام ندوی نے درج بالا نکات لکھتے ہوئے مسدس حالی کے نعتیہ اشعار کے بارے میں بڑی مثبت رائے دی ہے:

”اردو شاعری میں اس سے زیادہ صحیح، اس سے زیادہ مستند اور اس سے زیادہ پراثر کوئی نعتیہ نظم نہیں مل سکتی۔“ (۱۰۴)

اب تک کے مندرجات سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ اردو نعتیہ سرمائے میں تنقیدی رجحان محسن کا کوروی کے نعتیہ کلام پر رائے زنی سے شروع ہوا اور بالخصوص ان کے قصیدہ لامیہ (ع سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل) کے سلسلے میں مخالفت اور موافقت میں جو کچھ کہا گیا وہ تنقید نعت کے ابتدائی نقوش کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ عبدالسلام ندوی کی رائے درج کی چکی ہے۔ ”لکھنؤ کا دبستان شاعری“ کے مطالعے سے یہ مبرہن ہو گیا کہ محسن سے قبل نعت کوفن کے طور پر اختیار کر کے بھرپور طریقے سے تمام تخلیقی توانائیاں اس صنف شریف کی آبیاری کے لیے وقف کر دینے والے شعراء تھے ہی نہیں۔ محسن کے حوالے سے ڈاکٹر ابوللیث صدیقی رقم طراز ہیں:

”محسن نے جب سے ہوش سنبھالا اور شاعری شروع کی تو ادب کا تقلیدی دور تھا۔ یہ ان کا کمال کہیے کہ وہ ان دشواریوں سے گزر کر نعت گوئی کی معراج کمال پر پہنچے۔“ (۱۰۵)

ڈاکٹر ابوللیث صدیقی نے محسن کے کلام کو باقاعدہ فنی خوبیوں کی روشنی میں پرکھنے کی بنا ڈالی۔

انہوں نے محسن کے کلام میں لکھنؤ کی اس عہد میں رواج پانے والی شعری اقدار کے عکس کو محسوس کیا اور اسے تنقیدی زبان میں بیان کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے صنعت، رعایت لفظی، تلمیحات اور تشبیہات کی نادرہ کاری کے ضمن میں دل کھول کر محسن کے کلام کو سراہا۔ انہوں نے بتایا کہ محسن کے کلام کی ظاہری خوبصورتی بھی اسی لکھنوی روش کی مرہونِ منت ہے۔ ڈاکٹر صدیقی لکھتے ہیں:

”ان کی رعایت بے ساختہ، ان کی تشبیہات اور استعارات جاندار اور ان کا عام انداز شاعرانہ ہے۔ ان تکلفات کی وجہ سے کلام میں کوئی الجھن پیدا نہیں ہوتی۔ تلمیحات بھی ہیں اور بکثرت ہیں لیکن بندش کی چستی اور نظم کی روانی ایسی ہے کہ طبیعت اس پر رک کر نہیں رہ جاتی۔ اس اعتبار سے ان کا کلام اگر ایک طرف تعلیم یافتہ طبقے کے لیے جاذبیت رکھتا ہے تو دوسری طرف عوام الناس بھی اس کی خوبیوں پر سر دھنتے ہیں۔“ (۱۰۶)

محسن کی خوش قسمتی کہ ان کی شاعری کے حوالے سے، تنقیدی ادب میں سب سے پہلا اور اہم تنقیدی مضمون محمد حسن عسکری نے لکھا۔ عسکری نے بتایا کہ محسن کی تمام شہرت کا دار و مدار ان کے قصیدہ لامیہ پر ہے اور پھر سوال اٹھایا کہ

”اس قصیدے میں وہ کیا چیز تھی جو لوگوں کے لاشعور میں اترتی چلی گئی اور جس نے لوگوں سے بے ساختہ سبحان اللہ کہلوایا۔“ (۱۰۷)

اس کے بعد وہ بتاتے ہیں کہ کٹھ ملاؤں نے ان کے مذکورہ قصیدے پر اعتراضات کیے تھے کہ اس کی تشبیہ غیر مشروع ہے اس کے باوجود وہ قصیدہ زبان زدِ عام ہو گیا۔ اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے انہوں نے کچھ باتیں کی ہیں۔ مثلاً:

☆ آورد کو آمد بنانے والی چیز ایک تو خود موضوع کی وسعت، پیچیدگی اور ہمہ گیری ہے۔ ☆ محسن کا ایمان ایسا کچھ نہیں جو رکاکت سے ڈر جائے وہ رکاکت سے بھی ایک مضمون نکال لیتے ہیں۔ ☆ چونکہ جمال محمدی کی صحیح تعریف صرف اس کا خالق کر سکتا ہے اس لیے جو چیز عام انسان کے حق میں ابترال ہوتی وہ یہاں لطافت بن گئی۔ ☆ موضوع کے تقدس اور بیان کی شوخی کے اجتماعِ ضدین ہی سے نعت میں ان کا امتیازی رنگ پیدا ہوا ہے۔ (۱۰۸)

یہ لکھنے کے بعد عسکری نے محسن کا کوروی کے فرزند (نور اللغات کے مؤلف) سے استشہاد کرتے ہوئے محسن کے کلام کے تین اجزائے ترکیبی کا ذکر کیا ہے:

۱۔ موضوع کی متانت..... ۲۔ مضمون آفرینی اور بلند پروازی..... ۳۔ شوخی۔ (۱۰۹)

محمد حسن عسکری نے یہ مضمون سن ۱۹۵۹ء میں لکھا تھا۔ تنقیدی دنیا کی اہم شخصیت کا یہ مضمون اردو نعتیہ انتقادی سرمائے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بعد بہت سے نقادوں نے محسن کی شاعری پر توجہ دی۔ کئی تحقیقی مقالوں میں بھی محسن کا کمال فن اور شعری امتیاز زیر بحث آیا۔ تاہم اس تمام انتقادی سرمائے کا جائزہ کسی اور باب میں لیا جانا ہے اس لیے ہم اپنی بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں۔



باب اول:

ماخذ و منابع

- ۱۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، اشارات تنقید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۴
- ۲۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تنقید اور جدید تنقید، انجمن ترقی اردو، بابائے اردو روڈ، کراچی، ۱۹۸۹ء، ص ۱۳
- ۳۔ احسن فاروقی، ڈاکٹر، محمد، زبان اور ادب کے رشتے، نگار پاکستان، ماہنامہ، مسائل ادب نمبر، سالنامہ ۱۹۶۸ء، ص ۲۰-۲۱
- ۴۔ ایضاً ص ۲۱-۲۰
- ۵۔ مجنوں گورکھپوری، شعر اور غزل، نگار پاکستان، ماہنامہ، اصناف شاعری نمبر، سالنامہ ۱۹۶۷ء، ص ۲۳
- ۶۔ عبداللطیف ندوی، عربی ادب کی تاریخ، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور، طبع اول ۱۹۸۸ء، ص ۱۲۲
- ۷۔ ایضاً ص ۱۲۲
- ۸۔ ایضاً ص ۱۲۲
- ۹۔ ایضاً ص ۱۲۲
- ۱۰۔ حالی، خواجہ الطاف حسین، مقدمہ شعر و شاعری، کتب خانہ علم و ادب، دہلی، بھارت، س۔ ن، ص ۳۶
- ۱۱۔ ایضاً ص ۳۶
- ۱۲۔ ایضاً ص ۳۷
- ۱۳۔ نجم الغنی رامپوری، مولوی، بحر القصاح، حصہ اول، مرتبہ قدرت نقوی، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول ۱۹۹۹ء، ص ۱۳۱
- ۱۴۔ ایضاً ص ۱۳۱
- ۱۵۔ ایضاً ص ۱۳۱
- ۱۶۔ ایضاً ص ۱۳۰
- ۱۷۔ عبداللطیف ندوی
- ۱۸۔ پروفیسر عبدالقادر سروری، شعر کیا ہے؟، نگار پاکستان، ماہنامہ، کراچی، اصناف شاعری نمبر، سالنامہ ۱۹۶۷ء، ص ۸
- ۱۹۔ ایضاً ص ۸
- ۲۰۔ عبداللطیف ندوی، عربی ادب کی تاریخ، ص ۱۲۲
- ۲۱۔ مجنوں گورکھپوری، شعر اور غزل، نگار پاکستان، ماہنامہ، کراچی، اصناف شاعری نمبر، سالنامہ ۱۹۶۷ء، ص ۲۷
- ۲۲۔ ایضاً ص ۲۷
- ۲۳۔ پروفیسر عبدالقادر سروری، شعر کیا ہے؟، نگار پاکستان، ص ۸
- ۲۴۔ ابوالانجاز حفیظ صدیقی، ڈاکٹر آفتاب احمد خاں، کشف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص ۹
- ۲۵۔ ایضاً ص ۱۰
- ۲۶۔ احتشام حسین، سید، تنقیدی نظریات، بکھنویونیورسٹی، بھارت، س۔ ن، ص ۹۱
- ۲۷۔ القرآن: سورہ الشعراء نمبر ۲۶: آیات نمبر ۲۲-۲۶
- ۲۸۔ این میری شمل، شہر جبریل، مترجم: ڈاکٹر محمد ریاض، گلاب پبلیشرز، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۸
- ۲۹۔ ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۵۴۸
- ۳۰۔ ایضاً ص ۵۴۸
- ۳۱۔ عبدالرشید فاضل، پروفیسر، سلسلہ درسیات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۱۶، میکو روڈ، لاہور، طبع ثانی ۱۹۹۰ء، ص ۱۶۵
- ۳۲۔ ایضاً ص ۱۶۷
- ۳۳۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، اشارات تنقید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۲۱۲
- ۳۴۔ ایضاً ص ۲۱۲
- ۳۵۔ المنجد
- ۳۶۔ فیروز اللغات، فارسی
- ۳۷۔ فیروز اردو انگریزی ڈکشنری
- ۳۸۔ پیگلوین انگلش ڈکشنری
- ۳۹۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر،

- اشارات تنقید، ص ۹-۱۱ ۴۰۔ اردو لغت، اردو لغت بورڈ، کراچی ۴۱۔ ایضاً ۴۲۔ نیاز فتح پوری، انتقادات، حصہ اول و دوم، نگار پاکستان، ماہنامہ، کراچی، سالنامہ دسمبر ۹۹۵ء، ص ۳۶۱ ۴۳۔ افسر، حامد اللہ، تنقیدی اصول اور نظریے، بحوالہ کشف تنقیدی اصطلاحات، ص ۵۰ ۴۴۔ سجاد باقر رضوی، تہذیب و تحقیق، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اول جون ۱۹۸۷ء، ص ۵۰ ۴۵۔ وقار عظیم، تنقید آزاد اور اس کا مخصوص مزاج، آب حیات کا تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ، مرتبہ سید سجاد، نئی مطبوعات، سرکلر روڈ، لاہور، بار اول: ۱۹۶۶ء، ص ۵
- ۴۶۔ جیلانی کامران، تنقید کا نیا پس منظر، مکتبہ عالیہ، اردو بازار، لاہور، س ۱۹ ص ۴۷۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، اشارات تنقید، ص ۱۲۴ ۴۸۔ نجم الغنی رامپوری، بحر الفصاحت، حصہ اول ص ۱۵۳ ۴۹۔ ایضاً ص ۱۵۳
- ۵۰۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اردو تنقید کا ارتقا، انجمن ترقی اردو، پاکستان، کراچی، اشاعت چہارم ۱۹۹۴ء، ص ۸۳-۸۴ ۵۱۔ امیر کیکاؤس بن سکندر بن قابوس، قابوس نامہ، مترجم میاں محمد افضل، شاہکار بک نمبر ۷۲، لاہور، س ۲۳ ص ۵۲۔ ایضاً ص ۴۳-۴۴ ۵۳۔ ایضاً ص ۴۳-۴۴ ۵۴۔ ایضاً ص ۴۳-۴۴ ۵۵۔ نظامی عروضی سمرقندی، چہار مقالہ، ترجمہ مطبوعہ لاہور، [بقیہ تفصیل ندارد] ص ۸۲-۸۳ ۵۶۔ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، مترجم مولانا راغب رحمانی، نفس الکیڈی، اردو بازار، کراچی، طبع یازدہم، دسمبر ۲۰۰۱ء، ص ۴۰۸ ۵۷۔ ایضاً ص ۴۱۴ ۵۸۔ عبدالحق، ڈاکٹر، مولوی، مقدمات عبدالحق، تفصیل ندارد، ص ۱۲۸ ۵۹۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ارسطو سے ایلینک تک، پینٹل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، طبع سوم: ۱۹۸۵ء، ص ۲۶۵-۲۸۵ ۶۰۔ آزاد، محمد حسین، آب حیات، شیخ محمد پیشوا اینڈ سنز، اردو بازار، لاہور، س ۱۹ ص ۶۱۴۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول: نمبر ۱۹۷۷ء، ص ۸۲ ۶۲۔ ایضاً ص ۶۳۲-۶۳۳ ۶۳۔ ایضاً ص ۱۸۸ ۶۴۔ ساجدا امجد، ڈاکٹر، اردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات، محضفہر اکیڈمی پاکستان، اردو بازار، کراچی، ۱۹۸۹ء، ص ۱۸۸ ۶۵۔ ایضاً ص ۱۸۸ ۶۶۔ آزاد، محمد حسین، آب حیات، ص ۳۴۰ ۶۷۔ رشید حسن خاں، انتخاب کلامِ ناتج، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، پہلی اشاعت ۱۹۹۶ء، ص ۷۸ ۶۸۔ ایضاً ص ۸۸ ۶۹۔ ایضاً ص ۹۴ ۷۰۔ ایضاً ص ۹۴ ۷۱۔ ایضاً ص ۱۰۲ ۷۲۔ ایضاً ص ۱۰۶ ۷۳۔ ایضاً ص ۱۰۸ ۷۴۔ ایضاً ص ۱۰۸ ۷۵۔ ایضاً ص ۱۰۸ ۷۶۔ ایضاً ص ۱۰۸ ۷۷۔ ایضاً ص ۱۰۸ ۷۸۔ جیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، مجلس ترقی ادب، لاہور، ج سوم، طباعت دوم: اپریل ۲۰۰۸ء، ص ۶۶۸ ۷۹۔ ایضاً ص ۶۶۸ ۸۰۔ ایضاً ص ۶۶۹ ۸۱۔ ایضاً ص ۶۶۹ ۸۲۔ آزاد، مولانا مولوی محمد نعیم الحق، حیات اشعراء، بلدیہ میرپور خاص، بار اول ۱۹۶۹ء، ص ۲۰۷-۲۰۹ ۸۳۔ شہباز، نواب مصطفیٰ خاں، گلشن بے خار، مرتبہ کلب علی خاں فائق، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول ۱۹۷۳ء، ص ۲۸۳-۲۸۴ ۸۴۔ ناصر، سعادت خاں، تذکرہ خوش معرکہ زبیا، مرتبہ مشفق خواجہ، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول: ۱۹۷۰ء، ص ۳۵-۳۶ ۸۵۔ عبدالحق، مولانا حکیم سید، تذکرہ شعرائے اردو، گل رعنا، مطبع معارف اعظم گڑھ، طبع چہارم ۱۳۷۷ء، ص ۳۳

- ۸۶۔ حسرت موہانی، تذکرۃ الشعراء، مرتبہ: شفقت رضوی، ادارۃ یادگار غالب، ناظم آباد، کراچی، ۱۹۹۹ء، ص ۲۵۰-۲۵۲ ۸۷۔ ایضاً ص ۲۵۰-۲۵۲ ۸۸۔ ایضاً ص ۲۵۰-۲۵۲ ۸۹۔ ایضاً ص ۲۵۰-۲۵۲
- ۹۰۔ تعظیم علی نقوی، سید، شایاں بریلوی، تاریخ شعرائے روہیلکھنڈ، ناتھ ناظم آباد، کراچی، جلد اول، ۱۹۹۱ء، ص ۹۱
- ۹۱۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، لکھنؤ کا دبستان شاعری، غنفر اکیڈمی پاکستان، اردو بازار، کراچی، طبع ثانی: ۱۹۸۷ء، ص ۵۴۵
- ۹۲۔ سقی بریلوی، ارمغان نعت، مرکز علوم اسلامیہ، ۵-گارڈن، کراچی، اشاعت، دوم: مارچ ۱۹۷۵ء، ص ۱۳۵
- ۹۳۔ عبدالسلام ندوی، شعر البند، حصہ دوم: ص ۲۰۶ ۹۴۔ ایضاً ص ۲۰۶ ۹۵۔ ایضاً ص ۲۰۶
- ۹۶۔ ایضاً ص ۲۰۹ ۹۷۔ ایضاً ص ۲۰۹ ۹۸۔ ایضاً ص ۲۰۹
- ۹۹۔ ایضاً ص ۲۱۰ ۱۰۰۔ ایضاً ص ۲۱۱ ۱۰۱۔ ایضاً ص ۲۱۲
- ۱۰۲۔ ایضاً ص ۲۱۲ ۱۰۳۔ ایضاً ص ۲۱۶ ۱۰۴۔ ایضاً ص ۲۱۶
- ۱۰۵۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، لکھنؤ کا دبستان شاعری، ص ۵۴۷ ۱۰۶۔ ایضاً ص ۲۶۳
- ۱۰۷۔ محمد حسن عسکری، مجموعہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۲۰۸ ۱۰۸۔ ایضاً ص ۲۱۸
- ۱۰۹۔ ایضاً ص ۲۱۸

☆☆☆

باب دوم:

قرآن و سنت (احادیث نبویؐ) میں

نعت کے متن کی صحت کے اصولی اشارے

۱۔ قرآن پاک میں شعراء کی راست سستی کے لیے رہنمائی:

شاعری وہی صلاحیت کے تحت وجود میں آتی ہے۔ اللہ رب العزت کی طرف سے انسان کو کوئی صلاحیت بے وجہ عطا نہیں ہوئی۔ اس لیے شاعری بھی اپنے وجود کے لیے جواز چاہتی ہے۔ اس جواز کی تفصیل جاننے کے لیے ہمیں انسان کا مقصد تخلیق جانتا ہوگا۔ انسان کا مقصد تخلیق بلاشبہ صرف اور صرف اس کا خالق ہیں بتا سکتا ہے۔ چنانچہ ہمیں خالق سے دریافت کرنا ہوگا کہ انسان کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟..... اس مرحلے پر ہمیں قرآن کریم کی رہنمائی ملتی ہے:

”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“ O

اور نہیں پیدا کیا ہے میں نے جن وانس کو مگر محض اس غرض سے کہ میری عبادت کریں۔ (۱)

تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے لکھا ہے کہ

”حضرت علیؓ نے آیت کا تفسیری ترجمہ اس طرح کیا ہے ”میں نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا، مگر صرف اس لیے کہ ان کو اپنی عبادت کا حکم دوں۔ یعنی اپنے احکامات کا مکلف بناؤں۔ اسی مفہوم کو دوسری آیت میں بیان کیا ہے اور فرمایا ہے ”وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا“ [سورہ توبہ، آیت ۳۱]، یعنی ان کو صرف ایک معبود کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔“ (۲)

تفسیر مظہری میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے ایک حدیث بھی درج کی ہے:

”حدیث مبارک ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”كُلُّ مُيسَّرٍ لِمَا خُلِقَ لَهُ“ ہر ایک کے لیے وہ کام آسان کر دیا جاتا ہے (یعنی اس کام کی توفیق دی جاتی ہے) جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔“ (۳)

ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی تفہیم میں، اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

”عبادت کا لفظ اس آیت میں محض نماز روزے اور اسی نوعیت کی دوسری عبادات کے معنی میں استعمال نہیں کیا گیا ہے..... اس کا پورا مفہوم یہ ہے جن اور انسان اللہ کے سوا کسی اور کی پرستش، اطاعت، فرمانبرداری اور نیاز مندی کے لیے پیدا نہیں کیے گئے ہیں۔“ (۴)

قرآن کی درج بالا آیت اور تفسیری حاشیوں کے مطالعے سے درج ذیل نکات اخذ کیے جاسکتے ہیں:

۱۔ عبادت، صرف روزہ نماز، حج، زکوٰۃ ہی کا نام نہیں ہے۔ ۲۔ انسان (اور جن) کی پوری زندگی اگر اللہ کی اطاعت میں صرف ہو تو وہ عبادت ہے۔ ۳۔ عبادت (یعنی خالق کے منشاء کے مطابق کام کرنے) کے لیے صلاحیت، خود خالق نے مخلوق میں رکھ دی ہے۔ ۴۔ انسان (اور جن) میں اطاعت اور نافرمانی کی استعداد رکھی گئی ہے۔ ۵۔ انسان (اور جن) سے شعوری طور پر اپنی صلاحیتوں کا ایسا استعمال مطلوب ہے جو خالق کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ ۶۔ انسان (اور جن) سے اللہ کی اطاعت اختیار کرنے کا مطالبہ بھی جبر پر مبنی نہیں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا ہے:

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ إِنَّا هَدَيْنَاهُ

لِسَبِيلٍ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ۝ بے شک ہم نے پیدا کیا ہے انسان کو ایک مخلوط نطفہ سے تاکہ امتحان لیں اس کا اس لیے بنایا ہے ہم نے اسے سننے والا، دیکھنے والا [۲] ہم نے دکھا دیا ہے اسے راستاب چاہے (بن جائے) شکر کرنے والا یا کفر کرنے والا [۳] (۵)

یہی بات بڑے واضح انداز میں سورہ الکہف میں بھی فرمادی گئی ہے:

”وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمَرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ“

”اور کہہ دیجیے کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے جو جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے“ (۵، الف)

منشائے تخلیق انسانی، مقصد زندگی اور ایمان یا کفر کے اختیار کرنے کی آزادی کے اعلان کے ساتھ ہی اللہ رب العزت نے فرمادیا کہ موت اور زندگی اس بات کی آزمائش ہے کہ تم میں سے کون اچھے اعمال کرتا ہے:

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۖ [۲]

وہ ذات جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تاکہ آزمائش کرے تمہاری کہ کون تم میں سے زیادہ اچھا ہے عمل میں۔ (۶)

شاعر چوں کہ پہلے انسان ہے لہذا اسے خسران سے بچنے کا نسخہ پہلے جاننا چاہیے جو سورہ العصر میں واضح کر دیا گیا ہے:

”وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۝ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝“

”قسم ہے زمانے کی [۱] یقیناً، انسان خسارے میں ہے [۲] سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور کرتے رہے نیک عمل اور نصیحت کرتے رہے ایک دوسرے کو صبر کی۔ (۷)

درج بالا آیات میں پوری نوع انسانی کو خسارے میں دکھایا گیا ہے۔ استثنائاً صرف چار کام کرنے والوں کا ہے۔ یعنی جو لوگ [۱] ایمان قبول کریں [۲] ایمان کی روشنی ظاہر کرنے کے لیے اعمال صالحہ اختیار کریں [۳] حق یعنی دین کی طرف لوگوں کو بلائیں اور [۴] ایمان اور اعمال صالحہ کی زندگی بسر کرنے میں جو مشکلات پیش آئیں ان پر خود بھی صبر کریں اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرتے رہیں۔ دراصل حق کی ترویج و اشاعت ہی مسلمان کا بنیادی فریضہ ہے۔ شاعر کو چوں کہ خصوصی صلاحیتوں سے نوازا جاتا ہے اس لیے اس پر حق کے پرچار کی زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ عہد رسالت مآب ﷺ میں عرب دنیا میں پروپیگنڈے کا سب سے موثر ذریعہ شعر تھا۔ اسی لیے حضور انور جناب رسالت مآب ﷺ نے شعراء کو دین کی اچھائیاں ظاہر کرنے اور مخالفین کے ذات نبوی پر ریک حملوں کے جواب کے لیے ابھارا اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس چیز کا قدرے تفصیلی ذکر بعد میں آئے گا، یہاں ہم ”حق اور صبر“ کی تلقین کرنے والے فرد کے حوالے سے پیر محمد کرم شاہ الازہری کی نگارش کا اقتباس پیش کرنا چاہتے ہیں:

”اسے چراغ کون کہے گا جو اپنے ماحول کی تاریکیوں کو مٹا کر نہ رکھ دے، وہ دریا ہی کیا ہوا جو صحراؤں اور چٹیل میدانوں کو سیراب کر کے رشک فردوس نہ بنادے۔ اس لیے فرمایا تیسری خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں حق کی پذیرائی اور اس کی بالادستی قائم کرنے کے لیے بھرپور کوشش کرتا ہے اور یہ کوشش اس وقت تک بار آور نہیں ہو سکتی جب تک یہ خود اور اس کو قبول کرنے والے اس راہ کی صعوبتوں کو جو انمردی سے برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا نہ کر لیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ ایک دوسرے کو صبر و استقامت کا درس دیتے رہیں۔“ (۸)

دنیاے آب و گل میں رہتے ہوئے خسارے سے بچنے کے لیے بنی نوع انسان کو جن الفاظ میں چار نکاتی پروگرام عطا کیا گیا ہے۔ تقریباً اسی لہجے اور انہی الفاظ میں شعراء سے خطاب فرمایا گیا ہے۔ سورہ شعراء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝ أَلَمْ تَرَأَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۝ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْهُمْ ۖ بَعْدَ مَا ظَلَمُوا ۚ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۝“

○ اور رہے شعراء تو چلا کرتے ہیں ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ ○ کیا نہیں دیکھتے ہو تم کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں ○ اور بلاشبہ وہ کہتے ہیں ایسی باتیں جو کرتے نہیں ○ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور کیے انہوں نے نیک عمل اور ذکر کیا اللہ کا کثرت سے اور بدلہ لیا انہوں نے اس کے بعد کہ زیادتی کی گئی ان پر اور عنقریب معلوم ہو جائے گا ان لوگوں کو جنہوں نے زیادتی کی کہ کس انجام سے وہ دوچار ہوتے ہیں۔“ (۹)

سورۃ العصر میں تمام بنی نوع انسان کو خسارے میں بتایا تھا اس کے بعد چار شرطوں کے پورا کرنے والے انسانوں کو خسارے سے محفوظ فرمایا گیا تھا۔ یعنی اسی طرح شعراء کی پوری برادری کو ایسا ظاہر کیا گیا جس کے پیچھے چلنے والے لوگ سب گمراہ ہیں اور شعراء بدرجہ اولیٰ گمراہ ہیں۔ پھر سورۃ العصر کا اسلوب برقرار رکھتے ہوئے ایسے شعراء کو مستثنیٰ کیا گیا جو ایمان لا کر اعمال صالحہ کے عملی مظاہرے کریں۔ لیکن سورۃ الشعراء میں موقع کی مناسبت سے جو تیسری شرط رکھی گئی وہ اللہ کے ذکر کی کثرت ہے۔ کیوں کہ شعراء اپنے کلام میں جس قدر بھی اللہ کا ذکر کریں گے، وہ دین کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بنے گا۔ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تفسیری حاشیے میں ”وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا“ کی تشریح میں ”فی الشعر“ کے الفاظ ہی لکھے ہیں)۔ (۱۰)۔ چوتھی شرط یہ لگائی کہ دنیائے کفر کی جانب سے جو ہرزہ سرائی اسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے کی جائے، اس کا بدلہ لیتے ہیں۔ ابوالاعلیٰ مودودی نے ظلم کے لیے بدلہ لینے کے ذکر سے مملو آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

”اور جب ان پر ظلم کیا گیا تو صرف بدلہ لے لیا۔“ (۱۱)

اس سے ظاہر ہوا کہ بدلہ لیتے وقت بھی اعتدال کا خیال رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، یہاں بھی مبالغہ آمیز جواب کی راہ مسدود کر دی گئی ہے۔

سورۃ العصر کا خطاب پوری بنی نوع انسان سے تھا اور سورۃ الشعراء کی مذکورہ آیات میں شاعروں کی پوری برادری کو مخاطب کیا گیا ہے۔ دونوں مواقع پر اسلوب کی یکسانیت اس بات کی غماز ہے کہ ایمان، اعمال صالحہ، تواضع بالحق اور تواضع بالصبر کی جو اہمیت بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ انسانی معاشرے کے لیے ”شاعروں“ کے افعال (ان کی تخلیق [شعر] اور ان کے اعمال) کی اہمیت ویسی ہی ہے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم میں متعدد بار اس بات کو دہرایا گیا ہے کہ اللہ کے نبی، حضور محمد مصطفیٰ ﷺ شاعر نہیں ہیں۔ سورۃ یس میں تو صاف صاف فرمادیا کہ فنِ شعر نبی ﷺ کے شایانِ شان ہی نہیں ہے اس لیے انہیں یہ فن نہیں سکھایا گیا۔

”وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ“

”اور نہیں سکھائی ہم نے اس نبی ﷺ کو شاعری اور نہیں تھی اس کے شایانِ شان یہ چیز“ (۱۲)

نبی علیہ السلام کے لیے علمِ شعر کی نفی کا صاف مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کی ہر بات یقینی ہے جبکہ شعر میں تخیل کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ تخیل چاہے کتنا ہی راہِ راست پر کیوں نہ چلے ”وجی“ کے ذریعے عطا کیے جانے والے علم کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ جو قطعیت اور یقین کی کیفیت، وحی کے ذریعے عطا کیے جانے والے علم میں ہوتی ہے وہ انسانی کوشش سے لکھی جانے والی کسی تحریر میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس کے باوجود وحی ربانی کے تحت حاصل ہونے والی ہدایت اور اتباعِ نبوی میں عمل کی راست سستی، جس کو بھی حاصل ہو جائے، وہ عام انسان بھی اللہ کا پسندیدہ بن جاتا ہے اور اگر وہ شاعر ہو تو اس کے مراتب اور بلند ہو جاتے ہیں۔ احادیث کا ذکر آگے آئے گا۔ یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ شعراء کے لیے اللہ کے نبی جناب رسالت مآب ﷺ سے مخاطب کا اسلوب اختیار کرنے کے حوالے سے قرآن کریم میں کیا احکامات ملتے ہیں؟۔۔۔ اس ضمن میں ہمیں امت کے عام لوگوں کے لیے جو اصول قرآن کریم میں ملتے ہیں انہی کا اطلاق شعراء پر بھی کرنا ہوگا۔ کیوں کہ شاعر پہلے رسول ﷺ کا امتی ہے اور بعد میں اپنے فنِ شعر کا مظاہرہ کرنے والا نظم گو ہے۔ محمد اکرم اعوان نے ”اسرار التزلیل“ میں بڑے پتے کی بات کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

”شاعر محض خیالی وادیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں جبکہ جو کچھ کہتے ہیں وہ نہ کرتے ہیں اور نہ کرنا ممکن ہوتا ہے۔ سوائے ان شاعروں کے جو ایمان سے مالا مال ہوئے اور نیک اعمال اپنائے یعنی شعروں میں بھی نیکی، اللہ کی تعریف اور رسول اللہ ﷺ کی نعت اور اطاعت کی بات کرتے ہیں اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں، قلبی، عملی اور زبانی ہر طرح سے کہ ان کا شعر بھی اللہ کی یاد دلاتا ہے اور کفار کے مقابلہ میں ظلم کا جواب دینے کے لیے جنہوں نے شعر کہے یہ ان کا حق تھا کہ ان پر ظلم کیا گیا تھا۔ لہذا آپ کے تتبع تو دنیا کے مثالی انسان ہیں۔“ (۱۳)

☆ لفظ راعنا کے استعمال کی ممانعت:

سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوتا ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا“

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، راعنا نہ کہا کرو، بلکہ انظرنا کہو، اور توجہ سے بات کو سنو! (۱۴)

ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیم میں لکھا ہے:

”جب آنحضرت ﷺ کی گفتگو کے دوران میں یہودیوں کو کبھی یہ کہنے کی ضرورت پیش آتی کہ ٹھریے، ذرا ہمیں یہ بات سمجھ لینے دیجیے، تو وہ راعنا کہتے تھے۔ اس لفظ کا ظاہری مفہوم تو یہ تھا کہ ذرا ہماری رعایت کیجیے یا ہماری بات سن لیجیے۔ مگر اس میں کئی احتمالات اور بھی تھے۔ مثلاً عبرانی میں اس سے ملتا جلتا ایک لفظ تھا، جس کے معنی تھے ”سُن، تو بہرا ہو جائے“۔ اور خود عربی میں اس کے معنی صاحبِ رعونت اور جاہل و احمق کے بھی تھے۔ اور گفتگو میں یہ ایسے موقع پر بھی بولا جاتا تھا جب یہ کہنا ہو کہ تم ہماری سنو، تو ہم تمہاری سنیں۔ اور ذرا زبان لچکا دے کر راعنا بھی بنالیا جاتا تھا، جس کے معنی ”اے ہمارے چرواہے“ کے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تم اس لفظ کے استعمال سے پرہیز کرو اور اس کے بجائے انظرنا کہا کرو۔ یعنی ہماری طرف توجہ فرمائیے یا ذرا ہمیں سمجھ لینے دیجیے۔ پھر فرمایا کہ ”توجہ سے بات کو سنو“، یعنی یہودیوں کو تو بار بار یہ کہنے کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ وہ نبی کی بات پر توجہ نہیں کرتے اور ان کی تقریر کے دوران میں وہ اپنے ہی خیالات میں الجھے رہتے ہیں، مگر تمہیں غور سے نبی کی باتیں سننی چاہئیں تاکہ یہ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔“ (۱۵)

یہاں اس بات کو ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ مسلمان اور وہ بھی اصحابِ رسول رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، کبھی اور کسی صورت میں بھی اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے کوئی ایسا لفظ نہیں بول سکتے تھے جس میں آپ ﷺ کی ذات کے لیے ذم کا پہلو نکلتا ہو۔ راعنا، کے لفظ میں یقیناً اچھے معنی بھی تھے یعنی ”ہماری رعایت فرمائیے یا ہماری بات بھی سماعت فرمالیجیے“ اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ اللہ رب العزت مسلمانوں کے دلوں کا حال بھی جانتا تھا کہ وہ لوگ کبھی بھی اپنے نبی ﷺ کی توہین کا خیال تک دل میں نہیں لاسکتے۔ ایسی صورت میں صرف یہ حکم دینا شاید کافی ہوتا کہ یہودی اس لفظ ”راعنا“ میں ذم کے پہلو تلاش کرتے ہیں، اے ایمان والو! تم اس لفظ کے استعمال میں محتاط رہنا!..... لیکن ایسا کرنے کے بجائے اس لفظ ہی کو اسلامی لغت سے خارج کر دینے کا حکم آیا۔ اس کے بجائے ”انظرنا“ کا لفظ رائج کیا گیا جو ہر طرح اچھے معانی کا حامل تھا۔

سورۃ البقرۃ کی درج بالا آیت میں آنے والی ممانعت سے ظاہر ہوا کہ اللہ رب العزت کو اپنے رسول جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے کتنی محبت ہے!..... اس موقع پر مجھے سورۃ الحجر کی ایک آیت یاد آ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط علیہ السلام کے ذکر میں ان کی بد مستی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے پیارے نبی حضور ختمی مرتبت ﷺ کو ”قسم“ کہا کہ یہ واقعہ سنایا۔ اور قسم بھی ”حضور اکرم ﷺ“ کی جان کی کھائی۔ فرمایا:

”لَعْمُرُكَ اِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ“

”قسم ہے تمہاری جان کی (اے نبیؐ) بے شک وہ اس وقت اپنی مستی میں اندھے ہو رہے تھے۔“ (۱۶)

اسی حوالے سے غالبؔ نے شعر کہا تھا:

ہر کس قسم بد آنچہ عزیز است می خورد
سو گند کردگار بجان محمدؐ است (۱۷)

(ہر کوئی اس چیز کی قسم کھاتا ہے جو اسے عزیز ہوتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ، محمد ﷺ کی جان کی قسم کھاتا ہے) ☆ نبی علیہ السلام سے کُحَّطُ بَث کے آداب:

سورہ حجرات کی ابتدائی آیات میں اللہ رب العزت نے ایمان لانے والوں سے خطاب فرمایا ہے اور انہیں اپنے نبی حضور علیہ السلام سے کُحَّطُ بَث کے آداب سکھائے ہیں:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولٍ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَ أَجْرٌ عَظِيمٌ“

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو نہ بلند کرو اپنی آوازیں اوپر نبیؐ کی آواز کے اور نہ اونچی کرو اپنی آواز اس کے سامنے بات کرتے وقت جیسے اونچی آواز میں بولتے ہو تم ایک دوسرے سے، کہیں ایسا نہ ہو کہ غارت ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر بھی نہ ہو ۝ بلاشبہ وہ لوگ جو پست رکھتے ہیں اپنی آواز رسول اللہ کے حضور، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو جانچ لیا ہے اللہ نے تقویٰ کے لیے ان کے لیے ہے مغفرت اور اجر عظیم“

..... إِنَّ الَّذِينَ ينادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۚ

درحقیقت وہ لوگ جو پکارتے ہیں تمہیں حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ (۱۸)
پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

”اس آیت طیبہ میں بھی بارگاہ رسالت کے آداب کی تعلیم دی جا رہی ہے..... بتایا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں وہاں شرف باریابی نصیب ہو اور ہم کلامی کی سعادت سے بہرہ ور ہو تو یہ خیال رہے کہ تمہاری آواز میرے محبوب کی آواز سے بلند نہ ہونے پائے۔ جب حاضر ہو تو ادب و احترام کی تصویر بن کر حاضری دو۔ اگر اس سلسلہ میں تم نے ذرا سی غفلت برتی اور بے پروائی سے کام لیا تو سارے

اعمالِ حسنہ ہجرت، جہاد، عبادات وغیرہ تمام کے تمام اکارت ہو جائیں گے۔ پہلی آیت میں بھی یا ایہذا الذین امنوا سے خطاب ہو چکا تھا۔ یہاں خطاب کی چنداں ضرورت نہ تھی، لیکن معاملہ کی نزاکت اور اہمیت کے پیش نظر دوبارہ اہل ایمان کو یا ایہذا الذین امنوا سے خطاب کیا۔ انہیں جھنجھوڑا اور بتایا کہ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بلکہ اس پر زندگی بھر کی طاعتوں، نیکیوں اور حسنات کے مقبول و نامقبول ہونے کا انحصار ہے۔ (۱۹)

حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ کر اب بھی اپنی آواز پست رکھنے کا حکم برقرار ہے۔ عام زندگی میں حکمِ قرآن اور حکمِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذرا سی بھی سرتابی، ایسی ہی ہوگی جیسے حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں اپنی آواز کا بلند کرنا۔ چنانچہ یہ لازمی ہے کہ قرآن و حدیث کا واضح حکم پا کر کوئی مسلمان اپنی رائے نہ دے۔

شعراء کا ہر شعر مُخاطَبَت کا نمونہ ہوتا ہے۔ وہ تو اپنے تصور میں کائنات کی صامت اشیاء سے بھی مخاطبت کے عادی ہوتے ہیں۔ اپنے مجازی محبوب کو بھی اس کی غیر موجودگی میں موجود تصور کر کے ہی شاعری کرتے ہیں۔ اس لیے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں نعت لکھتے ہوئے ان کا یہ تصور کہ وہ خود بارگاہِ نبوی میں حاضر ہیں، بڑا قوی ہونا چاہیے۔ ایسی صورت میں ان کا خطاب، اپنے آقا ﷺ سے کس نوعیت کا ہونا چاہیے اس کا انہیں ہر لفظ لکھتے ہوئے خیال رکھنا پڑے گا۔ غرضیکہ قرآن کریم کی درج بالا آیات اور ان کی تفسیر سے شعراء کو نعت کے لیے آداب سیکھنے چاہئیں۔

☆ حکم ”صلوٰۃ علی النبی ﷺ“:

قرآن کریم میں صلوٰۃ علی النبی ﷺ کا حکم ”نعت“، نگاری کے حوالے سے اہم ترین حکم ہے۔ سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان فرمایا ہے کہ:

”إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا“

’بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر، اے لوگو جو ایمان لائے ہو درود بھیجو ان پر اور خوب سلام بھیجا کرو۔ (۲۰)

قرآن کریم کی درج بالا آیت سے قبل بھی ایک آیت میں ”يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ“ کے الفاظ آئے ہیں ذرا ان کا ذکر ہو جائے۔ سورہ احزاب ہی کی آیت نمبر ۴۳ میں ہے:

”هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ط وَكَانَ

بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا O

”وہی ہے جو رحمت فرماتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے بھی (تمہارے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں) تاکہ نکال لائے تم کو تاریکیوں سے روشنی میں اور ہے وہ مومنوں پر بہت مہربان“۔ (۲۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ﴿هو الذی یصلی علیکم﴾ کے معانی لکھے ہیں ”یغفر لکم“، اور ﴿وملائکتہ﴾ کے معانی لکھے ہیں ”یستغفرون لکم“۔ (۲۲) ان الفاظ کی تفسیر میں شاہ محمد عبدالمقتر قادری بدایونی نے لکھا:

”وہ اللہ تم پر اپنی رحمت اتارتا ہے، تم کو بخشا ہے، اس کے فرشتے تمہارے لیے طلب مغفرت کرتے ہیں“۔ (۲۳)

اب اس حکم الہی کو سمجھنے کے لیے تفسیر سے رجوع کرتے ہیں جو صلوٰۃ علی النبی کے حوالے سے سورہ احزاب کی محولہ بالا آیت ۵۶ میں آیا ہے۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

”اس آیت کریمہ کی جلالتِ شان کو زیادہ سے زیادہ سمجھنے کے لیے پہلے اس کے کلمات طیبات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ آیت کریمہ میں فعل صلوٰۃ (درو) کے تین فاعل ہیں۔ [۱] اللہ تعالیٰ [۲] فرشتے [۳] اہل اسلام۔ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی بھری محفل میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرتا ہے۔ فہی منہ عز وجل ثناء لا علیہ عند الملائکۃ و تعظیمہ۔ [دواء بخاری عن ابی العالیہ]۔ علامہ آلوسی اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: و تعظیمہ تعالیٰ ایاہ فی الدنیا باعلاء ذکرہ و اظہار دینہ و ابقاء العمل بشریعتہ و فی الآخرۃ تبشیرہ فی امتہ و اجزال اجرہ و مثوبتہ و ابداء فضلہ للاولین بالمقام المحمود و تقدیمہ علی کافۃ المقربین بالشہود“

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے کا یہ مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے ذکر کو بلند کر کے، اس کے دین کو غلبہ دے کر اور اس کی شریعت پر عمل برقرار رکھ کے اس دنیا میں حضور کی عزت و شان بڑھاتا ہے اور روزِ محشر امت کے لیے حضور کی شفاعت قبول فرما کر اور حضور کو بہترین اجر و ثواب عطا کر کے اور مقامِ محمود پر فائز کرنے کے بعد اولین اور آخرین کے لیے حضور کی بزرگی کو نمایاں کر کے اور تمام مقربین پر حضور کو سبقت بخش کر حضور کی شان کو آشکارا فرماتا ہے۔ اور جب اس کی نسبت ملائکہ کی طرف ہو تو صلوٰۃ کا معنی دعا ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے پیارے رسول کے درجات کی بلندی اور مقامات کی رفعت کے لیے دست بدعا ہیں۔ اس جملہ میں ان اللہ و ملائکتہ

الخ میں اگر آپ غور فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ لیکن اس کی خبر جملہ فعلیہ ہے۔ تو یہاں دونوں جملے جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس میں رازیہ ہے کہ جملہ اسمیہ استمرار و دوام پر دلالت کرتا ہے اور فعلیہ تجدید و حدوث کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہر دم، ہر گھڑی اپنے نبی مکرم پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے اور آپ کی شان بیان فرماتا ہے۔ اسی طرح اس کے فرشتے بھی اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہتے ہیں..... تو اے اہل ایمان تم بھی میرے محبوب کی رفعت شان کے لیے دعا مانگا کرو..... اس آیت میں ہمیں بارگاہ رسالت میں صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔“ (۲۳)

قرآن کریم فرقان حمید کی زیر مطالعہ آیت کے تحت اگر ہم حضور علیہ السلام کی رفعت شان کے لیے آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کرنے کا اعلان ربانی سامنے رکھیں تو بات اور واضح، صاف اور اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ“ O اور بلند کر دیا ہم نے تمہاری خاطر تمہارا ذکر (۲۵)

اس سورہ کے تفسیری حاشیے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

”پھر آیت آئی کہ کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند نہیں کیا اور اس کو شائع نہیں کیا، ہم نے اپنے نام کے ساتھ آپ کے ناموں کو ملا کر اذان و اقامت و دعا و کلمہ شہادت میں ذکر نہیں کیا کہ جب ہمارا ذکر ہو تو آپ کا ذکر بھی ساتھ ہی ہو؟ حضور ﷺ نے اقرار کیا اور کہا: نعم [ہاں]۔“ (۲۶)

اللہ تعالیٰ کے اس اعلان کی شہادت ہر زمانے میں ملتی رہی ہے۔ اذان، اقامت، دعا و کلمہ، شہادت کے علاوہ انسانی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام قائم فرمایا کہ امت کا ہر فرد زیادہ سے زیادہ حضور اکرم ﷺ کے ذکر میں مشغول رہنا چاہتا ہے۔ شعراء کو تو خصوصی طور پر یہ وصف عطا ہوا ہے کہ آپ ﷺ کا ذکر محبت بھرے تخلیقی لہجے میں کرتے رہیں۔ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت کے گن گاتے رہتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔

☆ حق بات کہنے کا حکم:

قرآن پاک میں فرمایا گیا:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ قُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا“ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور درست بات کہو..... یعنی اللہ کو جو بات ناپسند ہے، اس سے پرہیز کرو، ایذا رسول کا ذکر ہی کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے سدید کا ترجمہ کیا ہے ”صحیح بات“۔ قتادہ نے کہا: انصاف کی

بات۔ بعض نے کہا: سیدھی بات۔ کچھ لوگوں نے کہا: حق تک پہنچنے کا قصد رکھنے والی بات۔ تمام اقوال کا نتیجہ ایک ہی ہے یعنی سچی بات جو قطعاً جھوٹ نہ ہو اور نہ اٹکل پر مبنی ہو۔ کیوں کہ جھوٹ فنا ہو جاتا ہے اور سچی باقی رہتا ہے۔ (۲۷)

☆ کام میں نفاست کا حکم:

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خبر دی:

”وَأَلْنَا لَهُ الْإِسْمَ الْفَرْدِيَّ ۚ أَنِ اعْمَلْ سَبِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السُّورِ...”

”اور ہم نے ان [داؤد] کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔ لوہا آپ کے ہاتھ میں موم یا گندھے ہوئے آٹے کی طرح ہو جاتا تھا۔ جس طرح چاہتے ہاتھ سے پکڑ کر اس کو موڑ دیتے تھے.....“ ہم نے ان کو حکم دیا کہ ایسی کشادہ پوری لمبی زریں بناؤ جو زمین میں گھسنتی چلیں اور [کڑیوں کے جوڑنے میں] اندازہ رکھو۔ [سرد کھال کو سینا، مجازاً مراد ہے زرہ بننا، یعنی زرہ کی بناوٹ میں ایک خاص انداز رکھو، کڑیاں اور کیلیں خاص تناسب کے ساتھ بناؤ۔ نہ اتنی پتلی کہ پھٹ جائیں، نہ اتنی موٹی کہ کڑیاں ٹوٹ جائیں۔“ (۲۸)

یہاں اس بات کا احساس دلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو زرہ بنانا سکھایا تھا تو اس کام میں نفاست پیدا کرنے کی تعلیم بھی دی تھی۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری نے یہ نکتہ بیان کیا ہے:

”جو کام کرو بڑے سلیقہ اور ہنرمندی سے کرو، جو چیز بناؤ اس میں چٹنگی اور نفاست دونوں کا پورا پورا خیال رکھو۔ بے دلی اور بے احتیاطی سے کوئی کام کرنا مسلمان کو زیان نہیں۔“ (۲۹)

☆ اللہ تعالیٰ کی صنعت میں کوئی کمی نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا ۚ مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِن تَفَوُّتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ لَا هَلَ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ۚ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَائِسًا وَهُوَ حَسِيرٌ“

”وہ ذات جس نے بنائے سات آسمان تہہ بہ تہہ نہ دیکھو گے تم رحمن کی تخلیق میں کوئی بے ربطی۔ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھو بھلا نظر آتا ہے تم کو کوئی خلل؟ O پھر دوڑاؤ نظر بار بار پلٹ آئے گی تمہاری طرف نگاہ تھک کر اور وہ نامراد ہوگی (خلل کی تلاش میں) (۳۰)

کلام اللہ کی ان آیات سے شاعر اپنے کلام کو آراستہ کرنے کا درس لے سکتا ہے۔ کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ زرہ جیسی مادی شے کے بنانے میں سلیقے اور معیار کو برقرار رکھنے کا حکم دے رہا ہے تو غیر مادی

اور آفاقی قدروں کے ہنر ”شاعری“ میں نہ تو فکری کچی پسند فرمائے گا اور نہ ہی بیان میں جھول کو پسند قبول سے نوازے گا۔ اللہ تعالیٰ نے پرندوں کو بھی جلتا گھونسلے بنا سکا ہے اور بعض پرندے بڑی نفاست سے اپنے گھونسلے بناتے ہیں۔ شاعر کو جو صلاحیت شعر گوئی و دلیت کی گئی ہے اور جو شعور عطا کیا گیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ وہ بھی اپنی تخلیق کو سنوارے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق کی داد لینے کے لیے اس میں کچی کی نفی نہیں فرمائی ہے بلکہ انسان کو اپنی بے داغ تخلیقات کی طرف اس لیے متوجہ کیا ہے کہ وہ غور و فکر سے کام لے۔ اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے، اس لیے انسانی کوشش سے وجود میں آنے والی اشیاء اور لطیف تخلیقات میں بھی حسن و جمال کو پسند فرماتا ہے۔

☆ خلاصہء کلام:

قرآن کریم کی جو آیات ہم نے حوالے کے طور پر اوپر نقل کی ہیں ان سے حضور اکرم ﷺ کی عظمت و رفعت کے اظہار کے ساتھ ساتھ امت کے لیے آپ ﷺ کے ذکر کی بلندی میں شامل ہونے کی ترغیب بھی ملتی ہے اور شعراء کے لیے رہنمائی بھی کہ کس طرح حضور اکرم ﷺ کی مدحت میں زبان کھولیں اور کس طرح آپ ﷺ کی بارگاہ میں اپنا نذرانہ عقیدت و محبت پیش کریں۔ کس طرح آپ ﷺ سے مخاطب ہوں؟ علاوہ ازیں تخلیق کے معیار کے اشارے بھی آیات الہیہ سے متبادر ہیں۔

ان آیات قرآنی میں معانی کا ایک جہان آباد ہے۔ ہر آیت کا ہر لفظ اپنی تشریحات کے لیے عمر خضر کا متقاضی ہے۔ پورا قرآن کریم ہی حضور اکرم کی شان کے بیان سے مملو ہے۔..... ع ہمہ قرآن در شان محمد ﷺ، اس کے ساتھ ہی قرآن کریم کی ہر آیت انسان کو تعلیم جمال دینے کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اختصاراً شعراء اور نقادان شعر کے لیے نعت کے متن کی تحسین اور پرکھ کے لیے چند آیات کا حوالہ دے کر سمت نمائی کا فریضہ انجام دینے کی سعی کی ہے، اور بس۔

۲۔ احادیث میں شعری تحسین کے نمونے اور ان کا مثنیٰ جائزہ:

قرآن کریم میں شعر و شاعری اور شعراء کے لیے حزم و احتیاط کے جو اصول لفظوں میں بیان کیے گئے ہیں، اللہ کے نبی جناب رسالت مآب ﷺ نے عملی طور پر ان اصولوں کی نگہداری کا مظاہرہ فرما کر دنیائے اسلام میں شعر و شاعری کے آفاقی اصولوں کو نقش کا لُحجر کر دیا ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی پسند اور ناپسندیدگی ظاہر فرما کر شعر کا معیار قائم فرما دیا۔ یہ بات بھی مشہور ہے کہ جب سورہ شعراء کی مولہ بالا آیات نازل ہوئیں تو ان میں استثنائی آیات نہیں تھیں، اس پر عبداللہ بن رواحہؓ، لعب بن مالک اور حسان بن ثابت حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر

عرض پرداز ہوئے:

”یا رسول اللہ! اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہم شاعر ہیں، اب ہم تو غارت ہو گئے۔ اس پر اللہ نے آیت ”إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا.....“

نازل فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو طلب فرمایا اور یہ آیت پڑھ کر سنائیں۔“ (۳۱)

امام ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ شریف میں کچھ احادیث ”بَابُ الْبَيَانِ وَالْبَيِّنَاتِ“ (بیان اور شعر کا بیان) کے تحت جمع کی ہیں۔ ہم کچھ احادیث یہاں نقل کرتے ہیں:

۱. ”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنَ الْبَيِّنَاتِ لَسِحْرًا“ (رواہ البخاری)

۲. وَعَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنَ الشُّعْرِ

حِكْمَةً (مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ)..... ۳. وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ قَالَهَا ثَلَاثًا (رواہ مسلم)..... ۴. قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ يُجَاهِدُ بِسَيْفِهِ وَلِسَانِهِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَكَأَنَّمَا تَرَوْهُم بِه

نَضَحَ النَّبَلُ. (رواہ فی شرح السنة).....

۱۔ ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بعض بیان سحر ہوتا ہے“۔ ۲۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض اشعار حکمت ہوتے ہیں۔ ۳۔ ابن مسعودؓ سے روایت ہے

کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کلام میں مبالغہ کرنے والے ہلاک ہو گئے یہ کلمات تین مرتبہ

فرمائے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔ ۴۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن شخص کفار کے ساتھ اپنی تلوار

اور زبان کے ساتھ جہاد کرتا ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم کفار کو شعر اس

طرح مارتے ہو جس طرح تیر مارا جاتا ہے۔ (روایت کیا اس کو شرح السنۃ میں) (۳۲)

درج بالا احادیث میں پہلی حدیث، بعض اشعار میں حکمت کے عنصر کی موجودگی ظاہر کرتی

ہے۔ اس حدیث مبارک کو اگر ہم قرآن کریم کی ایک آیت سے ملا کر پڑھیں تو بات اور روشن ہو جاتی ہے:

”وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ط“

”اور جسے مل گئی حکمت سو در حقیقت مل گئی اسے خیر کثیر“۔ (۳۳)

اب اس حدیث میں بیان کردہ حقیقت اور واضح ہو گئی۔ حضور اکرم ہی نے ایک اور مقام پر فرمایا:

”الْكَلِمَةُ الْحَكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ، حَيْثُ مَا وَجَدَهَا فَهُوَ حَقٌّ بِهَا“ (راہ ابن ماجہ)

”کلمہء حکمت تو مومن کی متاعِ گم شدہ ہے جہاں سے بھی اسے ملے وہ اس کا بہتر حقدار ہے۔“ (۳۴)..... اس سے ظاہر ہوا کہ حکمت کی باتیں غیر مسلموں کے ہاں بھی مل سکتی ہیں۔ یہ الگ بات کہ حکمت سے آگاہ ہونے کے باوجود غیر مسلموں نے سب سے بڑی حکمت ”الہ واحد کی پہچان“ تک رسائی حاصل نہ کی..... حکمت کی باتوں کی شعروں میں موجودگی کو جناب رسالت مآب محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی سراہا ہے۔ اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ بلوغ الارب میں لکھا ہے کہ عترة بن شداد العبسی کے اشعار حضور اکرم نے سماعت فرما کر اس سے ملنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ عترة بن شداد العبسی کے اشعار درج ذیل ہیں:

بَكَرْتُ نَحْوَ فَنِي الْمُنُونِ كَانِي
أَصْبَحْتُ عَنْ غَرَضِ الْمُنُونِ بِمَعَزِلٍ
فَأَجَبْتُهَا إِنَّ الْمَنِيَّةَ مَنَهْلٍ
لَا بُدَّ أَنْ أُسْقَى بِكَاسِ الْمَنَهْلِ
فَأَقْنِي حَيَاءَكَ لَا أَبَا لَكَ وَأَعْلَمِي
إِنِّي أَمْرٌ سَا مُوثٌ إِنْ لَمَّا قَتَلِ

”اس نے جلدی سے مجھے موت سے ڈرایا جیسا کہ میں موت کے نشانے سے ہٹ کر ایک طرف ہو گیا ہوں۔ میں نے اسے جواب دیا کہ موت تو ایک گھاٹ ہے (جہاں سب کو وارد ہونا ہے) مجھے بھی ضرور اس گھاٹ کا پیالہ پلایا جائے گا۔ تمہارا باپ مرے۔ حیا کرو اور یہ جان لو کہ اگر میں قتل نہ بھی ہوا تو جب بھی عنقریب مر جاؤں گا۔

اور جب اس کا یہ شعر پڑھا گیا:

وَلَقَدْ أَبَيْتُ عَلَى الطَّوَى وَأَظْلَلُهُ
حَتَّى أَنَالَ بِهِ كَرِيمَ الْمَا كُلِّ
میں دن بھر بھوکوں گزار لیتا ہوں اور رات
بھی، کھاتا اس وقت ہوں جب عزت کی روٹی
ملے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا کوئی بدوی نہیں ہے جس کے اوصاف میرے سامنے بیان کیے گئے ہوں اور مجھے اس کے دیکھنے کی خواہش ہوئی ہو، سو اعتراف کے“ (۳۵)

عترة کے آخری شعر میں حلالِ رزق اور عزت کی روٹی کمانے کی طرف جو اشارہ ہے وہ عین اسلامی تعلیم کے مطابق ہے اس لیے حضور اکرم ﷺ نے اس کے اشعار پسند بھی فرمائے اور اس کی فکر کی

تعریف فرماتے ہوئے اس سے ملاقات کی خواہش بھی ظاہر کی۔

اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لیبید کے شعر کی تعریف فرمائی اور اُمیۃ بن ابی

الصَلْت کو اسلام سے قریب تر فرمایا:

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةً لِيَبِيدٍ) لَا كُلَّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهُ بَاطِلٌ، وَكَأَدَ أُمِيَّةُ بْنُ أَبِي الصَّلْتِ أَنْ يُسَلِّمَ.

”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا سب سے زیادہ سچا کلام جو شاعروں نے کہا لیبید کا یہ مصرع ہے..... ”حق تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے معدوم ہے (یعنی فنا ہونے والا ہے) اور امیہ بن ابی الصلت شاعر تو قریب تھا کہ مسلمان ہو جائے! (۳۶)

محمود شکر آلوسی نے بلوغ الارب جلد چہارم میں امیہ بن ابی الصلت کے حوالے سے بتایا ہے: ”اس نے توحید اور حکمت میں بہت سے اشعار کہے ہیں اور اسی کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس کے اشعار مومن کے سے اشعار ہیں مگر دل کا فرکاسا“۔ (۳۷)

اسی امیہ بن ابی الصلت کے اشعار سننے کی حضور اکرم ﷺ نے فرمائش بھی کی:

”وَعَنْ عُمَرَ وَبْنِ الشَّرِيدِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَدِفَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ هَلْ مَعَكَ مِنْ شِعْرِ أُمِيَّةَ بْنِ أَبِي الصَّلْتِ شَيْءٌ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ هِيَ فَأَنْشَدْتُهُ بَيْتًا. فَقَالَ هِيَ ثُمَّ أَنْشَدْتُهُ بَيْتًا فَقَالَ هِيَ حَتَّى أَنْشَدْتُهُ مَائَتَةَ بَيْتٍ.....

”عمر بن شریداپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہا ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا امیہ بن صلت کے اشعار تجھ کو یاد ہیں میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا پڑھو میں نے آپ کو ایک بیت سنایا۔ فرمایا اور پڑھو پھر میں نے ایک بیت پڑھا فرمایا اور پڑھو میں نے (تقریباً) سوا اشعار آپ کو سنائے (روایت کیا اس کو مسلم نے) (۳۸)

صاحب بلوغ الارب نے امیہ بن صلت کے کچھ اشعار دیئے ہیں۔ ہم تین اشعار یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسندیدگی کی وجہ معلوم ہو سکے۔

اَذْكُرْ حَاجَتِي اَمْ قَدْ كَفَانِي کیا میں اپنی حاجت کا ذکر کروں یا تمہارا حیا ہی
حَيَاؤُكَ؟ اِنَّ شَيْمَتَكَ الْحَيَاءُ کافی ہے، کیوں کہ حیا تمہاری سرشت ہے۔ تم
وَعِلْمُكَ بِالْحَقُّوقِ وَاَنْتَ قَرُمٌ لوگوں کے حقوق سے بخوبی واقف ہو تم عظیم
لَكَ الْحَسَبُ الْمُهَذَّبُ وَالسَّنَاءُ المرتبہ سردار ہو، تمہارے کارنامے شائستہ ہیں،
كَرِيمٌ لَا يُغَيِّرُهُ صَبَاحٌ تمہیں رفعت حاصل ہے۔ یہ ایسا شریف انسان
عَنِ الْخُلُقِ الْجَمِيلِ وَلَا مَسَاءُ ہے جسے صبح و شام (کی گردش) اچھے اخلاق سے
پھیر نہیں سکتی۔ (۳۹)

ان تینوں اشعار میں اخلاقی مضامین آئے ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں اعلیٰ اخلاقی صفات کو
کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ غالباً ایسے ہی اشعار سماعت فرما کر حضور انور ﷺ نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا
ہوگا!

حضور اکرم ﷺ جب خیبر کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو ایک صاحب عامر بن الاکوع
نے حد کے اشعار پڑھنے شروع کیے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ بتایا گیا عامر بن الاکوع تو
آپ نے فرمایا: ”يَرْحَمُهُ اللّٰهُ“ [یہ ان کی شہادت کی طرف اشارہ تھا، چنانچہ وہ خیبر میں شہید
ہو گئے]۔ جو اشعار حضرت عامر بن الاکوع نے پڑھے تھے وہ بخاریؒ نے نقل کیے ہیں:

اَللّٰهُمَّ لَوْ لَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَاَغْفِرْ فِدَاءَ لَكَ مَا قُتِفَيْنَا
وَوَبَّتِ الْاَقْدَامُ اِنْ لَا قَيْنَا
وَالْقَيْنُ سَكِينَةٌ عَلَيْنَا
اِذَا صِيحَ بِنَا اَتَيْنَا
وَبِالصَّيَاحِ عَوَّلُوا عَلَيْنَا
گر نہ ہوتی تیری رحمت اے شہ عالی صفات
تو نمازیں ہم نہ پڑھتے اور نہ دیتے ہم زکوٰۃ
تجھ پہ صدقے جب تلک دنیا میں زندہ ہم رہیں
بخش دے ہم کو لڑائی میں عطا فرما ثبات

اپنی رحمت ہم پہ نازل کر شہ والا صفات
جب وہ ناحق چیتے سنتے نہیں ہم ان کی بات
چیخ چلا کر انہوں نے ہم سے چاہی ہے نجات
(۴۰)

اسی طرح بعض مواقع پر حضور اکرم ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، میں سے کسی نے کچھ اشعار پڑھے اور حضور ﷺ نے سماعت فرمائے اور کبھی کبھی خود بھی کوئی شعر پڑھ دیا۔ بخاری شریف کی روایت ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ فَاصْلِحِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

انس بن مالکؓ [سے روایت ہے] کہ آنحضرت نے [خندق کھودتے وقت] یہ شعر پڑھا

ہے زندگی تو آخرت کی زندگی جو ہے سدا نیک کر انصار اور پردیسیوں کو اے خدا (۴۱)

ایک اور روایت خندق کھودتے ہوئے شعر پڑھنے کی اس طرح بھی ہے:

”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَتْ الْأَنْصَارُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ تَقُولُ:

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا

عَلَى الْجِهَادِ مَا حِينَا أَبَدًا فَاجَابَهُمْ:

اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ

فَاكْرِمِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

انس ابن مالکؓ [سے روایت ہے کہ] انصار خندق کے دن یہ شعر پڑھتے تھے:

اپنے پیغمبر محمدؐ سے یہ بیعت ہم نے کی

جب تک ہے زندگی لڑتے رہیں گے ہم سدا

آنحضرت ﷺ نے ان کو یوں جواب دیا:

زندگی جو کچھ کہ ہے وہ آخرت کی زندگی

قدر کر انصار اور پردیسیوں کی اے خدا (۴۲)

علاوہ ازیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ مسجد کی تعمیر کے موقع پر

بھی اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، شعر پڑھتے تھے اور حضور اکرم ﷺ ان کے ساتھ شعر پڑھتے

جاتے تھے۔ وہ شعر درج ذیل ہے:

”اللَّهُمَّ إِنَّهُ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرَ الْآخِرَةِ فَاَنْصُرِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ“

فائدہ جو کچھ کہ ہے وہ آخرت کا فائدہ
کر مدد انصار اور پردیسوں کی اے خدا (۴۳)

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے واقعے سے بھی معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے اشعار سماعت فرمائے اور پسندیدگی کے اظہار کے طور پر اپنی چادر عطا فرمائی۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے تفصیلاً ان کے ایمان لانے کا واقعہ لکھتے ہوئے بتایا ہے کہ پہلے پہل وہ اپنے بھائی کے ایمان لانے پر مشغول ہو کر حضور اکرم ﷺ کی شان اقدس میں کچھ جو یہ اشعار کہہ بیٹھے اور جب ان اشعار کی بنیاد پر رسول کریم ﷺ کی طرف سے ان کا خون مباح قرار پایا تو ڈر کے انہوں نے توبہ کا ارادہ کیا اور ایک مدحیہ قصیدہ ”بانت سعاد“ لے کر سرکار رسالت مآب ﷺ کے دربار میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی اجازت سے شعر پڑھنا شروع کیا اور جب درج ذیل شعر پڑھا تو حضور ﷺ نے اپنی چادر شاعر کو عطا فرمادی:

”ان الرسول لنور يستضاء به“ ”رسول اللہ (ﷺ) ایک نور ہیں جن سے اجالا

وصارم من سیوف الہند مسلول“ حاصل کیا جاتا ہے، اور وہ نور ایک مضبوط فولاد

کی بے نیام تلوار کے مانند ہے“ (۴۴)

عبداللہ عباس ندوی نے فوٹو نوٹ میں لکھا ہے:

”دوسری روایت کے مطابق ”وصارم من سیوف اللہ مسلول“ (اللہ کی تلواروں سے

ایک برہنہ تلوار ہے)۔ (۴۵)

لیکن مشہور یہ ہے کہ شاعر نے ”سیوف الہند“ کہا تھا، اور حضور اکرم ﷺ کی اصلاح کے بعد ”سیوف اللہ“ پڑھا تھا۔ اس واقعے کو علامہ اقبال نے مثنوی رموز بیخودی میں نظم کیا ہے:

پیش پیغمبر چو کعب پاک زاد ہدیہ آورد از ”بانت“ سعاد

در شاکش گوہر شب تاب سفت سیف مسلول از ”سیوف الہند“ گف

آں مقامش برتر از چرخ بلند نامش نسبت باقیہ پسند

گفت ”سیف من سیوف اللہ“ گو حق پرستی، جز براہ حق مپو

ایک پاک فطرت حضرت کعبؓ نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں ”بانت سعاد“ کے عنوان سے قصیدہ پیش کیا۔ اس قصیدے میں گویا الفاظ کے موتی رولے تھے۔ ایک جگہ آپ ﷺ کو ہندی تلواروں میں سے

————— اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ —————

برہمہ تلوار کی تشبیہ دی تو آپ ﷺ نے، جن کا رتبہ آسمانوں سے بھی بلند ہے، کسی ملک سے اپنی نسبت کو پسند نہیں فرمایا۔ انہیں اصلاح دیتے ہوئے فرمایا ”سیف من سیوف اللہ“
 کہو۔ تم حق پرست ہو، سوائے حق پر چلنے کے دوسری راہ اختیار مت کرو۔ (۴۶)
 لیکن علامہ اقبال کی بیان کردہ روایت کا ذکر ہمیں ”مدارج النبوت“ مصنفہ علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی، میں بھی نہیں ملا۔ انہوں نے کعب بن زہیر کے شعر کا پہلا مصرع بھی مختلف لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”اس نے کہا ”إِنَّ الرَّسُولَ لَسَيْفٌ يُسْتَصَاءُ بِهِ“ بے شک یہ رسول ایسی شمشیر ہے جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ ”مُهَنَّدٌ مِّنْ سَيُوفِ اللَّهِ مَسْلُوكٌ“۔ اللہ کی تلواروں میں سے تیز دھار والی وہ تلوار کاٹنے والی۔ (۴۷)

فی الحال ہم اس بحث میں نہیں پڑ سکتے کہ کونسی روایت زیادہ صحیح ہے؟ تاہم علامہ اقبال کی بیان کردہ روایت اس لیے مضبوط لگتی ہے کہ ایک ہی مصرع دو طرح سامنے آیا ہے اور یہ ہونہیں سکتا کہ شاعر نے خود ہی دونوں طرح پڑھا ہو۔ ارشاد شا کر اعوان کی کتاب ”عہد رسالت میں نعت“ (مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۹۳ء، ص ۱۵۱) اور ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کے مضمون ”نعت اور نقد نعت“ (نعت رنگ ۱۵ میں صفحہ ۱۸۳) میں حضور ﷺ کی اصلاح کا ذکر ملتا ہے، لیکن حوالہ نہیں ملتا۔ سند کا درجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، یہ روایت ہے بہت مشہور۔ فکری بلندی عطا کرنے کے حوالے سے یہ اصلاح، حضور اکرم ﷺ کے اعلیٰ شعری ذوق اور بے پناہ تنقیدی شعور کی غماز ہے۔ نعتیہ شاعری کی تنقید میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی یہ اصلاح ابد الابد تک نقادوں کی رہنمائی کے لیے منارۂ نور رہے گی۔

اس کے علاوہ حضور اکرم ﷺ نے خود بھی بعض اشعار پڑھے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ:

’أَبَا هُرَيْرَةَ فِي قَصَصِهِ يَذْكُرُ النَّبِيَّ ﷺ
 يَقُولُ: (إِنَّ أَحَالَكُمْ لَا يَقُولُ:
 الرَّفْتُ) يَعْنِي بِذَلِكَ ابْنُ رَوَاحَةَ قَالَ:
 فِينَا رَسُولُ اللَّهِ يَتْلُو كِتَابَهُ
 إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوفٌ مِنَ الْفَجْرِ سَاطِعٌ
 أَرَانَا الْهُدَى بَعْدَ الْعَمَى فَقُلُوْا بِنَا
 بِهِ مُوَقِّنَاتٌ أَنْ مَا قَالَ وَاقِعٌ
 يَبِيتُ يُجَا فِي جَنْبِهِ عَنْ فِرَاشِهِ
 إِذَا اسْتَقَلَّتْ بِالْكَافِرِينَ الْمَضَا
 جِعُ
 (۴۸)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ حالات اور قصے
 بیان کرتے کرتے آنحضرت ﷺ کا ذکر کرنے
 لگے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے، تمہارا بھائی
 (شاعر) جو بیہودہ نہیں بلکہ وہ یوں کہتا
 ہے۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ کو مراد لیا:
 ایک پیغمبر خدا کا پڑھتا ہے اس کی کتاب اور سنا
 ہے ہمیں جب صبح کی پو پھٹتی ہے
 ہم تو اندھے تھے اسی نے راستہ بتلادیا
 بات ہے اس کی یقینی دل میں جا کر کھتی ہے
 رات کو رکھتا ہے پہلو اپنے بستر سے الگ
 کافروں کی خواب گہہ کو نیند بھاری کرتی ہے

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے ہجو کے جواز کے لیے بہت پتے کی بات کی ہے:
 ”ہجو کفار تقابلی سیاست میں ایک ضرورت کے طور پر اپنی اہمیت منوالیتی ہے کیوں کہ مد مقابل کا ہر
 حربہ نام کرنا جنگ میں اپنے دفاع کی خاطر ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی لیے تو آنحضرت ﷺ نے اس
 کی ترغیب دی اور شعر کو بطور دفاع استعمال کرنے پر تحسین فرمائی۔“ (۴۹)

اس سلسلے میں حضرت حسانؓ کے انتخاب اور ان کے اعزاز کے معاملات پر کچھ احادیث درج
 ذیل کی جاتی ہیں:

”عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ قُرَيْظَةَ لِحَسَّانِ ابْنِ ثَابِتٍ
 أَهْجُ الْمُشْرِكِينَ فَإِنَّ جَبْرِيلَ مَعَكَ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ
 لِحَسَّانٍ أَجِبْ عَنِّي أَلَهُمْ أَيْدُهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ“
 ”براءؓ سے روایت ہے کہ قریظہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے حسانؓ بن ثابت سے فرمایا مشرکوں کی ہجو
 کہو، جبریلؑ تمہارے ساتھ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ حسانؓ کے لیے فرمایا کرتے تھے میری طرف سے
 جواب دو۔ اے اللہ، روح القدس کے ساتھ اس کی مدد فرما۔“ (۵۰)

مسجد میں منبر رکھوا کر شاعری سننے کی نظیر بھی خوب ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث ہے:

”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَضَعُ لِحَسَانٍ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ يَقُومُ عَلَيْهِ قَائِمًا يُفَاخِرُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ يُنَافِحُ وَيَقُولُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ اللَّهَ يُؤَيِّدُ حَسَانَ بِرُوحِ الْقُدُسِ مَا نَافَحَ أَوْ فَاخَرَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسانؓ کے لیے مسجد میں منبر رکھواتے تھے وہ اس پر کھڑے ہوتے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے فخر کرتے یا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مدافعت کرتے، رسول اللہ ﷺ فرماتے جب تک حسانؓ میری طرف سے فخر یا مدافعت کرتا ہے اللہ تعالیٰ، جبریلؑ کے ذریعے اس کی مدد کرتا ہے۔“ (۵۱)

شاعری کے اچھے اور برے ہونے کا معیار وہی ہے جو ایمان اور اعمال صالحہ سے مشروط زندگی کے لیے ہے، کہ اس میں ہر وہ کام جو اللہ کی مرضی کے تابع، سنت رسول ﷺ کی پیروی میں اور انسانیت کی فلاح کے لیے ہے، وہ خیر ہے باقی سب شر۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے بڑے بلیغ انداز میں فرمادیا:

”عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ ذُكِرَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الشُّعْرُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هُوَ كَلَامٌ فَحَسَنُهُ حَسَنٌ وَفَيْحُهُ فَيْحٌ..... حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ انبی ﷺ کے سامنے شعر کا تذکرہ ہوا آپ ﷺ نے فرمایا ”شعر کلام ہے، اس کا اچھا، اچھا ہے، اگر کلام برا ہے وہ برا ہے۔ روایت کیا اس کو دارقطنی نے اور شافعی نے عروہ سے مرسل بیان کیا۔ (۵۲)

درج بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ شعر کے مافیہ (Content) سے اس کی اچھائی برائی ظاہر ہوتی ہے، محض اسلوب سے نہیں۔ اسلوب سے تو شعر خوشنما یا بد نما لگ سکتا ہے لیکن مغز تو اس کے معانی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے امراء القیس (جس نے اسلام سے چالیس سال قبل کا زمانہ پایا تھا) کے بارے میں حسب ذیل رائے ظاہر فرمائی:

”أَشْعَرُ الشُّعْرَاءِ وَقَائِدُ هُمُ إِلَى النَّارِ“ ”یعنی وہ شاعروں کا سر تاج تو ہے لیکن جہنم کے مرحلے میں ان سب کا سپر سالار بھی ہے۔“ (۵۳)

حضور اکرم ﷺ کے درج بالا تنقیدی تبصرے کے حوالے سے علامہ اقبال کا تبصرہ پچھلے باب میں پیش کیا جا چکا ہے جس میں انہوں نے لکھا تھا:

”رسول اللہ ﷺ نے اپنی حکیمانہ تنقید میں فنون لطیفہ کے اس اہم اصول کی توضیح فرمائی ہے کہ صنائع و

بدائع کے محاسن اور انسانی زندگی کے محاسن، یہ کچھ ضروری نہیں کہ دونوں ایک ہی ہوں۔ ممکن ہے شاعر بہت اچھا شاعر کہے لیکن وہی شعر پڑھنے والے کو اعلیٰ علیین کی سیر کرانے کی بجائے اسفل السافلین کا تماشا دکھادے“ (۵۴)

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے جو عترہ کا شعر (ولقد ابیت علی الطویٰ و اظللہ ☆ حتیٰ انال بد کریم الماکل - [ترجمہ] میں نے بہت سی راتیں محنت مشقت میں بسر کی ہیں تاکہ میں اکل حلال کے قابل ہو سکوں) سن کر اس سے ملاقات کی خواہش ظاہر فرمائی تھی۔ علامہ اقبال نے لکھا:

”حضور خواجہ دو جہاں (بابی دانت و امی) نے جو اس قدر شعر کی تعریف فرمائی ہے اس سے صنعت کے ایک دوسرے بڑے اصول کی شرح ہوتی ہے کہ صنعت حیاتِ انسانی کے تابع ہے، اس پر فوقیت نہیں رکھتی“۔ (۵۵)

خلاصہ کلام:

قرآن و احادیث کے مطالعے سے جو نتائج اخذ ہوئے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ رب العزت نے جو صلاحیت جس انسان کو بھی دی ہے اس صلاحیت کا استعمال اللہ کی مرضی اور منشاء تخلیق کے مطابق ہو تو جائز ورنہ ناجائز۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات کے ذریعے اچھی اور انسانی فلاح کی باتوں کو پسند فرمایا ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عملاً ایسے نظائر قائم فرمائے ہیں کہ امت کے ہر فرد کے ذہن میں کھرے کھوٹے کا معیار پیوست ہو جائے۔

۳۔ شاعری بھی اللہ کی عطا کردہ صلاحیت کے تحت وجود میں آتی ہے، اس لیے اس کی اچھائی برائی بھی دینی معیارات کے تحت ہی طے کی جاسکتی ہے۔ اسی لیے جناب نبی کریم ﷺ نے اچھی شاعری کو خود دہرایا بھی، اچھی شاعری ساعت بھی فرمائی اور اچھی شاعری پر انعام بھی عطا کیا۔ یہ اعزاز بھی صرف اور صرف شاعر کے حصے میں آیا کہ دینی خدمت کے لیے وقف شاعری کرنے پر اسے (حضرت حسان کو) مسجد نبوی میں منبر پر بیٹھ کر اپنی شاعری پیش کرنے کا موقع دیا گیا۔

۴۔ بری شاعری (بجائز مضمون) کرنے یا اسے پڑھنے کے حوالے سے بھی حضور علیہ السلام نے دو ٹوک رائے دے دی۔ کلام میں مبالغہ کرنے والوں کی ہلاکت کا پیغام بھی حدیث شریف میں دیا گیا ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ بری شاعری کے سلسلے میں ذرا سخت الفاظ میں مذمت بھی ملتی ہے۔ مثلاً

”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ نُسَبِّحُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِالْعُرْجِ إِذْ عَرَضَ شَاعِرٌ يُنْشِدُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خُذُوا الشَّيْطَانَ أَوْ امْسِكُوا الشَّيْطَانَ لَأَنْ يَمْتَلِيءَ جَوْفَ رَجُلٍ فَيَحْخَبَهُ لَمْ مِنْ أَنْ يَمْتَلِيءَ شِعْرًا“.

”ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عرج مقام میں چل رہے تھے ایک شاعر شعر پڑھتا ہوا سامنے آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شیطان کو پکڑو۔ آدمی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے اس سے بہتر ہے کہ وہ اشعار کے ساتھ بھرے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے) (۵۶) اس حدیث کا مطالعہ، امراء القیس کی شاعری پر حضور اکرم ﷺ کے تبصرے کے ساتھ کریں تو بات اور واضح ہو جاتی ہے۔

۵۔ شاعری میں حسن بیان اور ظاہری جمال کو بھی حضور اکرم ﷺ نے سراہا ہے، تبھی تو امراء القیس کو ”اشعر الشعراء“ فرمایا۔

۶۔ اس سے متبادر ہوا کہ شاعری میں جہاں مافیہ نفس مضمون یا Content کی اہمیت ہے وہیں حسن بیان کی بھی اہمیت ہے۔

۷۔ بیان کا زبان کے عام معیارات کے تابع ہونا، بیان کے جمالیاتی تقاضوں کو پورا کرنا اور فن کے مروجہ معیارات کا لحاظ رکھ کر بات کرنا، باعث تحسین ہے۔

۸۔ اچھے شعر کی شرط صرف مافیہ (Content) کا انسانی زندگی کے لیے کارآمد ہونا اور شعر میں سچائی کا پایا جانا ہے۔

۳۔ قرآن و احادیث کی روشنی میں مقام رسالت کی تفہیم:

☆ قرآن کریم میں مقام رسالت مآب ﷺ کا اظہار:

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و شان خوب خوب بیان فرمائی ہے گویا کہ پورا قرآن ہی حضور ﷺ کی شان میں نازل فرما دیا ہے۔ ع ہمہ قرآن در شان محمد ﷺ اس لیے ہم صرف چند آیات نقل کرتے ہیں تاکہ اللہ کے رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمت کا ایک تصور قائم ہو سکے۔ شعراء کو اپنے اشعار میں اور نقادان شعر عقیدت کو اپنے مضامین میں جناب رسالت مآب ﷺ کی عظمتوں کے ذکر میں قرآن کریم کی آیات، ہر صورت ذہن میں رکھنی چاہئیں۔

حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام عالم انسانی کے لیے داعی الی الحق بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل، کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء دنیا میں تشریف لائے تھے لیکن وہ سب اپنی اپنی قوم، اپنے

اپنے علاقے اور اپنے اپنے عہد کے لیے ہی پیغامِ ہدایت لائے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان انبیائے کرام کی شریعتوں میں بعد کے زمانوں میں آنے والے انبیاء نے عصری تقاضوں کے تحت اللہ کے حکم سے تبدیلیوں کا اعلان فرمایا۔ پھر اللہ رب العزت نے ان کی لائی ہوئی شریعت کو دوام بخشنے اور عالم گیر سطح پر ان میں دیئے گئے احکامات کے عملی ہونے کا اعلان بھی فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان نبیوں کی لائی ہوئی شریعت کے آثار کو محفوظ رکھنے کا بھی کوئی اعلان نہیں فرمایا تھا، یہی وجہ ہے کہ آج ان تمام شریعتوں کے بنیادی ماخذ یعنی کتبِ سماوی، نہ تو اپنی اصل زبان میں موجود ہیں نہ ہی اصل حالت پر قائم ہیں۔ ان میں اتنی تبدیلیاں عمل میں لائی گئی ہیں کہ ع پچپانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

شریعتوں کی تبدیلی اور عہد بہ عہد حالات کے تقاضوں کے مطابق احکامات کی تزیل اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی شعور کی پختگی کے لیے کچھ مراحل مقرر فرمادیئے تھے۔ جب تک انسانی عقل و شعور کی بلوغت کے آثار نمودار نہیں ہوئے، دیگر انبیائے کرام مبعوث ہوتے رہے اور وقتی ضرورتوں کے تحت انسانی معاشرے کے لیے ہدایت نامے جاری ہوتے گئے۔ لیکن جب انسانی عقل و شعور پختہ ہو گئے اور انسانی ذہن بالغ ہو گیا، اللہ رب العزت نے اپنا آخری اور غیر متبدل کلام ایک ایسی ہستی کے ذریعے عام فرمادیا جس کا ہر عمل اور ہر قول اللہ کی مرضی کے عین مطابق تھا۔ اللہ تعالیٰ کے برپاکے ہوئے نظام میں نہ تو ایسی شخصیت، اس دنیائے آب و گل میں پہلے مبعوث کی گئی تھی نہ ایسا پیغام بھیجا گیا تھا جس کے دوام اور استمرار کا ذمہ خود اللہ رب العزت نے لیا ہو۔

اس صورت حال کے پیش نظر، قرآن کریم کی بعض آیات جو پیغام کے استمرار اور دوام کے لیے نازل کی گئیں اور جو انسانیت کے لیے اللہ کے پیغام کی تکمیلیت کے اعلان کے طور پر نازل کی گئیں وہ درج کی جاتی ہیں:

۱۔ پیغامِ ربانی کی حفاظت کا اعلان:

”إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝“

”بے شک ہم نے ہی نازل کی ہے یہ کتاب نصیحت اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں“۔ ۱۵:۹ (۵۷)

خالق کائنات نے دنیائے انسانی کے لیے حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے پیغمبروں پر کوئی پیغامِ ہدایت نازل فرمایا، چاہے وہ کتب کی شکل میں ہو یا کسی کچھلی شریعت کے اتباع کے احکامات کی شکل میں، وہ سب وقتی ضرورتوں کے تحت تھے، اس لیے کسی بھی صحیفہ آسمانی میں ایسی کوئی آیت نازل نہیں کی گئی کہ ہم ہی نے یہ پیغام نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ضامن

ہیں۔ یہ اعزاز صرف اور صرف قرآن کریم کے حصے میں آیا ہے۔

۲۔ پیغام ربانی کی تکمیلیت کا اعلان:

پیغامِ ربانی کی تکمیلیت یعنی دین کے مکمل ہونے کا اعلان بھی قرآنِ پاک کی اس آیت سے قبل عالمِ انسانیت کو دیئے جانے والے کسی صحیفے میں نہیں تھا۔

”الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا“

”آج مکمل کر دیا ہے میں نے تمہارے لیے تمہارا دین اور پوری کردی تم پر اپنی نعمت اور پسند کر لیا

ہے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین“ (۵:۳) (۵۸)

اس آیت کی تفسیر کا مختصر ترین پیرایہ مفتی احمد یار خان نعیمی نے اختیار کیا ہے چناں چہ ہم وہی

یہاں نقل کرتے ہیں:

”یعنی عقائد کا بیان، احکام کی آیات کا نزول، اجتہاد کے قوانین آج سب مکمل ہو چکے، اس کے بعد

حکم کی آیت کوئی نہ آئے گی اور تمہارا دین منسوخ بھی نہ ہوگا..... اس آیت سے چند مسئلے معلوم

ہوئے: ایک یہ کہ صرف اسلام خدا کو پیارا ہے یعنی دین محمدی، باقی سب دین مردود۔ دوسرے یہ کہ

اس آیت کے نزول کے بعد قیامت تک اسلام کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا۔ تیسرے یہ کہ اصول

دین میں زیادتی کمی نہیں ہو سکتی۔ اجتہادی فرعی مسئلے ہمیشہ نکلتے رہیں گے اس لیے دینکم فرمایا مذہبکم

نہ فرمایا۔ چوتھے یہ کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا۔ کیوں کہ دین کامل ہو چکا۔ سورج نکل

آنے پر چراغ کی ضرورت نہیں۔“ (۵۹)

دین کی تکمیل کا اعلان کرنے والی اس آیتِ قرآنی کے نزول پر یہودیوں کی یہ گواہی بھی

صفحاتِ تاریخ پر ثبت ہے:

”ایک مرتبہ چند علمائے یہود، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

عرض کیا کہ تمہارے قرآن میں ایک ایسی آیت ہے جو اگر یہود پر نازل ہوتی تو وہ اس کے نزول پر

ایک جشنِ عید مناتے۔ فاروقِ اعظمؓ نے سوال کیا، وہ کنسی آیت ہے۔ انہوں نے یہی آیت

۔۔ اليوم اكملت لكم دينكم ، پڑھ دی۔ (۶۰)

یہودی علماء کی یہ گواہی بھی اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ یہ یا اس سے ملتی جلتی کوئی

آیت، قرآن کریم سے قبل، کسی نبی یا رسول کے صحیفے میں نازل نہیں کی گئی تھی۔

اسلام کی طرف دعوت دینے والے رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت کا دائرہ پوری انسانیت کو محیط ہے:

اللہ تعالیٰ نے جہاں دین اسلام کے زمانی استمرار Perpetuity کی بات کی ہے وہیں نبی آخر الزماں کے دائرہ نبوت کو تمام عالم انسانی تک پھیلا دینے کا واضح اعلان بھی فرما دیا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۝

(اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر) [۳۴:۲۸] (۶۱)

دین اسلام چوں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے محمد مصطفیٰ ﷺ تک ایک ہی پیغام کے طور پر دنیا میں نشر ہوا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ابہام سے پاک، واضح اور محکم آیات میں اسلام کے ایمانیاتی نظام میں اس بات کو داخل فرما دیا کہ جو کچھ صاحب قرآن کریم جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر نازل کیا گیا ہے مسلمانوں کو اس پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ سے قبل دنیا میں بھیجے جانے والے انبیاء اور ان کے لائے ہوئے پیغام کو سچا جاننا اور ایمانیاتی سطح پر قبول کرنا ہے۔ بعد کے کسی زمانے میں کوئی اس قسم کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا، مردود اور کافر ٹھہرے گا۔ کیوں کہ تکمیل دین متین کے بعد نہ تو کسی نئے پیغام کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی پیغامبر کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ

”اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو نازل کیا گیا تم پر اور اس پر جو نازل کیا گیا تم سے پہلے“ [۲:۴۰] (۶۲)

نظام رسالت کی تکمیل کا اعلان ایک اور آیت مبارکہ میں بھی فرما دیا گیا:

وَلَكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

(بلکہ وہ [محمد ﷺ] اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں) [۳۳:۴۰] (۶۳)

اس حقیقت کو احمد ندیم قاسمی نے بڑے حسین انداز میں شعری قالب میں ڈھالا ہے:

تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا، ہزاروں کا سہی

اب جو تا حشر کا فردا ہے وہ تنہا تیرا

نظام رسالت کی تکمیلیت کا تاج جس ہستی کے فرق مبارک پر رکھا گیا اس ہستی کو اللہ رب

العزت نے تمام جہانوں کی رحمت کے لقب سے ملقب فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝

(اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو، مگر سراسر پا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لیے) [۲۱:۱۰۷] (۶۴)

درج بالا آیات قرآنی میں حضور رسالت مآب ﷺ کی بعثت کے دوام اور آپ کے لائے

ہوئے پیغام کی لوح جہاں پر ہیبت کی اظہار کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی ذات کے سارے جہانوں کے

لیے رحمت بنا کر بھیجے جانے کا اعلان تھا۔ ایک ایسی ہستی جس کو اتنے اعزازات حاصل تھے، یہ کیسے ممکن تھا کہ رہتی دنیا تک کے لیے اس کے قول و فعل و تقریر (آپ ﷺ) کے سامنے کوئی عمل کیا گیا اور آپ نے اس عمل کی نہ تو تحسین فرمائی اور نہ ہی مذمت، چنانچہ آپ کا سکوت ہی اس عمل کے جائز ہونے کا باعث بن گیا) کو مثالی نمونہ عمل قرار نہ دیا جاتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا:

”لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

”یقیناً ہے تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ“ ۳۳:۲۱ (۶۵)

حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کو نمونہ عمل بنا کر اس لیے دنیا کے سامنے پیش فرمایا گیا کہ آپ ﷺ اور صرف آپ کا قول و فعل اور تقریر ہی دین اسلام ہے باقی سب کفر۔ یہی وجہ ہے کہ دو ٹوک الفاظ میں فرمادیا گیا کہ اللہ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہے:

”إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۖ

”بلاشبہ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے“ ۱۹:۳ (۶۶)

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اب قیامت تک دین اللہ کے علاوہ کوئی دین قابل قبول نہیں ہوگا اور دین اللہ کی عملی شکل بھی وہی قبول ہوگی جو اللہ کے حبیب جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے پیش فرمائی، جس عمل کی تحسین فرمائی، ترغیب دی یا جس عمل کو کسی صحابی نے آپ ﷺ کے سامنے کیا اور آپ نے منع نہیں فرمایا یعنی سکوت اختیار فرمایا۔

قرآن کریم کی ان چند آیات کے معنوی سلسلے کو مربوط کر کے مطالعہ کیا جائے تو ہر زاویے سے جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی ہی دین اسلام کی مرکزی شخصیت بن کر ابھرتی ہے۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے اعلان فرمادیا:

”وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ۖ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ

(اور جو کچھ دے تمہیں رسول سوا سے لے لو اور جس سے روک دے تم کو رسول، پس رک

جاؤ [اس سے])“ ۵۹:۷ (۶۷)

اس طرح دین اسلام میں، احکامات الہیہ کی بجا آوری کے سلسلے میں ہدایت دینے کا مکمل ”اختیار“ صرف اور صرف نبی علیہ السلام کی ذات والا صفات کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے نبی مکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے کارِ رسالت کو انجام دینے کے لیے، چار نکاتی ہدف مقرر فرماتے ہوئے ہدایت پانے والوں کو اپنے اس احسان سے آگاہ فرمایا:

”لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝“
 ”درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے، اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالاں کہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔“ ۱۶۴:۳ (۶۸)

یعنی اللہ کا نبی ایمان والوں کو ہدایت کی شاہراہ پر لانے کے لیے، چار کام انجام دیتا ہے:
 ۱۔ آیات ربانی پڑھ کر سنانا..... ۲۔ تزکیہ کرنا..... ۳۔ کتاب کی تعلیم دینا..... اور ۴۔ حکمت کا درس دینا۔
 ان تمام موضوعات پر کتب نہ صرف موجود ہیں بلکہ قیامت تک لکھی جاتی رہیں گی۔ ہمارے لیے یہاں اتنا لکھ دینا ہی کافی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت تمام انسانوں کی رہبری کے لیے ہوئی ہے، اسی لیے آپ ﷺ کو انسانوں کے سامنے قرآن پاک کی تلاوت کرنے، امتیوں کی روحانی جلا کرنے کی غرض سے ان کا تزکیہ کرنے، انہیں کتاب کی تعلیم دینے اور کتاب میں پوشیدہ حکمتوں سے آگاہ کرنے کے لیے خصوصی طور پر ایک معلم کے فرائض سونپے گئے۔ اس تمام تعلیماتی نظام کو جاری رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب جناب نبی کریم ﷺ سے فرمادیا:
 ”قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي“
 ”تم فرماؤ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب سے وحی ہوتی ہے۔“ ۲۰۳:۷ (۶۹)

یہ گویا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اللہ کریم جب بنی نوع انسان سے خطاب فرماتے ہیں تو وہ خطاب بزبان نبی کریم محمد مصطفیٰ ﷺ ہوتا ہے۔ اس لیے وحی ربانی کی پیروی کا ذکر بار بار کیا گیا۔ دوسرے مقام پر فرمایا جاتا ہے:

”إِن أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ“

(میں کوئی کام نہیں کرتا مگر جو بھی کرتا ہوں وہ اس وحی سے کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے) ۱۵:۱۰ (۷۰)

سورہ نجم میں اللہ رب العزت نے خود اعلان فرمایا:

”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝“

‘وہ (نبی) کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ ان کا ہر ارشاد نری وحی ہے جو ان پر

بھیجی جاتی ہے (۵۳:۴، ۷۱)

ان وضاحتوں کے بعد یہ بات بالکل صاف ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکامات بھی نازل کیے جاتے تھے وہ اپنی اصلی صورت میں عالم انسانی کو پہنچانا ہی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذمے تھا۔ احکامات الہیہ پہنچانے کے معاملے میں خالق اور مخلوق کے درمیان حضور اکرم ﷺ ہی کی ذات تھی۔ احکامات ربانی کی تعمیل بھی پہلے خود حضور اکرم نے کر کے دکھائی یا تعمیل کرنے کا طریقہ تعلیم فرمایا۔ اس ضمن میں بھی آپ کی طرف سے قرآن کریم کی زبان میں اعلان کروایا گیا:

”أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ O“ (میں ہوں سب سے پہلے فرماں بردار ہوں) ۱۶۳:۶ (۷۲)

علامہ شبیر احمد عثمانی نے تفسیری حاشیے میں لکھا ہے:

”عموماً مفسرین ”أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ“ کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس امت محمدیہ کے اعتبار سے آپ اول المسلمین ہیں۔ لیکن جب جامع ترمذی کی حدیث کُنْتُ نَبِيًّا وَاحِدًا مِمَّنْ رُوحُ وَالْجَسَدُ كَے موافق آپ اول الانبیاء ہیں تو اول المسلمین ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ممکن ہے کہ یہاں اولیت زمانی مراد نہ ہو بلکہ تقدیم رتبی مراد ہو۔ یعنی سارے جہان کے فرمانبرداروں کی صف میں نمبر اول اور سب سے آگے ہوں۔ شاید مترجم [محمود الحسن] محقق قدس سرہ نے ترجمہ میں ”سب سے پہلا فرمانبردار ہوں“ کی جگہ ”سب سے پہلے فرمانبردار ہوں“ کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہو۔“ (۷۳)

حضور اکرم ﷺ سے پہلا فرمانبردار ہونے کا اعلان اس لیے کروایا گیا کہ آپ ﷺ کے کمالات لا انتہا دیکھ کر بنی نوع انسان آپ ﷺ کو بھی غیر مسلموں کی طرح کا اوتار مان کر آپ ﷺ کو پوجنے نہ لگ جائیں۔ ثانیاً آپ کے اس اعلان سے یہ بھی باور کرانا مقصود تھا کہ عالم انسانیت کی سرشت میں یہ بات شامل ہے کہ جب تک کوئی کسی حکم پر خود عمل کر کے نہ دکھائے، دوسرے لوگ اس حکم کی بجا آوری میں سست پڑ جاتے ہیں، لہذا ایسے تمام احکامات پر حضور اکرم ﷺ نے عمل کر کے دکھایا جن پر عملی مظاہرہ کرنا ممکن تھا۔ مثلاً آپ ﷺ نے نظام صلوٰۃ قائم فرمایا اور نماز کی امامت خود فرمائی۔ روزے بھی رکھے۔ جہاد بھی فرمایا۔ توحید خالص کا اعلان بھی فرمایا۔ زکوٰۃ اس لیے ادا نہیں کی کہ آپ ﷺ نے صاحب نصاب ہونا پسند ہی نہیں فرمایا۔ ہاں زکوٰۃ کا نصاب تعلیم فرمادیا۔ عائلی معاملات میں بھی آپ ﷺ نے عملی مثال، عالم انسانی کے سامنے پیش فرمادی۔ حکمرانی کے طریق بھی سکھائے اور فقر کی زندگی بسر کرنے کا درس بھی عملی

صورت میں دیا۔ اور یہ سب کچھ کرتے ہوئے تاکیداً اعلان کروایا گیا:

”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُؤْتِي الْحَيَاةَ“

(کہہ دیجیے میں بھی آدمی ہوں جیسے تم (ہاں) مجھ پر وحی آتی ہے) (۴۳:۶)

اس آیت مبارکہ کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے نعیم مراد آبادی نے لکھا:

”سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بلحاظ ظاہر انبیا بشرِ مملوک، فرمانا حکمت ہدایت و ارشاد کے لیے بطریق تواضع ہے اور جو کلمات تواضع کے لیے کہے جائیں وہ تواضع کرنے والے کے علو منصب کی دلیل ہوتے ہیں۔ چھوٹوں کا ان کلمات کو اس کی شان میں کہنا یا اس سے برابری ڈھونڈھنا، ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے، تو کسی امتی کو روانہ نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مماثل ہونے کا دعویٰ کرے۔ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ آپ کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے ہماری بشریت کو اس سے کچھ نسبت نہیں ہے۔“ (۷۵)

حضور اکرم ﷺ سے قرآن کریم کی زبان میں بشریت کا اعلان کروانا اس لیے ناگزیر ٹھہرا کہ انسانوں کو پیروی کے لیے انسانی زندگی کا نمونہ ہی فراہم کرنا تھا۔ کسی فرشتے یا جن کی پیروی انسانوں کے لیے نمونہ عمل نہیں ٹھہر سکتی تھی۔

اب ذرا غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے بیشتر مقامات پر ایمان اور اعمالِ صالحہ کی زندگی بسر کرنے والوں کی تحسین فرمائی ہے اور ان سے اس دنیا میں اور آخرت میں اچھے ”اجز“ کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ ایمان اور اعمالِ صالحہ کا نمونہ صرف نبی اکرم ﷺ کی ذات والا صفات کے معمولاتِ حیات سے اخذ کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ والی زندگی بسر کرنے والے بھی اگر یہ دعویٰ کریں کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دعویٰ اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوتا جب تک ان کا ہر عمل اللہ کے حبیب جناب رسول کریم ﷺ کے عمل سے مشابہ نہ ہو جائے۔ ہاں اگر ان کا دعویٰ اس کسوٹی پر کسنے سے سچا ثابت ہو جاتا ہو، تو پھر واضح اعلان کیا ہے کہ خود ”اللہ تعالیٰ“ ان انسانوں سے محبت کرنے لگے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ“

(”اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ، اللہ تمہیں

دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا) (۳:۳۱)

اس آیت مبارکہ سے متبادر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے محبت کے لیے ایک ہی معیار

مقرر فرمایا ہے اور وہ ہے ”اتباع نبوی ﷺ“۔ یہی نہیں بلکہ ایمان اور اعمالِ صالحہ (یعنی اعمالِ نبوی ﷺ کی مشابہت) والی زندگی گزارنے والے ہر شخص کو یہ پیغام بھی دے دیا کہ:

”إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ اللَّهُ ذُرِّيَّةً وَهَّابَةً“ (یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور کیے انہوں نے نیک کام عنقریب پیدا کر دے گا ان کے لیے رحمن [دلوں میں] محبت) ۱۹:۹۶ (۷۷)

اس ارشادِ ربانی سے معلوم ہوا کہ اتباعِ نبوی کے نتیجے میں یہی نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اجرِ عظیم سے نوازتا ہے بلکہ دنیا میں بھی ایسے لوگوں کو مقبول و محبوب بنا دیتا ہے جو اللہ کے محبوب ﷺ کی کامل اتباع کا ثبوت ”ایمان اور اعمالِ صالحہ“ کے ذریعے فراہم کرتے رہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اولیائے امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی محبت جو امت کے دلوں میں پیوست ہے، اس کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ کی اداؤں کو اپنانے والے لوگوں کی محبت عامۃ المسلمین کے دلوں میں ڈال کر اعلانِ قرآنی کو ”حقیقتِ مشہود“ بنا دیا ہے۔ اس ایک آیت اور اس کے ”مشہود“ مظاہر کو دیکھ کر ہی اندزہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیبِ جنابِ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے کتنی محبت ہے!

اپنے رسول ﷺ سے جو اللہ تعالیٰ کو محبت ہے اس کا مظاہرہ قرآنِ کریم کی آیات سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں ہم صرف ایک آیت ہی یہاں پیش کر دیں تو بات مبرہن ہو جائے گی:

”لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ“

(قسم ہے تمہاری جان کی [اے نبی] بے شک وہ اس وقت اپنی مستی میں اندھے ہو رہے تھے) ۱۵:۷۲ (۷۸)

نعیم مراد آبادی نے کنز الایمان کے حاشیے میں لکھا ہے:

”اور مخلوقِ الٰہی میں سے کوئی جان بارگاہِ الٰہی میں آپ کی جان پاک کی طرح عزت و حرمت نہیں رکھتی اور اللہ تعالیٰ نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر کے سوا کسی کی عمر و حیات کی قسم نہیں فرمائی یہ مرتبہ صرف حضور ہی کا ہے۔“ (۷۹)

اب ہم کچھ آیاتِ قرآنی درج کرتے ہیں جن سے اللہ کے پیارے رسول جنابِ محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقامِ عظمت کا اظہار ہوتا ہے:

اَمَّا الرَّسُولُ فَمَا نَزَّلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ (ایمان لایا یہ رسول [کریم] اس [کتاب] پر جو اتاری گئی اس

کی طرف اس کے رب کی طرف سے) (۲۸۵:۲۰۸۰)

لِحُكْمٍ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۖ (تاکہ فیصلہ کریں آپ، لوگوں میں اس کے مطابق جو دکھایا آپ کو اللہ تعالیٰ نے) (۱۶۴:۳۱۰۸۱)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ (اے لوگو! تحقیق آگیا ہے تمہارے پاس رسول، حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے) (۱۴۰:۴۱۲۲)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا (اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی ہوئی دلیل آگئی) (یعنی نبی کریم) اور ہم نے تمہارے طرف روشن نور نازل کیا) (۱۴۲:۴۸۳)

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ (بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور [محمد مصطفیٰ ﷺ] تشریف لائے اور روشن کتاب) (۱۵:۵۸۴)

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ... (ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو) (۱۷:۸۵)

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو، مگر سراسر اپارحمت بنا کر سارے جہانوں کے لیے) (۲۱:۱۰۷۸۶)

لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ (تاکہ ہو جائے رسول [کریم] گواہ) (۲۲:۷۸۸۷۸)
النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ (نبی [کریم] مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں) (۶:۳۳۸۸)

وَمُبَشِّرًا ۖ بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۖ (عیسیٰ نے کہا: اور [میں] مژدہ دینے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا میرے بعد اس کا نام [نامی] احمد ہوگا) (۶:۶۱۸۹)

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ وَرَحِيمٌ (اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک ایسے رسول تشریف لائے جن کو تمہارا تکلیف میں پڑنا سخت ناگوار ہے، وہ تمہاری بھلائی بہت زیادہ چاہنے والے ہیں، وہ مسلمانوں پر تو نہایت شفیق [اور] مہربان ہیں) (۹:۱۲۸۹۰)

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ..... (جان عالم [محمد، اللہ کے رسول ہیں) (۲۹:۲۸۹۱)

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ..... (اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی) (۳۳:۳۹۲۲)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ط (نہ کسی مؤمن مرد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ کسی مؤمن عورت کو کہ جب فیصلہ فرما دے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی معاملے کا تو پھر انہیں کوئی اختیار ہو اپنے اس معاملے میں) ۳۶:۳۳ (۹۳)

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا (اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا) ۳۶:۳۳ (۹۴)

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ (یہ وہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے (۱۵۷:۷۵) (۹۵)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا (اے نبی) [مکرم] ہم نے بھیجا ہے آپ کو [سب سچائیوں کا] گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا) ۴۵:۳۳ (۹۶)

وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُبِينًا (اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا) ۴۶:۳۳ (۹۷)

إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (آپ تو) [کجروی کے انجام بد سے] ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے آپ ہادی ہیں) ۴:۱۳ (۹۸)

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر) ۲۸:۳۴ (۹۹)

وَلَكِنَّ رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں) ۴۰:۳۳ (۱۰۰)

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں) ۴:۶۸ (۱۰۱)

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (اور ہم نے بلند کر دیا ہے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو) ۴:۹۴ (۱۰۲)

إِنَّا غَطَيْنَاكَ الْكُوفَرُ (بے شک ہم نے آپ کو) [جو کچھ عطا کیا] بے حد بے حساب عطا کیا) [۱۰۸:۱] (۱۰۳)

”عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا“ (عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود میں اٹھائے گا) ۷۹:۷۹ (۱۰۴)

درج بالا آیات کے علاوہ بھی بہت سی قرآنی آیات، اللہ کے نبی، خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عظمت کی گواہی دے رہی ہیں۔ سب سے اہم وہ آیت ہے جس سے نعتیہ شاعری کا جواز پیدا ہوا۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

”إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا“

(بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر، اے لوگو جو ایمان لائے ہو درود بھیجو ان پر اور خوب سلام بھیجا کرو) ۵۶:۳۳ (۱۰۵)

شیر احمد عثمانی، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”صلوة النبی“ کا مطلب ہے ”نبی کی ثناء و تعظیم، رحمت و عطوفت کے ساتھ“..... اللہ بھی نبی کریم صلعم پر صلوة بھیجتا ہے یعنی رحمت و شفقت کے ساتھ آپ کی ثناء اور اعزاز و اکرام کرتا ہے۔ اور فرشتے بھی بھیجتے ہیں، مگر ہر ایک کی صلوة اور رحمت و تکریم اپنی شان و مرتبہ کے موافق ہوگی۔ آگے مومنین کو حکم ہے کہ تم بھی صلوة و رحمت بھیجو۔ اس کی حیثیت ان دونوں سے علیحدہ ہونی چاہیے“ (۱۰۶)

درج بالا قرآنی حکم میں ”حضور اکرم ﷺ“ کی ثناء کا حکم داخل ہے اس لیے مدح آقا ﷺ کا جواز آپ ﷺ کے امتوں کو ابھارتا ہے کہ آپ ﷺ کی شان میں قصیدہ خوانی کریں۔ سورہ فتح میں حضور اکرم کی تعظیم کا تاکید حکم آیا ہے:

”وَتُعْزِّرُوهُ وَتُقَوِّدُوهُ“ (اور تعظیم و توقیر کرو رسول کی) ۴۸:۹ (۱۰۷)

”مقام رسول ﷺ کے مصنف نے شیخ احمد صاوی مالکی کے حاشیہ جلالین سے جو اقتباس دیا ہے وہ درج بالا آیت کریمہ کا مفہوم ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے:

”اس آیت تعزیر و توقیر سے ثابت ہوا کہ جو صرف تعظیم خدا کرے یا صرف تعظیم رسول کرے وہ مومن نہیں، بلکہ مومن وہ ہے جو تعظیم خدا و تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کرے، لیکن ہر ایک کی تعظیم اس کی شان کے مطابق ہوگی۔ پس اللہ تعالیٰ کی تعظیم، رب کو صفاتِ حوادث سے منزہ بنانا اور وصف کمالات سے موصوف ماننا ہے اور تعظیم رسول یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھنا کہ حضور، اللہ کے سچے رسول ہیں۔ تمام مخلوق کے لیے خوشخبری دینے والے اور ڈر سنانے والے ہیں علاوہ ازیں حضور کے عالی مرتبہ اوصاف اور پسندیدہ خصلتوں کا معتقد ہو“۔ (۱۰۸)

دراصل قرآن کریم کی ہر آیت کسی نہ کسی زاویے سے حضور اکرم ﷺ ہی کے ذکر سے مملو

نظر آتی ہے۔ مثلاً

☆ قرآن کریم کی آیات سے آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل بھی مبرہن ہیں۔

☆ مختلف کتب سماویہ اور صحفِ آسمانی سے آپ ﷺ کی آمد کی پیش گوئیاں بھی قرآن کریم میں نقل کی گئی

ہیں۔

☆ تذکرہ ہائے انبیاء علیہم السلام میں نبی کریم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی آمد کا حوالہ یا آپ ﷺ کی آمد کے لیے دعا کے الفاظ قرآن کریم کی زینت بنے ہیں۔

☆ کہیں اللہ رب العزت نے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین حضور اکرم ﷺ کو صادق جانتے

ہیں۔

☆ کہیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی فضیلت اور خاتمیت کا بیان ہے۔

☆ کسی جگہ نبی کریم ﷺ کے اخلاق کریمانہ و اوصاف حمیدہ کا تذکرہ ہے۔

☆ کہیں رسول اللہ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے اقارب کا مکلف بشرع ہونا مرقوم ہے۔

☆ کہیں کہیں آپ ﷺ کے زلات اور ان کے حوالے سے نازل ہونے والی وحی ربانی کے الفاظ قرآن

کریم کا حصہ بنے ہیں۔

☆ کہیں آپ ﷺ کے اصحاب کرام کا تذکرہ ہے اور ان کے فضائل بیان ہو رہے ہیں۔

☆ کہیں آپ کی طرف سے پیش کردہ دین اسلام کی گفتگو ہے۔

☆ کہیں آپ ﷺ کی ازواج سے مخاطب ہے اور ان کی فضیلت کا اظہار ہے۔

☆ کہیں آپ ﷺ کے معجزات کا بالخصوص شق القمر اور معراج کا ذکر ہے۔

☆ کہیں آپ ﷺ کے غزوات کا ذکر ہے۔

☆ کہیں آپ ﷺ کی زبانی اللہ تعالیٰ اپنا تعارف کروا رہا ہے۔

☆ کہیں جمیع انسانیت کو پیغام دیا جا رہا ہے کہ محمد ﷺ تمام عوالم کے لیے رحمت ہیں اور یہ کہ یہ ہر مانے، ہر

مقام اور ہر خطے کے رہنے والے انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

☆ اسی لیے تمام عالم انسانی کو پیغام دیا گیا ہے کہ اب عملی زندگی کا نمونہ وہی اللہ کے ہاں قبول کیا جائے گا

جو رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی یعنی اسوۂ مبارکہ سے ملتا ہوا ہوگا!

☆ کہیں حضور اکرم ﷺ کے مخاطب کا ادب سکھایا جا رہا ہے..... تو

☆ کہیں آپ ﷺ کی اتباع پر زور دیا جا رہا ہے اور واضح الفاظ میں اعلان کیا جا رہا ہے کہ ”من یطع

الرسول فقد اطاع اللہ“، اس رسول [ﷺ] کی جواطاعت کرے اسی نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری

کی (۴:۸۰)۔

ان تمام موضوعات پر قرآن کریم کی آیات کا احاطہ کرنے کی تو یہاں گنجائش نہیں ہے۔ اس

لیے یہاں ہم صرف چند عنوانات کے تحت قرآنی آیات کے حوالے پیش کر دیتے ہیں۔ بعد ازاں کچھ اور آیات مع ترجمہ نقل کر دی جائیں گی۔

☆ قرآن کریم میں سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کا جمالی جائزہ:

۱۔ آپ ﷺ کی نبوت عامہ کے دلائل پر مبنی آیات:

البقرہ ۱۱۹ اور ۱۵۱ النساء ۷۹ الاعراف ۱۵۸ الرعد ۳۰
ابراہیم ۴ النحل ۴۳، ۴۴، ۶۴ بنی اسرائیل ۱۰۵ تا ۱۰۹ الانبیاء ۱۰۷ الفرقان ۵۶،
الاحزاب ۴۵ تا ۴۷ سبا ۲۸ فاطر ۲ الفتح ۸ تا ۱۰ المزمل ۱۵

۲۔ نبی ﷺ کی بابت سابقہ کتب سماویہ میں پیشگوئیاں:

البقرہ ۸۹، ۱۲۲ تا ۱۲۶ الانعام ۲۰ الاعراف ۱۵۷ ہود ۱۷ الرعد ۴۳
المؤمنون ۶۹ طہ ۱۳۳ الفتح ۲۹ الصف ۶

☆ اہل کتاب و مشرکین کا آپ ﷺ کو صادق جاننا:

البقرہ ۴۲، ۷۵، ۸۹، ۱۰۹، ۱۲۲، ۱۲۶ آل عمران ۸۶، ۹۹ الانعام ۱۱۴
الرعد ۳۶، ۵۷ القصص ۵۲، ۵۷ نبی ﷺ کی
الحجر ۸۸

فضیلت و خاتمیت:

آل عمران ۸۱، ۱۱۰ النساء ۱۱۳ بنی اسرائیل ۷۹ الفرقان ۱، ۵۶
الاحزاب ۴۰، ۴۶، ۵۶ النجم ۱۸ تا ۱۸ الفتح ۱۸
الم نشرح ۱ تا ۳ الکوثر ۳ تا ۳

رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے دلائل:

آل عمران ۱۳، ۶۱ النساء ۱۶۳، ۱۶۶ الانعام ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۰۵، ۱۰۷ الاعراف ۱۸۲
یونس ۱۶ یوسف ۱۰۹ تا ۱۱۱ الرعد ۴۳ النحل ۱۰۳ المؤمنون ۶۸
القصص ۴۴ تا ۴۶ سبا ۴۶ تا ۴۷ ص ۶۷ تا ۷۰ حم السجدہ ۲۳
الزخرف ۴۵ الفتح ۲۷ تا ۲۹ الطور ۲۹ تا ۳۲

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اقارب کا مکلف بشرع ہونا:

البقرہ ۱۴۵ النساء ۸۴ المائدہ ۶۷ الانعام ۱۴، ۱۵ الاعراف ۲۰۵ التوبہ ۱۱۳

درج بالا تمام آیات میں حضور رسالت مآب ﷺ کا ذکر خیر بڑا واضح ہے۔ ان آیات کے علاوہ بھی بہت سی آیات قرآنی میں حضور اکرم کا ذکر بالواسطہ آیا ہے مثلاً

الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ ط وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ

لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ ۱۴۶

جن کو ہم نے دی کتاب اس کو وہ ہیں پہچانتے..... جس طرح بیٹوں کو اپنے ہیں (بخوبی) جانتے ہیں انہیں میں سے (مگر) ایسے بھی کچھ افراد (ہاں)..... دیدہ و دانستہ کر لیتے ہیں جو حق کو نہاں (۱۱۲)

مقام رسالت کے ادراک کے لیے قرآن کریم کا بالاستیعاب مطالعہ ضروری ہے۔ شاعر اور نقاد دونوں کا فرض ہے کہ نعت کہنے اور نعت کی تفہیم کے عمل سے گزرنے کے لیے قرآنی تلمیحات بہت حزم و احتیاط سے استعمال کریں انہیں سمجھ کر تنقیدی کسوٹی پر پرکھیں۔ اب ہم چند ایسی آیات نقل کرتے ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ کو ”ارسلنک“، ”انک“، ”کذا لک“، ”ریکم“ یا ”قل“ کے الفاظ سے مخاطب کیا گیا ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ۝

”دین حق دے کر یقیناً تم بھی ہو بھیجے گئے..... مژدہ دینے اور (کافر) کو ڈرانے کے لیے..... اہل دوزخ کی نہ تم سے پوچھ گچھ ہوگی (ولے) (البقرہ، آیت ۱۱۹) (ایضاً)

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ذَوَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ ط وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ط وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝

(اے مرے بندے) جو پہنچے تجھ کو کوئی فائدہ..... (یہ سمجھ) اللہ کی جانب سے ہے وہ (بر ملا)..... اور اگر نقصان پہنچے (تو سمجھنا چاہیے)..... تجھ کو یہ نقصان پہنچایا ہے تیرے نفس نے (۱۱۳) ط

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۚ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا ط ہم نے بھیجا تم کو لوگوں کے لیے پیغامبر..... (صرف اک) حق کی شہادت کافی ہے (اس بات پر)..... جس نے مانا (صدق دل سے واقعی) حکم رسول..... اس نے (گویا اپنے) خالق کی اطاعت کی قبول..... ہو جو روگرداں کوئی (تو تم نہ ہونا سراگراں)..... تم نہیں بھیجے گئے ان کے بنا کر پاسباں (۱۱۴)

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنَاكَ فِيْ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا اُمَمٌ لِّتَسْلُوْا عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ
وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ط قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ
۵۳۰ (الرعد)

ایک امت میں تمہیں بھیجا ہے ہم نے (اے نبی)..... ان سے پہلے امتیں گزری ہیں (بیشک) اور
بھی..... تاجوت پر وحی آئے وہ سادو تم نہیں..... اور وہ رحمن سے ہوتے ہیں منکر (مفت میں)..... ان سے
کہہ دو صرف اک اللہ ہی رب ہے مرا..... بندگی (جائز) کسی کی بھی نہیں اس کے سوا..... ہے بھروسہ اس پہ
، میں اس کی طرف مائل ہوا (ایضاً) (۱۱۵)

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ط اِنْ يَّشَاۤءِ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاۤءِ يُعَذِّبْكُمْ ط وَمَا اَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ
وَكِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل)

رب تمہارا تم کو ہے اچھی طرح پہچانتا..... وہ اگر چاہے تو کر دے رحم تم پر (برملا)..... اور اگر چاہے
عذاب (سخت) دے وہ کر دگا..... اور نہیں بھیجنا کر تم کو ان کا ذمہ دار (۱۱۶)

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ط وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيْرًا ۝
ہم نے حق کے ساتھ ہے قرآن کو نازل کیا..... اور وہ بچائی ہی کے ساتھ ہے نازل ہوا..... ہم نے بھیجا ہے
تمہیں مژدہ سنانے کے لیے..... اور (عذاب حق سے) لوگوں کو ڈرانے کے لیے (۱۱۷)

اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَنَذِيْرًا ط وَاِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝
وہیٰں برحق دے کے بھیجا ہے (تمہیں تبلیغ کو)..... مژدہ (رحمت) سنانے، ڈرسانے (قہر کا)..... اور نہیں
امت کوئی ایسی کہ جس میں (برملا)..... ڈرسانے والے، بھیجے ہوں نہ ہم نے انبیاء (۱۱۸)

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَا اَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ط اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ط
(اے نبی) اس پر بھی گرم نہ پھیر لیں یہ (خویش ہیں)..... تو بنا کر پاسباں ان کا تمہیں بھیجا نہیں..... ہے
تمہارے ذمے پہنچانا فقط احکام کا (۱۱۹)

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا.....
منتظر حکم خدا کے صبر سے بیٹھے رہو..... تم ہماری نظموں میں ہو (اور نگرانی میں ہو) (۵۲:۴۸) (۱۲۰)

اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝
ہم ہی کافی ہیں (نبٹنے کو) تمہاری سمت سے..... ٹھٹھ کرنے والے کے (اور ہنسنے والوں کے)
لیے (۱۵:۹۵) (۱۲۱)

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۚ

کہدو وہ مانیں خدا کا حکم اور حکمِ نبی (۳:۳۲) (۱۲۲)

وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۚ

(ڈرتے کیوں ہو) تم کو لوگوں سے بچالے گا خدا (۵:۶۷) (۱۲۳)

ان آیات قرآنی میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو براہِ راست مخاطب کر کے یا تو صبر آزما مرحلوں پر تسلی دی ہے، یا آپ ﷺ کو یقین دلایا ہے کہ لوگوں سے اللہ خود نمٹ لے گا اور وہ اپنے نبی ﷺ کی لوگوں سے حفاظت بھی فرمائے گا۔ آپ ﷺ کو یہ بھی بتا دیا کہ آپ ﷺ کی ذمہ داری صرف وحی الہیہ کو اللہ کے بندوں تک پہنچانے کی ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ بنی نوع انسان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی ترغیب بھی اللہ نے اپنے نبی علیہ السلام کے ذریعے دی ان سے ہی کہلوایا کہ اللہ اور رسول کا حکم مانیں۔ بلکہ یہ تک فرما دیا کہ اگر انسان اپنے اوپر ظلم کر بیٹھیں تو نبی ﷺ کے پاس آئیں خود بھی توبہ کریں اور اگر نبی ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت چاہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے گا۔ بات نبی ﷺ کی حیات دنیوی کی ہے لیکن آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد آپ ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر بھی اس آیت کے حوالے سے مغفرت طلب کی جاسکتی ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ

الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝ (۴:۶۴)

ظلم جن لوگوں نے خود ڈھابا تھا اپنے نفس پر..... وہ تمہارے روبرو اس وقت آ جاتے اگر..... اور پھر اللہ سے (اپنے) وہ ہوتے عذر خواہ..... بخشواتے پھر رسول (اللہ) بھی ان کے گناہ..... پاتے وہ

آمر زگار و مہرباں ذاتِ الہ (۱۲۴)

ان آیات کے علاوہ نبی علیہ السلام کی عبدیت کو بھی ظاہر کرنے کے لیے آیات نازل فرمائی گئی ہیں اور خود نبی ﷺ کی زبان سے کہلوایا گیا ہے کہ نہ تو میرے پاس خزانے ہیں، نہ میں ذاتی علم غیب رکھتا ہوں اور نہ ہی میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو اللہ کے حکم کی پیروی کرنے والا ہوں:

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي

مَلَكٌ إِنِّي أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ (۶:۵۰)

ان سے کہہ دو، تم سے میں یہ تو نہیں کہتا کہ (ہاں)..... میں خزانے میرے پاس اللہ کے، ہوں غیب داں..... میں فرشتہ بھی نہیں کہتا ہوں اپنے کو (کبھی)..... جو خدا کا حکم ہو کرتا ہوں اس کی پیروی (۱۲۵)

پھر یہ بھی بتا دیا کہ اللہ کے رسول غیب کی خبریں پہنچانے میں نحل سے کام نہیں لیتے:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَئِينَ ۝

غیب کی باتوں پہ نحل اس کو نہیں ہے (زمہار) (۸۱:۲۳) (۱۲۶)

یہ بھی ہوا کہ نبی ﷺ کی شدتِ احساس کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو غم نہ کرنے کی تلقین فرمائی:

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتٌ ۖ

ان کے افسوس اور غم میں تم نہ دید واپنی جاں (۳۵:۸) (۱۲۷)

اور ایسا بھی ہوا کہ بعض معاملات پر اللہ تعالیٰ نے مشفقانہ انداز میں ٹوکا بھی۔ ایسی چند آیات کے نمبر شمار ”آپ ﷺ کے زَلَّات اور فرمانِ الہی“ کے زیرِ عنوان اوپر لکھ دیئے گئے ہیں۔

درج بالا چند آیات قرآنی سے مقامِ رسالت مآب ﷺ کی تفہیم میں سہولت ہو جاتی ہے۔ نعت گو شاعر اور نعتیہ ادب کے نقاد کو حضور اکرم ﷺ کے رفیع الشان مقام کا ادراک حاصل کرنے کے لیے قرآن کریم کی آیات میں غور و فکر کرتے رہنا چاہیے، تاکہ شاعر کوئی بات آپ ﷺ کے مرتبے اور مقام سے فروتر یا برتر نہ کہے اور نقاد اس کی تفہیم میں کوئی غلطی نہ کرے۔ کیوں کہ نقاد کے لیے، کلام کی تحسین اور تجزیہ کرتے ہوئے ان نکات کا خیال رکھنا لازمی ہے۔

تنقیدِ نعت میں یہ مرحلہ بھی آتا ہے کہ علمائے کرام کے فکری اختلافات کے باعث کسی کا شعر ایک طبقے کے لیے قابلِ مذمت ہوتا ہے تو دوسرے طبقے کے لیے وجہِ افتخار! چنانچہ نقاد کو درمیانی راہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اسے اپنی رائے دینے کا حق ہے لیکن کسی کے خلاف فتویٰ دینے کا حق قطعاً نہیں ہے۔ صریح گمراہی کی نشاندہی البتہ اسے کر دینی چاہیے۔

☆ احادیث کی روشنی میں مقامِ رسالت کی تفہیم:

حضور رسالت مآب ﷺ کے مقامِ رسالت کی تفہیم کے لیے ذخیرہ احادیث میں سب سے اہم حدیث آپ ﷺ کی اس عظمت کے حوالے سے ملتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان کروایا جاتا ہے کہ ”حضور اکرم ﷺ ہی وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں“۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، اپنی معروف تصنیف ”الخصائص الکبریٰ“ جلد اول میں، حاکم، بیہقی اور طبرانی رحمہم اللہ کے حوالے سے وہ حدیث نقل فرماتے ہیں جس کے راوی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”آدم علیہ السلام سے جب خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے التجا کی: اے رب! بہ حق محمد ﷺ مجھے بخش دے!..... اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: تم نے محمد ﷺ کو کس طرح جانا؟ عرض کیا: جب تو نے میرے پتلے کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور جانِ آفرینی کی، میں نے سراٹھایا تو دیکھا کہ عرشِ اعلیٰ کے ستونوں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ تو میں نے جان لیا کہ جس ذاتِ اقدس کا نام نامی تیرے اسمِ گرامی کے ساتھ مکتوب ہے یقیناً وہ تیری بارگاہ میں دیگر ساری مخلوق سے اعلیٰ و محترم ہوگا۔ ربِ عظیم نے فرمایا: اے آدم! تم نے ٹھیک سمجھا۔ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں نہ تم کو پیدا کرتا نہ کائنات کو۔ حدیثِ قدسی ہے ”لَوْلَا كَلِمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكُ“۔ اس حدیثِ قدسی کے یہی معنی ہیں یعنی یہ تمام کائنات اور عالمِ اجساد، صدقہ ہے وجودِ باجود جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ کا“ (۱۲۸)

درج بالا حدیثِ قدسی کے الفاظ پر اہل فن نے کلام کیا ہے لیکن مفہوم صحیح بتایا ہے۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی سوال کے جواب میں اصل حدیث کے الفاظ اس طرح نقل فرمائے ہیں:

”خَلَقْتُ الْخَلْقَ لَا عَرَفَهُمْ كَرَامَتِكَ وَ مَنْزِلَتِكَ عِنْدِي وَلَوْلَا كَلِمَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا“
”یعنی اللہ عزوجل اپنے محبوب اکرم ﷺ سے فرماتا ہے کہ میں نے تمام مخلوق اس لیے بنائی کہ تمہاری عزت اور تمہارا مرتبہ جو میری بارگاہ میں ہے ان پر ظاہر کروں۔ اگر تم نہ ہوتے تو میں دنیا نہ بناتا“ (۱۲۹)
علامہ کوکب نورانی نے اپنی کتاب ’نعت اور آدابِ نعت‘ میں تفسیر عزیزی (فتح العزیز) کے حوالے سے حدیثِ قدسی کے الفاظ یوں لکھے ہیں:

”لَوْلَا كَلِمَا أَظْهَرْتَ الرَّبُّ بُوْبِيَّةً“ یعنی آپ کی خاطر ربوبیت ظاہر ہوئی۔ (۱۳۰)
حضور اکرم ﷺ کی یکتائی کا اظہار خود حضور اکرم ﷺ کے الفاظ میں اس طرح بھی احادیث میں مروی ہے:

”ایکم مثلی؟“ (کون ہے تم میں سے میری طرح) ”لست مثلكم“ (میں تمہاری طرح، تم جیسا نہیں ہوں) (۱۳۱)

ڈاکٹر طاہر القادری نے بھی اپنی کتاب ”میلاد النبی ﷺ“ میں ’حقیقتِ محمدیہ کے ضمن میں کچھ احادیثِ نقل کی ہیں۔ مثلاً

”جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو وجود دینے اور اس کے رزق کو مقرر کرنے کا ارادہ فرمایا تو انوار

صمدیت سے بارگاہِ خداوندی میں حقیقت محمدی ﷺ کو ظاہر کیا پھر اللہ تعالیٰ نے حقیقت محمدی ﷺ سے عالمِ پست و بالا کو اپنے حکم کے مطابق جیسا کہ اس کے علم اور ارادہٴ قدیم میں طے ہو چکا تھا پیدا کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آپ کی نبوت کا علم عطا کیا اور آپ ﷺ کی رسالت کی بشارت دی۔ اس وقت کہ جب آدم علیہ السلام روح و جسم کے درمیان تھے۔ پھر آپ ﷺ سے ارواح کے چشمے جاری ہوئے پھر آپ ﷺ کی حقیقت نے عالمِ بالا کی مخلوق (ملائکہ) میں اعلیٰ درجے کا ظہور فرمایا آپ ﷺ فیضِ رسانی کمالات کے اعتبار سے کل انبیاء اور مقررین بارگاہِ الہی کے لیے شیریں چشمہ تھے۔ آپ ﷺ اپنی پیدائش کے لحاظ سے تمام اجناس کی جنسِ عالی ہیں (جو ہر ہونے کے اعتبار سے اصل کائنات ہیں، اس سے اوپر اور کوئی چیز نہیں ساری کائنات اس کے نیچے ہے) اور جمع موجودات اور انسانوں کے لیے بڑے باپ (اصل کائنات) ہیں اس لیے کہ جمع کائنات اور جمع انسان آپ ﷺ کے نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔ (۱۳۲)

حقیقت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ضمن میں امام نبہانی، شیخ الاکبر ابن عربی سے استشہاد

کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”حضور نبی اکرم ﷺ کی روح اور آپ ﷺ کی حقیقت جملہ حقائق کی اصل ہے۔ آپ ﷺ کی روح کے اعتبار سے آدم علیہ السلام کے بھی باپ ہیں اور جسم کے لحاظ سے آدم علیہ السلام آپ ﷺ کے باپ ہیں۔ آپ ﷺ باطن کے اعتبار سے سب سے پہلے نبی ہیں اور ظاہر کے لحاظ سے سب سے آخری، آپ ﷺ جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کے سلطانِ اعظم ہیں اور وہ آپ ﷺ کی ماتحتی میں گویا نائب ہیں جو اپنی امتوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ اگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اپنے دورِ تبلیغ میں آپ ﷺ کو ظاہری لحاظ سے پاتے تو امت و وسط کے زمرے میں شامل ہوتے۔“ (۱۳۳)

حضور ﷺ کے نور کی تخلیق، تخلیقِ اول تھی، اس ضمن میں حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ معروف

ہے۔ امام نبہانی نے جواہر البحار میں لکھا ہے:

”حدیثِ جابرؓ ہے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور نبی اکرم ﷺ کی روح منور کو پیدا فرمایا پھر عرش و کرسی اور لوح اور عالمِ پست و بالا (وغیرہ تمام اشیاء کو اس روح مقدس سے پیدا فرمایا) اور حدیثِ پاک میں ان اشیاء کی تخلیق کی ایسی واضح ترتیب بیان کر دی گئی ہے کہ اس میں کوئی اشکال نہیں رہا کہ تمام اشیاء حضور نبی اکرم ﷺ کی فرع ہیں اور آپ ﷺ ان کی اصل ہے۔“ (۱۳۴)

حضور اکرم ﷺ کا خاتم النبیین ہونا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَاجْمَلَهُ، إِلَّا مَوْضِعَ لَبَنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطْلُقُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ وَيَقُولُونَ: هَلَّا وَضَعْتُ هَذِهِ اللَّبَنَةُ؟ قَالَ: فَإِنَّا اللَّبَنَةُ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ“

”میری اور اگلے پیغمبروں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک گھر بنایا، اس کو خوب آراستہ و پیراستہ کیا مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی، لوگ اس گھر میں پھرتے ہیں تعجب کرتے ہیں (ایسا آراستہ گھر) یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی، فرمایا: تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔“ (۱۳۵)

حضور اکرم ﷺ کی ذات، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہ و رحمت:

انما ان رحمة مهداة

(میں رحمت ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بطور تحفہ عطا فرمائی ہے) (۱۳۶)

پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

ارسلت الى الخلق كافة ”میں ساری مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔“ (۱۳۷)

جامع ترمذی میں ایک طویل حدیث ہے، جس میں بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تذکرہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر کر کے ان کے درجات پر تعجب کا اظہار فرما رہے تھے کہ آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا:

”(رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کی باتیں اور تمہارا تعجب کرنا سن لیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے دوست ہیں اور وہ اسی طرح ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے چنے ہوئے ہیں اور وہ بھی اسی طرح ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور اس کے کلمہ کن سے پیدا ہوئے ہیں، یہ بھی اسی طرح ہیں۔ آدم علیہ السلام کو اللہ نے اختیار کیا ہے وہ بھی اسی طرح ہیں۔ جان لو کہ میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں اور یہ میں فخریہ نہیں کہہ رہا۔ میں ہی حمد کے جھنڈے کو قیامت کے دن اٹھاؤں گا۔ یہ بھی فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا، میں ہی سب سے پہلے جنت کی زنجی کھٹکھٹاؤں گا اور اللہ تعالیٰ میرے لیے اسے کھولیں گے۔ پھر میں اس میں مؤمن فقراء کیساتھ داخل ہوں گا۔ یہ بھی میں بطور فخر نہیں کہہ رہا اور میں گزشتہ اور آنے والے تمام لوگوں میں سب سے بہتر ہوں۔ یہ بھی میں بطور فخر نہیں کہہ رہا (بلکہ بتانے کے لیے کہہ رہا ہوں) یہ حدیث غریب ہے۔ (۱۳۸)

نُبُوتِ کب عطا کی گئی:

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِيَّ وَجَبَتْ لَكَ
النُّبُوَّةُ قَالَ وَادَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ“.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدم علیہ
السلام کی روح اور جسم تیار ہو رہا تھا۔ (۱۳۹)

شفاعت:

بخاری شریف، باب تفسیر میں حدیث نمبر ۱۸۲۰، شفاعت کے سلسلے میں بڑی طویل حدیث آئی ہے۔ جس
کا لب لباب یہ ہے کہ قیامت کے دن کی سختی سے گھبرا کر لوگ، سفارش کے لیے کسی کو تلاش کرتے ہوئے
پہلے آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ فرمائیں گے ”اذھبوا الیٰ غیری“ [تم کسی اور کے پاس
جاؤ]۔ نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھی یہی
جواب ملے گا۔ اخیر میں سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشورے سے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس
جائیں گے۔ حضور اکرم نے فرمایا کہ لوگوں کی پریشانی دیکھ کر اور ان کی فریادیں سن کر کہ ”ہماری سفارش
کیجیے“ میں سجدے میں جا کر دعا کروں گا:

”فَأَنْطَلِقُ فَأَتِي تَحْتَ الْعَرْشِ فَأَقْعُ سَاجِدًا لِلرَّبِّ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَيَّ مِنْ
مَحَامِدِهِ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَمْ يَفْتَحْهُ عَلَيَّ أَحَدٌ قَبْلِي، ثُمَّ يُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ ارْزُقْ
رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَهُ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَقُولُ: أُمِّتِي يَا رَبِّ أُمِّتِي يَا رَبِّ،
فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ ادْخُلْ مِنْ أُمَّتِكَ لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْبَابِ إِلَّا يَمْنِي مِنْ أَبْوَابِ
الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الْأَبْوَابِ“.....

”میں یہ سنتے ہی (میدانِ حشر سے) چلوں گا اور عرش کے تلے پہنچ کر اپنے پروردگار کے سامنے
سجدے میں گر پڑوں گا۔ پروردگار اپنی تعریف اور خوبی کی وہ وہ باتیں میرے دل میں ڈال دے
گا (میری زبان سے نکلوائے گا) جو کسی کو نہیں بتلائیں۔ پھر ارشاد ہوگا محمد! (ﷺ) سر اٹھا، مانگ جو
مانگتا ہے۔ وہ ملے گا جس کی سفارش کرے گا ہم سنیں گے۔ میں سر اٹھا کر عرض کروں گا، پروردگار
میری امت پر رحم فرما، پروردگار میری امت پر رحم فرما، ارشاد ہوگا: اپنی امت میں سے ان (ستر ہزار
آدمیوں) کو جن کا حساب و کتاب نہیں ہوگا، بہشت کے داہنے دروازے سے بہشت میں لے جا

اور یہ لوگ باقی دروازوں سے بھی اور لوگوں کی طرح جاسکتے ہیں۔“ (۱۴۰)

مولانا وجیہ الدین احمد خان نے اپنی کتاب ”مسکب ارباب حق“ میں درج بالا حدیث کا حوالہ دے کر قرآن کریم کی اس آیت سے بھی استشہاد کیا ہے:

”وَكَسُوفٌ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝“

”اور عنقریب (وہ کچھ) عطا کرے گا تمہیں، تمہارا رب کہ خوش ہو جاؤ گے تم!“ (۱۴۱) ۹۳:۵

اس سے ظاہر ہوا کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو راضی کرنے کا مرحلہ آپ ﷺ کی امت کی شفاعت کے موقع پر آئے گا۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دیگر انبیاء پر فضیلت:

اس ذیل میں بھی بہت ساری احادیث ہیں۔ ہم یہاں چند ایک احادیث نقل کرتے ہیں:

”أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ“

”قیامت کے دن سب نبیوں سے بڑھ کر میرے تابعدار ہوں گے۔“

”فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتِّ أُعْطِيتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ“.....

”چھ باتوں کی مجھ کو دوسرے انبیاء پر فضیلت حاصل ہے۔ میں جوامع الکلم دیا گیا ہوں۔ رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔ غنائم میرے لیے حلال کر دی گئی ہیں۔ زمین میرے لیے مسجد اور پاکیزہ بنادی گئی ہے۔ میں سب لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میرے ساتھ انبیاء ختم کیے گئے ہیں۔“ (۱۴۳)

”إِنَّ اللَّهَ بَعَثَنِي لِمَمِّمِ الْكَرَمِ وَالْخَلْقِ وَكَمَالِ مَحَاسِنِ الْأَفْعَالِ“.

”مجھ کو مکرم اخلاق اور محاسن افعال تمام کرنے کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔“ (۱۴۴)

”أَنَا قَائِدُ الْمُؤَسِّلِينَ وَلَا فَخْرَ“.

”میں انبیاء و مرسلین کا قائد ہوں اور یہ بات فخر سے نہیں کہہ رہا۔“ (۱۴۵)

درج بالا چند احادیث میں مدح مصطفیٰ ﷺ کرنے والوں اور مدح سرکار ﷺ کی جانچ پڑتال

کرنے والے نقادوں کے لیے رہنمائی کا بڑا لوازمہ موجود ہے۔

اس موقع پر یہ لکھ دینا بھی ضروری ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات کی تفہیم قرآن کریم کی آیات

اور احادیث کی روشنی میں ہونے کے باوجود اسلامی دنیا میں دو طرح کے رجحانات ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

۱۔ ایک طبقے کا Perception یا ادراک خالص شریعت کے ظاہر الفاظ پر مبنی ہوتا ہے۔ جبکہ

۲۔ دوسرے طبقے کا فہم و ادراک نبوت کی کہنہ اور اصلیت جاننے کے سلسلے میں ایک خاص تجسس اور لفظوں کی روح تک رسائی کی کوشش کے نتیجے میں ظہور میں آتا ہے۔

اس طرح پہلا طبقہ، اپنی نعتیہ تخلیقات میں صرف الفاظ کے ظاہری معانی پر زور دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ جبکہ دوسرے طبقے کے لوگ اپنے باطنی احوال پر مبنی شخصی تجربات کی روشنی میں محدث سرکارِ دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اساس قائم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اپنی آسانی کے لیے ان دونوں طبقوں کو ہم: (الف) شریعتی، اور (ب) طریقتی، کا نام دے سکتے ہیں۔ یعنی الفاظ کے ظاہری معانی پر زور دینے والوں کو ”شریعتی“ اور الفاظ کے باطنی معانی کا کھوج لگانے کی کوشش کرنے والوں کو ”طریقتی“ انداز فکر کا مدعی قرار دیا جاسکتا ہے۔

مقام رسالت کی تفہیم کے یہ دونوں انداز ”نعتیہ شاعری“ میں واضح نقوش قائم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس لیے نقاد کی یہ اہم ذمہ داری ہے کہ وہ ہر دو طبقوں کے نکتہ نظر کو جان کر صرف ایسی باتوں سے گریز کا مشورہ دے جو صریحاً شریعت مطہرہ سے متصادم ہوں۔ ایسی باتوں کو قطعی زیر بحث نہ لائے جن میں علماء و صوفیائے کرام کے درمیان تاویلات اور تفہیمات کا علاحدہ نظام موجود ہے اور جس کی قبولیت اور عدم قبولیت کے سلسلے میں اب تک کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا ہے۔ ایسی باتوں میں الجھنے کے نتیجے میں نور و بشر، حاضر و ناظر، علم غیب، اختیار نبوت، شفاعت کی حدود اور دیگر بحثیں چھڑ سکتی ہیں۔ اس لیے نقاد کو ان مباحث کے خارزار میں الجھنے سے گریز کرنا چاہیے۔

باب دوم:

مآخذ و منابع:

- ۱۔ القرآن: ۵۶: ۵۱ (آیت ۵۶: سورۃ الذاریات ۵۱)
- ۲۔ تفسیر مظہری۔ جلد گیارہ۔ ص ۷۱۔ ۳۔ ایضاً ص ۷۲
- ۳۔ تفہیم القرآن، جلد پنجم: ص ۱۵۶
- ۴۔ القرآن: ۲: ۶۷
- ۵۔ الف۔ القرآن: ۱۸: ۲۹
- ۶۔ القرآن: ۶: ۶۷
- ۷۔ ایضاً: ۳: ۱۰۳
- ۸۔ ضیاء القرآن، جلد پنجم: ص ۶۵۴
- ۹۔ القرآن: ۲۲: ۲۷
- ۱۰۔ تفسیر ابن عباس: ص ۳۷۶
- ۱۱۔ تفہیم القرآن: جلد سوم: ص ۵۴۹
- ۱۲۔ القرآن: ۶۹: ۳۶
- ۱۳۔ اسرار التنزیل: جلد ۷، ص ۳۴
- ۱۴۔ القرآن: ۴: ۱۰۴
- ۱۵۔ تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۱۰۱
- ۱۶۔ القرآن: ۲: ۱۵
- ۱۷۔ شرح کلیات غالب (فارسی) ص ۹۳
- ۱۸۔ القرآن: ۲۲: ۲۷

- ۱۹۔ ضیاء القرآن، جلد چہارم، ص ۵۷۸ ۲۰۔ القرآن: ۵۶: ۳۳ ۲۱۔ ایضاً: ۴۳: ۳۳
- ۲۲۔ تفسیر ابن عباسؓ، ص ۴۲۳ ۲۳۔ تفسیر ابن عباس [مترجم] جلد دوم، ص ۲۹۰ ۲۴۔ ضیاء القرآن، جلد چہارم، ص ۸۹
- ۲۵۔ القرآن: ۴: ۹۴ ۲۶۔ تفسیر ابن عباس [مترجم] جلد دوم، ص ۸۵ ۲۷۔ القرآن: ۴۰: ۳۳
- ۲۸۔ القرآن: ۱۰: ۳۴ ۲۹۔ ضیاء القرآن، ج چہارم، ص ۱۱۴ ۳۰۔ القرآن: ۴: ۶۷
- ۳۱۔ تفسیر مظہری: جلد ششم، ص ۳۸۵ ۳۲۔ مشکوٰۃ شریف: جلد دوم، ص ۴۱۲ تا ۴۱۴ ۳۳۔ القرآن: ۲: ۲۶۹
- ۳۴۔ برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری، ص ۲۲۰ ۳۵۔ بلوغ الارب، جلد چہارم، ص ۵۲
- ۳۶۔ صحیح بخاری [کتاب الادب]، جلد سوم، ص ۲۸۶ ۳۷۔ بلوغ الارب، جلد ۶، ص ۳۸۶ مشکوٰۃ
- شریف: جلد دوم، ص ۴۱۲ ۳۹۔ بلوغ الارب، جلد ۶، ص ۴۰ ۴۰۔ صحیح بخاری: ج ۳، ص ۲۸۶
- ۴۱۔ ایضاً [کتاب المناقب]، جلد دوم، ص ۴۸۰ ۴۲۔ ایضاً ص ۴۸۱ ۴۳۔ ایضاً ص ۵۴۵ ۴۴۔ عربی میں نعتیہ کلام، ص ۵۹
- ۴۵۔ ایضاً ص ۵۹ ۴۶۔ اسرار و رموز، [فارسی اردو ترجمہ]، ص ۱۸۱ ۴۷۔ مدارج النبوت: ج دوم، ص ۳۶۲
- ۴۸۔ صحیح بخاری، جلد سوم، ص ۴۸۸ ۴۹۔ برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری، ص ۲۲۴
- ۵۰۔ مشکوٰۃ شریف: جلد دوم، ص ۴۱۳ ۵۱۔ ایضاً جلد دوم، ص ۴۱۶ ۵۲۔ ایضاً جلد دوم، ص ۴۱۶
- ۵۳۔ سلسلہ درسیات اقبال: سوم، ص ۱۶/۱۲ ۵۴۔ ایضاً ص ۱۶۵/۱۳ ۵۵۔ ایضاً ص ۱۶۶/۱۴
- ۵۶۔ مشکوٰۃ شریف: جلد دوم، ص ۴۱۶ ۵۷۔ القرآن: ۱۵: ۹ ۵۸۔ ایضاً: ۵۳: ۵۹ نور الاحرفان، ص ۱۷۰
- ۶۰۔ معارف القرآن: جلد ۳، ص ۳۳ ۶۱۔ القرآن: ۲۸: ۳۴ ۶۲۔ ایضاً: ۴: ۶۳ ۶۳۔ ایضاً: ۴۰: ۳۳
- ۶۴۔ ایضاً: ۱۰: ۲۱ ۶۵۔ ایضاً: ۲۱: ۳۳ ۶۶۔ ایضاً: ۱۹: ۳ ۶۷۔ ایضاً: ۷: ۵۹
- ۶۸۔ ایضاً: ۱۶: ۳ ۶۹۔ ایضاً: ۲۰: ۷ ۷۰۔ ایضاً: ۱۵: ۱۰ ۷۱۔ ایضاً آیات ۴: ۳، سورۃ ۵۳
- ۷۲۔ القرآن: ۱۶: ۳ ۷۳۔ تفسیر عثمانی ص ۲۰۰ ۷۴۔ القرآن: ۶: ۴۱ ۷۵۔ حاشیہ کنز الایمان، ص ۲۹۰
- ۷۶۔ القرآن: ۳۱: ۳ ۷۷۔ ایضاً: ۱۹: ۹ ۷۸۔ ایضاً: ۷: ۱۵ ۷۹۔ حاشیہ کنز الایمان، ص ۳۸۴
- ۸۰۔ القرآن: ۲: ۲۸۵ ۸۱۔ ایضاً: ۱۶: ۳ ۸۲۔ ایضاً: ۷: ۱۰ ۸۳۔ ایضاً: ۴: ۱۷
- ۸۴۔ ایضاً: ۱۵: ۵ ۸۵۔ ایضاً: ۱۷: ۱ ۸۶۔ ایضاً: ۱۰: ۲۱ ۸۷۔ ایضاً: ۲۲: ۷
- ۸۸۔ ایضاً: ۶: ۳۳ ۸۹۔ ایضاً: ۶: ۶۱ ۹۰۔ ایضاً: ۱۲۸: ۱۹۱ ۹۱۔ ایضاً: ۲۹: ۴۸
- ۹۲۔ ایضاً: ۳۳: ۳۹ ۹۳۔ ایضاً: ۳۳: ۳۳ ۹۴۔ ایضاً: ۳۳: ۳۳ ۹۵۔ ایضاً: ۱۵: ۱۷
- ۹۶۔ ایضاً: ۴: ۳۳ ۹۷۔ ایضاً: ۳۳: ۳۳ ۹۸۔ ایضاً: ۹۹: ۱۳ ۹۹۔ ایضاً: ۲۸: ۳۴
- ۱۰۰۔ ایضاً: ۴: ۳۳ ۱۰۱۔ ایضاً: ۲۸: ۳ ۱۰۲۔ ایضاً: ۴: ۹۴ ۱۰۳۔ ایضاً: ۱۰: ۸
- ۱۰۴۔ ایضاً: ۷: ۱۷ ۱۰۵۔ ایضاً: ۵۶: ۳۳ ۱۰۶۔ تفسیر عثمانی ص ۵۶ ۱۰۷۔ القرآن: ۹: ۴۸
- ۱۰۸۔ مقام رسول ﷺ: ص ۵۰ ۱۰۹۔ القرآن: ۸۰: ۴ ۱۱۰۔ تفسیر احسن البیان، مولانا صفی الرحمن مبارک پوری، ریاض، ص ۳۸-۳۵
- ۱۱۱۔ ☆ کچھ ترمیمات کی گئی ہیں۔ مثلاً اہل بیت، شق القمر، بنات النبی ﷺ، کا اضافہ کیا گیا ہے۔
- ۱۱۲۔ القرآن: ۲: ۱۴۶ (وہی منظوم، سیما کبر آبادی) ۱۱۳۔ القرآن: ۲: ۱۱۹ ۱۱۴۔ القرآن: ۹: ۸۰، ایضاً

- ۱۱۵۔ القرآن ۳۰:۱۳، ایضاً ۱۱۶۔ القرآن ۵۴:۱۷، ایضاً ۱۱۷۔ القرآن ۱۰۵:۱۷، ایضاً ۱۱۸۔ القرآن ۲۴:۳۵، ایضاً ۱۱۹۔ القرآن ۴۸:۴۲، ایضاً ۱۲۰۔ القرآن ۵۲:۴۸، ایضاً ۱۲۱۔ القرآن ۹۵:۱۵، ایضاً ۱۲۲۔ القرآن ۳۳:۳۳، ایضاً ۱۲۳۔ القرآن ۵:۶۷، ایضاً ۱۲۴۔ القرآن ۴:۶۴، ایضاً ۱۲۵۔ القرآن ۶:۵۰، ایضاً ۱۲۶۔ القرآن ۸۱:۴۴، ایضاً ۱۲۷۔ القرآن ۸:۳۵، ایضاً ۱۲۸۔ الخصائص الکبریٰ، فی مجرات خیر الوری: جلد اول، ص ۵۱ ۱۲۹۔ نعت رنگ ۱۸، ص ۵۷ ۱۳۰۔ نعت اور ادب نعت (مہر میرا کیڈی [انٹرنیشنل])، دسمبر ۲۰۰۴ء، ص ۳۰ ۱۳۱۔ ایضاً ص ۶۳ ۱۳۲۔ میلا مصطفیٰ ﷺ، ص ۵۰ ۱۳۳۔ ایضاً ص ۵۸ ۱۳۴۔ ایضاً ص ۱۸۲ ۱۳۵۔ صحیح بخاری، باب خاتم النبیین ﷺ، جلد دوم: حدیث ۴۴، ص ۲۸۳ ۱۳۶۔ ضیاء القرآن: ج ۱، ص ۱۹۲ ۱۳۷۔ مقام رسول ﷺ، ص ۳۷۹ ۱۳۸۔ جامع ترمذی: جلد دوم: ص ۶۷۸ ۱۳۹۔ ایضاً ص ۶۷۵ ۱۴۰۔ صحیح بخاری: ج ۲، ص ۹۰۹ ۱۴۱۔ مسلک ارباب حق: ص ۲۱۶ ۱۴۲۔ مشکوٰۃ شریف: ج ۳، ص ۱۱۵ ۱۴۳۔ ایضاً ص ۱۱۷ ۱۴۴۔ ایضاً ص ۱۴۲ ۱۴۵۔ ایضاً ص ۱۲۱

☆☆☆

باب سوم:

نعتیہ شاعری میں فارسی اور اردو شعراء کے تنقیدی شعور کا انعکاس

۱۔ نعتیہ موضوع کی نزاکت کا شعری اظہار:

مدح سرکارِ دو عالم ﷺ کا موضوع بڑا نازک اور حساس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر شعراء نے یا تو براہِ راست موضوع کی نزاکت کی طرف اپنے اشعار میں اشارے کیے ہیں یا پھر اس موضوع کا حق ادا کرنے سے اپنی معذوری کا اظہار کیا ہے۔ موضوع کی نزاکت کے احساس ہی نے بیشتر شعراء سے ایسے اشعار کہلوائے ہیں جن سے عجزِ بیاں مترشح ہے۔ بیان کے عجز اور اظہار کی دشواریوں سے مملو اشعار کے نمونے پیش کرنے سے قبل صرف چند اشعار موضوع کی نزاکت کے حوالے سے درج ذیل کیے جاتے ہیں:

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحر است
آہستہ کہ رہِ بر دمِ تیغ است قدم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعتِ شہِ کونین و مدح کے و جم ر (۱)

عرفی شیرازی

دعویٰ کن نعت لائق تو
رسوائے جہان آفرینش
دارد بہ عنایت تو عرفی
حرفے ز، زبان آفرینش (۲)

عرفی شیرازی

ادب گاہِ پست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفسِ گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا (۳)

عزت بخاری

جب بھی اس نورِ مجسم کا سراپا لکھنا
کوئی بھی رخ ہو اسے جلوہ یکتا لکھنا
اس کی تشبیہ کی جرات ہے خلافِ آداب
چاند کو چاند ستارے کو ستارا لکھنا
اس کی تمثیل کا ہر وہم و گماں بے ادبی
ہے کہاں ارض و سما میں کوئی اس سا لکھنا (۴)

سعید وارثی

کہاں سے لاؤں زبان و قلم کے پیانے
ہے بیکراں تری عظمت، مری نظر محدود (۵)

احسان دانش

سرکاری توصیف رقم کرنے سے پہلے
رکھتا ہے قلم حرفِ مناجات پہ سر بھی (۶)

بدر ساگر

حریف نعت پیسیر نہیں سخن حالی
کہاں سے لائیے اعجاز اس بیاں کے لیے (۷)

الطاف حسین حالی

شرط لازم ہے جو اوصاف نبی کی خاطر
وہ جزالت نہ فصاحت نہ بلاغت اپنی
ہاتھ آیا کوئی پیرایہ اظہار کہاں
ہو سکی قید نہ الفاظ میں چاہت اپنی (۸)

سید انور ظہوری

نعت اس کی کہاں، کہاں یہ زباں
ہاں نکلتی ہے صرف دل کی بھڑاس (۹)

صبا اکبر آبادی

ذکر پاک ان کا اور توفضلی

بے ادب سیکھ عشق کے آداب (۱۰)

فضل احمد کریم فضلی

اردو میں نعتیہ شاعری کی نزاکتوں کا احوال براہ راست بھی رقم ہوا ہے۔ بہت سے شعراء نے ”نعت کیا ہے؟“ کے زیر عنوان اپنے خیالات نظم کیے ہیں جن سے ان کے اس احساس کی عکس گری ہوتی ہے جو میر نے اپنے اس شعر میں سمودیا ہے۔

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام

آفاق کی اس کارگرہ شیشہ گری کا (۱۱)

میر تقی میر کے اس شعر کا اطلاق اگر کسی صنفِ سخن پر ہو سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف نعتیہ شاعری ہے کیونکہ اس کا مافیہ (content) اور اسلوب (style) معنیاتی اور بیانیہ خوبیوں کا متقاضی ہے۔ ایسے شعری نمونوں میں جن میں نعت کے شعری اور شرعی تقاضوں کا ادراک جھلکتا ہے، حفیظ تائب کی نظم بالخصوص قابل ذکر ہے۔ اس نظم کی ردیف، نعت گو کے لیے خود ترغیبی کا حکم بھی رکھتی ہے اور دیگر شعراء کے لیے نعتیہ شاعری کے حدود و قیود سے آگاہی کا باعث بھی ہے۔

نعت گوئی کے لیے حسن ارادت شرط ہے

ساتھ کچھ فہم کتاب و علم سیرت شرط ہے

اس میں ہے لازم جمال فن بھی اوج فکر بھی

جتنی ممکن ہو خیالوں کی طہارت شرط ہے

گر ادب پہلا قرینہ ہے ثنا کے شہر میں

ہر قدم اس راہ میں عجز طبیعت شرط ہے

ہے محبت آپ کی ایمان کامل کی کلید

ہاں مگر جوشِ محبت میں اطاعت شرط ہے (۱۲)

حفیظ تائب

دیگر شعراء نے بھی نعتیہ موضوع کی نزاکتوں کا شعری اظہار کیا ہے۔ مثلاً

نعت کیا ہے؟ حسن کے سردار جذبے کا جمال

چشمِ عشق و اشک سے دیکھے ہوئے منظر کی آل

نعت کیا ہے؟ سنت پروردگارِ دو جہاں

خالق و مخلوق کے مابین ربط لازوال
نعت، صادق چاہتوں کے باغ کا کھلتا گلاب
حضرتِ حسانؓ بن ثابت کا گلزارِ خیال
نعت، نسبت کے سہانے نور کی صبحِ ظہور
شب کے تنہا موسموں میں گونجتی باغِ بلالؓ
نعت، دل کی بستیوں میں عہدِ خوش حالی کا راز
اک عقیدت مند سرشاری کا شہر بے مثال
حسنِ کامل کی ازل سے تا ابد توصیف، نعت
جس کے وردِ پاک سے فیروز، کٹتے ہیں ملال (۱۳)

محمد فیروز شاہ

نعت فنِ شاعری کا اک دمکتا آفتاب
نعت گلزارِ صداقت کا تر و تازہ گلاب
نعت اصنافِ سخن کا سب سے بہتر انتخاب
نعت الہامی صحیفہ، کائناتی انتساب
لیکن اس کے واسطے تائیدِ غیبی چاہیے
یعنی جیسے آپؐ ہیں توصیف ویسی چاہیے (۱۴)

قصری کانپوری

احتیاط اس کو برتنے میں نہایت احتیاط
حرف اصلاً مصدرِ حمد و امینِ نعت ہیں (۱۵)

جعفر بلوچ

ولائے میرِ اممؑ ہو تو نعت ہوتی ہے
خدا کا خاص کرم ہو تو نعت ہوتی ہے
اطاعتِ شہِ والاؑ میں زندگی گزرے
یہ جذب و شوق بہم ہو تو نعت ہوتی ہے
نگاہ و دل ہوں محبتِ اساس و عجزِ شعار

نیاز کیش قلم ہو تو نعت ہوتی ہے (۱۶)

جعفر بلوچ

لفظوں کا طور اس میں ، معنی کا نور اس میں
اک جلوہء محبت ، نعتِ رسول اکرم ﷺ
ہر نعت گو ہے رہبر پاکیزہ منزلوں کا
ہر راہ رو کی قوت ، نعتِ رسول اکرم ﷺ
یہ سیرتِ منور کی ضو فشانیاں ہیں
ہے کتنی خوبصورت ، نعتِ رسول اکرم ﷺ (۱۷)

سبطین شاہجہانی

تسلل کی فضا میں لکھنے والے عمر بھر لکھیں
مگر سرکار کی توصیف کم ہے جس قدر لکھیں
قمر چاہیں سند مقبول ہونے کی جو طیبہ سے
تو پھر نعتِ نبیؐ عشقِ نبیؐ میں ڈوب کر لکھیں (۱۸)

قمر وارثی

اگر ہم نعتیہ شعری نزاکتوں سے مملو اشعار کا شمار کرنا چاہیں تو دفتر کے دفتر درکار ہوں گے اور پھر بھی ایسے اشعار کا احاطہ ممکن نہیں ہو سکے گا، کیونکہ تقریباً ہر باشعور شاعر نے کسی نہ کسی زاویے سے نعت کے حساس موضوع کی اہمیت اور اس کے برتنے میں پیش آنے والی دشواریوں کا احساس شعری عمل میں روشن کیا ہے۔ درج بالا مثالیں اس بات کا بین ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ نعت کہتے ہوئے شعراء کے ذہن میں اس مقدس موضوع سے متعلق کیا تحفظات تھے۔ نعتیہ موضوع کی نزاکتوں کے شاعرانہ اظہار سے جو احساس اجاگر ہوتا ہے وہ نثری اظہارات کے مرقعوں میں بڑا واضح اور غیر مبہم شکل میں سامنے آتا ہے، اس لیے مقالے کے اگلے ابواب میں تنقیدی آراء کی روشنی میں نعتیہ شاعری کی مشخصیات پر گفتگو کا دروا کیا جائے گا۔

۲۔ اشعار میں عجزِ بیاں کے مظاہر:

ہر ادب پارے کی تخلیق خود ادب پارے کی صفات کے حوالے سے تخلیقی شعور کی متقاضی

ہوتی ہے۔ شعر میں بھی شاعر کا تخلیقی شعور کارفرما ہوتا ہے۔ تخلیق شعر کے پہلے مرحلے میں شاعر، شاعری کی ہیئتیں اصناف میں سے ایک صنف منتخب کرتا ہے، پھر کوئی عروضی، بحر شاعر کے میلان طبع کے مطابق، اس کے حیطہ فکر میں آتی ہے۔ الفاظ کا چناؤ بھی تنقیدی شعور کے تحت ہوتا ہے۔ موضوعات کے حوالے سے مضامین کی چھان پھٹک بھی ہوتی ہے۔ پھر متن اس طرح بنا جاتا ہے کہ حسن بیاں برقرار رکھتے ہوئے شعر کا مافیہ بلا کم و کاست ترسیل مفہوم کی منازل طے کر سکے۔ نعتیہ شاعری کرتے وقت بھی ہمارے شعراء کے تحت الشعور میں یہ تمام تخلیقی تقاضے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ تقریباً ہر شاعر نے نعتیہ شاعری کے ضمن میں اپنی بے بضاعتی، کم علمی، مقام رسالت کی عدم آگہی اور موضوع کی عظمت اور اپنی نارسائی کا ذکر کیا ہے۔ ابوالکلام قاسمی لکھتے ہیں:

”شاعر کے تخلیقی عمل میں اس کے تنقیدی شعور کا اہم رول ہوتا ہے۔ تنقیدی شعور کے بغیر شاعر اپنے کلام کے حسن و قبح اور دوسرے فنی تقاضوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ اس کا تنقیدی شعور اسے فن پارے پر نظر ثانی کے لیے مجبور کرتا ہے اور یہی شعور اس کی شاعری کے ارتقا کا ضامن ہوتا ہے“۔ (۱۹)

نعتیہ شعری ادب کے سرمائے میں ہمیں شعراء کے ایسے اشعار زیادہ ملتے ہیں جن سے شعور فن کی کمی کا احساس جھلکتا ہے اور اپنے جذبات کی ترسیل میں اظہار کی نارسائی کا خیال نمایاں ہوتا ہے۔ نعت کے میدان میں بیشتر شعراء اپنی بے بضاعتی کا اعلان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ عام قصائد، غزل یا نظم میں شعراء نے تعلی کو اپنا شیوہ ضرور بنایا ہے لیکن نعتیہ شاعری کرتے ہوئے بیشتر شعراء نے عجز کا ہی اظہار کیا ہے۔ ادیب رائے پوری نے اس حوالے سے لکھا ہے:

”شاعر جب اپنے عجز کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھ میں طاقت بیان نہیں، میں حبیب رب کی ثنا کا اہل نہیں، یہ مقام بے حد مشکل ہے وغیرہ اس طرح کے اظہار میں خوف پوشیدہ ہے وہ یہ کہ جذبہ کا اظہار، جوش محبت، شوق آرزو، تمنائے وصال، طلب دیدار کے بیان میں شایان رسالت، علوئے مراتب، لفظوں کے انتخاب میں لغزش، عرفی کے اشعار کے مصداق نہ ہو جائے۔ یہ بظاہر عجز و انکسار کا پہلو ہے لیکن نعت کہنے میں جو ادب و احتیاط شرط ہے اسی شعور کا مظہر ہے۔ یہ شعور فارسی کے شعراء میں بھی ہے اور اردو میں بھی“۔ (۲۰)

نعت گو شعراء کا تنقیدی شعور جاننے کے لیے فارسی اور اردو کے ایسے اشعار کا انتخاب پیش کرنے کی سعی کی جارہی ہے جن میں شعراء کا عجز بیاں اور انکسار ہنر جھلکتا ہے:

چو دولت بایدم تحمید ذات مصطفیٰ گویم

کہ در در یوزہ صوفی گرد اصحاب کرم گردد (۲۱)

شیخ سعدی

زباں را در کش اے سعدی ز شرح علم او گفتن

تو در علمش چہ دانی باش تا فردا علم گردد (۲۲)

شیخ سعدی

چہ نعتِ پسندیدہ گوئم ترا

علیک السلام ای نبی الورا

ندانم کدای سخن گوئمت

کہ والا تری زانچہ من گوئمت

ترا عز لولاک تمکلیں بس است

ثنائے تو طہ و یس بس است

چہ و صفت کند سعدی نا تمام

علیک الصلوٰۃ اے نبی السلام (۲۳)

شیخ سعدی

در نعت او زبان فصاحت کرا رسد

خود پیش آفتاب چہ پرتو دہد سُبھا (۲۴)

شیخ سعدی

ہزار بار ہشتم دہن بمشک و گلاب

ہنوز نام تو بردن مرا نمی شاید (۲۵)

خواجہ ہام تبریزی

نہ جبرئیل، نہ حسام و نہ جوہر فرد

مدحِ خواجہ بخوانم، کمال بے ادبیت (۲۶)

غلام قادر گرامی

چو او نمود بعجز اعتراف لا اھصی

نشان گفت بقرآں صدائے عالم غیب (۲۷)

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

زباں در وصف ذات گنگ و لالست
کہ وصف چوں توی کردن محالست
چو نعت می سراید ایزد پاک
چہ باشد در صفات زہرہ خاک (۲۸)

جمال خان جمالی، کنوہ دہلوی

ندارم تاب نعت آں امام انبیاء گفتن
کہ آں ہرگز نمی دارد نظیر خود، نشان خود (۲۹)

عزیز الدین احمد عظامی

جای کجا ست نعت تو اما بکلب شوق
ہر لوح صدق زد رقتے کیف ماتق (۳۰)

عبدالرحمن جامی

مسح از خام طبعی لب نہ بستی
ادب باید درینجا گرچہ مستی
خدا نعت محمد داند و بس
نیاید کار یزداں از دگر کس (۳۱)

سعد اللہ پانی پتی، مسیح

یا نبی الاطی من کہ و مدحت کجا
رشتہ نہ بند و پھر خ، ساز طنین ذباب (۳۲)

میرزا عبدالقادر بیدل، عظیم آبادی

غالب ثنائے خواجہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است (۳۳)

غالب

دعویٰ کن، نعت لائق تو
رسوائے جہان آفرینش (۳۴)

محمد جمال الدین عرق شیرازی

آناں کہ وصفِ حسن تو تفسیر می کنند
خوابِ ندیدہ را ہمہ تعبیر می کنند (۳۴)

عرق شیرازی

اگر در نطق آیم تا قیامت
نیام گفت یک وصف تمامت (۳۵)

فرید الدین عطار

لیکن ترا مجال بیاں نیست در درود
لیکن ترا قبولِ سخن نیست در ثناء
دست دعا وسیع و سمند تو ناتواں
بام ثناء رفیع و کمند تو نارسا
گیرم کہ در کلام تو تاثیرِ کیمیا است
دانا بکانِ زر، نہ کند عرضِ کیمیا
گیرم کہ عنبریں سخت نافہ خطاست
کس نافہ ارمغانِ نبردِ جانبِ خطا
کرمان و زیرہ؟ بصرہ و خرما؟ بدخش و لعل؟
عمان و در؟ حدیقہ و گل؟ جنت و گیاہ؟
زین بیش در طبقِ چہ نہی جنسِ ناپسند
زین بیش بر محکِ چہ زنی نقدِ ناروا
گر رائت از مدحِ شناسائی است و بس
خود را شناس تانہ کنی مدحِ ناسزا (۳۶)

حکیم قانی

کارِ نعتِ مصطفیٰؐ را بر خدا بگواشتم
نعتِ شہ او خوب کردن می تواند جای من (۳۷)

احمد حسن محدث نیازی

ثنایش گو و لے چوں نیست ایفائش ز تو ممکن
بایں یک بیت مدح را علی الابلال ایفا کن
مخاں او را خدا از بہر امر شرع و حفظ دیں
دگر ہر وصف کش می خوابی اندر مدحش املا کن (۳۸)
شیخ عبدالحق حق محث دہلوی

خدا در انتظار حمد ما نیست
محمد چشم بر راہ ثنائیت
خدا مدح آفرین مصطفیٰ بس
محمد حامد حمد خدا بس
مناجاتے اگر باید بیاں کرد
بہ بیتے ہم قناعت میتواں کرد
محمد از تو می خواہم خدا را
الہی از تو حب مصطفیٰ را
دگر لب واکن مظهر فضولیت
نخن از حاجت افزوں ترفضولیت (۳۹)

میرزا مظہر جان جاناں

حق گزار مدح او کس نیست جز یزدان پاک
رائے من ایں شد و شد روح الامیں ہم رائے من
کار نعت مصطفیٰ را بر خدا بگزاشتم
نعت شہ او خوب کردن میتواند جائے من (۴۰)
مولینا احمد حسن محدث پچھرا یونی نیازی
لکھوں نعت اس کی میں کس طرح ساری
براق ایک ادنیٰ تھا جس کی سواری (۴۱)
سعادت یار خاں رنگین دہلوی
ثنا تیری بیاں کیا ہو، صفت تیری رقم کیا ہو

نہ اس قابلِ زباں نکلی، نہ اس لائقِ قلم نکلا (۴۲)

آزاد بیگانی

مرے بیان و زباں کی بساط ہی کیا ہے

ترے جمال کی تعریف خود خدا نے کی (۴۳)

از ہر درانی

عجزِ ادراک سے ہے تیری ثنا کا آغاز

کس کو دعویٰ ہے کہ سمجھا ہے وہ رتبہ تیرا

کس عبارت سے کریں تیرے شامل کا بیاں

کون لکھ سکتا ہے لفظوں میں سراپا تیرا (۴۴)

اسلم انصاری

مجھ کو اس بزم میں کیا جرات گویائی ہو

جس میں حسانؒ کی گفتار بھی شرمائی ہو (۴۵)

محمد افضل کوٹلوی

نعت کہنے کو جب بھی اٹھایا قلم

میرے جذبات کو جانے کیا ہو گیا

خامشی لب پہ مدحت سرا ہو گئی

اشک آنکھوں میں حرف دعا ہو گیا (۴۶)

انور جمال

ثنا خواں کس طرح ہو کوئی اس محبوبؐ کیلئے کا

زباں میں یہ کہاں قدرت، قلم کو یہ کہاں یارا

آیا ہے ترا اسم مبارک مرے لب پر

گرچہ یہ زباں اس کی سزاوار نہیں ہے (۴۷)

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

ورائے فکر و نظر اس کی رفعتوں کے مقام

جو ایک گام میں طے کر گیا نظر کی حدود

ثنائے خواجہ کروں یہ کہاں بساط مری
کہ میرا فکر بھی عاجز، خیال بھی محدود (۴۸)

حافظ لدھیانوی
کیوں کر حیات اس کی تعریف کوئی لکھے
خلاق ہر دو عالم خود جس کا مدح خواں ہے (۴۹)

حیات وارثی لکھنوی
میری کہاں بساط، کہوں نعت مصطفیٰ
جو شعر بھی ہوا ہے، ہوا آپ کے طفیل (۵۰)
خالد شفیق

کس رخ سے تیری مدح ترے مدح جو کریں
کس تار سے حروف کے دامن رفو کریں (۵۱)
خالد احمد

ان کا کرم نہ کرتا اگر رہبری خلیل
مقدور کب تھا مجھ کو ثنائے حضورؐ کا (۵۲)
مفتی خلیل خاں برکاتی

ثنا کس منہ سے ہو خورشید ان کی
خدائے پاک جن کا مدح خواں ہے (۵۳)
خورشید علی پوری

ہفت افلاک سے یا کاکشاں سے لاؤں
نعت کہنے کے لیے لفظ کہاں سے لاؤں
دل میں ہے مدحتِ حضرتؐ کی تمنا لیکن
روئے قرطاس پہ کیا عجزِ بیاں سے لاؤں (۵۴)
رفعت سلطان

تری نعت اور روجی تہی فکر
تری محفل میں کیا بندہ چلے گا (۵۵)

روحی کجاہی

تیری توصیف کہاں اور کہاں میرا قلم
فکر ناقص مرا، تو مظہر اسرار قدم (۵۶)

طاہر شادانی

یوں تو کہنے کو کہیں سینکڑوں نعتیں طاہر
کوئی نعت کہی آپ نے شایان رسول (۵۷)

طاہر سر دھنوی

ہم کہاں عادل، کہاں نعت شہ کون و مکاں
سب طفیل مصطفیٰ یہ عزت افزائی ملی (۵۸)

وہاب عادل

نعت ہوتی نہیں جب تلک آرزو بھی نہ ہو باوضو
لفظ میں پھول کے رنگ بھرنے کے فیروز آداب ہیں (۵۹)

محمد فیروز شاہ

دامن نعت کے قابل کوئی گوہر لائے
کون ایسا ہے جو مٹھی میں سمندر لائے (۶۰)

قیصر بارہوی

تصویرِ تحیر ہے عالم یارائے بیاں زیبا ہی نہیں
امکانِ ثنائے ختمِ رسل لفظوں میں سما سکتا ہی نہیں (۶۱)

ہوش ترمذی

خدا تیرا معرف ہے ملک تیرے موصف ہیں
نہیں حد بشر کہنا ترے اوصاف بے حد کا (۶۲)

شیخ امام بخش، ناسخ لکھنوی

ارادہ جب کروں اے ہم نشین مدح پیہر کا
قلم لے آؤں پہلے عرش سے جبریل کے پر کا (۶۳)

آغا شاعر قزلباش دہلوی

اے رضا خود صاحب قرآن ہے مداح حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی (۶۴)

احمد رضا خاں بریلوی

مدحت شاہ دوسرا مجھ سے بیاں ہو کس طرح
تنگ مرے تصورات پست مرے تخیلات (۶۵)

نواب بہادریر جنگ

دل نعت رسول عربی کہنے کو بے چین
عالم ہے تیر کا زباں ہے نہ قلم ہے (۶۶)

مولانا مفتی محمد شفیع

بندہء عاجز، فقیر کج بیاں
کیا کرے گامدح ممدوح خدا (۶۷)

ڈاکٹر سید انعام احسن، فقیر

صفات بوقلموں لا تعد و لا تحصی
ثنائے خواجہ میں معذور ہیں زبان و قلم (۶۸)

عبدالعزیز خالد

منزل نعت نبی افسر نہ ہم سے طے ہوئی
پاؤں رکھتے ہی یہاں ہوش اڑ گئے ادراک کے (۶۹)

منظور احمد صدیقی، افسر امر و ہوی

نعت سرکارِ دو عالم کی میں لکھوں کیونکر
میں گنہگار، وہ معصوم، میں عامی وہ رسول (۷۰)

راغب مراد آبادی

ان کی مدحت کا جریدہ نہ مکمل ہوگا
جتنے ممکن ہیں شماروں پہ شمارے لکھنا (۷۱)

راز کا شیری

جب ان کی ثنا کا وقت آیا

لفظوں کا وجود ڈگمگایا (۷۲)

شمس قادری

تیری توصیف کو تحریر میں لاؤں کیسے

حسن خورشید کو آئینہ دکھاؤں کیسے (۷۳)

صغیر صدیق رتھی

ہم غلاموں کی یہ اوقات نہیں ہو سکتی

عجزِ اظہار ہے بس، نعت نہیں ہو سکتی (۷۴)

سجاد سخن

میں کس طرح سے نامِ شہِ دو سرا کا لوں

بہرِ کلام لفظ نہ طاقتِ سخن میں ہے (۷۵)

آدا، بیگم سلطانہ ذاکر

بشر کیا خدا بھی ہے جس کا ثنا خواں

کروں اس کی توصیف میں کس زباں سے (۷۶)

قمر سلطانہ سید

ہو بشر سے کس طرح وصفِ محمد کا بیاں

کس طرح سے بند کوزے میں ہو بحرِ بے کراں (۷۷)

نور بدایونی

ادا حقِ مدحتِ خیر البشر ہو کس طرح نورِ

تو حافظ ہے نہ رومی ہے نہ سعدی ہے نہ جامی ہے (۷۸)

مسرت جہاں نورِ

اوصافِ بیاں آپ کے کس طرح ہوں مجھ سے

کیا منہ جو کروں مدحتِ سردارِ دو عالم (۷۹)

شاہد سلطانہ، ناز

مدحِ سرکار ہے کس کے امکان میں

آپ کی مدحتیں تو ہیں قرآن میں (۸۰)

فیض طیبہ ہے یہ انداز ثنا بھی حسرت
ورنہ کیا رنگ مرا، کیا مرے اشعار کی بات (۸۱)

پروفیسر محمد یونس حسرت

مجال انسان کی کیا ہے کہ ہو مداح حضرت کا
کلام اللہ جب ناطق ہوا خوئے محمد کا (۸۲)
شیخ امیر الدین آزاد

لکھوں کس طرح نعت مصطفیٰ کیا میرا رتبہ ہے
خدا قرآن میں تعریف ان کی آپ کرتا ہے (۸۳)

محمد اشفاق علی اشفاق

وصف احمد لکھوں مجال کہاں
اتنا نازک مرا خیال کہاں
منہ ترا اور جناب کی تعریف
سوچ رزاق ہے خیال کہاں (۸۴)

محمد عبدالرزاق خاں، رزاق

جز خدا وند دو عالم کس سے مدحت ہو سکے
وصف میں ان کے سبھی جن و بشر ناچار ہیں (۸۵)

خواجہ احمد شمس

رفعت کو دیکھتے ہوئے اٹھتی نہیں نگاہ
کیا وصف حد عظمت آقا کریں گے ہم (۸۶)

محمد سعادت حسین، شیدا

یہ نام وہ ہے کہ جس کی ثنا نہیں ممکن
کہ آپ کہتا ہے سبحان، یا رسول اللہ (۸۷)

مرزا عباس بیگ، عباس

نور ہے خالق کا اور ممدوح خالق کا ہے وہ
خلق کا منہ مدح کہنے کے بھی کب قابل ہوا (۸۸)

محمد حسن علی

صفت لکھنے کو نور مصطفیٰ کی
زباں لاؤں کہاں سے میں خدا کی (۸۹)

سید محسن علی، محسن

جو ان کا حق تعالیٰ مدح خواں ہے
لکھوں میں نعت، کیا تاب و تواں ہے؟ (۹۰)

سید سلطان احمد، نامی

یہ عاجزی بھی قیامت ہے نعت میں صہبائے
نبی کی تاب نہیں اور خیال سامنے ہے (۹۱)

صہبائے اختر

میری کتاب نعت کا یہ آخری ورق
اک جبر مفلسی کے سوا کچھ نہیں حضورؐ
دامن کشاں خیال ہے وہ تنگ دامن
کرتی ہے دل کا خون جو ہر حال میں ضرور
دنیا کا ظرف بھی ہے نگاہوں کے سامنے
اس واسطے کتاب کی محدود ہیں سطور
ورنہ حضورؐ آپؐ کی مدحت میں یہ قلم
ہر دامن سحر کو بناتا حدیث نور
سرکارؐ کا سپاس گزارِ ازل یہ دل
اکرام منقبت سے ہوا ہے ہمہ شکور
پابندیء ضحامت و تعدادِ شعر سے
کب مطمئن ہوا ہے، مرا قلبِ ناصبور
افسوس ناتمام رہی دل کی گفتگو

افسوس اختتام کو پہنچی شبِ سرور
دیوان اور دل میں مرے فرق ہے کہاں
دونوں سمیٹ لایا ہوں، سرکار کے حضور (۹۲)

صہبا اختر

رکھتا نہیں ثنائے نبی کی میں دستگاہ
لکھتا ہوں نعت پھر بھی کہ دھل جائیں کچھ گناہ (۹۳)

نظر لکھنوی

نہیں ہے دم خم کسی میں اتنا، ثنائے نبی کی جو لکھے کامل
ہے نعت گوئی میں میری نیت رضائے خالق ہو مجھ کو حاصل (۹۴)

نظر لکھنوی

نعتیہ شاعری میں عجز بیان کے بے شمار اشعار ملے۔ تقریباً ہر شاعر نے نعت کہنے میں اپنی بے
بضاعتی کا اظہار کیا ہے۔ لیکن عاصی کرنا لی نے ایک جدا انداز اور منفرد آہنگ میں اپنی بے بضاعتی کو فکری
اور تخلیقی سطح پر اجاگر کیا ہے۔ میرے نزدیک اردو نعتیہ شعری سرمائے میں اس سے بہتر عجز بیان کی مثال
ملنا مشکل ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ثنائے خواجہ میں اے ذہن! کوئی مضمون سوچ
جناب! وادی حیرت میں گم ہوں، کیا سوچوں!
زبان! مرحلہ مدح پیش ہے، کچھ بول
مجال حرف زدن ہی نہیں ہے کیا بولوں؟
قلم! بیاض عقیدت میں کوئی مصرع لکھ
بجا کہا، سر تسلیم خم ہے کیا لکھوں؟
شعور! ان کے مقام پیہری کو سمجھ
میں قید حد میں ہوں وہ بے کراں میں کیا سمجھوں؟
خرد! بقدر رسائی تو ان کے علم کو جان
میں نا رسائی کا نقطہ ہوں ان کو کیا جانوں؟
خیال! گنبدِ خضریٰ کی سمت اُڑ پر کھول

یہ میں ہوں اور یہ مرے بال و پر ہیں، کیا کھولوں؟
 طلب مدینے چلیں نیکیوں کے دفتر باندھ
 یہاں یہ رختِ سفر ہی نہیں ہے کیا باندھوں؟
 نگاہ دیکھ ! کہ ہے روبرو دیارِ جمال
 ہے ذرہ ذرہ یہاں آفتاب، کیا دیکھوں؟
 دل! ان سے حرفِ دعا، شیوہ تمنا مانگ
 بلا سوال وہ دامن بھریں تو کیا مانگوں؟
 حضور! عجزِ بیاں کو بیاں سمجھ لیجے
 تہی ہے دامنِ فن، آستاں پہ کیا لاؤں؟ (۹۵)

عاصی کرناالی

کر نہیں سکتا کبھی کوئی ثنا کا حق ادا
 ’عبد‘ لا انصہی ثنا کا وردِ لاثانی کرے (۹۶)

بشیر حسین ناظم

نورِ مصحف کو صبح بہاراں لکھا، رنگِ پیکر کو حسنِ گلستاں کہا
 تیری توصیف سے پھر بھی قاصر رہے، سارے الفاظ صرف ہُز ہو گئے (۹۷)

امین راحت چغتائی

ہر گھڑی رہتا ہے الفاظ کی حرمت کا خیال
 نعت کہتے ہوئے ہم لوگ تو ڈر جاتے ہیں (۹۸)

امین راحت چغتائی

آصف یہ میری نعت ہے اعجازِ آپ کا
 میرے شعور و فکر سے بالا حضور ہیں (۹۹)

آصف بشیر چشتی

میں تو کوشاں ہوں مگر تیرے اشارے کے بغیر
 نعت میں حسانِ سا نورِ سخن ملتا نہیں (۱۰۰)

ہلال جعفری

تیرے تو وصف عیبِ تنہا ہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے! (۱۰۱)

احمد رضا خاں بریلویؒ

مدحتِ سیدِ لولاک لما کیا لکھوں
جو ہو ممدوحِ خدا اس کی ثنا کیا لکھوں (۱۰۲)

حافظ لدھیانویؒ

بھلا کیسے ہو ہم سے حق ادا توصیفِ احمدؐ کا
سبق پڑھتے ہیں اس مکتب میں ہم تا حال ابجد کا
نظر صدیقؑ کی حسنِ بیاں ہو اُمِّ معبد کا
تو شاید کچھ بیاں ہو پائے ان کے قامت و قد کا
تعارف کے لیے شہزادِ عمرِ خضر بھی کم ہے
اگر ہو تذکرہ صرف ان کے اک تلمیذِ ارشد کا (۱۰۳)

شہزادِ مجددیؒ

نعتِ اعجاز کیسے لکھوں میں
فکرِ معذور عاجزِ قلم ہے (۱۰۴)

اعجازِ رحمانیؒ

بیاضِ فکر کہاں اور کہاں ثنائے رسولؐ
”سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے“ (۱۰۵)

ایاز صدیقیؒ

بہ شوق آپ کی توصیف میں نے کی تو مگر
میں جانتا ہوں وہ شایانِ آں جناب نہیں (۱۰۶)

اقبالِ عظیمؒ

نعتِ حضورؐ اور کہاں میرا خیال اور بیاں
دیتی ہے طعنے کس قدر فکرِ شکستہ پا مجھے (۱۰۷)
سعید وارثیؒ

مدح جن کا خالق حسن و جمال ہے

توصیف ان کی اور بشر سے، محال ہے (۱۰۸)

حمید، سید حمید الدین احمد

مدح اظہر کرے گا کیا تیری

مدح خواں جب خدا ہوا تیرا

(۱۰۹) محمد کمال اظہر

مدح کیا ہو سکے ہے ہر لب سوکن پہ درود

کیا ہو توصیف بیاں سرو کو سکتہ ہو جائے (۱۱۰)

نعیم تقویٰ

کب ہے توصیف کا امکان رسول عربیؐ

لفظ و معنی ہیں پریشان رسول عربیؐ (۱۱۱)

نعیم تقویٰ

ثنا ہو کس طرح مخلوقِ اولیں مجھ سے

کلامِ خالق کو نین تیری شان میں ہے (۱۱۲)

نعیم تقویٰ

مدحتِ احمدؐ کا ہو ابرار کیسے حق ادا

ہے ثنا خواں جب کہ ذاتِ کبریائی آپؐ کی (۱۱۳)

ابرار کرپوری

مجھ میں وہ بات نہیں وصف جو حسانؑ میں ہے

لکھ سکوں نعتِ نبیؐ کب مرے امکان میں ہے

مجھ سے کیونکر ہو رقمِ مدحتِ محبوبِ خدا

ان کی توصیف جب انجیل میں قرآن میں ہے

حق ادا کر سکے توصیفِ حبیبِ حق کا

اتنی قدرت نہ بضاعت کسی انسان میں ہے (۱۱۴)

حافظ عبدالغفار حافظ

حافظ کہاں ثنائے شہر بحر و بر کہاں
ممكن بشر سے مدحت خیر البشر کہاں (۱۱۵)

حافظ عبدالغفار حافظ

ان کی مدحت کے لیے دونوں جہاں کافی نہیں
انس و جاں کافی نہیں کرو بیاں کافی نہیں (۱۱۶)

مبارک مونگیری

نعت احمد لکھے گا کیا مداح
خلق کا جس کے ہے خدا مداح

(۱۱۷) شوق لکھنوی

مدح احمد زباں پہ کیونکر آئے
بحر، کوزے میں کس طرح سے سمائے (۱۱۸)

شوق لکھنوی

عظمت سرکار کیسے ہو بیاں
ہم پہ کیا ہے آشکارا، کچھ نہیں

(۱۱۹) مسرور کیفی

خوشبو کو تصویر کروں پر نعت نہ لکھی جائے
روشنیاں تقریر کروں پر نعت نہ لکھی جائے
لفظوں کو زنجیر کروں پر نعت نہ لکھی جائے
جو چاہوں تحریر کروں پر نعت نہ لکھی جائے
پہلے اپنی سوچ کو صدیوں پر پھیلاؤں، پھر
اک عالم تنخیر کروں پر نعت نہ لکھی جائے
ایک عجب بے چینی کے عالم میں ہوں سیفی
نقطے کی تفسیر کروں پر نعت نہ لکھی جائے (۱۲۰)

منیر سیفی

عاجز ہے نطق وصف حبیب الہ میں

دشوار ہے یہ کام قلم کی نگاہ میں (۱۲۱)

محمد حسن زیدی

میں اپنی نعت کو اظہارِ فن قرار نہ دوں

میں اس کو عرضِ تمنا کا اک بہانہ کہوں! (۱۲۲)

عارف عبدالمبین

ادا کروں تو کروں کیسے تیری نعت کا حق

مجھے نصیب نہیں طرزِ گفتگو تیری (۱۲۳)

عارف عبدالمبین

نہ میں ہوں لوح و قلم کا مالک، نہ راہِ حمد و ثنا کا مالک

میں نعت تیری لکھوں تو کیسے کہ عجزِ اظہار ہے مرا فن (۱۲۴)

عارف عبدالمبین

میں کیسے نعت لکھوں کس طرح سناؤں تجھے

کہ روکتا ہے برابر ترا ادب مجھ کو (۱۲۵)

عارف عبدالمبین

یہ آرزو ہے کہ میں جب بھی تیری نعت کہوں

مرے بیاں سے جھلکنے لگے بیاں تیرا (۱۲۶)

عارف عبدالمبین

یہ اور بات کہ شایانِ شاں نہ ہو تیرے

یہ آرزو ہے کہ میں نعت بے حساب لکھوں (۱۲۷)

عارف عبدالمبین

عجزِ گویائی کا مظہر بن گئی ہے میری نعت

کس لغت سے لفظ ڈھونڈوں جس سے ہو تیری ثنا (۱۲۸)

عارف عبدالمبین

ترے شایانِ شاں کب نعت میری ہے مگر سچ ہے

ثنا تیری ہے میرے چہرہ اظہار کا غازہ (۱۲۹)

عارف عبدالمبین

اظہارِ عجز کے درج بالا شعری نمونے اس بات کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہیں کہ نعت کہتے ہوئے شعراء کو، مقام رسالت مآب ﷺ کی عدم آگاہی، فن کے تقاضوں سے کما حقہ عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت کے فقدان اور آدابِ نعت گوئی سے بے بہرہ ہونے کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعتیہ شاعری میں بیشتر شعراء شاعرانہ تعلی کے بجائے عجز و انکسار کا پیرایہ بیاں اپناتے ہیں۔

۳۔ مقام رسالت کی شاعرانہ تفہیم:

حضور سرور کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات والا صفات کے بارے میں بیشتر شعراء نے ایسا ہی خیال شعرِ عقیدت کا جزو بنایا ہے جیسا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس شعر میں ظاہر کیا ہے۔

لا یکن الثناء کما کان حقہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر (۱۳۰)

اور اسی ضمن میں بیشتر شاعروں نے حضور اکرم ﷺ کا مقصود کائنات ہونا بھی شعری کائنات میں منعکس کیا ہے۔ اردو نعتیہ شاعری میں اس مضمون کی فراوانی کی وجوہات پر محمد حسن عسکری نے ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

”آج سے سو پچاس سال پہلے عام مسلمانوں کا ایمان یہ تھا کہ حقیقتِ محمدی احاطہ بیان میں نہیں آسکتی اور رسولِ مکی بنیادی صفت یہی ہے“۔ (۱۳۱)

ایک اور جگہ حسن عسکری لکھتے ہیں:

”اگر ہر چیز کے پیچھے حقیقتِ محمدی ہے تو ہر چیز جاندار ہے، با حرکت ہے اور اپنی اصل کی طرف راجع ہے“۔ (۱۳۲)

حقیقت یہ ہے کہ صرف سو پچاس سال نہیں بلکہ تقریباً ہر عہد میں نعت گو شعراء کے شعرِ عقیدت میں حقیقتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا وہی تصور جزو ہنر بنا ہے جو حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات والا صفات کو تخلیق کائنات کی وجہ اور بعد از خدا بزرگ ظاہر کرتا ہے۔

مرزا قادر بخش صابر دہلوی نے تذکرہ شعراءِ موسوم بہ ”گلستانِ سخن“ (مرقومہ ۱۲۷ھ/۱۸۵۳ء) میں حقیقتِ محمدیہ کا تصور شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس مسئلے کی نزاکت اور بیان کی دشواریوں کے پیش نظر ہم صابر دہلوی کی تحریر کا قدرے طویل اقتباس پیش کرنے کی جسارت کر رہے ہیں:

”مشتاقان سوانح قدیم و جدید پر واضح ہو کہ احادیث نبوی علیٰ قائلہ افضل الصلوٰۃ واکمل التقیات سے اول مخلوقات سے تعین میں مختلف اقوال دریافت ہوتے ہیں۔ کہیں ”اول ما خلق اللہ نوری“ واقع ہے یعنی جو چیز کہ خدائے عزوجل نے پہلے مخلوق کی ہے وہ میرا نور ہے۔ منقول ہے کہ جابر انصاری رضی اللہ عنہ نے کہ فضل و دانش میں اقران و امثال سے ممتاز اور قبول اسلام سے پہلے علماء یہود و نصاریٰ سے مبداء آفرینش میں اقاویل متباینہ سن کر تسلی خاطر کے واسطے ہدایہ سبیل کے طالب تھے، اسلام سے مشرف ہو کر جناب فصیح العرب والعجم ﷺ سے پوچھا کہ اے چاشنی گیر موائد علم لدنی! صانع قدیر نے سب سے اول کس چیز کو پیدا کیا؟ نعمت جواب سے کامیاب ہوئے کہ اے جابر! تیرے پیغمبر کے نور کو اور کسی حدیث میں نور کی جگہ قلم اور کسی میں لوح اور کہیں روح کا لفظ وارد ہے۔ اگرچہ اختلاف روایت اس تعین میں خلل انداز ہے لیکن تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ اختلاف تعدد اسما کے قبیل سے ہے، نہ تعدد مسمی کے اور اسما کے تعدد سے مسمی متعدد نہیں ہو جاتا۔ یہ سب اسم ہیں ایک ذات کے اور لقب ہیں ایک ہی حمیدہ صفات کے۔ جب یہ معلوم ہو چکا تو اب سنا چاہیے کہ حضرت مبداء جلت اسماء نے نور محمدی پر کہ اس کو جو ہر بیضا کہتے ہیں، صفات جلالی و جمالی کے ساتھ تجلی کی اور ان دونوں صفات کے اثر سے وہ نور دو قسم ہو گیا۔ ایک سے تو نہایت لطافت و صفا اور روشنی و ضیا نقاب کشا تھی اور دوسری سے اس کی نسبت کچھ کمی کے ساتھ جلوہ نما۔ اول نور کے لقب سے مشہور ہوا اور دوسرا نار کے نام سے مذکور۔ نور سے اشخاص شریفہ علویہ اور کواکب اور آسمان اور ارواح انبیاء و اولیاء اور اصحاب یمن کی آفرینش وقوع میں آئی، اور نار سے جن اور اجناس سفلیہ اور اصحاب شمال کی ارواح نے امتیاز پائی۔ اس تقریر سے واضح ہوا کہ نور حضرت شریعت پناہ خالق و مخلوق میں واسطہ اور ما سوائے اللہ کے آفرینش کے علت ہے۔ نہ افلاکیوں کا وجود اس کے فیض کے بغیر جلوہ گراور نہ خاکیوں کا ظہور اس کے وسیلے کے بدون میسر۔ فرشتے کو اس کے جمال کی شمع سے نور اور پری کو اسی کی آتش جلال سے گرمی و ہنگامہ ظہور۔ محققین اس نور پاک اور مصداق ”لولاک لما خلقت الافلاک“ کو موجود منبسط مطلق کہتے ہیں کہ اس کا انبساط اور اطلاق اعم ہے، نہ اس کو کسی نوع خاص کے ساتھ اختصاص ہے اور نہ وہ ایک جنس کے ساتھ خاص۔ بلکہ عام ہے کہ ہر شے اس کے افاضہ سے کام ران اور ہر ذائقہ اس کی نعمت سے لذت ستان۔ نہ کسی حد معین میں منحصر اور نہ کسی صفت خاص میں منضبط۔ حادث کے ساتھ حادث ہے اور قدیم کے ساتھ صاحب قدم۔ مجرد کے ساتھ مجرد ہے اور مجسم کے ساتھ مجسم۔ جوہر کی مصاحبت میں جوہر ہے اور عرض کے پردے میں عرض کے نام سے جلوہ

گر۔ احدیت اور واحدیت میں واسطہء اولیٰ ہے اور واجب اور ممکن میں برزخ کبریٰ۔ بہ اعتبار اصل کے احدیت اور وجوب کے ساتھ معروف ہے اور بہ اعتبار قیود کے واحدیت اور امکان سے موصوف۔ عرفی شیرازی نے اسی مطلب عظمیٰ کی طرف اشارہ کیا ہے :

تاجمک امکان و وجوب نہ نوشتند مورد متعین نشد اطلاق اعم را

جب مخلوق اول متعین ہو گیا اور واسطہء اولیٰ اور برزخ کبریٰ مبین، تو اب چاہیے کہ اس خوان فیض کے ریزہ خوار اور اس ماندہء احسان کے زلہ بردار، یعنی واردان مہمان سرانے روزگار کہ اس علت کے معلول اور اس سبب کے مسبب ہیں، بزم بیان میں حاضر اور محفل ذکر میں باریاب ہوں۔“ (۱۳۳)

اقتباس کی طوالت کے لیے معذرت۔ تاہم یہ بات جاننے کے لیے کہ ہماری نعتیہ شاعری میں مقام رسالت اور حقیقت محمدیہ کا تصور کن کن زاویوں سے شعری قالب میں ڈھلا ہے، اور اس تصور کی روایاتی اہمیت کیا ہے، قادر بخش صاحب دہلوی کی کتاب سے یہ عبارت نقل کرنی پڑی۔

در اصل مقام رسالت کی یہی تفہیم ہے جو ہماری نعتیہ شاعری میں جھلکتی ہے۔ یہ تفہیم دین اسلام کے متصوفانہ آہنگ میں ڈھلی ہوئی اور اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے فارسی اور اردو شعراء نے پیشتر اسی تفہیم کے تحت حضور انور ﷺ کی ذات کے حوالے سے اشعار کہے ہیں مثلاً

آن چه نور است که از وادی بطحا بر خاست

کہ ہمہ کون و مکانش بتماشا بر خاست (۱۳۴)

جائی

از عالم پاک آمدی، مقصود لولاک آمدی

بس چست و چالاک آمدی، جانہا فدایت مرحبا (۱۳۵)

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

شفیع الوریٰ خواجہء بعث و نشر امام الہدیٰ صدر دیوان حشر
کلیسی کہ چرخ فلک طور اوست ہمہ نور ہا پر تو نور اوست (۱۳۶)

سعدی

شہے کو بر فراز تخت افلاک بسر برداشت دایم تاج لولاک (۱۳۷)

جمال خان جمالی کنبوہ دہلوی

باعث خلقت کل، ہادیء ارباب سُبُل سرو سرنیل رسل، محرم خلوت گہہ راز (۱۳۸)

شیخ محمد علی حزیں

معنیء احمد بے میم پرس از جبریل بخدا جوہر کل مرتبہ دانست او را (۱۳۹)
غلام قادر گرامی

اے واجب ممکن نما، اے باعث ہر دوسرا
اے زینت ارض و سما، از ابتداء تا انتہا (۱۴۰)

عزیز الدین احمد عظمیٰ

محمدؐ شہ محفلِ قدس ذات
ز لفظ محمدؐ گر آگہ شوی
وجود آیت فیضِ اظہارِ او
کمالش بر افگندہ بروئے ذات
شیوناتِ ذات اللہ، افعالِ او
ز آئینہ ذرہ تا آفتاب
محیطِ نحم ہستیء کائنات
ادا فہم الحمد للہ شوی
عدم پردہء نقشِ اسرارِ او
ز اسم محمدؐ نقابِ صفات
ظہور کلام اللہ، اقوالِ او
ز نورِ تماشاے او کامیاب (۱۴۱)

میرزا عبدالقادر بیدل

محمد صافیء آئینہء قدس
چہ واجب نشاء سر جوشِ نورش
نحم امکان کہ ہستی نام دارد
جہاں مرآۃ انوارِ بھاش
ہماں سرمایہء گنجینہء قدس
چہ ممکن دُرِ مینایِ ظہورش
ز جوشِ او، مئے در جام دارد
دلِ ہر ذرہ فانوسِ خیالِش (۱۴۲)

میرزا عبدالقادر بیدل

آں کمالِ حقیقتِ آدم
جوہرِ اعتبارِ غیب و شہود
ازل افسانہء بدایتِ او
آبرویء حقائقِ عالم
اصلِ کیفیتِ خفا و نمود
ابد، اندیشہء نہایتِ او (۱۴۳)

میرزا عبدالقادر بیدل

جلوۂ اول کہ حق بر خویش کرد
شد عیاں زان نور، در بزمِ ظہور
ہر کجا ہنگامہء عالم بود
مشعلِ نور محمدؐ پیش کرد
ہر چہ پنہاں بود، از نزدیک و دور
رحمتہ للعالمین ہم بود

منشاء ایجادِ ہر عالم یکیت
خود ہے گوئی کہ نورش اول است
جوہر کل بر متابد تشنیہ
ہم گہر مہر منیرش، چوں بود
منفرد اندر کمال ذاتی است
لاجرم منٹش محال ذاتی است (۱۴۴)
گرد و صد عالم بود، خاتم یکیت
از ہمہ عالم ظہورش اول است
در محمدؐ رہ نیا بد تشنیہ
سایہ چوں نبود، نظیرش چوں بود؟

اسد اللہ خاں غالب

زہے عز و علای منتہائے اوج انسانی
امیر عالم امرے شہِ معموہء خلقے
ظہورِ کامل ذات و صفاتِ حضرت یزداں
نہی بیڑی و مہبطِ تنزیلِ فرقانی
ادیبِ علوی و سفلی رسولِ انسی و جانی
حبیبی سیدی، محبوبِ خاصِ الخاصِ ربانی (۱۴۵)

نیاز بے نیاز بریلوی

ہر کجا بنی جہانِ رنگ و بو
یا ز نورِ مصطفیٰؐ او را بہاست
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰؐ ست (۱۴۶)

علامہ قبّال

لو لاک لما خلقت الافلاک
عرفانِ مدارجِ محمدؐ
سرنامہء داستانِ عالم
بیروں ز حدِ گمانِ عالم (۱۴۷)
جہیل نقوی

آں کو بہ رسلِ امام و سرور
ممتازِ بشانِ حقِ نمائی
ہم شمعِ جمالِ بزمِ امکاں
سرتاجِ پیہراں حقِ آگاہ
شاہیکہ جلیلۃ القدوم است
ذاتے کہ مدینۃ العلوم است (۱۴۸)

حافظ مظہر الدین

پیدا است ز تست نورِ ذاتے
وصفِ تو بروں ز حدِ ادراک
از حسنِ تو حسنِ کائناتے
شانِ تو عیاں ز رمزِ لولاک (۱۴۹)

حافظ مظہر الدین

تن پاکت بہ خلقت جلوہ ساماں یا رسول اللہ
 سراپایت ، مجسم نور یزداں یا رسول اللہ
 گرامی پیکرِ نوریں، نخستیں جلوہ نکوین
 توئی طہ، توئی یلین بہ قرآں یا رسول اللہ
 بہ نشرِ حسن تو واگشت باب کنت مخفیاً
 توئی وجہ ظہورِ بزمِ امکاں یا رسول اللہ
 توئی در لفظ کن آں نقطہء آغازِ گویائی
 توئی لاریب نا، نطقِ انساں یا رسول اللہ (۱۵۰)

پیر نصیر الدین نصیر

وجہ تخلیقِ دو عالم سر کن نورِ خدا
 حاملِ انوار و اسرارِ الہی مرحبا
 اے کہ توفیقِ زفرش خاکِ تاعرشِ علی
 صاحبِ معراج و منبرِ مظہرِ نورِ خدا (۱۵۱)
 مہر و جدائی

شاہِ گردوں مقام و عرشِ خرام
 مظہرِ ذوالجلال والا کرام (۱۵۲)
 انبیا جملہ عظیم اندو محمدؐ اعظم
 ہمیں دین و ہمیں سودا ہمیں ارماں دارم
 اعظم چشتی (۱۵۳)

در بزمِ کائنات بایں شانِ دلبری
 مقصودِ دو جہاں شرِ خوباں محمدؐ
 اعظم چشتی
 است (۱۵۴)

اعظم چشتی

ہر خشک و تر کہ مُلکِ الہی ست، مُلکِ اوست
 اعظم بجز تم کہ چہ انساں محمدؐ است (۱۵۵)
 اعظم چشتی

وجہ بنائے این و آں حسنِ جہاں آرائے تو
 باشد نہ بعد از کبریا در دو جہاں ہمتائے تو

تنویر بخش مہر و مہ شمع رخ بیضائے تو
عالم ہمہ نعمائے تو، خلق خدا شیدائے تو
ایں زرگس شہلائے تو آوردہ رسم کافری
(۱۵۶)

سعید وارثی

آپ کی ذات کا ثانی کوئی دیکھا نہ سنا
یوں تو گزرے ہیں بہت ناز و نزاکت والے (۱۵۷)

جمیل نقوی

سرورِ جملہ انبیاء ہادی ہر زمن ہو تم فخر جمیع کائنات ، رحمتِ ذوالمنن ہو تم
روحِ جمالِ بحر و بر ، مقصدِ خلقتِ بشر نغمہ گرِ الست کے لحن کا بانگین ہو تم (۱۵۸)
جمیل نقوی

محمدؐ باعثِ تخلیقِ کونین محمدؐ اک نیا رخ بندگی کا (۱۵۹)
جمیل نقوی

اے کجکلمہ کجکالہاں سرورِ لولاک تم سید کونین ہو سلطانِ دو عالم (۱۶۰)
جمیل نقوی

صفاتِ خالقِ کونین ماورائے بیاں انہیں صفات کے مظہر محمدؐ عربی
میانِ عالم امکاں بہر زمان و مکاں جمیلِ افضل و برتر محمدؐ عربی (۱۶۱)
جمیل نقوی

ہمرازِ مشیتِ الہی تخلیق کا مدعا محمدؐ
مخلوقِ خدا میں سب سے اول اخلاق کی انتہا محمدؐ (۱۶۲)

جمیل نقوی

اللہ کے بعد سب سے افضل محبوبِ خدائے دو جہاں ہیں (۱۶۳)
جمیل نقوی

مصطفیٰؐ ہیں باعثِ تخلیقِ بزمِ کائنات
یہ جہاں روزِ ازل سے ہے جہانِ مصطفیٰؐ (۱۶۴)

جیل نقوی

محمدؐ کنزِ عظمت کا نگین ہیں محمدؐ نیر برج بریں ہیں
محمدؐ آبروئے ہر دو عالم محمدؐ آرزوئے ہر دو عالم
محمدؐ جانِ تسلیم و رضا بھی محمدؐ جلوۂ نورِ خدا بھی (۱۶۵)
وقارِ صدیقی

رہنے والے آسمان کے ہوں کہ فرشِ خاک کے
سب کے سب ممنونِ احساں ہیں شہِ گولاک کے (۱۶۶)

افسرِ صدیقی امر و ہوی

آدمؑ کو جب وجود کا خلعت ملا نہ تھا نورِ خدا سے نورِ محمدؐ جدا نہ تھا
عالمِ تمام مطلعِ نور و ضیا نہ تھا جب تک ظہورِ ماہِ رسالت ہوا نہ تھا
(۱۶۷)

حافظ مظہر الدین

محمدؐ مقصدِ تخلیق ہے ساری خدائی کا محمدؐ دہر میں مظہر ہے شانِ کبریائی کا (۱۶۸)
اخترِ بجنوری

آنہیں سکتی حصارِ فکر میں شانِ رسولؐ
صرف رپ دو جہاں ہے مرتبہ دانِ رسولؐ (۱۶۹)

ڈاکٹر ثار احمد ثار

کُنٹ کنزاً کی وادیوں کا نور آسمانِ قَدر کا ماہِ تمام
وَرَفَعْنَا کی رفعتوں کا امیں ابوالارواح کا بھی پیشِ امام
رازِ دارِ دئے و اُذِ ادئے ' کتنا ارفع ہے عبدہ کا مقام
مطلعِ انبیاء حضور کی ذات مقطعِ انبیاء حضور کا نام (۱۷۰)

اعظم چشتی

مصطفیٰؐ وہ نام ہے جس نام کی حد کچھ نہیں
قلزمِ آبِ رواں ، کہسارِ محمدؐ کچھ نہیں
خاکِ لالہ رنگ و آفاق زبرجد کچھ نہیں

صبح ہائے روشن و شب ہائے اسود کچھ نہیں

.....جز محمدؐ کچھ نہیں

آپؐ ہی سرچشمہء تکریم ہیں بعد از خدا

آپؐ ہو سکتے ہیں کیسے عظمت حق سے جدا

آپؐ ہی صدرالعلیٰ ہیں آپؐ ہی نورالہدیٰ

آپؐ ہی وہ نور ہیں جس نور کی حد کچھ نہیں

.....جز محمدؐ کچھ نہیں

خلقت عالم کا باعث ہے محمدؐ کا جمال

وہ ازل ہو یا ابد ہو، ماورائے ماہ و سال

کہہ رہا ہے آپؐ کے نورِ مبارک کا کمال

یہ زمیں یہ آسمانِ ہفت گنبد کچھ نہیں

.....جز محمدؐ کچھ نہیں

آپؐ کا اسمِ گرامی ، اسمِ اعظم کی طرح

یہ برستا ہے دلوں پر نورِ پیہم کی طرح

ہے علاجِ التہابِ دل یہ شبنم کی طرح

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

.....جز محمدؐ کچھ نہیں

آپؐ ہی سے جلوہ سماں ہے فضائے بحر و بر

آپؐ ہی حسن شعی ہیں آپؐ ہی نور سحر

گر نہیں روئے محمدؐ کی تجلی پر نظر

تو مہ و خورشید کی دنیا میں آمد کچھ نہیں

.....جز محمدؐ کچھ نہیں

ہر حجابِ رنگ و بو ہے، اک حجابِ مصطفیٰؐ

ثابت و سیار ، دربانِ جنابِ مصطفیٰؐ

نور کی شیرازہ بندی ہے کتابِ مصطفیٰؐ

یہ مہ و انجم کے اوراقِ مجلد کچھ نہیں

.....جز محمدؐ کچھ نہیں

آپؐ خالق کا تبسم، آپؐ آدم کا شرف

آپؐ دنیا کی تجلی کے لیے انجم بکف

آپؐ کی وہ شان ہے جس شان کے چاروں طرف

عظمتِ نام و نسب، فخر اب و جد کچھ نہیں

.....جز محمدؐ کچھ نہیں

ناخِ ادیان عالم، دے چکا دنیا کو نور

ہو چکا قرآن کا دست محمدؐ پر ظہور

وید و ژند و گیتا و توریت و انجیل و زبور

ہر کتاب ماسبق ہے، اب قلم زد، کچھ نہیں

.....جز محمدؐ کچھ نہیں

وردِ نامِ مصطفیٰؐ کرتا ہے ہر قلب سلیم

گردِ پائے مصطفیٰؐ ہیں، انقلاباتِ عظیم

شاہراہِ مصطفیٰؐ ہے شاہراہِ مستقیم

شاہراہِ مصطفیٰؐ میں خدشہ سد کچھ نہیں

.....جز محمدؐ کچھ نہیں

اس زمیں کے فرش نے اس کہکشاں کی بام نے

دور دیکھے ہیں ہمارے دورِ صبح و شام نے

ہم غلامانِ محمدؐ ہیں ہمارے سامنے

تاج و تخت و افر و اورنگ و مسند کچھ نہیں

.....جز محمدؐ کچھ نہیں (۱۷۱)

صہبائِ کرامؓ

ثانی کوئی ہوا ہے نہ ہوگا حضورؐ کا

اظہر خدا کے بعد ہے احمدؐ کا اقتدار (۱۷۲)

ضمیر اظہر

وہ ماہِ ابرِ رحمت و جہِ تخلیقِ دو عالم ہے
وہی حسن سراپا ہے، وہی نورِ مجسم ہے (۱۷۳)

ظفر علی زرین

محمدؐ کی نبوت دائرہ ہے نورِ وحدت کا
اسی کو ابتداء کہیے اسی کو انتہا کہیے (۱۷۴)

ماہر القادری

باعثِ تخلیقِ عالم ان کی ذات
معنیء لولاک اب سمجھائیں کیا (۱۷۵)

بشیر حسین ناظم

شانِ حبیبِ دوسرا عقل و خرد سے ماورا
اصلِ وجودِ قدسیاں عقلِ بشر میں آئے کیوں (۱۷۶)

بشیر حسین ناظم

اسمِ حضرتؐ سے منور ہے سوادِ ہستی
سارے ناموں سے یہی نام اہم ہے ہم کو (۱۷۷)

بشیر حسین ناظم

شانِ رسولؐ کون و مکان و شہِ دنی
بالائے عقل و وہم و گمان و قیاس ہے (۱۷۸)

بشیر حسین ناظم

اگر سرکارِ دو عالمؐ نہ ہوتے کسی پر بھی نہ کھلتا رازِ ہستی (۱۷۹) امین راحت چغتائی

وہ رونقِ حیات، وہی روحِ کائنات
وہ ہر مقامِ زیست پہ رحمتِ بدوش تھا (۱۸۰)

امین راحت چغتائی

تو صبحِ ازل، رشکِ قمر، مہرِ رسالت
جلوہ ہے کبھی اور کبھی جلوہ نما ہے

نادیدہ بہاروں کا امیں، حسن فراواں
کیا تیرا بیاں ہو کہ تو محبوب خدا ہے
تو روح و رواں راحت جاں، نازشِ دوراں
تو رنگ ہے، آہنگ ہے، تو سرِ خدا ہے (۱۸۱)

امین راحت چغتائی

وہی ہے وجہِ بنائے عالم وہی تو ہستی کی آگہی ہے
جودل میں جھانکوں تو عرشِ پیکر، جو آنکھ اٹھے تو آدمی ہے (۱۸۲)

امین راحت چغتائی

اس حسنِ کائنات کا عنوان آپؐ ہیں
رحمن وہ تو منظرِ رحمن آپؐ ہیں (۱۸۳)

امین راحت چغتائی

محمدؐ انجمنِ کن فکاں کا صدر نشین
محمدؐ افسرِ آفاق و سرورِ عالم (۱۸۴)

عبدالعزیز خالد

حدِ گماں نہیں، حدِ یقین سے آگے ہے
نبیؐ کا نورِ یسارو ہمیں سے آگے ہے (۱۸۵)

آصف بشیر چشتی

ہوا بھی چھو نہ سکی اس کی برقِ رفتاری
وہ نور، سدرہ و عرشِ بریں سے آگے ہے
خدا کے بعد خدا کا رسولِ عظمت میں
سب انبیاء سے سبھی مرسلین سے آگے ہے (۱۸۶)

آصف بشیر چشتی

نبیوں میں شانِ آپؐ کی ایسے بلند ہے
جیسے ہے شانِ صحنِ خیاباں میں پھول کی (۱۸۷)

آصف بشیر چشتی

ہر رنگ میں حضور ہیں بے مثال و بے مثال

ہر شان میں وحید و یگانہ حضور ہیں (۱۸۸)

آصف بشیر چشتی

کوئی بھی ثانی نہیں اس کا، کوئی ہم سر نہیں

صاحبِ لولاک کا خورد و کلاں محتاج ہے (۱۸۹)

آصف بشیر چشتی

کسی سے ہم سری خورشیدِ تاباں کی ہو کیا آصف

یہ ہمت ماہِ وانجم میں نہ جرأت کھکشاؤں میں (۱۹۰)

آصف بشیر چشتی

پیغمبروں میں صاحبِ اسرا کوئی نہیں

اچھے سبھی ہیں آپ سے اچھا کوئی نہیں (۱۹۱)

ماجد خلیل

خیر الانام ، ختمِ رسل ، سید البشر

ہے اور کوئی ان کے علاوہ ، کوئی نہیں (۱۹۲)

ماجد خلیل

ممکن ہی نہیں مثال ان کی ہیں اپنی مثال آپ ہی وہ (۱۹۳)

ماجد خلیل

وہی رمزِ اول وہی امرِ آخر ازل تا ابد اقتدارِ محمد (۱۹۴)

سرشار صدیقی

اک حقیقت ہیں وہ اور ان کے سوا ہر حقیقت ، قیاس آرائی (۱۹۵)

سرشار صدیقی

کس کا حوالہ دے کوئی ، وہ بھی تری مثال میں

کوئی نظیر ہی نہیں، حاشیہ خیال میں (۱۹۶)

سرشار صدیقی

یہی ہے شانِ نبوت یہی کمالِ اتم

خدا کے نور کا پیکر بھی ہے بشر بھی ہے (۱۹۷)

ہلال جعفری

یہ کائنات شہِ بحرِ بر کا صدقہ ہے خدا کے آخری پیغامِ بر کا صدقہ ہے (۱۹۸)

ہلال جعفری

اُمّی بھی معلم بھی ، فصیح دو سرا بھی محبوبِ خدا ، صلِ علیٰ اور ہی کچھ ہے (۱۹۹)

ہلال جعفری

کن کی تجلیات محمدؐ کی ذات ہے	نورِ الہیات محمدؐ کی ذات ہے
عکسِ جمالیات محمدؐ کی ذات ہے	آئینہ دارِ ذات محمدؐ کی ذات ہے
بعد از خدا کی ذات محمدؐ کی ذات ہے	اللہ کی صفات محمدؐ کی ذات ہے
مقصودِ کائنات محمدؐ کی ذات ہے	تکمیلِ شش جہات محمدؐ کی ذات ہے
کہتے ہیں جس کو باعثِ تخلیقِ کائنات	وہ ذات ، ایک ذات محمدؐ کی ذات ہے
جن کا نہیں جواب نہ جن کی کہیں مثال	وہ بے مثال ذات محمدؐ کی ذات ہے (۲۰۰)

ہلال جعفری

مقامِ سیدِ مرسلؐ کا اہلِ دل سمجھتے ہیں جو ناداں ہیں انھیں انسانِ آب و گل سمجھتے ہیں (۲۰۱)

ساجد رضوی

شفیع کل ہیں رسالت کی انتہا میں حضورؐ
پھر اس کے بعد خدا جانے اور کیا ہیں حضورؐ (۲۰۲)

ساجد رضوی

بیک زبانِ زمانے نے کہہ دیا ساجدؐ
شعور و فہم کے عالم سے ماوریٰ ہیں حضورؐ (۲۰۳)

ساجد رضوی

آدی کو اپنی نوعِ آدمیت پر ہے نازِ فخر ہے ذاتِ محمدؐ آدمیت کے لیے (۲۰۴)

سیماب اکبر آبادی

احد ، احمدؐ ، محمدؐ ، واحد و محمود و حامد میں
حروفِ مشترک ”ح“ ، ”ز“ ہیں تحقیقِ ناقد میں

وہ نور النور ، جو آئینہ انوارِ سرمد ہے
حدودِ فہمِ انسانی میں نام اس کا محمدؐ ہے (۲۰۵)

سیماب اکبر آبادی

نہ اب پیغام باقی ہے، نہ اب پیغمبری باقی
رہے گی رہتی دنیا تک ، اسی کی آگہی باقی
جو خود آئینہ ہے، خود اپنے آئینے کا جوہر بھی
خدا کا آخری پیغام بھی ہے اور پیغمبر بھی (۲۰۶)

سیماب اکبر آبادی

عالمِ تخلیق میں تیرا کوئی ہم سر نہیں
جز خدائے لم یزل تجھ سے کوئی برتر نہیں
تیری ہستی سے ہوئی شانِ حقیقت کی نمود
تیری بعثت سے بڑھی یہ رونقِ بزمِ شہود
وجہِ تخلیقِ دو عالم صاحبِ معراج و نور
تیرا قرآنِ ناسخِ توریت و انجیل و زبور
تجھ پہ عظمت ختم ہے ، تو قیرِ عظمت ختم ہے
اے شہِ دنیا و دیں تجھ پر نبوت ختم ہے (۲۰۷)
نصیر آرزو

یونہی نہیں بہ حجتِ لولاک میں کہوں
منت پذیر اس کی ہے یہ بزمِ کاف و نون
فی الذات و فی الصفاتِ خدا وہ نہیں شریک
مخلوق کائنات میں سب سے بڑا ہے یوں (۲۰۸)
نظر لکھنوی

تقابل کیجئے کس سے مقابل ہو نہ جب کوئی
زالی اس کی صورت ہے انوکھی اس کی سیرت ہے (۲۰۹)
نظر لکھنوی

خدا کے بعد عظمت ہے تو عظمت ہے محمدؐ کی
محمدؐ کی قسم سب پر فضیلت ہے محمدؐ کی (۲۱۰)
نصیر آرزو

وصف کیا مجھ سے بیاں ہو شہِ ذیشاں تیرا
خود خدا وندِ دو عالم ہے ثنا خواں تیرا (۲۱۱)
حافظ مظہر الدین

باعثِ ایجادِ عالم ہے ظہورِ مطہرؐ
آیہِ رحمت ، امام المرسلین ، خیرِ لورئ
ان کے نورِ پاک سے روشن ہوئی صبحِ ازل
شانِ رحمت نے جہانِ رنگ و بو چکا دیا (۲۱۲)

حافظ لدھیانوی

اُن کا جمال گلشنِ ہستی کا رنگ و نور آئینہ دارِ حُسنِ بہاراں حضورؐ ہیں (۲۱۳)
حافظ لدھیانوی

خسروِ ارض و سما سیدِ مکی مدنی صاحبِ تاج و لوا سیدِ مکی مدنی (۲۱۴)
حفیظ تائب

کشورِ ہست کے سلطانِ رسولِ عربیؐ
قصہٗ زیت کے عنوانِ رسولِ عربیؐ
کون ہے صاحبِ لولاک لکھا تیرے سوا
سب جہانوں کی ہے تو جانِ رسولِ عربیؐ (۲۱۵)

حفیظ تائب

حُسنِ فطرت، حُسنِ موجودات، حُسنِ کائنات
نورِ ایقان ، نورِ جاں، نورِ بصر، خیرِ البشرؐ
آفتابِ اوج و خوبی ، ماہتابِ برتری
آب و تابِ چہرہٗ شام و سحرِ خیرِ البشرؐ (۲۱۶)
حفیظ تائب

کیا بتائے بشر آپؐ کا مرتبہ، جانتا ہے خدا ہی مقام آپؐ کا
آپؐ کا عشق ایمان کی جان ہے روح دین میں احترام آپؐ کا
آپؐ کو انبیاء کی قیادت ملی آپؐ کو اصفیاء کی سیادت ملی
”سارے نبیوں میں اونچا مقام آپؐ کا سب پہ لازم ہوا احترام آپؐ کا“ (۲۱۷)

شہزاد مجددی

خلق میں کوئی نہیں ہے ان سے بڑھ کر محترم
زینت عرشِ علا میرے نبیؐ کی ذات ہے
حشر تک مخلوق خالق سے جدا ہوگی نہیں
درمیاں میں رابطہ میرے نبیؐ کی ذات ہے (۲۱۸)

اعجاز رحمانی

شہر یارِ جنان آپؐ ہیں رحمتِ دو جہاں آپؐ ہیں
آپؐ کا حکم، حکمِ خدا حق نما، حق نشان آپؐ ہیں
آپؐ روح سفر ہیں حضور ﷺ کارواں، کارواں آپؐ ہیں (۲۱۹)

محمد مسعود اختر

خلقِ ارض و سما کی غایت ہے وہ جو شہکارِ دستِ قدرت ہے (۲۲۰)

محمد مسعود اختر

رُخِ مصطفیٰؐ کی تجلیاں مرے ظرفِ دل میں سائیں کیا
یہ وہ آئینہ ہے جو معتبر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں (۲۲۱)

منور بدایونی

کسی وہم نے صدا دی، کوئی آپؐ کا مماثل
تو یقین پکار اٹھا، کوئی تھانہ ہے نہ ہوگا (۲۲۲)

صبح رحمانی

محمدؐ کا بھلا کیا مرتبہ ہے ! سنو! اس راز کا محرم خدا ہے
محمدؐ منظرِ نورِ الہی کہ نورِ مصطفیٰؐ نورِ خدا ہے (۲۲۳)

تنویر پھول

وجہ تخلیق دو عالم آپ ہیں بے گماں سب سے مقدم آپ ہیں (۲۲۳)

محمد مسعود اختر

نعتِ ازل کا مطلع اول حضورؐ ہیں

نظمِ ابد کا مقطعِ رحمتِ نشان ہیں آپؐ

ہستی کے باغ میں بھی مہک آپ ہی سے ہے

وجہ بہارِ گلشنِ ہر این و آں ہیں آپؐ (۲۲۵)

راجا رشید محمود

نورِ خدا ہے شکلِ محمدؐ میں جلوہ گر آئینہ شاہکار ہے آئینہ ساز کا

کس کو ملا یہ حسنِ شرفِ آپ کے سوا محرم ہے اور کون مشیت کے راز کا

(۲۲۶)

ایاز صدیقی

وہی عنوانِ تخلیقِ جہاں ہے وہی دانائے رازِ کن فکاں ہے

وہی سردارِ جملہ ہادیاں ہے وہی سرخیلِ گل پیغمبراں ہے

بڑے تو اور بھی ہیں اس جہاں میں مگر اتنا بڑا کوئی کہاں ہے (۲۲۷)

اقبال عظیم

سرمایہ کن فکاں محمدؐ

سرخیلِ پیمبراں محمدؐ

نامے کہ بدوں گماں محمدؐ

عنوانِ کتابِ آفرینش

تکمیلِ صحیفہٴ رسالت

ذاتے کہ تمام تر تقدس

(۲۲۸)

اقبال عظیم

جہاں کن فکاں کی ابتدا و انتہا تم ہو

ہوئی ہے جن سے تزئینِ حریمِ دوسرا تم ہو (۲۲۹)

قمریزدانی

کس کی خاطر انعقادِ محفلِ کونین ہے

بزمِ کن کی ابتدا ہے کون؟ احمد مجتبیٰ (۲۳۰)

قمریزدانی

حدیث من را نی قدری الحق سے ہوا ظاہر
ہے نور حق کا مظہر پیکرِ زیبا محمدؐ کا (۲۳۱)

قمریزدانی

بہر سو معنیء لولاک کی جلوہ نمائی ہے
نظر افروز بزمِ کن میں حسنِ مصطفائی ہے (۲۳۲)

قمریزدانی

اول خدا نے نور تمہارا عیاں کیا
اس نور سے بنا یہ زمین و زماں کیا (۲۳۳)
شاہِ حاتم، شیخ ظہور الدین دہلوی
ہو گیا احمدؑ ہی اپنی میمِ مظہر سے احد
اس میں کچھ پردا نہیں ہے نام کا پردا کیا (۲۳۴)

شاہ نصیر

ہے اس بحر میں کوئی در یتیم	کہ ہے جس کی خاطر یہ ناز و نعم
ہے اس جشن میں کوئی سلاطینِ ضرور	کہ ہے دم قدم کا یہ جس کے ظہور
محمدؐ ہے وہ تاجِ دارِ ہدیٰ	مدارِ نبوتِ رسولِ خدا
بشیر و نذیر و رؤف و رحیم	امین و شفیع و حبیب و کریم
وہی ہے شمرِ نخلِ انظار کا	وہی ہے گہرِ بحرِ انوار کا
وہی میہمانِ گرامی ہے یاں	اسی کے لیے ہے یہ بزمِ جہاں
جمالِ الہی کا مظہر ہے وہ	کمالِ خدائی کا منظر ہے وہ
اسی کی بدولت ہے یہ سب نمود	کہاں کا عدم اور کہاں کا وجود (۲۳۵)

اسماعیل میرٹھی

ظہورِ شانِ ربی، سرِ ہستی، آپؐ ہی تو ہیں
کمالِ صنعتِ خلاقِ باری آپؐ ہی تو ہیں (۲۳۶)
خاورِ قریشی

ظلمتِ عالم میں نورِ اولیں آقاؐ کا تھا
پھر سرِ بامِ فلک شمس و قمر روشن ہوئے (۲۳۷)
سجادِ سخن

وجہِ تخلیق جہاں ہے بعثتِ خیر البشر ﷺ
سب زمانوں کے لیے ہے رحمتِ خیر البشر ﷺ (۲۳۸)
سجادِ سخن

انہیں کے واسطے پیدا کیا سارے زمانے کو
انہیں پر ختم فرمایا زمانے کے فسانے کو
سچی بزمِ جہاں محبوب کی عزت بڑھانے کو
سرِ محشرِ خدائی کو بلا بھیجا دکھانے کو
انہیں جب حشر میں دولہا بنانے کا خیال آیا (۲۳۹)
منور بدایونی

تم سا کوئی ہوا ہے نہ ہوگا تمہیں تو ہو
بعد از خدا بزرگ ، وہ تنہا تمہیں تو ہو
محبوبِ کبریا شرِ بطحا تمہیں تو ہو
دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہیں تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہیں تو ہو (۲۴۰)
منور بدایونی

جب صبح، ازل نور سے سرشار ہوئی رحمتِ شہرِ بطحا کی ضیاء بار ہوئی
خوش رنگی فطرت کی قبا اوڑھے ہوئے کونین کی ہر چیز نمودار ہوئی (۲۴۱)
محبوب الہی عطا

سچی ہے محفلِ امکاں برائے خواجہ کل
بنا ہے سارا جہاں سید البشرؐ کے لیے (۲۴۲)
سعید وارثی
جس قدر اعلیٰ و ارفع ہیں محمد مصطفیٰؐ

اس قدر اعلیٰ و ارفع دوسرا کوئی نہیں
ہے وجود کائنات ان کے وجود پاک سے
اس وجود پاک جیسا دوسرا کوئی نہیں (۲۴۳)
آفتاب کریبی

یہ آسمان یہ چاند یہ تارے یہ کائنات
تخلیق سب ہوئے ہیں بدولت حضورؐ کی (۲۴۴)
محمدؐ ظہر کمال

نورِ حق کائنات کا مطلوب پیکرِ عظمتِ دوام آیا (۲۴۵)
محمدؐ ظہر کمال

وہ بشر تو ہیں مگر ان سا بشر کوئی نہیں
اور بھی ہیں تو رسول ان سا تو مگر کوئی نہیں (۲۴۶) ☆

سید حمید الدین احمد
اصل ضیائے شمس و قمر آپؐ ہی تو ہیں
وجہ فروغِ نورِ نظر آپؐ ہی تو ہیں (۲۴۷)

سید حمید الدین احمد
واضح دلیل ذاتِ احد کائنات میں
ملتی ہے آج بھی فقط احمدؐ کی ذات میں (۲۴۸)

سید حمید الدین احمد
کوئی نظیر جس کی نہیں کائنات میں
وہ ایک شاہکارِ خدا آپؐ ہی تو ہیں (۲۴۹) جعفر بلوچ
آپؐ ہیں غایتِ کن فکاں یا نبیؐ
آپؐ سرمتن دیوانِ جاں یا نبیؐ
آپؐ کا فرشِ ہفت آسمان یا نبیؐ
آپؐ کی گردِ رہ، کہکشاں یا نبیؐ
(۲۵۰) جعفر بلوچ

شعور و فکر و قیاس و شمار سے بالا
مرے حضورؐ ہیں ہر اعتبار سے بالا (۲۵۱) قمر وارثی
منظیر ذوالجلال میرے حضورؐ
آپ اپنی مثال میرے حضورؐ
ذرے ذرے میں کائنات کے ہے
جن کا عکس جمال میرے حضورؐ
فیض نور ان کا جاری و ساری
نیر بے زوال میرے حضورؐ (۲۵۲)

حفیظ تائب
جس کی تجلیوں سے دو عالم ہیں تابناک
تائب وہ آفتاب رسالت مآب ہیں (۲۵۳)
حفیظ تائب
الصلوة والسلام اے غایتِ صبحِ ظہور
الصلوة والسلام اے ہستی و امکان کے نور (۲۵۴)
حفیظ تائب
کیا پوچھتے ہو عظمت و رفعت رسولؐ کی
پورا کلامِ پاک ہے مدحت رسولؐ کی (۲۵۵)
عزیز الدین خاکی
محمد مصطفیٰؐ جیسا کوئی آیا نہ آئے گا
شہ ہر دوسرا جیسا کوئی آیا نہ آئے گا (۲۵۶)
عزیز الدین خاکی
تو اصل بنائے خلق ٹھہرا
تو عز و وقار و شانِ عالم
مہکی نہ تھی بوئے خلق جب تک
ویران تھا گلستانِ عالم

جب تک ترے ذکر سے تہی تھی

بے رنگ تھی داستانِ عالم (۲۵۷)

سرو سہارنپوری

وجہ بنائے عالم و آدم صلی اللہ علیہ وسلم

سب سے مؤخر سب پہ مقدم صلی اللہ علیہ وسلم

خاکی و آبی، نوری و تاری، عامی وہ عالم مرشد و ہادی

سب سے معزز سب سے مکرم، صلی اللہ علیہ وسلم (۲۵۸)

سرو سہارنپوری

وجہ تکوین زمین و آسمان ہے ان کی ذات

خلق میں ایسا کوئی کب صاحبِ اکرام ہے (۲۵۹)

نعیم تقویٰ

تمہیں ہو وجہ تکوین دو عالم اے رسول اللہ

تمہیں مبدا ہو آقا نظمِ امکاں کی حقیقت کا (۲۶۰)

نعیم تقویٰ

حق کا وہ آئینہ آپؐ کی ذات ہے

ناز فرما ہے آئینہ گر مصطفیٰؐ (۲۶۱)

نعیم تقویٰ

تخلیق کے وہ باعث، تکمیل کے وہ صاحب

جو کچھ ہے دو عالم میں سب ان کی بدولت ہے (۲۶۲)

اختر لکھنوی

اک فیضِ ازل سے ہے رواں کون و مکاں میں

اس نور کے پیکر کے اجالے ہیں جہاں میں (۲۶۳)

خاطر غزنوی

واحد خدا کی ذات ہے، یکتا حضورؐ ہیں

تخلیق دو جہاں کا خلاصہ حضورؐ ہیں

صدقے میں آپ ہی کے یہ ارض و سما ہیں سب
تخلیق کائنات کا منشا حضورؐ ہیں (۲۶۴)
شیدا جلیپوری
محمدؐ باعثِ تخلیقِ عالم
محمدؐ بانیِ دینِ میں ہیں (۲۶۵)

شیدا جلیپوری
محمدؐ کیا ہیں نورِ لم یزلِ حسنِ حقیقت ہیں
جمالِ کبریا آئینہٴ انوارِ وحدت ہیں (۲۶۶)
شیدا جلیپوری
نورِ محمدؐ دفعِ ظلمت ﷺ
جلوہٴ حقِ انوارِ حقیقت ﷺ (۲۶۷)

شیدا جلیپوری
انہیں کے دمِ قدم سے رقص کرتے ہیں اجالے بھی
بنائے شمعِ آب و گل محمدؐ ہیں محمدؐ ہیں (۲۶۸)
سہیل غازی پوری
حضورؐ ہی سے تو ہے روشنیِ ارض و سما
وہی ہیں منبعِ تابندگیِ ارض و سما (۲۶۹)

سہیل غازی پوری
رتبہٴ مصطفیٰؐ سوچتے سوچتے
سارا عالم تھکا سوچتے سوچتے (۲۷۰)
حیرت الہ آبادی
نورِ احد ہے میم کے پردے میں جلوہ گر
رتبہٴ مرے حضورؐ کا سمجھ گا کیا بشر؟
اہلِ خرد یہ کہنے پہ مجبور ہو گئے
”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“ (۲۷۱)

حیرت الہ آبادی

جب بھی نعت لکھوں گا میں یہ بات لکھوں گا
آپؐ ہی کا صدقہ ہے کائنات لکھوں گا (۲۷۲)

حیرت الہ آبادی

ہوا تخلیق جب عالم تو پہلے مصطفیٰؐ آئے
گواہی آپؐ کی دی سب نے جتنے انبیاء آئے (۲۷۳)

حیرت الہ آبادی

کوئی بہتر ہے تو بہتر سے بھی بہتر تو ہے
سب سے اعلیٰ ہے تری شان رسولِ عربیؐ (۲۷۴)

بیدم وارثی

خلقتِ نورِ محمدؐ کا ہے صدقہ کونین
ورنہ کچھ بھی تو نہ تھا جلوہء پنہاں کے سوا (۲۷۵)

حافظ عبدالغفار حافظ

تخیل سے بالا ہے رفعتِ نبیؐ کی
کہوں جو کچھ اس سے سوا ہیں محمدؐ (۲۷۶)

حافظ عبدالغفار حافظ

باعثِ حسنِ بہارِ کن فکاں
نازشِ صحنِ گلستاں آپؐ ہیں (۲۷۷)

حافظ عبدالغفار حافظ

خلقتِ اولیں ہیں آپؐ ، خاتمِ مرسلین ہیں آپؐ
آئینہء یقین ہیں آپؐ، محفلِ شش جہات میں (۲۷۸)

حافظ عبدالغفار حافظ

گلشنِ کائنات میں، سب سے بڑے وہی تو ہیں
بعدِ خدا حضورؐ کو، دل جو کہے قرار دو
(۲۷۹)

حافظ عبدالغفار حافظ

آتی نہ کائنات عدم سے وجود میں
پڑتی اگر نہ چھوٹ محمدؐ کے نور کی (۲۸۰)

حافظ عبدالغفار حافظ

باغِ عالم میں کوئی بھی انساں ، شاہِ بطحا کا ہم سر نہیں ہے
چاہے کتنا ہی عالی نسب ہو ان کے قد کے برابر نہیں ہے (۲۸۱)

حافظ عبدالغفار حافظ

تری عظمتوں کے بیان میں مری مختصر سی یہ بات ہے
جو ہے تجھ سے کوئی عظیم تر تو وہ اک خدا ہی کی ذات ہے

(۲۸۲) مبارک مونگیری

خدا کے بعد نام آتا ہے ان کا
فضیلت کا یہ قصہ مختصر ہے (۲۸۳)

مبارک مونگیری

محمدؐ سرورِ اولادِ آدمؑ
محمدؐ از ہمہ اعلیٰ و اقدم (۲۸۴)

حکیم روکش اجیری

شافعِ حشر، شاہِ اممؐ گئے وجہِ تخلیق لوح و قلم آگئے

خادمی اجیری (۲۸۵)

خالق نے اپنی ذات کے جملہ صفات سے
سرکارِ دو جہاں کا سراپا بنا دیا (۲۸۶)

خادمی اجیری

نورِ تمام ، رحمتِ یزداں تہیؑ تو ہو
حسنِ ازل بصورتِ انساں تہی تو ہو (۲۸۷)

خادمی اجیری

اے قلم، پہلے لکھ تو، بسم اللہ

بعدہ لا الہ الا اللہ!

بعد احمدؑ کی مدح کرتے ہوئے

کہ وہ دنیا میں ہے خدا کا وزیر

پایا آدم نے ہے اسی سے شرف

تاریخ فرق پیبرانِ سلف

سچ کہ محبوبِ کبریا ہے وہ

خلق میں نائبِ خدا ہے وہ (۲۸۸)

شوق لکھنوی

شش جہت کا فقط مستقر آپؐ ہیں

زندگی کے سفر کا سفر آپؐ ہیں

ذات کے منظروں میں اگر آپؐ ہیں

بعد امکان حدِ نظر آپؐ ہیں

یہ مثالیں بھی ہیں کچھ حقیقت سے کم

جسمِ کونین ہے اور سر آپؐ ہیں (۲۸۹)

جمیل نظر

وہ رونق کون و مکاں

وہ باعثِ خلقِ جہاں

نوعِ بشر کا ترجمان

وہ کلمہ حقِ مبین

وہ رحمۃ اللعالمین (۲۹۰)

منیر سیفی

آپؐ کی کیا مثال دی جائے

آپؐ اپنی مثال والے ہیں (۲۹۱)

مسرور کیفی

وجہِ تخلیقِ زماں پیدا ہوا

نازشِ ہر دو جہاں پیدا ہوا (۲۹۲)

وسیم فاضلی

وجہ تخلیقِ ارض و سما آپ ہیں

ابتدا آپ ہیں انتہا آپ ہیں (۲۹۳)

وسیم فاضلی

دنیا یہ جانتی ہے کہ محبوبِ رب ہیں وہ

سب سے بڑا مقام ہے ان کا خدا کے بعد (۲۹۴)

وسیم فاضلی

منصبِ محبوبیت پر اور فائز کون ہے

محرمِ رازِ حقیقت، درحقیقت آپ ہیں (۲۹۵)

مقبول نقش

مظہرِ حسنِ صفات، صرف محمدؐ کی ذات

آئینہء عکسِ ذات، صرف محمدؐ کی ذات

اور بھی، پیشِ نظر، ہیں کئی پہلو مگر

نورِ رخِ کائنات، صرف محمدؐ کی ذات (۲۹۶)

مقبول نقش

رازِ آشنائے کن فکاں تو واقفِ منشائے حق

کوئی نہیں تیرے سوا تو محرمِ سرِ خدا (۲۹۷)

مقبول نقش

باعثِ عالمِ امکاں ہیں رسولِ عربیؐ

قصہء زیست کا عنوان ہیں رسولِ عربیؐ (۲۹۸)

حامدِ امروہوی

تخلیقِ دو عالم ہے صدقہ مرے آقاؐ کا

بس ایک حقیقت ہے افسانے ہزاروں ہیں (۲۹۹)

حامد امروہوی

باعث کن فکاں مرے آقا رونق دو جہاں مرے آقا

حامد امروہوی (۳۰۰)

جس کے باعث کی گئی تخلیق ساری کائنات

وہ حبیب کبریا ہے صاحب گولاک ہے (۳۰۱)

آفتاب کریمی

خدا کی اولیں تخلیق نور ہے ان کا

ہے کائنات کا سارا نظام ان کے لیے (۳۰۲)

آفتاب کریمی

یہ کون آیا کہ جس کو حاصل کون و مکاں کیے

یہ کون آیا کہ جس کو ہر صدی کا حکمراں کیے

ریاضؔ اس پیکر انوارِ رحمت کی ثنا لکھیے

اسی کی ذاتِ اقدس کو محمد مصطفیٰؐ لکھیے (۳۰۳)

ریاض حسین چودھری

درج بالا تمام اشعار میں ایک ہی مضمون یعنی حقیقتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مختلف

لونی عکس (shades) دکھائی دے رہے ہیں۔ ان اشعار میں نفسِ مضمون کی یکسانیت کے باعث توارداور

تکرار کا عمل بھی محسوس ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات والاصفات کی عظمت و رفعت کا بیان، شعراء کی سر

توڑ کوشش کے باوجود کوئی انفرادی طرز اور نئی اور تازہ کار فکری جہت کا حامل نہیں ہو پاتا ہے۔ اس کے باوجود

ہم تکرار معنوی اور توار و خیال کو سرفقے کے ذیل میں نہیں رکھ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ ہر شاعر نے اپنے

جذبے اور احساس کو کچھ نہ کچھ بدلے ہوئے الفاظ میں ادا کرنے کی سعی کی ہے۔ اس موقع پر ہمیں بے

ساختہ حضرت کعب بن زہیرؓ کا وہ شعر یاد آ گیا جس کو مولانا الطاف حسین حالی نے مقدمہء شعر و شاعری

میں درج کیا ہے۔ حضرت کعب بن زہیرؓ فرماتے ہیں

ما ارانا نقول الامعرا

او معاداً من قولنا مکرورا

(جو کچھ ہم کہتے ہیں یا تو اوروں کے کلام سے مستعار لے کر کہتے ہیں یا اپنے ہی کلام کو بار بار دہراتے ہیں)

حالی لکھتے ہیں:

”عربی میں دو متناقض مثالیں مشہور ہیں ایک یہ ہے کہ اگلے بہت کچھ پچھلوں کے لیے چھوڑ گئے ہیں..... اور دوسری یہ مثل ہے کہ اگلوں نے پچھلوں کے لیے کچھ نہیں چھوڑا..... ان دونوں مثلوں میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ اگلے بہت سی ادھوری باتیں چھوڑ گئے ہیں تاکہ پچھلے اس کو پورا کریں۔ لیکن انہوں نے پچھلوں کے لیے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جس کا نمونہ موجود نہ ہو“ (۳۰۵)

حالی کی بات کی تائید اوپر دی ہوئی شعری کاوشوں کے ذریعے ہو رہی ہے کہ قدماء نے حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفعت و عظمت اور عالم بشری میں آپ کی یکتائی کے جو مضامین باندھے ہیں بعد میں آنے والے شعراء نے تقریباً انہی مضامین کو یا تو کچھ آگے بڑھایا ہے یا صرف ان کا تتبع کیا ہے۔ روایتوں کے پاس نے شعراء کو تقریباً ایک جیسا متن بننے کی طرف مائل کیا۔ یہ اور بات ہے کہ بعض شعراء نے اپنے متن (text) کو دوسرے متون کے مافیہ (content) کی سرحدوں کے نزدیک رہتے ہوئے بھی اپنی شعری آواز کی الگ پہچان کروانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ ایسے شعراء کی کامیابی ان کے بیان کی ندرت اور خیال کی رفعت کی مرہون منت ہے۔ زاویہ فکر اور حسن کارانہ لہجہ بھی بعض شعراء کی انفرادیت کا ضامن بن گیا ہے۔

اگر ہم ساختیاتی مفکر رولاں بارتھ کے تجھائے ہوئے نکتے اور اس کی رائج کردہ اصطلاح ”بین الہمتی رشتے (interexts) کی روشنی میں نعتیہ شاعری کے پیش کردہ نمونوں میں ”بین الہمتی رشتوں“ کا حوالہ دیں تو یہ عین صائب ہوگا کیوں کہ بارتھ کے نزدیک ہر ”متن کئی دوسرے متون کے ساتھ گھلا ملا رہتا ہے“۔ (۳۰۶)

نعتیہ شاعری کے نمونوں میں اخذ و استفادے کا عمل بہت نمایاں ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ موضوع کی وحدت،، روایتوں کی یکسانیت اور جذبہ و احساس کی تقریباً ایک جیسی شدت ہے۔ مقام رسالت کی شاعرانہ تفہیم شعری نمونوں کی قرأت سے اپنا ایک الگ طیف یا spectrum بناتی ہے جس کا واضح عکس ان تمام اشعار کی معنیاتی دھنک میں دیکھا جاسکتا ہے جو پچھلے صفحات کی زینت بنے ہیں۔

☆☆☆

باب سوم:

ماخذ و منابع:

- ۱۔ ارمغان عقیدت، ص ۷۲ ۲۔ نقوش رسول نمبر، ج ۱۰، ص ۳۰۵ ۳۔ عزت بخاری ۴۔ ورثہ، ص ۱۸۸
- ۵۔ نعت کائنات، ص ۱۸۸ ۶۔ ایضاً ص ۱۴۰ ۷۔ ایضاً ص ۱۶۷ ۸۔ ایضاً ص ۱۳۷
- ۹۔ ایضاً ص ۲۳۰ ۱۰۔ ایضاً ص ۲۶۰ ۱۱۔ کلیات میر، دیوان اول، ص ۱۰۶ ۱۲۔ وہی، لمبیں و بی طہ، ص ۱۳۱ ۱۳۔ باوضو آرزو، ص ۱۷ ۱۴۔ اوج نعت نمبر، ج ۲، ص ۱۳۲ ۱۵۔ بیعت، ص ۸۵ ۱۶۔ ایضاً ص ۶۴
- ۱۷۔ قلم انوار، ص ۷۰ ۱۸۔ کھنڈ الوری، ص ۶۴
- ۱۹۔ مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایت، ص ۱۵۳ ۲۰۔ نعت رنگ، اول، ص ۱۵۶ ۲۱۔ تیرا وجود الکتب، ص ۷۷
- ۲۲۔ ایضاً ص ۲۳۔ بوستان، ص ۱۱ ۲۳۔ اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر، ص ۱۲۲
- ۲۵۔ نعت رنگ، اول، ص ۱۵۷ ۲۶۔ ارمغان عقیدت، ص ۱۸۰ ۲۷۔ ایضاً ص ۹ ۲۸۔ ایضاً ص ۵۷
- ۲۹۔ ایضاً ص ۱۹۹ ۳۰۔ ایضاً ص ۱۵۸ ۳۱۔ نقوش رسول نمبر، ج ۱۰، ص ۳۶۲
- ۳۲۔ ارمغان عقیدت، ص ۱۱۲ ۳۳۔ غزلیات فارسی، غالب، ص ۶۹ ۳۴۔ نقوش رسول نمبر، ج ۱۰، ص ۳۵۰
- ۳۵۔ ایضاً ص ۳۰۹ ۳۶۔ قصائد قافی، ص ۹ ۳۷۔ اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر، ص ۱۷۷
- ۳۸۔ ارمغان نعت، ص ۸۸ ۳۹۔ ایضاً ص ۹۹ ۴۰۔ ایضاً ص ۱۵۳
- ۴۱۔ ایضاً ص ۱۱۷ ۴۲۔ نعت کائنات، ص ۱۰۰ ۴۳۔ ایضاً ص ۱۲۲ ۴۴۔ ایضاً ص ۱۲۲
- ۴۵۔ ایضاً ص ۱۲۷ ۴۶۔ ایضاً ص ۱۳۷ ۴۷۔ ایضاً ص ۱۵۰ ۴۸۔ ایضاً ص ۱۶۶
- ۴۹۔ ایضاً ص ۱۷۶ ۵۰۔ ایضاً ص ۱۸۱ ۵۱۔ ایضاً ص ۱۸۱ ۵۲۔ ایضاً ص ۱۸۸
- ۵۳۔ ایضاً ص ۱۸۸ ۵۴۔ ایضاً ص ۲۰۰ ۵۵۔ ایضاً ص ۲۰۰ ۵۶۔ ایضاً ص
- ۲۳۵ ۵۷۔ ایضاً ص ۲۳۵ ۵۸۔ ایضاً ص ۲۴۴ ۵۹۔ باوضو آرزو، ص ۷۷
- ۶۰۔ نعت کائنات، ص ۷۰ ۶۱۔ ایضاً ص ۳۱۷ ۶۲۔ ارمغان نعت، ص ۱۱۸ ۶۳۔ ایضاً ص ۱۷۹
- ۶۴۔ حدائق بخشش، ص ۶۹ ۶۵۔ ارمغان نعت، ص ۱۸۲ ۶۶۔ ایضاً ص ۲۸۹ ۶۷۔ ایضاً ص ۲۹۳
- ۶۸۔ ایضاً ص ۳۱۷ ۶۹۔ جواہر النعت، ص ۳۶ ۷۰۔ ایضاً ص ۵۴ ۷۱۔ ایضاً ص
- ۱۵۴ ۷۲۔ ایضاً ص ۱۵۹ ۷۳۔ ایضاً ص ۲۰۹ ۷۴۔ حاضری و حضوری، ص ۲۷
- ۷۵۔ خواتین کی نعتیہ شاعری، ص ۷۱ ۷۶۔ ایضاً ص ۳۴۷ ۷۷۔ ایضاً ص ۴۴۴ ۷۸۔ ایضاً ص ۴۴۶
- ۷۹۔ ایضاً ص ۴۷۹ ۸۰۔ اوج نعت نمبر، ج ۲، ص ۱۷۳ ۸۱۔ ایضاً ص ۱۸۴
- ۸۲۔ تذکرہ نعت گو یان بریلی، ص ۲۱ ۸۳۔ ایضاً ص ۲۸ ۸۴۔ ایضاً ص ۶۱
- ۸۵۔ ایضاً ص ۸۰ ۸۶۔ ایضاً ص ۸۵ ۸۷۔ ایضاً ص ۹۸
- ۸۸۔ ایضاً ص ۱۰۰ ۸۹۔ ایضاً ص ۱۱۶ ۹۰۔ ایضاً ص ۱۲۲ ۹۱۔ آراء، ص ۲۵۴

۹۲۔ ایضاً ص ۲۵۶	۹۳۔ لغاتِ نظر ص ۵۱۲	۹۴۔ ایضاً ص ۵۵۳	۹۵۔ تمام ناتمام ص ۳۹۳
۹۶۔ جمالی جہاں فروز ص ۳۳۵	۹۷۔ محرابِ توحید ص ۴۹	۹۸۔ ایضاً ص ۱۰۴	
۹۹۔ ایضاً ص ۹۴	۱۰۰۔ توشہ ہلال ص ۱۲۵	۱۰۱۔ حدائقِ بخشش ص ۷۸	۱۰۲۔ تشیدِ حضور ص ۱۰۳
۱۰۳۔ تہیت ص ۱۰۳	۱۰۴۔ آسمانِ رحمت ص ۲۹۰	۱۰۵۔ شانِ محمد ﷺ ص ۱۰۳	۱۰۶۔ زورِ حرم ص ۲۹۲
۱۰۷۔ ورثہ ص ۴۲	۱۰۸۔ گہائے عقیدت ص ۱۳۴	۱۰۹۔ حرفِ عقیدت ص ۴۵	۱۱۰۔ بصیرت ص ۴۱
۱۱۱۔ ایضاً ص ۲۵	۱۱۲۔ ایضاً ص ۴۷	۱۱۳۔ ورفعا لک ذکرک ص ۱۱۸	۱۱۴۔ ارمغانِ حافظ ص ۱۳۱
۱۱۵۔ ایضاً ص ۶۸	۱۱۶۔ ذکرِ ارفع ص ۴۸	۱۱۷۔ مثنویاتِ شوق ص ۱۸۶	
۱۱۸۔ ایضاً ص ۲۳۴	۱۱۹۔ نقشِ جمال ص ۱۲	۱۲۰۔ مثال ص ۵۰	
۱۲۱۔ کیفِ دوام ص ۱۷	۱۲۲۔ بیتِ مال ص ۱۷	۱۲۳۔ ایضاً ص ۱۵	
۱۲۴۔ ایضاً ص ۴۳	۱۲۵۔ ایضاً ص ۵۳	۱۲۶۔ ایضاً ص ۶۷	
۱۲۷۔ ایضاً ص ۷۷	۱۲۸۔ ایضاً ص ۱۰۲	۱۲۹۔ ایضاً ص ۱۱۸	
۱۳۰۔ اردو کی نعتیہ شاعری ص ۱۷	۱۳۱۔ مجموعہ محمد حسن عسکری ص ۴۱۱	۱۳۲۔ ایضاً ص ۲۲۶	
۱۳۳۔ تذکرہ گلستانِ سخن ص ۸۸	۱۳۴۔ چائی ص ۲۳۳	۱۳۵۔ ارمغانِ عقیدت ص ۱۵	
۱۳۶۔ بوستان ص ۱۱	۱۳۷۔ ارمغانِ عقیدت ص ۵۶	۱۳۸۔ ایضاً ص ۱۲۴	
۱۳۹۔ ایضاً ص ۱۷۹	۱۴۰۔ ایضاً ص ۱۹۷	۱۴۱۔ ایضاً ص ۱۱۳	
۱۴۲۔ ایضاً ص ۱۱۳	۱۴۳۔ ایضاً ص ۱۱۴	۱۴۴۔ قصائد و مثنویاتِ فارسی، غالب ص ۵۹	
۱۴۵۔ دیوانِ شاہ نیاز بریلوی ص ۱۳۴	۱۴۶۔ جاوید نامہ ص ۱۷۹	۱۴۷۔ ارمغانِ جمیل ص ۳۳	
۱۴۸۔ بابِ جبریل ص ۱۶	۱۴۹۔ ایضاً ص ۳۵	۱۵۰۔ ہمدِ اوست ص ۳۲	
۱۵۱۔ تجلیات ص ۱۴	۱۵۲۔ نیرِ عظم ص ۶۲	۱۵۳۔ ایضاً ص ۶۴	
۱۵۴۔ ایضاً ص ۶۵	۱۵۵۔ ایضاً ص ۶۵	۱۵۶۔ ورثہ ص ۵۰	
۱۵۷۔ ارمغانِ جمیل ص ۵۰	۱۵۸۔ ایضاً ص ۵۱	۱۵۹۔ ایضاً ص ۶۱	
۱۶۰۔ ایضاً ص ۶۴	۱۶۱۔ ایضاً ص ۶۵	۱۶۲۔ ایضاً ص ۶۶	
۱۶۳۔ ایضاً ص ۷۳	۱۶۴۔ ایضاً ص ۸۹	۱۶۵۔ نقشِ کعبِ پا ص ۷	
۱۶۶۔ سرمایہٴ تغزل ص ۱۰۷	۱۶۷۔ بابِ جبریل ص ۵۷	۱۶۸۔ مضربِ چاں ص ۹	
۱۶۹۔ نور الہدیٰ محمد ﷺ ص ۸۶	۱۷۰۔ نیرِ عظم ص ۶۲	۱۷۱۔ اقراء ص ۱۰۷	۱۷۲۔ اس طلم بے کراں کا دہریں رو کچھ نہیں (یہ مصرع نعتیہ موضوع کے لیے موزوں نہیں اس لیے حذف کر دیا..... عبدالعزیز خان)
۱۷۳۔ درودانِ پر سلام ان پر ص ۱۲	۱۷۴۔ ایضاً ص ۱۳۰	۱۷۵۔ ایضاً ص ۱۷۸	۱۷۶۔ جمالی جہاں فروز ص ۳۳۵
۱۷۷۔ ایضاً ص ۲۰۸	۱۷۸۔ ایضاً ص ۲۲۳	۱۷۹۔ ایضاً ص ۲۵۲	
۱۷۹۔ محرابِ توحید ص ۷۳	۱۸۰۔ ایضاً ص ۹۱	۱۸۱۔ ایضاً ص ۱۰۷	۱۸۲۔ ایضاً ص ۱۱۹

۱۸۳۔ ایضاً ص ۱۵۰	۱۸۴۔ مٹھنا، ص ۹	۱۸۵۔ خلدی نعت، ص ۶۹	۱۸۶۔ ایضاً ص ۶۹
۱۸۷۔ ایضاً ص ۹۱	۱۸۸۔ ایضاً ص ۹۴	۱۸۹۔ ایضاً ص ۹۶	۱۹۰۔ ایضاً ص ۱۰۳
۱۹۱۔ روشنی ہی روشنی، ص ۵۱	۱۹۲۔ ایضاً ص ۵۱	۱۹۳۔ ایضاً ص ۶۷	۱۹۴۔ اساس، ص ۶۵
۱۹۵۔ ایضاً ص ۶۷	۱۹۶۔ ایضاً ص ۴۷	۱۹۷۔ توشہ ہلال، ص ۴۱	۱۹۸۔ ایضاً ص ۱۰۲
۱۹۹۔ ایضاً ص ۱۱۱	۲۰۰۔ ایضاً ص ۱۴۹	۲۰۱۔ عکس خورشید، ص ۶۱	۲۰۲۔ ایضاً ص ۵۰
۲۰۳۔ ایضاً ص ۵۱	۲۰۴۔ ساز حجاز، ص ۷۱	۲۰۵۔ ایضاً ص ۶۱	۲۰۶۔ ایضاً ص ۶۲
۲۰۷۔ شہر یا راز و جس، ص ۲۶	۲۰۸۔ لمحاتِ نظر، ص ۵۰	۲۰۹۔ ایضاً ص ۵۵۱	۲۱۰۔ نورِ چرا، ص ۸۵
۲۱۱۔ بابِ جبریل، ص ۲۹	۲۱۲۔ شہدِ حضور، ص ۸۲	۲۱۳۔ ایضاً ص ۱۴۶	۲۱۴۔ طاقِ حرم، ص ۳۶
۲۱۵۔ ایضاً ص ۴۷	۲۱۶۔ ایضاً ص ۹۵	۲۱۷۔ تحیت، ص ۱۲۵	۲۱۸۔ آسمانِ رحمت، ص ۲۷
۲۱۹۔ صلواتِ علی الحبيب ﷺ، ص ۵۵	۲۲۰۔ ایضاً ص ۸۱	۲۲۱۔ کلیاتِ منور، ص ۱۶۹	
۲۲۲۔ جادۂ رحمت، ص ۴۲	۲۲۳۔ انوارِ حرم، ص ۹۶	۲۲۴۔ ایضاً ص ۱۵۱	۲۲۵۔ حدیثِ شوق، ص ۴۹
۲۲۶۔ ثنائے محمد ﷺ، ص ۲۰	۲۲۷۔ زبورِ حرم، ص ۲۳۳	۲۲۸۔ ایضاً ص ۸۸	
۲۲۹۔ مہرِ درخشاں، ص ۱۸۶	۲۳۰۔ ایضاً ص ۱۶۴	۲۳۱۔ ایضاً ص ۹۹	۲۳۲۔ ایضاً ص ۲۰۲
۲۳۳۔ شاہِ حاتم، ص ۶۶	۲۳۴۔ کلیاتِ شاہِ نصیر، ج: اول، ص ۱۴۵	۲۳۵۔ کلیاتِ اسلمیل میرخی، ص ۲۴	
۲۳۶۔ دیوارِ شب، ص ۲۳	۲۳۷۔ حاضری و حضوری، ص ۵۴	۲۳۸۔ ایضاً ص ۲۹	
۲۳۹۔ کلیاتِ منور، ص ۱۸۷	۲۴۰۔ ایضاً ص ۴۳۴	۲۴۱۔ چرخِ طلسم، ص ۱۹۹	۲۴۲۔ ورثہ، ص ۵۷
۲۴۳۔ قالبِ توسین، ص ۱۰۹	۲۴۴۔ حرفِ عقیدت، ص ۴۹	۲۴۵۔ ایضاً ص ۶۲	۲۴۶۔ گہائے عقیدت، ص ۸۰
۲۴۷۔ ایضاً ص ۸۰	۲۴۸۔ ایضاً ص ۹۲	۲۴۹۔ بیت، ص ۵۰	۲۵۰۔ ایضاً ص ۶۹
۲۵۱۔ شمسِ الضحیٰ، ص ۳۹	۲۵۲۔ وہی بسملیں وہی طُح، ص ۱۰۹	۲۵۳۔ ایضاً ص ۱۱۰	۲۵۴۔ ایضاً ص ۱۱۷
۲۵۵۔ ذکرِ صلواتِ علی، ص ۳۵	۲۵۶۔ ایضاً ص ۷۷	۲۵۷۔ زخمِ دل، ص ۹۵	۲۵۸۔ ایضاً ص ۹۸
۲۵۹۔ بصیرت، ص ۷۲	۲۶۰۔ ایضاً ص ۷۴	۲۶۱۔ ایضاً ص ۵۷	۲۶۲۔ سرِ کا ﷺ، ص ۸۷
۲۶۳۔ سلسلہ انوارِ کا، ص ۵۱	۲۶۴۔ زادِ راہ، ص ۴۱	۲۶۵۔ ایضاً ص ۶۰	۲۶۶۔ ایضاً ص ۷۷
۲۶۷۔ ایضاً ص ۸۳	۲۶۸۔ حمد و نعت، ص ۵۹	۲۶۹۔ ایضاً ص ۶۶	۲۷۰۔ منارۂ نور، ص ۵۳
۲۷۱۔ ایضاً ص ۵۴	۲۷۲۔ ایضاً ص ۷۷	۲۷۳۔ ایضاً ص ۸۹	۲۷۴۔ دیوانِ بیدم، ص ۲۷
۲۷۵۔ ارمغانِ حافظ، ص ۴۳	۲۷۶۔ ایضاً ص ۵۳	۲۷۷۔ ایضاً ص ۶۹	۲۷۸۔ ایضاً ص ۷۷
۲۷۹۔ ایضاً ص ۷۸	۲۸۰۔ ایضاً ص ۸۹	۲۸۱۔ ایضاً ص ۱۲۷	۲۸۲۔ ذکرِ ارفع، ص ۵۲
۲۸۳۔ ایضاً ص ۵۴	۲۸۴۔ فیضانِ نظر، ص ۲۳۶	۲۸۵۔ کھیت و نور، ص ۳۸	۲۸۶۔ ایضاً ص ۴۱
۲۸۷۔ ایضاً ص ۶۵	۲۸۸۔ مثنویاتِ شوق، ص ۱۶۱	۲۸۹۔ ایقان، ص ۳۷	۲۹۰۔ مثنیٰ، ص ۲۲
۲۹۱۔ نقشِ جمال، ص ۱۸	۲۹۲۔ روشنی کا سفر، ص ۷۹	۲۹۳۔ ایضاً ص ۱۳۹	۲۹۴۔ ایضاً ص ۱۴۰

- ۲۹۵۔ حرفِ ثبات، ص ۶۴ ۲۹۶۔ ایضاً ص ۷۰ ۲۹۷۔ ایضاً ص ۱۲۳ ۲۹۸۔ جو نیا پرکشش، ص ۴۶
۲۹۹۔ ایضاً ص ۱۱۰ ۳۰۰۔ ایضاً ص ۱۷۸ ۳۰۱۔ مدوحِ خلاق، ص ۴۷ ۳۰۲۔ ایضاً ص ۱۱۴
۳۰۳۔ کنگولِ آرزو، ص ۳۹ ۳۰۴۔ مقدمہء شعر و شاعری، ص ۱۳۹ ۳۰۵۔ ایضاً ص ۱۴۰
۳۰۶۔ ساختیات، پس ساختیات اور شرقی شعریات، ص ۱۷۵

☆☆☆

باب چہارم:

نعتیہ مجموعوں اور دواوین میں دیباچوں، تقاریر
اور مقدمات کی صورت میں تنقیدی عمل کا جائزہ:

۱۔ کتب نعت میں دیباچوں اور تقاریر کا تنقیدی معیار:

مختلف ادوار میں محققین نے نعتیہ کتب کی فہرستیں تیار کی ہیں جن میں ہزاروں کتب کی طباعت کا ذکر ملتا ہے۔ پاکستان میں نعتیہ شاعری پر مشتمل کتابوں کے کوائف حفیظ تائب، راجا رشید محمود، غوث میاں، چودھری محمد یوسف ورک قادری اور محمد طاہر قریشی نے یکجا کیے ہیں۔ مؤخر الذکر دو حضرات نے دو کتب خانوں کے نعتیہ شعری خزائن کا ذکر کیا ہے۔ ایک نعت لائبریری شاہدرہ، لاہور، اور دوسرا نعت ریسرچ سینٹر کراچی۔ ان فہرستوں میں چودھری محمد یوسف ورک قادری نے شائع شدہ نعتیہ شعری کتب کی فہرست بنائی ہے جن کی تعداد فہرست کی طباعت کے وقت تک ۱۶۰۶ تھی۔ میرے پیش نظر اس فہرست کا نقش ثانی ہے جس کی اشاعت اکتوبر ۲۰۰۶ء میں عمل میں آئی تھی۔ اس فہرست میں کتب خانے میں موجود اور کتب خانے کو مطلوب کتب کو شامل کر لیا گیا ہے۔ (۱)

محمد طاہر قریشی کی ”فہرست کتب خانہ نعت ریسرچ سینٹر“ صرف ایک کتب خانے میں موجود کتب کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس فہرست میں ۱۳۴۸ کتب کا اندراج ملتا ہے۔ یہ فہرست پہلی مرتبہ ۲۰۰۹ء میں شائع کی گئی تھی۔ (۲)

بقیہ حضرات کی فراہم کردہ تفصیل ان دونوں کاموں سے پہلے منظر عام پر آ گئی تھی اس لیے اس میں نعتیہ شعری سرمائے کی کمیت ان فہرستوں کی اشاعت کے سن تک ہی محدود رہی اس لیے مؤخر الذکر دونوں فہرستوں ہی کو معیار بنا کر تعداد کتب کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے ان فہرستوں میں نعتیہ سرمائے کا معتد بہ حصہ چھوٹ گیا ہوگا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ بعد میں بھی بہت سی کتب منظر عام پر آئی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نعتیہ شعری سرمائے کا بہت سا حصہ ہندوستانی کتب خانوں میں محفوظ ہوگا جس تک ہمارے تحقیق نگاروں کی رسائی ممکن نہ تھی۔ علاوہ ازیں پاکستان میں بھی ہر شہر، ہر قریے اور ہر صوبے

میں نعتیہ کتب چھپ رہی ہیں لیکن سب کتب تک رسائی حاصل ہونا کسی ایسے فرد کے بس کی بات نہیں ہے جو اپنے ذوق کتب شکاری سے سرشار ہو کر انفرادی طور پر کام کر رہا ہو۔

فی الحال ہمارا موضوع نعتیہ کتب کی فہرست سازی نہیں ہے۔ لیکن مطبوعہ کتب کی تعداد جاننے سے یہ اندازہ لگانا آسان ہو گیا کہ اس مقالے کے باب چہارم پر قلم اٹھاتے ہوئے ہمیں کتنے دیباچوں، تقاریر اور مقدموں کی ورق گردانی کرنی ہوگی۔ تقریباً ہر کتاب میں کم از کم ایک دیباچہ، تقریر یا مقدمہ تو ہے ہی۔ بہت سی کتب ایسی بھی ہیں جن میں ایک سے زیادہ اہل علم کی تحسینی آراء (appreciative opinions) موجود ہیں۔ ایسی صورت میں مقدموں، دیباچوں یا تقاریر کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ ظاہر ہے وہ ساری کتب نہ تو پڑھی جاسکتی ہیں اور نہ ہی سب کتب کے دیباچوں، تقاریر اور مقدموں کا تجزیاتی مطالعہ کرنا ہمارے بس میں ہوگا۔ اس لیے شروع ہی میں عرض کر دینا ضروری ہے کہ اس باب میں ہمارا طریق کار انتخابی (Selective) ہوگا۔

تجزیاتی مطالعہ شروع کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مقدمہ، دیباچہ اور تقریر کی حدود کا تعین کر لیا جائے تاکہ ان اصطلاحات کے استعمال میں ہمیں الجھن پیش نہ آئے۔

مقدمہ:

مقدمہ کا لفظ ہمارے ہاں کتاب کے جملہ محاسن کی نشاندہی کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے۔ اس لفظ سے یہ بھی متبادر ہوتا ہے کہ یہ لفظ اس تحریر کے لیے مستعمل ہے جو کتاب کے اصل متن کے آغاز سے پہلے کتاب کے بارے میں اختصاراً کچھ معلومات فراہم کرنے کے لیے لکھی جاتی ہے۔ کبھی کبھی یہ مقدمہ خود مصنف لکھتا ہے لیکن زیادہ تر مقدمہ لکھنے کے لیے کسی دوسری معروف شخصیت کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ ہمارے دینی، ادبی اور تاریخی ادب میں مقدمہ کا لفظ بہت استعمال ہوا ہے۔ مقدمہ ابن خلدون تو خود ہی ایک مکمل تصنیف ہے جو تاریخ ابن خلدون سے زیادہ مشہور ہوا اور پڑھا گیا۔ ابن خلدون کے نام سے علامہ اقبال یاد آگئے۔ روزگار فقیر میں لکھا ہے کہ فقیر سید نجم الدین نے علامہ سے عرض کی کہ میں نے انہیں اپنے بیٹے (فقیر وحید الدین) کو تاریخ ابن خلدون پڑھنے کا مشورہ دیا ہے، تو اقبال نے فرمایا:

”پوری کتاب نہیں، صرف مقدمہ“۔ (۳)

دوسری مثال اردو ادب میں ”مقدمہ شعر و شاعری“ کی ہے، جو خواجہ الطاف حسین حالی نے

لکھا اور اردو تنقید کا پہلا شاہکار ثابت ہوا۔

اردو کی ادبی تاریخ میں مولوی عبدالحق (بابائے اردو) نے اتنے مقدمے لکھے کہ ان کی یکجا طباعت ہوئی تو ایک ضخیم کتاب بن گئی جس کا نام ہی ”مقدمات عبدالحق“ رکھا گیا۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے مقدمے کے لیے کچھ لوازم و عناصر کا تذکرہ بھی کیا ہے لیکن مقدمہ ان کے نزدیک ادب کی کوئی مستقل صنف نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”مقدمہ نگاری کی حیثیت کسی مستقل صنفِ ادب کی نہیں ہے۔ کسی زبان کے ادب میں بھی اس کو ادب کی ایک باقاعدہ شاخ نہیں سمجھا گیا ہے کیوں کہ مقدمے تو کسی مصنف یا کسی کتاب کے بارے میں محض تعارف کے طور پر لکھے جاتے ہیں۔“ (۴)

مولانا محمد حبیب الرحمن خاں شروانی نے اشارۃً ذکر کیا ہے کہ مقدمہ ”مقدمۃ الجیش“ سے ماخوذ ہے۔ (۵)..... مقدمۃ الجیش لغوی اعتبار سے وہ لشکر ہوتا ہے جو آگے بھیجا جاتا ہے جسے پیشرو لشکر، ہراول فوج بھی کہتے ہیں۔ سپہ سالار کو بھی اسی لیے مقدمۃ الجیش کہتے ہیں کہ اس کی حیثیت فوج میں سردار اور رہنما کی ہوتی ہے۔

اردو لغت بورڈ کی مرتب کردہ لغت میں مقدمہ کے معانی اس طرح لکھے ہیں: مقدمہ [ضم م، فت ق، شد د، بفت، فت م] i. وہ مضمون جو کتاب وغیرہ میں متن سے پہلے فہم مطالب میں آسانی کی غرض سے بطور پیش لفظ بیان کیا جائے، دیاچہ کتاب، عنوان۔ ii. وہ امر جو اصل مقصد سے پہلے تمہیداً ہو، پیش خیمہ۔ iii. وہ بات یا مسئلہ جس کے جانے بغیر زیر نظر بحث سمجھ میں نہ آسکے، وہ امر جس پر زیر بحث موضوع کا سمجھنا سمجھنا منحصر ہو، مبادی..... بقیہ معانی قانونی اصطلاحات کے تحت دیئے گئے ہیں جس میں نالش اور مقدمہ بازی وغیرہ کا حوالہ آتا ہے۔ مقدمہ کے ”ذ“ کو کسرہ کے ساتھ پڑھیں تو معانی یہ ہوں گے: ۱. آگے جانے والا [شخص یا گروہ وغیرہ] خصوصاً لشکر کا وہ حصہ جو آگے بھیج دیا جائے، ہراول دستہ۔ (۶) مقدمہ کی نوعیت کے حوالے سے شروانی صاحب لکھتے ہیں:

”آپ جب کاروبار کے کسی ممتاز مرکز پر گزریں گے تو دیکھیں گے کہ دوکانوں کے سامنے کا ایک حصہ سلیقے اور دل فریب طریقے سے آراستہ سب سے اول دیدہ نواز ہوگا۔ یہ اپنی دل فریبی سے نگاہ کو اپنی جانب متوجہ کرے گا اور متوجہ ہونے پر جب نگاہ تفصیل کی جو یا ہوگی تو وہ بتائے گا کہ آپ کو جو جنس دوکان میں ملے گی وہ کیا ہے، یعنی یہ حال کتاب کے مقدمہ کا ہے کہ وہ آپ کو دل کش طریقے سے بتاتا ہے کہ کتاب میں کیا ہے۔“ (۷)

مقدمہ نگار کے لیے شروانی صاحب نے راست نگاری کی شرط لگائی ہے جو [الف] سلیقہ

اور [ب] تفصیل، کی صورت میں پیش کی جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

”لکھنے میں اس کا سلیقہ ہو کہ دل کش پیرایے میں کیا لکھا جائے اور کیا نہ لکھا جائے، کتاب کا کونسا حصہ نمایاں کیا جائے اور کونسا مخفی رہے، تفصیل ایسی ہو کہ کتاب پڑھنے کے بعد مایوسی نہ ہو بلکہ یہ اعتراف ہو کہ مقدمہ نگار راست نگار تھا۔ اگر مقدمہ نگار مطالب کتاب میں ترقی پیدا کر سکے اور پڑھنے والوں کے لیے مناسب موقع مزید معلومات بہم پہنچائے، اس طرح کہ یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کتاب پڑھوار ہے تو اس کو کمال مقدمہ نگاری ماننا چاہیے۔“ (۸)

تقریب: [فت، س، ق، ی، مع] کے لغوی معنی ہیں [i] مصنف کے علاوہ کسی اور کا کسی کتاب یا مضمون وغیرہ پر اپنی رائے ظاہر کرنا [عام طور پر تعریفی اور تائیدی رائے] جو کتاب کے آغاز یا اختتام میں شامل ہو۔ [ii] تعریف، زندگی کی تعریف، ساتھی یا دوست کی تعریف [خواہ راست ہو خواہ دروغ]۔ [iii] داد دینا، سراہنا۔ (۹)

دیباچہ: [ی، مع، فت، ج] [i] وہ تحریر جو کسی کتاب کے شروع میں ہو اور جس میں نفسِ مضمون وغیرہ سے متعلق یا دوسری ضروری باتیں بطور تعارف کتاب کے لکھی گئی ہوں۔ مترادف: مقدمہ کتاب، پیش لفظ، تعارف، تمہید۔ [ii] دیوان کے شروع میں مصنف کا خود تحریر کردہ اشعار کا وہ مجموعہ جو حمد، نعت، مدح یا سبب تالیف وغیرہ پر مشتمل ہو۔ [iii] زمانہ قدیم میں کتابوں کے سرورق کی زیبائش، سرورق پر اس کی خوبصورتی کے لیے بنائے گئے تیل بوٹے۔ [iv] کسی چیز کا پہلا اور لازمی جزو، کسی چیز کے لیے پہلی شرط۔ [v] کسی چیز کا ابتدائی حصہ، ابتدائی دور، پہلا زینہ، تمہید۔ [vi] پیش خیمہ، کسی چیز کے ظہور کی علامت۔ [vii] مجازاً، سب سے پہلا شخص، سب سے پہلی چیز۔ (۱۰)

مقدمہ، تقریب اور دیباچہ، کے الفاظ عموماً ایک دوسرے کے مترادف کے طور پر استعمال ہونے والے الفاظ ہیں۔ غالباً اسی لیے احمد ندیم قاسمی نے لکھا تھا:

”دیباچہ، مقدمہ، تمہید، پیش کلام، پیش لفظ، تعارف وغیرہ کے درمیان کسی قسم کا کوئی فرق، کم سے کم اردو کتابوں کی حد تک روا نہیں رکھا گیا۔ یہ لکھنے والے پر موقوف ہے کہ کتاب یا مصنف کے بارے میں جو کچھ کہنا چاہتا ہے اس کا کیا عنوان رکھتا ہے۔“ (۱۱)

سر دست ہمارا یہ موضوع نہیں، اس لیے صرف اتنا عرض کر کے ہم سلسلہ کلام کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ’مقدمہ‘ کسی تصنیف کے ذاتی تصنیفی تعارف کو کہتے ہیں۔ ’دیباچہ‘ مقدمے سے مختصر ہوتا ہے اور تقریب، محض اشتہار کے طور پر تحسینی کلمات پر مبنی عبارت پر مشتمل ہوتی

ہے۔ ڈاکٹر معین الرحمن کی ایک تحریر کا اقتباس دینے سے ہمارا موقف زیادہ واضح ہو سکتا ہے
 ”مقدمات عبدالحق پر ایک نظر“ کے زیر عنوان، وہ لکھتے ہیں:
 ”مقدمات عبدالحق، تقریظ نگاری کے نمونے نہیں۔ ان سے کسی ادیب یا شاعر کی غیر ضروری تشہیر
 مقصود نہیں۔“ (۱۲)

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر سید معین الرحمن ’مقدمہ‘ کو ’تقریظ‘ سے نہ صرف ممیز
 کرتے ہیں بلکہ اسے مؤخر الذکر سے اعلیٰ چیز جانتے ہیں۔

بائیں ہمہ، اردو کی کتابوں میں ان الفاظ (مقدمہ، دیباچہ، تقریظ) کے استعمال میں اور ایسی
 تحریروں میں جو کسی کتاب کے تعارف کے طور پر لکھی گئی ہوں، کوئی معنوی اور اصولی حد بندی نظر نہیں آتی
 ہے۔ اسی لیے احمد ندیم قاسمی نے عنوان رکھنے کا حق ’لکھنے والے‘ کو سونپ کر، دیباچہ، مقدمہ، تمہید، پیش
 کلام، پیش لفظ اور تعارف وغیرہ کے الفاظ کو مترادفات کے طور پر قبول کر لینے کا جو عندیہ ظاہر کیا ہے اس کو
 تسلیم کر لینے میں کوئی حرج نظر نہیں آتا۔ (۱۳)

اب وہ مرحلہ آ گیا ہے کہ ہم ’کتاب نعت میں دیباچوں اور تقریظ کا تنقیدی معیار‘ جاننے کا
 آغاز کر سکیں۔

☆ ہمارے عہد کے معتبر نعت گو حفیظ تائب کی نعت گوئی پر ”تقدیم“ کے زیر عنوان ڈاکٹر
 خورشید رضوی نے جو تنقیدی رائے دی ہے اس کا تجزیاتی مطالعہ اس باب کی ابتداء کے لیے مناسب
 رہے گا۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر خورشید رضوی کی تحریر مختصر ہے اس لیے میں اسے دیباچے کے ذیل میں
 رکھ کر دیکھتا ہوں۔ ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں:

”صلو علیہ وآلہ“ کی نعتوں میں وہ سارا سلیقہ صرف ہوتا نظر آتا ہے جو جناب حفیظ تائب نے دور
 غزل گوئی میں حاصل کیا تھا۔ کتاب کا اولین قصیدہ ’آیہ نور‘ خاصے کی چیز ہے، جو مولانا حالی کے
 قصیدہ نعتیہ کی زمین میں ہے، جس کا مطلع ہے:

میں بھی ہوں حسن طبع پر مغرور

مجھ سے اٹھیں گے ان کے ناز ضرور

مولانا نے تشبیب کی جگہ تعلی کا طویل ابتدائیہ باندھا ہے (جسے انہوں نے از روئے انکسار، ماضی کے
 ’ہدایات‘ میں شمار کیا ہے) اور پھر گریز کر کے ’نعت سرور‘ جمہور کی طرف آئے ہیں۔ جناب حفیظ
 تائب نے گریز سے گریز کرتے ہوئے ابتداء ہی اصل مدعا سے کی ہے:

جب کیا میں نے قصید نعت حضورؐ

ہوئے یکجا شعور و تحت شعور

پھر نور، حضور، سرور کے قوافی سے گزرتے ہوئے ان کا توسن طبع غزل کی روش پر چل پڑتا ہے مگر موضوع سے بٹے بغیر:

اس کی خدمت میں کچھ برگِ غزل

بہ امید قبول و قرب و حضور

اور اس موجِ خرام سے دور کی ردیف اور یا را اور قرار کے قوافی کی راہ نکالتا ہے:

آب جو کی طرح ہو سرگرداں

نکل آیا ہوں کوہسار سے دور

اک گل حیرت و ملال ہوں میں

مسکرایا ہوں شاخسار سے دور، (۱۴)

ڈاکٹر خورشید رضوی کے اس اندازِ تحسین (appreciation) میں ان کا تنقیدی شعور بھرپور طور

سے جھلک رہا ہے۔ یہاں انہوں نے غزل کے فنی سلیقے کی بات کی ہے جس کی کامل آگاہی نے ان کے مدوح کو نعتیہ شعری دنیا میں وقار بخشا ہے۔ پھر قصیدے کے لوازم کا مکمل ادراک رکھتے ہوئے انہوں نے حفیظ تائب کے قصیدے کا موازنہ خواجہ الطاف حسین حالی کے قصیدے سے کیا ہے اور اس میں بتایا ہے کہ فنی اعتبار سے تائب نے قصیدے کا گریز والا حصہ ابتداء ہی میں حذف کر دیا اور براہِ راست اصل مدعا ان کے قلم کی زبان پر آ گیا ہے۔

قصیدے کے فنی لوازم میں ”تشبہ“، ”گریز“، ”مدح“ اور ”دعا“ (۱۵) کا خاص اہتمام کیا جاتا رہا ہے لیکن نعتیہ قصیدے میں تائب نے نہ تو تشبیب میں بہاریہ انداز اختیار کیا اور نہ ہی انہیں گریز کے مرحلے طے کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ بغیر طول طویل تشبیب کے انہوں نے نعت کہنے کے ارادے کا ذکر کیا اور اللہ تعالیٰ کے لطف اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے کرم کا تذکرہ چھیڑا۔

روح مدوح دستگیر ہوئی

شامل جاں تھا لطفِ رب غفور (۱۶)

تائب کی اس روش کا ذکر ’تقدیم‘ میں اختصار سے کر کے ڈاکٹر خورشید رضوی نے اپنے تنقیدی منہاج اور شعورِ نقد کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ حالی کے قصیدے سے تائب کے قصیدے کا موازنہ کرنے

کا خیال بھی خورشید رضوی کی تنقیدی روش کا حصہ بنا جس سے تائب کے قصیدے میں تعلی کے مرض سے بچنے کا قابل تحسین پہلو بھی سامنے آ گیا۔ دراصل حالی کا قصیدہ تفاخر کے جذبے سے مملو تھا جسے انہوں نے نعتیہ اشعار پر ختم کر کے فخر کے لیے جواز پیدا کرنے کی سعی کی۔ حالی نے لکھا ہے:

”جب تفاخر حد سے زیادہ بڑھ گیا تو دفعۃً اپنی غلطی پر تنبہ ہوا لہذا قصیدے کا خاتمہ نعتیہ اشعار پر کیا گیا تاکہ فخر کے لیے ایک وجہ پیدا ہو جائے“ (۱۷)

حالی کا قصیدہ چھ اشعار پر مشتمل تھا جبکہ حفیظ تائب نے کل انچاس اشعار کہے۔ لیکن حفیظ کے تمام اشعار مدح مصطفیٰ ﷺ میں ہیں جبکہ حالی کے قصیدے میں تفاخر کی تمہید کے اکتالیس اشعار شامل تھے جن کی اپنی کلیات نظم میں موجودگی، خود حالی کو کھٹک رہی تھی اسی لیے انہوں نے نعتیہ قصیدے کے نیچے نوٹ نوٹ دینا ضروری جانا تھا۔

خورشید رضوی نے ایک واقعہ بھی بیان کیا ہے جس سے حفیظ تائب کے شعور نقد پر روشنی پڑتی ہے۔ حافظ افضل فقیر نے تائب کے ایک شعر میں لفظ ”حاصل“ سے بے اطمینانی ظاہر کی تھی۔ کچھ عرصے بعد تائب نے ”حاصل“ کو ”غایت“ سے بدل کر انہیں سنایا اور انہوں نے اتفاق فرمایا کہ واقعی لفظ ”غایت“ ہی وہ غایت تھی جس تک طائر خیال رسائی چاہتا تھا اور پھر کہا:

”مولانا! تمہاری جہتجو کی بھی داد دینی پڑتی ہے“ (۱۸)

ان دونوں اشعار کی خواندگی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صرف ایک لفظ کی تبدیلی سے شعر میں کتنی شعریت پیدا ہو گئی اور معنوی حسن کتنا بڑھ گیا:

وہ کہ ہے سوز و ساز نبض حیات

وہ کہ ہے حاصل سنین و شہور

وہ کہ ہے سوز و ساز نبض حیات

وہ کہ ہے غایت سنین و شہور (۱۹)

اس شعر میں ”حاصل“ کا لفظ تائب کے مدوح حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات والا صفات کو سنین و شہور کی پیداوار ظاہر کر رہا تھا [حاصل کے لغوی معانی کھیتی کی پیداوار ہیں] جبکہ ”غایت“ لغوی معانی، غرض، مقصد، مطلب [کے لفظ نے سنین و شہور] سال و ماہ [کے وجود کو حضور اکرم ﷺ کے وجود باوجود کا صدقہ بنا کر پیش کیا جو حضور اکرم ﷺ کے وجہ وجود کائنات ہونے کی دلیل ہے جس کا ذکر احادیث قدسی میں آیا ہے۔

ڈاکٹر خورشید رضوی نے لکھا ہے:

”تائب صاحب کے نعتیہ کلام کے چند در چند خصائص میں ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے نعت کو بار بار کے دہرائے ہوئے مضامین سے نکال کر اس کے عمق، وسعت اور تنوع میں اضافہ کیا“ (۲۰)

حفیظ تائب کی بعض تراکیب کو سراہتے ہوئے ڈاکٹر خورشید رضوی نے لکھا:

”نادرہ کاری ان کی بعض تراکیب میں بھی نظر آتی ہے، مثلاً اے ہادی دارین، مقدر گر آفاق..... میں ‘مقدر گر آفاق’ کی گہرائی اور بلاغت کو دیکھیے۔ اسی طرح یہ دل نشین شعر ملاحظہ ہو، جس میں ‘روان خیر’ کی ترکیب بطور خاص لائق توجہ ہے:

وہ تاب جاں، سحابِ کرم، انتخابِ حق

وہ شانِ فقر، آں تمدن، روانِ خیر (۲۱)

حفیظ تائب کے کلام میں فنی نکات کی نشاندہی کرتے ہوئے ”تقدیم“ نگار نے درج ذیل شعر

پر جو رائے دی ہے اس سے ان کی آگاہی فن اور تحسین شعر کا تنقیدی سلیقہ مترشح ہے:

باتیں آقا کی سناتا ہے اُحد

اس کے دامانِ صفا میں گم ہوں

ڈاکٹر خورشید رضوی نے لکھا:

”اُحد کے ساتھ لفظ صفا کی مناسبت قابلِ دید اور لائقِ داد ہے کہ ایک طرف کوہ صفا کا ایہام پیدا ہوتا ہے اور دوسری طرف صفا بمعنی مودت و اخلاص کے حوالے سے فرمانِ نبوی اُحد، جبلِ تحسین و نجبہ [اُحد ایسا پہاڑ ہے کہ وہ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں] کی تبلیغ جھلکتی ہے۔“ (۲۲)

معنوی خوبیوں کے یہ نکتے بیان کرنے سے ڈاکٹر خورشید رضوی کا مقصد، حفیظ تائب کے کلام کی تنقیدی سطح پر پسندیدگی کا جواز پیش کرنا ہے۔ اس طرح ان کی لکھی ہوئی تقریظ یا دیباچہ، جسے انہوں نے ”تقدیم“ کا عنوان دیا ہے، ایک ایسی تحریر مانی جائے گی جس میں بلا جواز تحسین نہیں ہے بلکہ دیباچہ نگار کا دعویٰ تنقیدی شعور کا عکاس ہونے کے ساتھ ساتھ بھرپور دلائل سے باوزن بھی بنایا گیا ہے۔ بلاشبہ حفیظ تائب کے کلام میں ایسی معنوی اور فنی خوبیاں ہیں جن سے ان کا شعرِ عقیدت شعریت سے ہم کنار اور شریعت کے بھرپور احترام سے مملو لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر خورشید رضوی کی لکھی ہوئی ”تقدیم“

کتاب کا متوازن تعارف ہی معلوم نہیں ہوتی بلکہ کتاب اور تقریظ نگار کا وقار بھی بڑھاتی ہے۔
☆ ”آپ ﷺ“، حنیف اسعدی کا نعتیہ مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں کچھ تضمینیں بھی
ہیں۔ سحر انصاری کی ایک تعارفی تحریر بعنوان ”آپ ﷺ کی تضمینیں“ اس کتاب کی زینت بنی ہے۔ سحر
انصاری کی تقریظ کے تنقیدی نکات اور ان نکات کی معروضیت جاننے کے لیے ایک اقتباس پیش کیا جاتا
ہے:

”جہاں تک فن تضمین کا تعلق ہے اس پر حنیف اسعدی کو غیر معمولی دسترس حاصل ہے۔ دراصل
تضمین کئی شرائط کا تقاضا کرتی ہے۔ ایک تو اصل کلام جس نوعیت کا ہے اس کی مناسبت سے مصرعے
لگائے جائیں۔ دوسرے اصل کلام کی تشریح بھی ہوتی چلی جائے اور جو رموز اس میں پنہاں ہیں ان
کی تفہیم کا زاویہ بھی نکل آئے۔ ہیئت کے اعتبار سے یہ ساری تضمینیں محض میں لکھی گئی ہیں۔ اس
ہیئت میں تیسرے مصرعے کی بڑی اہمیت ہوتی ہے جو ماسبق دو مصرعوں اور آئینوالے دو مصرعوں کے
مابین ایک محکم ربط پیدا کرتا ہے۔ اس سے تضمین نگار کی فنی گرفت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے
حنیف اسعدی کی تضمینیں ایک تخلیقی شان رکھتی ہیں۔ ان میں شگفتگی بھی ہے، حسن بیان بھی اور فنی
خوبیوں کا لطف بھی..... ختم رومانی کے اس شعر پر تضمین دیکھیے:

خیر ہیں خیر کی آخری حد بھی ہیں

باعث کن بھی ہیں کن کا مقصد بھی ہیں

خود بھی حامد ہیں مدوح سرمد بھی ہیں

”آپ احمد“ بھی ہیں اور محمد“ بھی ہیں

حمد ہے لازمی جزو نام آپ کا“ (۲۳)

سحر انصاری کی تقریظ میں جو فنی نکات بیان کیے گئے ہیں ان کی تصدیق حنیف اسعدی کی
تضمین کے محولہ بالا نمونے سے بھی ہو رہی ہے اور حنیف اسعدی کا دیگر کلام بھی اس رائے کی اصابت
پر دال ہے۔ کچھ مزید شعری نمونے دیکھنے سے اس نکتے کی وضاحت ہو جائے گی۔ مثلاً قدسی کے ایک شعر
کی تضمین ملاحظہ ہو:

”یہی کہتے ہیں زمانے کے بدلتے حالات

نہ طلب ہی کو بقا ہے نہ تمنا کو ثبات

ہے فقط امتِ عاصی کے لیے ایک ہی ذات

”ما ہمہ تشنہ لبانیم وتوئی آب حیات
لطف فرما کہ زحدمی گزرد تشنہ لبی“ (۲۴)
بیدم وارثی کے شعر پر تفسیر عمل دیکھیے:

خوشا کہ مجھ کو بھی نعت نبی کا اذن ملا
نعیب وجد میں ہے، قص میں ہے فکرِ رسا
گلے لگاؤں تجھے اے شعورِ مدح و ثنا
’بلائیں لوں تری اے جذبِ شوق صل علی
کہ آج دامنِ دل کھنچ رہا ہے سوائے رسول‘ (۲۵)

تفسیر کا یہ نمونہ بھی قابل ستائش ہے۔ اس لیے ہم سحر انصاری کی تقریظ کو معتدل تقریظ کے طور پر قبول کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں، حفیظ تائب نے جو فلیپ لکھا ہے وہ بھی فن شناسی اور مقامِ نعت سے آگاہی کا ثبوت فراہم کر رہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”حنیف اسعدی ایک باکمال شاعر ہیں اور نطق و بیان کی جمالیات سے پوری طرح بہرہ مند ہونے کے ساتھ ساتھ مضامین نعت کا ادراک خاص رکھتے ہیں۔ ادب و آگہی کے امتزاج نے انہیں وہ لہجہ جمیل عطا کیا ہے جو ان کا امتیاز ہے وہ روحِ عصر اور ذوقِ جدید کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہیں۔“ (۲۶)

ہمارے خیال میں ان تقریظی تحریروں کو متوازن تقاریظ قرار دیں تو یہ سخن فہمی ہوگی غالب کی طرف داری قطعاً شمار نہیں ہوگی۔

☆ تابش دہلوی کی کتاب ”تقدیس“ کی نعتیہ شاعری پر ”تلاشِ جلوہ حرفِ سپاس“ کے زیر عنوان دیباچہ لکھتے ہوئے ڈاکٹر سید محمد ابو الخیر کشفی نے لکھا:

”تابش کے کلام میں زبان و بیان کی جو رمز شناسی ہے، الفاظ کے بطون میں پہنچ کر معانی کے گہر تلاش کرنے کا جو رجحان ہے، برہنہ گفتاری کی جگہ رمز و ایما سے ان کی جو وابستگی ہے، الفاظ اور مفہیم و جذبات کے درمیان وحدت پیدا کرنے کی جو اہلیت ہے، لفظوں کو ہشت پہلو نگینوں کی صورت جڑنے اور انہیں شمع کی طرح روشن کرنے کی جو قدرت ہے، ان سب کا مقوم و مقدر یہ تھا کہ یہ سب خوبیاں اور قدرتیں، نعتِ سرور کو نین کے سلسلے میں ان کے کام آئیں۔ تابش کے سفینہٴ فن کو آخر ساحلِ محمدی مل گیا..... ہر زندہ چیز کی طرح ہمارے سخن کو بھی اپنی منزل کی تلاش رہتی

ہے۔ (۲۷)

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی، کی درج بالا رائے کو ہم ”تاثراتی تنقید“ کہہ سکتے ہیں۔ تاثراتی تنقید میں لطافتِ احساس کی وجہ سے کچھ تخلیقی شان پیدا ہو جاتی ہے اور بعض اوقات یہ تنقید تحسین محض بن کر رہ جاتی ہے۔ لیکن ڈاکٹر کشفی نے ”تقدیس“ کی قرأت کے بعد جو تاثر قائم کیا ہے وہ نثری تحسین پر مبنی نہیں ہے کیوں کہ ان کا دعویٰ، تابشِ دہلوی کے کلام میں پائی جانے والی خوبیوں کی قوی دلیل بھی رکھتا ہے۔ خود ڈاکٹر کشفی نے ”تقدیس“ میں شامل کلام سے شاعری کے جو نمونے پیش کیے ہیں وہ اچھے شعری نمونے ہیں، مثلاً

محورِ ہستی فقط ذاتِ رسول
دین و دنیا مصطفیٰؐ تا مصطفیٰؐ
نظمِ ہستی میں توازن کے لیے
ساری دنیا اور تنہا مصطفیٰؐ (۲۸)

مؤخر الذکر اشعار پر گفتگو کا سلسلہ دراز کرتے ہوئے کشفی نے ان اشعار کے متن کو ہمارے نعتیہ شعری سرمائے کی روشنی میں بھی دیکھنے کی کوشش کی ہے اور قرآن کریم کی آیات کے تناظر میں بھی انہیں پرکھنے کی سعی کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

”ساری دنیا اور تنہا مصطفیٰؐ، مقامِ نبوی سے آگہی کا اظہار اس قوت سے غالب و اقبال کے بعد مجھے تابش کے ہاں اس طرح نظر آیا ہے:

تیر فضا ہر آئینہ از ترکشِ حق است
لیکن کشودِ آں ز کمانِ محمدؐ است
بمصطفیٰؐؑ برساں خویش را کی دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بو لہی است
(غالب)

آئیے اب ذرا ”دین و دنیا مصطفیٰؐ تا مصطفیٰؐ، اور ساری دنیا اور تنہا مصطفیٰؐ کا مطالعہ قرآن حکیم کی روشنی میں کریں..... سورہ فتح میں سلسلہء کلام یہ ہے کہ وہ اللہ ہی تو ہے جس نے ہدایت اور دین حق کے ساتھ اپنے رسول ﷺ کو بھیجا تا کہ یہ دین تمام ادیان پر غالب آجائے..... اور اس کے فوراً بعد ارشاد ہوتا ہے وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا۔ یعنی اللہ کی گواہی کافی ہے اور اللہ کی شہادت کے بعد ہی فرمایا گیا کہ محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں۔ سورہ سبأ میں ارشاد فرمایا جاتا ہے وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ

بَشِيرًا وَنَذِيرًا۔ اور اے محمدؐ تم کو عالم انسانیت کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ یہی بشارت اور یہی تنذیر نظم ہستی میں توازن کی اساس پر ہے۔ اور وہی ذات محور ہستی ہو سکتی ہے، جس کے لیے فرمایا گیا کہ اللہ رسولؐ پر شاہد ہے اور رسولؐ مومنوں پر شاہد ہیں..... اور یہ شہادت ابدی ہے۔“ (۲۹)

درج بالا اقتباس میں ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کی تنقیدی دانش کا بھرپور اظہار ہوا ہے اور بڑے توازن کے ساتھ تحسین (appreciation) کے اس عمل میں ڈاکٹر کشفی نے شعر کی معنوی ساختوں کو پرت پرت دیکھنے اور معنویت کی لمعات کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ بلاشبہ خیال کی معنوی رفعت نے تابش کے شعروں کو غالب و اقبال کے معنوی قوس میں بھی جگہ دی ہے اور قرآنی فکر کے نورانی ہالے میں بھی داخلے کا موقع فراہم کیا ہے۔ علاوہ ازیں شعری بُت کے سلیقے اور تفکیک الفاظ میں وسیع مضمون کو سمیٹنے کی کامیاب کوشش کے باعث بھی اردو نعتیہ شعری عمل میں تابش کے اشعار نمایاں ہو گئے ہیں۔

☆ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے فدا خالدي دہلوی کے مجموعہ ”نعت“ م۔ ص“ پر اظہار رائے کرتے ہوئے لکھا تھا:

”حمد و نعت کا میدان عقیدت کے اظہار کا ذریعہ تو ہے ہی، اس میں فن کی نزاکت اور نفاست کا احساس بھی قائم رہے تو پھر یہ کلام صرف عام پسند نہیں رہتا، خاص پسند بلکہ خواص پسند ہو جاتا ہے۔ اس مجموعے میں بھی بہت سے اشعار ایسے ہیں جو اپنی فنی مہارت کے اعتبار سے بھی قابل ذکر ہیں۔“ (۳۰)

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی یہ مختصر رائے بھی کلام کی فنی خوبیوں کی نشاندہی کے لیے کافی ہے۔ کیوں کہ، م۔ ص، میں شامل تمام کا تمام کلام شاعری کے کلاسیکل مزاج کا آئینہ دار، عشق نبوی کے شدید جذبے کا عکاس اور بیان کی سادگی و پرکاری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ چند اشعار کی خواندگی سے میرے احساس کو زبان مل سکے گی:

لگی دل کی انہیں آخر مدینے تک اڑا لائی
بھڑک اٹھے تھے جن کے دل وہ پروانے کہاں جاتے
تمہارے نام لیوا ہیں، تمہیں سے حال کہتے ہیں
ہم اپنی داستانِ درد دہرانے کہاں جاتے
تمہاری رہنمائی کا سہارا گر نہیں ملتا

تو یہ بھٹکے ہوئے انسان خدا جانے کہاں جاتے (۳۱)
 اے کاش پہنچ جاؤں درِ سرورِ دیں تک
 ایسا نہ ہو رہ جائے یہ افسانہ یہیں تک
 آنکھوں میں لیے پھرتا ہوں طیبہ کے مناظر
 یہ نور کی دنیا ہے مرے ذوقِ یقین تک (۳۲)
 رخ ہے طرفِ روضہء سرکارِ مدینہ
 جاتا ہے کوئی جانبِ دربارِ مدینہ (۳۳)
 جب سے فدا ہوئے ہیں سرکارِ دو جہاں پر
 آزاد ہو گئے ہیں دنیا کی برہمی سے (۳۴)
 ہے کیسا سلیقے کا میخانہ محمدؐ کا
 بہکا نہ کبھی پی کر مستانہ محمدؐ کا (۳۵)

فدا خالدي کی کتاب ”م۔ص“ میں نعتیہ غزلیں، نعتیہ رباعیات، نعتیہ پابند نظمیں، نعتیہ قصیدہ، نعتیہ مسدس جیسی اصنافِ سخن کی موجودگی اس بات کی بین دلیل ہے کہ شاعر کا مزاج اردو کی کلاسیکی شعری اصناف سے بھرپور مناسبت رکھتا ہے۔ اسی ضمن میں ڈاکٹر ارشاد الحق قدوسی کی رائے بھی دیکھیے:

”ان (فدا خالدي دہلوی) کے مجموعے کے مطالعے سے نہ صرف ان کے زبان و بیان کی شائستگی، قدرت اور غیر معمولی حسن کا اندازہ کیا جاسکتا ہے بلکہ ان کے خیال کی لطافت اور بلاغت کا باکپن اور جمال دلوں میں اللہ کے رسول ﷺ کے لیے شیفنگی کا جذبہ پیدا کر کے محبت اور سرشاری کی وہ کیفیت بیدار کرتا ہے کہ انسان دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہو جاتا ہے اس کا دل عشقِ رسول ﷺ کی بے تابی کا محور بن جاتا ہے۔ جناب فدا خالدي دہلوی، حضرت یحیٰ و دہلوی کے شاگرد ہیں اس لیے زبان و بیان پر انہیں مہارتِ تامہ اور قدرتِ کاملہ حاصل ہے۔ جہاں وہ دیگر اصناف، نظم، غزل، رباعی وغیرہ میں اپنی عظمتِ فن کا لوہا منوا چکے ہیں ان کا زیرِ نظر مجموعہ ”نعت“ ”م۔ص“ ان کی شاعرانہ عظمت اور بنیٰء اکرم ﷺ سے ان کی بے پناہ عقیدت اور محبت کا آئینہ دار اور قابلِ قدر شاہکار ہے۔“ (۳۶)

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اور ڈاکٹر ارشاد الحق قدوسی کی آراء کی روشنی میں فدا خالدي کے چند اشعار کی خواندگی سے ہی ہمیں شاعر کے کمالِ فن اور جمالی بیان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

درازی شامِ غم کی مختصر ہو

پہنچ جاؤں مدینے تو سحر ہو
 بھٹک سکتا نہیں راہِ وفا میں
 تمہاری یا د جس کی راہبر ہو
 نہ آئیں آپ ، وہ مجھ کو بلائیں
 کوئی تدبیر جینے کی مگر ہو (۳۷)
 آشکارا عظمتِ خیر البشر ہوتی گئی
 رخ جدھر ان کا ہوا دنیا ادھر ہوتی گئی
 رفتہ رفتہ ہر حجابِ درمیاں اٹھتا گیا
 شامِ غم ڈھلتی گئی، پیدا سحر ہوتی گئی (۳۸)
 نام لے کر ان کا گزرا ہر کھن منزل سے میں
 سامنے دیوار جو آئی وہ در ہوتی گئی
 ہر نفس راہِ مدینہ میں سکوں ملتا گیا
 ہر قدم ان کی محبت راہبر ہوتی گئی
 تذکرہ آپ کا گفتگو آپ کی
 زندگی بن گئی آرزو آپ کی
 جتنی سیرت نظر سے گزرتی گئی
 اور بڑھتی گئی جیتو آپ کی (۳۹)

فدا خالدي کے شعر عقیدت کی فنی خوبی، بیان کی صفائی، خیال کی پاکیزگی اور اظہار کی نفاست
 دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ نقادانِ ادب کی جو آراء ہم نے درج کی ہیں وہ بالکل معروضی آراء ہیں۔ ان
 آراء کو پڑھ کر یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ ناقدین نے مردوتا کچھ لکھ دیا ہو۔

☆ وقار صدیقی اجمیری کے مجموعہ نعت ”حرف حرف خوشبو“ پر ”نعت کے نئے افق“ کے زیر
 عنوان، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی، نے لکھا:

”نعت گو شاعر ہر لفظ کو اسی طرح پرکھتا ہے جیسے جوہری ہیرے کو اور پھر ہشت پہلو الفاظ کے ہیروں
 سے نعت کا ہار خلوص کے دھاگے سے پروتا ہے۔ نعت کے الفاظ میں: ۱۔ خلوص، ۲۔ گہری معنویت،
 ۳۔ تہہ داری، ۴۔ عظمت، ۵۔ عشق، ۶۔ فکر، ۷۔ روانی، ۸۔ ایک دوسرے سے ہم آہنگی کا اجتماع

ضروری ہے۔ وقار صدیقی جمیری کے الفاظ میں یہ آٹھوں پہلو مجھے جگمگاتے نظر آئے ہیں۔ وہ ہر لفظ کو امانت اور ودیعتِ عشقِ دوست سمجھتے ہیں۔“ (۴۰)

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشتی کی درج بالا رائے دیکھنے کے بعد جب ہم شاعر کا کلام ملاحظہ کرتے ہیں تو اس کلام کی جملہ خوبیاں ہم پر آشکارا ہوتی ہیں اور نقادِ سخن سے اتفاق کرنے میں ہمیں ذرا تامل نہیں ہوتا۔ چند اشعار بطور حوالہ پیش کیے جاتے ہیں:

نہ فلسفے سے نہ دانشوری سے ملتا ہے
شعورِ زیست، شعائرِ نبیؐ سے ملتا ہے
ہم اس کی مدح میں خود کو بھی فاش کرتے ہیں
وہ آئینے کی طرح ہر کسی سے ملتا ہے
وقارِ نعتِ محمدؐ کا معتبر اسلوب (۴۱)

غورِ فن سے نہیں، عاجزی سے ملتا ہے
اک ایسا آئینہ ہے اسوۂ رسولؐ وقار
میں جس کو دیکھ کے اکثر سنور نے لگتا ہوں (۴۲)

مخاطب ہیں ہم تذکرۂ عشقِ نبیؐ میں
بے مشورۂ دیدہ نم کچھ نہیں لکھتے
ہے پاس جنہیں آبروئے لوح و قلم کا
وہ حمد سے یا نعت سے کم کچھ نہیں لکھتے (۴۳)

اک مشتِ خاک اور حبیبِ خدا بنے
اجرِ اطاعتِ شہِ ابرار دیکھنا
اکسیر ہے یہ دیدہ و دل کے لیے وقار
اوروں کو نیک خود کو گنہگار دیکھنا (۴۴)

بے تاب نظر روئے محمدؐ پہ ٹھہر جائے
ممکن نہیں اللہ تعالیٰ کا تصور
بن سکتا ہے یہ نعت کا شاعر بھی مصور
یک جا ہوا گر حسن کے اجزا کا تصور (۴۵)

ان کا اقرار ہی روح اقرار ہے
 ورنہ ثابت خدا کا بھی انکا ر ہے
 خُلق کے ضابطے سب امر ہو گئے
 اور کیا آدمیت کو درکار ہے
 ان کی نسبت اگر ہے، تو رحمت بنو
 بس یہی ان کی نسبت کا معیار ہے (۴۶)
 میں سمجھتا تھا کہ ہونا ہے نہ ہونا میرا
 اپنے ہونے کی مدینے سے خبر لے آیا
 جو اندھیروں کا تسلط نہیں رہنے دیتی
 حسنِ آفاق میں اک ایسی سحر لے آیا
 اس نے تہذیب کو فطرت سے ہم آہنگ کیا
 اک نیا فلسفہ فکر و نظر لے آیا (۴۷)
 ہو ان کے حوالے سے جو عرفان کی تکمیل
 اک اور ہی دنیا پس دنیا نظر آئے
 ہر حسن کو ہر وصف کو پایا ہے مجسم
 سرکارِ دو عالم ہمیں کیا کیا نظر آئے
 ایسی بھی سحر کاش مرے خواب مجھے دیں
 اک اک سے کہوں میں شہِ والا نظر آئے (۴۸)
 ایمان ہے کیا آپؐ کی نسبت کا حسین نام
 یہ دین ہے کیا آپؐ کے جینے کی ادا ہے
 آتے ہیں وقار اب تو تغزل کو پسینے
 نعتِ شہِ ابرار کا وہ رنگ جما ہے (۴۹)

وقار صدیقی اجیری کے شعری نگار خانے میں وہ تمام رنگ نظر آتے ہیں جو عصرِ حاضر کی نعتیہ شاعری کو دھنک رنگ بنا رہے ہیں۔ ڈاکٹر کشفی کی تنقیدی رائے کی روشنی میں جب ہم درج بالا اشعار کی معنوی سطح کو بظہرِ غائر دیکھتے ہیں تو ہمیں موضوعات کی بوقلمونی اور بیان کی خوبصورتی کا اندازہ ہوتا ہے

اور ڈاکٹر کشفی کی تنقیدی رائے کو ایک متوازن رائے کے طور پر قبول کرنے میں کوئی جھجک باقی نہیں رہتی۔
☆ ”محراب توحید“، امین راحت چغتائی کا نعتیہ مجموعہ ہے جس پر ”پیش گفتار“ کے عنوان سے احمد ندیم قاسمی نے تقریظ لکھی ہے اور ”تاثرات“ کے ذیل میں ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کی رائے ہے۔ اس نعتیہ مجموعے کا مسودہ پڑھ کر، احمد ندیم قاسمی نے لکھا:

”اس مجموعے کا مسودہ پڑھ کر مجھے احساس ہوا کہ اردو نعت مسلسل ترقی پذیر ہے اور مولانا ظفر علی خاں اور حفیظ تائب کی نعتوں کی روشنی میں صنفِ نعت شاہراہ ارتقا پر پورے اعتماد کے ساتھ گامزن ہے۔ ثبوت کے طور پر امین راحت چغتائی کی نعت پیش کی جاسکتی ہے۔ اس نعت میں خود سپردگی اور والہیت اپنی انتہاؤں کو چھو رہی ہیں۔ میں نے جب ان کا ایک شعر پڑھا تو کئی روز تک میں اس کی بلاغت اور اس کی بے کنار سائیکوں کے حسن کا اسیر رہا۔ وہ غیر فانی شعر یہ ہے:

میری بخشش کے دو وسیلے ہیں
ایک تو آپؐ، دوسرا بھی آپؐ

’ایک تو‘ کے الفاظ پڑھنے کے بعد جب دوسرا وسیلہ سامنے آتا ہے تو قاری پر ایک ناقابل بیان اور بے پایاں طلسمی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ان بارہ سیدھے سادے الفاظ میں عقیدت کا ایک ایسا سمندر موجزن ہے جس کا دوسرا کنارہ ناپید ہے۔“ (۵۰)

احمد ندیم قاسمی کا تاثر انتہائی درجہ جذبات سے مغلوب لگتا ہے لیکن شعر کی بلاغت اور معنویت کے پیش نظر ہم ان کے تاثر کو بے جا تعریف کے ذیل میں نہیں بلکہ مثبت اور جائز تحسین کے زمرے میں رکھیں گے۔ امین راحت چغتائی نے اپنے خیال کو اس ڈرامائی کیفیت میں شعری جامہ پہنایا ہے کہ ان کے بیان پر قاری سو جان سے ٹار ہو جائے۔ شاعر کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ حضور میری بخشش کا صرف اور صرف آپ ہی کی ذات ایک سہارا ہے۔ لیکن اس نے اپنے بیان میں ندرت پیدا کرنے کے لیے ایسا ظاہر کیا کہ پہلے پہل تو ”آپؐ“ کی طرف اشارہ کیا..... پھر سوچا کہ دوسہاروں میں دوسرا کونسا ہے؟ تو اس کی فکر دوسرا سہارا ڈھونڈنے میں ناکام ہو گئی کیوں کہ محشر میں تو صرف حضور اکرم ﷺ کی شفاعت ہی سے امت بخشی جائے گی، چنانچہ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا کہ ”دوسرا بھی آپؐ“۔ زیرِ تبصرہ شعر میں بیان کی بے ساختگی نے جو لطف بیان پیدا کیا ہے اس کا جواب نہیں!

احمد ندیم قاسمی نے امین راحت چغتائی کے شعر عقیدت کی تحسین کے ہنگام، اپنے تاریخی شعور کو بیدار رکھا ہے اور اسی لیے وہ بڑے اعتماد سے کہتے ہیں:

”اسی طرح جب امین راحت چغتائی یہ کہتے ہیں تو اردو شاعری کی گزشتہ تین صدیوں کی روایات کو جگمگا دیتے ہیں:

تو مری زندگی کا حاصل ہے

دیکھ کر تجھ کو اب کدھر دیکھوں“ (۵۱)

احمد ندیم قاسمی نے نعت نگاری کے ضمن میں اپنی سوچ کو بھی منعکس کیا ہے اور یقیناً بڑے پتے

کی بات کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

”نعت نگاری کے حوالے سے میرا ایک نقطہ نظر ہے جس سے اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ مگر میرے اس نقطہ نظر میں میرا یہ یقین موجود ہے کہ جن شعراء نے تمیں چالیس برس تک معیاری اردو غزل اور نظم کہی ہو، اور جنہوں نے ولی، میر، سودا، مصحفی، آتش، مومن، غالب، حالی، اقبال، فراق اور یگانہ کے حسن اظہار کو اپنے خون میں کھپا لیا ہو، وہ جب نعت کہنے پر آتے ہیں تو نعت نگاری کا حق ادا کر دیتے ہیں اور اس معیار کے شعر کہنے پر حاوی ہو جاتے ہیں:

وہ سن رہے ہیں جنبش لب کے بغیر بھی

میں کہہ رہا ہوں جو بھی مری چشم تر میں ہے“ (۵۲)

احمد ندیم قاسمی نے شعر کی حساس کائنات کو مسخر کرنے کا جوتا ریخی تجربہ نقل کیا ہے اس سے اختلاف کی گنجائش نکلنا مشکل ہے کیوں کہ شاعری کی دنیا میں قدم رکھنے کے ابتدائی دس بیس سال تو محض مشق سخن کی نذر ہو جاتے ہیں اور جب شاعر لفظوں کی حساسیت، بیان کی نزاکت اور شاعری کے کچھ لوازم سے آگاہ ہو کر شعر کہنے کی کوشش کرتا ہے تب اسے یہ ملکہ حاصل ہونے کا امکان پیدا ہوتا ہے کہ وہ ایسی بات کہہ سکے کہ سامع یا قاری اسے ”اپنے دل کی آواز“ سمجھنے پر مجبور ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ”چشم تر“ کے حوالے سے کہے جانے والے ہزاروں نعتیہ اشعار میں، امین راحت چغتائی کا درج بالا شعر، ایک منفرد لہجے کا شعر لگتا ہے اور اس کی تعریف بجا طور پر ہر با ذوق قاری کی تعریف لگتی ہے۔

☆ کلیم احمد عاجز ایک معروف شاعر ہیں۔ ساتھ ہی شعری نزاکتوں سے آگاہی اور اس کے اظہار نے انہیں تنقید کا سلیقہ بھی عطا کر دیا ہے اس لیے ان کی تنقیدی رائے بھی ان کے شعر کی طرح ان کے احساسات کا فطری اظہار معلوم ہوتی ہے۔ ماجد خلیل کے شعری مجموعے ”روشنی ہی روشنی“ پر ”ایک معتبر شاعر“ کے زیر عنوان دیباچہ، تقریظ یا مقدمہ [جو نام بھی دیا جاسکے] لکھتے ہوئے کلیم عاجز نے بڑے پتے کی بات کی ہے، وہ کہتے ہیں:

”بقول انگریزی نقاد، ’کولرج‘ کہ ’شاعری یہ نہیں کہ کیا کہا گیا ہے، شاعری یہ ہے کہ کیسے کہا گیا ہے۔ میں نے اس قول کو بہت فراخ دلی سے جانچا پرکھا اور تجربے نے یہی کہا کہ بات سچ ہے۔ اگر صرف اونچی بات ہی شاعری کہلاتی تو اونچی باتیں تو تھوڑی ہی ہیں۔ زندگی کی حقیقتیں اور سچائیاں تو شمار میں آسکتی ہیں لیکن اچھی شاعری کا شمار مشکل ہے۔ تو اچھی شاعری جو کہ کی گئی ہے وہ دراصل یہی ہے کہ کسی کہنے والے نے کسی انوکھے ڈھنگ سے کہہ دی تو کہی ہوئی بات بھی نئی ہوگئی۔ ماجد صاحب کے کہنے کا ڈھنگ یہی ہے۔ ڈھنگ اگر نقل ہو تو بات اور فرسودہ ہو جاتی ہے۔ ڈھنگ اگر تازہ ہو تو پرانی بات بھی نئی ہو جاتی ہے۔ شاعری کی اس حقیقت کو فراموش کر دیجیے تو معیاری باتیں چند ہی رہ جائیں گی۔ لیکن ہماری اردو شاعری اور فارسی شاعری میں معیاری باتیں بہت ہیں اور ان کا معیاری ہونا باتوں کی نوعیت پر نہیں بلکہ لکھنے کی انفرادی نوعیت پر ہے۔ یہ باتیں تسلیم شدہ ہیں اس لیے ان کی وضاحت اور دلائل کی ضرورت نہیں۔ ماجد صاحب کے یہاں بھی کہنے کا انفرادی ڈھنگ و آہنگ ہے۔ جس نے ان کی شاعری کو پسندیدہ، دلکش اور دل پسند بنا دیا ہے۔“ (۵۳)

کلم عآجز نے ماجد خلیل کا کوئی شعر نقل نہیں کیا، لیکن ان کے بیان کی روشنی میں ماجد خلیل کے کلام کو دیکھتے تو کلم عآجز کی نکتہ رسی کی داد دینی پڑتی ہے۔ واقعی ماجد خلیل نے بہت سے پرانے مضامین کو بیان کی تازگی سے نیا بنا دیا ہے۔ مثلاً

ایک وہ شب تھی کہ ہونا پڑا دلیز بدر
ایک یہ دن ہے کہ دنیا تری دلیز پہ ہے
لفظ ہے کا ہے سزوار یقیناً جب تک
کرہ ارض کا ماتھا تری دلیز پہ ہے
جب بھی تڑپا ہے حضوری کی طلب میں ماجد
دیکھنے والوں نے دیکھا تری دلیز پہ ہے (۵۴)
سبز گنبد سنہری جالی کو
اور ترسیں کے چشم و لب کب تک
عقل، دل، روح جسم و فکر و نظر
دیکھو ہوتے ہیں ان کے سب کب تک (۵۵)

درج بالا اشعار میں بیان کی ندرت نے نعتیہ شاعری کے مروجہ مضامین کو نیا بنا دیا ہے۔ یہی

وجہ ہے کہ کلیم عاجز کی تنقیدی رائے سے نہ صرف اتفاق کرنے کو جی چاہتا ہے بلکہ ان کی نکتہ رسی کی داد بھی دینی پڑتی ہے۔

☆ حافظ مظہر الدین کو بجا طور پر ”حسان العصر“ کے خطاب سے نوازا جاتا رہا ہے۔ ان کا کلام اردو نعتیہ شاعری کی آبرو ہے۔ میرے سامنے ان کے تین مجموعے ہیں ”تجلیات“ [۱۹۶۹ء، طبع چہارم ۲۰۰۹ء] ”جلوہ گاہ“ [۱۹۷۴ء، طبع دوم ۲۰۰۹ء] اور ”باب جبریل“ [۱۹۷۸ء، طبع دوم ۲۰۰۹ء]۔

”جلوہ گاہ“ کے دیباچے بعنوان ”سجدہ قلم“ میں احسان دانش لکھتے ہیں:

”حافظ مظہر الدین صاحب کے یہاں حضورؐ کی زندگی کے ہر پہلو اور اپنے عجز کے بیشتر پہلوؤں پر خیالات و احساسات کی تصویریں ملتی ہیں، جن میں ادب بھی ہے اور احترام بھی، عشق بھی ہے اور سوز عشق بھی۔ میں نے پاکستان میں بہت کم لوگ حافظ مظہر الدین صاحب جیسے رفیق القلب اور عاشق رسولؐ دیکھے ہیں اور دیکھا جائے تو نعت کا حق عاشق رسولؐ ہی کو پہنچتا ہے اور وہی کلام دلوں میں گداز اور پلکوں پر بادلہ لگاتا ہے۔ میں نے کئی بسیار گوار و دونویں شعراء کو دیکھا ہے کہ فنی طور پر تو ان کے کلام میں کوئی نقص نہیں ہوتا لیکن تاثر کا دور دور تک پہنچ نہیں لگتا۔ قاری کا جسم بھی پیاسا رہتا ہے اور روح بھی کیوں کہ شعر تو ایک فطری ابلاغ کا ذریعہ ہے اگر وہ موزونی طبع اور مہارت عروض کے علاوہ زود گوئی کے بل پر کہا گیا ہے تو تاثرات کے اعتبار سے دیوالیہ اور جذب کے لحاظ سے ٹھس ہوتا ہے اور کھر اسکہ نہیں کہلا سکتا۔“ (۵۶)

حافظ مظہر الدین کے نعتیہ مجموعے ”تجلیات“ کا دیباچہ [اسی عنوان سے] محمد ایوب صاحب نے لکھا تھا۔ وہ رقم طراز ہیں:

”دنیاۓ شعر و شاعری میں نعت کو بعض نادان مدِ فاضل تصور کرتے ہیں اور اس لیے ان کے نزدیک نعت کے لیے فنی قواعد و محاسن کا لحاظ ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ یہ طرزِ عمل نہ صرف فن کی توہین و تخریب کے مترادف ہے بلکہ خود نعت کی عظمت و پاکیزگی کے پیش نظر ایک طرح کی بے ادبی و گستاخی ہے۔ محبوب کے حضور ہر پیش کش حسین و متوازن انداز میں پیش کی جانی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ فن کا منصب تحسین و ترمین ہی ہے۔ حافظ صاحب کی نعتیں الحمد للہ فنی اعتبار سے بھی بے داغ، حسین اور مزین ہوتی ہیں۔“ (۵۷)

حافظ مظہر الدین کی تیسری کتاب ”باب جبریل“ کا ”پیش لفظ“ پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ، الازہری، نے لکھا تھا۔ وہ فرماتے ہیں:

”نعت کی اپنی مخصوص زبان ہے اور اس کی فصاحت و بلاغت کا اپنا معیار ہے اور وہ ہے ”جذبہ عشق“۔ ایک سادہ سا جملہ اگر سوز عشق سے لبریز ہے تو وہ اپنی اثر آفرینی میں طویل قصائد سے بازی لے جاتا ہے۔ جذبہ عشق و محبت سے بے بہرہ دفا تر بھی دل میں گداز پیدا نہیں کر سکتے اور نعت گوئی کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ مبداء فیاض نے ان [حافظ مظہر الدین] کو نغز گوئی، جدت طرازی، بیساختگی و برجستگی، شیریں بیانی، سلاست و روانی کی جو انمول صلاحیتیں بخشی ہیں، ان کا رخ ہر طرف سے موڑ کر اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت کی طرف پھیر دیا ہے..... باب جبریل کی پہلی نعت پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جب یہ شعر پڑھا تو دل کے کسی گوشہ سے ’جائیں جاست‘ کی صدا بلند ہوئی اور کئی بار اس شعر کو پڑھتا رہا۔ آپ بھی سنیے:

جو ان کے ذکر میں بیٹے وہ لمحہ، عین کرم

جو ان کی یاد میں گزرے وہ زندگی انعام

کتنی بڑی سچائی ہے اور ہم اس سے کتنے بے خبر ہیں۔ قبلہ حافظ صاحب کا شعور اس صداقت کی روشنی سے تابناک ہے اور اس کے ساتھ انداز بیان کتنا باوقار ہے۔ اس سے آگے اپنے دلبر کے شہر کی صبح و شام کا منظر کس خوبی و خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں:

نظر فروز ہے شہرِ نبی کی صبح جمیل

ہزار جلوہ در آغوش ہے حجاز کی شام

حافظ صاحب کی نگاہیں شہرِ حبیب کی صبح و شام کے جلوؤں سے سرگم ہونے کے بعد روئے حبیب کی دلبرانہ اداؤں میں کھو جاتی ہیں۔ دل مضطر کے جذبات زبانِ قلم سے ٹپک پڑتے ہیں۔ عرض کرتے ہیں:

اے کہ زلفوں سے تری عشق کی شامیں روشن

اے کہ چہرہ ہے ترا صبحِ درخشانِ جمال

جز ترے کون ہے مخدومِ جہانِ خوباں

جز ترے کون ہے کونین میں سلطانِ جمال

بے خودی کے عالم میں حافظ صاحب ایک اور حقیقت سے نقاب الٹتے ہیں۔ حافظ صاحب کے ندرت بیان کی بلائیں لینے کو دل چاہتا ہے:

ہو نہ جلوہ گر چمن میں جو نبی کا نورِ تاباں

کبھی ان گلوں سے ملنے کے لیے صبا نہ آئے

دوسرے مصرعے کی جتنی داد دی جائے حق ادا نہیں ہو سکتا“۔ (۵۸)

حافظ مظہر الدین کے کلام پر تین مختلف دیباچہ نگاروں کی آراء دیکھنے کے بعد جب حافظ صاحب کا کلام دیکھتے ہیں تو اس میں فنی خوبیاں، بیان کی لطافتیں اور انداز و اسلوب کی ندرتیں دل موہ لیتی ہیں۔ چونکہ دیباچہ نگاروں کے اقتباسات میں اشعار نقل کرنے سے گریز کیا گیا تھا، اس لیے چند اشعار ہم دیکھ لیتے ہیں تاکہ تنقیدی آراء کی معروضیت یا موضوعیت سے آگاہی حاصل ہو سکے:

ذرے ذرے میں ہے دل اے سارباں آہستہ چل

یہ ہے راہ سرور کون و مکاں آہستہ چل

اے حدی خواں! اے امیر کارواں آہستہ چل

ہے شریک کارواں اک خستہ جاں، آہستہ چل

میں دفور شوق میں ہوں نغمہ خواں آہستہ چل

دیدنی ہے میری مستی کا جہاں، آہستہ چل

رُک! کہ میں بھی جھاڑ لوں دامن سے گردِ معصیت

کیوں کہ طیبہ ہے جہانِ نوریاں، آہستہ چل

ملنے والا ہے مرے اشکوں کو بھی رنگ قبول

ختم ہو لینے دے میری داستاں آہستہ چل (۵۹)

اس نعتیہ غزل کے ۱۹ [انیس] اشعار ہیں، میں نے پانچ اشعار اوپر نقل کیے ہیں۔ ان اشعار کی خواندگی کے بعد نقادانِ فن نے جو آراء، حافظ مظہر الدین کے کلام کے بارے میں دی ہیں انہیں ہم معروضیت کے آئینے میں دیکھ سکتے ہیں۔ حافظ مظہر الدین کے کلام میں بات کہنے کا جو سلیقہ ہے اس کو دیکھتے ہوئے مجھے علامہ شبلی نعمانی یاد آ گئے جو شعر اور شاعر کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”شاعری کی بڑی ضروری شرط اسلوب بیان کی جدت اور دلاویزی ہے۔ شاعر ایک معمولی بات کو لیتا ہے۔ اور ایسے دلکشا اور ندرت آمیز اسلوب سے ادا کرتا ہے کہ سب وجد کرنے لگتے ہیں، اسلوب بیان کی دلاویزی کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ کبھی صرف زبان کی بے تکلفی، روانی اور شگفتگی یہ کام دیتی ہے، کبھی عام طریقہ ادا کے بدل دینے سے یہ بات پیدا ہوتی ہے۔ کبھی شاعرانہ

استدلال سے، کبھی شوخی و ظرافت سے کبھی استعارہ و تشبیہ کی ندرت سے اور سچ یہ ہے کہ اس کی تمام ادائیں متعین اور مشخص نہیں ہو سکتیں، سننے والے کو اتنا محسوس ہوتا ہے کہ کسی چیز نے دل میں چنگی لے لی، کس نے لی، کیوں لی، یہ کچھ نہیں معلوم:

خوبی ہمیں کرشمہ و نازِ خرام نیست

بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست (۶۰)

حافظ مظہر الدین کے کلام کی اسلوبیاتی سطح خاصی بلند ہے، فنی چابکدستی ان کے مزاج کا حصہ لگتی ہے اور بیان کی لطافت بڑی جاذب توجہ ہے یہی وجہ ہے کہ مجھے شبلی نعمانی کی رائے سے استشہاد کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ شبلی کی بات سے حافظ مظہر الدین کی کتابوں پر دیا چپے لکھنے والے حضرات کی رائے وزنی لگنے لگتی ہے۔

☆ ”حاضری و حضوری“ پر اظہارِ خیال کے زیر عنوان لکھتے ہوئے عاصی کرنا لی نے صاحب کتاب سجاد خن کی نعت گوئی کے دو خصوصی گوشوں پر روشنی ڈالی ہے اور مثالوں سے اپنے دعوے کی دلیل بھی فراہم کی ہے۔ عاصی کرنا لی کے انتخاب اشعار سے ان کے بیان میں دلیل کا زور بھی پیدا ہو گیا ہے اور ان کے مددِ روح کے نعتیہ شعری منہاج کا رخ بھی متعین ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے:

”میں سجاد خن کی بے شمار بلکہ ان گنت خوبیوں میں سے صرف دو کا ذکر کرتا ہوں اور ان کے گلستانِ سخن سے صرف دو پھول چٹنا ہوں۔ آگے آپ حسب ذوق اور حسب توفیق گل چینی کرتے جائیے اور گل دستے بناتے جائیے۔ ایک وصف ہے ہادی کائنات، معلم انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل کا ذکر۔ سجاد خن کے یہاں اس فضائل نویسی میں نہایت تنوع ہے..... چند مثالوں سے سجاد خن کی طرزِ اظہار کا اندازہ کیجیے:

مشمتمل ہے ذکرِ آقاؐ پر کتابِ زندگی
وقت نے کتنا بدل ڈالا نصابِ زندگی
عرشِ زیرِ پا تھا اور خلوتِ گہرہ معبود تھی
اک بشر ہوتے ہوئے آقاؐ کی رفعت دیکھیے
روشنی ہی روشنی ہوگی متاعِ جسم و جاں
اسوہ آقاؐ کے آئینے میں سیرت دیکھیے
عظمت کا شاہِ دیں کی تعین نہ کر سکے

ادراک، علم، فکر، تجسس، گماں، خیال

سجاد سخن کی نعت کا دوسرا وصف ”حاضری و حضوری“ کا بیان ہے۔ حاضری سے قبل کیفیات بے تابی اور احوال مجبوری کا نئے نئے اسلوب میں ذکر، پھر حاضری سے شرف یاب ہو کر مدینہ منورہ میں چشم و دل سے گزرنے والے مناظر، مظاہر، مشاہدات اور محسوسات کا نہایت ندرت و لطافت کے ساتھ بیان، پھر حاضری و حضوری کے بعد مراجعت اور اپنے گھر واپسی اور اس عالم میں انہی احوال و مناظر کا تصوراتی ذکر جس میں دیدار مکرر کی خواہش بھی شامل ہے۔ میرے نزدیک یہ ساری نعتیں ”حضوری نامہ“ ہے۔ ذرا اس رخ سے نعتوں کا مطالعہ کیجیے۔ پڑھتے پڑھتے آپ خود سرتاپا ”حضوری“ بن جائیں گے:

ایک ہی دھن، ایک ہی رٹ ہے، چلو طیبہ چلیں
چین سے رہنے نہیں دیتا مجھے سرکارِ دل
دل چاہتا ہے ہو درِ خیر البشر نصیب
لیکن ادھر ہے میری تمنا ادھر نصیب
مسافر کی طرح رہتا ہوں گھر میں
سمجھتا ہے مدینے کو وطنِ دل
اس کے سوا خدا سے کروں کیا دعا سخن
ہو تیرے در کا طوف، مدینے میں گھر نصیب
چل بلایا ہے شہنشاہِ مدینہ نے تجھے
ہو عطا گوشِ عقیدت کو یہ ہر بار نوید
سجاد سخن کے ایک پر نور شعر پر گفتگو تمام کرتا ہوں:
ہے محیطِ فکر، نورِ گنبدِ خضرا سخن
روشنی سے لکھ رہا ہوں انتسابِ زندگی“ (۶۱)

پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرناٹی نے اپنی تاثراتی تنقیدی بصیرت کے پیش نظر مختصراً سجاد سخن کے فکری زاویوں کے دورخ بنا کر ان کے حسن اظہار اور فکر سخن کے لیے انتخاب کیے گئے موضوعات اور بیان میں پیدا ہونے والی ندرت کا ذکر کیا۔ سچ یہ ہے کہ سجاد سخن کی شعری کائنات میں موضوعات کا تنوع بھی ہے اور ان کی نعتیہ شعری فضا میں بہت سے رنگ بکھیرنے کی کامیاب کوششیں بھی جھلکتی ہیں۔ کیوں

کہ سجادؑ کو تو ان کے افکار سے آقاؐ حضور ﷺ کے در اقدس تک ایک عالم نور ہی نظر آتا ہے جس کی کیفیات کو وہ اپنے شعروں میں اجاگر کرتے رہتے ہیں:

مرے افکار سے آقاؐ کے در تک

ہے عالم نور کا حدِ نظر تک (۶۲)

پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی کی تنقیدی رائے کو ان کے دعوے اور سجادؑ کی دلیل کی روشنی میں اعتدال پسندی کی مثالوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

☆ بشیر حسین ناظم نے غالب کی زمینوں میں نعتیہ شعری گلاب کھلانے کا بیڑا اٹھایا اور جمال جہاں فروز کے نام سے ان کی نعتیہ کاوشیں سامنے آئیں تو راجہ محمد ظفر الحق نے اس کتاب کی تقریظ لکھتے ہوئے اپنی رائے کا یوں اظہار کیا:

”بشیر حسین ناظم نے نعت کہتے وقت اپنے سامنے ادب و احترام، حفظ مراتب، انتخاب مضامین، عمدہ اسلوب و طرز اظہار، بہترین اندازِ خطاب، توقیر و تکریم کے التزام اور حقیقت نگاری کو ملحِ نظر بنایا ہے۔ علاوہ ازیں سیرتِ طیبہ کا عمیق مطالعہ، ذاتِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دل بستگی، والہانہ شیفتگی، علوم دین اور مسائل دین سے کلی تعارف، ایمانی و روحانی بصیرت، تزکیہٴ نفس، طہارتِ قلب و نظر، پاکیزگی، عرقیدہ کی پختگی، جذبات کی صحت و صداقت اور دل و نگاہ کی مسلمانی بشیر حسین ناظم کے خواص رہے ہیں۔“ (۶۳)

تقریظ نگار راجہ محمد ظفر الحق نے مقتضیاتِ نعت نویسی اور بارگاہِ سیدالکونین ﷺ کے دربار میں پیش کرنے کے لیے کی جانے والی شاعری کے آداب کو ملحوظ رکھ کر بشیر حسین ناظم کے کلام کو پرکھنے اور اس پر اپنی رائے دینے کی سعی کی ہے۔ انہوں نے ناظم کے شعری نمونے پیش کرنے سے اجتناب کیا ہے کیوں کہ قاری کے سامنے ان کی تقریظ کے فوراً بعد ہی بشیر حسین ناظم کے کلام کا دبستان کھل جاتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم خود ناظم کے شعرِ عقیدت کے کچھ نمونے دیکھتے چلیں:

اے خوشا یا مرجبا، صلِ علیٰ یا جذبا

’حمز‘ مطلع ہے نبیؐ کے نام کی تفسیر کا (۶۴)

وہ آئے تو ریاضِ محبت مہک اٹھے

ورنہ مالِ خلقِ مثالِ شمود تھا (۶۵)

ظلمتِ کدوں میں نور کے جھالے برس پڑے

جن و بشر کے لب پہ سلام و درود تھا (۶۶)
 بعد حق محمدؐ کو دہر میں بڑا پایا
 گلشن عقیدت میں پھول کیا کھلا پایا
 ماہتاب دنیا میں آفتاب عقیلی میں
 دیدہ دو عالم میں نورِ مصطفیٰ پایا
 چاکری پیہر کی حریت کا غازہ ہے
 روکش جم و دارا ان کا ہر گدا پایا (۶۷)
 قاب قوسین کی فضاؤں میں
 عشق منت کش ہوا نہ ہوا
 ان کی نعت جمیل کہنے کا
 حق کسی سے کبھی ادا نہ ہوا (۶۸)

راجہ محمد ظفر الحق کی تقریظ میں جن آداب نعت گوئی کا حوالہ آیا ہے، ناظم کے کلام میں وہ آداب خاصی حد تک ملحوظ رکھے گئے ہیں اس لیے راجہ محمد ظفر الحق کی لکھی ہوئی تقریظ بھی متوازن تقریظ کے طور پر قبول کی جاسکتی ہے۔

۲۔ کتب نعت میں مقدمات کی تنقیدی اہمیت:

ہر فن کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ شاعری کے بھی کچھ اصول ہیں اور شاعری میں برقی جانے والی اصناف کے لیے بھی کچھ حدود و قیود اور ان کی ہیئت کے کچھ معیارات مقرر ہیں۔ مثلاً غزل کے لیے ہر شعر کے دو مصرعے جن میں کسی ایک خیال کی ایک تصویر یا اس کا ایک خاکہ سا بن گیا ہو۔ نظم، جس کے بہت سارے مصرعوں کے ارتباط سے کوئی مفہوم نکل سکے اور شاعر کا کوئی ایک خیال واضح ہو سکے۔ مخمس کے لیے پانچ، مسدس کے چھ مصرعوں کی قید۔ رباعی کے لیے چار مصرعوں اور مخصوص وزن کا تقاضا۔ اسی طرح نظم، معرّی، نظم آزاد اور نثری نظم کے لیے کچھ فنی تقاضے ہوتے ہیں جن کو پورا کیے بغیر ہیئت سطح پر بھی شعری اصناف قبول نہیں کی جاتیں۔ اسی طرح موضوعاتی اصنافِ سخن میں حمد و نعت کے مخصوص تقاضے ہیں جن کو پورا کرنا حمد نگار اور نعت نگار کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

شاعر کے شعری عمل (poetic work) میں تخلیقی پیچیدگیوں کی گرہ کشائی اور شعر کے مفہوم

تک رسائی کے لیے بھی تنقیدی بصیرت، ذوقِ سخن اور سخنِ فہمی کا ملکہ ہونا ضروری ہے۔ نعتیہ شاعری کی اپنی نزاکتیں ہیں جن کا احوال ہم پچھلے ابواب میں کسی حد تک پیش کر آئے ہیں، اس لیے نعتیہ شاعری کی کتابوں میں ’مقدمہ‘ نویسی کی اپنی اہمیت ہے۔

عام تنقید نگار کے لیے صرف ادبی معیارات کا جاننا اور پیش نظر صنفِ سخن کے تخلیقی تقاضوں سے آگاہی لازمی ہے۔ لیکن نعت کی تحسین کے لیے ادبی معیارات کے ساتھ ساتھ دینی شعور، مقامِ رسالت مآب ﷺ کی آگاہی اور قرآن و احادیث میں مذکور بارگاہِ نبوی میں لب کشائی کے آداب کا ادراک ضروری ہے۔ اس لیے نعتیہ شعری کتب میں ’مقدمہ‘ ایک خاص اہمیت کا حامل ہوتا ہے یا ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں مقدمہ نگار کی ذمہ داری ہے کہ اپنی ساری توجہ ”کلم“ کی ذات کے بجائے ”کلام“ پر مرکوز کر دے۔ تب ہی ممکن ہو سکے گا کہ وہ کوئی معروضی رائے دے کر قارئین کتاب کی راست رہنمائی کر سکے۔

ہمارے معاشرے میں راست گوئی کی قدروں کے زوال کے باعث، جہاں اور شعبوں میں رواداری نے راہ پائی ہے وہیں نعتیہ کتب کی تقریظ، دیباچہ یا مقدمہ لکھنے والوں کے ہاں بھی شاعر کی شخصیت سے مرعوبیت اور مروت کے آثار جھلکنے لگتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ مقدمہ نگاروں نے کلام کے معنوی حسن اور بیان کی جمال افروزی کو دیکھے بغیر صرف موضوع کی رفعتوں کا خیال کر کے بات کی ہے اور کوئی مقدمہ، تقریظ یا دیباچہ لکھ دیا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر فرمان فتحپوری کی رائے بھی ہمارے گمان کو تقویت دیتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

”کسی نعت یا نعتیہ مضمون کے بارے میں حسن و قبح کے حوالے سے کسی طرح کا حکم لگانا مناسب نہیں۔ ان لفظوں کا استعمال اور مروجہ استعمال نعت اور نعت کے مباحث میرے دائرہ خیال و قلم سے خارج ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے جن الفاظ کو نسبت ہو جائے وہ میرے نزدیک تنقید مروجہ سے بلند ہو جاتے ہیں“۔ (۶۹)

چنانچہ جذباتِ عقیدت کی فراوانی کے باعث بہت سارے مقدمہ، دیباچہ یا تقریظ نگار حضرات کسی بھی نعتیہ مجموعے کے ملاحظے کے بعد صاحب کتاب کے لیے کمالِ فن کا تصدیق نامہ تو جاری کر سکتے ہیں اور جاری کر بھی دیتے ہیں لیکن بیشتر کتابوں کے قامت پر ان مقدمات، دیباچوں اور تقریظ کا جامہ پورا نہیں آتا۔ بعض مقدموں، تقریظات اور دیباچے پڑھنے کے بعد جب کتابیں پڑھی جاتی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کتابوں پر تنقیدی رائے دینے والوں نے شاید صاحب کتاب کے لیے ”بھولچ“ لکھ کر

اپنی جان چھڑالی ہے۔

اسمعیل انیس کے نعتیہ مجموعے ”چراغِ عالمیں“ پر چوبیس اہل قلم نے نثر و نظم میں تحسینی رائے دی۔ جبکہ اسی مجموعے میں بعض اشعار قابلِ گرفت تھے جن کی طرف کسی نے دھیان نہیں دیا۔ مثال کے طور پر درج ذیل اشعار:

قرآنِ معظم کی قسم کچھ نہیں لکھتے
جز اسمِ نبیؐ لوح و قلم کچھ نہیں لکھتے (۷۰)
مشورہ تخلیقِ عالم کے لیے درکار تھا
کیوں نہ ہوتے عرش پر مہماں چراغِ عالمیں (۷۱)

ان دونوں اشعار پر معروضی انداز سے غور کریں تو دونوں اشعار کا نفسِ مضمون نعتیہ شاعری کے موضوعاتی منظر نامے پر کچھ بد نما داغ کی طرح ابھرتا ہے۔ پہلے شعر میں قرآن کریم کی قسم کھا کر حصر کے ساتھ یہ کہنا کہ لوح و قلم ”نبیؐ کے نام کے علاوہ“ کچھ نہیں لکھتے، حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔ پھر لکھنے کا کام قلم کے ساتھ ساتھ لوح (تختی) کو بھی سونپ کر، شاعر نے اپنے علم، مشاہدے اور شعر گوئی کے منہاج کا خود ہی پول کھول دیا ہے۔

اب ذرا قرآن کریم کی سورہ ”القلم“ کی پہلی آیت دیکھئے:

”وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ (۱)“ [قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں]

اس قرآنی آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قلم کی تحریر کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری نے لکھا ہے: ”قلم، تفصیل کا مرتبہ ہے۔ واو قسم ہے۔ القلم سے بعض حضرات نے وہ قلم مراد لیا ہے جس نے امر الہی سے تقادیر عالم کو لوحِ محفوظ میں تحریر کیا..... قلم، ایک ایسا آلہ ہے جو زمان و مکان کی مسافتوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ گزشتہ صدیوں کے علوم و فنون سے حال و مستقبل کو روشن کرتا ہے اور دور دراز علاقوں میں پیدا ہونے والے اولوالعزم حکماء و فضلاء کے افکار و نظریات کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچاتا ہے۔“

(۷۲)

اس تفصیل سے یہ بات تو صاف ہو گئی کہ اسمعیل انیس نے بڑے بھول پن سے ایک ایسی بات کی قسم کھالی جو بنی بر حقیقت نہیں تھی۔ مزید برآں، مرحوم نے ”لوح“ [تختی] کو بھی لکھنے کے آلے کے طور پر پیش کیا جو شعر کی ردیف ”لکھتے“ کے استعمال کے باعث از خود لکھنے کے وظیفے میں شامل ہو گئی۔ اس طرح یہ شعر عملی حقیقت کے خلاف ہوتے ہوئے قرآن کی تعلیمات کے بھی خلاف ہو گیا۔

دوسرا شعر جس میں شاعر نے بڑی سادگی سے اس بات کا اعلان کیا ہے کہ ”اللہ رب العزت کو [نعوذ باللہ] تخلیق عالم کے لیے مشورہ درکا تھا اس لیے چراغ عالمیں جناب محمد مصطفیٰ ﷺ عرش پر مہمان ہوئے“..... اپنے مافیہ کی غیر فطری اور حقیقت گریز حیثیت کا احساس دلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندے اور رسول سید الکونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی نشانیاں دکھانے کے لیے بلایا تھا۔ اللہ تعالیٰ تخلیق عالم کے لیے مشورے کا قطعاً محتاج نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ الْيَمِينِ“ [ہر عیب سے] پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، بابرکت بنا دیا ہم نے جس کے گرد و نواح کو تاکہ دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔ (۷۳)

ان تصریحات کے بعد جب ہم ان آراء کا مطالعہ کرتے ہیں جو ”چراغ عالمیں“ کے مطالعے کے بعد نکتہ شناس تنقید نگاروں نے رقم کی ہیں تو افسوس ہوتا ہے کہ کھسینی صداقت نامے دینے والوں میں سے کسی کی نظر بھی ان اشعار پر نہیں پڑی جن کی وجہ سے اچھا خاصا مجموعہ نعت و انداز ہو گیا؟ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تقریباً لکھنے والوں نے سرسری نظر ڈال کر قلم اٹھایا اور ”کَلِمٌ“ سے محبت کا اظہار فرما دیا، کلام کی قدر صرف پڑھنے والوں پر چھوڑ دی۔ نعتیہ مجموعوں کے لیے یہ روش زہر قاتل کا حکم رکھتی ہے۔ اب ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ لکھنے والوں نے کن کن زاویوں سے مذکورہ نعتیہ کلام کی تحسین فرمائی ہے:

”اسلمعیل انیس نے نعت و حمد دونوں میدانوں میں نہایت خوبی، خوش اسلوبی اور دل افروزی و دلنوازی کے ساتھ جذبات و احساسات کا اظہار کیا ہے۔ ”چراغ عالمیں“ ان کی قدرت کلام کا خوبصورت نمونہ ہے۔“ [رئیس امر وہوی] (۷۴)

”میں نے کچھ نعتیں مجموعہ ”چراغ عالمیں“ میں سے پڑھی ہیں جن کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ بابائے شعر و سخن اسلمعیل انیس کو رسول کریمؐ سے بے پناہ عقیدت و محبت ہے۔ ان کی کہی ہوئی نعتیں مقصدیت اور اصلاح حیات کا پہلو لیے ہوئے ہیں جن سے یقیناً اصول حیات کی راہ متعین ہوتی ہے۔“ [الحاج محمد حسن] (۷۵)

”بعض بعض نعتیں تو اتنی وجد آفریں ہیں کہ ہر ایک شعر پر دل وجد کرنے لگتا ہے اور جسم و جاں میں نور کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔ بابائے بڑے ہی قلیل وقت میں اتنی عمدہ اور اتنی زیادہ نعتیں لکھ لی ہیں کہ

رُشک آنے لگتا ہے۔“ [مشتاق چغتائی] (۷۶)

”مطالعہء چراغ عالمیں“ سے اسمعیل انیس کی استادانہ عظمت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔“ [احمد عادل] (۷۷)

”یہ نعتیں نئے استعارے، نئی تشبیہوں، نئے کنایوں، نئی تلمیحوں اور نئی نئی اصطلاحوں کی حامل ہیں۔ ان نعتوں میں عجیب دلکشی اور دلپذیری ہے۔“ [ڈاکٹر شہدالوری] (۷۸)

”جہاں تک ان کی شاعرانہ صفات کا تعلق ہے وہ لفظ اور معنی دونوں پر اپنی فنکارانہ گرفت رکھتے ہیں۔ وہ تجربے کی سچائی کے بھی اتنے ہی قائل ہیں جتنا کہ انہیں لفظ کی صحت کا پاس ہے..... وہ نعت گوئی میں افراط و تفریط کے سلسلے میں بہت محتاط ہیں۔“ [فراست رضوی] (۷۹)

”چراغ عالمیں“ میں منظور مداحی کے ساتھ ساتھ منظوم خراج عقیدت بھی پیش کیا گیا ہے۔ ان تمام آراء کے پڑھنے کے بعد قاری پر جو مرعوبیت طاری ہوتی ہے وہ ان دونوں اشعار کی خواندگی کے بعد جن پر ان سطور میں کچھ گفتگو کی گئی ہے، نہ صرف یہ کہ قائم نہیں رہتی بلکہ تقریظ نگاروں کے خوشامدی انداز کے باعث ان کی شخصیت کے حوالے سے منفی خیالات کو جنم دیتی ہے۔ یقیناً صاحب کتاب کی نعتیں اچھی ہیں لیکن تبصرہ نگاروں اور تقریظ نویسوں کا کیا یہ فرض نہیں تھا کہ وہ ایسے تمام اشعار کی نشاندہی کر کے نعتیہ مجموعے کو غیر معیاری اشعار کی اشاعت سے بچا لیتے؟

اس مثال سے ظاہر ہوا کہ بعض مقدمہ، تقریظ یا دیباچہ نگار، نعتیہ شعری مواد کو پرکھے بغیر صرف موضوع کی رفعتوں کا خیال کر کے قلم اٹھا لیتے ہیں اور کتابوں میں اچھے اشعار کے ساتھ ساتھ کمزور اور حقیقت سے بعید خیال کی بنت پر دھیان نہیں دیتے اور قابل اعتراض لوازمہ [matter] جوں کا توں چھوڑ دیتے ہیں۔

ناقدین کی اس روش سے نئے نعت نگاروں میں، نعتیہ مضامین کی پرکھ کی صلاحیت ہی پیدا نہیں ہوتی اور وہ بھی خیال کی وادیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

اغلاط کی مثالیں صرف ان کتابوں میں ہی نہیں ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے لیکن ہم نے یہاں صرف چند نمونے پیش کر دیئے ہیں۔ ”مقدمہ نگاری کی اہمیت“ پر بھی ہم نے اسی لیے کچھ معروضات پیش کر دیئے ہیں تاکہ موضوع کی رفعت کے پیش نظر مستقبل کے مقدمہ، تبصرہ، دیباچہ یا تقریظ نگار حضرات ان پر غور کر سکیں اور کسی کتاب پر لکھتے ہوئے معروضیت اختیار کرنے کی کوشش کریں، صرف کلام پر توجہ مرکوز رکھیں اور حکیم کی حیثیت اور مقام و مرتبے کو نظر انداز کر دیں..... اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ کی شان

بیان کرنے میں جو غلطی شاعر سے ہوگی، اس کو سراہنے والے اس غلطی میں شریک ہی نہیں بلکہ اس کی ترویج کے بھی ذمہ دار ہوں گے!

۳۔ مقدمات میں پیش کی جانے والی تنقیدی آراء کی معروضی پرکھ:

مقدمہ لکھنے والوں نے بہت سی کتب پر مقدمے لکھے ہیں۔ بعض مقدمہ نگاروں نے حقیقت نگاری کو اپنا شعار بنایا اور بعض نے صرف صاحب کتاب کی ثنا کی۔ کتب نعت میں مقدمات کی تنقیدی اہمیت کے ذیل میں ہم نے صرف ایک مثال پیش کر کے بتایا تھا کہ مقدمہ نگاری کی اہمیت اس وقت کم ہو جاتی ہے جب اصل کتاب میں کوئی شعر شعری یا شرعی معیارات سے فروتر پایا جاتا ہے اور دیباچہ، تقریظ یا مقدمہ نگار اس کی نشاندہی نہیں کرتا۔ ایسی صورت میں نعتیہ شاعری کے باذوق قاری کے ذہن کو بڑا دھچکا لگتا ہے۔

☆ صحیفہ نور کے نام سے لطیف اثر کا مجموعہ نعت شائع ہوا۔ اس مجموعے میں ڈاکٹر ابوالیث صدیقی، ڈاکٹر الیاس عشقی، پروفیسر نذیر بھٹی اور محمد زبیر فاروقی شوکت الہ آبادی وغیرہم کی دیباچہ نما تحریریں بھی شامل ہیں۔ ان تحریروں سے چند اقتباسات درج ذیل کیے جاتے ہیں:

”اپنے مجموعہ اشعار صحیفہ نور میں اثر صاحب نے اس میں آپؐ کی ذاتِ مبارکہ کی صفات کو الگ الگ ایک ایک مختصر بند میں نظم کیا ہے۔ اس کا مجموعی تاثر ذاتِ رسولِ مقدس سیرت کے بعض اہم پہلوؤں کی طرف پڑھنے والوں کو خاص طور پر متوجہ کرتا ہے۔ اس میں شاعرانہ صنعت گری کو محض صنعتِ شعر کے لیے نہیں بلکہ عقیدت کے جذبات کے اظہار پر ہے۔ اس لیے جذبات کی ترجمانی حقیقت اور صداقت کے ساتھ جذباتی تاثر کا بھی اعلیٰ درجے کا نمونہ ہے اور اسے اسی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔ ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر صحیفہ نور ابوالیث صدیقی (۸۰)“

درج بالا عبارت بے ربط ہے۔ ظاہر ہے ڈاکٹر ابوالیث صدیقی نے ایسی عبارت نہیں لکھی ہوگی۔ اس لیے اس بے ربطی کا ذمہ دار کتاب کا مرتب ہی ہو سکتا ہے۔ الیاس عشقی صاحب نے ”تحفہ نعت، کرشمہ لطیف“ کے زیر عنوان لکھا ہے:

”ان [لطیف اثر] کے دل میں عقیدت و ایمان کا جو سمندر موجزن ہے اس کی پر جوش لہریں فنی دشواریوں اور موضوع کی نزاکتوں کو اپنے بہاؤ سے اس طرح ہموار کر دیتی ہیں کہ کوئی دشواری، دشواری نہیں رہتی۔ ان کے کلام کی سادگی اور روانی میں فرق نہیں آنے پاتا۔ ان کے جذبات و احساسات کی صداقت کو اظہار کے لیے مناسب الفاظ مل جاتے ہیں۔ ان کی زبان کہیں نہیں رکتی اور

ان کا قلم کہیں نہیں جھکتا۔ وہ فنی اور بیان کی نزاکتوں سے اس طرح گزرتے ہیں کہ ان کی قدرت کلام پر حیرت ہوتی ہے۔ وہ نثر کو وزن عطا کرتے ہیں اور اوزان کو نثر کی طرح سہل بنا کر پیش کرتے ہیں۔ یہ بڑی جسارت اور ہمت کا کام ہے جس کی مثال نایاب نہیں تو کیا ضرور ہے۔“ (۸۱)

”لطیف اثر کا لا جواب انداز نعت“، یہ پروفیسر نذیر احمد بھٹی کی تقریظ کا عنوان ہے۔ اپنی اس تحریر میں وہ ایک جگہ رقم طراز ہیں:

”وہ [لطیف اثر] رسول اکرم ﷺ کے تمام مبارک ناموں سے اپنے اشعار مزین کر رہے ہیں اور اس فن کے وہ امام ہیں۔“ (۸۲)

محمد زبیر فاروقی شوکت الہ آبادی نے جو تقریظ لکھی ہے اس کا عنوان ہے ”لطیف اثر اور ان کی نعت گوئی“، وہ لکھتے ہیں:

”صحیفہ نور کے مسودہ کو دیکھ کر محسوس ہوا کہ لطیف اثر کی غزل گوئی اور زبان دانی میدان نعت میں بھی ان کی مدد و معاون ہے۔ دیکھیے اتنی سخت اور مشکل ردیفوں میں کیسے صاف صاف شعر کہے ہیں:

آپ آئے تو زندگی آئی
آپ کی ذات فخر موجودات
ہو گیا دور آپ جب آئے
دور ظلمات، فخر موجودات
آپ کے حسن کرم سے سرشار
ہر گل و خار محبت الفقراء

لطیف اثر کی نعتیں رسول مقبول ﷺ سے والہانہ محبت کی آئینہ دار ہیں۔“ (۸۳)

درج بالا اقتباسات سے ان تحریروں کی ایک جھلک دکھانا مقصود تھا جو تقریظ، دیباچہ یا مقدمہ کے طور پر لطیف اثر کے مجموعہ نعت پر لکھی گئی ہیں۔ ان تحریروں سے شاعر کے فن کی تحسین کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ لیکن جب ان تنقیدی آراء کی روشنی میں قاری ذوق و شوق کے ساتھ لطیف اثر کا کلام دیکھتا ہے تو اسے انتہائی درجہ مایوسی ہوتی ہے۔ بعض تقریظ نگاروں نے ڈھکے چھپے الفاظ میں شاعر کی فن سے بے نیازی کا ذکر تو کیا ہے لیکن نہ تو کھل کر لکھا ہے اور نہ ہی شاعر کو کوئی ایسی نصیحت کی ہے کہ اسے آگاہی نصیب ہوتی اور وہ اپنی اصلاح کی کوشش کرتا۔

اس مرحلہ پر ہم دل کڑا کر کے اس کتاب سے چند اشعار نقل کرتے ہیں تاکہ مقدمات کی

معروضی جانچ پڑتال کا تھوڑا سا حق ادا ہو سکے۔ سو ملاحظہ ہوں چند اشعار:

میرے آقاؐ سے کہا اللہ نے یہ بالیقین و ما ارسلک الا رحمت اللعالمین
اس امر میں ہیں وہی وہ اور کوئی ان سائیں و ما ارسلک الا رحمة اللعالمین
ہوتے تھے دست و گریباں روز ہر پیر و جواں مونس و غنوار کوئی کب کسی کا تھا یہاں
وقت تھا انسانیت کا خود بھی دشمن بدترین و ما ارسلک الا رحمت اللعالمین
کون اب جراثیم کریگا ضرب کاری کیلئے اب یہاں کون آریگا اختر شامی کیلئے
ہوگئی یہ جان کر مظلوم کی روشن جبین و ما ارسلک الا رحمت اللعالمین (۸۴)

ان پہ قربان ہو میرا ایمان و دیں اللہم صل علی محمدؐ
جن سے وابستہ ہے جلوہ آفریں اللہم صل علی محمدؐ
شافع روز حشر راحت العاشقین اللہم صل علی محمدؐ
حسن عین الیقین حاجت شائقین اللہم صل علی محمدؐ
آپؐ فخر یقین، آپؐ روشن مبیں، اللہم صل علی محمدؐ
عارف العارفین سالک السالکین اللہم صل علی محمدؐ (۸۵)

روشن ہے شایان محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اللہ اللہ شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کہتے رہتے کہتے رہتے جب تک سینے نام انکا
ہوتی ہے پہچان محمد صلی اللہ علیہ وسلم
آیا ہوں مدینے جب سے میں سودا ہے یہی سر میں میرے
حاصل ہو عرفان محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ذکر کرے خود جن کا خدا بیٹھ کے اپنے فرشتوں میں
خوب ہے یہ بھی شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم (۸۶)
کہیئے دل سے صل علی محمدؐ رسول اللہ
جب آئے کانوں میں صدا محمدؐ رسول اللہ
عرش گواہی دیتا ہے اسکی صداقت کی ہم سے
لا الہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ

آئے جب محبوب خدا کفر کا ٹوٹ گیا جادو
 ہر جانب سے شور اٹھا محمد رسول اللہ
 اسکے کرم کا رخ بدلا جب یہ کلمہ ورد ہوا
 دل نے جب تسلیم کیا محمد رسول اللہ (۸۷)
 جو ہیں خیر الامم وہ ہیں محبوب رب
 جن کی امت میں ہم وہ ہیں محبوب رب
 نام سے جن کے تابندہ عہد آفریں
 جن کے لوح و قلم وہ ہیں محبوب رب (۸۸)
 آپ تسکین غم شافع یوم النثر
 آپ فخر ام شافع یوم النثر (۸۹)
 اپنے پیکر کو اس میں پرودہ پہنچے
 یہ ہے باب نظر شافع یوم النثر (۹۰)
 ہوں ہمقدم کسی کے اگر افضل البشر
 وہ معتبر ہو راہ گزر افضل البشر (۹۱)

مثالیں بہت ہیں، پوری کتاب میں ایسی ہی شاعری ہے۔ کہیں کہیں با وزن اشعار بھی مل جاتے ہیں۔ لیکن مضمون کا سراپا نا وہاں بھی مشکل ہے۔ ردیفوں کا حال تو یہ ہے کہ صرف ٹانک دی گئی ہیں۔ بحر، وزن اور مضمون کی با معنی بنت سے عاری یہ شاعری ہے جس پر ہمارے نقادوں نے شاعر کی تحسین کے لیے وہ کلمات خیر فرمائے ہیں جن کے اقتباسات پچھلے صفحات میں نقل کر دیئے گئے ہیں۔ الیاس عشقی نے الہیہ طرزِ ملیح میں کچھ جملے لکھ دیئے ہیں، لیکن کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ یا تو کچھ لکھنے سے گریز فرماتے یا اس شاعری کو کھل کر وزن و بحر سے عاری لکھتے۔ الیاس عشقی کی ڈھکی چھپی بات بے چارہ شاعر کہاں سمجھ سکتا تھا؟ بہر حال الیاس عشقی کے وہ جملے بھی ملاحظہ ہوں جن میں طرزِ ملیح کا رنگ جھلکتا ہے:

”[عربی جملوں کی ردیفوں کی فہرست دینے کے بعد لکھتے ہیں] ان کلمات کا بقید ردیف منظوم کرنا نہ فقط سنگ لاخ زمینوں کی ایجاد کا سبب ہے۔ بلکہ وزن و بحر کے مسائل پیدا کرتا ہے لیکن لطیف اثر فنی و شوار یوں کو کب خاطر میں لاتے ہیں..... یہ منزل اگر چہ فنی طور پر بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے لیکن اپنے ایمان و عقیدت کے سہارے شاعر اس مقام سے بھی بے نیاز نہ اور بے خوف گزر

جاتا ہے۔ (۹۲)

لطیف اثر کی شاعری کے نمونے دیکھنے کے بعد جب ہم مقدمہ، دیباچہ یا تقریظ نگاروں کی تحریروں کو پڑھتے ہیں تو شعر و شاعری کے عمل اور اس کی بے جا تحسین کے انداز سے کراہیت محسوس ہونے لگتی ہے۔ ایسی شاعری اور شاعر کا دل رکھنے کے لیے لکھی گئی تحریریں، تنقید کے وقار کے منافی ہیں۔ ایسی شاعری ہی نعتیہ شاعری کو ادبی سطح پر ابھرنے نہیں دیتی۔ معیار سے عاری شاعری کا کتابوں میں شائع ہونا اور اس کا سراہا جانا ادب کے لیے بالعموم اور نعتیہ ادب کے لیے بالخصوص سم قاتل ہے۔

☆ حال ہی میں نعت کے معروف نقاد رشید وارثی کی کتاب ”اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ“ منظر عام پر آئی ہے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ رشید وارثی نے ”علم عروض“ کو مطعون کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ شعری اوزان اور لغت کے معیارات کو بالائے طاق رکھ کر بھی شاعری کی جاسکتی ہے۔ ان کا تو اس بات پر بھی اصرار ہے کہ ناقدین فن اس قسم کی شاعری کو پرکھتے ہوئے اوزان و بحر کو یکسر نظر انداز کر دیں۔ رشید وارثی کی مذکورہ تحریر سے متعلقہ اقتباس درج ذیل ہے:

”ہمارے نعتیہ ادب کے بعض تنقید نگاروں میں یہ لائق توجہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ فن عروض میں کسی حد تک شد بد حاصل کر لینے کے بعد اسی کو نعتیہ تنقید نگاری کی اساس سمجھ کر اس پر انحصار کر بیٹھتے ہیں۔ علم عروض کی کوئی شرعی اہمیت تو خیر ہے ہی نہیں۔ اس پر بعد میں گفتگو کی جائے گی۔ خود علمائے ادب، عروض کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔ صاحب ”کشاف تنقیدی اصطلاحات“ جناب ابوالاعجاز حقیقہ صمد لکھتے ہیں:

’علماء نے وزن شعر کے صحت و سقم کو جانچنے کے لیے چند قواعد وضع کیے ہیں جن کے مجموعے کو عروض کہا جاتا ہے۔ علم عروض کا موجد خلیل احمد بصری [متوفی ۱۷۵ھ، ۱۷۵۰ء] ہے۔ ہندی عروض کو پنگل کہا جاتا ہے۔ عروضیوں نے جو مویشی گانیاں روارکھی ہیں اور عروضی اصطلاحات کا جو انبار لگایا ہے اس کا مذاق اڑانا ایک فیشن بن چکا ہے اور جدید تنقید میں عروض کو کوئی باوقار مقام بھی حاصل نہیں رہا۔ لیکن شاعر اور نقاد عروض سے آزاد اور بے نیاز بھی نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ پروفیسر آل احمد سرور لکھتے ہیں: ’فاعلاتن فاعلات کی گردان اگرچہ تنقید نہیں ہے، مگر اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ کوئی بھی اچھا نقاد عروض اور اس کے قواعد سے بے نیاز ہو سکتا ہے‘۔ اب رہی فن عروض کی شرعی اہمیت کی بات، تو اسلامی ادب عالیہ میں شامل دیگر فنون کی طرح اسے بھی مباح کہا جاسکتا ہے۔ ہمارے تقریباً چار عشروں پر محیط اسلامی ادب کے مطالعے کے دوران کوئی بھی ایسی روایت ہماری نظر سے نہیں گزری کہ فصیح العرب

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی نعتیہ کلام میں پائے جانے والے بعض معنوی اسقام کی طرح عروضی اسقام کی بھی نشاندہی فرمائی ہو یا اس بارے میں کوئی ہدایت فرمائی ہو۔ لہذا یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ فن عروض کی کوئی شرعی اہمیت نہیں۔ (۹۳)

رشید وارثی کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ علم عروض کو اشعار کی پرکھ کے اصول کے طور پر ماننے کو قطعی تیار نہیں۔ اسی لیے ان کے الفاظ سے عروض کے حوالے سے خاصی جھنجھلاہٹ جھلک رہی ہے۔ ظاہر ہے ان کا یہ دعویٰ بڑا بودا ہے، اسی لیے وہ غیر محسوس طور پر آل احمد سرور کی یہ رائے بھی نقل کر گئے ہیں جو ان کے موقف کے بطلان کے لیے کافی ہے:

”فاعلاتن فاعلات کی گردان اگرچہ تنقید نہیں ہے، مگر اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ کوئی بھی اچھا نقاد عروض اور اس کے قواعد سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔“ (۹۴)

علاوہ ازیں رشید وارثی نے یہ لکھ کر کہ

”علم عروض کی کوئی شرعی اہمیت تو خیر ہے ہی نہیں“

ایک بہت بڑی حقیقت سے عدم آگاہی کا ثبوت دیا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ط“

”اور نہیں سکھائی ہم نے اس نبی کو شاعری اور نہیں تھی اس کے شایانِ شان یہ چیز۔“ (۹۵)

جب اللہ رب العزت نے اپنے نبی جناب محمد الرسول اللہ ﷺ کو تمام علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ فرمانے کے باوجود اس بات کا اعلان فرمادیا کہ ہم نے اس نبی کو شعر گوئی اس لیے نہیں سکھائی کہ یہ فن اس کے شایانِ شان نہیں ہے تو پھر شعر یا شعر سے متعلق کوئی علم ”شرعی“ کیسے ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے یہ علم امت کو نہ تو قرآن سے حاصل ہوا ہے نہ کسی حدیث سے۔ لیکن حضور اکرم ﷺ نے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر میں جو اصلاح فرمائی تھی وہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ نبی علیہ السلام نے جو اصلاح دی تھی اس سے شعر کا معنوی حسن تو بڑھ گیا لیکن کسی قسم کا عروضی سقم پیدا نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے ”سیوف الہند“ کی جگہ ”سیوف اللہ“ تجویز فرما کر یہ ظاہر کر دیا کہ لفظ ”اللہ“ معنوی طور پر تو بلند ترین ہے ہی، عروضی اعتبار سے بھی ”الہند“ کا نعم البدل ہے۔ (۹۶)

مزید برآں آپ ﷺ نے غزوہ حنین کے موقع پر جو فتح فرمایا وہ بھی عروضی

اوزان کے عین مطابق ہے۔

انا النبی و لا کذب انا ابن عبدالمطلب

(میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں) (۹۷)

ان شواہد کے ہوتے ہوئے کسی نقاد کا، عروضی اوزان سے اپنی ناواقفیت کو چھپانے کے لیے علم عروض کو یہ کہہ کر مطعون کرنا کہ یہ کوئی شرعی علم نہیں ہے، بڑی عجیب بات ہے!!!

عروض کے معاملے میں رشید وارثی کے اس رویے سے علم عروض اور شعر کے وزن و بحر سے ناواقف لوگ تو خوش ہو سکتے ہیں لیکن اہل فن کو ان کی بات کیسے ہضم ہو سکتی ہے؟ کیوں کہ خود رشید وارثی نے یہ لکھ کر اپنی دلیل کمزور کر لی ہے:

”شعر کے متعلق زمانہ قدیم سے علمائے انتقاد کا یہ نظریہ رہا ہے کہ اسے محض پرواز تخیل کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔ لیت شعری کذا کے محاورے میں شعر گوئی اصل میں ایک فن لطیف کا نام ہے اور عرف میں موزوں اور مقفی کلام کو شعر سے تعبیر کرتے ہیں۔ (۹۸)

ذرا درج بالا عبارت پر غور فرمائیے، کیا فن لطیف اور موزوں اور مقفی کلام کو شعر ماننے اور کہنے کے بعد بھی علم عروض سے بے نیاز رہا جاسکتا ہے؟

آدم برسر مطلب، کسی بھی کتاب پر تبصرہ یا تقریظ لکھنے والے کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ کتاب کے مافیہ اور شعری حسن کا صحیح اندازہ لگائے اور پھر دیانتدارانہ رائے دے تاکہ اس کی تحریر کو وزن و وقار حاصل ہو۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر مقدمہ، تقریظ یا دیباچہ نگار کتاب یا تو پڑھتے ہی نہیں ہیں یا صرف اچھے اشعار پڑھ کر رائے دیدیتے ہیں۔ حالانکہ انہیں ”خدا صفا و دوع ماکدر“ [اختیار کرو جو کچھ کہ پاک ہو اور چھوڑ دو جو ناپاک ہو] کے مقولے پر خود عمل کرنے سے پہلے صاحب کتاب سے اس نصیحت پر عمل کروالینا چاہیے۔

لطیف اثر کی مثال تو شعری اوزان و بحر اور مضامین کی کجروی کی انتہائی درجے کی مثال ہے۔ لیکن بعض ثقہ شعراء کے یہاں بھی نعتیہ مضامین کی بنت میں کمزوریاں رہ جاتی ہیں جن کی طرف دیباچہ، تقریظ یا مقدمہ نگار غور نہیں کرتے اور بڑی اچھی اور دلکش عبارت میں اپنی رائے دے کر صاحب کتاب کی مدح کرنے لگتے ہیں۔ ایک دو مثالیں ایسی بھی ملاحظہ فرمائیے:

☆ اعظم چشتی کا نام نعت خوانی اور نعت گوئی کے لیے بڑا معروف نام ہے۔ ان کے علم و فضل میں بھی کوئی کمی نہیں، لیکن شعر کہتے ہوئے ان سے ایک ایسا شعر موزوں ہو گیا جس کی موجودگی ان کے شعری مجموعے ”نیر اعظم“ [جس میں نعتیہ حصہ بھی ہے] کی پیشانی پر ایک بد نما داغ ہے۔ لیکن ان پر لکھنے والے اہل قلم ”صوفی غلام مصطفیٰ تبسم“ اور ”مولینا کوثر نیازی“ نے اس شعر پر توجہ ہی نہیں دی۔ حالانکہ اگر

یہ حضرات اس شعر کی نشاندہی کر دیتے تو اعظم چشتی اپنے مجموعے سے وہ شعر نکال دیتے یا خیال کی اصلاح کر لیتے۔ شعر ہے:

انسانیت کو بخشی وہ تو قیر آپؐ نے

ہر آدمی سمجھنے لگا ہے خدا ہوں میں (۹۹)

اس شعر کی معنوی پرتوں کو کھولنا ضروری نہیں صرف اتنا کہدینا ہی کافی ہے کہ یہ شعر تعلیمات نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے منافی ہے۔ نبی ﷺ نے خود بھی عجز کو پسند فرمایا ہے اور ان کی تعلیم بھی عجز و انکسار اختیار کرنے کی ہے۔ یہی نبی ﷺ کا اسوہ حسنہ ہے۔ خدا بننے کی خواہش رکھنے والے اور خود کو خدا سمجھنے والے تو فرعون و نمرود تھے جن کی روش سے بچ کر چلنا ہر مومن کا فرض ہے۔

اب ذرا دیکھئے کہ دیباچہ نگاروں نے اعظم چشتی کے لیے کیا کیا لکھا؟ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم رقمطراز ہیں:

”رسول پاک کی یاد انسان کے دل میں پاکیزہ جذبات اور افکار پیدا کرتی ہے اور پاکیزہ افکار سے پاکیزہ اشعار ابھرتے ہیں اور یہاں ایک نازک اور کٹھن مرحلہ ہے۔ یہاں پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر جذبات میں کھوجانا اور پھر احترام کے دامن کو تھامے رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ احترام کے ساتھ جذبات کی روک تھام ہی سے اچھی نعت وجود میں آتی ہے۔ اعظم کو قدرت نے یہی جوہر عطا کیا ہے۔“ (۱۰۰)

مولینا کوثر نیازی نے لکھا:

”یوں تو جتنی بھی اصناف سخن ہیں سب اپنی جگہ مشکل اور اہم ہیں مگر جو نزاکت نعت گوئی میں ہے وہ کسی اور صنف شعر میں نہیں پائی جاتی۔ یہاں ایک طرف محبت کے تقاضے ہیں تو دوسری طرف شریعت کی حدود۔ جذبات ایک طرف کھینچتا ہے تو علم دوسری جانب، عام محبوبوں کا معاملہ ہو تو قلم آزاد ہے جس طرح چاہے وارداتِ قلب کا نقشہ کھینچ دے مگر یہاں جس محبوب کی بات ہونی ہے، وہ محبوب خدا ہے۔ ایک ایک لفظ میزان میں تل کے نکلنا چاہیے کہ کہیں سوء ادب نہ ہو جائے لینے کے دینے نہ پڑ جائیں، جو بات ہو افراط و تفریط سے بچ کر ہو، ایک طرف یہ پابندیاں ہیں اور دوسری طرف شعریت کا مزاج اتنا حساس ہے کہ وہ ان حدود و قیود سے فوراً آورد میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اب محض علم کے بل بوتے پر نعت کہو تو جذبے کی روح سے خالی ہوگی اور محض جذبے کی بنا پر شعر کہو تو اس پر نعت کا اطلاق نہ ہوگا۔ گویا نعت کیا ہے کارگر ہر شیشہ گری ہے ذرا سی ٹھیس لگی اور آگینہ ٹوٹ گیا۔ اب

واٹش کو یک جا کرنا پھر آسان ہے مگر جذبہ اور علم کی آمیزش سے نغزل کے کامل شعور کو برقرار رکھتے ہوئے نعت کہنا کارے دارد..... اعظم چشتی کی نعتوں کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں عشق بھی نظر آئے گا اور علم بھی، جذبے کی گہرائی بھی ہوگی اور فن کی گیرائی بھی۔ وہ اپنی نعتوں میں بے تکلف قرآنی آیات، دینی اصطلاحات اور تصوف کے اشارات و کنایات استعمال کر جاتا ہے اور اس کے باوجود شعریت کی روح برقرار رہتی ہے۔“ (۱۰۱)

دیباچہ، مقدمہ یا تقریظ نگاروں کے درج بالا اقتباسات سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ انہوں نے ”کلم“ کی ذات کو پیش نظر رکھا اور کلام کی جملہ خوبیوں اور خامیوں کی طرف قطعی دھیان نہیں دیا ورنہ کم از کم مذکورہ شعر تو اس مجموعے میں شامل نہیں ہوتا اور اگر ہوتا تو تقریظ نگاروں کا اشارہ اس کا ذکر اس بات کی شہادت دینے کے لیے کافی ہوتا کہ وہ اس شعر کی حد تک شاعر سے متفق نہیں ہیں۔ اب ان عظیم ناقدین کے عطا کردہ تصدیق ناموں کو کیا نام دیا جائے؟ معروضی تبصرے کا یا جانبدارانہ تنقیدی رائے سے صاحب کتاب کو نوازنے کا؟

☆ بقانظامی کے مجموعہ نعت ”شہر جبریل“ پر تقریظ لکھنے والوں میں بہت سے نامور لوگ شامل ہیں مثلاً جوش ملیح آبادی، علامہ جمیل مظہری، علامہ جعفر شاہ پھلواروی، پروفیسر شاہ مقبول احمد، پیر زادہ سید آل احمد عینی، پروفیسر معین الدین دردائی، پروفیسر محمد اسلم، رئیس امر وہوی، تابش دہلوی، شاعر لکھنوی، عطاء الرحمن جمیل، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر وفاراشدی، ثمر نظامی اور منظوم تقریظ لکھنے والوں میں ڈاکٹر جمیل عظیم آبادی۔ لیکن یہ تمام آراء بقانظامی کے مجموعی کلام پر ہے جس میں غزل کی کتاب ”صہبائے بقا“ پر زیادہ کلام کیا گیا ہے۔ البتہ شاعر نے خود اپنے دیباچے میں نعتیہ شاعری کی نزاکتوں سے آگاہی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”دراصل، نعت، حمد باری تعالیٰ کی ایک شکل ہے۔ ایک اچھی اور مکمل نعت سے قاری اور سامع کے دلوں کو عظمت الہی اور معرفت الہی کا ادراک ہوتا ہے۔ نعت وہ راہ ہے جس کو عرت جیسے شاعر نے ہر دم تیغ، یعنی تلوار کی دھار سے تشبیہ دی ہے۔ یعنی ہوشیار ہو کہ نعت گوئی تلوار کی دھار پر چلنا ہے ذرا بھی ادھر ادھر قدم بہکا اور شاعر دنیا و آخرت میں راندہ درگاہ الہی ہوا۔ اللہم احفظنا (۱۰۲)

ہم نے بقانظامی کی شاعری پر رائے دینے والے حضرات کے نام تو لکھ دیئے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ شاعر کا دائرہ تعلقات کتنا وسیع تھا۔ لیکن کسی ناقد کی رائے اس لیے نقل نہیں کی کہ تقریظ نگاروں کی رائے براہ راست نعتیہ شاعری بالخصوص زیر مطالعہ کتاب ”شہر جبریل“ پر نہیں تھی۔ اس لیے صرف

صاحب کتاب بقا نظامی عظیم آبادی کی رائے جو زیر عنوان ”مصب نعت گوئی“ درج کی گئی ہے اس کا اقتباس دیدیا ہے۔ اب اس تصور نعت کے بعد خود شاعر نے جو کلام پیش کیا ہے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمیں کچھ ایسے اشعار بھی نظر آتے ہیں جن کی موجودگی نعتیہ کتاب میں بہت گراں گزر رہی ہے، مثلاً

از ازل تا بہ ابد کوئی نہیں کوئی نہیں

آدمیت کا نمونہ آپ ہیں بس آپ ہیں (۱۰۳)

یہاں آدمیت کا ”واحد نمونہ“ حضور ﷺ کی ذات کو بتا کر خود حضور ﷺ کے پیروکاروں کی سیرت میں حضور کے اسوہ حسنہ کی بھلک تک کی نفی کر دی گئی ہے۔ پھر حضور ﷺ بشر ہونے کے ساتھ ساتھ خیر البشر بھی ہیں اس لیے صرف آدمیت کا نمونہ کہہ دینے سے نعت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

جس نے دل و جگر کو نچھاور کیا بقا

ہاں ہاں بلال و بوذرو سلمان ہو گیا (۱۰۴)

اس شعر میں حضور ﷺ کی ذات پر سو جان سے نثار ہونے والے کو صحابیت کا درجہ ملنے کی نوید ہے جو از روئے واقعہ درست نہیں۔ کیوں کہ صحابیت کا درجہ تابعین یا اتباع تابعین نے بھی نہیں پایا۔ آج حضور ﷺ کا کوئی امتی صحابیت کے مقام کو کیسے پاسکتا ہے؟ لہذا اس شعر کا مافیہ بھی خلاف حقیقت ہے۔

انا بشر زمانہ تم کو سمجھے، ہم نہ سمجھیں گے

بنائے کن فکاں تم وجہ تخلیق جہاں تم ہو (۱۰۵)

قرآن کریم کی آیت ہے:

”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ“

”کہہ دیجیے [اے نبی] کہ درحقیقت میں بھی ایک بشر ہوں تم ہی جیسا، وحی کی جاتی ہے میری طرف“ (۱۰۶)

قرآن کریم کی کسی آیت کا حوالہ دے کر، فخر یہ انداز میں یہ کہنا کہ ہم اس حقیقت کو تسلیم نہیں کریں گے کہ آپ ﷺ بشر ہیں، کبھی بڑی اور سنگین جسارت ہے! اس لیے یہ شعر بھی شرعی گرفت سے نہیں بچ سکتا۔

قریب حضرت محبوبِ داور ہوتے جاتے ہیں

بقا اب آپ سلمان و ابوذر ہوتے جاتے ہیں (۱۰۷)

یہاں بقا نظامی اپنے کسی روحانی ترفع کا احوال بتانا چاہتے ہیں لیکن عہدِ اصحاب النبی ﷺ کے

بعد صحابیت کا درجہ کسی امتی کو ملنا محال ہے۔ چنانچہ اس دعوے کی وجہ سے یہ شعر نعتیہ مضامین کی حدود سے نکل گیا۔

مری ہستی کو آئینہ بنا ڈالا محبت نے

بلال و بوذرو سلمان ہوں اب اور کیا کہیے (۱۰۸)

اس شعر کو بھی اسی شعر کے ساتھ ملا کر دیکھیے جس میں یہ نوید سنائی گئی تھی کہ جس نے دل و جگر کو نچھاور کر دیا وہ بلال و بوذرو سلمان ہو گیا۔ وہاں بات تعیم زدہ تھی تو یہاں تخصیص کی صورت میں دعویٰ ہے۔ لیکن کیا اس دعوے کو قبول کیا جاسکتا ہے؟

یہ اشعار ایک ایسے مجموعے میں ہیں جس کا دیباچہ خود شاعر نے لکھ کر اپنی ”نعت شناسی“ کا اعلان کیا ہے۔ ایسی صورت میں شاعر کا دعویٰ کس کھاتے میں ڈالا جائے؟

اس باب کے اختتام پر صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ نعتیہ کتب میں شامل مقدمے، دیباچے یا تقریظیں افراط و تفریط کا شکار بھی ہو سکتی ہیں۔ اس لیے کسی شاعر کی تخلیقی کاوش کے بارے میں دی جانے والی آراء کو معروضی انداز میں پڑھنے اور محتاط طریقے سے کسی کتاب کے ”متن“ کو پرکھنے کی ضرورت ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ ہر کتاب کو شعری اور شرعی سطح پر پرکھنے کا عمل بہت زیادہ معروضیت کا متقاضی ہے۔

☆☆☆

باب چہارم:

مآخذ و منابع:

- ۱۔ فہرست کتب، نعت لائبریری شاہدرہ، لاہور، طبع دوم: اکتوبر ۲۰۰۶ء
- ۲۔ فہرست کتب خانہ، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی، بار اول ۲۰۰۹ء ۳۔ روزگار فقیر، ج: ۱، ص ۸۵
- ۴۔ مجموعہ مطالعات عبدالحق، ص ۶۵۰ ۵۔ مقدمات عبدالحق، ص ۳۴
- ۶۔ اردو لغت، اردو ڈکشنری بورڈ، کراچی ۷۔ مقدمات عبدالحق، ص ۸۸
- ۸۔ ایضاً ص ۵۹ ۹۔ اردو لغت ۱۰۔ ایضاً ۱۱۔ اردو میں مقدمہ نگاری کی روایت، ص ۱۹
- ۱۲۔ مطالعات عبدالحق، ص ۶۹۵ ۱۳۔ اردو میں مقدمہ نگاری کی روایت، ص ۱۹ ۱۴۔ کلیات حفیظ تائب، ص ۲۶
- ۱۵۔ کشف تنقیدی اصطلاحات، ص ۱۴۲ ۱۶۔ کلیات حفیظ تائب، ص ۹۹
- ۱۷۔ کلیات نظم حالی، ج: ۱، ص ۲۵۹ ۱۸۔ کلیات حفیظ تائب، ص ۲۷ ۱۹۔ ایضاً ص ۲۷

۲۰۔ ایضاً ص ۲۱۳۰۔ ایضاً ص ۳۱۔ ایضاً ص ۳۱	۲۳۔ آپ ﷺ ص ۱۱۱	۲۴۔ ایضاً ص ۱۱۴
۲۵۔ ایضاً ص ۱۱۵	۲۶۔ ایضاً، سرورق	۲۷۔ تقدیس، ص ۱۲
۲۹۔ ایضاً	۳۰۔ م۔ ص، ص ۲۰	۳۱۔ ایضاً ص ۸۸
۳۳۔ ایضاً ص ۷۸	۳۴۔ ایضاً ص ۷۹	۳۵۔ ایضاً ص ۱۰۰
۳۷۔ ایضاً ص ۹۴	۳۸۔ ایضاً ص ۹۶	۳۹۔ ایضاً ص ۹۷
۴۱۔ ایضاً ص ۶۶	۴۲۔ ایضاً ص ۷۳	۴۳۔ ایضاً ص ۷۵
۴۵۔ ایضاً ص ۸۵	۴۶۔ ایضاً ص ۸۷	۴۷۔ ایضاً ص ۹۰
۴۹۔ ایضاً ص ۹۸	۵۰۔ محرابِ توحید، ص ۱۶	۵۱۔ ایضاً ص ۱۶۔ ۵۲۔ ایضاً ص ۱۶
۵۳۔ روشنی، بی روشنی، ص ۲۳	۵۴۔ ایضاً ص ۴۴	۵۵۔ ایضاً ص ۶۶
۵۷۔ تجلیات، ص ۷	۵۸۔ بابِ جبریل، ص ۹	۵۹۔ ایضاً ص ۸۶
۶۱۔ حاضری و حضوری، ص ۱۴	۶۲۔ ایضاً ص ۵۸	۶۳۔ جمالِ جہاں فروز، ص ۶۳، ”ز“، ۶۴۔ ایضاً ص ۴
۶۵۔ ایضاً ص ۷	۶۶۔ ایضاً ص ۷	۶۷۔ ایضاً ص ۹
۶۹۔ نعت رنگ، شمارہ ۲: ص ۲۹۷	۷۰۔ چراغِ عالمیں ﷺ، ص ۱۱۷۔ ۷۱۔ ایضاً ص ۲۳۸	
۷۲۔ ضیاء القرآن، ج: پنجم، ص ۳۲۹	۷۳۔ ایضاً، ج: ۲: ص ۶۲۳	۷۴۔ چراغِ عالمیں ﷺ، ص ۱۹
۷۵۔ ایضاً ص ۲۲	۷۶۔ ایضاً ص ۲۶	۷۷۔ ایضاً ص ۲۹
۷۹۔ ایضاً ص ۳۹	۸۰۔ صحیفہ نور، ص ۱	۸۱۔ ایضاً ص ۳۔ ۸۲۔ ایضاً ص ۱۱۔ ۸۳۔ ایضاً ص ۲۳
۸۴۔ ایضاً ص ۳۰	۸۵۔ ایضاً ص ۳۲	۸۶۔ ایضاً ص ۳۶
۸۸۔ ایضاً ص ۳۸	۸۹۔ ایضاً ص ۴۰	۹۰۔ ایضاً ص ۴۲
۹۲۔ ایضاً ص ۵۔ ۹۳۔ اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۲۰	۹۴۔ ایضاً ص ۱۹	۹۵۔ القرآن، ص ۳۶: ۶۹
۹۶۔ حقیقت محمد ﷺ، ص ۲۱	۹۷۔ الرحیق المختوم، ص ۵۶۵	۹۸۔ اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۲۰
جائزہ، ص ۲۰	۹۹۔ نیر اعظم، ص ۴۱	۱۰۰۔ ایضاً ص ۱۰۱۱۲۔ ایضاً ص ۱۷
۱۰۲۔ شہرِ جبریل، ص ۱۲	۱۰۳۔ ایضاً ص ۸۳	۱۰۴۔ ایضاً ص ۹۰
۱۰۵۔ ایضاً ص ۱۰۹	۱۰۶۔ القرآن، ۱۸: ۱۱۰	۱۰۷۔ شہرِ جبریل، ص ۱۳۵
۱۰۸۔ ایضاً ص ۱۵۵		☆ ☆ ☆

باب پنجم :

انتخاب ہائے نعت میں چھپنے والے مقدموں،
دیباچوں اور تحقیقی مقالوں میں تنقیدی آراء کا جائزہ

۱۔ انتخاب ہائے نعت میں شامل مقدموں اور دیباچوں کی تنقیدی نیچ کا تعین:

نعتیہ شاعری کے انتخاب کے ضمن میں غوث میاں نے پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے قبل اور مابعد کی مطبوعہ کتب کا تخمینہ پیش کیا تھا جو نعت رنگ شمارہ نمبر ایک میں شائع ہوا تھا۔ غوث میاں کی تحقیق کے مطابق 1995ء تک تقریباً ۲۸۵ چھوٹے بڑے نعتیہ انتخاب شائع ہو چکے تھے۔ کچھ انتخاب بعد میں بھی آئے، اس حساب سے صرف نعتیہ شاعری کے انتخاب پر مبنی مجموعوں کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے۔ اسی لیے ہم صرف چند اہم انتخاب ہائے نعت میں شامل مقدموں اور دیباچوں کی تنقیدی نیچ جاننے کے لیے درج ذیل کتب کا جائزہ لیں گے:

i۔ خیر البشر ﷺ کے حضور میں، مرتبہ: ممتاز حسن مطبوعہ ۱۹۷۵ء

ii۔ ارمغان نعت، مرتبہ: شفیق بریلوی، مطبوعہ ۱۹۷۵ء

iii۔ مخزن نعت، مرتبہ: محمد اقبال جاوید، مطبوعہ ۱۹۷۹ء

iv۔ نعت کائنات، مرتبہ: راجا رشید محمود، مطبوعہ ۱۹۹۳ء

v۔ مستند نعتیہ کلام، مرتبہ: قاری محمد اسحاق ملتانی، محرم الحرام ۱۴۳۱ھ

vi۔ جمال اندر جمال، مرتبہ: قمر وارثی، ۱۹۹۸ء

vii۔ مہکامہ کا حرف حرف، مرتبہ: قمر وارثی، ۱۹۹۹ء

viii۔ انتخاب نعت، مرتبہ: عبدالغفور قمر، حصہ دوم: ۱۹۹۷ء

ix۔ شہر نعت، مرتبہ: آصف بشیر چشتی، س۔ ن۔

x۔ ایوان نعت، مرتبہ: صلیح رحمانی، ۱۹۹۳ء

۱۔ خیر البشر ﷺ کے حضور میں:

نعتیہ ادب میں، ممتاز حسن کا مرتب کردہ یہ انتخاب اپنے مقدمے کے علمی مزاج اور صائب فکری نکات کے باعث بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس مقدمے میں جس کا عنوان بھی ”مقدمہ“ ہی ہے، نعت کی تعریف اور مقصد نعت گوئی نیز اس کے محرکات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ اچھی نعت کے نفس مضمون میں کیا کچھ ہونا چاہیے اور کیا کچھ نہیں ہونا چاہیے اس ضمن میں بھی رہنما اصول مرتب کرنے کی سعی کی گئی ہے اور نعت کے معنوی پھیلاؤ کی طرف بھی اشارے کیے گئے ہیں۔

ہم اختصار کے ساتھ ان نکات کا احاطہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو ممتاز حسن کے اس مقدمے کے مطالعے سے اخذ کیے گئے ہیں۔ ممتاز حسن نے لکھا:

”میرے نزدیک ہر وہ شعر نعت ہے جس کا تاثر ہمیں حضور رحمت اللعالمین کی ذاتِ گرامی سے

قریب لائے، جس میں حضور ﷺ کی مدح ہو یا حضور ﷺ سے خطاب کیا جائے۔“ (۱)

اس تعریف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کے ذکر کی کوئی ایسی صورت ہو جس میں حضور ﷺ کی مدح ہو یا حضور ﷺ سے خطاب کیا جائے وہی ممتاز حسن کے نزدیک نعت ہے۔ لیکن صرف اتنی بات جان لینے سے نعت کا دائرہ بہت محدود ہو جائے گا اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مقدمے کے کچھ اور گوشے بھی دیکھ لیں۔ ممتاز حسن نے مزید لکھا ہے:

”صحیح معنوں میں نعت وہ ہے جس میں محض پیکرِ نبوت کے صوری محاسن سے لگاؤ کی بجائے مقصد

نبوت سے دل بستگی پائی جائے، جس میں جناب رسالہ آسمانی سے صرف رسمی عقیدت کا اظہار نہ ہو بلکہ

حضور کی شخصیت سے ایک قلبی تعلق موجود ہو۔ وہ مدح ہو یا خطاب بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ اور وہ شعر نظم

ہو یا غزل، قصیدہ ہو یا مثنوی، رباعی ہو یا مثلث، مخمس ہو یا مسدس، اس سے نعت کی نوعیت میں کوئی

فرق نہیں پڑتا۔ البتہ نعتیہ کلام کی معنوی قدرو قیمت کا دار و مدار اس کے نفس مضمون پر ہے۔ اگر اس کا

مقصد ذاتِ رسالت کی حقیقی عظمت کو واضح کرنا اور آقائے دو جہاں کی بعثت کی جواہریت نوعِ انسانی

اور جملہ موجودات کے لیے ہے، اسے نمایاں کرنا ہو تو وہ صحیح طور پر نعت کہلانے کا مستحق ہے۔“ (۲)

اس عبارت سے یہ متبادر ہوا کہ مدح یا خطاب کو بالواسطہ اور بلاواسطہ کہہ کر ممتاز حسن نے نعت

کے معنوی دائرے کو ذرا وسیع کر دیا ہے۔ کیوں کہ اس میں حضور اکرم ﷺ کا مقصد رسالت اور نوعِ انسانی

کے لیے آپ ﷺ کی بعثت کی اہمیت کا بیان بالواسطہ نعت ہی ہو سکتا ہے۔ ایسی نعت جس میں حضور ﷺ کی

تعریف حضور ﷺ کی تعلیمات کی افادیت اور نوعِ انسانی کے لیے ان تعلیمات کی نفع رسانی کے حوالے سے

ہو وہ بلا واسطہ نعت [جس میں ”مدح“ یا ”خطاب“ ہو] کی تعریف میں نہیں آسکتی۔ ممتاز حسن نے مزید لکھا:

”البتہ اگر شاعر کی توجہ صرف حضور ﷺ کے حسن و جمال ظاہری پر رک جائے اور اس سے آگے نہ بڑھ سکے کہ حضورؐ کے قد کا سایہ نہ تھا، یا حضورؐ کے سر کے بال آخر وقت تک سیاہ تھے، تو اس شاعری کا درجہ وہ نہیں ہوگا، جو حقیقی نعتیہ کلام کا ہے“ (۳)

اس پیرا گراف سے یہ معافی برآمد ہوئے کہ حضور ﷺ کے جمالِ صوری کے بیان کو بھی ممتاز حسن نعت ہی کے ذیل میں رکھ کر دیکھتے ہیں لیکن ایسی شاعری کا درجہ ان کے نزدیک ”حقیقی نعتیہ کلام“ کے درجے سے کم ہوگا۔

نعت کی تعریف اور اس کے متعلقات کے بیان سے کچھ تنقیدی نکات برآمد ہوئے جن کو اختصاراً یوں تحریر کیا جاسکتا ہے:

☆ ممتاز حسن کے نزدیک حضورؐ کی مدح یا خطاب ہی نعت ہے۔

☆ حضورؐ کے مقصدِ نبوت کے اظہار کو ممتاز حسن ترجیح دیتے ہیں۔

☆ حضور ﷺ کے جمالِ صوری کے بیان کو ممتاز حسن کم تر درجے کی نعت سمجھتے ہیں۔

☆ ممتاز حسن کی تنقیدی نہج، نعتیہ کلام کے نفسِ مضمون کی پرکھ پر قائم ہے۔

ممتاز حسن، چونکہ ”مدح یا خطاب“ کو نعت سمجھتے ہیں لہذا، شہرِ مدینہ اور اس تک پہنچنے کی تڑپ کے ملفوظی پیکر میں اظہارِ پانے والے احساسات کو نعتیہ شاعری سے خارج سمجھنا ہوگا جو درست نہیں ہے۔ کیوں کہ نعت میں ہجرِ مدینہ اور وہاں تک پہنچنے کی تمنا کے نقوش زیادہ نمایاں ہیں اور وہ بھی نعت ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔ پھر نعت اگر حضورؐ کی مدح یا حضورؐ سے خطاب ہی ہے تو مقصدِ نبوت کا اظہار نعت کیسے بنے گا؟ کیوں کہ مقصدِ نبوت کے اظہار میں تعلیماتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ذکر تو ہوگا، حضورؐ کی مدح نہیں ہوگی اور نہ ہی حضورؐ سے خطاب ہوگا! یہ الگ بات کہ مقصدِ نبوت سے مملو نعت کو، ہم بلا واسطہ نعت کا درجہ دے کر خود ممتاز حسن صاحب کی بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ علاوہ ازیں ”مدح“ میں تو جمالِ صوری کا ذکر ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے جس کو اول درجے کی نعت ہی تصور کیا گیا تھا۔ مثلاً حضرت حسان بن ثابت کا مشہور قطعہ:

واحسن منك لم ترقط عینی

واجمل منك لم تلد النساء

خلقت مبراء من کل عیب

کانک قد خلقت کما تشاء

(میری نگاہ نے آپؐ سے زیادہ حسین کسی کو نہیں دیکھا، اور کسی ماں نے آپؐ سے زیادہ کسی خوبصورت کو جنم نہیں دیا۔ آپؐ ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے۔ گویا آپؐ کی تخلیق اس طرح ہوئی جس طرح آپؐ خود چاہتے تھے)..... اس قطعے میں حضور ﷺ کے جمالِ صوری ہی کا ذکر ہے اور ظاہر ہے یہ نعت دیگر تمام شعراء کی نعتوں سے افضل ہے کیوں کہ خود ممدوح مکرم، ہادیء عالم سید المرسلین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے دربار میں پڑھی گئی۔

ممتاز حسن اگر یہ کہتے کہ بیان کا قرینہ اور واقعات کی درست بُنت کے ساتھ نعت گوئی کی جائے تو وہ نعت چاہے صوری محاسن کے بیان پر مشتمل ہو چاہے سیرتِ رسول ﷺ کی آئینہ دار ہو، وہ نعت ہر طرح سے قابلِ توجہ ہوگی، تو یقیناً ان کی بات وزنی ہو جاتی۔ ممتاز حسن نے موضوعات کی ترجیح کا خیال ظاہر کرنے میں جو درجہ بندی کی ہے وہ اسلوب کی دلکشی اور بیان کی صداقت اور اسناد سے مزین ہونے کی طرف اشارہ ضرور ہے لیکن ان کا بیان واضح نہیں ہو سکا۔

میرے اس خیال کی تائید میں ممتاز حسن کی وہ مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جن کا حوالہ دے کر موصوف نے حضور اکرم ﷺ کے جمالِ صوری کے بیان کا درجہ حقیقی نعتیہ کلام سے کم تر ظاہر کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

”کسی نے کہا ہے:

معراج کی رتیاں دھوم مچی اک راجِ دلارِ آوت ہے

یا ایک اور نعت ہے:

بے نقاب آج تو اے کیسوؤں والے آجا

کملی والے مجھے کملی میں چھپا لے آجا

اسی طرح کچھ اور گیت ہیں جو عاشقانہ اور جذباتی شاعری کی یاد دلاتے ہیں جو ہندوؤں کے ہاں، عام ہے اور جس کا مرکز کرشن جی مہاراج کی ذاتِ والا صفات ہے۔ مثلاً

مدینے میں مور پیا بالا ہے رے
مستی ہے یادِ چشمِ رسولِ اُنام کی
اس سے بھی آگے بڑھے تو اس قسم کے شعر نظر آئیں گے:

اے دوستو فرقت میں مری مرتے ہونا حق

اے چارہ گرو فکر دوا کرتے ہونا حق

اچھا نہ کبھی ہوں گا میں بیمارِ نبی ہوں

اور یہ اس ذاتِ گرامی کے متعلق کہا گیا ہے جو جسم و روح کی بالیدگی اور توانائی کا سرچشمہ ہے! (۴)

اس بیان میں چونکہ مثالوں سے کام لیا گیا ہے اس لیے اس بات کی وضاحت ہوگئی اور بات سمجھ میں آگئی کہ ممتاز حسن کا اشارہ، نعت کے مافیہ اور اسلوب (Content and Style) میں تطابق اور توافق کے عناصر کی طرف تھا۔

ممتاز حسن نے ”صفات رسالت“ کا ذکر کرتے ہوئے اپنی بات کی وضاحت کی ہے جو لائق توجہ اور قابل قبول ہے۔ اس تفصیلی بیان کی خواندگی کے بعد ان کے مقدمے کی اولین سطور کے ابہام سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوئی تھیں وہ دور ہو جاتی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”صفات رسالت محض پیکرِ نبوی کے حسن و جمال کا نام نہیں ہے۔ یہ نام ہے اس خلقِ عظیم کا جو ساری نوعِ انسانی کے لیے ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم مقصدِ بعثت سے اس وقت تک واقف نہیں ہو سکتے جب تک کہ ہم پر حضور خیر البشر کی سیرت کے مختلف پہلو منکشف نہ ہوں۔ جناب رسالتِ آب کی زندگی سارے انسانوں کے لیے ایک قابل تقلید نمونہ ہے خواہ ہم انھیں ایک بچے کی حیثیت سے دیکھیں یا ایک جوان اور بوڑھے کی حیثیت سے۔ حضور ایک شہری ایک فرمانروا، ایک خاوند، ایک باپ، ایک قائد، ایک مجاہد، ایک سپاہی، ایک سپہ سالار، ایک حج، ایک مقنن، ایک منتظم سبھی کچھ ہیں۔ ہم اس زندگی کے جس پہلو پر نظر ڈالیں وہ اسی اسوۂ حسنہ کا مظہر ہے جس کا ذکر خود قرآن نے کیا ہے۔ اگر حضور کی زندگی چند مافوق الفطرت واقعات کا مجموعہ ہو کر رہ گئی ہوتی اور اس میں عام انسانوں کے رنج و راحت، مسرت و غم، مصیبت اور کامرانی، یہ سب موجود نہ ہوتے تو ہم بحیثیت انسان اس زندگی سے کوئی سبق نہ سیکھ سکتے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضور کی زندگی میں انسانی رنج و غم اور کرب و الم کی ساری کیفیتیں، ساری اذیتیں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ذاتِ رسالت کے شعور کے لیے صفاتِ رسالت کا ادراک اور سیرتِ رسول ﷺ کی پیروی ناگزیر ہے۔ اصل چیز یہاں بھی ذاتِ رسالت ہے۔ مگر ذات و صفات لازم و ملزوم ہیں۔ خلاصہ یہ کہ نعتِ رسول کی بنیاد یا تو عشقِ ذات ہے، یا ادراکِ صفات۔ یا تو وہ ذاتِ رسالت سے ایک گہرے اور والہانہ جذبے کا اظہار ہے۔ یا صفاتِ رسالت کی عکاسی۔ دونوں کا مقصد اور حاصل یہ ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے انسان کی

شخصیت اور کردار ہمارے سامنے آئیں اور ایک مثالی حیثیت سے زندگی میں ہمارے لیے مشعل راہ کا کام دیں۔“ (۵)

اس اقتباس سے ممتاز حسن کے تنقیدی منہاج کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تاہم اس سارے بیان میں شعری حسن و فح کا ذکر نہیں ہے۔ یہاں انہوں نے صرف نعت کے مافیہ (content) کی نوعیت پر زور دیا ہے۔ لیکن شعری معیارات کے حوالے سے بھی ان کا ایک مربوط نظام فکر ہے، جس کو بروئے کار لا کر وہ اچھی شاعری کا انتخاب کرتے ہیں اور یوں اپنا شعری مسلک واضح کرتے ہیں:

”جہاں تک اردو نعت کا تعلق ہے اردو کے بعض اساتذہ کے نعتیہ کلام میں زیادہ تر استادانہ صنعت گری پائی جاتی ہے۔ مثلاً امیر مینائی نے جو غزل کے شاعر تھے اور اس حیثیت سے مشہور ہیں، معراج پر جو کچھ کہا ہے اس میں زیادہ تر الفاظ پر زور ہے:

کس کے آنے کی فلک پر ہے خبر آج کی رات
آنکھ سورج سے ملاتا ہے قمر آج کی رات
کہکشاں کہتی ہے قسمت کا ستارہ چمکا
ہوگا اس راہ سے حضرت کا گزر آج کی رات
حوریں فردوس سے نکلی ہیں نچھاور کرنے
سر پہ رکھے طبق لعل و گہر آج کی رات

مگر میں ایسی نعتوں کی مثالیں زیادہ دینا نہیں چاہتا جو میرے خیال کے مطابق نعت کے معیار پر پوری نہیں اترتیں البتہ یہ ضرور چاہتا ہوں کہ اردو نعت کے چند ایسے نمونے آپ کی خدمت میں پیش کروں جو میرے نزدیک نعت کہلانے کے مستحق ہیں۔ میری رائے میں اردو میں کوئی نعت حالی کے مسدس کی برابر موجود نہیں ہے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرانے کا غم کھانے والا
فقیروں کا بلجا ضعیفوں کا ماوئی
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

ان چند شعروں میں کوئی تکلف، کوئی مبالغہ، کوئی طبعی، کوئی صنعت گری نہیں۔ مگر جو تاثر ان میں موجود ہے اس کی نظیر اردو شاعری میں نہیں ملتی۔ حضور رسالت پناہ کا اپنا ارشاد ہے کہ

”الخلق کلہم عیال اللہ و احبہم الی اللہ من انفعہم الی الخلق“

یعنی ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور خدا کو سب سے عزیز وہ انسان ہے جو خلق خدا کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔ حالی کے یہ شعر اسی حدیث اور صاحب حدیث کی تصویر ہیں اور اس قدر پر اثر ہیں کہ انسان کی ساری زندگی کا رخ بدل سکتے ہیں۔“ (۶)

ممتاز حسن کا یہ معیار نقد اگر امیر مینائی کی شعری بوطیقا اور حالی کے اسلوب کی روشنی میں کوئی نام پاسکتا ہے تو اس کو تقابلی تنقید (Comparative Criticism) کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اس طریق تنقید میں کسی ایک شاعر کے کلام کا کسی دوسرے شاعر کے شعری عمل سے موازنہ کیا جاتا ہے تاکہ کسی شعری کاوش کو برتر اور کسی کو کم تر ثابت کیا جاسکے۔ اس کی مثال اردو میں شبلی کی ”موازنہ انیس و دہیر“ ہے۔ علاوہ ازیں چوں کہ ممتاز حسن نے حالی کے شعری متن کو حدیث کی سند کے حوالے سے بھی پرکھا اور اس کی تحسین کی ہے اس لیے اس طرز تنقید کو ”تشریحی تنقید“ (Descriptive Criticism) کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ اس تنقیدی دبستان میں شاعر کے خیالات کی تشریح کی جاتی ہے اور یہاں ممتاز حسن نے تشریح کے ساتھ ساتھ مقدس حوالہ بھی دے دیا ہے جس کے باعث حالی کے اشعار کا معیار بہت بلند ہو گیا ہے۔ متن کی پرکھ کا یہ انداز ساختیاتی طریق نقد (Structural Criticism) میں برتا جاتا ہے۔

اس تناظر میں ممتاز حسن کا طریق تنقید ہشت پہلو ہو جاتا ہے۔ نعت کے حوالے سے انہوں نے اپنے خیالات کو تنقیدی کسوٹی کے کسی خاص بیانیے سے نہیں بلکہ عمومی (general) معیارات کی روشنی میں بیان کرنے کی سعی کی ہے۔

متن شعری پرکھ کے اصولوں پر گفتگو کرتے ہوئے ممتاز حسن نے جن اشعار کے متون کی گرفت کی ہے وہ تنقید کے اس دبستان کے ذیل میں آتے ہیں جسے مقنن تنقید (Legislative Criticism) کا نام دیا جاتا ہے۔ مثلاً:

”اقبال کا شمار باقاعدہ نعت گو یوں میں نہیں ہے۔ ان کی ابتدائی شاعری میں ایک آدھ روایتی نعت ملتی ہے جسے انہوں نے اپنے مجموعہء کلام میں شامل نہیں کیا۔ جیسے:

نگاہ عاشق کی تاڑ لیتی ہے پردہ میم کو اٹھا کر
وہ بزمِ یثرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

اس قسم کی نعت گوئی حد ادب ہی سے متجاوز نہیں ہے، دین کے دائرے سے بھی باہر ہے۔ کوئی اور شاعر تو صاف صاف کہہ گیا ہے:

ذکی کیوں کر نہ ہر دم احمد بے میم کی رٹ ہو
کہ الفت میں لحاظ کفر و ایماں ہو نہیں سکتا!

اس قسم کے افکار و اقوال اکثر صوفیہ اور ان کے معتقدین پر وارد ہوتے ہیں اور ان کی صفائی یہ پیش کی جاتی ہے کہ یہ حالت سکر کے واردات ہیں اور ہم بھی عقیدت کی رو میں بہہ کر انھیں قابل مواخذہ نہیں سمجھتے۔ یہاں صحو اور سکر سے بحث نہیں البتہ یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اول تو معتبر صوفیہ حالت سکر کی کبھی ہوئی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ دوسرے یہ کہ سکر اور جہاں کہیں بھی جائز سمجھا جائے دربار نبوی میں جائز نہیں ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار“ (۷)

اس پیرا گراف سے معلوم ہوا کہ ممتاز حسن نعتیہ شعری کا دشمنوں کے ضمن میں بڑے حزم و احتیاط کے قائل ہیں اور اس مقدس شاعری میں عامیانہ خیال اور مجازی عشق جیسے جذبات کی بنت کو نہایت معیوب جانتے ہیں۔

انتخاب نعت ”خیر البشر ﷺ کے حضور میں“ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں منقبتی نظموں کو بھی نعت کے درجے میں رکھا گیا ہے۔ یہ رویہ صنفی حد بندی کے خلاف تو ہے لیکن معنوی سطح پر فکری اجتہاد کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کتاب میں شامل حضرت بلالؓ اور حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی منقبتیں جو اقبال کی شاعری سے منتخب کی گئی ہیں اپنی جگہ نعت کا معنوی عکس تو لیے ہوئے ہیں لیکن صنفی نوعیت کے اعتبار سے الگ صنف سخن یعنی ”منقبت“ کہلانے کی زیادہ مستحق ہیں۔ البتہ نعتیہ شاعری کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کی ذات والا صفات سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی محبت اور ان کی اتباع کا جذبہ دکھانے کے لیے ضمناً کوئی ایک یا ایک سے زیادہ منقبتی اشعار کہہ لیے جائیں تو وہ نعت ہی کا حصہ ہوتے ہیں۔ بہت سارے نعت گو شعراء نے ایسا ہی کیا ہے جن میں احمد رضا خاں بریلوی کا کلام ایک منفرد مثال ہے۔ متعدد نعتیہ مجموعوں میں منقبتی حصوں کی شمولیت کے رجحان سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نعت گو شعراء کی اکثریت منقبت کو نعت کا جزو سمجھتے ہوئے بھی صنفی اعتبار سے جداگانہ صنف سخن کے ذیل میں رکھتی ہے۔

نعتیہ شاعری کے مضامین میں سیرت یا صورت کے حسن اور مقام رسالت مآب ﷺ کی

رفعت کے بیان کی کون کونسی جہتیں ہونی چاہئیں اس پر مختلف ناقدین کی آراء ان کے نقطہ نظر کے زاویے اور میلان طبع کے حوالے سے مختلف ہوتی ہیں۔ مثلاً اسی موضوع کو لیے لیجے جس کی تحسین میں ممتاز حسن نے حالی کی نعت کو حدیث نبوی ﷺ کی سند کے تناظر میں دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کی۔ وہی مضمون محمد حسن عسکری کے نزدیک مقام رسالت کے لیے فروتر ٹھہرتا ہے اس لیے وہ حالی پر طنز کرتے ہیں:

”وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

اس نعت میں جو مٹھاس اور جو کسک ہے اس کا تو میں بھی قائل ہوں اور فراق صاحب نے اس کی تعریف میں جو جملے کہے ہیں، ان سے اس حد تک متفق ہوں کہ ممکن ہے کسی دن اس موضوع پر الگ سے مضمون ہی لکھ ڈالوں، مگر اس حقیقت سے بھی گریز نہیں کہ مولانا حالی کے لیے آنحضرت کچھ اور تھے۔ محسن کا کوروی کے لیے کچھ اور۔ یوں تو حالی کے زمانے سے بہت پہلے ”تقویت الایمان“ شائع ہو چکی تھی اور اس بات پر پورا غدر برپا ہو چکا تھا کہ رسول کی عزت اتنی کرنی چاہیے جتنی نعوذ باللہ بڑے بھائی کی۔ یعنی رسول کے پہلوئے بشریت پر زور دینے والے پیدا ہو چکے تھے اور حالی کے زمانے میں ”بنانا نہ تربت کو میری صنم تم“ کچھ ایسا باغیانہ تصور نہیں رہا تھا۔ لیکن اب سرسید کے زیر اثر اور پیروی مغربی کے شوق میں لارڈ میکالے کے عقیدت مند ابھرنے لگے تھے جو کہتے تھے کہ اسلام افضل ترین مذہب ہے۔ کیوں کہ یہ مذہب ہے ہی نہیں بلکہ دنیاوی زندگی بسر کرنے کا ایک سیدھا سادا راستہ ہے اور آنحضرت محض پیغمبر نہیں بلکہ ”مصلح“ اور ”رفیقارمر“ ہیں۔ اس مشرب میں واقعی رواداری تھی۔ ان حسابوں سے سرسید تو بڑی چیز ہیں، فلورنس نائٹ انگلیں تک کو پیغمبری کا درجہ حاصل ہو سکتا تھا۔ چنانچہ مولانا اور ”رفیقارمر“ حالی جادہ شوق پر چلے تو ضرور، لیکن مرحلہ سودوزیاں میں اٹک کے رہ گئے۔ انہوں نے ساری زندگی کو نفع نقصان، جمع خرچ کی کھٹونی بنا ڈالا۔ پیروی مغربی اور پیروی عقل خداداد کے طفیل ایک دن وہ بھی آیا کہ نعت گوئی غیر مشروع اور بدعت ٹھہری اور نعت کہنے اور سننے والا مردود۔

ترک الفت کے عذر ہیں لاکھوں

خوئے بد را بہانہء بسیار

بہر حال مولانا حالی سے ترک الفت ممکن نہ ہوا۔ انہیں تو چاٹ پڑ چکی تھی۔ انہوں نے نعت کہی اور بڑے سوز و گداز کے ساتھ۔ لیکن جہاں تک نفس مضمون کا تعلق ہے، حالی نے ان فوائد کی فہرست

بنائی ہے جو آنحضرت سے انسانیت کو اور بالخصوص عرب کو پہنچے اور فائدہ بھی روحانی اور اندرونی قسم کے نہیں بلکہ ظاہری اور سماجی قسم کے۔ یا پھر اخلاقی محاسن گنوائے ہیں۔ حالی کی نعت کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت کا کردار نہایت بلند تھا اور ان سے ہمیں بڑے فائدے پہنچے۔ بلند کردار کے لوگ اور انسانیت کو فائدہ پہنچانے والے تو بہت ہیں۔ مگر ان سے لاکھوں انسانوں کو ایسی والہانہ محبت نہیں ہوتی، جیسی آنحضرت سے ہے۔ اس کا جواب ہمیں حالی کی نعت میں نہیں ملتا۔ یہی کہاتے ہیں ایسی باتیں ہوا بھی نہیں کرتیں۔ حالی کا کمال یہ ہے اور سرسید جیسے بزرگوں پر انہیں فوقیت یہ حاصل ہے کہ انہوں نے یہی کھاتے بھی لکھا تو ایسی درد مندی کے ساتھ مگر وہ سماجیات اور اخلاقیات سے آگے نہیں جاسکے۔ سو پچاس سال پہلے عام مسلمانوں کا ایمان یہ تھا کہ حقیقت محمدیہ احاطہ بیان میں نہیں آسکتی اور رسولؐ کی بنیادی صفت یہی ہے..... ”خطا کار سے درگزر کرنے والا“ نہیں کیوں کہ اتنا کام تو خود مولانا حالی بھی کر لیتے ہوں گے۔“ (۸)

محمد حسن عسکری نے حالی کی نعت کو اسلوب بیانی سطح پر یعنی بیان کے حسن کے حوالے سے تو سراہا اور اس میں پنہاں سوز دروں اور تخلیقی خلوص کو محسوس کر کے اس کی تعریف بھی کی لیکن نعت میں خیال کی بنت کو پسند نہیں کیا جبکہ ممتاز حسن، حالی کے اسی انداز پر فدا ہو رہے تھے۔ محمد حسن عسکری کا نقطہ نظر کچھ کچھ صوفیانہ ہے جس میں ذات کی رفعتوں اور رسالت کی عظمتوں ہی کو اہمیت دی جاتی ہے اس کے برعکس ممتاز حسن کا نقطہ نظر عمرانی پہلو کا حامل ہے جس میں تعلیمات اور سنت نبویؐ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے عملی اطلاقات کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ ان دونوں آراء سے اسلام کی تعبیر کے دورخ اور اسوۂ حسنہ کی تفہیم کے دو مختلف اور نفیس زاویے، اجاگر ہوتے ہیں، جن کی اپنی اپنی اہمیت ہے۔ تاہم مرد وریام نے ثابت کر دیا کہ عصر حاضر کی رہنمائی کے لیے حالی کے اسلوب اور ممتاز حسن کی تنقیدی رائے کو زیادہ وزن و وقار حاصل ہے۔ دوسرے نقادانِ نعت نے بھی حالی کے اسلوب اور ان کی نعت کے مافیہ (content) کو اہمیت دی ہے جس کا ذکر مختلف نقادوں کی تحریروں پر گفتگو کرتے ہوئے کیا جائے گا۔

ii۔ ارمغانِ نعت:

اس انتخاب کا مقدمہ بعنوان ”ورفعنا لک ذکرک“، مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی نے لکھا تھا۔ اس مقدمے میں نعت کی تعریف اور تاریخ ہے۔ نعتیہ مضامین کے بیان کے لیے مولانا موصوف نے نثر و نظم کی قید نہیں لگائی ہے اور سند کے طور پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”نعت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں عقیدت کے پھول نظم و نثر دونوں ہی میں پیش کیے گئے ہیں، خود عہد نبوت میں بعض صحابہ کے خطبات میں یہ چیز دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً حضرت جعفر طیارؓ کا دربارِ نجاشی میں خطبہ نثر میں نعت کا ایک نمونہ ہے۔ اردو زبان میں علامہ شبلی نعمانی کی مشہور و معروف نثر ظہورِ قدسی اور علامہ سید سلیمان ندوی کے خطباتِ مدراس یہ سب نثری نعت کے بہترین نمونے ہیں۔ لیکن دنیا کے شعر و شاعری میں نعت ایک خاص صنفِ شاعری کا نام ہے جس میں شاعر حضورِ انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں اپنی عقیدت پیش کرتا ہے۔“ (۹)

اس مقدمے میں نعت کی ابتداء اور عربی فارسی اور ترک زبانوں میں اس کے چلن پر گفتگو کی گئی ہے۔ مولانا عبد القدوس ہاشمی نے امیر مینائی اور محسن کا کوروی کو بڑی اہمیت دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”اردو شعراء میں سے دو بڑے شاعروں کے نام نعت گوئی میں فخر کے ساتھ پیش کیے جاسکتے ہیں۔ ایک امیر مینائی جن کے نعتیہ اشعار بہ کثرت محامدِ خاتم النبیین میں موجود ہیں اور دوسرا نام محسن کا کوروی، جن کی کلیات ساری کی ساری نعت ہی نعت ہے۔“ (۱۰)

امیر مینائی کا ذکر کرنے کے باوجود مولانا نے ان کا کوئی شعری حوالہ نہیں دیا لیکن محسن کا کوروی کے شعری حوالوں میں مقدمہ نگار کے تنقیدی شعور کی جھلک ملتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”محسن کا کوروی نے اپنے مشہور لامیہ قصیدہ نعت میں محفلِ ذکرِ رسول کو ہندوستانی پھولوں سے سجایا ہے اور دو آہنگ جگمگاتے آمِد بہار کا وہ نقشہ پیش کیا ہے کہ پڑھنے والے پر ایک کیفیت سی طاری ہو جاتی ہے۔“ (۱۱)

محسن کا کوروی کی معروف مثنوی، مثنوی صبحِ سعادت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

”اسی طرح مثنوی صبحِ سعادت کی ابتداء اس طرح کرتے ہیں کہ عربی زبان کی تقریباً ساری ہی مشہور تفاسیر کے نام بھی علاوہ صنعتِ برائے استہلال کے آگئے ہیں۔ کہتے ہیں:

بیضاوی صبح کا بیاں ہے

کشاف کتابِ آسمان ہے (۱۲)

مولانا عبد القدوس ہاشمی کے اندازِ تحسین میں کلاسیکی ادب کو پرکھنے کے کچھ اصول آگئے ہیں۔ یعنی شعر میں ماحول کی ایسی عکاسی جس میں مقامی تہذیب و تمدن میں پائی جانے والی آفاقی قدروں کا ذکر ہو، مولانا کے نزدیک لائقِ تحسین ہے۔ علاوہ ازیں وہ، محسن کا کوروی کے شعروں میں صنایعِ بدائع کی حسنِ کارانہ بنت کو بھی بظہرِ استحسان دیکھتے ہیں۔ صنعتِ استہلال کی تفہیم کے لیے مولوی نجم الغنی،

راپوری، کی کتاب بحر الفصاحت کی درج ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

”صنعتِ براءتِ استہلال: اس صنعت کا نام ہے کہ جو قصہ بیان کرنا منظور ہو، خواہ نظم ہو خواہ نثر، اس کا دیباچہ یا اول داستان میں اشارہ کر دیں۔“ (۱۳)

گویا کسی نظم کے اولین مصرعوں یا نثر کی تمہیدی سطروں کو، جن میں اصل موضوع کی طرف کچھ اشارے پائے جائیں، علمِ بدیع میں ”صنعتِ براءتِ استہلال“ کا نام دیا جاتا ہے۔ محسن کا کوروی نے چوں کہ مثنوی کی تمہید میں تقدس آمیز فضا قائم کرنے کے لیے تفسیر کا ذکر کیا ہے اور پھر مدح رسول اکرم کی طرف آئے ہیں اس لیے ”ارمغانِ نعت“ کے مقدمہ نگار کو ان کے ذکر کے ساتھ علمِ بدیع کی مذکورہ صنعت یاد آگئی۔ صنعتوں کے ذکر سے تنقیدی رائے کو زنی بنانے کا طریقہ روایتی تنقید کا خاصہ ہے۔ آج کل ساختیاتی فکر کے ذیل میں کسی متن کی خوبیاں بیان کرنے والے جدید نقادوں کے ہاں بھی صنعتوں کا حوالہ ملتا ہے، مثلاً شمس الرحمان فاروقی نے ”شعرِ شورا نگیز“ میں میر کے اکثر شعروں میں صنعتوں کی نشاندہی کی ہے۔

ممتاز حسن کی طرح مولانا عبدالقدوس ہاشمی بھی حالی کی نعت کے مداح ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”محسن کا کوروی نے ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں وفات پائی۔ ان کے بعد جن اردو شعراء نے نعت گوئی میں بڑا نام پایا، ان میں سب سے اونچا مقام خواجہ الطاف حسین حالی کا ہے۔ ان کے کلام کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور آج تک ایسی مقبولیت حاصل ہے کہ اردو کے کسی اور نعتیہ کلام کو حاصل نہیں۔ اور کیوں نہ حاصل ہوتی۔ ان کا کلام اسی کا مستحق ہے۔ کہتے ہیں: وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا..... الخ“ (۱۴)

اس مقام پر مولانا نے اپنی کوئی تنقیدی رائے تو نہیں دی لیکن حالی کے مسدس کے نعتیہ بند کو لکھ کر انہوں نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کر دیا ہے جو یقیناً ان کی تنقیدی بصیرت کا عکاس ہے۔ کسی کلام کا انتخاب پیش کرنا بھی ایک تنقیدی عمل ہے جسے بالواسطہ تنقید کے ذیل میں رکھا جاسکتا ہے۔

iii۔ مخزنِ نعت:

پروفیسر محمد اقبال جاوید نے جو نعتیہ انتخاب مرتب کیا اس کا نام ”مخزنِ نعت“ ہے۔ اس نعتیہ مجموعے کی خصوصیت یہ ہے کہ مرتب نے خود لکھ دیا ہے:

”میں نے شخصیات کی بجائے نعتوں کو پیش نظر رکھا ہے۔ جہاں بھی مجھے ادب اور عشق کی گھلاوٹ

محسوس ہوئی ہے میں نے اس پھول کو دامن میں رکھ لیا ہے۔ (۱۵)

مخزن نعت کے مرتب کے درج بالا بیان سے ان کا تنقیدی منہاج واضح ہو گیا۔ تنقید میں کلیم کے بجائے کلام پر زور دیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ نعتیہ انتخاب از خود تنقیدی بصیرت کا آئینہ بن جاتا ہے۔ اس کتاب کا ایک امتیاز یہ ہے کہ اس میں نعتوں کے متن میں جو تلمیحات آئی ہیں اور جن جن روایتوں کی طرف اشعار میں اشارے ملتے ہیں ان میں سے بیشتر پر مرتب نے حاشیے لکھ دیئے ہیں تاکہ اشعار کی تفہیم کے لیے مآخذ کی تلاش میں قاری کھفت خواں طے نہ کرنا پڑے۔ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے پروفیسر اقبال جاوید لکھتے ہیں:

”نعتوں کے حاشیے میں جا بجا قرآنی، علمی، شعری اور تاریخی اشارات دیئے گئے ہیں۔ یہ توضیحی امور جہاں بات کو تاریخی وقعت عطا کرتے ہیں وہاں ایک دلچسپ تقابلی جائزہ بھی ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ کیسے خیال سے فکر نکھرتا اور چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ ویسے بھی حقیقی نعت میں آیات قرآنی کا عکس، احادیث نبویؐ کا نور اور سیرت رسولؐ کی عظمت جلوہ گر ہوتی ہے۔ میں نے اسی عکس، اسی نور، اسی عظمت کو حواشی میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔“ (۱۶)

مخزن نعت کے درج بالا پیرا گراف کی خواندگی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کتاب کے مرتب نے ”تشریحی تنقید“ (Descriptive Criticism) کی بنیاد پر کام کیا ہے۔ تشریحی تنقید کے بارے میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

”تشریحی ناقدین عام قاری کو کوئی شعر سمجھا رہے ہیں، کسی فنی نکتہ کی صراحت کر رہے ہیں، کسی مصنف کے بارے میں کوائف مہیا کر رہے ہیں یا کسی شخصیت کا احوال قلم بند کر رہے ہیں تو یہ گناہ کبیرہ نہیں، البتہ سلیقہ شرط نقد ہے۔ ہمارے تقریباً سبھی سینئر ناقدین نے اچھے اسلوب اور ہنرمندی سے تشریحی تنقید میں قابل ذکر کام کیا ہے، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر عبادت بریلوی، سید عابد علی عابد، آل احمد سرور، وقار عظیم، مولانا صلاح الدین، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، سب اچھی مثالوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔“ (۱۷)

پروفیسر اقبال جاوید کے تنقیدی عمل میں ”اسلوب“ کی دلکشی پر زور ہے۔ نعتیہ مضامین میں سوئے عشق اور تخلیقی خلوص کی قدر افزائی میں وہ پیش پیش رہتے ہیں اور غزل کی ایمائیت کے قائل ہیں۔ ان کے بیان کردہ کچھ نکات ملاحظہ ہو:

”حضورؐ کی شان میں کہا جانے والا ہر کلمہ نعت ہے۔ مگر اصطلاحاً ہم ایسی ہر منظوم کوشش کو نعت کہتے ہیں

جس میں ستائش رسولؐ کی دلاویزیاں ہوں۔“ (۱۸)

منظوم کوشش میں ستائش رسولؐ کی دلاویزیوں کا ذکر وہی انسان کر سکتا ہے جسے شعری محاسن کی خبر ہو اور جو نعتیہ شاعری کو صرف اور محض اس کے موضوع کے تقدس کی بنا پر متبرک کلام سمجھ کر چوم لینے کا قائل نہ ہو۔ پروفیسر اقبال جاوید نے متعدد بار اسلوب کی شگفتگی اور اظہار میں حسن کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً

”محمد قلی قطب شاہ پہلا شاعر ہے جس نے نعت کو غزل کی ہیئت میں اپنایا۔ اس کی زبان میں نسبتاً نکھار، اظہار میں حسن اور اسلوب میں شگفتگی ہے۔“ (۱۹)

محسن کا کوروی کے ذکر میں رقم طراز ہیں:

”ان (محسن کا کوروی) کا مشہور قصیدہ لامیہ پڑھ کر حضرت کعب بن زہیرؓ یاد آ جاتے ہیں جنہوں نے اپنے نعتیہ قصیدے میں باقاعدہ تشبیہ، گریز اور مدح کا لحاظ رکھتے ہوئے، بہترین ادبی اور فنی روایات قائم کی تھیں۔ انہوں نے تشبیہ میں عرب کی مقامی علامتوں کا ذکر کیا تھا۔ محسن کے اس قصیدے میں مقامی ہندوانہ رنگ، ماحول اور روایات کا ذکر بھی اسی انداز کی یاد تازہ کر رہا ہے۔ قصیدے کی تشبیہ میں عموماً فارسی شعراء کا تتبع کیا جاتا ہے۔ مگر محسن نے ایک نیا اسلوب اپنایا۔ وہ مقامی رنگوں اور علامتوں کا استعمال ہے۔ اگر ان علامتوں و رموز کو گریز کے ساتھ پڑھا جائے تو مفہوم نکھر آتا اور بات واضح ہوتی چلی جاتی ہے۔ الغرض ان کا قصیدہ جہاں اردو ادب میں نئی روایات کی بنیاد ہے، وہاں فنی، لسانی اور فکری نقطہ نظر سے بھی لا جواب ہے..... حقیقت یہ ہے کہ محسن نعت کو رسم کی وادی سے نکال کر مقصد کی دنیا میں لے آئے۔“ (۲۰)

پروفیسر اقبال جاوید کے مقدمے کے درج بالا اقتباس سے، قصیدے کے فنی محاسن، نعتیہ قصائد کی روایت اور محسن کا کوروی کے قصیدے پر ہونے والے اعتراضات [جن کا ذکر اقبال جاوید نے نہیں کیا ہے] سے ان کی مکمل آگہی مترشح ہے۔ یہاں ان کے طریق نقد کے جو خدوخال ظاہر ہوئے اس کی روشنی میں انہیں ”تقابلی تنقید“ (Comparative Criticism) کی روشنی میں تعین قدر (Evaluation of Artistic value) کی کوشش کرنے والے ناقدین کی صف میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

محسن کا کوروی کے قصیدے کی تشبیہ، ہندوانہ رسموں کے ذکر پر مبنی تھی جس پر ان کے عہد میں اعتراضات ہوئے تھے خود محسن کا کوروی نے ان اعتراضات کا جواب دیا تھا۔ محسن کا کوروی پر ہونے

والے اعتراضات اور ان کے جوابات کے ضمن میں ڈاکٹر ابوالیث صدیقی نے ”لکھنؤ کا دبستان شاعری“ میں لکھا:

”تشبیہ میں مٹھرا، گول، کنھیا اور گوپیوں کا ذکر کیا ہے۔ بعض حضرات نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے نعت رسول اکرمؐ کے سلسلہ میں ان چیزوں کا بیان بے موقع اور بے محل معلوم ہوتا ہے۔ اس اعتراض کا پہلا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ نظم قصیدے کی صنف سے تعلق رکھتی ہے اور قصیدے میں تشبیہ کے مضمون کی قید نہیں، کہیں ذکر شباب ہے تو کہیں مضامین عشقیہ کا بیان، کہیں شکایتِ زمانہ ہے اور کہیں اپنے حال کا رونا، کسی نے خاص مضمون کی غزل لکھ دی ہے اور کسی نے متفرق مضامین کی غزل، اور بعض ایسے قصیدے بھی موجود ہیں جن میں تشبیہ موجود ہی نہیں ہے۔ عربی شاعری میں اس قسم کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تشبیہ کے پڑھنے کے بعد گریز کا مضمون دیکھ کر کسی اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہتی، محسن نے خود اسی جواب کو تفصیل کے ساتھ نظم کرتے ہوئے لکھا ہے:

پڑھے تشبیہ مسلمان مع تمہید و گریز
رجعتِ کفر بائیاں کا کرے مسئلہ حل
کفر کا خاتمہ بالخیر ہوا ایماں پر
شب کا خورشید کے اشراق سے قصہ فیصل
چشمِ انصاف سے دیکھو تو قصیدے کی شبیہ
نیم رخ تھی، اسی نسبت سے ہوئی مستقبل
ظلمت اور اس کے مکارہ میں ہوا طولِ سخن
مگر ایمان کی کہیے تو اسی کا تھا محل
غلبہ و سطوتِ ظلمت کے بیاں میں مضمر
شوکت اس نور کی ہے جس نے کیا متصل
کفر و ظلمت کو کہا کس نے کہ ہے دینِ خدا
مے و نغمہ کو لکھا کس نے کہ ہے حسنِ عمل
مدعا یہ ہے کہ اندوہ کی سیہ بختی سے
ظلمتِ کفر کا جب دہر میں چھایا بادل

ہوا مبعوث فقط اس کو مٹانے کے لیے
سیفِ مسلولِ خدا نورِ نئی مرسل
مہرِ توحید کی ضوِ اوجِ شرف کا مہِ نو
شمعِ ایجاد کی لوہِ زمِ رسالت کا کنول (۲۱)

یہ ہے محسن کا کوروی کے قصیدے پر ہونے والے اعتراضات اور ان کے جوابات کا احوال۔ اقبال جاوید نے محسن کے قصیدہ لامیہ کی تحسین کرتے ہوئے حضرت کعب بن زہیرؓ کے قصیدے کا حوالہ شاید اسی لیے دیا کہ محسن کے اجتہاد کو روایت کا پس منظر میسر آ جائے۔ اقبال جاوید نے امیر بینائی اور حالی کی نعتیہ تخلیقات پر بھی تنقیدی رائے دی ہے جس میں ادبی و فنی نکات کی تحسین کے ساتھ ساتھ افادی ادب کی اصلاحِ قدروں کا معیار بھی ان کے پیش نظر ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”محسن کا کوروی کے بعد امیر بینائی قابلِ ذکر ہیں۔ وہ محسن سے متاثر ہیں۔ انہوں نے بھی نعت کو بطور مقصد اپنایا اور ایک ایسا نعتیہ سرمایہ چھوڑ گئے جو اپنے اندر عقیدت کا جوش، تاریخ کی واقعیت اور سیرت کا تذکرہ لیے ہوئے ہے۔ ان کے بعد حالی آتے ہیں جنہوں نے نعت کو صرف محاسنِ نبوت تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے مسلمانوں کے ادب و زوال کے درد مندانہ بیان کے ساتھ ضم کر کے یوں پیش کیا کہ غمِ جانان، غمِ دوراں بن گیا۔ حالی کے ہاں لفظی صناعت کی بجائے اظہار کی سادگی ہے اور اس سادگی میں دل کا خلوص اور تغزل کا لوچ بھی شامل ہے اور اسی نقش قدم پر آج کا شاعر چل رہا ہے۔ حالی کا مسدس ایک پر درد نعت ہے۔ تاریخی صداقتوں اور شعری لطافتوں نے اسے ادبی شاہ پارے کے ساتھ ساتھ ایک ایسا محرک بھی بنا دیا ہے جس میں ملتِ اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے رموز مضمر ہیں۔ کہتے ہیں کہ فنی لحاظ سے اگر غالب نہ ہوتے تو اقبال بھی نہ ہوتے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مقصدی نقطہ نظر سے اگر حالی نہ ہوتے تو اقبال بھی نہ ہوتے۔“ (۲۲)

یہاں پروفیسر اقبال جاوید کی آواز ممتاز حسن کی آواز سے مل جاتی ہے۔ دونوں نقادوں کی تنقیدی دانش نے حالی کو نعتیہ شاعری کے سلسلے میں ایک اہم ستون تسلیم کیا ہے۔ مقصدی شاعری کے آغاز میں حالی کی توانا شاعری کا وجود اقبال کے آفاقی آہنگ کے لیے ناگزیر بتانا بھی اقبال جاوید کی تنقیدی بصیرت کا بین ثبوت ہے۔

اقبال جاوید نے ظفر علی خاں، مولانا احمد رضا خاں اور عہدِ جدید کے شاعر عبدالعزیز خالد کی شاعری پر بڑی چچی تلی رائے دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”مولانا ظفر علی خاں ایک قادر الکلام شاعر اور بدیہ گوئی کی حیثیت سے ابھرتے ہیں..... ان کی نعتیں، نقشِ جاوید کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی نعتوں میں فکر کی بلندی، الفاظ کا دبدبہ اور عشق کا سوز موجود ہے۔ انہوں نے تاریخ اسلام کے واقعات کو بھی نظم کیا ہے اور اسوہ رسولؐ کے مختلف پہلوؤں کو بھی بیان کیا ہے۔ الغرض ان کے کلام کا یہ حصہ دل کی عقیدتوں اور قلم کی جولانیوں کا ایک دلکش اظہار ہے۔“ (۲۳)

احمد رضا خاں کی شاعری پر اقبال جاوید یوں تبصرہ کرتے ہیں:

”مولانا احمد رضا خاں کو بھی دنیائے نعت میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ ان کی شاعری، ہمد، نعت اور منقبت پر مشتمل ہے۔ ان کے نعتیہ کلام میں جذبات کی شدت ہے مگر انداز کا حسن لیے ہوئے۔ عشق کا عمق ہے مگر اسلوب کی سادگی کے ساتھ، ارادت کا جذبہ ہے مگر تغزل کی نشتریت میں چھپا ہوا۔ عشق رسول ﷺ کا جو الہانہ پن مولانا کی شخصیت اور شاعری میں نظر آتا ہے اس نے ان کی نعت گوئی کو ایک مستقل ادبی حیثیت دے دی ہے۔ کیوں کہ وہی فن پارہ عظیم ہوتا ہے جو فنکار کی شخصیت کا سچا اور اجلا عکس ہو۔“ (۲۴)

عبدالعزیز خالد کے کلام پر رائے دیتے ہوئے اقبال جاوید نے لکھا:

”ان [عبدالعزیز خالد] کی نعت گوئی، قدیم و جدید فکر، اساطیری اور تاریخی روایات و تلمیحات اور قرآنی ادب کا ایک قابلِ قدر علمی اظہار ہے۔ وہ مصرعوں اور جملوں میں تاریخی وسعتیں سمیٹ چلے جاتے ہیں۔ ان کے سامنے نعت کی وہی روایت ہے جو کعب بن زہیرؓ سے لے کر محسن کا کوری تک محیط ہے۔ محسن کی طرح انہوں نے بھی نعت کو رسم کی بجائے مدعا و مقصود بنایا ہے..... خالد نے فن نعت کو ایک نیا رنگ اور آہنگ دیا ہے۔ ان پر یا تو کسی شاعر عہدِ عتیق کا دھوکہ ہوتا ہے یا کسی شاعرِ فردا کا تصور ابھرتا ہے۔“ (۲۵)

نعت کے قابلِ ذکر شعراء کے اندازِ نگارش پر اقبال جاوید کا تبصرہ اس بات کا اشاریہ ہے کہ انہوں نے ہر نعت گوئی شاعرانہ حیثیت کو پرکھنے اور نعتیہ مضامین سے شعراء کے اظہاری رجحانات کا جائزہ لینے کے بعد اپنی تنقیدی دانش بروئے کار لاتے ہوئے چچی تلی رائے دی ہے۔ مقدمے میں اقبال جاوید نے نعتیہ شاعری کی نزاکتوں کا احوال بھی قلم بند کیا ہے اور بیان کی خوبیاں سموتے ہوئے نعت سے متعلق احتیاط طلب امور کی طرف اشارے بھی کیے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

”نعت گوئی کے حقیقی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے دل دھڑکتے ہیں، روح کانپتی ہے، قلم لرزتے،

زبان لڑکھڑاتی اور سانس اکھڑتی ہے۔ اگر کسی قلم میں نعت گوئی کی صلاحیت موجود ہے تو یہ بھی اللہ کا کرم اور حضور کی عنایتِ خاص ہے اور اسی عنایت سے دلوں کے حجاب دور ہوتے، فکر و نظر کے ایوان کھلتے، در ماندہ ہمت پاتے اور پسماندہ آگے بڑھتے ہیں۔ اسی فیض سے، زبانوں کو تکلم کا حسن عطا ہوتا اور قلم میں پرہما کی جنبش پیدا ہوتی ہے۔ گویا نواؤں میں سوز اور زم زموں میں نور، حضور ہی کا کرم ہے۔ (۲۶)

درج بالا اقتباس سے اقبال جاوید کا تنقیدی منہاج ظاہر ہوتا ہے۔ وہ نعتیہ شاعری کو فن کے پیمانوں سے ناپنے کے قائل تو ہیں لیکن اس شاعری کے تقدس سے خود بھی آگاہ ہیں اور دوسروں کو بھی موضوع کی نزاکتوں سے اس طور آشنا کرتے ہیں کہ ان کے بیان کا حسن، ان کے احساس کی ساری لطافتیں، قاری کے دل تک منتقل کر دیتا ہے۔ اقبال جاوید رومانوی تنقیدی دبستان (Romantic Criticism) کے نمائندہ نقاد ہیں۔

iv۔ نعت کا نئات:

راجا رشید محمود نے اپنی زندگی نعتیہ مضامین کی ترویج و اشاعت کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ نعت کے سلسلے میں ان کا کام بہت وسیع ہے۔ نعت کا نئات ان کے منتخب کردہ نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے جس کا مقدمہ اپنے اندر ایک مستقل کتاب کا ”لوازمہ“ سمیٹے ہوئے ہے۔ اس مقدمے کی ہر سطر کو راجا صاحب نے مستند بنایا ہے اور حوالوں سے مزین کیا ہے۔ اس مقدمے کی خوبی یہ ہے کہ ۹۵۸ حوالوں میں بہت سے تشریح طلب یا تصریح طلب امور پر انہوں نے حاشیے لکھے ہیں اور خوب لکھے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مقدمہ تحقیقی شان لیے ہوئے ہے۔ اس میں نعت کے موضوعات پر مختلف ذیلی سرخیوں کے تحت لکھا گیا ہے مثلاً ’نعت کا لغوی معنی‘، ’احادیث میں نعت کا لفظ‘، ’وصف‘، ’مدح اور نعت‘، ’نعت کا اصطلاحی معنی‘، ’نظم و نثر میں مدح سرکار (ﷺ)‘، ’شاعری‘، ’نعت کیا ہے‘، ’اولین نعت‘، ’بشر کی بچیاں‘، ’اعشی بن قیس‘، ’ورقہ بن نوفل‘، ’قیس بن ساعدہ‘، ’تبع‘ (شاہ یمن)‘، ’حضرت کعب بن لوی‘، ’اولین نعت‘، ’اولیات نعت‘، ’عربی نعت‘، ’صحابہ کرام کی نعت‘، ’عربی نعت گوئی کا تذکرہ‘، ’نعت صحابہ کے مضامین و موضوعات‘، ’بر صغیر کے عربی نعت گو‘، ’فارسی نعت‘، ’اردو کا اولین نعت گو‘، ’اردو نعت کے مختلف ادوار‘، ’نعت گوئی میں احتیاط‘، ’نعت کا انداز و اسلوب‘، ’نعت کی قسمیں‘، ’رسمی نعت‘، ’صرف نعت کہنے والوں کی نعت‘، ’بآداب شاعروں کی نعت‘، ’احتیاط پسندوں کی نعت‘، ’زیادہ احتیاط پسندوں کی نعت‘، ’غزل گوؤں کی نعت‘، ’دنیوی

مفاد کے لیے کہی جانے والی نعت، 'محفلوں میں پڑھی جانے والی نعت'، 'اردو نعت گوئی پر ہندوستانی صنمیت کا اثر'، 'نعت کے ماخذ و منابع'، 'کیا حضور اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں؟'، 'نعت کے موضوعات'، 'لوازم نعت'، 'محرمات نعت'، 'غیر مسلموں کی نعت'، 'نعت پر تنقید'، 'انتخاب نعت' اور 'نعت کا ہیئت تنوع'۔

حقیقت یہ ہے کہ راجا رشید محمود نے صرف اپنی کتاب "نعت کائنات" کا مقدمہ نہیں لکھا ہے بلکہ نعتیہ شاعری کے پس منظر اور پیش منظر اور موضوعات کے تنوع کے بیان کے لیے ایک مبسوط مقالہ قلم بند کر دیا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ناشر نے ان کے اس مقالے کو جس کے حواشی و تعلیقات ہی کم و بیش ۲۷ صفحات میں آئے ہیں اس قدر چھوٹے خط (یا حروف) میں شائع کیا ہے کہ اس کا پڑھنا محال ہے۔ تین چار صفحات کی کتاب کا لوازمہ چھوٹے حروف میں بھی ۹۰ صفحات پر پھیل گیا ہے۔ چھوٹے حروف میں شائع کرنے کی وجوہات جو بھی ہوں، اس مقدمے کی افادیت کا تقاضا تھا کہ اسے اتنے ہی جلی حروف میں چھاپا جاتا جتنے جلی حروف میں نثری لوازمہ چھپنا چاہیے۔

بہر حال اگر دیکھا جائے تو کسی نعتیہ انتخاب کا مقدمہ راجا رشید محمود کے مقدمے سے زیادہ تحقیقی اور تنقیدی نہیں کہا جاسکتا کیوں یہ واحد مقدمہ ایسا ہے جس میں باقاعدہ عنوانات مقرر کر کے گفتگو کی گئی ہے اور ہر عنوان کے تحت تحقیقی لوازمہ (matter) جمع کر دیا گیا ہے۔ اس تحریر میں "نعت پر تنقید" کا عنوان قائم کر کے اردو نعتیہ سرمائے میں تنقیدی رجحانات کی کچھ نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ نعت پر تنقید کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے:

”نعت کے بارے میں تو عمومی رویہ یہی ہے کہ یہ تنقید کی نہیں تحسین کی چیز ہے۔ حالانکہ اس صنف کے بارے میں انتقادیات کی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ اس میں صرف زبان و بیان اور شاعر کے تاثرات اور اس کے بیان کردہ موضوعات و مضامین کا ابلاغ ہی سب کچھ نہیں ہے، یہاں اسلامی تعلیمات کی قائم کردہ حدود و قیود کی پاسداری بھی لازمی ہے۔ یہاں نعت گو اگر ایسا مضمون اختیار کر لے جس میں حضور ﷺ موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا اکہدے تو گویا کفر کا کلمہ اس کے منہ سے نکل گیا۔ اگر وہ حضور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام سے فروتر کوئی لفظ، کوئی خیال، کوئی تشبیہ یا استعارہ یا کوئی مضمون استعمال کر گیا تو اس کے سارے اعمال حیط ہو گئے۔ یہ قیود، یہ حدود، زبان و بیان اور اسلوب و انداز کی خامیوں کے علاوہ ہیں اس لیے یہاں تنقید کی ضرورت نسبتاً زیادہ ہے۔ مجموعہ ہائے نعت میں تقاریر کے نام سے جو کچھ چھپتا ہے، بعض اوقات ناجائز اور ناگوار تعریف کے ضمن میں آتا ہے۔ عام طور پر اس میں شاعر کو دوسرے تمام نعت

گوؤں سے برتر ہی قرار دے دیا جاتا ہے۔ رسائل و جرائد میں ’تبصرہ‘ کے الزام کے تحت جن مجموعہ ہائے نعت کا تعارف دیا جاتا ہے، وہاں بھی صورت کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتی۔ اور پھر تقریباً رو نمائی یا تقاریب تعارف کے نام پر جو کچھ ہوتا ہے، وہ بھی ستائش باہمی سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ ایسے میں شدید ضرورت ہے کہ تنقید کے ذریعے شاعری اور خاص طور پر نعت کے ممنوعات متعین کیے جائیں۔ حدود طے ہوں، محاسن و معائب کی نشاندہی ہو اور ہوتی رہے تاکہ نعت کے نام سے ہر شاعر جو کچھ اس کا دل چاہے، نہ کہتا رہے اور معیاری نعت وجود میں آئے یا فروغ پائے۔“ (۲۷)

درج بالا اقتباس سے اردو نعتیہ سرمائے کے سنجیدہ تنقیدی مطالعے کا رجحان مترشح ہے۔ دراصل نعتیہ ادب میں تنقید کی ضرورت بہت پہلے سے محسوس کی جا رہی تھی لیکن راجا رشید محمود نے اپنے مرتب کردہ نعتیہ انتخاب میں پہلی بار تنقید کا خصوصی ذکر بھی کیا ہے اور تنقید کے لیے نعت کی پرکھ کے کچھ اصول بھی اجمالاً بیان کر دیئے ہیں۔ مثلاً ان کا یہ کہنا کہ ’نعت کے ممنوعات‘، متعین کیے جائیں۔“۔ نعت گوئی کے حدود طے ہوں، ’نعتیہ مضامین کے محاسن و معائب‘ کی نشاندہی ہو اور ہوتی رہے۔ یہ سب باتیں ان کے تنقیدی شعور کی عکاس بھی ہیں اور نعتیہ شاعری کے معیارات کے استخفاف پر ان کے دل کی کڑھن کی ملفوظی تصویر بھی۔ اردو نعت کے انتقادی سرمائے کے تحقیقی مطالعے میں راجا رشید محمود کی یہ تحریر بنیادی حوالے کی اہمیت کی حامل ہے۔

راجا رشید محمود نے اپنے مرتب کردہ انتخاب نعت کا جواز ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

”ہر اچھا شاعر نعت میں اپنا الگ تشخص رکھتا ہے۔ ایک ہی موضوع پر مختلف مضامین کو اسلوب کی نیرنگی کے ساتھ ادا کرتا ہے تو جو حسن پیدا ہوتا ہے، وہ پڑھنے سننے والے کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتا۔ اور اگر نعت گو قرآن و احادیث کی تعلیمات اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام سے کسی حد تک آگاہی کے ساتھ نعت میں جولانی طبع دکھائے تو اس کی کوشش محبوب و مستحسن ٹھہرے گی۔ راقم الحروف نے نعت کے اچھے شاعروں میں سے چند ایک کا کلام مرتب کر کے اس لیے شائع کیا ہے کہ نعت کے مختلف انداز و اسلوب، حال میں نعت سے محبت رکھنے والوں اور مستقبل میں نعت پر کام کرنے والوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہیں۔“ (۲۸)

راجا رشید محمود نے نعت کے احیاء کے موجودہ دور میں نعتیہ شاعری میں اسلوب، مافیہ اور پیش کش میں بہت سی خامیاں محسوس کی ہیں اور ان خامیوں کو دور کرنے کی غرض سے اپنے معیار شاعری کو

”انتخاب“ کی شکل میں پیش کر کے عہد حاضر کے نعت گو سے یہ کہنے کی کوشش کی ہے

ع دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں سخنور نعتیں!

نعت کائنات کے مرتب اور مقدمہ نگار کا یہ تنقیدی رویہ ”تشریحی تنقید“

(Judicial/Legislative Criticism) کے دبستان سے ان کی ذہنی وابستگی ظاہر کرتا ہے۔ اس

لیے بن جاسن کی ایک تحریر کا حوالہ دیدینے سے میرا نقطہ نظر واضح ہو جائے گا:

”بہتر اور کامیاب قلم کاری کے لیے تین اصولوں کی پابندی لازمی ہے۔ بہترین مصنفین کی تخلیقات کا مطالعہ، بہترین مقررین کے خطبات سے بہرہ وری اور اسلوب میں پختگی کے لیے محنت و مشقت..... ایک نو آموز کے لیے بہترین مصنفین کی کوششوں کا مطالعہ اشد ضروری ہے کیونکہ اپنے خیالات کے برعکس دوسروں کے خیالات سمجھنے میں ذہن اور یادداشت زیادہ تیز ہوتی ہے۔ پس بہترین مصنفین کے خیالات و افکار سے گہری واقفیت رکھنے والے جب انہیں خود میں جذب کر لیں گے تو کسی حد تک ان ہی کا جزو بن جائیں گے اور یوں وہ اپنے خیالات کے اظہار میں غیر شعوری طور سے ہی سہی، بہت سی باتیں ان بہترین مصنفین جیسی بھی کہہ جائیں گے۔“ (۲۹)

چنانچہ نو واردان بساط نعت کی رہنمائی کے لیے راجا رشید محمود نے ایک وسیع نعتیہ انتخاب

مرتب کر دیا ہے جس میں قدیم و جدید شعراء کی اچھی نعتیں یکجا کر دی گئی ہیں۔

v۔ مستند نعتیہ کلام:

اس نعتیہ انتخاب کی خصوصیت ظاہر کرنے کے لیے ”مستند نعتیہ کلام“ کا نام رکھا گیا ہے جس

سے متبادر ہوتا ہے کہ مرتب کتاب نے نعتیہ شعری نزاکتوں کو ملحوظ رکھ کر صرف ایسی نعتیں شامل کتاب کی ہیں

جن کا ”مافیہ“ یا CONTENT مرتب کے خیال و فکر کے مطابق ”استنادی شان“ کا حامل ہو۔

اس کتاب کا مقدمہ معروف عالم دین مفتی محمد تقی عثمانی نے بعنوان ”نعت اور اس کے آداب“

لکھا ہے۔ اس مقدمے میں زیادہ تر گفتگو تو نعتیہ شاعری کے مافیہ (content) کے ضمن میں ہوئی ہے لیکن

بعض جگہ جمال شعری کے اظہار کے لیے روایتی میزان نقد کے اصولوں کا ذکر بھی آگیا ہے۔ مقدمہ نگار

نے شعر کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

”شعر انسانی جذبات کے اظہار کا موثر ترین ذریعہ ہے اور انسانی جذبات میں بھی جذبہ محبت کے

اظہار کے لیے شعر کی زبان سب سے زیادہ موزوں ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہو کہ شعر

کا اصل موضوع ہی محبت ہے۔“ (۳۰)

جذبات کو شعر کی بنیاد جانا بھی ناقدین فن کا معیار رہا ہے لیکن بعض ناقدین نے جذبے

کے حوالے سے کچھ اہم باتیں بھی کی ہیں۔ مثلاً ورن بلک (Vernon Blake) نے کہا ہے:

"A delicate balance between freedom of emotion and controlling Judgement is a quality of great art"

(ایک اعلیٰ فن پارے کا نمایاں وصف یہی ہے کہ اس میں جذبات کی طوفانی امنگ اور شعور کی بندش

کے درمیان اعتدال و توازن کو قائم کر دیا گیا ہو) (۳۱)

تخلیقی عمل کی اساس جانے کی کوشش ہی تنقیدی عمل ہے۔ اس لیے مفتی عثمانی کا اپنے مقدمے

میں تخلیقی عمل کے بنیادی محرک کے طور پر ”محبت“ کا ذکر بھی ان کے تنقیدی شعور کا غماز ہے۔ وہ آگے چل کر لکھتے ہیں:

”خلاصہ یہ کہ شعر کا موضوع محبت ہے اور محبت کا اصل موضوع حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہونی چاہیے اور شعر درحقیقت وہی شعر ہے جو اللہ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں کہا گیا ہو۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی محبت کا یہ موضوع صاف لفظوں میں ظاہر کر دیا جائے اور اس کا نام نعت رکھ دیا جائے اور کبھی اسے استعارے کا لباس پہنا کر اسے ’غزل‘ سے تعبیر کر دیا جائے اور چونکہ بلاغت کا یہ قاعدہ صدیوں سے مسلم چلا آتا ہے کہ ’الکناية ابلغ من التصريح‘ [یعنی کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے] اس لیے بڑے بڑے متدین شعراء نے بھی عشق حقیقی کے اظہار کے لیے حمد و نعت کے بجائے غزل کا پیرایہ زیادہ کثرت سے استعمال کیا۔ یہاں تک کہ غالب نے کہہ ہی دیا ہے کہ:

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو

بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر (۳۲)

غزل کی روایت میں تصوف کے اجزاء کی آمیزش کی وجہ سے ہر شعر کو ذو معنی سمجھا جاتا ہے۔ اس

طرح ایک شعر کا ایک مفہوم ’عشق حقیقی‘ ظاہر کرتا ہے تو دوسرا مفہوم ’عشق مجازی‘ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ حافظ شیرازی کی شاعری میں تمام علامات مجازی عشق کی ہیں لیکن اہل تصوف نے ان علامتوں میں ’کنایہ‘ محسوس کیا اور حافظ کو تصوف، یعنی عشق حقیقی کا بہت بڑا شاعر قرار دے ڈالا۔ غالب کے درج بالا شعر میں مشاہدہ حق کے لیے مجاز کے سہارے کا ذکر ہوا ہے جس کی بنا پر مفتی محمد تقی عثمانی نے غزل کی ایمائیت میں عشق حقیقی کے آثار دیکھے ہیں اور ان آثار کو اردو شاعری کے ضمن میں شعراء کے غالب رجحان کے طور پر ظاہر کیا ہے۔

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی نے غزل کے اس پہلو کو اجاگر کرنے کے لیے ایک مضمون لکھا تھا جس کا عنوان تھا ”غزل میں نعت کی جلوہ گری“ (۳۳)۔ کشفی مرحوم کے اس مضمون کی روشنی میں اگر ہم مفتی عثمانی کے بیان کو جانچیں تو ہمیں وہی فکری زاویہ نظر آئے گا جس کے تحت غزل کے اشعار کو دو طرح سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ بہر حال ’کنایہ‘ کا حوالہ دے کر مفتی عثمانی نے غزل کی معنوی وسعتوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو ایک تنقیدی جہت ہے۔

مفتی عثمانی کی تحریر ہی سے ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

”نعت کا موضوع چونکہ براہ راست (مجاز واستعارہ کے بغیر) حضور سرور عالم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ اس لیے یہ شاعری کی افضل ترین صنف ہے۔ اسے شاعری کی آبرو کہنا چاہیے اور مسلمان شعراء نے اس پر نوبہ نواسالیب کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے۔“ (۳۴)

اس عبارت سے مترشح ہوا کہ مفتی صاحب نعتیہ شاعری میں نوبہ نواسالیب کی موجودگی کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ نعت کا صرف مافیہ content نہیں دیکھتے ہیں بلکہ طرزِ اظہار کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔

ایک اور جگہ فن کی باریکیوں کے ضمن میں رقم طراز ہیں:

”علم عروض و قوافی اور علم بیان و بدیع کی کوئی صنف نہیں ہے جو نعت میں نہ برتی گئی ہو اور اس مقدس صنف سخن کے ذریعہ شعر و ادب کی ثروت میں اتنا اضافہ ہوا کہ شاید کسی اور موضوع میں شاعری کی مختلف جہتیں جمع نہ ہوئی ہوں۔ یہاں تک کہ متعدد شعراء نے بدیع کی مختلف صنعتوں کا تعارف ہی نعتیہ اشعار سے کرایا اور بدیع کی ہر صنف کی مثال میں نعتیہ اشعار کہے“ (۳۵)

اس اقتباس سے مفتی عثمانی کے منہاج تنقید میں روایتی شعری محاسن کی تحسین کا رویہ نمایاں ہے۔ نعت کے نفسِ مضمون کی صائب بنت کے بغیر خالی شعری حسن کے ساتھ کوئی شعر نعت کا اچھا شعر نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے مفتی تقی عثمانی نے اس طرف خصوصی توجہ مبذول کروانے کے لیے کچھ مثالیں دی ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

”ہر قول و فعل کے کچھ آداب بتائے جاتے ہیں۔ ان تمام آداب کی کما حقہ رعایت کے بغیر کوئی نعت نہ شریعت کے مطابق ہو سکتی ہے اور نہ یہ کوئی حقیقی محبت کا تقاضہ ہے کہ محبوب کے ارشادات کے خلاف کر کے اس کی تعریف و توصیف کی جائے۔ مثلاً خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ’لا تطرونی کما اطرت النصارى عیسیٰ بن مریم‘ [بخاری شریف] ’میری

تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کے بارے میں کیا..... ہر وہ شعر جو شرک کی ادنیٰ بولیے ہوئے ہو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف خدائی صفات منسوب کی گئی ہوں یا اس کا کوئی شبہ پیدا ہو وہ درحقیقت نعت نہیں، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاذ اللہ بغاوت ہے۔ لہذا اس قسم کے اشعار (نقل کفر کفر نہ باشد) کہ

اللہ کے قبضے میں وحدت کے سوا کیا ہے

جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمدؐ سے

نعت تو کیا ہوتی؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کا کھلم کھلا انکار ہے اور اس قسم کے مشرکانہ خیالات کو شاعرانہ خیال آفرینی کے پردے میں گوارا کر لینا درحقیقت نعت جیسی پاکیزہ و مقدس صنفِ سخن کی توہین ہے جو کسی بھی صاحبِ ایمان کے لیے قابلِ برداشت نہیں ہونی چاہیے۔ (۳۶)

اسی طرح مفتی تقی نے امیر مینائی کے اسلوب اور ان کے شعری مافیہ کی تعریف بھی کی ہے اور ان ہی کے بعض اشعار کی گرفت بھی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”جناب امیر مینائی جیسے شاعر جو نعت ہی کی وجہ سے مشہور ہیں اور بجا طور پر مشہور ہیں وہ بھی بسا اوقات یہ احتیاط ملحوظ نہیں رکھ سکے اور اس قسم کے اشعار کہہ گئے ہیں کہ:

مختارِ کل ہو مالکِ روز جزا ہو تم

رحمت کا ہے مقام کہ خاص خدا ہو تم

اب مالکِ روز جزا مالکِ یوم الدین کا ترجمہ ہے جو سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاص بیان کی گئی ہے۔ اس لفظ کا استعمال غیر اللہ کے لیے خواہ مجازی معنی میں ہوا انتہائی خطرناک ہے۔ (۳۷)

اسی طرح مضمونِ نعت کی نفاست اور راست سمتی کے لیے انہوں نے مشورہ دیا ہے کہ:

”نعت میں کسی دوسرے پیغمبر کی شان میں کوئی ادنیٰ گستاخی یا ان کی ادنیٰ تنقیص لازم آئے کسی طرح جائز نہیں۔ (۳۸)

نعت میں حضور اکرم ﷺ کے لیے کلمی والے کے الفاظ کا استعمال بھی مفتی عثمانی کے نزدیک لائقِ گرفت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”بعض روایتی نعتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جس انداز سے ’کالی کلمی والے‘ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کم از کم راقم الحروف کو ان الفاظ سے حضور والا مرتبت کا تذکرہ کرتے

ہوئے دل لرزتا ہے۔“ (۳۹)

اپنے مقدمے میں مفتی تقی عثمانی نے ممنوعاتِ نعت کے ذیل میں یہ بھی بتایا ہے کہ:
 ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو شعر میں بیان کرنے کے لیے علم و قدرتِ بیان دونوں کی ضرورت ہے ایسا نہ ہو کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ایسی بات منسوب ہو جائے جو آپ کے منشا کے خلاف ہو۔“ (۴۰)

عام طرزِ غزل کو بھی مفتی عثمانی نعت کے تقدس کے خلاف جانتے ہیں:
 ”حسن و جمال کا بیان بھی نعت کا موضوع ہے لیکن ان میں ادب و احترام کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ کسی کے حسن و جمال کا بیان چونکہ غزل کا موضوع ہوتا ہے اس لیے بعض اوقات نعت میں بھی غیر شعوری طور پر غزل کے اسالیب داخل ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات اشعار میں ایسی سو قیت پیدا ہو جاتی ہے جو نعتِ رسول کی عظمت و وقار کے منافی ہوتی ہے۔“ (۴۱)
 غزل کے قابلِ گرفت انداز کی وضاحت کرتے ہوئے امیر مینائی کے چند اشعار کی مثال دی ہے:
 ”جب وہ [امیر مینائی] حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں:

اب تو اللہ اللہ رخِ انور سے نقاب
 دل جگر سینے میں آرام نہیں لیتے ہیں
 آپ کے عارض و گیسو کے جو دیوانے ہیں
 چین وہ صبح سے تا شام نہیں لیتے ہیں

اور یہ کہتے ہیں:

بے حجابانہ اٹھا دو رخِ انور سے نقاب
 دل میں جب آئے تو پھر آنکھ میں پردہ کیا ہے
 تو یہ اشعار نعت کے نہیں، کسی غزل کے معلوم ہوتے ہیں اور یہی وہ نقص ہے جس سے نعت کو پہچانا ضروری ہے۔“ (۴۲)

مفتی تقی عثمانی کے مقدمے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مدحِ مصطفیٰ ﷺ کو فن کی اعلیٰ اقدار کے تحت پیش کرنے پر زور دیا گیا ہے:

”یہ بھی ضروری ہے کہ نعت میں اچھے شعر کی تمام ادبی خصوصیات موجود ہوں۔ اس کا کوئی مطلب نہیں

کہ اس ذات والا صفات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک اور آپ کی مدح و توصیف بھیسے انداز میں کی جائے جس سے سننے اور پڑھنے والے پر کوئی تاثر قائم نہ ہو۔“ (۴۳)

”مستند نعتیہ کلام“ کے مقدمہ نگار نے قابل مطالعہ اور لائق تحسین کلام کی مثالیں بھی پیش

کردی ہیں۔ مثلاً

”انہوں (امیر مینائی) نے حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال کا تذکرہ بھی ادب و احترام کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا:

حلقے میں رسولوں کے وہ ماہ مدنی ہے
کیا چاند کی تنویر ستاروں میں چھنی ہے

نیز فرماتے ہیں:

پسند آتا ہے کتنا مسکرانا غنچہ و گل کا
شباہت دل کو یاد آتی ہے حضرت کے تبسم کی
حقیقت پوچھ لے مجھ سے کوئی فردوس و طوبی کی
رخ احمد کا پرتو ہے، قد احمد کا سایہ ہے (۴۴)

مفتی عثمانی لکھتے ہیں:

”حالی کے اشعار دیکھیے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرانے کا غم کھانے والا

کتنے سادہ اور کتنے بے تکلف اشعار ہیں۔ لیکن پراثر اتنے کہ انسان مرحبا اور صل علی کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح جناب ظفر علی خان کے یہ نعتیہ اشعار دیکھیے:

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہیں تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہیں تو ہو
پھوٹا جو سینہ شب تارِ الست سے
اس نورِ اولیں کا اجالا تمہیں تو ہو
سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا

سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ تمہیں تو ہو
دنیا میں رحمتِ دو جہاں اور کون ہے
جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تمہیں تو ہو

ان اشعار کا پڑھنے والا شعروں کی سادگی کے باوجود یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہتا کہ یہ آواز کسی محبت
بھرے دل سے ابل رہی ہے۔ بات درحقیقت یہ ہے کہ محبت ہی وہ چیز ہے جو شعر کو الفاظ کا مناسب
پیرا ہن عطا کرتی ہے۔ (۴۵)

مفتی تقی عثمانی نے امیر مینائی کے کچھ اور اشعار بھی لکھے ہیں نیز بہزاد لکھنوی اور حضرت شاہ محمد
اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ و مولانا سعد اللہ وغیرہم کا کلام بھی اچھی شاعری کے نمونوں کے طور پر پیش کیا
ہے۔ ان تمام مثالوں سے ان کے اندازِ تحسین اور اسلوبِ تنقید کے خدوخال روشن ہوتے ہیں، جن میں فن
کی کلاسیکی قدروں کا احترام اور شعری متن کی واقعیت اور درستگی پر زور دیا گیا ہے۔ ان کا تنقیدی شعور شعری
متن کے حوالے سے بھی استناد کی پرکھ کا ضامن ہے اور فن کی لطافتوں کے حوالے سے بھی ان کی آگاہی کا
عکاس ہے۔ مفتی تقی مدینہ منورہ کی تعریف و توصیف کو بھی نعت کا جزو سمجھتے ہیں۔ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:
”ہماری شاعری کا ایک بڑا دلکش پہلو مدینہ منورہ کی تعریف و توصیف ہے۔ اس کے ساتھ اپنی محبت کا
اظہار اس کی زیارت کا شوق اور اس کی دلکش یادوں کا بیان ہے اور اس پہلو پر بھی نعت گو شعراء نے
نت نئے انداز سے طبع آزمائی کی ہے..... عربی شاعری میں مدینہ منورہ کے قریب واقع وادی عقیق پر
بہت سے قصیدے کہے گئے ہیں۔ علامہ بوصیریؒ کا مشہور قصیدہ بردہ مدینہ طیبہ کی ایک قریبی بستی ذو
سلم کی یاد سے شروع ہوا ہے اور مدینہ طیبہ کی تعریف و منظر کشی عربی نعتیہ شاعری کا ایک لازمی جزو سمجھی
جاتی ہے..... مدینہ منورہ کی یاد اور اس کی زیارت کا شوق جس کثرت سے اردو شاعری میں ملتا ہے اور
اس میں جو سوز و گداز پایا جاتا ہے شاید عربی شاعری میں وہ بات نہیں ہے۔ امیر مینائی فرماتے ہیں:

جب مدینے کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں
حسرت آتی ہے یہ پہنچا میں رہا جاتا ہوں

اور

گھر سے کہیں اچھا ہے مدینے کا مسافر
یاں صبح وطن شام غریب الوطنی ہے“ (۴۶)

”مستند نعتیہ کلام“ کا مقدمہ ایک عالم دین کا لکھا ہوا ہے۔ اس لیے یہ جامع بھی ہے اس میں

تصور تنقید بھی نکھرا ہوا ہے۔ مفتی عثمانی نعت کے متن سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں اور زبان و بیان کے مختلف اسالیب اور ان کے حسن و قبح سے بھی واقف ہیں۔ انہوں نے کسی شعر کی گرفت کی ہے تو اس کا جواز بھی موجود ہے اور اگر تحسین کی ہے تو اس کی دلیل بھی ہے۔ اس تنقیدی اسلوب پر تشریحی تنقید دبستان (Judicial Criticism) کا پرتو صاف دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کسی فن پارے کا تجزیاتی مطالعہ کرنے کے اہل ہیں اور اسی صلاحیت کے باعث اپنی Analytical approach کا اظہار کرنے پر قادر بھی ہیں۔

vi۔ جمال اندر جمال:

نعت کا یہ انتخاب ان نعتوں پر مشتمل ہے جن کی تخلیق کے لیے مصرعہ ہائے طرح دینے کی بجائے شعراء کو صرف ”ردیفیں“ بتادی گئی تھیں۔ سال کے بارہ مشاعروں میں پڑھا جائیو لا کلام ”جمال اندر جمال“ کے نام سے ترتیب دیدیا گیا ہے۔ اس کا مقدمہ بعنوان ”ایک خوبصورت نعتیہ سلسلہ“ راغب مراد آبادی نے لکھا تھا۔

اس مقدمے میں ردیفوں کے ذکر سے بحروں کا تذکرہ بھی آگیا ہے جو فن کی معروف اقدار کے حوالے سے تاریخی نوعیت کے تبصرے کا حصہ بنا۔ راغب مراد آبادی نے لکھا:

”بات دراصل یہ ہے کہ جو بحر میں متزنم اور ہمارے مزاج سے مناسبت رکھتی ہیں ان کی طرف شعراء زیادہ توجہ کرتے ہیں اور یہ سامعین کو بھی زیادہ متاثر کرتی ہیں۔ اہل ایران نے عربوں کی ان بہت سی بحروں کو نظر انداز کر دیا جو ان کے مزاج سے مناسبت نہیں رکھتی تھیں، اسی طرح اردو کے شعراء نے بھی نہ صرف عربی بلکہ فارسی شاعری کی بھی بہت سی بحروں کو قابل توجہ نہیں سمجھا۔ البتہ بعض ایسے شعراء نے، جن کی علم عروض پر گرفت مضبوط تھی، ایسی بحروں میں سے چند بحروں کو جو لان کا فکر بنایا۔ مثال کے طور پر مرزا غالب نے بحر منسرح میں صرف ایک غزل کہی ہے اور یہ غزل بھی مرزا صاحب کی ان غزلوں میں نہیں جنہیں قبول عام کی سند مل چکی ہے۔ لہذا مصرعہء طرح یا ردیف دیتے وقت بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ ثقافت اور رواں دواں بحروں کو درخور اعتنا بناسکیں گی یا نہیں۔ دبستان وارثیہ کے زیر اہتمام ردیفوں کے سلسلے کا ابتدائی حصہ ہی خاصا متاثر کن ہے۔ اب تک جتنی ردیفیں دی جا چکی ہیں ان پر کئی گئی نعتوں میں کافی تنوع ہے۔ نعتوں کا لہجہ اور ان کے مضامین کی وسعت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ ردیفوں کے انتخاب پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے“۔ (۴۷)

راغب مراد آبادی کی تحریر کا جو اقتباس ہم نے درج کیا، اس کے مطالعے کے بعد یہ کہا جاسکتا

ہے کہ تاریخ ادب بالخصوص عروضی نزاکتوں اور بحروں کے استعمال کی فنی آگاہی کی روشنی میں رائے دی گئی ہے۔ اسی لیے ردیف کے ضمن میں ہونے والے طرہی مشاعروں کی تحسین میں راغب مراد آبادی نے فنی نکات کی طرف اشارے کیے ہیں۔ عروضی بحروں کے استعمال کے شواہد پر بھی راغب مراد آبادی نے نظر ڈالی ہے اور ان پر گفتگو کی ہے۔ مثلاً

”پہلے مشاعرے میں جو نعتیں پڑھی گئیں ان کی تعداد بلحاظ بحر یہ ہے:

[۱] میرے دل سے مرے سرکار کی آئی خوشبو..... [۲] اللہ اللہ مرے آقا کے گھر کی خوشبو..... [۳] مدح جب ان کی لکھی ذہن نے پائی خوشبو..... [۴] ساتھ چلتی ہے مدینے کے سفر میں خوشبو..... [۵] اس حقیقت کی خبر لائی فضائے خوشبو..... [۶] رنگ سے نور سے طیبہ کی فضا سے خوشبو..... [۷] پیش سرکارِ دو عالم ہے ثنا کی خوشبو..... [۸] بن کے تحریک، درِ صدق و صفا کی خوشبو یہ آٹھ نعتیں ایک ہی بحر یعنی ’فاعلاتن فعلاتن فععلن‘ میں ہیں۔ چار نعتیں:

[۱] مجھے بھائی نہیں محروں گل و گلزار کی خوشبو [۲] زمانے میں کہاں اس شان اس معیار کی خوشبو [۳] سکون دل کا سماں احمد مختار کی خوشبو [۴] بھلا کیسے نہ پہنچے اس کے گھر سے اس کے گھر خوشبو دوسری بحر یعنی مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن میں ہیں۔ تین نعتیں: [۱] مشام جاں کو چمن زار کر گئی خوشبو [۲] کسی حصار کو خاطر میں لائی کب خوشبو [۳] گیا مدینے تو مجھ کو بھی مل گئی خوشبو

تیسری بحر یعنی مفاعیلن فعلاں مفاعیلن فععلن میں ہیں۔

اس اعتبار سے صرف تین بحریں ایسی ہیں جن میں بالترتیب آٹھ، چار اور تین نعتیں کہی گئی ہیں۔ باقی پانچ نعتیں مختلف بحر میں ہیں۔“ (۴۸)

اس اندازِ مقدمہ نگاری کو ہم ”تجزیاتی تنقید“ (Analytical criticism) کا نام دے سکتے ہیں کیوں کہ اس میں ایک ”موضوع“ [نعت] کے مشترک خیال کو کسی ایک ردیف کے ساتھ شعری پیکر میں ڈھالنے اور مختلف عروضی بحریں استعمال کرنے کی مشترک ڈھنی کاوش کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ نیز اردو میں خاص خاص بحروں کے استعمال کا وسیع رجحان پائے جانے کی توجیہ ادبی تاریخ کے حوالے سے کی گئی ہے۔

vii۔ مہکا مہکا حرف حرف :

یہ کتاب بھی دبستان وارثیہ میں ردیفی مشاعروں میں پڑھے جانے والے کلام پر مشتمل ہے۔ اس کا مقدمہ ”در آئینہ باز ہے“ کے زیر عنوان، ڈاکٹر پروفیسر عاصی کرنالی، نے لکھا ہے جس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:

”ان اصحاب فکر و دانش کے ذوق ایجاد اور زندہ طبعی نے شگفتہ ردیفوں کے انتخاب اور تعین سے اور شعراء کو قوافی اور بحر کے چناؤ کا اختیار دے کر نعت کو وہ فنی، فکری اور معنوی وسعتیں دے ڈالی ہیں جن سے نعتیہ ادب نے ماضی کے ادوار سے ایک بالکل مختلف، نیا اور نادر تجربہ کیا ہے۔ قدیم نعت گوئی میں ردیف و قوافی کی دہری زنجیریں اور پھر کسی ایک بحر کا تنقید فکر و خیال کے راستے میں مدافعات حائل کر دیتا تھا۔ بلکہ مضامین، قافیوں کے پابند ہو جاتے تھے اور پھر ردیف کا دنبالہ ان کی پرواز تخیل میں حائل رہتا تھا۔ اب صرف ردیف کا چناؤ اور تعین اور قوافی اور بحر کا اپنا اپنا انتخاب، ایسی ایجاد دی روش ثابت ہوا ہے جس نے فکر کو نئی جہتوں اور تخیل کو ان دیکھے آفاق سے متعارف کرایا ہے۔ پہلے دور کے قوافی اور ردیفیں شاعر کو چار اطراف سے گھیر لیتے تھے۔ اب محض ایک ردیف، شش جہت میں راستہ دیتی ہے۔ وسعتوں میں جانیے، گہرائیوں میں اترئیے۔ رفعتوں میں اڑئیے۔ اس کا اثر یہ ہوا ہے کہ نعت گوئی اپنے مخصوص روایتی لہجے اور کلاسیکل پنج سے ہٹ کر نئے اسالیب اور نئے بہ نئے افکار و مضامین سے آراستہ ہو گئی۔ شعراء نے آزادہ روی کے ساتھ سوچا اور نعت نئے نئے مظاہر اور تجلیات کا آئینہ بن گئی۔ (۴۹)

شعر میں ردیف کا استعمال فارسی اور اردو میں عام ہے۔ ردیف کے لغوی معنی ہیں [۱] وہ لفظ یا الفاظ جو ابیات یا غزل اور قصیدے کے اشعار میں قافیہ کے بعد آئیں۔ [۲] حروف تہجی کے اعتبار سے غزلوں یا الفاظ کی ترتیب۔ [۳] پیچھے کی فوج۔ [۴] گھوڑے، اونٹ یا کسی اور سواری پر سوار کے پیچھے بیٹھنے والا شخص۔ [۵] ساتھی، رفیق، شریک، ہم نوا، ندیم۔ (۵۰)

صاحب بحر الفصاحت مولوی نجم الغنی راہپوری نے لکھا:

”ردیف اس لفظ کا نام ہے جو قافیہ کے بعد آتا ہے اور دو قسم پر ہوتا ہے۔ ایک مستقل کہ براہ استقلال حقیقی آخر ابیات میں بتدکرر وارد ہو۔ دوسرا غیر مستقل یعنی مستقل حکمی وہ ہے جو قافیہ معمول تجلی میں پایا جائے کہ نصف لفظ کو قافیہ اور نصف کو ردیف ٹھہرائیں۔ مگر باتفاق جمہور یہ لفظ، خواہ کلمہ ہو یا کلام، مستقل اور متحد اللفظ والمعنی ہوتا ہے اور معنی شعر کے اس سے ایسے متعلق ہوتے ہیں کہ بے اس کے تمام نہیں ہوتے۔ مثال ردیف متفق اللفظ والمعنی کی، سودا:

جو گزرے مجھ پر اسے مت کہو سو ہوا
بلا کشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا
مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو، ہوا سو ہوا

پہلے شعر میں ”کہو جو“۔ دوسرے شعر میں ”دھو“ قافیہ ہے۔ ”ہوا سو ہوا“ ردیف۔ (۵۱)

ردیف کے بے کار استعمال کی بھی مثالیں نجم الغنی نے دی ہیں جن کے مطالعے سے ردیف کی اہمیت اور اس کے درست استعمال کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ہجر میں مجھ کو اگر ہوگی شفا کیا حاصل
لوگ کرتے ہیں عبث میری دوا کیا حاصل

دوسرے مصرع میں ”عبث“ نے ”کیا حاصل“ کو بیکار کر دیا۔ (۵۲)

بحر الفصاحت کے درج بالا حوالوں سے ردیف کی اہمیت اور اس کے استعمال میں قادر الکلامی کے عنصر کی ضرورت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

عاصی کرنا لی، ادب کے استاد بھی تھے، شاعر وادیب بھی اور نقاد بھی۔ اس لیے ادب کی تاریخ ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتی تھی۔ تخلیق کار ہونے کے ناتے انہیں ردیف و قوافی کے استعمال میں پیش آنے والی دشواریوں کا بھرپور ادراک تھا۔ پھر طرحی مشاعروں میں کسی ایک مصرع طرح پر ہونے والی مشق سے یکسانیت کی جو اکتاہٹ پیدا ہو سکتی ہے اس سے بھی وہ آگاہ تھے۔ لہذا دبستانِ وارثیہ میں دیئے جانے والے ردیفی کلمے یا حرف کی جدت کو عاصی کرنا لی نے نہ صرف بظہرِ استحسان دیکھا بلکہ اس کو سراہنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ادبی سطح پر ہونے والی مثبت تبدیلیوں کو قبول کرنے اور سراہنے کے لیے جس تاریخی شعور اور تخلیقی تجربے کی ضرورت ہوتی ہے، عاصی کرنا لی نے اپنے مقدمے میں اس کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ اس اندازِ نقد کو اگر میں کوئی نام دینا چاہوں تو کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے اصلاحی تنقید کی راہ اپنائی لہذا ہم انہیں reformativ critic کہہ سکتے ہیں۔

viii۔ انتخابِ نعت:

تاثراتی تنقید لکھنے والوں میں ڈاکٹر سید محمد ابو الخیر کشفی کا نام نمایاں ہے۔ انہوں نے نعتیہ ادب

کے انتقادی سرمائے میں اپنی نگارشات سے خاطر خواہ اضافہ ہی نہیں کیا بلکہ سمت نمائی کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔ عبدالغفور قمر کے انتخابِ نعت پر بھی ان کی مختصر لیکن جامع تحریر موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”نعت ہماری زبان کی شاعری کی توقیر ہمیشہ سے رہی ہے۔ شہیدی، محسن کا کوروی، امیر بینائی، حالی، احمد رضا خان، اقبال، ظفر علی خاں رحمہم اللہ علیہم اجمعین کے نام اور کلام سے ہماری محفلیں اور خلوتیں آباد اور منور رہی ہیں۔ لیکن عہد حاضر میں نعت گوئی جیسے ایک ادبی اور قومی تحریک بن گئی ہے۔ نعت کے مجموعے تو اتر کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ نعتیہ شاعری کے کئی اچھے انتخابات بھی شائع ہوئے ہیں۔ جناب عبدالغفور قمر کو ان انتخابات کا علم ہے اور انہوں نے ان انتخابات کا مطالعہ بھی کیا ہے اور ان کے بارے میں اپنے تاثرات بھی قلم بند کیے ہیں۔ ارمان نعت، اوج لاہور کے نعت نمبر اور نعت کائنات کے بعد بھی ایسے مزید انتخابات کی ضرورت کا ایک ثبوت انتخاب نعت ہے۔ جناب قمر نے اپنی زندگی کے شب و روز نعتوں کے مطالعے اور ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سوچتے ہوئے اور اس ذاتِ اقدس و اعظم کو اپنے وجود کی گہرائیوں میں محسوس کرتے ہوئے گزارے ہیں۔ یہ معیت اور حضوری ایک مسلمان کا عظیم ترین روحانی سفر اور تجربہ ہے۔ یہی حضوری ہمیں ان کے انتخابات میں نظر آتی ہے۔ عبدالغفور قمر نے نعتیہ مجموعوں کا مطالعہ گہرائی اور محبت کے ساتھ کیا ہے۔ ان کا انتخاب دوسرے انتخابات کا نقشِ مکرر نہیں ہے..... بعض شعراء کی کئی کئی نعتیں شریک انتخابات ہیں۔ ہمارے بیشتر انتخابات میں ہر شاعر کی ایک دو نعتیں شامل ہوتی ہیں اور یوں کسی شاعر کا نقش ابھر کر سامنے نہیں آتا۔ انتخاب نعت میں اس تنگی کا احساس نہیں ہوتا۔“ (۵۳)

درج بالا اقتباس سے مترشح ہے کہ ماضی میں شائع ہونے والے انتخاب ہائے نعت سے زیرِ نظر انتخاب نعت کا موازنہ کر کے اس کا نمایاں پہلو اجاگر کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر کشفی کا طریقِ تنقید تاثراتی یعنی Impressionistic Criticism ہے جس کے لیے والٹر پیٹر نے کہا تھا:

”یہ بالکل بجا ہے کہ اشیاء کا ان کے اصل روپ میں مشاہدہ مقصدِ تنقید ہے اور ان کے اصل روپ کو دیکھنے کا مطلب ان کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار ہے“ (۵۴)

تاثراتی تنقید کے علاوہ تقابلی تنقیدی رجحان بھی اس تحریر سے نمایاں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر کشفی کی بڑی صائب ہدایت یہ ملتی ہے کہ تجزیہ اور تفہیم کے لیے کسی تخلیق کار کی تخلیقات کے زیادہ سے زیادہ نمونے پیشِ نظر ہونے ضروری ہیں۔ انتخاب نعت میں شعراء کے کلام کے ایک سے زیادہ نمونے، مرتب کتاب

کے تنقیدی شعور کے بھی عکاس ہیں اور دیباچہ نگار کے لیے نکتہ رسی کا سبب بھی بنے ہیں۔

ix۔ شہرِ نعت:

اس نعتیہ انتخاب کا مقدمہ ”فنِ نعت گوئی“ کے زیرِ عنوان پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، نے قلم بند کیا ہے۔ اس عنوان ہی سے ظاہر ہے کہ مقدمہ نگار کے ذہن میں نعت گوئی کے کچھ معیارات ہیں جن کی روشنی میں وہ کتاب کا مقدمہ لکھ کر نعت کے تخلیق کاروں، مرتبین، اور قارئین کی توجہ ان معیارات کی طرف مبذول کروانا چاہتے ہیں۔ گویا مقدمہ نگار نے اپنے عنوان ہی سے خود کے لیے اصلاحی مقدمہ نگاری کا منصب چن لیا ہے..... پروفیسر ڈاکٹر اسحاق قریشی لکھتے ہیں:

”مدوح کی یکتائی شاعر کی جولاں گاہِ شعر کو تنگ دامن کا اسیر نہیں بناتی، اس لیے کہ مقصودِ نظر اگرچہ ایک ہے مگر اس کے اوصاف و کمالات اس حد تک لامحدود ہیں کہ بہت کچھ کہنے کے باوجود بہت کچھ کہنے کی گنجائش رہتی ہے۔ یہاں تخیلات کی بلند پروازی سے زیادہ حقائق کے ادراک کی ضرورت ہے۔ صفاتِ شامی ایک قرینہ چاہتی ہے جس کے لیے مطالعہ اور تحقیق درکار ہے۔ قلتِ مطالعہ اور اوصافِ کریمانہ سے بے خبری فتنے اٹھاتی ہے اور شاعر کا قدم صراطِ مستقیم سے بھٹکنے لگتا ہے۔ پھر عقیدت و محبت حدودِ شریعت میں نہیں رہتے اور خیر البشر کے بجائے فوق البشر کی باتیں ہونے لگتی ہیں۔ نعت گو پر لازم ہے کہ ذاتِ مدوح کی عظمتوں کو پیشِ نظر رکھے اور سراپا سپاس گزار رہے اور اس اعتراف کا حامل رہے کہ اس کی ساری کاوشیں فروتر ہیں اور مدوح کے مقام و مرتبہ کا احاطہ اس کے بس میں نہیں۔ نعت ایمان کی جان اور عقیدت کا حوالہ ہے اس لیے مصبِ رسالت کی رفعتوں کا احساس رہنا چاہیے۔ احترام کے تقاضے نعت کو محبتوں کا گلدستہ اور نجات کا وسیلہ بنادیتے ہیں اور نعت گو کو حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور امام بوصری علیہ الرحمۃ کی حاشیہ برداری کا اہل بناتے ہیں۔ یہ شاعری کی معراج ہے جس کے لیے دل کا گداز، نظر کی طہارت اور لب و لہجہ کی زیبائی درکار ہے۔“ (۵۵)

ایک اور جگہ مسلمانوں کے اجتماعی رویوں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”مسلمانوں پر جب بھی حالات کی ستم ظریفی کا جبر بڑھا اور بے چارگی کا ضعف گھمبیر ہوا اسی رابطے نے ڈھارس بندھائی، شاعر قوم کا ناقوس ہوتا ہے اس لیے اس کی زباں پر ملی درد، التجاؤں اور استغاثوں کی صورت نمودار ہوا۔ خلافتِ عباسیہ کے زوال نے عالمِ اسلام پر مایوسی طاری کر دی تو بے

بہی کے عالم میں قرار اُس وجہ کی یاد آنے لگی اور جذبات کا لاوا شعر کے روپ میں اہل پڑا، برصغیر پاک و ہند میں بھی جب ایسی پڑمردگی نمایاں ہوئی تو نعت نے رحمت کے سائے پھیلائے، قیام پاکستان کی جدوجہد پر خونِ شہیدان کی شفقِ ضوِ فگن ہوئی تو محبت و عقیدت کے زمزمے گونجے، دورِ حاضر کی قہر سمانیوں نے ہر طرف اضطراب پیدا کر دیا ہے اور یہ اضطراب گنبدِ خضرا کی ڈھائیاں دے رہا ہے۔“ (۵۶)

پہلے اقتباس سے مقدمہ نگار کا اصلاحی اندازِ تنقید (Reformatory Criticism) جھلک رہا تھا اور دوسرے اقتباس سے اس تنقیدی رویے میں عمرانی پہلو بھی شامل ہو گیا۔ اس لحاظ سے پروفیسر ڈاکٹر اسحاق قریشی نے نعت کے تخلیقی محرکات کا جائزہ لیا۔ انہوں نے تاریخی منظر نامے میں پیدا ہونے والی صورتِ حالات اور اس کے نتیجے میں شعراء کے مدح سرور کائنات ﷺ کی طرف رجوع عام کا ذکر کیا۔ وہ بجا طور پر اس نتیجے پر پہنچے کہ جب بھی مسلمان معاشرہ زوال وادبار کا شکار ہوا، امت کے صلحاء اور راست فکر شعراء کی توجہ ہمیشہ اپنے نبی جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف مبذول ہوئی اور استعاذہ نگاری کے عمل میں فریاد کی لے داخل ہو گئی۔ اس طرح پروفیسر ڈاکٹر اسحاق قریشی کا تنقیدی منہاج اصلاحی Reformatory Criticism اور Sociological Criticism کے عناصر کے امتزاج کی شکل میں نمودار ہوا۔

X۔ ایوانِ نعت:

ایوانِ نعت کا مقدمہ اس کے مرتب صلیح رحمانی نے لکھا ہے۔ اس مقدمے کا اختصاص یہ ہے کہ اس میں ”دبستانِ کراچی“ کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”شعرو سخن کی مجموعی فضا میں نعت گوئی کا فروغ، دبستانِ کراچی کی اولیات میں شامل ہے۔ اردو شعر و ادب کا کوئی دور ایسا نہیں جس میں نعت نہ کہی گئی ہو لیکن انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں نعت گوئی محض رسم نہ رہی بلکہ سنجیدہ ادبی کاوش بن گئی۔ ڈاکٹر ابو الخیر کشفی نے اردو نعت گوئی پر اپنے مطالعے میں اس پہلو پر زور دیا ہے..... میں اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے یہ عرض کروں گا کہ ملک کے دوسرے حصوں میں بعض شعرا نے صرف نعت گوئی کو اپنے لیے چن لیا ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے، لیکن اس میں مسئلہ یہ پیدا ہو گیا ہے کہ اردو شاعری میں ان کی حیثیت کے متعلق کچھ کہنا مشکل ضرور ہو گیا ہے۔ اس کے برعکس کراچی میں کئی شاعر ایسے ہیں جنہوں نے شاعری کے

دوسرے موضوعات کا حق ادا کرتے ہوئے نعت گوئی کی صف میں بھی درجہ کمال حاصل کیا مثال کے طور پر تابش دہلوی، حنیف اسعدی، محشر بدایونی، اقبال صفی پوری، صہبا اختر، راغب مراد آبادی، سرشار صدیقی، قمر ہاشمی، قمر وارثی اور سلیم کوثر کے نام پیش کروں گا۔ یہ نازک اور مشکل مسئلہ ہے کہ نعت گو شعراء کے ادبی مرتبے کا تعین کیسے کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ اس نازک مسئلے کے جواب کو دبستان کراچی کے ان شعراء نے آسان تر کر دیا ہے جنہوں نے دوسرے اصنافِ سخن میں اپنا نقش قائم کرنے کے بعد نعت گوئی کو اختیار کر لیا ہے۔ (۵۷)

دبستان کراچی کا ذکر چھٹ کر ایوانِ نعت کے مرتب نے ایک اہم تنقیدی مسئلے کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے۔ دبستان کا ذکر نکلا ہے تو پہلے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ”دبستان“ ہوتا کیا ہے؟..... اس ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر کا کہنا ہے کہ:

”کسی بھی نظامِ فکر سے وابستہ افراد اور ان کی ذہنی کاوشوں کو دبستان سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔“ (۵۸)

لیکن اس مسئلے کی تفہیم کے لیے خود ڈاکٹر سلیم اختر نے، جے۔ اے۔ کڈون کی تالیف ”اے ڈکشنری آف لٹری ٹرمز“ کا سہارا لیا ہے اور اس ڈکشنری سے ایک اقتباس بھی دیا ہے۔ مناسب معلو ہوتا ہے کہ ہم اسے بھی یہاں نقل کر دیں:

”دبستان کی اصطلاح کا اطلاق ان با اثر اہل قلم کے گروہ پر ہوتا ہے جو بحیثیت مجموعی کچھ تخلیقی اصولوں پر متفق ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ان اصولوں کے بارے میں ایک اعلان نامہ (مینی فیسٹو) بھی شائع کیا جاتا ہے۔ کسی دبستان کے زیر اثر ایسی تحریکیں بھی جنم لے سکتی ہیں جن کے اثرات مختلف ممالک تک پھیل جاتے ہیں۔ اگرچہ بالعموم دبستان کوتاہ عمر ہوتے ہیں مگر ان کی بارآوری کے اثرات برسوں پر محیط ہوتے ہیں بالخصوص اس وقت جب ان کے راہنما اصول انقلابی نوعیت کے ہوں۔“ (۵۹)

ان تحریروں کی روشنی میں صبیح رحمانی کا اٹھایا ہوا نکتہ ادبی سطح پر پرکھا جاسکتا ہے اور اس نکتے کی وضاحت کے لیے کراچی میں نعت گوئی اور نعت شناسی کی سرگرمیوں کا جائزہ لے کر ان کی رائے کی اصابت کا اثبات کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال یہ اظہر من الشمس ہے کہ کراچی میں، شمیم احمد، ڈاکٹر فرمان چٹواری، افسر صدیقی، امر دہوی، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی وغیرہم نے نعت شناسی اور ادبی تاریخ میں اس کے محرکات اور نقوش کی تلاش کا کام پاکستان بھر میں ہونے والے ایسے کاموں سے پہلے کیا۔ یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ کراچی میں نعت گو شعراء کی صف میں شامل ہونے والے بیشتر شعراء کا ادبی مقام بھی کسی نہ کسی

حد تک متعین ہو چکا تھا۔ اس طرح صبیح رحمانی کے تنقیدی منہاج کو ہم تاریخی تنقید (Historical Criticism) اور عمرانی تنقید (Sociological Criticism) کے امتزاج سے مماثل کہہ سکتے ہیں۔

صبیح رحمانی نے نعتیہ شاعری میں ادبی حسن کے مسئلے کو بھی چھیڑا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”آج نعت گوئی حسن کلام کی بھی آخری منزل کے درجے تک پہنچ چکی ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ ذات گرامی جو حسن، جمال، کمال اور توازن کی آخری مثال ہے۔ جس نے گفتگو و کلام کے آداب متعین فرمائے اس کا ذکر بھی ذکر کرنے والوں کے کلام کو اسی کے قائم کردہ معیار کے مطابق بنادیتا ہے:

نظم ہستی میں توازن کے لیے

ساری دنیا اور تنہا مصطفیٰ (تابش دہلوی)

عین مدحت ہے محمد کہنا

نام ایسا کہ ثنا ہو جیسے (حنیف اسعدی)

اس کو کہتے ہیں تکمیل انسانیت

ساری اچھائیاں ایک انسان میں (محشر بدیونی)

سارے عالم کو جزیرہ ٹھہراؤں

ایک انسان کو سمندر لکھوں (ثروت حسین)

آئینے ہم نے دیکھ لیے صبح و شام کے

سب عکس بے مثال ہیں خیر الانام ہے (جاذب قریشی)

انہی گلیوں نے قدم آپ کے چومے ہوں گے

اسی مٹی میں چراغ ابدی رکھا ہے (شبثم رومانی)

آپ کے اور محاسن بھی ہیں بے حد و شمار

حسن یوسف، دم عیسیٰ، پد بیضا کے سوا (جلیل نقوی)

تقدیر پہ چھوڑا ہے اس ناقہء ہستی کو

یہ کعبہ ہے وہ طیبہ، دیکھو تو کہاں ٹھہرے (سرشار صدیقی)

ان اشعار میں علوتخیل بھی ہے زبان و بیان کا حسن بھی ہے اقدار عالیہ سے وابستگی بھی ہے اور وہ

مقصدیت بھی ہے جو ادب کو زندگی کا آئینہ نہیں بلکہ رہنما بناتا ہے۔ ان اشعار میں آپ کو زبان کی

حدود میں توسیع بھی نظر آئے گی مثلاً نام کو ثنا قرار دینا، مدینہ منورہ میں نبی اکرم کی اونٹنی کی نسبت سے

ناقد ہستی جیسی ترکیب اور پھر اظہار کی یہ وسعت کہ جمیل نقوی نے فارسی کے معروف شعر کو ترقی دے دی ہے

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچه خواباں ہمہ دارند تو تنها داری۔ (۶۰)

یہاں مقدمہ نگار نے جو اشعار مثال کے طور پر پیش کیے ہیں ان میں ادبی جمالیات کا عنصر دکھانے کی سعی کی ہے۔ یقیناً جو اشعار حوالے کے طور پر نقل کیے گئے ہیں ان میں شعری جمالیات کی اچھی مثالیں ہیں اس لیے اس تنقیدی رویے کو ہم جمالیاتی تنقید (Aesthetical Criticism) کے ذیل میں رکھ سکتے ہیں۔

۲۔ تحقیقی مقالوں میں مختلف شعراء کے کلام پر دی جانے والی آراء کی تنقیدی اساس کا تعین: تحقیقی مقالوں کی مطبوعہ کتب کی تعداد بھی اچھی خاصی ہو گئی ہے اور اب تک بہت سی جامعات میں نعتیہ موضوع پر جاری یا مکمل ہونے والے کام کی صورت حال بھی بڑی خوش آئند ہے۔ لیکن ہم نے اب تک شائع ہونے والے مقالوں میں سے چند کا انتخاب کیا ہے تاکہ ان مقالوں میں تنقیدی محرکات تلاش کر کے ایک اندازہ کیا جاسکے کہ مقالہ نگاروں نے نعتیہ شاعری کو کن تنقیدی زاویوں کی روشنی میں پڑھا ہے؟ ہمارے انتخاب میں آنے والے مقالے درج ذیل ہیں:

i۔ لکھنؤ کا دبستان شاعری، ڈاکٹر ابوالیث صدیقی

ii۔ اردو کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر فرمان فتحپوری

iii۔ اردو میں نعتیہ شاعری، ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق

iv۔ اردو میں نعت گوئی، ڈاکٹر ریاض مجید

v۔ اردو حمد و نعت پر فارسی روایت کا اثر، ڈاکٹر پروفسر عاصی کرناٹی

vi۔ اردو نعت کے جدید رجحانات، ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی

vii۔ اردو نعت کا ہیئت مطالعہ، ڈاکٹر افضال احمد انور

viii۔ اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

ix۔ مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر سراج احمد بستوی

۱۔ لکھنؤ کا دبستانِ شاعری:

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے مذکورہ مقالے کا ذکر باب اول میں آچکا ہے۔ وہیں ڈاکٹر موصوف کی یہ رائے بھی نقل کر دی گئی ہے کہ محسن کا کوروی سے پہلے نعت گوئی کو مستقل فن یا مسلک کی حیثیت سے کسی اردو شاعر نے اختیار نہیں کیا تھا۔ (۶۱)

در اصل لکھنؤ کا دبستانِ شاعری، وہ پہلا مقالہ ہے جس میں کسی نعت گو شاعر پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ محسن کا کوروی ہی وہ خوش قسمت شاعر ہیں جن کی نعتیہ شاعری کو ادب شناسوں نے اہمیت دی اور انہیں ایک قادر الکلام اور صاحب طرز شاعر کے طور پر روشناس کرایا۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے اپنے تحقیقی مقالے میں اس کام کی ابتداء کر کے نعتیہ انتقادی ادب کی عمارت میں نشتِ اول رکھنے کا شرف حاصل کیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی تحریر سے کچھ نکات اخذ کر کے یہاں لکھ دیئے جائیں:

الف۔ محسن کی نعت میں تخلیقی شان پائی جاتی ہے۔

ب۔ لکھنؤ کے دبستانِ شاعری میں خارجی پہلو کا بیان نمایاں ہے لیکن محسن کا کلام جذبات کی غیر فانی بنیادوں پر استوار ہے۔

ج۔ محسن کے کلام پر صنعتوں کے استعمال کے باوجود آورد کا گمان نہیں ہوتا بلکہ جذبے کی صداقت کے باعث وہ آرد بھی آمد بن گئی ہے۔

د۔ زبان کی صفائی بندش کی چستی، محاورہ اور طرزِ ادا کا زور لکھنؤ کے شعراء کے ہاں عام طور پر موجود ہے، محسن بھی اس میں برابر کے شریک ہیں۔ (۶۲)

ہ۔ محسن کے کلام میں جدت ہے اور انہوں نے اپنے دامن کو اپنے ہی پھولوں سے بھرا ہے۔ (۶۳)

و۔ محسن کے کلام میں شگفتگی ہے۔ ان کا کلام اختراعی فن کا ایک نادر نمونہ ہے۔ لکھنؤ کے عام رنگ سے جدا ہے۔ (۶۴)

”لکھنؤ کا دبستانِ شاعری“ میں محسن کا کوروی کے بارے میں جو تنقیدی رائے ملتی ہے، اس کے اہم نکات پر ایک نظر ڈالنے سے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا تنقیدی رجحان واضح ہو گیا۔ وہ شاعری کو کلاسیکی روایت کے تناظر میں پرکھنے کے مؤید ہیں۔ علاوہ ازیں لکھنؤ کے دبستانِ شاعری کی خصوصیات کی روشنی میں محسن کا کوروی کے کلام کی جداگانہ اور امتیازی شان اجاگر کرنے کا عمل تقابلی تنقیدی منہاج

(Comparative Criticism) کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس طرح نعتیہ شاعری کو فن کی بنیادوں پر پرکھنے کا در، وا کرنے والوں میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا نام نمایاں رہے گا۔

ii۔ اردو کی نعتیہ شاعری:

ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے اپنی کتاب ”اردو کی نعتیہ شاعری“ میں عمومی تنقیدی بحث کرتے ہوئے اسلوب اور فن کی تخلیقی صداقتوں کی بات کی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تحریر سے کچھ اقتباسات یہاں پیش کر دیئے جائیں:

”شاعری میں موضوعات کے انتخاب کا مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا کہ موضوع کے بے جان جسم میں روح ڈالنے کا۔ یہ روح موضوع کے خارجی پہلو میں بھی کہیں کہیں چھپی ہوتی ہے لیکن جو چیز اس کو پوری قوت کے ساتھ بروئے کار لاتی ہے وہ دراصل کسی شاعر کی فنی صلاحیت اور شخصیت ہے۔“ (۶۵)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”شعری تخلیق میں صرف موضوع کو اہمیت حاصل نہیں ہوتی بلکہ موضوع کو برتنے کا سلیقہ بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس سلیقے کا دوسرا نام، انداز بیان یا اسلوب ہے۔ یہ اسلوب فن کار کی شخصی قوتوں، اس کی تخلیقی ندرتوں اور فنی مہارتوں کے سہارے ظہور پذیر ہوتا ہے اور یہی کسی تخلیق کو ادنیٰ و اعلیٰ وقتی و دائمی یا صحافتی و ادبی مرتبوں پر فائز کرتا ہے..... یقیناً بعض موضوعات اہم، بعض کم اہم اور بعض اہم تر ہوتے ہیں۔ صرف یہ کہ شاعری میں ان کی اہمیت کا انحصار عام طور پر دلکش فنی اسلوب پر ہوتا ہے۔ کبھی اہم تر موضوعات شعر میں جگہ پا کر غیر اہم بن جاتے ہیں اور کبھی معمولی موضوعات اہم ترین محسوس ہونے لگتے ہیں۔ یہ کوئی نکر ہوتا ہے اس کا جواب چنداں مشکل نہیں ہے۔ فن کار کی خوش ذوقی، فنی مہارت، جمالیاتی احساس، روایات کا پاس، مشاہدات و تجربات کا تنوع، قادر الکلامی اور ندرت فکر و خیال ایسی چیزیں ہیں جن کی بدولت ایک کم اہم موضوع شاعری میں اہم بن جاتا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں جو چیز اہم ترین خیال کئے جانے کے لائق ہے وہ شاعر کی جذباتی صداقت ہے۔ جذباتی صداقت سے مراد فن کار کا اپنے موضوع سے وہ گہرا لگاؤ اور عقیدہ و اخلاص ہے جو اسے کسی موضوع کو شعر کا قالب دینے پر مجبور کرتا ہے۔ کوئی فن کار جب اس ’جبر اندروں‘ کے ساتھ کچھ کہتا ہے تو موضوع ذہن سے گزر کر دل میں اتر جاتا ہے..... گویا کہنے والا جب تک اپنے جذبے اپنے

تجربے اور اپنے موضوع سے متاثر نہ ہو وہ اپنے کلام سے دوسروں کو متاثر نہیں کر سکتا۔“ (۶۶)
ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر فرمان فتحپوری کسی شاعری کے موضوع کو فنی تقاضوں اور
شعری جمالیات کے ساتھ قبول کرتے ہیں اس طرح ان کا تنقید یا سلوب جمالیاتی تنقید (Aesthetical
Criticism) کے دائرے میں آ جاتا ہے۔

بیدم وارثی کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قبول عام کے لحاظ سے وہ (بیدم وارثی) اردو کے دوسرے نظیر اکبر آبادی ہیں، نظیر اکبر آبادی
انسان کی خارجی زندگی اور اس کے ماحول کی ترجمانی کے سبب شہرت رکھتے ہیں۔ بیدم وارثی کو
انسان کی داخلی زندگی کی عکاسی اور اس کے عشقیہ جذبات کی ترجمانی میں کمال حاصل ہے۔ نظیر کے
یہاں جگ بیتی کا لطف ہے بیدم وارثی نے جو کچھ کہا ہے آپ بیتی بنا کر کہا ہے اور آپ بیتی و جگ بیتی
میں اثر پذیری کے لحاظ سے جو فرق ہے اس سے سبھی واقف ہیں۔ کلام بیدم وارثی کی نمایاں ترین
خصوصیت اس کا سوز و گداز ہے۔ ان کی شاعری کیا ہے ایک دیوانہء محبت کے دل کی آواز ہے۔ ایسی
جوسنے والوں کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتی“ (۶۷)

ڈاکٹر موصوف کا یہ تبصرہ شاعرانہ مقبولیت کے اسباب اور عوامل کی مماثلت کے موازنے سے
تعلق رکھتا ہے کیونکہ انہوں نے بیدم وارثی کے کلام کی مقبولیت میں نظیر اکبر آبادی کے کلام کی مقبولیت کا
جوہر محسوس کیا ہے۔ اس طرح اس تنقیدی منہاج کو ”تقابلی تنقیدی منہاج“ (Comparative
Criticism) کا نام دیا جاسکتا ہے۔

عبدالعزیز خالد کی شاعری پر ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

فارقلیط کے ضمن میں لکھتے ہیں:

”فارقلیط دراصل ایک عظیم و طویل نعتیہ قصیدہ ہے جو اردو شاعری کی تاریخ میں اپنی منفرد حیثیت رکھتا
ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عبدالعزیز خالد کی دوسری تصانیف کی طرح ”فارقلیط“ کے مطالعہ کے وقت بھی غیر
مانوس تشبہات و استعارات، اجنبی تراکیب و تلمیحات اور عربی کے اشعار و فقرات ایک عام قاری کی
راہ میں حائل ہوتے ہیں لیکن بحر کی روانی اور بیان کی پاکیزگی و شگفتگی نے اس میں حسن و اثر کا ایسا
جادو جگایا ہے کہ عام طور پر عبدالعزیز خالد کی مشکل پسندی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ اکثر مقامات پر
یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ایک سچے عاشق کے جذبات پھوٹ پڑے ہیں اور حب رسول کا ایک شیریں
و شفاف چشمہ بہ رہا ہے اور دوسروں کو بھی اپنے ساتھ بہائے لیے جا رہا ہے۔ عبدالعزیز خالد کی

قادر الکلامی اور کمالات شاعرانہ کا اظہار اس نعتیہ قصیدے میں حیرت انگیز طریقوں پر ہوا ہے۔ کہیں انہوں نے پورے کے پورے مصرعے اور شعر عربی کے ٹانگ دیئے ہیں اور کہیں فقرات و تمیحات کی پیوندکاری اردو کے ساتھ اس طرح کی ہے کہ ان کے یہاں عربی قصائد کی شان جھلک پڑتی ہے۔ کہیں خاص قسم کی تراکیب و تشبیہات کے اہتمام و مطراق کے سبب ان کے یہاں فارسی قصیدہ نگاروں کی سی شوکتِ بیان پیدا ہو گئی ہے اور کہیں کہیں ہندوئی تمیحات و علامات کے مسلسل استعمال نے انہیں محسن کا کوروی سے بہت قریب کر دیا ہے۔ (۶۸)

یہاں جس طرح شعری جمالیات کی روشنی میں عبدالعزیز خالد کے قصیدے پر روشنی ڈالی گئی ہے اس سے ڈاکٹر فرمان فتحپوری کا اندازِ نقد اور طرزِ استدلال، تاثراتی تنقید (Impressionistic Criticism)، جمالیاتی تنقید (Aesthetical Criticism) اور محسن کا کوروی کے فن سے تقابل کی صورت میں تقابلی تنقید (Comparative Criticism) کے امتزاج کی صورت میں ظہور پذیر ہوا ہے۔ اس طرزِ تنقید پر کسی ایک تنقیدی دبستان کی چھاپ نہیں ہے کیوں کہ عبدالعزیز خالد کی شاعری میں لسانیاتی تنوع بھی ہے اور فکری ترفیع بھی نیز روایت آگاہی کے ساتھ ساتھ عالمی ادب کی قوی ادبی جمالیات کے عناصر بھی ہیں۔

عبدالعزیز خالد ہی کے ایک اور نعتیہ قصیدے ”مخمنّا“ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”مخمنّا“ کو اس کی ردیف کی رعایت سے قصیدہ میمہ کہہ سکتے ہیں، اس میں چار سو چوالیس اشعار ہیں اور عبدالعزیز خالد کے خاص رنگ میں ہیں یعنی یہ قصیدہ بھی اردو فارسی عربی اور ہندی زبانوں کا حیرت انگیز سنگم ہے اور شاعر کے وفور جذبات کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے۔ فنِ قصیدہ کی وہ روایت جس کا تعلق اظہارِ علم سے ہے اور جس کی مدد سے ہمارے قصیدہ نگاروں نے سطوتِ بیان اور شکوہ الفاظ کو قصیدے کا وصف خاص قرار دیا ہے اس قصیدے میں پوری طرح در آئی ہے لیکن اس کے باوجود قصیدے کی روانی و شگفتگی کہیں مجروح نہیں ہوئی بلکہ شاعر کی قادر الکلامی نے اس کے بہاؤ، تسلسل اور باطنی آہنگ کو کچھ اور دلآویز اور باوقار بنا دیا ہے۔ ابتدا کے چند اشعار دیکھئے کیسے پر شکوہ اور دلکش ہیں۔

مطاع آدم و انجم متاع لوح و قلم
محمد ای محبوب کبریا صلعم
محمد انجمن کن فکاں کا صدر نشین
محمد افسر آفاق و سرور عالم

وہ عبدہ و رسولہ و اسمہ احمد
کتاب و حکم و نبوت کا خاتم و خاتم
حمود و حامد و احمد محمد و محمود
کریم و میر کرام و مکرم و اکرم
وہ لا یموت سراج سبل امام رسل
امیر قافلہء سخت کوش و اہل ہم
جیل و اجیل و کامل مکمل و اکمل
ستم زدہ بشریت کا محسن اعظم
نثار نغمہ داؤد و لحن بار بدی
ہیں حرف سادہ پہ قرباں سماع و صوت و نعم

(۶۹)

یہاں بھی ڈاکٹر فرمان فچوری نے عبدالعزیز خالد کے قصیدے کی فنی جمالیات کو بھرپور طریقے سے اجاگر کرتے ہوئے رائے دی ہے۔ اس لیے یہ تنقیدی اسلوب بھی جمالیاتی تنقید ہی کے تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ قصدے کا شکوہ اور بیان کی روانی کے پیش نظر ڈاکٹر فرمان فچوری کی رائے کو معروضی تنقیدی رائے قرار دیا جائے گا۔

iii۔ اردو میں نعتیہ شاعری:

ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کا یہ مقالہ ہندو پاک میں پہلا تحقیقی مقالہ ہے جس پر ناگپور (بھارت) یونیورسٹی سے ۱۹۵۵ء میں، پی۔ ایچ۔ ڈی، کی ڈگری عطا کی گئی۔

اس مقالے کے ابتدائی مباحث میں نعت کی تعریف، اس کے مضامین اور مآخذ یعنی قرآن و حدیث کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کے بحیثیت نوع سخن ہونے پر کلام کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی نعت کے لوازم، محرکات، نعت کی اقسام یعنی رسمی نعت، مقصدی نعت، اصلاحی نعت وغیرہ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مقالے کے باب دوم میں اردو نعتیہ شاعری پر عربی فارسی اور ہندوستانی صنمیات کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مقالے کے باب سوم سے باب نہم تک مختلف ادوار کے شعراء کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مقالے میں زیادہ زور تو شعراء کے احوال و کوائف کے جمع کرنے پر صرف کیا گیا ہے لیکن اشعار کے

نمونوں کے ساتھ ساتھ تنقیدی رائے بھی دی گئی ہے۔

ہمارا مقصد اس مقالے میں دی گئی آراء کی تنقیدی اساس اور طرز تحسین یا اس کے برعکس اظہار میں آنے والی رائے کی اقدار کا جاننا ہے۔ اس لیے ہم اس پورے مقالے میں قدیم و جدید اردو شعراء کے کلام پر کی جانے والی تنقید کی چند جھلکیاں ہی دکھاسکیں گے۔ وئی دکنی کی نعتیہ شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”وئی کے نعتیہ کلام میں نہ تو تصوف کی زبان میں اللہ اور اس کے رسولؐ میں یگانگت یا مماثلت کے مضامین ہیں اور نہ عشقِ محمدیؐ کے اظہار میں وہ بے احتیاطی ہے جو بارگاہ رسالتؐ کی شان کے خلاف ہے۔ ہمیں اس عہد تک نعت میں تقدس اور انتہائی احترام کی فضا ملتی ہے کہ شاعر نے تلے الفاظ میں آقائے نامدار کی ثنا کرتا ہے۔ اندازِ بیان صاف، سادہ، نکھر اُسٹھرا ہوتا ہے۔ قرآن اور حدیث کے مضامین کے ساتھ نیاز مندانہ کیفیات کی ترجمانی بھی پائی جاتی ہے۔“ (۷۰)

نمونہء کلام:

حق نے لولاک لما حق میں محمدؐ کے کہا
ان سوا کون سے مرسل نے یہ رتبہ پایا
قصیدے کے اشعار:
بعدِ حمدِ خدائے بے ہمتا
یاد کر نعت سید مرسل
جس کی ہمت کی ہے ترازو میں
دو جہاں مثل دانہ خردل
اس کی مجلس میں آہوا ہے کھڑا
صفِ آخر میں جو ہر اول
گر ہو وہ آفتاب گرمِ عتاب
آسماں جائیں مثلِ موم پگھل
دیکھ اس کے جلال و عظمت کون
بادشاہوں کا دنگ ہے دنگل
کاملاں سوں سنا ہوں یہ نکتہ

عشق اس کا ہے ہادی اکمل
نام ہے اس کا حرز ہر مؤمن
یاد اس کی ہے دافع کلو ل
دیکھ اس زلف و کھکھ کوں بے جا ہے
بحر اور بر میں عنبر و صندل (۷۱)

سید شاہ سراج الدین سراج اور نگ آبادی کا کلام پیش کر کے اس پر تبصرہ کیا ہے۔ کلام ملاحظہ ہو:

رسول خدا سید المرسلین
قیامت کے دن شافع المذنبین
نبوت کی مسند کا ہے جانشین
کیا جس کی تعظیم روح الامین
عجب روز محشر کا سردار ہے
صفِ اصفیا میں دو سالار ہے
جگت میں روئے سلطنت ہے مدام
جماعت میں ہے انبیا کا امام
رہ شرح کا ہادی مستقیم
شریعت کے دریا کا در یتیم
حبیب خدا والی روزگار
دو عالم کی اقلیم کا تاجدار

اس نعتیہ کلام پر ڈاکٹر اشفاق کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

”نعت میں شروع سے آخر تک سلاست، روانی اور بیان کی دلکشی پائی جاتی ہے۔ مضمون سادہ اور
رسول کریم کے عام اوصاف کا بیان ہے جس کی سند حدیث اور قرآن میں ملتی ہے۔ شاعر نے اس
میں داخلی جذبات کو نعت کے مضمون پر غالب ہونے نہیں دیا۔ لیکن اشعار کے اندر ایک کیف اور
خلوص کا پتہ چلتا ہے۔“ (۷۲)

امیر مینائی کی نعتیہ شاعری کے اوصاف میں درج ذیل نکات بیان کیے ہیں:

۱۔ ایک ایک مضمون سے کئی کئی مضامین پیدا کیے ہیں، مثلاً حضور اکرم ﷺ کے قد کا سایہ نہ تھا۔ اس

مضمون کو ایک ہی قصیدے میں مختلف طریقوں سے باندھا ہے:

الف آدم میں ہے ممدود احمد میں ہے بے مد کا
سبب یہ ہے کہ واں سایہ تھایاں سایہ نہ تھا قد کا
دوئی کیسی کہاں ثانی کہ یہ دونوں ہیں لاثانی
خدا کا دوسرا کوئی نہ سایہ آپ کے قد کا
وہی سایہ وہی قد تھا کہ تھے ظل خدا حضرت
جدا کرنا بہت دشوار تھا حرف مشدود کا

۲۔ حسن تغلیل بکثرت ہے جو امیر مینائی کی بلند تخیل اور عقیدہ مندی کا آئینہ دار ہے، مثلاً

وہی تو چرخ اخضر ہے جو روز خلقت عالم
گرا تھا تاج نورانی سے آویزا زمرہ کا
قمر کو کس طرح کرتی نہ وہ انگشت دو ٹکڑے
انہی دو نقطہ زیریں کا طالب لفظ تھا بد کا

۳۔ کہیں کہیں رعایت لفظی و معنوی بھی ہے، مثلاً

عجب اس خسرو دیں کو خدا نے دی ہے بیداری
کہ جمل خواب سے واقف نہیں ہے اس کی مسند کا (۷۳)

ان خصوصیات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”یہی خصوصیات امیر کے دوسرے قصیدوں میں بھی ہیں“۔ (۷۴)

نعت گو شعراء کی تین قسموں کا ذکر کرتے ہوئے علامہ اقبال کی شعری اقدار کا تذکرہ
چھیڑا ہے:

”۱۔ نعت برائے برکت، ۲۔ نعت برائے سیرت، اور ۳۔ نعت برائے محبت، یہ تین قسمیں ہیں اور
آخری قسم میں بھی فرق مراتب ہے۔ اقبال موجودہ دور میں جہاں دوسری جماعت سے تعلق رکھتے
ہیں وہاں تیسری جماعت کے بھی امام ہیں کہ وہ حضورؐ کا نام مبارک سنتے ہی ٹپ جاتے ہیں۔ اقبال
نے اردو میں نعت بہت کم لکھی ہے لیکن جو کچھ لکھا ہے اس کا جواب بہ مشکل نظر آتا ہے..... اقبال کا
دل جمال محمدیؐ پر اس لیے فریفتہ ہے کہ وہ اسے صداقت کے پیکر میں جلوہ گر پاتے ہیں۔ انسان کی
افضلیت اور اس کے کمال کی آخری منزل اقبال کو حقیقت محمدیؐ میں نظر آتی ہے۔ اسی لیے حضورؐ کا

عشق ان کے کلام میں جگہ جگہ کا فرما ہے۔ وہ زندگی کی کامرانی حضورؐ سے وابستگی میں دیکھتے ہیں۔ چنانچہ بارگاہ ایزدی میں مسلمانوں کی زبوں حالی کی شکایت کرتے ہوئے بھی اس عشق رسولؐ کے سہارے اللہ تعالیٰ سے امت محمدی کی گئی ہوئی عظمت، کی عطا کی امید باندھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے عتاب کا سبب ان الفاظ میں دریافت کرتے ہیں:

تجھ کو چھوڑا کہ رسولؐ عربی کو چھوڑا
بت گری پیشہ کیا بت شکنی کو چھوڑا
عشق کو عشق کی آشفٹہ سری کو چھوڑا
رسم سلمان و اویس قرنی کو چھوڑا
پھر جواب شکوہ میں اللہ تعالیٰ کا جواب بھی اسی مضمون پر مشتمل ہے:

کون ہے تارکِ آئینِ رسولؐ مختار
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سما یا ہے شعارِ اغیار
ہو گئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں۔ (۷۵)

ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے اقبال کے عشق رسولؐ کو نمایاں کرنے کے لیے ان کی نظموں ”صدیقؐ“ اور ”جنگِ یرموک کا ایک واقعہ“ کا حوالہ دے کر ان کے کچھ اشعار بھی نقل کیے ہیں جن میں نعتیہ شاعری کا جو ہر کشید کر کے پیش کر دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق لکھتے ہیں:

”صدیقؐ کے عنوان سے جو نظم اقبال نے لکھی اس میں بھی اسی عشق کے مضمون کو باندھا..... ”جنگِ یرموک کا ایک واقعہ“ جو علامہ مرحوم نے نظم کیا ہے وہ بھی حضورؐ کے ایک فدائی کی یہی داستان ہے جو فراق سے بے چین ہو کر لقاے حبیبؐ کے لیے رخصتِ پیکار کی درخواست امیر لشکر سے کر رہا ہے۔ اقبال نے واقعہ کو جس سادگی اور صفائی سے مؤثر انداز میں پیش کیا ہے وہ شاعر کی داخلی کیفیت کی آئینہ داری کرتا ہے۔ (۷۶)

مقالہ نگار نے مزید لکھا:

”حضورؐ کے اوصاف کے بیان میں بھی اقبال کے یہاں اسی عشق کا مضمون ملتا ہے۔ یہاں تک کہ

نگاہِ عشق و مستی میں صرف یہی ایک حقیقت جلوہ فرما ہے:

وہ دانائے سب ختمِ الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادی سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن وہی فرقاں وہی یسین وہی طابا

علامہ اقبال کے نعتیہ کلام میں حکمتِ آفرینی کی مثالیں جگہ جگہ پائی جاتی ہیں۔ وہ ہر مضمون

میں اسی فکر و نظر کی ترجمانی کرتے ہیں جو ان کے فلسفہء حیات سے متعلق ہے۔ (۷۷)

حفیظ جالندھری کے شاہنامہ کے ذکر میں ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے ”جلال محمد“ کا خاص

پہلو منتخب کر کے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”جلال محمدی۔ حفیظ نے جہاں جمالی شان دکھائی ہے وہاں جلال کے نقشے بھی پیش کئے ہیں جو ہمہ
ماہتاب ہمہ آفتاب حسن محمدی حسین عکاسی ہے۔ شاعر کی رعنائی خیال خلق عظیم کے ہر حسین پہلو کو
اس کے صحیح رنگ میں پیش کرتی ہے۔ جمال محمدی میں جلالی شان حفیظ کے محاکاتی کمال کی ایک جیتی
جاگتی تصویر ہے کہ حضور کا اس رنگ میں رونق افروز ہونا آنکھوں دیکھی بات محسوس ہوتی ہے۔ بیان
صاف، سادہ اور پراثر ہے:

رسولِ پاکؐ نے کفار کی جانب نظر ڈالی
جلالتِ آفریں چہرے سے کملی اور سرکالی
شعاعِ طور کے انوار چمکے روز روشن میں
لگادی بجلیوں نے آگ سی باطل کے خرمن میں
رسالت پر رسالت کا جلالی رنگ تھا طاری
اٹھائی ایک مٹھی خاک اور کفار پر ماری

رحمۃ للعالمین لباسِ جہاد میں ہیں۔ جمالی شان کا جلالی رنگ غیر معمولی صورتِ حال کی روداد ہے۔
اسوۂ حسنہ کے اس پہلو کو پیش کرنے میں شاعر کے تخیل کے لیے جو الجھنیں ہیں وہ بھی ظاہر ہیں۔ اس
لیے کہ لباسِ جہاد میں بھی رحمت کی صفت کو جلوہ گر دکھانا بیان کی ندرت اور تخیل کی قوت چاہتا
ہے۔ اس پر شکوہ مضمون کو بیان کرنے کے لیے شاعر اپنے تخیل کے سارے محاسن کو بروئے کار لاتا
ہے۔ پہلے وہ اس منظر کی صحیح کیفیت کو اپنے دل و دماغ پر طاری کر لیتا ہے اور پھر بیان کی حسب

معمول سادگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی صحیح عکاسی کرتا ہے:

نبوت کا جلالی رنگ چہرے سے ہویدا تھا
کہ جس کی ضو سے ذرے ذرے میں خورشید پیدا تھا
لباس جنگ پہنا آج سردارِ دو عالم نے
خدا کی فوجِ اول کے سپہ سالارِ اعظم نے
شرف بخشا زرہ کو چشمِ ہستی کے اجالے نے
سرِ اقدس پہ رکھا خود کالی کملی والے نے

رسولِ کریم ﷺ کا اصحابِ کرام کے درمیان جلوہ فرما ہونا ایک ایسا منظر ہے جو جلالتِ رسول اور فدائیوں کی
نیاز مندانه شان کا پر شکوہ نقشہ پیش کرتا ہے۔ اسے ہم روائحِ حفیظ میں شامل کریں گے:

ادھر مسجد میں مردانِ مجاہد سر بکف ہو کر
کھڑے تھے انتظارِ مصطفیٰؐ میں صفِ بصف ہو کر
ہوئے حضرتؐ برآمد حجرہ خلوت سے جلوت میں
ضیائے نور پھیلی نور کی خلوت سے جلوت میں
نبیؐ کو آج امت نے لباسِ جنگ میں دیکھا
جمالِ مصطفیٰؐ کو اس نرالے رنگ میں دیکھا
زرہ، مغفر، کمان و تیر و شمشیر و تبر بھالا
مجسم نور جس کے گرد گرد اک نور کا ہالا
ہویدا تھا جمالِ سرمدی سرکارِ عالی سے
دلِ مردانِ عالم کانپ اٹھے شانِ جلالی سے

لشکرِ اسلام اور خیر الانام کے عنوان کے تحت حفیظ نے وصفِ جلال کے ساتھ بارگاہِ ایزدی میں ہادیء
دو عالم کی جو نیاز مندانه شان بنائی ہے اس سے آپؐ کی ہر ادا میں للہیت اور شانِ کبریائی جلوہ گر
ہے، جس میں راز و نیاز کے کرشمے بھی پائے جاتے ہیں:

نہ تھا بیدار کوئی ہاں مگر اک کملی والا تھا
اسی کا روئے انور چشمِ ہستی کا اجالا تھا
وہی اک پیکرِ یمن و سعادت تھا مصلے پر

دوزانو قبلہ رو نحو عبادت تھا مصلے پر
دمیدہ اور پوشیدہ مجسم نور کملی میں
کہ جیسے چاند ہو بدلی میں وہ مستور کملی میں
پئے نوع بشر رحمت طلب درگاہ باری میں
زباں الحمد میں مشغول سرسجدہ گزاری میں

رسول کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں زندگی کی سیاست کا پورا سامان پایا جاتا ہے اسی لیے یہاں
نہ تو ہمہ جمال ہے نہ ہمہ جلال۔ حسب موقع اور ضرورت دونوں کی نمود ہے اور شان رحمت ہر جگہ موجود
ہے“ (۷۸)

شبلی نعمانی کی شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق لکھتے ہیں:
”شبلی کی نظر میں وصف نبی کا مقصود ان مکارم اخلاق کی تعلیم ہے جن سے کردار کی تعمیر ہوتی ہے اور
زندگی کو استحکام نصیب ہوتا ہے۔ والہانہ جذب و شوق کے بعد بھی اگر اسوۂ نبی کی کوئی جھلک کردار
میں نظر نہ آسکی تو اسے ہم بے مقصد اور خیالی اظہار مندی سے تعبیر کریں گے۔ ہجرت نبویؐ کا نقشہ بھی
ملاحظہ کیجیے:

جبکہ آمادۂ شر ہو گئے کفار قریش
لاجرم سرور عالم نے کیا عزم سفر
کوئی نوکر تھا نہ خادم نہ برادر نہ عزیز
گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرور
اک فقط حضرت بوکبرؐ تھے ہمراہ رکاب
ان کی اخلاص شعاری تھی جو منظور نظر
رات بھر چلتے تھے دن کو کہیں چھپ رہتے تھے
کہ کہیں دیکھ نہ پائے کوئی آمادۂ شر
تین دن رات رہے ثور کے غاروں میں نہاں
تھا جہاں عقرب و انبی کی حکومت کا اثر
بیم جاں، خوفِ عدو ترک غذا، سختیء راہ
ان مصائب میں ہوئی اب شب ہجرت کی سحر

مدینہ طیبہ میں رسول ﷺ کے استقبال کا جوش و خروش اپنی انتہائی سادگی میں بھی محبت، خلوص اور جذب و شوق کا ایسا شاندار مظاہرہ ہے کہ جس پر قیصر و کسریٰ کا جاہ و حشم ہزار بار تصدق۔ شہنشاہ کونین کے استقبال کے لیے اللہ والے دل و جان کا ہدیہ لیے ہوئے مضطر بانہ کیفیت کی قیامت خیز ساعتوں میں تصدق کے لیے آنکھیں بچھائے ہوئے ہیں۔ حقیقت میں سلطانی اسی کی ہے جو جسموں پر نہیں بلکہ دلوں پر حکمرانی کرے۔ جب رسولؐ میں ڈوبی ہوئی استقبال کی شان ملاحظہ ہو:

ہاں مدینے میں ہوا غل کہ حضورؐ آتے ہیں
راہ میں آنکھ بچھانے لگے اربابِ نظر
لڑکیاں گانے لگیں ذوق میں آکر اشعار
نغمہ ہائے طلع البدر سے گونج اٹھے گھر
ماں کی آغوش میں بچے بھی چل جانے لگے
نازنینِ حرم بھی نکل آئیں باہر
آلِ نجار چلے شہر سے ہو کر تیار
زرہ و جوشن و چار آئینہ و تیغ و سپر
دفعۃً کوکبہء شاہِ رسل آ پہونچا
غل ہوا صلِ علیٰ خیرِ اناس و بشر
جلوۂ طلعت اقدس جو ہوا عکسِ فگن
دفعۃً تارِ شعاعی تھا ہر اک تارِ بصر
طور پر حضرت موسیٰؑ کی صدا آتی تھی
آج اک اور بھلک سی مجھے آتی ہے نظر
سب کو تھی فکر کہ دیکھیں یہ شرف کس کو ملے
مہماں ہوتے ہیں کس اوج نشیں کے سرو
سینے کہتے تھے کہ خلوت گہہ دل حاضر ہے
آنکھیں کہتی تھیں کہ دو اور بھی تیار ہیں گھر
ہاں مبارک کرے اے خاکِ حریمِ نبویؐ
آج سے تو بھی ہوئی خاکِ حرم کی ہمسر

صلیٰ یا رب علیٰ خیر نبی و رسول
صلیٰ یا رب علیٰ افضل جن و بشر
رسول کریم ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ مزدور کے لباس میں تعمیر مسجد کے کام میں مصروف کار
ہیں۔ خلق محمدیؐ کی یہ شان شاعر نے نہایت اختصار اور حسن و خوبی سے دکھائی ہے:

انصار پاک اور مہاجر تھے جس قدر
مزدور بن گئے کہ خدا کا یہ کام تھا
اک اور نفس پاک بھی ان سب کا تھا شریک
جو آب و گل کے شغل میں بھی شاد کام تھا
کندھوں پہ اپنے لاد کے لاتا تھا سنگ و خشت
سینہ غبارِ خاک سے سب گرد فام تھا
سمجھے کچھ آپ کون تھا ان کا شریک حال
یہ خود وجود پاک رسولِ انام تھا
جو وجہ آفرینشِ افلاک و عرش ہے
جس کا کہ جبریل بھی ادنیٰ غلام تھا
صلوا علی النبی و اصحابہ اکرام
اس نظمِ مختصر کا یہ مسک الختام تھا، (۷۹)

ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے ولی دکنی، سراج اورنگ آبادی، امیر مینائی، علامہ اقبال، حفیظ
جاندھری اور شبلی نعمانی کی شاعری کے جو نمونے دیئے ہیں ان تمام نمونوں میں شاعرانہ اسلوب بھی ہے
اور کلام کے مافیہ (Content) کی نفاست بھی بھلک رہی ہے۔ اس طرح ہر ایک شاعر پر چچی تلی رائے
دیکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مقالہ نگار کا انداز معروضی ہے اور تنقیدی منہاج فنی جمالیات کا عکاس ہونے کی
وجہ سے جمالیاتی تنقید (Aesthetical Criticism) کے ذیل میں آتا ہے۔

iv۔ اردو میں نعت گوئی :

ڈاکٹر ریاض مجید کے اس مقالے کا دائرہ کار ۱۹۸۰ء تک محدود ہے (۸۰) گویا اس مقالے
میں ان شعری کاوشوں کا جائزہ لیا گیا ہے جو ۱۹۸۰ء تک منظرِ عام پر آچکی تھیں۔ اس مقالے کے عنوانات

سے مترشح ہے کہ مقالہ نگار نے تحقیقی مقالہ لکھتے ہوئے شعراء کے کلام کا تنقیدی جائزہ لینا بھی اپنا محکم نظر بنایا ہے اسی لیے ایسے عنوانات قائم کیے ہیں کہ ان سے تنقیدی جائزے کا ارادہ بھی جھلکتا ہے، مثلاً [الف] اردوئے قدیم کے نعتیہ نمونے اور جنوبی ہند میں نعت گوئی کا جائزہ [ب] شمالی ہند میں نعت گوئی کا جائزہ [ج] عصر جدید کی نعت گوئی، اور [د] عصر حاضر کی نعت گوئی۔ (۸۱)

ہم اس مقالے سے پانچ شعراء کے کلام پر تنقیدی رائے کا معروضی جائزہ لیں گے:

لطف بریلوی [م ۱۲۹۸ھ] کے بارے میں لکھتے ہیں:

”دیوان لطف کے مطالعہ میں سب سے پہلا تاثر جو قاری کے ذہن پر ترسم ہوتا ہے وہ لطف بریلوی کے ذوقِ نعت سے وابستگی کے بارے میں ہے۔ اردو نعت میں لطف بریلوی پہلے شاعر ہیں جنہوں نے نہ صرف یہ کہ تواتر سے اپنے شغفِ نعت کا اظہار کیا بلکہ طرح طرح کے مضامین پیدا کیے۔ ان کا یہ رویہ نعت گوئی کو ایک جداگانہ صنف کے طور پر ترویج دینے کی طرف پہلا شعوری اعلان نامہ ہے۔ یہ اعلان نامہ متنوع مضامین سے عبارت ہے اس میں فنِ نعت کی نزاکت، منصبِ نعت گوئی سے عہدہ برآ ہونے کی مشکلات، کوتاہی، اظہار، اپنے شغفِ نعت گوئی، نعت گوئی کی برکات و ثمرات کے مضامین نمایاں ہیں۔ لطف نے ان موضوعات پر بکثرت اشعار لکھے۔ چند ایک درج ذیل ہیں:

وصف لکھتا ہوں نبیؐ کے حسن عالمگیر کا
کیوں نہ شہروں شہروں شہرہ ہو مری تخریر کا
تیری مدحت کی بدولت اب تو اے ممدوح حق!
خلق میں ممدوح ہوں اک اک جوان و پیر
اے لطف نعت گوئی میں یہ مرتبا ہوا
مجھ کو حصولِ عشقِ حبیبِ خدا ہوا
ہوں میں بلبلِ باغِ وصفِ احمدِ مختار کا
سوزِ باں رکھتا ہے ہر پتہ مرے گلزار کا
ہوئی پسند فصاحت مری جو روزِ الست
کیا نبیؐ کا مجھے حق نے مدح خواں پیدا
وہ ہے مدحِ خدا، اس کا ہے خدا مداح

بشر کی جان لکھے نعت سید ابرار
ایسے بے مثل کی لکھے کوئی کیوں کر تعریف
میرے ادراک سے بھی جس کی ہو باہر تعریف
دب لی ہے منہ میں اپنے صورت غنچہ زباں
ہم نے قرآن میں ترے وصف و ثنا کو دیکھ کر
لطف کے ہاں ایسے شعروں کی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچی ہے۔“ (۸۲)
مولوی محمد حسین تمنا مراد آبادی [متوفی ۱۳۱۷ھ] کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر ریاض
مجید نے لکھا:

”وہ موضوع جس کے سبب مولوی محمد حسین تمنا نے بہت شہرت حاصل کی ’انتناع نظیر‘ کا موضوع
ہے..... تقویت الایمان کی ایک عبارت اور اس کی رد میں امکان نظیر اور انتناع نظیر کا مسئلہ کھڑا
ہوا۔ اس بارے میں مولوی تمنا، مولانا فضل حق خیر آبادی کے ہم نوا تھے۔ انہوں نے اپنے نعتیہ کلام
میں متعدد جگہ پر بڑے شد و مد کے ساتھ اپنے موقف کا اظہار کیا ہے اور طرح طرح کی دلیلوں سے
اپنے مخالفین کی تردید کی اور اپنے موقف کی تائید میں شعر کہے۔ ذیل میں ان کے کچھ اشعار درج کیے
جاتے ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ کی بحیثیت پیغمبر، شانِ یکتائی کا اظہار کیا گیا ہے اور امکانِ نظیر کی
تردید کی گئی ہے:

مرآتِ وحدتِ احدی ہے وہ ذاتِ پاک
آوے گا کیونکر آپؐ کا ہمسر خیال میں
ہچشم دیکھیں گے منکر بھی ان کی یکتائی
قریب، موسمِ ہنگامہء نشور آیا
احدی شان بھلا کس میں تجلی کرتی
ذاتِ احمدؐ کا نہ آئینہ جو یکتا ہوتا۔“ (۸۳)

ڈاکٹر ریاض مجید نے مولانا ظفر علی خاں [م ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۶ء] کے نعتیہ موضوعات اور ان
کے اسلوبِ نعت گوئی کا احوال اس طرح قلم بند کیا ہے:

”مولانا کی نعت کا مطالعہ کرتے ہوئے جو عنصر نمایاں انداز میں جلوہ گر ہوا ہے وہ عشقِ رسولؐ کا جذبہ
ہے۔ مگر جو خصوصیت ان کی نعتیہ شاعری کو معاصر نعت نگاروں سے منفرد ٹھہراتی ہے وہ ان کا قومی و

سیاسی شعور ہے۔ مولانا ظفر علی خاں کے نعتیہ کلام میں ہندی مسلمانوں کی کسمپرسی، عالم اسلام کی زبوں حالی، طرابلس پر اٹلی کا حملہ، تحریک خلافت، تحریک عدم تعاون، تحریک ہجرت، شذھی اور سنگھٹن تحریکوں کے سلسلہ میں رونما ہونے والے مسلم کش فسادات اور متعدد ایسی معاصر سیاسی قومی تحریکوں کے اثرات ملتے ہیں جن میں اس وقت کے مسلمان بالعموم اور ہندی مسلمان بالخصوص کسی نہ کسی طور منسلک رہے ہیں۔ مولانا کی نعت میں ملی عناصر کا کیوس حالی اور اقبال سے بہت وسیع ہے۔ خصوصاً ہندی مسلمانوں کی زبوں حالی کا جو نوحہ مولانا کے ہاں نظر آتا ہے، کسی دوسرے معاصر شاعر کے نعتیہ کلام میں نہیں ملتا۔ انہوں نے اپنی نعتوں سے اصلاح و اتحاد کا کام لیا اور عشق رسولؐ کے ترانے گا کر ملت اسلامیہ کے اندر ایک ولولہ تازہ پیدا کیا۔ ان کے نعتیہ کلام میں عظمت رفتہ کا احساس، لمحہ موجود کی زبوں حالی، مستقبل کے روشن اور پر شکوہ عہد کا انتظار اور ان سے وابستہ تاثرات و احساسات بکثرت ملتے ہیں ان میں سب سے اونچی لے حضور اکرم ﷺ کے دربار میں فریاد و استغاثہ کی ہے۔ مولانا کی اکثر نعتوں میں عرضداشت و التجا کی یہ لے نمایاں ہے۔ چند نعتوں کے عنوان دیکھیے:

☆ التجا بحضور سرور کائنات ☆ عرضداشت امت بحضور سرور کون و مکاں

☆ اسلامیان ہندی فریاد، بارگاہ سرور کائنات میں۔

مولانا کے استغاثوں کے کچھ اشعار دیکھئے:

اے کہ رواں رواں ترا درد میں ہے بسا ہوا
کس کو ترے سوا سنائیں، جا کے ہم اپنی مشکلات
تھام کے پا یہ عرش کا کر بہ ادب یہ التجا
اے کہ ہے مبداء فیوض ایک فقط تری ہی ذات
بندے بھلے ہوں یا برے تو تو ہے اے خدا! کریم
قطع ہو کیوں کریم کا سلسلہ نوازشات
مورد لطف خاص پر کس لیے آج یہ عتاب
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشہ چشم التفات
”عرضداشت امت بحضور سرور کون و مکاں“ میں التجا کا حصہ دیکھئے:
تکلیہ جس طاقت پہ ہم کو ہے وہ ہے تیری دعا

جو کہ ہے مقبول درگاہِ خداوندِ جلیل
دُرفشاں اے ابرِ رحمت! ہند پر بھی ہو یونہی
تاکہ ہوں سیراب اس کشور کے بھی زرع و نخیل
علم کا ہم کو ہو شوق اور ہو عمل کا ہم کو ذوق
قرنِ اول کے ہوں پیدا ہم میں اخلاقِ جمیل
ہم بھلے ہیں یا برے، تیرے ہی آخر ہیں غلام
ہم کو ہم چشموں میں اے آقا! نہ ہونے دے ذلیل
اے شفیع المذنبین! اے رحمت للعالمین
انت کہفی، انت ہادی، انت لی نعم الوکیل (۸۴)

اقبال سہیل (۱۳۶۵ھ) کی نعت نگار کے ضمن میں ریاض مجید لکھتے ہیں:

”سہیل کی نعت نگاری کا نمایاں وصف حقیقت نگاری ہے۔ ان کی نعتوں میں رسولِ اکرمؐ کی سیرت و سوانح اور اوصاف کا بیان قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔ انہیں حضورِ اکرمؐ سے بے پناہ محبت و شفقت کی ہے مگر ان کی یہ شدت انہیں جادۂ اعتدال سے ہٹنے نہیں دیتی۔ محبتِ رسولؐ کے ساتھ علومِ اسلامیہ سے آگہی، ذاتِ رسالتِ مآبؐ کا شعور، تاریخِ اسلام پر گہری نظر اور سیرتِ رسولؐ کے بارے میں واقعات و روایات کی جزئیات کے عمیق مطالعہ نے ان کی نعت گوئی میں حقیقت و واقعیت کا رنگ بھر دیا ہے۔ وہ اپنی نعتوں میں حدودِ شریعت کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ ایک خط میں اسلم جیراچپوری کو لکھتے ہیں:

’.....عام طور پر نعتوں میں جو حسن صورت کی مداحی اور تغزل کا انداز مولانا جامی کے عہد سے آج تک معمول پر تھا یا دوسرے انبیاء و رسل کا استخفاف، غیر ضروری اور بے معنی مبالغہ یا لفظوں کی صنعت گری اور خیال آفرینی جو عرفی و غیرہ نے رائج کی اور محسن کا کوروی مرحوم نے اردو میں منتقل کی ان سے قطعی احتراز ہے۔ مگر سادہ و بے نمک بھی نہیں۔ شکوہ بیان اور بلندیء ادا کا دامن ہاتھ سے کہیں چھوٹنے نہیں پایا ہے.....‘

سہیل نے اپنی نعت نگاری کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان کی نعت ان کے مطابق ہے۔ سہیل نے بے معنی مبالغہ طرازی سے احتراز کیا ہے اور ہر جگہ آدابِ فن کا پورا التزام ملحوظ رکھا ہے اور نخیل کی رنگ آمیزی اور صنعت گری کو اپنی نعت پر اس حد تک غالب نہیں کر لیا کہ حقیقت اس کے

اندر گم ہو کر رہ جائے۔“ (۸۵)

ریاض مجید نے اقبال سہیل کی تحریر کے ذریعے یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ اقبال سہیل کی طویل نعت جس کی ردیف ”صلی اللہ علیہ وسلم“ ہے، انہوں نے اپنی بیٹی کو زمانہ محفل میلاد میں پڑھنے کے لیے لکھ کر دی تھی۔ اس نعت کے چند اشعار بھی ریاض مجید نے نقل کیے ہیں:

احمد مرسل فرّ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
مظہر اول ، مرسل خاتم صلی اللہ علیہ وسلم
جسم تزکی ، روح مصور، قلب تجلی ، نور منظر
حسن سراپا، خیر مجسم صلی اللہ علیہ وسلم
طینت جسکی سب سے مظہر بعثت جسکی سب سے مؤخر
خلقت جس کی سب سے مقدم صلی اللہ علیہ وسلم
پچھڑے ہوئے گلے کو ملایا، نسل و وطن کا فرق مٹایا
رہ نہ گیا کچھ تفرقہ باہم صلی اللہ علیہ وسلم
وہم کی ہر زنجیر کو توڑا، رشتہ ایک خدا سے جوڑا
شرک کی محفل کردی برہم صلی اللہ علیہ وسلم
فرد و جماعت، امر و طاعت، کسب و قناعت، عفو و شجاعت
حل کیے جو اسرار تھے مبہم صلی اللہ علیہ وسلم
حفظ مراتب، پاس اخوت، سعی و توکل، رفق و فتوت
تِلْكَ حُذُودُ اللَّهِ فِي مَنْصَبِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ساری نعت کا یہی انداز ہے۔ اوصاف محمدی کے ساتھ ساتھ تعلیمات و پیغام محمدی کو ہم آہنگ کر دیا ہے۔ نیز نسل انسانی پر آنحضرتؐ کے فیضان و برکات کا تذکار بھی نعت میں شامل ہے۔ جگہ جگہ قرآن و حدیث کے حوالے اور عربی الفاظ نے اس نعت کو اسی طرز کی (صلی اللہ علیہ وسلم کی ردیف میں لکھی جانیوالی) نعتوں میں ایک منفرد حیثیت بخشی ہے۔ اس ردیف میں لکھی جانیوالی سینکڑوں اردو نعتوں میں کوئی نعت اقبال سہیل کی نعت کے علمی شکوہ اور بلاغت کو نہیں پہنچتی۔“ (۸۶)

امجد حیدر آبادی [م ۱۳۸۰ھ] کے نعتیہ کلام کا ذکر، ریاض مجید نے اس طرح کیا ہے:

”امجد کے نعتیہ کلام پر عارفانہ رنگ کے گہرے اثرات ہیں۔ حقیقت محمدیؐ کے اظہار میں انہوں نے

کئی ایسے مضامین بیان کیے ہیں جو بے احتیاطی کے ذیل میں آتے ہیں۔ ”احد“ اور ”احمد بے میم“ کا تذکرہ کرتے ہوئے بعض اوقات ان کے خیالات شریعت کی حدود و قیود سے ٹکراتے ہیں۔ ذیل کے شعر دیکھئے:

شکل احمد میں خود احد آیا
ہوا مطلق مقید اظہار
دارہ محنتی تھا نقطہ میں
ہوگئی ختم گردش پر کار
بچ بھی ہے وہی، شجر بھی وہی
وہی قہار ہے وہی غفار
آپ اپنا پیام پہنچایا
آپ خود اپنا کر گیا اقرار
یار آیا تھا نامہ بر بن کر
خط کے دھوکے میں رہ گئے اغیار
بہی خیال دوسری جگہوں میں بھی قلم بند ہوا ہے، مثلاً
تردد میں نظر آتا نہیں رستہ تعین کا
احد کو کیجئے یا احمد بے میم کو سجدہ“ (۸۷)

امجد حیدر آبادی کے نعتیہ اشعار میں مضمون کی بے احتیاطی کا تذکرہ کر کے ڈاکٹر ریاض مجید نے عملی تنقید (Practical Criticism) کا مظاہرہ کیا ہے جو نعتیہ شاعری کے ذیل میں بڑا مناسب رویہ ہے۔ امجد کی رباعیات بہت مشہور ہیں۔ ریاض مجید نے ان کی ایک رباعی نقل کی ہے:

رخ مہر ہے قد خط شعاعی کی طرح
وہ گلہ امت میں ہے راعی کی طرح
اس خاتم انبیاء کا آخر میں ظہور
ہے مصرعہ آخر رباعی کی طرح (۸۸)

امجد حیدر آبادی کے کلام پر مجموعی رائے دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”بحیثیت مجموعی امجد کی نعتیہ شاعری صوفیانہ و عارفانہ مسائل، ادبی و فنی حیثیت اور اخلاص و تاثیر کے

سب گراں قدر ہے۔ انہوں نے نعتیہ موضوعات کو نکتہ آفرینی سے قلم بند کیا ہے اور ذات رسول اکرمؐ سے اظہار عقیدت و محبت کے لیے سارے فنی محاسن (تشبیہ، استعارہ، کنایہ وغیرہ) کو استعمال کیا۔“
(۸۹)

حافظ جلیل حسن جلیل مانک پوری کے لیے، ڈاکٹر ریاض مجید نے لکھا:
”حافظ جلیل حسن جلیل مانک پوری [م ۱۳۶۵ھ] کی نعت میں قدیم لکھنوی تغزل کے رنگ کی ترجمانی ملتی ہے۔ ان کی زبان شستہ و صاف ہے اور مضمون کو زبان پر ترجیح کے سبب یہ لکھنوی دبستان کے عام شعراء سے قدرے مختلف ہیں۔ شاعری میں چونکہ امیر بینائی کے شاگرد ہیں لہذا نعت کا ذوق بھی امیر کی صحبت و شاگردی میں پروان چڑھا۔ جلیل کا نعتیہ کلام سلاست و روانی اور سادگی و خلوص کے سبب خاص تاثیر اور حسن رکھتا ہے ان کی بعض نعتیں رواں دواں اور مترنم بحروں میں ہیں اور سننے والے کو متاثر کرتی ہیں۔ درج ذیل نعتیں اسی انداز کی ہیں:

کئے عمر صل علی کہتے کہتے
اٹھوں حشر میں مصطفیٰ کہتے کہتے
محمدؐ کو پایا خدا کہتے کہتے
خدا مل گیا مصطفیٰ کہتے کہتے
نہ منصب نہ دولت نہ زر چاہیے
مجھے آپؐ کی اک نظر چاہیے
در مصطفیٰؐ ہے ادب اے جبین
یہاں سجدہ کرنے کو سر چاہیے

ان نعتوں میں جمال محمدیؐ پر فریفتگی، حب رسول اکرمؐ کی اہمیت، بارگاہ رسالت سے امیدواری و شفاعت طلبی کے مضامین عام ہیں۔ زبان کی شگفتگی اور طرز ادا کی ندرت کے سبب ان کے نعتیہ کلام کا ادبی پایہ بھی بہت بلند ہے۔“ (۹۰)

درج بالا تنقیدی آراء میں ڈاکٹر ریاض مجید نے کہیں تو شعری اسالیب و انداز نگارش کا موازنہ کیا ہے، کہیں فنی حوالوں سے شعری قدر افزائی کی ہے، کہیں متن text کو پرکھنے کی کوشش کی ہے اور اس پر رائے دی ہے۔ اس لیے اس طریق تنقید کو کسی ایک دبستان تنقیدی کے تحت رکھ کر نہیں دیکھا جاسکتا ہے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کا تنقیدی منہاج تاریخی تنقید Historical Criticism تقابلی تنقید

۷۔ اردو حمد و نعت پر فارسی روایت کا اثر:

ڈاکٹر عاصی کرناٹی کو اس مقالے پر پی۔ ایچ۔ ڈی، کی ڈگری عطا ہوئی تھی۔ اس مقالے میں ویسے تو حمد و نعت پر فارسی روایت کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے تاہم اس میں اردو شعراء کی نعتیہ کاوشوں کی قدر افزائی کے لیے تنقیدی آراء بھی رقم کر دی گئی ہیں۔ اس مقالے میں جن شعراء کے کلام پر مختصر رائے دی گئی ہے ان کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے۔ ہم صرف چند شعراء کی نعتیہ شاعری پر فاضل مصنف کی رائے کا جائزہ لیں گے۔

مولانا محمد اسماعیل میرٹھی: (۱۸۴۴ء تا ۱۹۱۷ء):

عاصی کرناٹی نے اسماعیل میرٹھی کی شاعری کا موازنہ نظیر اکبر آبادی سے کرنے کی سعی کی ہے لیکن بتایا ہے کہ ان کی شاعری میں سطحیت بہت ہے جبکہ اسماعیل میرٹھی کے اسلوب کی نفاست کی، عاصی کرناٹی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”اسماعیل میرٹھی نے صفائی زبان و بیان کا خیال رکھا اور شاعری کو محض اس سطح تک رکھا جو عوامی ہونے کے باوجود ادب کی نفاست اور زبان کی سلیقہ مندی سے مربوط رہی۔ موضوعات کا چناؤ اور کلام کی دل نشینی مولانا کے یہاں اس قدر ہے کہ جہاں بچے بھی ان کی بات بخوبی سمجھ لیتے ہیں وہاں بڑے بھی ان کی شاعری سے اپنے ذوق کی تسکین کر سکتے ہیں: ”رحمۃ للعالمین:

بنام خداوندِ حی و قدیر
علیم و کلیم و سمیع و بصیر
وہی ہے سزاوارِ حمد و سپاس
ورائے خیال و برونِ قیاس
بنایا ہے جس نے طلسمِ جہاں
یہ خاکی زمیں، نیل گوں آسماں
یہ نیرنگِ عالم نہیں سرسری
ہے استادِ عالم کی جادو گری
کسی گنج پر ہے مگر یہ طلسم

کسی جان کے واسطے ہے یہ جسم
 ہے اس بحر میں کوئی درِ یتیم
 کہ ہے جس کی خاطر یہ ناز و نعیم
 ہے اس جشن میں کوئی سلطانِ ضرور
 کہ ہے دم قدم کا یہ جس کے ظہور
 محمد ہے وہ تاجدارِ ہدی
 مدارِ نبوت ، رسولِ خدا
 بشیر و نذیر و رؤف و رحیم
 امین و شفیع و حبیب و کریم
 وہی میہمانِ گرامی ہے یاں
 اسی کے لیے ہے یہ بزمِ جہاں
 جمالِ الہی کا مظہر ہے وہ
 کمالِ خدائی کا منظر ہے وہ
 اسی کی بدولت ہے یہ سب نمود
 کہاں کا عدم اور کہاں کا وجود (۹۱)

رفیع الدین ذکی قریشی:

رفیع الدین ذکی قریشی کے نعتیہ مجموعوں کے حوالے سے ڈاکٹر عاصی نے بتایا ہے:
 ”خورشیدِ حرا، سازِ عقیدت، نور و کھمت، حرفِ نیاز، عنوانِ تمنا، مہرِ فاراں، نویدِ رحمت اور ریاضِ نعت“
 ذکی قریشی کے نعتیہ مجموعے ہیں..... ذکی قریشی کا اسلوبِ شعری روایت کے محاسن سے پُر ہے۔ وہ
 جدت کے شوق میں ایسے تجربے نہیں کرتے جو نعت کی منور فضا کو دھندلائیں۔ شاعری میں ہمارا ذہن
 و ذوق کئی صدیوں سے جس غنائی آہنگ اور صورت و ہیئت اور اسالیب کے جس فنی اور معنوی حسن
 کا خوگر ہو گیا ہے، ذکی اس میں تغیر کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے یہاں زبان و بیان کی سلاست و
 صفائی، بے ساختگی اور ابلاغی صلاحیت اور نازک جذبوں اور لطیف خیالات کو ادا کرنے کی استعداد بھر
 پور طور پر اثر انداز ہوتی ہے۔“ نعتیہ اشعار:

کس طرح قصیدہ لکھوں کینسرو و جہم کا

ہوں مدح سرا ماہِ عرب ، مہرِ عجم کا
اک نام مرے وردِ زباں شام و سحر ہے
اک نام مداوا ہے جو ہر درد و الم کا
جب سرورِ دوراں ہیں مرے حامی و ناصر
کیوں شکوہ زباں پر ہو زمانے کے ستم کا
پھر سے ہو مجھے روضہء اطہر کی زیارت
اے طالعِ تقدیر مقدر مرا چکا (۹۲)

عزیز حاصل پوری کے شعری عمل پر تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے عاصی کرناٹی نے لکھا:

”عزیز حاصل پوری، حمد و نعت تخلیقی بصیرت سے کہتے ہیں اور حب و اطاعت کی اساس پر بہت پراز معنویت مضامین تخلیق کرتے ہیں۔ ان کے یہاں نکتہ طرازی اور مضمون آفرینی کا جو ہر ملتا ہے۔ ان کے آہنگ میں تازگی اور نیا پن ہے اور وہ عموماً فنی کمالات کے ساتھ حمد و نعت کے ایوان کی آرائش کرتے ہیں۔ عزیز حاصل پوری کے یہاں تقریباً تمام معروف اصناف میں حمد و نعت ملتی ہے۔ وہ اپنی تخلیقات میں جذبے کے ساتھ تفکر کے عنصر کو بھی داخل کرتے ہیں۔ تاہم حب کا جذبہ غالب رہتا ہے۔“ (۹۳)

عاصی کرناٹی نے عزیز حاصل پوری کی شاعری پر تبصرہ کرنے کے بعد درج ذیل نعتیہ اشعار

منتخب کیے ہیں:

ظاہر ہے لفظ لفظ سے رتبہ حضور کا
قرآن ہے تمام قصیدہ حضور کا
جن کو خدا نے دی ہے نظر، دیکھتے ہیں وہ
کونین کی فضاؤں میں جلوہ حضور کا
انوار کی فصیل رہی اس کے درمیاں
پڑتا زمیں پہ کس لیے سایہ حضور کا
ہو اعتبارِ ذوقِ نظر میں جو پختگی
دیدار ہو عزیز ہمیشہ حضور کا

شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے سلام پر تضمین کا ایک بند:

جس کا ہر اک سخن حرف قرآن ہوا
جس کا ہر جملہ دستور عالم بنا
جس کا ہر لفظ معنی کا روشن دیا
وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا
چشمہ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام (۹۴)

لالہ صحرائی کے شعری عمل کے حوالے سے ڈاکٹر عاصی کرناٹی نے لکھا:

”غزواتِ رحمۃ اللعالمین“ لالہ صحرائی کا ایک وقیع نعتیہ کارنامہ ہے۔ غزواتِ نبوی نعت و سیرت میں کوئی نیا موضوع نہیں ہے۔ غزوات نامے لکھے گئے ہیں یا نعت کے ضمن میں بطور ایک موضوع ان کو بیان کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن غزوہ نگاری کی شعری روایت کے تسلسل کے باوجود اب تک تمام غزوات کو یکجا کر کے سلک نظم میں پروانے کا خیال سب سے پہلے لالہ صحرائی کے دل میں پیدا ہوا ہے۔ اس اعتبار سے یہ اس موضوع پر اوّلین کوشش ہے۔ ان غزوات کی بنیاد شاعر نے واقعہ نگاری اور مستند معلومات پر رکھی ہے۔ ان کے ذریعے حضور ﷺ کی سیرت اقدس کے بے شمار پہلو پیش کیے گئے ہیں۔ ہر نظم میں شروع سے آخر تک قدرتِ کلام اور زور بیان موجود ہے۔ ان کے ذریعے توحید پرستوں کا آئینہ فکر و عمل بھی منعکس ہوتا ہے اور ان کے عظیم قائد کی سیرت اقدس بھی اور ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ کس طرح ان ستاروں میں بدرِ کامل کی طرح جلوہ فشاں تھا اور کس طرح آفتاب رسالت کی کشش ثقل ان ستاروں کو اپنے مرکز و محور کے گرد متحرک رکھتی تھی۔ نمونہء کلام ”غزواتِ رحمۃ اللعالمین“ سے ”غزوہ بدر، آخری اشعار“:

فتح پائی لشکرِ باطل پہ پھر اسلام نے
رب نے جو محبوب سے وعدہ کیا پورا ہوا
جنگِ بدر اس وجہ سے ہے منفرد تاریخ میں
درمیانِ حق و باطل تھا یہ پہلا معرکہ
ملتِ اسلام کے محسن ہیں سب اصحاب بدر
ان کے احساں سے نہیں ہو سکتے ہم عہدہ برآ
یہ وہی تھے جن کی جانوں کی اٹھی تھی جب فِصیل
قصرِ ملت تا بروزِ حشر مستحکم ہوا

بدرِ کامل کے ستارو! تم پہ ہوں لاکھوں سلام

بدر سے پھیلائی تم نے سارے عالم میں ضیا (۹۵)

حزین صدیقی کے نعتیہ کلام پر عاصی کرنا لی کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

”حزین کے تمام فن کا مقصود عظمتِ بشری ہے اور عظمتِ بشری کا محور و مرکز، مصدر و منبع حضورِ اقدس ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے جس کو خلاقِ اکبر نے وجہ تخلیقِ کائنات بنایا۔ حزین کی حمد و نعت میں یہی فکر رچی بسی ہوئی ہے۔ ان کے یہاں جذبے کا فلسفہ آمیز اظہار ہے اس لیے یہ صنف ان کے قلم سے ادا ہو کر ہمارے لیے نئے امکاناتِ حیات کی نوید بن جاتی ہے۔“

سوال، عبد کی معبود تک رسائی ہے؟

جواب، اور یہ معراج کس نے پائی ہے

سوال، خاک نشینوں کا عرش پر کیا کام

جواب، شانِ رسالت کی حد بتائی ہے

سوال، عالمِ بالا کی سیر اک پل میں؟

جواب، صلِ علی، شانِ مصطفائی ہے

سوال، نور مجسم کہ پیکرِ خاکی؟

جواب، آئینہ حسنِ کبریائی ہے

سوال، جسمِ مطہر کا سایہ تھا کہ نہیں؟

جواب، آپ کے سائے میں کلِ خدائی ہے

سوال، آپ کے دامانِ لطف کی وسعت؟

جواب، عرصہ کونین کی سمائی ہے

سوال، عرضِ مدینہ فلک مقام ہے کیوں؟

جواب، مسکنِ محبوبِ کبریائی ہے“ (۹۶)

حنیف اسعدی کے شعری نظریے اور نعت نگاری کے ضمن میں عاصی کرنا لی نے لکھا:

”نعت گوئی میں تین رویے پائے جاتے ہیں۔ حصولِ ثواب اور نجاتِ ظہنی کے لیے نعت کہنا، اپنے جذبہء عشق اور وارداتِ قلبی کا بیان اور (عہدِ حاضر میں) حضور ﷺ کو ایک مثالی انسان کے طور پر پیش کر کے ان کے اتباع کی دعوت۔ ہر رویے کا اپنا ایک جواز، ایک کیف اور ایک اہمیت ہے۔ حنیف

اسعدی آخری دور ویوں سے اپنی نعت کو پر کیف اور آبرو مند بناتے ہیں۔ ایک صاحبِ عشق، صاحبِ درد، صاحبِ دل، شاعر کا قلب محبت رسول ﷺ کے جن لطیف جذبوں کا امین ہے، حنیف اسعدی ان جذبوں سے اپنی نعت کو پر سعادت بناتے ہیں۔ ہر عہد انسانی کو اور خصوصاً عہدِ گزراں کے انسانوں کو اپنی بہتری کے لیے جس خلقِ عظیم اور اسوہٴ کامل کی ضرورت ہے، اس کو حضور ﷺ کی شخصیتِ کبریٰ کے حوالے سے پیش کرنے کا عمل۔ اس طرح حنیف اسعدی جہاں اپنی داخلی اور باطنی کیفیات کے ترجمان ہیں، وہیں نعت کو دعوت و ارشاد کی صورت میں بھی پیش کرنے کی سعادت سے بہرہ مند ہیں۔ ان کی نعتوں میں والہانہ پن ہے جو تقاضائے محبت ہے لیکن یہ والہانہ پن بہ ہر نفس اور بہ ہر قدم شعور و آگہی اور ادب و تکریم کے تابع ہے۔ باشعور سرشاری یا سرشار شعور مندی کا اطلاق ان کی ذات پر بھی ہوتا ہے، ان کی نعت پر بھی پاس ادب ان میں اس قدر اور اس انتہا تک ہے کہ وہ اپنی نعتوں میں حضور ﷺ کے لیے ”واحد مخاطب“ کی ضمیر استعمال نہیں کرتے۔ ان کا دوسرا مجموعہ ”آپ ﷺ“ ان کے اسی ذہنی رویے کا غماز ہے۔“

نمونہء کلام:

یا رب یہ تمنا ہے کہ نازل ہو وہ ہم پر
جو نعت ابھی قرض ہے قرطاس و قلم پر
جو کچھ بھی ملا بخش دیا خلقِ خدا کو
حیراں ہے سخاوت بھی اس اندازِ کرم پر
کیا شان ہے اے صل علی ابر کرم کی
اٹھتا ہے عرب سے تو برستا ہے عجم پر
آقا مری غفلت کو کرم کی ہے ضرورت
اعمال تو ایسے نہیں، تکیہ ہے کرم پر“ (۹۷)

عاصی کرنا لی نے جن شعراء کی نعتیہ شاعری پر تنقیدی رائے دی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا تنقیدی وژن بڑا وسیع ہے۔ انہوں نے شاعروں کے زبان و بیان کے حسن و قبح پر بھی نظر رکھی ہے اور شعری متن (Text) کے مآخذ کا بھی احاطہ کیا ہے۔ شعر میں جذبے اور احساس کی زیریں لہروں کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے مضامین کی بُت کی قدیم روایت کے لیے موجود شعری سرمائے کی نظیریں بھی موازنے کی غرض سے اپنے پیش نظر رکھی ہیں۔ اس طرح ان کے مقالے میں تنقیدی عمل کی کارفرمائی

نمایاں ہو گئی ہے۔

عاصی کرنا لی نے اپنے مقالے کے تیسرے باب میں نعتیہ شاعری کے موضوع اور اس کے فنی لوازم و مقتضیات کا ذکر بھی کیا ہے اور نعتیہ شاعری پر تنقید کے حوالے سے کچھ معیارات بھی رقم کیے ہیں۔ یہ مقالہ ۱۹۹۸ء میں جمع کیا گیا تھا اور اسی سال اس پر عاصی کرنا لی کو پی۔ ایچ۔ ڈی، کی ڈگری مل گئی تھی۔ (۹۸)

عاصی کرنا لی پہلے محقق ہیں جنہوں نے اپنے مقالے میں باقاعدہ تنقید کا باب باندھا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تنقیدی نظریات کی ایک جھلک بھی دیکھ لی جائے۔ عاصی کرنا لی لکھتے ہیں:

”ہم کسی نعت کو اچھے برے خانوں میں تقسیم نہیں کر سکتے کیونکہ نعت کی تخلیق دلی صداقت پر ہوتی ہے۔ البتہ تلازمات فن کے پیش نظر نعت کے خیالات، زبان و بیان اور مواد و اسلوب کے معیار کی سطحوں پر تنقید کا جواز ہے۔ ہم نعت میں جائزہ لے سکتے ہیں کہ آداب و حدود کی پاسداری کی گئی ہے یا نہیں اور کہیں غلو یا تخفیف کی لغزش تو نہیں ہوئی اور فنی پیمانے کی رو سے وہ نعت کس مرتبے کی ہے۔“ (۹۹)

عاصی کرنا لی ایسی نعتوں کو لائق اصلاح سمجھتے ہیں جن میں رنگ تغزل اس قدر گہرا ہو کہ نعت کے شعر کو غزل کے طور پر بھی پڑھا جاسکے۔ یعنی جس میں شاعر کا مدوح حضور اکرم ﷺ کے علاوہ بھی، نعت کے قاری یا سامع کے ذہن میں آ سکے۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

”میں مانتا ہوں کہ نعت میں ”شعریت“ بہ ہر حال ہونی چاہیے اور پیرایہ تغزل میں نعت کہنا لائق مواخذہ نہیں، لیکن موضوع کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی نجابت، جذبہ و خیال کی طہارت اور سلیقہ اظہار و ادا کو فضائے تغزل سے یکسر مختلف ہونا چاہیے۔“ (۱۰۰)

اسی طرح عاصی کرنا لی نے نعتیہ مضامین میں حضور اکرم ﷺ کی ذات والا صفات کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور آپ کو بے باکانہ انداز میں امت کے حالی زار کی طرف متوجہ کرنے کو بھی قابل گرفت جانا ہے اور آپ ﷺ کو ”قم قم یا حبیبی کم تنامی“ کہہ کر ایک بار پھر ظہور فرمانے کے خیال کی بھی مذمت کی ہے:

”کیا ہمیں نعت گوئی میں بے تکلفی زیب دیتی ہے؟“ ”قم قم یا حبیبی کم تنامی“ کا لہجہ ہمارے لیے زیبا ہے؟ ہم بعض نعتوں میں دیکھتے ہیں کہ امت کا استغاثہ پیش کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ آپ قبر مبارک سے کب ظہور کریں گے؟ یہ نیند کب تک؟ باہر تشریف لائیے اور ملاحظہ کیجیے آپ کی امت کا کیا حال

بدھے۔ اول تو یہ سوچتے ہوئے ہی دل کانپتا ہے کہ حضور ﷺ کو احوال امت پر توجہ دلائیں۔ ہم توجہ دلانے والے کون ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تو عطیہ خداوندی سے تمام احوال و آثار منکشف ہیں۔ پھر ہم میں یہ جسارت کیسی کہ باہر تشریف لائے۔ اس مضمون میں یہ اضافہ بھی محل غور ہے کہ آپ ظہورِ نور فرمائیے۔ آپ ایک بار فلسطین میں آئیے۔ مسجد اقصیٰ آپ کی منتظر ہے..... یہ حضور علیہ السلام کا ظہورِ ثانی اور اس کا تقاضا کیا شے ہے؟ یہ کس قسم کی بعثت ہوگی؟ حضور ﷺ تو مبعوث ہونے کے بعد ابد تک کے لیے نبی ہیں۔ آپ کی شریعت ہمیشہ کے لیے ہے۔ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ قرآن آخری کتاب ہے۔ حضور ﷺ کی نبوت زندہ و پابندہ ہے۔ پھر ان کا ظہور مکرر چاہنا کس جواز کے تحت ہے؟“ (۱۰۱)

عاصی کرنا لی نے ”احد اور احمد“ میں تفریق نہ رکھنے کے رویے کو بھی لائقِ تنقید گردانا ہے، وہ

لکھتے ہیں:

”حضور ﷺ تو شانِ نبوت کے باوصف خود کو مقامِ عبدیت پر رکھتے ہیں اور ہم حضور علیہ السلام کو خدائی اختیارات سے متصف کر کے آپ کی اور اللہ کی (یعنی دونوں کی) فنی ذات کرتے ہیں۔ ہم احدا اور احمد میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھتے۔ بس پردہٴ میم پڑا ہوا ہے۔ یہ پردہ اٹھائیے تو احمد بھی احد ہے۔ کیا نعت کے ایسے مضامین قرآن و سنت کے مزاج کے مطابق اور دانش و معرفت کے اصول و اطلاقی سے مناسبت رکھنے والے ہیں؟“ (۱۰۲)

بعض شعراءِ نعتوں میں بھی اصحابِ النبی ﷺ کی رفاقت کے احوال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ کارِ نبوت میں بھی شرکت کا گمان ہونے لگتا ہے۔ عاصی کرنا لی نے اس طرح کی باتوں کو نعت میں شامل کرنے کی بھی بجا طور پر گرفت کی ہے۔ انہوں نے لکھا:

”اگر نعت میں کوئی ایسا خیال نظر سے گزرے کہ حضور علیہ السلام کی نبوت، صاحبِ احتیاج تھی اور کارِ رسالت ناقص اور ادھورا رہ جاتا اگر فلاں یا فلاں صاحبِ اعانت سے ہاتھ کھینچ لیتے۔ یعنی کسی بھی صحابی کو ”شریکِ نبوت“ قرار دینے کا خیال اگر کسی نعت و ثنا میں آپ کی نگاہ کا دامن کش ہو تو کیا آپ اسے منافیِ شانِ رسالت اور مخالفِ منشا و مقاصدِ نبوت قرار نہیں دیں گے؟“ (۱۰۳)

اسی طرح مغلوبِ الحال ہو کر نعت میں سرمستی کا اظہار بھی ڈاکٹر عاصی کو پسند نہیں:

”کتی ہی مغلوبیت ہو، درِ رسول علیہ السلام پر سجدہ گزاری کا مضمون خلافِ توحید پرستی ہے۔..... آپ ”می رقصم“ کی ردیف لاکر دربارِ رسالت میں رقص فرمانے لگیں یا ”ترے دربار میں آ کر قلندر

قص کرتا ہے، کہنے لگیں تو حضور رسالت مآب ﷺ کی طبع لطیف پر یہ بات کتنی گراں گزر سکتی ہے؟
..... اسی طرح عالم بے خودی میں اپنے مقام عشق کو اتنا جذبات قرار دینا کہ ع ”وہ آئیں گے اور
ان کو آنا پڑے گا“، یعنی میرا جذبہ اتنا صادق ہے کہ میرے خواب میں یا میرے تصور میں حضور علیہ
السلام خود تشریف آوری کی زحمت فرمائیں گے..... یہ کتنی جسارت ہے جا ہے اور اللہ تعالیٰ کے
نزدیک کس حد تک قابلِ مواخذہ ہو سکتی ہے!“ (۱۰۴)

ضمائر میں واحد غائب کے لیے ”وہ“ اور واحد حاضر کے لیے ”تو“ کا استعمال بھی نعتیہ شاعری
میں کچھ حضرات نے ممنوع قرار دینے کی سعی کی ہے۔ اس ضمن میں قدما کی مثالیں پیش نظر رکھنے کے ساتھ
ساتھ، شعری ضرورتوں کا خیال رکھنے والے اصحاب فکر و دانش کا نکتہ نظر مختلف ہے۔ عاصی کرنا لی نے عربی
، فارسی روایت کے حوالے سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور شعری ضرورتوں کا لحاظ رکھ کر اپنی رائے دی
ہے۔ عاصی کرنا لی لکھتے ہیں:

”ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ”وہ“ اور ”تو“ کا استعمال اردو میں کیوں شروع ہوا اور اب تک جاری کیوں
ہے؟ اردو شاعری زیادہ تر فارسی اور عربی کی قیاس پر ہے۔ عربی میں واحد شخص کے لیے ہوا و رانت استعمال
ہوتے ہیں اور مختلف شکلوں میں یہی وحدت قائم رہتی ہے۔ ورف عنالک ذکرک میں اسی
وحدت کا تلازمہ ہے۔ اگر تشبیہ اور جمع کے ضمائر استعمال کریں تو واحد شخص پر ان کا اطلاق نہیں
ہوتا۔ فارسی میں ”او“ اور ”تو“ سے ایک شخص مراد ہوتا ہے جبکہ ”تو“ اور ”ایں“ میں وحدت نہیں،
اجتماع ہے..... واحد ضمائر کے استعمال کا دوسرا سبب فنی ضرورت ہے۔ شعرا و زبان و بحر کی قید میں
ہوتا ہے اور بیت کے ظرف میں لفظ کو گنجائش کے مطابق لانا پڑتا ہے۔ جہاں ”تو“ آ سکتا ہے،
”آپ“ نہیں آ سکتا۔ جہاں ”تیرا“ کی گنجائش ہے، ”تمہارا“ اور ”آپ کا“ استعمال نہیں ہو سکتے۔
امت پر تری آ کے عجب وقت پڑا ہے (کی بجائے) امت پہ ”آپ کی“ آ کے عجب وقت پڑا ہے
(کیسے لائیں گے) یا لوح بھی آپ، قلم بھی آپ، آپ کا وجود الکتاب (کیسے ممکن ہوگا)۔“ (۱۰۵)

اسی طرح اپنی تنقیدی بصیرت کام میں لاتے ہوئے عاصی کرنا لی نے عملی تنقید Practical
Criticism کا مظاہرہ بھی کیا ہے اور ”یثرب“ کا استعمال لائق ترک بتایا ہے، نیز بعض اشعار کے نفس
مضمون کی گرفت کی ہے۔ ان کی بات سمجھنے کے لیے ہم کچھ اقتباسات درج کرتے ہیں:
”صحیح بخاری میں ایک حدیث آئی ہے کہ جو شخص ایک دفعہ یثرب کہے تو اس کو لازم ہے اس کے
تدارک میں دس مرتبہ طیبہ کہے“..... تاہم بعض شعرا نے یثرب استعمال کیا ہے:

دشتِ یثرب میں ترے ناتے کے پیچھے پیچھے دھجیاں جیب و گریباں کی اڑاتے جاتے (کافی)
 گرتے ہوؤں کو قہام لیا جس کے ہاتھ نے اے تاجدارِ یثرب و بطحائے تہی تو ہو (ظفر علی
 خاں)
 خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است ای خنک شہری کہ آنجا دلبر است (اقبال)

اس کے باوجود ہماری رائے میں اس سے اجتناب ہی بہتر ہے لیکن جو شعراء استعمال کر چکے ہیں، ان کے عشق و اطاعت کے بارے میں یا علم و فضل کی بابت سوئزن مناسب نہیں ہے۔ (۱۰۶)
 نعتیہ اشعار کے مافیہ یا Contentment پر بھی عاصی کرنالی کے اعتراضات ملاحظہ ہوں، جو عملی تنقید کا نمونہ ہیں:

”ہمیں جو اشتہار یا انکراہ پیدا ہوا ہے، اس کا ذکر کرتے ہیں:

○ اپنے آپ کو سب کوئے نبی کہنا یا اس سب سے نسبت دے کر خود کو اس سے بھی کمتر قرار دینا..... عجز و انکسار ہمارے لیے شرطِ اطاعت ہے۔ اپنی کمتری کا اعلان و اقرار بھی ضروری ہے، لیکن سب کوئے نبی کا تلازمہ کراہیت رکھتا ہے۔
 ○ دل مرا غارِ حرا ہو جیسے..... ہمارا دل کتنا ہی مقدس و مزی ہو ہم غارِ حرا کے تقدس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

○ پیار محمد ہوں میں پیار محمد..... حضور ﷺ کی مسیحتی نفسی کے یقین کی صورت میں خود کو بیمار محمد کہنا ایک مریضانہ احساس ہے۔ اسی طرح ع الہی! مجھ کو ہمیشہ غم رسولؐ رہے..... یہ غم رسولؐ کیا ہے؟ ممکن ہے کسی صاحب نے غم حسین کی دعا مانگی ہو، جو حسین شہید کے تناظر میں بالکل جائز طلب ہے، اور بعد میں انہیں ”سلام“ کی بجائے ”نعت“ کہنی پڑی ہو اور انہوں نے ”غم رسولؐ“ لکھ کر اس ترمیم سے کام چلا لیا ہو..... حضورؐ کے تصور و خیال کے ساتھ ایسے مضامین آنے چاہئیں جن میں توانائی، رعنائی اور صحت و سلامتی کی فضا ہو۔

○ میں تو پھر تانا ہوں سدا اوڑھ کے سایہ تیرا، یا میں نے حضورؐ کا سایہ پہن رکھا ہے..... کیا یہ اسلوب واضح ہے؟ کیا اس مصرع کے کوئی معانی نکلتے ہیں؟ اور اگر شاعر حضور ﷺ کا سایہ پہن لیتا ہے تو کیا اس میں عجز کی بجائے وہ افتخار تو نہیں جس کے ڈانڈے پندار و تکبر سے ملتے ہوں۔
 ○ ہم ایسے اہل نظر کو ثبوتِ حق کے لیے اگر رسولؐ نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

..... بے حد پرکشش اور سحر آفریں شعر ہے۔ لیکن خدا نخواستہ اس شعر کے مضمون کا کوئی منفی رخ تو نہیں نکلتا۔ صبح کو رسول علیہ السلام کا قائم مقام قرار دیا ہے..... اگر رسول نہ ہوتے، رسالت سے بے نیازی۔ ہم ایسے اہل نظر کہہ کا خود کو علم و آگہی کے اس مقام منہی تک پہنچانے کا عمل جہاں رسول ﷺ کی بعثت و ظہور کی بجائے صرف مظاہر فطرت سے گزارا ہو سکتا ہے۔ خدا نخواستہ اس میں انکار رسالت کا تو شائبہ نہیں۔

○ کاش آپ کی اونٹنی میرے دروازے پر آ کر ٹھہرتی اور میرا گھر ابویوب کا گھر ہو جاتا..... بے حد مبارک جذبہ ہے اور رشک و منافست کی ایک عمدہ مثال ہے لیکن کیا یہ شعر ہمارے ذہن کو غلط سمت میں تو بہا کر نہیں لے جاتا؟..... اونٹنی تو مامور من اللہ تھی اور انہی خوش نصیب صحابی کے گھر کے سامنے اس کا رکنا مقدر تھا۔ اس شعر میں مشیت الہی پر تنقید ہے اور تقدیر خداوندی کو یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ اگر ابویوب انصاریؓ کی جگہ میں ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔ بے شک اس میں آرزو چمکتی ہے..... لیکن اس میں خدا سے لے کر ناقہ رسول تک سب کو خطا کی ایک لڑی میں پرو دیا گیا ہے۔

○ مجھے ہو کثرت عصیاں سے کیا ڈر مرے آقا شفیق عاصیاں ہیں..... کثرت عصیاں پر فخر، اس لیے کہ حضور ﷺ شفاعت فرمائیں گے۔ گناہوں پر نہ ندامت، نہ توبہ و انابت، اس سے بڑی شوخ چہنشی اور دیدہ دلیری کیا ہوگی! کوئی شخصیت کتنی ہی عادل اور صاحب فضل و کرم کیوں نہ ہو، اگر مجرم جرم پر فخر کرے اور کہے کہ عدالت کے اعتماد کرم پر میں نے گناہ کیے، کثرت جرائم میں مجرم ہا اور مجھے کوئی خوف تعزیر نہیں تو اس اقرار جرم اور افتخار جرم پر کوئی عدالت اسے کس طرح باعزت بری کر سکتی ہے؟

○ فلموں کے گیت جن دھنوں میں تیار ہوتے ہیں، ان کو پس منظر میں رکھ کر اس خیال کے تحت نعت کہنا کہ یہ ہرزبان پر چڑھ جائیں گی، احترام نعت کے منافی عمل ہے۔ (۱۰۷)
”نعت کے مخصوص مضامین و خیالات و تلامذات کو کسی اور شخصیت سے منسوب کرنا، یعنی کسی میر و سلطان یا مشاہیر اسلام اور بزرگان دین کے بارے میں ایسی توصیف جو صرف حضور علیہ السلام ہی سے مختص ہو سکتی ہے، نہایت ناپسندیدہ بلکہ میرے عقیدے کے مطابق قابل مواخذہ ہے۔“ (۱۰۸)
شعری معیارات کے ضمن میں عاصی کرنا لی نے لکھا:

”نعت کے بارے میں ایک عمومی احساس یا رویہ یہ ہے کہ نعت تمام تر عقیدت کی پیداوار ہے اور عقیدت کا اظہار ہے۔ اس لیے عقیدت کے اس مال میں کسی ”معیار“ کی کوئی شرط نہیں ہے۔ جیسی

بری بھلی، کمزور، پھپھسی تخلیق ہوگی، سرکار ﷺ اسے پسند فرمائیں گے..... حضور ﷺ ادیب کامل، نقاد اعظم، تمام علوم و ادبیات کے مصدر منبع اور تمام تر دانش و آگہی کے سرچشمہ عظیم ہیں۔ آپ کے کمال نقد و نظر کی مثالیں تاریخ و سیر کے ذخیروں میں محفوظ ہیں۔ آپ کی بر محل اصلا حین آپ کے ارتقائے فکر و انتقاد پر دلالت کرتی ہیں۔ اس لیے نعت گو اصحاب پر لازم ہے کہ وہ موضوعات، افکار، خیالات، مضامین، تفکر، اظہار، زبان، بیان، ہیئت، اسلوب الغرض نعت کے تمام تر معنوی اور فنی جمالیات پر نظر رکھیں۔ جذبہ و خیال کے علو پر نعت کی اساس اٹھائیں، صحیح اور مستند معلومات سے کام لیں۔ قرآن و حدیث سے باخبری، شریعت و سنت سے آگاہی، شعر و ادب کے فنی نکات اور قرینہ و سلیقہ مندی کے آداب کو ملحوظ رکھیں، عظمت منصب رسالت اور مقصد و منشائے نبوت کی فضا میں شعر کہیں۔ لوازمات نعت میں یہ احساس بھی ضروری ہے کہ جہاں آپ کی نعت جمال و جلال و کمال محمدی کے جلوؤں کی آئینہ دار ہو وہیں آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ کے اجالوں کے ابلاغ اور حضور ﷺ کی تعلیمات و احکام کی تبلیغ کا ذریعہ بھی ہو اور سب سے بڑی بات یہ کہ جو نعت آپ کے ذہن و قلم سے وارد ہوئی ہے، اس کے مضامین کا اطلاق آپ کی اپنی ذات پر بھی ہو، آپ خود حسن فکر اور حسن عمل کے سانچے میں ڈھل کر اطاعت و اتباع رسول ﷺ کا ایک چلتا پھرتا نمونہ بن جائیں۔“ (۱۰۹)

تخلیق نعت کے اصول اور معیارات اور فکر کی نزہت کے احوال کے ساتھ ساتھ عاصی کرنا لی کے مقالے میں نقادوں کے لیے بھی کچھ ہدایات ملتی ہیں۔ لیکن یہ تمام ہدایات اخلاقیات کے ذیل میں آتی ہیں نقد کے اصول اور تنقید کے معیارات کے لیے ان ہدایات میں کوئی نکتہ نہیں۔ مثلاً ”نقد کو کبھی یہ طے نہیں کرنا چاہیے کہ جو کچھ اس نے لکھ دیا ہے وہ قطعی ہے، حرف آخر ہے، قول فیصل ہے، عداوتی فیصلہ ہے۔ ادب میں رائے ہوتی ہے، محاکمہ نہیں۔ یہ رائے جتنی وقیع، با معنی، معیاری اور پذیرا ہو اچھا ہے۔ لیکن نقاد کی رائے میں کوئی جھول اور خامی بھی ہو سکتی ہے اس لیے اس کی تنقید پر کوئی رد عمل ہو اور کوئی اختلافی رائے سامنے آئے تو اسے عالی ظرفی کے ساتھ قبول کر کے اپنی رائے پر نظر ثانی کر لینی چاہیے..... تنقید کرتے وقت جذباتیت اور غصے جیسی کیفیت پر قابو پانا چاہیے..... خامی اور خطا کی نشان دہی پر کسی کی نیک نیتی (اخلاص نیت) کو ہدف نہیں بنانا چاہیے..... اگر کوئی نعت گو خود سے چاہے کہ اس کے کلام پر رائے زنی کر دی جائے تاکہ اسے اصلاح کی روشنی حاصل ہو، تب یہ اخلاقی فریضہ ادا کرنا زیادہ موزوں ہوگا..... مرحومین کو زیر تنقید لانے سے عموماً اجتناب فرمائیں۔“ (۱۱۰)

عاصی کرنا لی کی ان اخلاقی ہدایات میں سے کچھ پر عمل کرنا ممکن ہے اور کچھ پر عمل کرنے کی صورت میں خود تنقیدی سرگرمیوں سے دست کش ہونا پڑے گا۔ مثلاً یہ کہ کسی تخلیق کار کی خواہش پر اس کے کلام پر رائے دی جائے اور مرحومین کے خامیوں سے لبریز کلام کو آنے والی نسلوں کے لیے معیارِ نعت نگاری جاننے کے لیے بلا تنقید چھوڑ دیا جائے۔ لکھے ہوئے حرف کے سلسلے میں اس قسم کے معیارات قائم کرنا اخلاقی عمل نہیں انتہائی غیر اخلاقی عمل ہوگا۔ کیوں کہ بات لکھے ہوئے لفظ کے ذریعے پھیلی ہوئی گمراہی کو دور کرنے کی ہے۔ کسی شخص کے زندہ یا مرحوم ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تاریخ ادب اور تاریخ مذہب میں زیادہ تر مثالیں ایسی ہیں کہ مرحومین کے لکھے ہوئے حروف کی یا تو مسلسل مذمت کی جا رہی ہوتی ہے یا مسلسل تعریف کے ڈوگرے برسائے جا رہے ہوتے ہیں۔

بائیں ہمہ، عاصی کرنا لی کے مقالے میں پہلی بار اتنی تفصیل سے معیاراتِ نعت اور تنقیدِ نعت پر گفتگو کی گئی ہے۔ عاصی کرنا لی کے پیش کردہ نکات نہ صرف تخلیق کاروں کے لیے مفید ہیں بلکہ ان نکات سے تنقید نگار بھی خاطر خواہ استفادہ کر سکتے ہیں۔ عاصی کرنا لی کا منہاجِ تنقید، اصلاحی Reformatory، مقنن تنقید Judicial/Legislative Criticism، عمرانی تنقید Sociological Criticism، اور اخلاقی تنقید Ethical Criticism کے امتزاج کا نمونہ ہے۔

Vii۔ اردو نعت کے جدید رجحانات :

ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی کو ان کے اس مقالے پر سندھ یونیورسٹی سے ۱۹۹۰ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی، کی ڈگری عطا کی جا چکی ہے۔ سید معراج جامی کے بقول نعتیہ شاعری پر تحقیقی کام کرنے کے حوالے سے:

ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی پہلی خاتون ”ڈاکٹر“ ہیں۔ ان کا مقالہ قیام پاکستان سے ۸۰ء تک کے جملہ نعت اور متعلقاتِ نعت، شعرائے نعت اور فروغِ نعت کا کامیاب احاطہ کرتا ہے۔“ (۱۱۱)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مقالے کی کتابیات میں صفحات نمبر ۳۸۰ اور ۳۸۱ پر ایسی کتب بھی شامل ہیں جو ۱۹۸۸ء میں شائع کی گئی تھیں۔ اس لیے اس مقالے کا زمانی پھیلاؤ ۱۹۸۰ء تک محدود نہیں سمجھنا چاہیے۔

ڈاکٹر شوکت زریں کا یہ مقالہ بنیادی طور پر ایک تنقیدی کاوش ہے اس لیے کہ اس میں شاعر کی ذات پر گفتگو کرنے کے بجائے ”شاعری کے اسلوب“ کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ ڈاکٹر شوکت زریں لکھتی ہیں:

”جن شعراء کو اس کے لیے منتخب کیا گیا ہے ان کے مقام کا تعین ادنیٰ حیثیت سے کیا گیا ہے
..... شعراء کے حالات پیش کرنے کی بالکل سعی نہیں کی گئی ہے اور نہ ان کی شخصیت سے کوئی بحث کی گئی
ہے بلکہ شاعری کے نعتیہ رجحانات کو پورے طور پر پیش نظر رکھا گیا ہے اور انہیں رجحانات کی دریافت
اور چھان پرکھ کے ساتھ ان کے نعتیہ کلام کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔“ (۱۱۲)

اس اعتبار سے یہ مقالہ ہمارے لیے بڑا اہم ہے کہ نعتیہ ادب کے سرمائے میں شعری اسالیب
کی پرکھ کا تنقیدی جائزہ ہی اس مقالے کا مقصد تحقیق ہے۔ اس مقالے کے عنوانات بھی تنقیدی رجحان کا
اشارہ ہیں۔ مثلاً باب اول: جدید نعت میں موضوعات کا تنوع، باب دوم: سیاسی و تمدنی زندگی سے ہم
آہنگ نعتیں، باب سوم: نعت میں ہیئت کے تجربے، کئی زبانوں کے حوالے سے نعت گوئی، باب
چہارم: نعت اور تاریخ اسلام، باب پنجم: درود و مناجات اور سلام کی صورت میں نعتیں، باب ششم: ایسی
شاعری جس کا اصل محور حضور اقدس کی ذت پاک ہے، باب ہفتم: فلسفیانہ انداز کی نعتیں (ذات و صفات)
محمدی کی توضیح و تشریح، باب ہشتم: خطابیہ انداز کی نعتیں، باب نہم: تغزل کے رنگ میں نعتیں، باب دہم:
قرآن وحدیث کی روشنی میں سیرت النبی کے بیان کے تحت نعتیں، باب یازدہم: نئی نسل کے شعراء کی نعت
گوئی، باب دوازدہم: دور حاضر کے نعتیہ انتخابات (تبصرے)، باب سیزدہم: دور حاضر کے ممتاز نعت گو
اور ان کے نعتیہ مجموعے (تبصرے)۔

ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی نے لکھا ہے:

”یہ مقالہ عصر حاضر کی نعتیہ شاعری کا اس نوعیت کا حامل جائزہ ہے جس میں نعتیہ شاعری کے نئے
نئے معیارات، عصر [ی] تقاضے، تازہ تر روش، نئے تجربات و مشاہدات اور نئے عصری تقاضے اور
احساسات کے مختلف رنگ و آہنگ کو پیش کرتا ہے۔ لیکن اردو نعت کے ”جدید رجحانات“ کی عکاسی
اور اسی موضوع کا تنقیدی پہلو سے جائزہ، اس کا خاص نقطہ نگاہ ہے۔ اسی رجحان کے اعتبار سے نعتیہ
شاعری کے مخصوص انداز، مختلف فنی پہلوؤں پر اختصار سے بحث اس میں شامل ہے۔“ (۱۱۳)

ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی نے اردو نعت میں جدید رجحانات کی عکاسی کا پہلا نقش حالی کی
مسدس میں دیکھا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

”اردو نعت کے جدید رجحانات کا آغاز ہی حالی کی اس طویل نعتیہ نظم ”مسدس“ کے ذریعے
ہوا۔ مسدس کا نعتیہ بیان خلوص، محبت، درد، تڑپ اور جذبہ و شوق میں تو ڈوبا ہوا ہے ہی، لیکن اس میں
مختلف موضوعات بھی نظر آتے ہیں مثلاً مسلمانوں کی اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی زبوں حالی

کے موضوعات کو اس میں اٹھایا گیا ہے اور ان کا علاج تعلیماتِ محمدی کو عملی طور پر اختیار کرنے میں تلاش کیا گیا ہے۔ (۱۱۴)

حالی کے مسدس کو جدید نعت کا پہلا نقش تسلیم کر کے ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی نے نعتیہ موضوعات کی ہمدردی کو جدید نعت کا بنیادی رویہ قرار دیا ہے۔ گویا، عصری مسائل کے اظہار اور اصلاحِ قوم کے افکار کی چمک سے نعتیہ شاعری میں زندگی کے آثار پیدا کرنے کی سعی کے ساتھ ساتھ شاعری بُت میں اسلوب کی دلکشی اور ہیئتِ تنوع کی تلاش ان کا مطمح نظر رہی ہے۔ روایتی انداز کی نعتوں سے ہٹ کر نعت کہنے کے رجحان کو ڈاکٹر شوکت زریں نے سرسید تحریک کے تناظر میں بھی دیکھا ہے:

”سرسید احمد خان کی علمی تحریک اور برعظیم میں مسلمانوں کی بعض دوسری تحریکوں نے بھی اردو شعرا کو متاثر کیا اس کے تحت جہاں دوسرے مذہبی موضوعات پر طبع آزمائی ہوئی خصوصاً نعت گوئی کی جانب بھی بڑے شعرا متوجہ ہوئے یہی وہ رجحان تھا جس کی بناء پر روایتی انداز کی نعت گوئی سے بالکل ہٹ کر نعتیں کہی جانے لگیں۔“ (۱۱۵)

اقبال کو ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی نے دورِ جدید کے سب سے اہم اور ممتاز نعت گو کے طور پر پیش کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

”دورِ جدید کے شعراء میں سب سے اہم اور ممتاز نام اقبال کا ہے۔ اقبال بھی مولانا حالی کی طرح ربی معنوں میں نعت گو شاعر نہ تھے۔ اسلامی تہذیب اور تاریخِ نعت گوئی کے حوالے سے نعت کے موضوع کو جس انداز اور جس توازن سے انہوں نے اپنی شاعری میں اختیار کیا، کم شعراء نے یہ رنگ اپنایا۔ اسلامی فکر و فلسفہ کا مکمل خلاصہ ان کی شاعری میں پورے طور پر نمایاں ہے۔ اقبال کی شاعری کا خاص کمال یہ ہے کہ اس میں نعت کے موضوع میں حضور اقدس ﷺ کی زندگی اور پیغام کو فلسفے کی اساس کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس کے ساتھ اقبال کی شاعری میں جو مضمون ملتا ہے، یہاں تک کہ نگاہِ عشق و مستی میں صرف یہی ایک حقیقت جلوہ فرما ہے۔ یہ فکر و نظر کی گہرائی کی حد ہے۔“

وہ دانائے سب، ختمِ المرسل مولا نے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشنا فروغِ وادی سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن وہی فرقان وہی یسین وہی طہ
چنانچہ اقبال کی نعتیہ شاعری میں قدم قدم پر ایسے موضوعات نظر آتے ہیں جن میں حضور اقدس ﷺ کے ذکر کے ساتھ عشقِ رسول ﷺ کا مضمون ضرور ملتا ہے۔ ان کے یہاں ایمان کی اصل یہی ہے۔ اقبال کی تعلیمات کا مرکز رسول کریم ﷺ کی ذات ہے۔ ان کی شاعری کا اصل موضوع بھی

ہے کہ وہ آپ ﷺ کی سیرت پاک میں حیاتِ انسانی کے لیے مکمل نمونہ دیکھتے ہیں۔ ان کی شاعری زندگی کا جو تغیر پیش کرتی ہے اس کا تعلق صرف اسوۂ حسنہ سے ہے۔ انھوں نے اس ایک مضمون کو فلسفیانہ رنگ دے کر مختلف طریقوں سے پیش کیا ہے۔ ان کا ”مردِ مومن“، ”مردِ قلندر“ اور ”مردِ خودی“ اسی بارگاہ کے تربیت یافتہ ہیں۔“ (۱۱۶)

اقبال کے ذکر سے ڈاکٹر شوکت زریں نے جدید نعتیہ شاعری کے خدوخال ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنا موقف واضح کیا ہے۔ زندگی کی پیچیدگیوں میں اضافہ ہونے کے باعث جدید اظہاریوں میں فلسفیانہ عمق اور شعری جمالیات کا فکری عنصر داخل ہونا ناگزیر ہے۔ اس لحاظ سے عہدِ جدید کی ادبی ضرورتوں کی کامل تسکین کا نمونہ اقبال ہی کا کلام ہو سکتا ہے۔ اقبال کا عشقِ رسول ﷺ بھی صرف بیانیے کی ضرورتوں کے تحت ظاہر نہیں ہوا ہے اور نہ اس کی شعری قدر کوئی سطحی چیز ہے۔ لہذا کہا جاسکتا ہے کہ ”اردو نعت کے جدید رجحانات“ کی مقالہ نگار نے بجا طور پر اقبال کی شعریات کو نعتیہ شاعری کی ”جدید بوطیقہ“ کے طور پر پیش کر کے ایک معیار قائم کر دیا ہے۔

نعتیہ شاعری میں موضوعات کا تنوع اور اظہار کی ترقی دکھانے کے لیے ڈاکٹر شوکت زریں نے عبدالعزیز خاں کی شعری تخلیقات کے حوالے دیئے ہیں۔ وہ لکھتی ہیں:

”بعض شعراء نے بالکل نئے تجربے کیے ہیں۔ ان میں کسی نے اردو نعت کو قوم و ملک کی سیاسی و تمدنی زندگی سے ہم آہنگ کر کے ایک نیا روپ دینے کی کوشش کی ہے۔ ان میں عبدالعزیز خاں جن کے متعدد نعتیہ مجموعے اس موضوع کی نشاندہی میں پیش پیش ہیں۔ بالخصوص ان کی طویل نعتیہ نظم ”فارقلیط“ بالکل منفرد اور اچھوتے انداز کی حامل ہے۔ اس کا رنگ و آہنگ ہی منفرد نہیں ہے بلکہ اس میں حضور اقدس ﷺ کی سیرت مبارکہ کے ہر پہلو کو موضوع بنانے کی ترجمانی اور سعی بڑے مدلل اور جامع طور پر کی گئی ہے۔ بنی نوع انسان کے فخر کی ضمانت آپ ہی کی ذات بہ [با] برکات ہے۔ اس کی مثال فارقلیط کے اشعار میں نظر آتی ہے۔

تری ذات فخر بنی نوع انسان	توصل علی خیر خلق خدا ہے
تجلی سے چہرہ ترا ارغوانی	تو خوشید روز و مہ چار دہ ہے
تری زلف ہے بدر کے گرد ہالا	چکور آتش رشک میں جل رہا ہے
وقار سکوت اور حسنِ تکلم	تجھے دینے والے نے کیا کیا دیا ہے

موضوعات کے لحاظ سے ان کی نعتیہ شاعری ہی فکری عمق اور اسلامی تاریخ و تمدن اور فلسفے سے عبارت

ہے۔ (۱۱۷)

اسی طرح مظفر وارثی کے کلام میں بھی شوکت زریں کو انفرادیت اور جدت نظر آتی ہے۔ ان کا کہنا ہے:

”بدلے ہوئے انداز یعنی جدت کی بہترین مثال مظفر وارثی کی نعتوں میں بھی نظر آتی ہے ان کی نعتیہ تخلیقات ہیئت کے لحاظ سے رنگ و آہنگ کے منفرد رویے کی بنا پر بالکل نئے انداز پر منحصر ہیں اس کے علاوہ ان کے ہاں نعتیہ شاعری کے ایسے نمونے نظر آتے ہیں جن میں نئے تجربے کیے گئے ہیں خواہ الفاظ کا استعمال، استعارات و تشبیہات کا ذکر سب میں منفرد انداز ہے۔ ایک نظم کے چند اشعار اس رجحان کی روایت بھی کرتے ہیں:

کل عالم جس کی کٹیا، جس کی پرچھائیں سویرا..... وہ ہے رسول میرا
دیکھ نہ پائے اتنے پس منظر میں نگاہ صغریٰ
آدم کی تخلیق ہے جس کے نام کا پہلا طغہ..... وہ ہے رسول میرا
جس کی کملی کے سائے میں آنکھ سحر نے کھولی
جس کے لہجے میں ہم تک پہنچی قدرت کی بولی

جس کے چاروں سمت خدا نے اپنا نور بکھیرا..... وہ ہے رسول میرا “ (۱۱۸)

محشر بدایونی کے شعری عمل پر ڈاکٹر شوکت زریں نے اس طرح تنقیدی رائے دی ہے:

”محشر بدایونی کی نعتیہ شاعری بھی موجودہ معاشرے اور تہذیبی سرگرمیوں کا مرقع ہے جو عصر حاضر کی صورت حال کے عین مطابق ہے مثلاً کرب و انتشار اور دوسرے مسائل اب ہماری شاعری کا حصہ ہیں۔ محشر صاحب کی نعت میں جدت اور ندرت خیال کی جھلک نظر آتی ہے۔ الفاظ کا استعمال، تشبیہات کے ذریعے شعری مفہوم میں جدت اور مہارت سخن گسترانہ دلکشی کو ظاہر کرتی ہے۔

بڑھ چکے حد سے زمانے کے ستم اب کرم ہو مرے سرکار کرم
باغ ہستی کا یہ دستور حضور گل کھلے شاخ پہ اور شاخ قلم
تیرگی، تیرگی ہر سو ہر سمت روشنی، روشنی اے شمع حرم
تنظیم و عمل، تہذیب و ادب، اخلاق و وفا، ایثار و کرم

سرکار کے حسن سیرت سے کیا کچھ نہیں سیکھا دنیا نے

محشر صاحب کی ایک نعتیہ نظم اور ہے جو مسدس کے انداز میں ہے۔ انسانیت کو زبوں حالی کے شکنجے

سے آزاد کرانے کی خواہش اس میں جا بجا نظر آتی ہے اور اس کے ساتھ ہی امت مسلمہ کے لیے اس پیغام کی ترجمانی کی گئی ہے کہ اگر مسلمانوں کو اپنی تہذیب و معاشرت کو سنوارنا ہے تو حضور اقدس ﷺ کے بتائے ہوئے آداب زندگی کو اپنا شعور [شعار] بنالیں اور اسی راہ ہدایت پر سفر کریں جو حضور ﷺ نے متعین فرمائی۔ اس نظم کے چند بند پیش نظر ہیں:

وہ گلہ بان عرب کہ جس نے
سکھائے آداب زندگی کے
قرار حاصل کرو اسی سے
اسی سے جینے کے لوسلیقہ
پھر اپنی تقدیر حال دیکھو
عروج دیکھو کمال دیکھو
اسی کی تعلیم عین عرفاں
اسی کا اخلاق شرح قرآن
اسی کا کردار روح ایماں
اسی کی طاعت سے ہم مسلمان
یہ غم جو ہم سے لپٹ گئے ہیں
ہم اپنے مرکز سے ہٹ گئے ہیں
اسی سے ہم کو اماں ملے گی
اسی سے تسکین جاں ملے گی
فراغت بے کراں ملے گی
مسرتِ جاوداں ملے گی
خلوص و خلق و ادب ملے گا
جو کھو چکے ہیں وہ سب ملے گا“
(۱۱۹)

ایک اور جگہ جدید رجحان کی نمایاں خصوصیت بتاتے ہوئے ڈاکٹر زریں نے لکھا:
”جدید رجحان کی نعت کسی بھی صنفِ سخن میں ہو اس کی خوبی یہی ہے کہ وہ زندگی کے حقائق پر نظر رکھتی

ہے۔ اس کی ترقی و ترویج کا سارا دار و مدار اسی ایک فکر سے عبارت ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ نعت کے جملہ لوازم سے مبرا ہے۔ جذبے اور خیال اس کے تحت بھی وہی طرز عمل رکھتے ہیں جو نعتیہ شاعری کی نگارش کے لیے ضروری ہے۔“ (۱۲۰)

اس کے بعد انہوں نے چند شعراء کے شعری نمونے بھی دیئے ہیں۔ مثلاً

”ابر خورشید قمر

روشنی پھول صدا

سب تھے موجود مگر

ان کا مفہوم نہ تھا

کوئی بھی چیز کوئی چیز نہ تھی

سرخٹی تھا خدا

کوئی تخلیق نہ تھی

حرف اقرار نہ تھا

آپ نے صلی علی

ابر خورشید قمر

روشنی پھول صدا

سب کو مفہوم دیا“ (امجد اسلام امجد) (۱۲۱)

ہمارے آقا عظیم رہبر

ہم عاصیوں کو بساط عالم میں

بخش کر پُروقا ررتہ

پیام امن و امان کا حاصل بنا دیا تھا

بھٹکتی انسانیت کے در ماندہ قافلے کو

نوید صبح بہار دے کر مقام عز و وقار بخشا

مخالفت کے گھناؤنے سائے نے آزمائش کا تیر پھینکا

تو بند مٹھی میں کنکروں نے پڑھا تھا کلمہ، ہر ایک ظلمت کدہ کے دیوار و در پہ

طاری ہوا تھا لرزہ“ (آثم میرزا) (۱۲۲)

”عارف عبدالمبین کی یہ نظم جس کو انھوں نے ”اجالوں کا شہر“ کے نام سے تخلیق کیا ہے اس کے اندازِ تحریر میں بھی ہیئت کا نیا انداز ہے۔ گو کہ خصوصاً نعت کے لیے اس قسم کے تجربات کو پیش کرنا آسان نہیں ہے۔ اس کے علاوہ شاعر نے اپنی ذات کے آئینے میں موجودہ ماحول کے افتراق، جبر، اخلاقی پستی اور خود فریبی، عیاری، ریاکاری، نفرت کو اظہار کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس نظم کے چند اشعار انھی جذبات پر مشتمل ہیں:

میرے چاروں جانب گھٹا ٹوپ جنگل کھڑا ہے
مجھے اس کی پرہول تاریکیوں نے کچھ اس طرح گھیرا ہوا ہے
کہ جیسے وہ میری ضیاء دہتی کی سزا مجھ کو دینے کے جذبے سے بے چین ہوں
میں ہر سمت سے اڑد ہوں کی غضب ناک پھنکار بھی سن رہا ہوں
کہ جیسے وہ مجھ کو نگلنے کی خواہش سے بیتاب ہوں
میں اس وحشی جنگل سے باہر نکلنے کی کوشش میں مصروف ہوں
مجھے دور سے تو اجالوں کا اک شہر بن کر بلاتا ہے
میں تیری آغوشِ امن و اماں تک پہنچنے کی جہد مسلسل میں کھویا ہوا ہوں
مجھے اپنی رحمت کے فیضان سے کامراں کر
ثقافت میں میری فنا ہے مجھے جاوداں کر“ (۱۲۳)

علاوہ ازیں نعت اور تاریخ اسلام کے ذیل میں ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی نے طویل نعتیہ، تاریخی نظموں کا حوالہ دے کر بتایا ہے کہ ان نظموں میں بھی جدید طرزِ احساس کا فرما ہے:

”طویل نعتیہ نظم کے ضمن میں ”مرسلِ آخر“ کا تذکرہ ناگزیر ہے۔ قمر ہاشمی نے اس نعتیہ نظم کو اسلامی تاریخ اور سیرت پاک کے حوالوں سے مرتب کیا ہے۔ ایک طرف یہ نظم اس قسم کے اساسی تصورات پیش کرتی ہے جن سے موجودہ معاشرے کے زوالِ آمادہ اخلاق کی پٹا صاف سنائی دیتی ہے اور دوسری طرف اس نظم کے بعض حصے اشاریت کے حسن کا لطیف مظہر ہیں اور بعض حصوں میں رزمیہ کی کیفیت ملتی ہے۔ عربی قصائد کا پر شکوہ انداز بھی اس کے اندازِ تحریر میں نظر آتا ہے اور فارسی شاعری کا آہنگ بھی محسوس ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس نظم کے بعض حصوں سے پاکستان اور اس کے مفلوک الحال انسانوں کی زبوں حالت کی بھی ترجمانی ہوتی ہے اور سوز و گداز کی کیفیت بھی بخوبی نمایاں ہے اس کا شعری احساس درد مند دل کی آواز معلوم ہوتا ہے۔ موجودہ معاشرے کی بگڑتی ہوئی حالت

انسانی عظمت اور حرمت کی اعلیٰ اقدار کے زوال کا دکھ اس نظم میں اثر انگیزی کا مظہر ہے۔ ایک طرح سے یہ نظم اس طرز احساس کا مرقع ہے جو عصر حاضر کے تاریخی و تمدنی رجحانات کو پیش کرتا ہے۔ چنانچہ اس رجحان کی عکاسی ذیل کے چند اشعار کرتے ہیں:

زندگی کی ہر نفس تو بہن

انساں کی اہانت بار بار

غیر فطری بندشوں میں پابجولاں

آدمی ہے بے وقار

ہر حمیت کوش لحوں کی صلیبوں پر

نفاں کرتا ہوا

سرو بال دوش ہر ماحول تذلیل آشکار

داور، کیا زندگی ہے

کرب کی سانسوں سے رشتے استوار

میرے غم تسبیح کے دانے سہی

کب تلک آلام دنیا کا شکار

حرمت آدم کا اب احوال یہ ہے

آدمی خود آدمی کا ہے شکار

اس کے علاوہ یہ نظم مرسل آخران واقعات اور تاریخی شواہد کی بھی نشاندہی کرتی ہے جو حضور اقدس ﷺ کے دور میں وقوع پذیر ہوئے۔ مثلاً

دور ملکیت میں مسلمان بٹ گئے

اغراض میں سمٹ گئے مرکز سے ہٹ گئے

تشریح جب خدا کے قوانین کی ہوئی

ہر ضابطہ تھا روح سلاطین آگہی

(۱۲۴)

”محشر رسول مگری کی یہ طویل نظم مسدس کے انداز پر مبنی ہے۔ فخر کو نین حصہ دوم میں ایسی طویل نعتیہ نظموں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ یہ سب یا تو تاریخ اسلام کی روشنی میں حضور اقدس ﷺ کے

زمانے کے واقعات کی نشاندہی کرتی ہیں یا حضور اقدس ﷺ کی سیرت مبارکہ کے بیان پر ان کا انحصار ہے۔۔۔ مثلاً

روشن نبی کے نور سے شمع حرم ہوئی
آمد سے ان کی خاک عرب محترم ہوئی
زندہ دم رسول سے نقش عجم ہوئی
بیدار ایک آن میں روح الم ہوئی
پیغام زندگی تھا نبی کے نمود میں
انسانیت پھر آئی عدم سے وجود میں“

(۱۲۵)

ڈاکٹر زریں کے مقالے کے باب ہفتم کا عنوان ہے ”فلسفیانہ انداز کی نعتیں“ (ذات و صفات محمدی ﷺ کی توضیح و تشریح)، اس میں وہ لکھتی ہیں:

”طفیل دارا کے چند اشعار سے یہی فکر نمایاں ہے:

دھر سارا جسم ہے، اس جسم کا دل آپ ہیں
میرے آقا سارے انسانوں میں کامل آپ ہیں
آپ ہیں خاتم بشر کی رہنمائی کے یہاں
زندگی کی ہر نمائش گہہ میں شامل آپ ہیں
کیسے سمجھاؤں جہاں میں ڈوبنے والوں کو میں
جو چلا آتا ہے طوفاں میں وہ ساحل آپ ہیں

اسی دور کے شعراء کی ادبی نعتیں اکثر و بیشتر نظر آتی ہیں جن کے ذریعے حضور اقدس کی ذات مبارک کے ساتھ ساتھ صفات کو اجاگر کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ اس رجحان کی عکاسی کے تحت طفیل دارا کے اشعار ہیں۔ ان کے بعد دوسری مثال اس رجحان کی احسان دانش مرحوم کے اشعار میں ملتی ہے۔

واقف ترے مقام سے اہل زمیں کہاں
عرش بریں پہ ہیں ترے پرچم جہاں تہاں
تیری جبیں سے صبح تمدن ہے جلوہ گر
اکسیر جاں نواز تری خاک رگدور

تو میر بیٹا ہے یا شاہ مجرو بر“ (۱۲۶)

”حفیظ تائب کی نعت کی بھی نوعیت یہی ہے جس میں اقبال کے فلسفیانہ مدبرانہ انداز کی جھلک کسی نہ کسی مقام پر ضرور محسوس ہوتی ہے۔ اس انداز کو ان کی ایک نعت کے چند شعر ظاہر کرتے ہیں:

اے ہادی دارین مقدر گر آفاق
خالق ترا شیدا ہے خلاق تری مشتاق
پائی ہیں تمدن نے ضیائیں ترے در سے
روشن ہیں ترے فیض سے تاریخ کے اوراق
ہے سب میں نمایاں تری سیرت کی تجلی
تعلیم کے گلشن ہوں کہ تہذیب کے اسواق“ (۱۲۷)

”مسرور کیفی کی نعتیہ شاعری کو بھی اسی زمرے میں شمار کیا جائے گا مثلاً یہی انداز ان کے شعروں میں ملتا ہے:

تاریکی حیات کو روشن جو کر گئی
وہ روح ماہتاب محمدؐ کی ذات ہے
صادق، امین، امن و امان کا پیامبر
گر ہے کوئی جناب محمدؐ کی ذات ہے
خوشبو سے جس کی آج مہکتے ہیں دو جہاں
وہ دلنشین گلاب محمدؐ کی ذات ہے“ (۱۲۸)

زیر مطالعہ مقالے کے باب نهم کا عنوان ہے ”تغزل کے رنگ میں نعتیں“۔ مقالہ نگار، قمر وارثی کے طرز نعت گوئی کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

”قمر وارثی کے نعتیہ مجموعے ”شمس الغنی“ کے جائزے سے بھی ایک اہم رجحان سامنے آتا ہے وہ یہ کہ زمانے کی بدلتی ہوئی اقدار اور فضائے نعت کے موضوع کو بھی ایک نئی جہت سے آشنا کر دیا ہے۔ اس میں سیرت مبارکہ کے پیشتر پہلو پیش کیے گئے ہیں آپ کی ذات، معجزات، صفات، تعلیمات اور انسانیت کے عروج کو موضوع بنایا گیا ہے۔ قمر وارثی کی نعتیہ شاعری بھی انھی رجحانات میں شامل ہے اور اس کے ساتھ اس کی تشکیل میں حب رسولؐ کا جذبہ بھی بہ تمام و کمال موجزن نظر آتا ہے۔ اس انداز میں فن کی بلندی اور اظہار کا نیا اسلوب ملتا ہے اور یہی انداز جذبہ عشق میں رونما ہوتا

ہے تو نعت میں رنگ تغزل کی صورت نمودار ہوتی ہے:

نبی کے غم کا پیکر ہو گیا ہوں
نہاں تھا میں اجاگر ہو گیا ہوں
ملا سرمایہ عشق نبی کیا
مقدر کا سکندر ہو گیا ہوں“ (۱۲۹)

”جمیل عظیم آبادی کی نعتیہ شاعری میں بھی تغزل کا رجحان پایا جاتا ہے۔ ان کی ایک نعت کے چند اشعار جن سے اس رجحان کی نمائندگی ہوتی ہے:

رافت و رحمت کے ساماں آپ ہیں
وجہ تسکین دل و جاں آپ ہیں
ظلمتِ شب میں فروزاں آپ ہیں
مظہرِ تنویر یزداں آپ ہیں

ان نعتیہ اشعار میں وہ فنی پہلو سامنے آتا ہے جس کا تعلق جمالیات کی نفسیاتی کیفیت سے ہے اور یہ کیفیات عام شاعری کے علاوہ نعتیہ شاعری میں بھی کسی نہ کسی مقام پر پائی جاتی ہیں۔ ظلمتِ شب سے یہی اشارہ برآمد ہوتا ہے کہ موجودہ معاشرے میں شب کی سیاہی کی طرح جو ظلم و ستم برپا ہے اس کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اس کرہ ارض پر ہر چیز کو یہ تاریکی نگلنے والے ہے۔ اگر ان شدید اندھیروں میں کوئی روشنی ہے تو وہ آپ کی ذات ہے [یا] برکات کا فیضان ہے“۔ (۱۳۰)

بہزاد لکھنوی کے سات نعتیہ مجموعوں کا ذکر کر کے ڈاکٹر شوکت زریں نے لکھا:

”بہزاد لکھنوی کی نعتیہ شاعری زیادہ تر غزل کے انداز کی نمائندہ فکر پر مبنی ہے اور نعتیہ شاعری میں غزل کے ہیئت اور صنف شاعری کے علاوہ اور کسی صنف شاعری کو انھوں نے اپنی نعتیہ شاعری میں اختیار نہیں کیا“۔ (۱۳۱)

بہزاد کے مجموعہ نعت ”نغمہ روح“ کا ذکر وہ اس طرح کرتی ہیں:

”اس مجموعے کی نعتوں سے بھی ان کی غزل کے رنگ اور آہنگ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ عصرِ حاضر کی تمام تر نعتیہ شاعری میں غزل کا انداز اس قدر گہرا اور اثر انگیز کسی کے کلام میں نظر نہیں آتا۔ بہزاد کی نعت کشش اور جذب و شوق، عشق و مستی کی رچی بسی کیفیات کا مرقع ہے۔
مدینے کی مہکی بہاروں میں گم ہوں

میں گنبد کے رنگیں نظاروں میں گم ہوں

یہ نہ پوچھو کہاں مدینہ ہے

دل مدینہ ہے جاں مدینہ ہے“ (۱۳۲)

ریاض حسین چودھری کا ذکر اس پیرائے میں کیا ہے:

”ریاض حسین چودھری کی نعتیں روحانی کسک اور سوز دروں کی غماز ہیں اور یہی کسک ہجر و فرقت کے لمحات میں تصورات کے نہاں خانوں میں جمال محبوب کی نظارگی عطا کرتی ہے اور یہی وہ جذبہ یا کیفیت ہے جو ایک طرف ان کی نعتیہ شاعری کو غزل کے رنگ و آہنگ کی طرف لے جاتی ہے اور دوسری طرف اس میں امت اسلام کی بیچارگی کو غم کا نجات میں سمو کر پیش کرنے کا رجحان ملتا ہے۔ چنانچہ اجتماعی آلام اور امت مسلمہ کو درپیش مصائب و مسائل کا ادراک ان کی نعتیہ شاعری کو جدید رجحان اور فکر کی اعلیٰ ترین قدروں کے عین مطابق قرار دیے جانے کے لائق ہے۔ حاصل مطالعہ چند نعتوں کے اشعار ہیں:

کروں گا عرض یہ پوچھیں گے جب اپنے سوالی سے

لپٹ کر جان دیدوں آپ کے روضے کی جالی سے

برہنہ سر کھڑا ہوں کر بلائے عصر میں آقا

مجھے نعلین کی اترن ملے دربارِ عالی سے

کھو جاؤں پھر تصور شہر رسول میں

محرومیوں کے کرب کی شدت کو کم کروں

سانسوں کو دے کے خوشبوئے خاک در حبیب

عمر گریز پا کو حریفِ عدم کروں

طیبہ سے آنے والے میرے قریب آنا

اس چشم تر میں خاک شہر نبی لگانا

دنیا کی خواہشوں سے دامن چھڑا کے اپنا

تو یادِ مصطفیٰ کے شب بھر دیئے جلانا

(۱۳۳)

محشر رسول نگری کے طویل مسدس ”فخر کونین ﷺ“ کے ضمن میں، ڈاکٹر زریں نے اپنی رائے اس

طرح رقم کی ہے:

”فخر کوین ﷺ“ میں فنی مہارت، بالغ نظری، جمالیاتی احساس وادراک، روایات کا پاس، مشاہدات و تجربات کا تنوع موجود ہے۔ لیکن ان کے برعکس سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ اس نعتیہ نظم میں اردو نعت کے جدید رجحانات ملتے ہیں چونکہ موجودہ دور کی نعتیہ شاعری ندرت خیال و فکر کی شاعری ہے جو عموماً نعت کے موضوع کو اہم بنانے میں اپنے اس رجحان کی وجہ سے معاونت کرتی ہے کہ شاعر نے اس موضوع کو ہاتھ لگایا ہے تو اس میں جذباتی صداقت کا گہرا لگاؤ، عقیدہ و اخلاص کہاں تک شامل ہے اور اس فن کی عظمت بھی یہی ہے گویا کہنے والا جب تک خود اپنے جذبات، تجربات اور موضوع سے متاثر نہ ہوگا وہ اپنے عالم سے دوسروں کو متاثر نہیں کر سکتا۔ چونکہ اسی رجحان کی شاعری وادب کی اپنی جگہ ایک فعال حیثیت ہے اس کے ذریعے ایک پیغام اور فکر و عمل کی ترغیب ملتی ہے جو کہ صحیح معنوں میں مسلمان قوم کے لیے مشعل راہ کا کام دیتی ہے۔ اس انداز کا پرتو اس نظم کے آخری اشعار میں جھلکتا ہے:

باطل کا راہ صدق و صفا میں گزر کہاں
نا اہل کو مقام نبی کی خبر کہاں
اخلاص کے بغیر سخن میں اثر کہاں
ہو دل ہی بے بصر تو مذاق نظر کہاں
درکار ہے کمال صفا اس مقام پر
ہے جنبش نظر بھی خطا اس مقام پر
نظروں سے چومتا ہوں مدینے کے بام و در
کرتا ہوں پھر ثنائے شہنشاہ بجزو بر (۱۳۴)

”اردو نعت کے جدید رجحانات“ کا یہ سرسری جائزہ اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ مقالہ نگار نے اس میں تنقیدی بصیرت کے کئی زاویے پیش نظر رکھے ہیں اور فنی جمالیات، تاریخی شعری نمونوں کے موازنے اور عصری حیثیت کے حوالے سے عمرانی تنقیدی نقطہ نظر بروئے کار لاتے ہوئے شعراء کے کلام پر رائے دی ہے۔ ان کی تنقید بھی کسی ایک تنقیدی دبستان کی پابند نہیں ہے۔ اس تنقیدی عمل میں جمالیاتی تنقید (Aesthetical Criticism) تاریخی تنقید (Historical Criticism) اور عمرانی تنقید (Sociological Criticism) کے رجحانات کا ملا جلا عکس ہے۔

viii۔ اردو نعت کا ہیئت مطالعہ:

ڈاکٹر افضال احمد انور کے اس مقالے پر پنجاب یونیورسٹی سے سن ۲۰۰۷ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری عطا ہوئی تھی۔ اس مقالے میں یہ دکھایا گیا ہے کہ نعتیہ شاعری کے لیے شعراء نے کس کس ہیئت کی صنفِ سخن کو برتا ہے۔ اس تحقیقی مطالعے میں اصنافِ سخن کی مادی (Physical) ہیئتوں اور ان اصنافِ سخن کے مزاج پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس اعتبار سے یہ مقالہ خود ایک تنقیدی کاوش ہے۔ ویسے تو ہر صنفِ سخن کی ہیئت اور اس کے مزاج کے حوالے سے گفتگو ایک تنقیدی عمل ہے ہی لیکن اس مقالے میں ”نعت کے انداز اور اسالیب“ اور ”نعت پر تنقید“ کے عنوانات قائم کر کے جو گفتگو کی گئی ہے وہ خالص تنقید ہے۔ نمونے کے طور پر غزل کے ضمن میں ڈاکٹر موصوف کی رائے ملاحظہ ہو:

”غزل کی ہیئت میں سب سے زیادہ نعت کہی گئی ہے اس کا ایک سبب مشاعرے بھی ہیں کیونکہ مشاعرہ طویل مثنوی، دقیق قصیدے کا متحمل نہیں ہوتا۔ دیگر اصناف میں وہ خاص غنائیت بھی نہیں جو غزل کی پہچان ہے۔ غزل نے اپنی تخلیق کے روز اول سے آج تک جتنے زمانے، رجحان، ہنگامے، مزاج دیکھے ہیں۔ عشق، سیاست، روحانیت، معاشرت، مزاج غرض ہر مضمون کو ادا کرنے کی صلاحیت حاصل کی ہے، دوہی مصرعوں میں بات مکمل کر کے داستان گوئی سے بچنے کا ہنر سیکھا ہے۔ یہ سب کچھ اس نے خدمتِ نعت میں پیش کر دیا ہے۔ غزل پہلے ہی سونا تھی، خادمِ نعت بن کر ام الاصناف ہو گئی ہے۔ مقدار اور معیار میں نعتیہ غزل ہی دیگر ہیئتوں کی نسبت زیادہ وسیع و رفیع مقام پر فائز ہے۔“ (۱۳۵)

مثالث کی ہیئت میں لکھی گئی نعتوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر افضال احمد انور نے سید محمد امین نقوی کی تخلیق کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

”حسنِ محمدؐ، نقوی شاہ صاحب کی ایسی کتاب ہے جس کا یہ تخصّص ہے کہ اس کتاب میں انہوں نے حرف ”الف“ استعمال نہیں کیا۔ انہوں نے اس کتاب میں مثالث ہیئت میں بھی ثنائے مصطفیٰ میں لکھا ہے اور اس مثالث میں اہم بات یہ ہے کہ اس کا ہر مصرع لفظ ”محمدؐ“ سے شروع ہوتا ہے۔ بطور مثال ایک بند درج ذیل ہے:

محمدؐ ہیں کنزِ علوم و فنون
محمدؐ رہ معرفت کے صعود

محمدؐ پہ ہر دم کروڑوں درود

اس مثلث کے ہر بند میں دوسرا اور تیسرا مصرع ہم قافیہ ہیں۔ ساری مثلث میں عشق و مستی کی ایک خاص لہر جاری و ساری نظر آتی ہے۔ نعتیہ مثلثوں میں اس نظم کا درجہ مسلم رہے گا۔ اس نظم کا دوسرا تخصّص (ہر مصرع کا آغاز اسم پاک ”محمدؐ“ سے، نیز سارے مثلث میں حرف الف کا نہ پایا جانا) بھی یادگار رہے گا۔ محمد امین نقوی شاہ کے ایک اور نعتیہ مثلث کا یہ بند بھی دیکھئے:

محمدؐ نبیؐ ہیں محمدؐ رسولؐ

محمدؐ سکون و سرور و عقولؐ

محمدؐ پہ بھیج دو درودوں کے پھولؐ“ (۱۳۶)

ع۔س۔مسلم کے مثنیٰ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

”حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت و ثنا لکھتے ہوئے شاعر کا قلم اس سرشاری و الہانہ پن اور تیز روی سے چلتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اصول ہے مذکور غیر فانی ہو تو ذکر بھی غیر فانی ہو جایا کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پاک نے شاعر کی صلاحیتوں کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ شاعر کا سینہ ایسا چشمہ ہے جہاں سے مضامین مدحت جاری رہتے ہیں۔

وہ مصدوق ہے اور صادق وہی

بظاہر مؤخر پہ سابق وہی

رضائے خدا کے مطابق وہی

ہے طوفان میں بادِ موافق وہی

حقیقت میں قرآنِ ناطق وہی

وہی حق ہے، شرحِ حقائق وہی

وہی مبتدی، منتہی، مدعا

وہی مرتضیٰ، محبتی، مصطفیٰ

شاعر کو قادر الکلامی کا ملکہ حاصل ہے۔ الفاظ کا چناؤ، تراکیب سازی، تشبیہات و استعارات کا فنکارانہ استعمال غرض بہترین شعری خوبیوں سے مالا مال یہ مثنیٰ نعتیہ ادب کی جھولی میں ایک قیمتی ہیرے سے کم نہیں..... یہ حقیقت ہے کہ ع۔س۔مسلم کا تمام کلام گویا انتخاب ہے۔ آخر میں درود و سلام سے متعلق بھی ایک بند درج کیا جاتا ہے۔ یہاں شاعر نے مثنیٰ، ترکیب بند کو ترجیح بند سے ہمکنار کر دیا

ہے۔ کیونکہ متعدد ہندوں کا آخری مصرع ”محمد پہ لاکھوں درود و سلام“ ہے:

محمد سزاوار مدح و صلوة
وہی زینتِ محفلِ ممکنات
محمد سے قائم دم کائنات
خدا کا ہے جو ہے محمد کا ہات
محبت محمد کی راہِ نجات
اسی سے ہے ہم غم کے ماروں کی بات
وہی جامعِ قلبِ جملہ انام
محمد پہ لاکھوں درود و سلام“ (۱۳۷)

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ ڈاکٹر افضال احمد انور نے اپنے مقالے میں ”نعت کے انداز و اسالیب“ پر بصیرت افروز گفتگو کی ہے جس سے نعت پارے کی تخلیقی جمالیات کی گرہ کشائی ہوتی ہے۔ یہ موضوع خالصتاً تنقیدی ہے لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ذیل میں ان کے خیالات کا جائزہ لے لیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

”یہ اللہ وحدہ لا شریک کی شان ہے کہ اس نے اپنی ہر تخلیق میں کوئی نہ کوئی جدت اور انفرادیت رکھ دی ہے۔ ہر انسان عمومی طور پر دو آنکھیں، ایک ناک، دو کان، ایک منہ..... رکھنے کے باوجود کچھ ایسی شناخت بھی رکھتا ہے جو اسے دوسروں سے الگ کرتی ہے۔ موروثی اثرات، سماجی ماحول، مخصوص مزاج کے علاوہ اس کا قد، رنگ، لہجہ حتیٰ کے [کہ] لباس تک (جسے داخلی و خارجی عوامل مل کر) اس کی الگ شناخت بنانے میں معاون ہوتے ہیں۔ ایسے ہی جملہ عناصر و عوامل کے امتزاج سے اس کا بات کرنے کا انداز و اسلوب بنتا ہے Style is the man himself کا یہی مطلب ہے۔ ہر فنکار کی تخلیق اس کی ذاتی اہم اور اسلوب کی حامل ہوتی ہے۔ ایک ہی بات کو مختلف لوگ مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں۔ جس سے اسلوب کی رنگارنگی اور بولمونی ظاہر ہوتی ہے۔ سیف نے کہا تھا کہ انداز بیاں بات بدل دیتا ہے، ورنہ ہر بات نئی بات نہیں ہوتی۔ اردو نثر میں میر امن، رجب علی بیگ سرور مولانا محمد حسین آزاد، ابوالکلام آزاد..... سب کا بات کرنے کا ڈھنگ جدا جدا ہے۔ یہ ان کے اسالیب کی انفرادیت ہے۔ نثر کی طرح شاعری میں بھی ہر ایک کا انداز جدا ہے۔ میر تقی میر، مرزا غالب، نظیر اکبر آبادی کا اسلوب سخن ایک دوسرے سے نہیں ملتا۔ نعت کے اسالیب بھی مختلف

شاعروں کے ہاں مختلف دھائی دیتے ہیں..... نعتیہ اسلوب کے تعین میں بہت سے عوامل کارفرما ہو سکتے ہیں جیسے نعت گو کی علییت، اس کا انتخاب لفظیات، ترکیب سازی کی مہارت، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت کی سطح اور اس کے پیش کردہ نعتیہ مضامین کے پیچھے کارفرما اس کا مسلک و عقیدہ نیز وسعت مطالعہ اور فن عروض کے علاوہ شعر کی مختلف ہیئتوں سے آگاہی وغیرہ وغیرہ۔ ضروری نہیں کہ ہر نعت گو ایک ایسے اسلوب کا بھی حامل ہو جو دوسروں کے لیے باعثِ رشک بن کر اسلوب کی کسی عظیم روایت کا نقیب ٹھہرے، البتہ ضرور [ی] ہے کہ نعت گو جس انداز میں نعت کہے اس کا تجزیہ کر کے ناقد نعت، اس کے اسلوب کی خصوصیات سامنے لاسکتا ہے۔ یہ اسلوب سادہ بھی ہو سکتا ہے اور پیچ دار بھی، سہل بھی ہو سکتا ہے اور ادق بھی، عاشقانہ بھی ہو سکتا ہے اور فلسفیانہ بھی۔ کسی کے اسلوب کی نقل بھی ہو سکتا ہے اور ذاتی بھی۔ (۱۳۸)

اسلوب کے ضمن میں کی جانے والی بحث کے درج بالا اقتباس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مقالہ نگار کا تنقیدی وژن نہ صرف خارجی ہیئتوں کا ادراک سمیٹے ہوئے ہے بلکہ فن پارے کی داخلی اختصاصی نوعیت کی پرکھ کی بصیرت کا بھی حامل ہے۔ نعت کا موضوع اپنی تمام تر بولقلمونی کے ساتھ کائنات کی ایک ہی بڑی ہستی یعنی حضور رحمتِ عالمین ﷺ کے تذکار کا بالہ بناتا ہے، اس لیے اس صنف میں فکر و خیال کی تکرار و توارد کے امکانات زیادہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نعتیہ شاعری کی پرکھ کے موقع پر ناقد، شاعر کے اسلوب کی انفرادیت یا عدم انفرادیت کا ذکر کرتا ہے۔ اسی لیے ڈاکٹر افضال احمد انور نے اپنے مقالے میں انداز و اسلوب کی بات کی ہے۔

اسی طرح تنقید نعت کا جواز پیش کرتے ہوئے انہوں نے عاصی کرنالی کے اس استدلال کا حوالہ دیا ہے جو انہوں نے کسی دوست کو گلدستہ پیش کرنے کی مثال دے کر با وزن بنایا تھا۔ ظاہر ہے کسی دوست کو اچھے سے اچھا گلدستہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی، مرجھائے ہوئے پھولوں اور کانٹوں بھری ٹہنیوں سے تو وہ گلدستہ تیار نہیں ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر افضال احمد انور لکھتے ہیں:

”راقم الحروف (ڈاکٹر افضال احمد انور) پھولوں کی خراش تراش اور آرائش و زیبائش سے اگلے مرحلے کی بات کرنا چاہتا ہے کہ یہ سجا سجا، تازہ، لطیف اور خوشبودار پھولوں کا گلدستہ کتنا ہی دلکش، معطر اور قیمتی کیوں نہ ہو اگر اس کی کسی ٹہنی سے یا پھولوں کی پتیوں سے کوئی چھوٹا سا زہر یا سپونیا لپٹا ہوا ہے، تو اس خوبصورت گلدستے کی کیا قیمت رہ جائے گی؟ کون اسے اپنے مجازی محبوب کو پیش کرنے کا سوچ بھی سکے گا؟ لاعلمی کی بنا پر ایسا ہو جائے تو اور بات ہے لیکن جان بوجھ کر ایسا مہلک

گلدستہ کسی کو پیش کرنا یقیناً ناقابل معافی جرم ٹھہرے گا۔ اسی طرح اگر نعت کے ظاہری الفاظ رواں، سبک، مترنم اور شیریں ہوں لیکن ان کے معانی کی تہہ میں مستور کوئی بات دین اسلام کی بنیاد کے خلاف ہو، شرک سے مملو ہو یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ادبی پر مشتمل ہو، تو کون اسے نعت قرار دے گا؟ نعت کے حوالے سے سب سے پہلے یہ جائزہ لیا جائے گا کہ کہیں اس میں کوئی بات خلاف شرع محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو نہیں۔ اگر وہ شریعت کے خلاف ہے تو اس پر گرفت کرنا ہر آگاہ مسلمان کے لیے ضروری ہے لیکن علمائے شریعت کا تو فرض ہے کہ وہ اس کی اصلاح کے لیے ہر کوشش بروئے کار لائیں۔ ذاتی طور پر اپنے دل میں موجود جذبہء عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش نظر ہر شخص نعتیہ کلام کہہ سکتا ہے لیکن اس نعتیہ کلام کو ادبی فن پارہ تب ہی تسلیم کیا جائے گا جب اس میں ادبی تقاضے بھی پورے ہوں۔“ (۱۳۹)

اس کے بعد ڈاکٹر افضال احمد انور نے تنقید نعت کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:

- (الف) نعتیہ شناخت (ب) آداب شریعت کا لحاظ (ج) جذبہء عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (د) لسانی و شعری تقاضوں کی ہم آہنگی

ڈاکٹر افضال احمد انور کے نکات اختصاراً انہی کے الفاظ میں درج ذیل ہیں:

”نعتیہ شناخت، نعت پارے کی اولین شرط ہے..... اگر کوئی نعت ایسی ہے کہ اس کو عنوان ”نعت“ مٹا کر لفظ ”غزل“ لکھ دیا جائے تو اس کے سارے شعر صرف محبوب مجازی سے متعلق محسوس ہوں تو اسے بھی نعت تسلیم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص صفت و ثنا صرف انہی سے مخصوص ہے اور ان کا غیر اس کا مصداق نہیں ہو سکتا..... اگر کسی شعر میں آداب شریعت کی پاسداری نہیں کی گئی تو وہ قطعاً نعت کا شعر نہیں ہو سکتا..... نعت کا اصل محرک جذبہء عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اگر شعر میں سب کچھ ہے، بس یہ جذبہ مفقود ہے تو بھی اس کی نعتیہ حیثیت سوالیہ نشان بنی رہے گی..... نعتیہ تنقید میں یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ شعر، ادبی تقاضوں کو پورا کرتا ہے یا نہیں۔“ (۱۴۰)

ڈاکٹر موصوف، مواد، مفہوم اور ہیئت کے اچھے برے پہلوؤں کی جانچ کے تناظر میں نعت کے مقام و مرتبہ کے تعین کے عمل کو تنقید نعت کا نام دیتے ہیں۔ (۱۴۱) ادبی تنقید کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

”ادبی تنقید کا عمل جہاں فن پارے کے مواد کو جانچتا ہے، وہاں ہیئت کے حوالوں سے بھی اس کے معیار کا تعین کرتا ہے، ادب پاروں کو جانچنے کے لیے تنقید کی مختلف اقسام رو بہ عمل ہیں جیسے تاثراتی

تنقید، مارکسی تنقید، نفسیاتی تنقید، جمالیاتی تنقید، تقابلی تنقید اور ساختیاتی تنقید وغیرہ۔ تنقید کے یہ تمام طریقے جزوی طور پر تنقیدِ نعت میں کام آ سکتے ہیں لیکن نعت کا موضوع ایک ایسی الگ شناخت رکھتا ہے کہ اس کا تنقیدی نظام بھی الگ ہی ہونا چاہیے۔ جیسے ہر عظیم ادب پارے کی جانچ کا معیار اس کے بطن سے نمودار ہوتا ہے اسی طرح اردو نعت کی تنقید بھی اپنے داخلی تقاضوں کے تحت ہی اپنا کام سر انجام دیتی ہے۔“ (۱۳۱)

نعتیہ تخلیقات کی تنقیدی جانچ پر کھکا کام ایک طویل عرصے تک نہیں ہو سکا تھا۔ الحمد للہ اب یہ کام بڑی سنجیدگی سے ہو رہا ہے۔ نعتیہ شاعری پر تنقید کے مربوط اور واضح نقوش ہمیں ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق کے مقالے ”اردو میں نعتیہ شاعری“ میں ملتے ہیں۔ ڈاکٹر افضال احمد انور نے اس ذیل میں لکھا ہے:

”ایک طویل عرصے تک ادبی تذکرہ نگاروں بلکہ نقادوں کی اکثریت نے بھی اسے ایک الگ سنجیدہ ادبی صنف کے طور پر نہیں لیا۔ نعت کو موضوعاتی اور مذہبی شے جان کر ایک طرف رکھ دیا گیا، حالانکہ دنیا کی عظیم شاعری کا اکثر حصہ موضوعاتی ہے۔ میر تقی میر سے لے کر محمد حسین آزاد تک کسی نے نعت کی الگ شناخت کے حوالے سے تنقیدی خدمات سر انجام نہیں دیں۔ حالانکہ غزل کے حوالے سے ان بزرگوں نے اپنی بساط کے مطابق تنقیدی بصیرت کا ثبوت دیا۔ آگے چل کر الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، مولوی عبدالحی وغیرہ کے ہاں بھی نعتیہ تنقید کی باقاعدہ روایت نہیں ملتی۔ شعر الہند میں عبدالسلام ندوی نے مذہبی شاعری کے حوالے سے نعت میں در آنے والی خامیوں پر اپنے تنقیدی کرب کا اظہار کرتے ہوئے بعض موانعاتِ نعت کی طرف اشارے کیے۔ نعتیہ تنقید کا اولین، بھرپور اور باقاعدہ آغاز ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق کے مقالہ ”اردو میں نعتیہ شاعری“ سے ہوتا ہے۔“ (۱۳۲)

نعتیہ ادب کے تنقیدی سرمائے میں تاریخی طور پر کہاں اور کب کتنا اضافہ ہوا، ڈاکٹر افضال احمد انور کے مقالے میں اس چیز کا حوالہ، اس بات کا اشارہ یہ ہے کہ مقالہ نگار کو تنقیدی سرگرمی سے خاص دلچسپی ہے۔ نعتیہ ادب کا تحقیقی مطالعہ تو بے شک پہلے پہل ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق ہی نے کیا تھا، اس لیے ڈاکٹر افضال احمد انور کی اس مقالے کے لیے رائے جزوی طور پر درست مانی جاسکتی ہے۔ کیوں کہ ”لکھنؤ کا دبستانِ شاعری“ میں محسن کا کوروی کو بحیثیت نعت گو شاعر، سب سے پہلے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے جگہ دے کر اس مقدس صنف کے ضمن میں تنقیدی رائے رقم کر دی تھی۔ اس لیے نعتیہ ادب میں تنقیدی رائے کا پہلا اظہار یہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا مانا جائے گا کیوں کہ ان کا مقالہ ۱۹۳۹ء میں لکھا گیا تھا۔

میرے پاس مذکورہ مقالے کا چوتھا ایڈیشن ہے جو ۱۹۸۷ء میں چھپا تھا۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب کی عمر ۷۰ برس کی تھی اور دیباچے میں انہوں نے لکھا تھا کہ جب یہ مقالہ لکھنا شروع کیا تھا اس وقت وہ ۲۲ سالہ جوان تھے۔ گویا چوتھا ایڈیشن آتے آتے ۲۸ سال بیت چکے تھے۔ (۱۴۳)

ہمارا مسئلہ تنقیدی نقوش کی تلاش ہے جبکہ ڈاکٹر افضال احمد انور کا سرے سے یہ مسئلہ تھا ہی نہیں، اس لیے تحقیقی سطح پر ان کے دعوے کی جزوی تغلیط سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ڈاکٹر افضال احمد انور نے اپنے مقالے میں بھارت کے ایک شاعر ابوالجہاد زاہد کی ایک طویل نعت کا ہمینی مطالعہ کیا ہے جس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں:

”ان (ابوالجہاد زاہد) کی ایک طویل نعت غزل، مسدس اور مثنوی کی مشترکہ ہیئت میں ہے۔ ہمینی نقطہ نظر سے اس کا مطالعہ مفید مطلب ہے۔ اس نعت کا عنوان ”محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ ہے۔ پچاس اشعار کی اس نعت کے کل چار بند ہیں۔ پہلا بند غزل کی ہیئت پر مشتمل ہے۔ اس بند کے گیارہ اشعار میں سے چار اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

محمدؐ مرکزِ اہلِ نظر ہے
محمدؐ منزلِ اہلِ خبر ہے
محمدؐ نازشِ جن و بشر ہے
محمدؐ عالمی پیغامبر ہے
محمدؐ مظہرِ لطف و عنایت
وہ جس کی خاکِ پاکِ کلِ البصر ہے
اسی کا دین، دینِ حق ہے زاہد
اسی کی راہ، راہِ معتبر ہے
دوسرا بند پندرہ اشعار پر مشتمل ہے اور مثنوی کی ہیئت میں ہے:

محمدؐ نورِ انوارِ ہدایت
محمدؐ روحِ ارواحِ سعادت
محمدؐ تاجدارِ تاجداراں
محمدؐ شہرِ یارِ شہرِ یاراں
محمدؐ آبروئے بزمِ امکاں

حبیب خالق و محبوبِ دوراں
محمدؐ اک مثالِ بے مثالی
انیس بیسیاں ، مولیٰ الموالی

تیسرا بند نوا شعار پر مشتمل ہے۔ اس میں مسدس ہیئت کے تین بند ہیں۔ دو درج ذیل ہیں:

یہ اعجازِ نبیؐ لطف و رحمت
اندھیرے بن گئے نورِ ہدایت
جو وحشی تھے بفیضانِ رسالت
بنے معمارِ تہذیب و حضارت
جو علم و معرفت سے نا بلد تھے
معلم بن گئے سارے جہاں کے
محمدؐ ہی کی خوشبو سے معطر
سعیدؓ و سعدؓ و عمارؓ و ابوذرؓ
محمدؐ ہی کے حسنِ تربیت سے
بلالؓ و مصعبؓ و سلمانؓ چمکے

چوتھا بند پھر مثنوی کی ہیئت میں ہے:

رشید و مرشد و عالم محمدؐ
امام و مصلح و اعظم محمدؐ
طیب و جسم و عقل و دل محمدؐ
حکیم و عارف و کامل محمدؐ
جہاں ممنونِ احسانِ محمدؐ
زمانہ ہے ثنا خوانِ محمدؐ
محمدؐ مرکزِ ارمانِ زاہد
محمدؐ پر نچھاور جانِ زاہد

۱۔ اس نعت کے تمام بند ایک ہی بحر میں لکھے گئے ہیں۔ (مفاعیلین، مفاعیلین، فعولن) اصولاً مثنوی کا ہر شعر غزل کے مطلع کی طرح ہوتا ہے اور شاعر سے یہ حق کون چھین سکتا ہے کہ وہ ایک مطلع کے بعد

اسی قافیے میں دوسرا تیسرا یا کئی مطلعے لاسکے۔ یہاں بھی شاعر نے مثنوی کی اس پابندی کو تو برقرار رکھا ہے البتہ اس میں غزل کی خوشبو بھی ڈال دی ہے جو یقیناً تنوع کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

ii۔ پہلے تین بندوں کے جن اشعار میں اسم پاک ”محمد“ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استعمال کیا گیا ہے، مصرع (صرف پہلا یا پہلا، دوسرا یہ دونوں) کے شروع میں استعمال کیا گیا ہے۔ چوتھے بند میں یہ اسم مقدس جن اشعار میں موجود ہے، دونوں مصرعوں میں ہے اور صرف آخر میں ہے، جبکہ آخری شعر میں دونوں مصرعوں کے آغاز میں استعمال کیا گیا ہے۔

iii۔ نغمگی، خطیبانہ جوش، تعظیم رسولؐ اور جذبہء دل، ساری نظم میں ظاہر ہے۔ شاعر نے ایک ہی نعت میں تین ہیئتوں کا مرکب ڈھانچہ استعمال کیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ ہیئت بدلنے کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ تکلف اور تصنع سے پاک نعت میں یہ ہیئتیں تجربہ کامیاب بھی ہے اور قابل تحسین بھی۔ اس مرکب ہیئت میں مثنوی کی ہیئت غالب ہے کیونکہ وہ دو بندوں پر مشتمل ہے۔ اسے مثنوی، غزل اور مسدس کی مرکب ہیئت کہا جاسکتا ہے۔“ (۱۴۴)

اس اقتباس سے مترشح ہوا کہ مقالہ نگار نے اپنے مقالے میں نعت پاروں کا تجزیاتی مطالعہ پورے تنقیدی شعور کے ساتھ کیا ہے اور اپنے نتائج فکر باقاعدہ تنقیدی زبان میں رقم کیے ہیں۔ ”اردو نعت کا ہیئت مطالعہ“ ایک تحقیقی مطالعہ ہونے کے باعث تو اہم ہے ہی، اس کی اہمیت ان آراء سے اور بڑھ جاتی ہے جو فی آگہی اور تنقیدی بصیرت کی آمیزش کے ساتھ حوالہ قرطاس کی گئی ہیں۔

ڈاکٹر افضال احمد انور، فنی جمالیات، تاثرات اور تجزیہ کاری کے ساتھ نعت کے ہیئت تنوع میں تاریخی تسلسل کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں، اس لیے ان کے منہاج تنقید کو ہم جمالیاتی، تاثراتی، تجزیاتی اور تاریخی دبستان تنقید کا مرکب کہہ سکتے ہیں۔

ix۔ اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی:

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا یہ مقالہ، روٹیل کھنڈ یونیورسٹی (بریلی، بھارت) میں ۱۹۹۴ء میں پیش کیا گیا تھا جس پر مقالہ نگار کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند عطا کی گئی۔ (۱۴۵)

مذکورہ مقالے کے تین ابواب تنقیدی مباحث کے لیے وقف ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

چھٹا باب: امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نعت گوئی کے انفرادی خدو خال

آٹھواں باب: امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی نعت گوئی کا ادبی مقام

نواں باب: اردو نعت کی تاریخ میں نعت نگار کی حیثیت سے امام احمد رضا فاضل بریلوی کا

چھٹے باب کے شروع میں مقالہ نگار نے لکھا ہے:

”امام احمد رضا خاں صاحب کی شاعری میں ان کے جذبے کے خلوص و صداقت کا رچا و شروع سے آخر تک اپنی تمام تر آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر نظر آتا ہے۔ ان کی نعت عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کی عملی محبتوں کا آئینہ ہے۔ اس میں ان سوختہ جانوں کے سوز و گداز اور عقیدت و نیاز کی نکبتیں بسی ہیں اور خود امام موصوف کے دل کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں۔ ان کے اشعار جذبوں کی اکائیاں ہیں جو لفظوں کے روپ میں لودے رہی ہیں۔ امام احمد رضا خاں کی شاعری اکتسابی نہیں وہی ہے، لفظوں کی نہیں جذبوں کی شاعری ہے۔ ان کے یہاں تخلیقی شان پائی جاتی ہے۔ ان کی نعت جن خارجی اوصاف سے مزین ہے وہ کہیں بھی ان کے اظہار جذبات یا ترسیل فکر میں حارج نہیں ہوتیں۔ ان کی صنعت گری اور پیکر آرائی نعت کے مضامین کو اور موثر انداز میں پیش کرتی ہے۔ ان کے یہاں شعری اور شعوری صداقت کا خوب صورت توازن پایا جاتا ہے۔ ان کی شاعری پر سادگی، معصومیت، شگفتگی اور عاشقانہ سرمستی کی ایک ایسی چاندنی چٹکی ہوئی ہے جو قاری کے درون خانہ ایک مدو جزر برپا کر دیتی ہے۔ مولانا موصوف کے یہاں غزل کے پیرائے میں لمبی لمبی نعتیں ہیں اور بعض نعتیں بڑی مشکل زمینوں اور ردیفوں میں لکھی گئی ہیں لیکن حضور ختمی مآب ﷺ کی محبت کا تیز دھارا سنگلاخ زمینوں کو چیرتا ہوا اس طرح گزر گیا ہے کہ شادابی اور زرخیزی کے جو آثار ان کی نعتوں میں پیدا ہو گئے ہیں وہ دوسروں کے یہاں نرم اور ہموار زمینوں میں بھی نظر نہیں آتے۔“ (۱۴۷)

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا انداز تحسین، تاثراتی ہے۔ بعض جگہ ان کی تنقیدی رائے پر فاضل بریلوی کی محبت اور ان کی شخصیت کی عظمت کا غلبہ بھی محسوس ہوتا ہے مثلاً وہ فرماتے ہیں:

”پوری اردو نعت گوئی کی تاریخ میں شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جس کا کلام کلی طور پر شرعی خامی سے پاک ہو سوائے مولانا بریلوی کے۔“ (۱۴۸)

ڈاکٹر عزیزی کا درج بالا بیان پڑھنے کے بعد جب ہم ان کی کتاب پڑھتے ہیں تو ذہن کو جھٹکا لگتا ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

”۸/ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء کو کانپور سے محمد آصف نامی کسی شخص نے لکھا کہ دیوانِ حدائقِ بخشش کی ایک نعت کے اس مصرعہ ”حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو“ میں لفظ شہنشاہ کا استعمال مناسب نہیں اس لیے اس کو یوں بدل دیا جائے ”حاجیو آؤ مرے شاہ کا روضہ دیکھو“۔

حضرت فاضل بریلوی نے لفظ شہنشاہ کو صحیح قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل شعراء، صوفیاء اور علماء کے اشعار اور نگارشات سے استدلال کیا:-

امام رکن الدین ابوبکر محمد بن ابی المفاخر بن عبدالرشید کرمانی، علامہ خیر الدین زرکلی، مولانا جلال الدین رومی، شیخ مصلح الدین سعدی، حضرت امیر خسرو، مولانا جامی، حافظ شیرازی، مولانا نظامی، شیخ شہاب الدین وغیرہ وغیرہ۔ ان حضرات نے حضور اکرم ﷺ کے لیے شہنشاہ، ملک الملوک اور سلطان السلاطین وغیرہ الفاظ استعمال کیے ہیں، (۱۴۹)

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے صحیح بخاری کی حدیث کے مقابلے میں امت کے اکابرین کے عمل کو ترجیح دی۔ اس رویے پر اعتراضات بھی ہوتے رہے ہیں لیکن ان اعتراضات کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ مفتی محمد زرولی خان نے لکھا:

”امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں ایک باب قائم کیا ہے ’باب الغرض الاسماء الی اللہ تبارک وتعالیٰ‘ اور یہ حدیث لائے ہیں ’قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخنی الاسماء یوم القیمۃ رجل تسمی ملک الاملاک‘ آگے چل کر ملک الاملاک کا معنی سفیان سے نقل کیا ہے ”تفسیرہ شاہان شاہ“ [بخاری ج ۲ ص ۹۱۶]۔ (۱۵۰)

اس کے بعد مفتی زرولی نے اعلیٰ حضرت کے مذکورہ شعر پر وارد ہونے والے اعتراض اور اس کی مجوزہ اصلاح کا حوالہ دے کر لکھا ہے:

”انہوں [اعلیٰ حضرت] نے اس کے جواب میں بہت سارے مصنفین کے نام لکھ بیچے جنہوں نے اپنی کتابوں یا کتاب کے خطبوں میں آنحضرت ﷺ کے لیے شہنشاہ کا لفظ اختیار کیا ہے۔ اب یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ ان علماء میں ایک اعلیٰ حضرت ہوئے اور ان سب نے مل کر یہ نام استعمال فرمایا ہے۔ مگر اعلیٰ حضرت نے یہ نہیں لکھا کہ یہ کسی حدیث یا سنت نبوی کے موافق ہے جب حدیث میں ممانعت آئی ہے تو بشمول اعلیٰ حضرت کے سب کے سب غلطی پر ثابت ہوئے۔

نہیست جُت قول افعْل یُجِیْز

قول اللہ فعل احمد را بگیر

اب اس سلسلے میں چند گزارشات پیش خدمت ہیں:

[۱] اعلیٰ حضرت نے بخاری شریف سے لاعلمی ظاہر کی کیوں کہ صحیح تحقیق کے مطابق وہ بغیر دورہ حدیث کے مقام اعلیٰ حضرت تک پہنچ گئے۔

[۲] جب حدیث میں اس کو منع فرمایا تو یہ عزت و احترام کیسے ہوا۔

[۳] جب پیغمبر ﷺ نے اس کو بدترین فرمایا ہے تو یہ آداب نہیں بلکہ بے ادبی کا ارتکاب ہے۔

[۴] امت محمدیہ کے جماہیر کے یہاں قرآن کریم کے بعد اصح کتاب بخاری شریف ہے اس پر عمل ضروری تھا یا امتیوں کے نام گنونا؟۔ (۱۵۱)

مفتی محمد زرولی خان کے اعتراضات کا شاید [بلکہ یقیناً] ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ ایسی صورت میں ان کا یہ دعویٰ کہ ”صرف اعلیٰ حضرت کا کلام کلی طور پر شرعی خامی سے پاک ہے“ معرض خطر میں پڑ جاتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے خود لکھا ہے:

”نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ نعت پاک پر جب تک قرآنی ادب کا سایہ نہ ہوگا نعت میں پاس شرع نہ ہوگا اور وہ راستے سے ہٹ جائے گی“۔ (۱۵۲)

اس کے بعد ”عینیت اور پردہ میم“ کے عنوان کے تحت انہوں نے شعراء کے قابل گرفت اشعار نقل کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”حقیقی تصوف اور مسئلہ وحدت الوجود کی غلط سمجھ کے سبب نعت مجروح ہوئی ہے۔ احمد کے میم کو ہٹا کر احد بنا دیا گیا ہے اور عرب کے عین کو لفظ سے جدا کر کے رب بنا دیا ہے۔ حضرت محسن جیسے عظیم نعت نگار کے یہاں بھی اس طرح کے مضامین ملتے ہیں۔

عینیت غیر رب کو رب سے
غیریت عین کو عرب سے
ذات احمد تھی یا خدا تھا
سایہ کیا میم تک جدا تھا

[۲] شائق حیدر آبادی لکھتے ہیں:

میم کا رخ سے ہٹا کر گھونگھٹ
شکل دکھا دو میرے پیارے احمد

[۳] صحوا بولعلائی کہتے ہیں۔

پردہ میم میں چھپے ہیں حضور
ہم سے نزدیک نہیں ہیں کچھ دور

امیر بینائی اور اقبال جیسے مشاہیر شعراء نے اس طرح کا مضمون باندھا ہے:

- [۴] ہو جائیں امیر احمد بے میم پہ قرباں
خلعت احدیت کا بھی پایا شب معراج [امیر بینائی]
[۵] نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردہ میم کو اٹھا کر
وہ بزم یثرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر [اقبال]
مدینہ شریف کے لیے یثرب کا استعمال منع ہے۔

محمد علی جوہر، حفیظ جالندھری، ظفر علی خاں، امیر بینائی وغیرہ نے بھی یثرب کا استعمال کیا ہے۔

نعت کے موضوعات اور مضامین کے برتنے میں شرعی حدود سے باہر جانے کی چند مثالیں:

- [۱] ہے خدا کو جس قدر اپنی خدائی پر گھمنڈ
مصطفیٰ کو اس قدر ہے مصطفائی پر گھمنڈ [شائق حیدر آبادی]
[۲] اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد (ﷺ) سے [فاران سیرت نمبر]
[۳] کالی کملی والے بھیا آؤ اب سرکار
محمد سر قدرت ہے کوئی رمز اس کی کیا جانے [۴]
شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے [شائق]
[۵] ناسخ کے یہاں خدا اور رسول کو ایک کر دینے کا انداز دیکھئے ۔
معانی قل ہو اللہ احد کے ہیں یہاں ناسخ
برائے قافیہ رکھا ہے میں نے میم احمد کا
[۶] حالی کا یہ شعر دیکھیں۔ مرتبہ رسالت کے کس قدر خلاف ہے۔
مجھے دی ہے بس حق نے اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور اپنی بھی
[۷] شہیدی کا یہ شعر بھی مرتبہ الوہیت کے منافی ہے ۔
خدا منہ چوم لیتا ہے شہیدی کس محبت سے
زباں پر میری جس دم نام آتا ہے محمد کا

[۸] مرزا سودا کا یہ شعر انبیائے کرام کی توہین کے مترادف ہے۔

کرے جوہم سری اس سے کسے تاب
کہ نبیوں سے ہیں بڑھ کے اس کے اصحاب

[۹] جوگن کی جھولی بھر دے او رام نام والے

اس بت کو رام کر دے او رام نام والے (امجد حیدر آبادی)

حضور ﷺ کو خدا سمجھ لینا۔ ان سے دیگر انبیاء کے تقابل میں انبیاء کی توہین کا پہلو نکال دینا، نبی ﷺ کو اپنی اور بھائی کہہ کر ان کی بارگاہ قدس میں بے ادبی کا ارتکاب کرنا، ان کے لیے دل ربا، رنگیلے وغیرہ کا استعمال، خدا اور رسول کے فرق کو مٹا دینا، خدا کو جسم والا سمجھ کر منہ کا چوم لینا کہنا وغیرہ..... غلط روایات اور معجزہ کا بیان، مدینہ طیبہ کو یثرب کہنا..... تمام باتیں شرعاً ناروا ہیں۔ (۱۵۳)

اس اقتباس سے ظاہر ہوا کہ مقالہ نگار نعت کے شرعی حدود سے واقف بھی ہے اور ان حدود کو پامال کرنے والے شعراء کی گرفت کرنے میں عملی تنقید Practical Criticism کا سہارا لے کر اپنی رائے دینے پر بھی قادر ہے۔ علاوہ ازیں، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے کلاسیکی فی روایت کے ادراک کے ساتھ شعری جمالیات کی نقاب کشائی میں بھی تنقیدی بصیرت کا مظاہرہ کیا ہے۔ مثلاً

”کلام رضا بریلوی کا آہنگ:

اس ذیل میں آہنگ سے مراد، ترنم، نغمگی، لہجہ کا دھیمپن اور مٹھاس نیز لہجہ کی جھکار، بلند آہنگی وغیرہ سب کو شامل کر لیا گیا ہے۔ شاعری میں الفاظ کی اشاریت بنیادی تاثر یا شعری تجربہ کی ترسیل کا فرض انجام دیتی ہے اور تاثر کو گہرا کرتی ہے۔ شاعری میں لفظی صوتیت بھی شعری تجربہ کے آہنگ سے پھوٹی ہے لہذا اچھا شاعر، شعری تجربہ کے اظہار کے لیے انھیں الفاظ کو استعمال کرتا ہے جو صوتیاتی نقطہ نظر سے موزوں اور مناسب ہوں۔ موزوں الفاظ کے انتخاب، ان کی مناسب ترکیب و ترتیب کے علاوہ مضمون کی شکفتگی پر بھی حسن صوت کا انحصار ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ زمین کی شکفتگی بھی ضروری ہوتی ہے۔ حسن صوت کے عمل میں جمالیات و امیجری وغیرہ بھی معاون ہوتے ہیں۔ رضا کی یوں تو تقریباً سبھی نعتیں اپنے لب و لہجہ کے اعتبار سے صدا کا باکپن لیے ہوئے ہیں لیکن چند نعتیں ایسی بھی ہیں جو نغمگی، ترنم اور بلند آہنگی کا ایک سماں باندھ دیتی ہیں۔ رضا کی چار زبانوں کی مشہور نعت:

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا

جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
اپنی موسیقیت اور نغمگی میں لا جواب ہے جبکہ ۴ زبانوں پر یہ نعت مشتمل ہے وہ بھی اس طور پر کہ ہر
مصرعہ اول میں عربی و فارسی کے ٹکڑے ہیں اور مصرعہ دوم میں اردو ہندی کے۔ چند اشعار اور پیش
ہیں:

البحر علا والموج و طغا من بیکس و طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا
لک بدر فی الوجہ الاجمل خط ہالہء مہ زلف ابر اجل
تورے چندن چندر پروکنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا
انا فی عطش و سخاک اتم اے گیسوئے پاک اے ابر کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا
یا شمس نظرت الی لیلیٰ چو بہ طیبہ رسی عرض کبھی
توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی موری شب نے ندن ہونا جانا
الروح فداک فرد حرقا یک شعلہ دگر بر زن عشقا
مورا تن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا

مصوتوں یعنی پیدا، جانا، علا، ہوا، مری، موری، لیلیٰ، الی وغیرہ ہکارت اور ہائے مخلوط والے لفظوں کی
بھی کثرت ہے۔ علاوہ ان کے شد، سو ہے، ارض، فرد وغیرہ صغیری اور مسلسل آوازوں کی بہتات اور
ردیف و قافیہ کا صوتی اجتماع ہے۔ آوازوں کے جوڑے رم جھم، رم جھم، راج، تاج، وغیرہ اصوات
کے الگ الگ فردیوں نے ایک موسیقیت پر پا کر دی ہے۔ بندش کی چستی بھی ہے۔ جمالیات،
ایمجرى، معنی آفرینی ہر ایک نے مل کر اس نعت کو نغمگی اور موسیقیت میں ڈھال دیا ہے“ (۱۵۴)

اس پیرا گراف سے ڈاکٹر عبداللیم عزیزی کا انتقادی منہاج ”اسلوبیاتی“ Stylistics

تجزیہ کاری کا نمونہ لگتا ہے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اسلوبیات کا مفہوم سمجھ لیا جائے۔ گوپی
چند نارنگ لکھتے ہیں:

”اسلوبیاتی تجزیے میں ان لسانی امتیازات کو نشان زد کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے کسی فن پارے،
مصنف، شاعر، ہیئت، صنف، یا عہد کی شناخت ممکن ہو۔ یہ امتیازات کئی طرح کے ہو سکتے ہیں: [۱]
صوتیاتی (آوازوں کے نظام سے جو امتیازات قائم ہوتے ہیں)، ردیف و قوافی کی خصوصیات،

یا معکوسیت، ہکارت یا غنیت کے امتیازات یا مصمتوں اور مصوتوں کا تناسب وغیرہ)۔ [۲] لفظیاتی (خاص نوع کے الفاظ کا اضافی تواتر، اسماء، اسمائے صفت، افعال وغیرہ کا تواتر اور تناسب، تراکیب وغیرہ)۔ [۳] نحویاتی (کلمے کی اقسام میں سے کسی کا خصوصی استعمال، کلمے میں لفظوں کا دروست وغیرہ)۔ [۴] بدیہی Rhetorical بدیع و بیان کی امتیازی شکلیں، تشبیہ، استعارہ، کنایہ، تمثیل، علامت، امیجری وغیرہ۔ [۵] عروضی امتیازات (اوزان، بحروں، زحافات وغیرہ کا خصوصی استعمال اور امتیازات)۔ اسلوبیات کے ماہرین جو سائنسی طریق کار اور معروضیت پر زور دیتے ہیں، لسانی خصائص کے اضافی تواتر اور تناسب کو معلوم کرنے کے لیے کمیتی اعداد و شمار کو بنیاد بناتے ہیں۔ (۱۵۵)

گوپی چند نارنگ کی تصریحات کی روشنی میں دیکھا جائے تو ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے رضا بریلوی کے کلام کی خصوصیات ظاہر کرنے کے لیے جو بحث کی ہے وہ ”اسلوبیاتی تجزیے“ کے ذیل میں آتی ہے۔ اسلوبیات، فن پارے کی خوبیوں کی نشاندہی کا سائنٹیفک طریقہ ہے۔ نعتیہ شاعری کا تنقیدی ادب ابھی تشکیلی مراحل سے گزر رہا ہے، اس لیے مدح مصطفیٰ ﷺ کے ایسے فنی تجزیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہیے۔ اسی ذیل میں ”استعارہ“ والی بحث بھی ملاحظہ ہو:

”معنی کی وضاحت اور شدت کے حصول کے لیے استعارہ سے زیادہ اہم کوئی طریقہ نہیں۔ یہ محض ایک تزئینی شے نہیں بلکہ شعر کا جوہر ہے۔ استعارہ کو صفائی خیال کی کلید اور معانی کا گنجینہ طلسم کہا گیا ہے۔ امام احمد رضا کے کلام میں بہت ہی لطیف استعارے موجود ہیں جن میں تازہ کاری اور جدت بھی ہے۔ امام موصوف کے قصیدہء سلامیہ ہی میں استعاروں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہرِ یارِ ارمِ تاجدارِ حرم
نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
مہرِ چرخِ نبوت پہ روشنِ درود
گلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام
شبِ اسری کے دولہا پہ دائمِ درود
نوشہء بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام

نور عین لطافت پہ الطف درود
زیب و زین لطافت پہ لاکھوں سلام
سرو ناز قدم مغز زار حکم
یکہ تاز فضیلت پہ لاکھوں سلام
نقطہء سر وحدت پہ یکتا درود
مرکز دور کثرت پہ لاکھوں سلام
فتح باب نبوت پہ بیحد درود
ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام
سر غیب ہدایت پہ لاکھوں درود
عطر جیب نہایت پہ لاکھوں سلام (۱۵۶)

گو، سلام کے ان اشعار میں، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے استعاروں کی نشاندہی نہیں کی ہے لیکن یہ اشعار ادب کے ہر طالب علم کے لیے استعاروں کی شناخت کا اشاریہ ہیں۔

تنقید نگار کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ کسی فن پارے کے توسط سے ادبی تاریخ پر تقابلی نظر ڈالتے ہوئے فنکار کے مقام کا تعین کرے۔ اس لیے مقالے کے نویس اور آخری باب میں احمد رضا خاں بریلوی کا مقام متعین کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی رقم طراز ہیں:

”ایک بڑا تخلیقی ذہن اپنے عہد کے تنقیدی معیاروں کو بے حقیقت بنانے کا فن جانتا ہے۔ غیر شعوری طور پر ہی وہ کچھ ایسا کر جاتا ہے کہ تنقید اس کے فن سے آنکھ ملانے کی ہمت نہیں کر پاتی۔ اردو شاعری کے جملہ معتبر رویوں پر کھل کر بحثیں ہوئیں اور میر سے لیکر فراق تک سبھی کے قدناپے گئے مگر اردو غزل کے بہترین پارکھ نے بھی ہمت نہیں کی کہ امام احمد رضا خاں صاحب کی نعت کے منفرد رکھ رکھاؤ سے بحث کر سکتا۔ اردو کے بڑے شاعروں کا سارا بڑا پن شاعرانہ محرکاریوں کے گرد گھومتا ہے۔ ان سب کا جلوہ ایک جگہ اور پورے فکری و فنی التزام کے ساتھ اگر دیکھنا ہو تو فاضل بریلوی کی حدائق بخشش دیکھیں۔ یہاں میر کی درد مندی بھی ہے، غالب کا تفکر بھی، مومن کی شائستہ نظری بھی ہے، سودا کی خلاقی ذہن بھی، درد کی عارفانہ سادگی بھی ہے، ذوق کی زبان دانی بھی، اقبال کی فلسفیانہ گہرائی بھی ہے، حالی کی عاجزی و انکساری بھی، جگر کی والہانہ ربودگی بھی ہے، فانی کی فلسفیانہ نظری بھی، حسرت کی واقعیت بھی ہے اور اصغر کی معرفت پسندی بھی۔ کہنا یہ ہے کہ اردو شاعری کی دو سو سالہ تاریخ میں

جو طرز فکر کا اعتبار رو نما ہوا ہے اس کی اعلیٰ ترین عکاسی کا نمونہ حضرت فاضل بریلوی کی نعت نگاری ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ ایک رنگ کی تلاش میں ہزار رنگوں سے ہو کر نہیں گزرے۔ قدرت کا ان پر یہ احسان تھا کہ ان کی نگاہ حقیقت شناس اٹھی تو محبوب حق پر، رکی تو محبوب حق پر۔ ایک ہی رنگ میں آنکھ ایسی رنگی کہ جملہ مظاہر کائنات حسن نگاہ ہو کر رہ گئے۔ عشق رسول میں غرق ہو کر انہیں شاید خود اندازہ نہ ہو کہ وہ اردو کی اعلیٰ ترین شاعری کے کن کن مقامات کو چھو چھو گئے کہ وہ تو عشق سرکارِ دو عالم میں غلطان رہے۔ انہیں کیا پتہ کہ ان کے عشق میں وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ ان کا کہا ہوا نہیں لگتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی کہلوار ہا ہے اور وہ کہہ رہے ہیں۔ یہ بات اردو کے کسی شاعر کے یہاں ہے ہی نہیں اس لیے ان کی شاعرانہ انفرادیت کی کسی بھی بڑے سے بڑے ناقد شعر کے لیے تسلیم کرنا سرمایہٴ سعادت سے کم نہیں۔“ (۱۵۷)

زیر مطالعہ مقالہ صرف احمد رضا خاں بریلوی کی شاعرانہ عظمتوں کے تذکرے کے لیے وقف ہے اس لیے اس میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی تجزیاتی صلاحیت کا بھرپور مظاہرہ ہوا ہے۔ ان کا تنقیدی منہاج تاثراتی، تشریحی، تاریخی، جمالیاتی اور اسلوبیاتی تنقید Stylistic Criticism کا مرکب ہے۔ اپنے مدروح کا مقام اور اس کے کلام کی قدر متعین کرتے ہوئے ان کی رائے پر عقیدت کا پرتو بھی محسوس ہوتا ہے، تاہم تنقیدی منہاج کی اہمیت قائم رہتی ہے۔

x۔ مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری، ایک تحقیقی مطالعہ:

ڈاکٹر سراج احمد بستوی کا یہ مقالہ، کانپور یونیورسٹی (بھارت) میں پیش کیا گیا اور مقالہ نگار کو پی۔ ایچ۔ ڈی، کی سند عطا کی گئی۔

نعت کی ہیئت و مواد کے ضمن میں صاحب مقالہ لکھتے ہیں:

”نعت، مضامین و مواد کے اعتبار سے اصنافِ ادب میں سب سے مشکل صنف گردانی جاتی ہے مگر ہیئت و ساخت کے اعتبار سے اس کی وسعت آفاقی ہے وہ اصنافِ ادب کی ہر صنف میں کہی جاتی رہی ہے اور کہی جاتی رہے گی اور میں تو نعت کی اس آفاقیت کو حضور رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت و رافت اور ان کی نبوت و رسالت کی آفاقیت کا پرتو سمجھتا ہوں کہ جس طرح آپ کی رحمت و رافت اور نبوت و رسالت کائنات کے ذرے ذرے کے لیے ہے اسی طرح نعت نگاری کا دائرہ بھی جملہ اصنافِ ادب کے لیے ہے وہ کسی بھی صنف میں کہی جاسکتی ہے۔ ہیئت و ساخت کی

کوئی پابندی نہیں۔“ (۱۵۸)

احمد رضا بریلوی کی ”صنائع بدائع اور علم عروض سے ماہرانہ واقفیت“ ظاہر کرنے کے لیے مقالہ

نگار نے لکھا ہے:

”صنائع بدائع شاعری کا حسن اور زیور ہے جس سے کلام میں جان اور لطف پیدا ہوتا ہے اس کے بغیر شاعری جسدِ بے روح معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس کے استعمال میں بڑے ہی قرینے اور سلیقے کی ضرورت ہے اعتدال شرط اولین ہے۔ اس لیے کہ اگر شاعر اعتدال کو خیر باد کہہ کر صرف صنعتوں کی دنیا میں کھو کر شعر کی تخلیق کرے گا تو ایسی صورت میں یقیناً شاعری کی تخلیق، آمد کے بجائے آورد کی نذر ہو جائے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شاعر کی تخلیق میں بے کیفی اور کم مائیگی کی سی کیفیت پیدا ہو جائے گی جو شاعری کے معائب سے ہے۔“ (۱۵۹)

مقالہ نگار نے صنائع بدائع کے نمونے دکھانے کے لیے کلامِ رضا کے اشعار بھی دیئے ہیں اور مختلف صنعتوں کی تعریفات بھی دی ہیں، مثلاً صنعتِ تجنیس، صنعتِ اشتقاق، صنعتِ اقتباس، حسنِ تلمیح [تلمیح]، صنعتِ عکس مستوی، صنعتِ ترصیع، صنعتِ تضاد، صنعتِ تنسیق الصفات، مراعاة النظر، حسنِ تغلیل، صنعتِ ایہام، صنعتِ تلمیح، لف و نشر، لف و نشر مرتب، لف و نشر غیر مرتب، تشبیہ، استعارہ، کنایہ، مجاز مرسل وغیرہ وغیرہ۔ آخر الذکر صنعت کا احوال مقالہ نگار نے اس طرح لکھا ہے:

”مجاز مرسل: ایک لفظ کے معنی جب اصل لفظ کے خلاف لیں۔ اگر وہ معنی تشبیہ کے علاقہ سے لیے جائیں تو اسے استعارہ کہیں گے اور اگر کسی دوسرے تعلق سے اس کے معنی مراد لیے جائیں تو مجاز مرسل کہیں گے۔ مجاز مرسل کے قرینے اس کے تسمیات، استعارہ اور تشبیہ سے بالکل الگ تھلگ ہوتے ہیں۔ یہاں لفظ اپنے حقیقی معنی میں مطلقاً استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے معنی ہمیشہ مجازی ہوتے ہیں مگر ان معنی مجازی اور لفظ مستعملہ میں کوئی نہ کوئی قرینہ مراد ضرور ہوتا ہے۔ یعنی کبھی کل بول کر جز و مراد لیتے ہیں اور کبھی جز و بول کر کل۔ کبھی سبب بول کر مسبب اور کبھی مسبب بول کر سبب مراد لیتے ہیں۔ کبھی ظرف بول کر مظهر و ف اور کبھی مظهر و ف بول کر ظرف اسی طرح چند اور قرینے بھی ہیں لیکن شاعری میں عموماً مذکورہ بالا قرینے ہی استعمال ہوتے ہیں۔ بہر حال مجاز مرسل بھی تشبیہ، استعارہ اور کنایہ کی طرح سے آرائش کلام کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے بر محل استعمال سے کلام بلیغ ہو جاتا ہے۔“ [بحوالہ تحقیقی اور ادبی جائزہ، علامہ شمس بریلوی]۔ (۱۶۰)

اس عبارت کے بعد کلامِ رضا سے دو اشعار نقل کیے ہیں اور تفسیری اشارہ کیا ہے:

”فیض ہے یا شہ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا
یہاں ظرف بول کر مظروف یعنی دریا بول کر پانی مراد لیا ہے۔
بحر سائل کا ہوں سائل نہ کنوئیں کا پیا سا
خود بجھا جائے کایہ مرا چھینٹا تیر“ (۱۶۱)

ضمائر کے استعمال کے حوالے سے ڈاکٹر سراج احمد بستوی نے امیر مینائی اور رضا بریلوی کے کلام سے نمونے دے کر موازنہ کیا ہے:

”ضمائر کے استعمال میں اس بات کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے کہ کون سی ضمیر کس ذات کے لیے استعمال ہو رہی ہے۔ آیا اس کا تعلق عبد سے ہے یا معبود سے۔ نیز اسی کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہوتی ہے کہ کس ضمیر کا مرجع کیا ہے..... حضرت امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر دیکھئے۔
پاک تھی رنگ دورنگی سے وہ خلوت گہہ خاص
وہی شیشہ وہی میخوار تھا معراج کی رات

حضرت امیر مینائی کے اس شعر میں دو طرح کی خرابیاں جھلکتی ہیں اول یہ کہ اس میں شیشہ و میخوار جیسے سو قیانہ اور غیر مہذب الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے جو نعت کی نازک طبیعت کے مناسب نہیں۔ نیز ان الفاظ کا استعمال نہ تو ذات باری تعالیٰ کے لیے روا ہے اور نہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کے لیے۔ دوسری خرابی یہ کہ لفظ ”وہ“ کا مرجع و مشاۃ الیہ کون سی ذات ہے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ سرکارِ دو عالم کی ذات گرامی ہے یا اللہ جل شانہ کی۔ غرض مرجع اور مشاۃ الیہ کے مجہول ہونے کی وجہ سے شعر چیتاں ہو کر رہ گیا ہے“۔ (۱۶۲)

امیر مینائی کے شعر میں ضمائر کے غیر محتاط استعمال کا ذکر کرنے کے بعد مقالہ نگار نے رضا بریلوی کے ہاں ضمائر کے استعمال میں معنوی حسن ظاہر کرنے کے لیے کچھ اشعار دیئے ہیں:

”حضرت رضا بریلوی نے اپنی نعتوں میں کثرت کے ساتھ ضمائر کا استعمال کیا ہے مگر بڑے ہی حسن و خوبی اور سلیقہ سے کہ کہیں بھی اس کے مرجع کے تعین میں کسی طرح کی کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کے مفہوم کو اپنے پیرایہ میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

خدا تیرا خدا ہے تو خدا کا پاک بندہ ہے

خدا تو تو نہیں نور خدا ظل خدا تو ہے
تری تعریف میں جتنا بڑھیں سب تجھ کو شایاں ہے
فقط اک ناروا یہ ہے کہ یوں کہیے خدا تو ہے
مذکورہ شعر کو دیکھئے کس حسن و خوبی کے ساتھ ضماؤ کا استعمال کیا ہے مگر مرجع و معنی کے تعین و تفہیم میں کسی طرح کی کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی۔ چند اشعار اسی قبیل کے اور ملاحظہ ہوں۔

انہیں کی بو مایہ سمن ہے انہیں کا جلوہ چن چن ہے
انہیں سے گلشن مہک رہے ہیں انہیں کی رنگت گلاب میں ہے
وہی نور حق وہی ظل حق ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسمان کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں
وہی لامکاں کے مکین ہوئے سر عرش تخت نشین ہوئے
وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں
زمین و زماں تمہارے لیے مکین و مکاں تمہارے لیے
چنین و چناں تمہارے لیے بنے دو جہاں تمہارے لیے
تمہاری چمک تمہاری دمک تمہاری جھلک تمہاری مہک
زمین و فلک سماک و سمک میں سکھ نشان تمہارے لیے
وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

تمہیں حاکم برایا تمہیں قاسم عطایا
تمہیں دافع بلایا تمہیں شافع خطایا
کوئی تم سا کون آیا

..... مذکورہ اشعار میں ضماؤ کے استعمال کی کثرت اور گہما گہمی دیکھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ
حضرت رضا بریلوی نے ضماؤ کی زبان میں نعت نگاری کی ہے۔ جو ان کی انفرادیت کا بین ثبوت
ہے۔ (۱۶۳)

نعتیہ شاعری جس حزم و احتیاط کی متقاضی ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر سراج احمد بستیوی
نے رضا بریلوی کے اشعار لکھنے کے بعد ان پر تبصرہ کیا ہے۔ مولانا کے اشعار اور مقالہ نگار کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

”پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکنے سر کو روکنے ہاں یہی امتحان ہے
ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

مذکورہ بالا اشعار کو دیکھئے حضرت رضا بریلوی کا طائر فکر، ان کی خیال آوری، جدت و ندرت، عروج و ارتقا کی آخری منزل پر گامزن ہے مگر کس درجہ حزم و احتیاط کے ساتھ کہ شعر کو پڑھنے کے بعد عقل حیرت کے گرداب میں چکر کاٹنے لگتی ہے کہ وہ اس مقام پر کیسے ثابت قدم رہ گئے۔ چنانچہ وہ اس مقام پر حزم و احتیاط کی زمام کو چابک دستی اور مضبوطی سے پکڑے ارشاد فرماتے ہیں۔

اے شوقِ دل یہ سجدہ گراں کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجئے کہ سر کو خبر نہ ہو
حق یہ کہ ہیں عبدِ الہ اور عالمِ امکاں کے شاہ
برزخ ہیں وہ سرِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں“ (۱۶۴)

ڈاکٹر سراج احمد بستوی نے اپنے مقالے میں کچھ زیادہ تنقیدی آراء نہیں دی ہیں۔ ان کی رائے پر عقیدت کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ کچھ اشعار کی شرح بھی انہوں نے کی ہے جو تشریحی تنقید (Descriptive Criticism) کا نمونہ ہے۔ ایک شعر کی شرح مع حل لغات یہاں نقل کی جاتی ہے تاکہ مقالہ نگار کا انداز استدلال واضح ہو سکے:

”نعل شرف تاج سر، تاجِ شہاں خاکِ نعل“

یہ تنِ الطف ہے جاں جانِ جہاں ظلِ تن

حلِ لغات: نعل شرف۔ بزرگی کی حامل کفش۔ الطف۔ لطیف سے اسمِ مبالغہ۔ آپ کی نعلین مبارک کی بزرگی کا کیا بیان کروں کہ وہ سر کا تاج ہے۔ بلکہ نعلین کی خاک بادشاہوں کے سر کا تاج ہے۔ آپ کا یہ بہت ہی لطیف جسم عاشقوں اور آپ کے نام لیوا غلاموں کی جان ہے اور آپ کا سر اپنی تقدیس و رفعت کے اعتبار سے تمام جہان کی جان ہے۔ آپ کے جسم مبارک کا سایہ چونکہ جانِ جہاں ہے اسی لیے کسی کو نظر نہیں آتا کہ جان مرئی شے نہیں ہے۔“ (۱۶۵)

مقالہ نگار پر اعلیٰ حضرت کی عقیدت کا اثر اتنا ہے کہ اس نے ”شہنشاہ“ کے لفظ کی حدیث میں آنے والی ممانعت کو نظر انداز کرتے ہوئے وہی واقعہ ہر ادیا ہے جو ڈاکٹر عبدالنعیم عریزی نے لکھا تھا اور

جس کے حوالے سے ہم نے مفتی زرولی خان کا اعتراض بھی نقل کر دیا ہے۔ دیکھئے کس قدر فخر سے بستوی نے لکھا ہے:

”[حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو] محمد آصف صاحب کو لفظ شہنشاہ پر اعتراض تھا کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے استعمال کرنا مناسب نہیں۔ مولانا بریلوی کا موقف یہ تھا کہ یہ لفظ مناسب ہے چنانچہ انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں۔
حضرات علماء و صوفیاء کی نگارشات سے ۳۳ حوالے پیش کیے اور یہ ثابت کیا کہ ان حضرات نے شہنشاہ، ملک الملوک، سلطان السلاطین وغیرہ استعمال کیے ہیں۔“ (۱۶۶)

حدیث کی مخالفت میں اگر اعلیٰ حضرت نے کوئی استدلال دے بھی دیا تھا تو اسے ہمارے محققین کو اتنے فخر سے نقل نہیں کرنا چاہیے تھا کیونکہ جن بزرگوں نے ممنوعہ لفظ یا الفاظ استعمال کیے تھے حدیث کے واضح الفاظ کے سامنے ان بزرگوں کے کسی طرز عمل کا حوالہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ایسے استدلال سے مقالہ نگار کا موقف اس لیے کمزور ہو جاتا ہے کہ اس کا منہاج تنقید معروضی نہیں رہ پاتا۔

زیر مطالعہ مقالے میں بہت زیادہ تنقیدی مواد نہیں ہے۔ اس لیے صرف یہ بتا کر ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر سراج احمد بستوی کا منہاج نقد تاثراتی، تقابلی اور تشریحی تنقیدی دبستان کا مرکب لگتا ہے۔

☆ انتخابوں اور تحقیقی مقالوں میں شامل تنقید کے معیارات کا جائزہ:

اس باب میں ہم نے دس نعتیہ انتخابوں اور آٹھ تحقیقی مقالوں کا قدرے تفصیل سے مطالعہ کیا ہے۔ انتخاب ہائے نعت کے مقدموں میں عمومی تنقیدی آراء ملتی ہیں جن میں مختلف تنقیدی دبستانوں کے لونی عکس (Shades) نظر آتے ہیں، جن کا ذکر ہم نے پچھلے صفحات میں کر دیا ہے۔

اسی طرح تحقیقی مقالوں کا مطالعہ بھی ان میں درج تنقیدی آراء کے حوالے سے گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ تحقیقی مقالوں کا مقصد نعت گو شعراء کے کوائف، نعتیہ ادب کی تاریخ اور مختلف اصنافِ سخن کے خصائص کا عمومی جائزہ لینا تھا اسی لیے مقالہ نگاروں نے کلام سے زیادہ کلیم کے احوال پر زور دیا، یا کلام پر اچھتی ہوئی نظر ڈال دی۔ بہر حال محققین کی تنقیدی آراء میں تنقیدی بصیرت کا بھرپور اظہار ہوا ہے جس نے نعتیہ ادب میں خالص تنقید کے فروغ کی راہ ہموار کر دی ہے۔ ڈاکٹر زریں شوکت چغتائی اور ڈاکٹر افضل احمد انور کے مقالوں کے عنوانات ہی تنقیدی رجحان کی عکاسی کر رہے تھے اس لیے ان مقالوں میں نسبتاً زیادہ تنقیدی مواد ہے۔

زیر مطالعہ آنے والے مقالوں میں سے اکثر کا تنقیدی معیار بلند ہے۔ جس نے مستقبل کے نقاد کے لیے نعت کی تحسین (appreciation) کے ضمن میں سائنٹیفک مطالعے کی راہ ہموار کر دی ہے۔



باب پنجم:

ماخذ و منابع:

- ۱۔ خیر البشر ﷺ کے حضور میں، ص ۱۵
- ۲۔ ایضاً ص ۱۵
- ۳۔ ایضاً ص ۱۶
- ۳ [الف]۔ انتخاب نعت، عبدالغفور قرہ، ص ۲۰، ج دوم
- ۲۔ خیر البشر ﷺ کے حضور میں، ص ۱۶
- ۵۔ ایضاً ص ۲۰
- ۶۔ ایضاً ص ۲۳
- ۷۔ ایضاً ص ۲۶
- ۸۔ مجموعہ محمد حسن عسکری، ص ۳۱۱
- ۹۔ ازرمغان نعت، جس ۱۷
- ۱۰۔ ایضاً ص ۲۷
- ۱۱۔ ایضاً ص ۲۸
- ۱۳۔ بحر الفصاحت، حصہ ششم، علم بدیع، ص ۹۰
- ۱۴۔ ازرمغان نعت، جس ۲۸
- ۱۵۔ مخزن نعت، جس ۳
- ۱۶۔ ایضاً ص ۴
- ۱۷۔ ڈاکٹر سلیم اختر، تنقیدی دبستان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۳۰
- ۱۸۔ مخزن نعت، جس ۷
- ۱۹۔ ایضاً ص ۱۱
- ۲۰۔ ایضاً ص ۱۳
- ۲۱۔ دبستان لکھنؤ، جس ۵۵
- ۲۲۔ مخزن نعت، جس ۱۵
- ۲۳۔ ایضاً ص ۱۶
- ۲۴۔ مخزن نعت، جس ۱۶
- ۲۵۔ ایضاً ص ۱۷
- ۲۶۔ ایضاً ص ۳۹
- ۲۷۔ نعت کائنات، جس ۵۵
- ۲۸۔ ایضاً ص ۳۹
- ۲۹۔ تنقیدی دبستان، جس ۶۰
- ۳۰۔ مستند نعتیہ کلام، جس ۴۹
- ۳۱۔ پروفیسر ارشد علی خاں، جدید اصول تنقید، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۰ء، ص ۷۵
- ۳۲۔ مستند نعتیہ کلام، جس ۵۱
- ۳۳۔ غزل میں نعت کی جلوہ گری، نعت رنگ شمارہ ۹، جس ۱۳
- ۳۴۔ مستند نعتیہ کلام، جس ۵۱
- ۳۵۔ ایضاً ص ۵۸
- ۳۶۔ ایضاً ص ۵۹
- ۳۷۔ ایضاً ص ۶۰
- ۳۸۔ ایضاً ص ۶۰
- ۳۹۔ ایضاً ص ۶۱
- ۴۰۔ ایضاً ص ۶۱
- ۴۱۔ ایضاً ص ۶۱
- ۴۲۔ ایضاً ص ۶۲
- ۴۳۔ ایضاً ص ۶۲
- ۴۴۔ ایضاً ص ۶۲
- ۴۵۔ ایضاً ص ۶۳
- ۴۶۔ ایضاً ص ۶۶
- ۴۷۔ جمال اندر جمال، جس ۷
- ۴۸۔ ایضاً ص ۶
- ۴۹۔ مہکامہ کاف حرف، جس ۹
- ۵۰۔ اردو لغت، اردو لغت بورڈ، کراچی۔
- ۵۱۔ بحر الفصاحت، حصہ سوم، ص ۲۶۲
- ۵۲۔ ایضاً ص ۴۷۰
- ۵۳۔ انتخاب نعت، عبدالغفور قرہ، حصہ دوم، جس ۲۹
- ۵۴۔ تنقیدی دبستان، جس ۱۲۲
- ۵۵۔ شہر نعت، آصف بشیر چشتی، جس ۷
- ۵۶۔ ایضاً ص ۸
- ۵۷۔ ایوان نعت، جس ۱۱
- ۵۸۔ تنقیدی دبستان، جس ۴۱
- ۵۹۔ ایضاً ص ۴۱
- ۶۰۔ ایوان نعت، جس ۱۳
- ۶۱۔ لکھنؤ کا دبستان شاعری، جس ۵۴۵
- ۶۲۔ ایضاً ص ۵۵۰

۶۳۔ ایضاً ص ۵۵۵	۶۴۔ ایضاً ص ۵۷۱	۶۵۔ اردو کی نعتیہ شاعری، ص ۲۴۶۔ ایضاً ص
۶۶۔ ایضاً ص ۸۵	۶۸۔ ایضاً ص ۱۱۱	۶۹۔ ایضاً ص ۱۱۳
۷۰۔ اردو میں نعتیہ شاعری، ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق، ص ۱۷۶	۷۱۔ ایضاً ص ۱۷۳	
۷۲۔ ایضاً ص ۱۸۰	۷۳۔ ایضاً ص ۲۹۶	۷۴۔ اردو میں نعتیہ شاعری، ص ۲۹۶
۷۵۔ ایضاً ص ۲۴۶	۷۶۔ ایضاً ص ۲۴۷	۷۷۔ ایضاً ص ۲۴۸
۷۸۔ ایضاً ص ۲۸۸	۷۹۔ ایضاً ص ۳۷۷	۸۰۔ اردو میں نعت گوئی، ص ۳۷۷
۸۱۔ ایضاً ص ۳۳۳	۸۲۔ ایضاً ص ۳۳۳	۸۳۔ ایضاً ص ۳۳۳
۸۵۔ ایضاً ص ۴۷۲	۸۶۔ ایضاً ص ۴۷۲	۸۸۔ ایضاً ص ۴۷۲
۸۹۔ ایضاً ص ۴۷۸	۹۰۔ ایضاً ص ۴۷۱	۹۱۔ اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر، ص ۳۵۴
۹۲۔ ایضاً ص ۴۲۱	۹۳۔ ایضاً ص ۴۲۱	۹۴۔ ایضاً ص ۴۳۹
۹۶۔ ایضاً ص ۴۲۲	۹۷۔ ایضاً ص ۴۲۳	۹۸۔ ایضاً ص ۵۳۶
۱۰۰۔ ایضاً ص ۲۲۹	۱۰۱۔ ایضاً ص ۲۲۹	۱۰۲۔ ایضاً ص ۲۲۹
۱۰۴۔ ایضاً ص ۲۳۱	۱۰۵۔ ایضاً ص ۲۳۱	۱۰۶۔ ایضاً ص ۲۳۲
۱۰۸۔ ایضاً ص ۲۳۵	۱۰۹۔ ایضاً ص ۲۳۶	۱۱۰۔ ایضاً ص ۲۳۸
۱۱۱۔ اردو نعت کے جدید رجحانات، ص ۱۱	۱۱۲۔ ایضاً ص ۲۱۱	۱۱۳۔ ایضاً ص ۲۲۲
۱۱۵۔ ایضاً ص ۲۳۳	۱۱۶۔ ایضاً ص ۲۳۳	۱۱۸۔ ایضاً ص ۲۷۹
۱۱۹۔ ایضاً ص ۴۲۲	۱۲۰۔ ایضاً ص ۵۸	۱۲۱۔ ایضاً ص ۵۹
۱۲۳۔ ایضاً ص ۶۶	۱۲۴۔ ایضاً ص ۷۶	۱۲۵۔ ایضاً ص ۸۴
۱۲۷۔ ایضاً ص ۱۰۷	۱۲۸۔ ایضاً ص ۱۰۷	۱۲۹۔ ایضاً ص ۱۲۴
۱۳۱۔ ایضاً ص ۱۳۲	۱۳۲۔ ایضاً ص ۱۳۲	۱۳۳۔ ایضاً ص ۱۴۰
۱۳۵۔ اردو نعت کا ہمیشہ مطالعہ، ص ۲۲۸	۱۳۶۔ ایضاً ص ۳۵۳	
۱۳۷۔ ایضاً ص ۴۰۴	۱۳۸۔ ایضاً ص ۳۵	۱۳۹۔ ایضاً ص ۴۵
۱۴۱۔ ایضاً ص ۴۶	۱۴۲۔ ایضاً ص ۴۹	۱۴۳۔ لکھنؤ کا دبستان شاعری، ص ۱۱
۱۴۴۔ اردو نعت کا ہمیشہ مطالعہ، ص ۴۸	۱۴۵۔ اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ص ۸	
۱۴۶۔ ایضاً ص ۳۲۴	۱۴۷۔ ایضاً ص ۳۲۴	
۱۴۹۔ اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ص ۲۹۳	۱۵۰۔ الاحسن، کراچی، ص ۸	۱۵۱۔ ایضاً ص ۹
۱۵۲۔ اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ص ۱۶۰	۱۵۳۔ ایضاً ص ۱۶۳	۱۵۴۔ ایضاً ص ۲۷۱
۱۵۵۔ ادبی تنقید اور اسلوبیات، گوپتی چند نارنگ، ص ۱۷	۱۵۶۔ اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ص ۵۳۹	
۱۵۷۔ ایضاً ص ۶۶۴		

۱۵۸۔ مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری، ایک تحقیقی مطالعہ، ڈاکٹر سراج احمد بستی، کانپور یونیورسٹی، بھارت، ۱۹۹۷ء، ۱۶۵

۱۵۹۔ ایضاً ص ۲۳۹ ۱۶۰۔ ایضاً ص ۲۴۷ ۱۶۱۔ ایضاً ص ۲۴۸ ۱۶۲۔ ایضاً ص ۱۸۰

۱۶۳۔ ایضاً ص ۱۸۳ ۱۶۴۔ ایضاً ص ۱۸۶ ۱۶۵۔ ایضاً ص ۱۹۱ ۱۶۶۔ ایضاً ص ۱۹۶

☆☆☆

≈

باب ششم:

نعت رنگ اور دیگر کتابی سلسلوں، مجلوں اور رسائل میں شائع ہونے والے تنقیدی مضامین کا جائزہ

اردو ادب میں نعتیہ گلدستوں کی اشاعت کے بہت سے مظاہر سامنے آئے لیکن قیام پاکستان کے بعد بھی ایک مدت تک ماہناموں، سہ ماہی یا شش ماہی ادبی رسالوں میں نعتیہ شعری سرمائے کو جاگر کرنے کے واضح نقوش قائم نہیں ہو سکے۔ تاہم انفرادی کوششوں سے بعض مخصوص رسائل میں نعتیہ ادب کی جھلکیاں سامنے آتی رہیں۔ رسائل نے بیشتر رسول ﷺ نمبر شائع کیے جن میں نعتیہ شاعری تو ہوتی تھی لیکن نعتیہ شاعری پر تنقیدی مضامین نہیں ہوتے تھے۔ ہمارے پیش نظر کچھ رسائل ہیں مثلاً

i۔ ”خاتونِ پاکستان“ (جلد ۱۴۔ شمارہ ۱):

”خاتونِ پاکستان“ کے مدیر شفیق بریلوی تھے۔ ادارہ مسرت جہاں اور طلعت شہناز پر مشتمل تھا۔ یہ رسول ﷺ نمبر ربیع الاول ۱۳۸۲ھ مطابق اگست ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا تھا۔ اس رسالے میں نعتیہ شاعری کے وافر نمونے موجود ہیں لیکن تمام مضامین سیرت اور تعلیمات رسول ﷺ کے مختلف پہلوؤں سے متعلق ہیں۔ نعتیہ شاعری کے حوالے سے اس رسالے میں کوئی مضمون نہیں ہے۔

ii۔ ”ماہ نو“ سیرت رسول ﷺ، مدیر: ظفر قریشی:

”ماہ نو“ کا شمارہ بابت جولائی، اگست ۱۹۶۳ء، سیرت رسول ﷺ نمبر کے طور شائع ہوا تھا۔ اس شمارے میں افسر صدیقی امر و ہوی کا ایک مضمون ”اردوئے قدیم اور نعت گوئی“ (صفحات ۱۱۰-۱۱۶، ۱۶۳) شائع کیا گیا تھا۔ لیکن یہ مضمون تحقیقی نوعیت کا ہے اس لیے اسے تنقیدی مضمون نہیں کہہ سکتے۔ البتہ نعتیہ ادب کے علمی ابعاد کے پھیلاؤ کے ذکر میں اس مضمون کی گونج ضرور سنائی دیتی رہے گی۔

iii۔ ماہنامہ بصیر، کراچی، رسول پاک نمبر، مدیر اعلیٰ ظفر حمید دہلوی، ستمبر ۱۹۷۲ء:

اس رسول پاک نمبر میں بھی سیرت پاک یا تاریخ اسلام کے حوالے سے مضامین ہیں، نعتیہ

شاعری پر کوئی مضمون نہیں ہے۔

۱۔ نعتیہ شاعری کے ضمن میں ادبی تنقید کے ظہور کا جائزہ:

الف۔ سیارہ ڈائجسٹ کا رسول ﷺ نمبر (جلد ۲۰۔ شمارہ ۵ نومبر ۱۹۷۳ء):

سیارہ ڈائجسٹ کے مدیر اعلیٰ سید قاسم محمود تھے۔ رسول ﷺ کی دو جلدیں شائع کی گئی تھیں۔ دوسری جلد میں اردو نعت کے حوالے سے دو مضامین شامل کیے گئے تھے:

(اول) نعت گوئی اور اس کا فن، شمیم احمد..... (دوم) اردوئے قدیم اور نعت گوئی، افرصدیقی امر و ہوی
ان مضامین میں دوسرا مضمون وہی ہے جو ”ماہ نو“ میں شائع ہو چکا تھا۔ تنقیدی اشارے اس
میں بھی موجود ہیں۔ لیکن ہمارے موضوع سے مختلف ہونے کے باعث ہم اس پر گفتگو نہیں کریں گے۔
شمیم احمد کا مضمون ”نعت گوئی اور اس کا فن“، تنقیدی نوعیت کا مضمون ہے۔ اس مضمون کو ہم نعت کے
موضوع سے متعلق ”فکری اشتعالک“ (Thought provoking) کا حامل کہہ سکتے ہیں۔ اس میں کسی
شاعر کے کلام کا تقابلی جائزہ، تجزیہ یا امتیازی نقوش کی نشاندہی اور تعینِ قدر (Comparison,
discrimination and evaluation, analysis, ہے۔ تاہم موضوع کی اہمیت اور نعتیہ شاعری کے محرکات پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہمارے مطالعے کی حد
تک محمد حسن عسکری کے مضمون ”محسن کا کوروی“ (۱) کے بعد شمیم احمد کا یہ مضمون، نعتیہ ادب کی تنقیدی جہت
میں ایک اہم مضمون ہے۔ شمیم احمد نے اپنے اس مضمون میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے چند اہم نکات
اٹھائے ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

”شاعری کا موضوع انسان اور آدمی کے وہ تجربات اور جذباتی واردات ہیں، جن سے وہ بحیثیت
ایک آدمی کے دوچار ہوتا ہے اور اس میں عمومیت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے مذہبی شاعری ایک مخصوص
گروہ، نسل یا قوم تک محدود ہو سکتی ہے۔ جب کہ شاعر انسانی جذبات اور اس کے تجربات کی تعیم کا
خواہاں ہوتا ہے۔ وہ اپنے عقیدے اور خلوص کا اظہار کھل کر کرتا ہے، مگر اسے اپنی شاعری کا موضوع
نہیں بنانا چاہتا، جس سے تخصیص پیدا ہوتی ہے۔ تعیم کے اس پہلو میں ایک بات یہ پیش نظر رکھی
جائے تو زیادہ مناسب ہے کہ شاعری کی انسانی قدر کی وسعت اور جہت کی عمومیت کے باوجود کسی
شاعر کی شاعری میں جو تہذیبی روح جلوہ گر ہوتی ہے، اس کا تعلق اس کے اپنے عقیدے، مذہبی شعور،
دینی اقدار اور اس کے نظام فکر کے آثار سے اتنا گہرا ہوتا ہے کہ اس کے بغیر آپ شاعر کی انفرادیت کا
تعین ہی نہیں کر سکتے۔ اسی لیے میر عیسائی روح ادب سے مختلف نظر آئے گا اور دانٹے، رومی سے

الگ تشخص قائم کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ شاعری کا موضوع عام انسانی تجربات ہوتے ہیں۔ دوسری بات جو پہلی بات سے زیادہ اہم ہے، وہ یہ ہے کہ مادرائے کائنات کسی حقیقت کو شاعری کا موضوع بنانا ممکن ہی نہیں ہے۔ شاعری جس تجربے کا اظہار اور بیان ہے، اس میں اس کا شخصی تجربہ ہی اس کے اس جوہر کو اظہار میں لاتا ہے۔ نفس انسانی کا کوئی تجربہ ہو، یا کسی مادی حقیقت کا اظہار، شاعر نے جب تک اس سے شخصی سطح پر کوئی تعلق نہ قائم کیا ہو، وہ اس کو اپنا تجربہ نہیں کہہ سکتا۔ یکسر غیر مادی تصور کا اظہار وہ کس شکل اور کس رنگ میں کرے گا، جب اس کی کوئی متعین جہت اور آثار اس کے تجربے ہی میں نہیں آئے ہیں؟

یہی وہ مجبوری ہے کہ جب تک شاعر اس کو کوئی مجاز کا لباس نہ دے دے، اس سے یہ کام چلتا ہی نہیں۔ چنانچہ جو کچھ نعتیہ اور روحانی شاعری ہمیں میسر ہے وہ ساری کی ساری مجاز کے پردے میں ہے..... اردو کے جدید تر شاعروں کی نعتیہ شاعری کوئی رسمی چیز نہیں۔ روایتی شاعری سے تو انھیں ویسے ہی چڑ ہے۔ یہ ان کے سنجیدہ ترین ابلاغ، پُر خلوص جذبات سے دہکتی ہوئی شاعری کا ایسا اسلوب ہے، جو غالباً حالی کے دور تک کو پھلانگ کر پھر اپنی اس اکائی، اس وحدت فکر کی تلاش میں ہے جس کو اس نے ۱۸۵۷ء کے بعد کھودیا تھا۔ (۲)

اس مضمون میں موضوع سے متعلق چند اہم باتیں ہوئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ نعتیہ شاعری کے دو انداز ہیں:

☆ بیانہ شاعری: جس میں حضورؐ کی ذات و صفات کی قرآنی تلمیحات اور تصوف کی اصطلاحات میں مدح کی گئی ہو اور قصائد کے اسلوب میں حضورؐ کے روحانی مراتب و مدارج کا اظہار کیا جائے۔

☆ عقیدت کا پر خلوص اظہار: حضورؐ کی ذات سے اپنی والہانہ شیفگی کی بنیاد پر ایسے پر خلوص انداز میں عقیدت کا اظہار جس میں شاعر کے جذبات بھی اسی سرمستی کا اظہار بن جائیں جیسا اس کا خلوص ہے۔ (۳)

شیم احمد نے سماجی نفسیات کی روشنی میں بتایا ہے کہ جب پاکستان بننے کے بعد اس کے نصب العین کو پس پشت ڈال دیا گیا تو شعراء نعت کہنے کی طرف مائل ہوئے۔ کیوں کہ ان میں اپنے مرکز کی طرف لوٹ آنے کا جذبہ ہمیشہ موجود رہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”شاید جب ہمارے اجتماعی قومی مزاج میں کوئی ایسی تبدیلی ہونے لگتی ہے، جس سے اس اکائی یا وحدت پر کوئی ضرب پڑنے لگتی ہے، جس سے ہمارا اسم قائم ہے، ہمارا وجود اپنی انفرادیت قائم رکھتا ہے، تو اس باغی اور لامرکزی ذہن کا توڑ از خود ہونے لگتا ہے۔ پچھلے چند سالوں سے اپنی اکائی سے

الگ ہونے اور ٹوٹنے کا جو عمل ملک میں ہمارے بنیادی نظام فکر پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا، اور جس نے بڑی حد تک کامیابی بھی حاصل کر لی تھی، اسے روکنے کا، اس سے مدافعت کرنے کا وہ جوہر جو ہماری قومی زندگی کا وصف ہے، پھر بروئے کار آ رہا ہے۔ آج پاکستان کے نئے لکھنے والوں کی صف سے بغیر کسی تحریک کے جو پر قوت ذہن اس عمل کے سامنے سد سکندری بنے کھڑے ہیں، وہ سب نعت کو اپنے اظہار کا وسیلہ بنا رہے ہیں۔“ (۴)

نعتیہ شاعری پر شمیم احمد کا یہ تبصرہ، اس شاعری کی تفہیم اور اس کے محرکات جاننے کے لیے ایک اہم اور فکر انگیز تحریر ہے۔ شعری ادب کی تنقید میں شاعری کا عمومی ادراک (Perception) بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ شمیم احمد نے مذہبی شاعری کی روح تک رسائی حاصل کرنے کی سعی کی ہے۔ نعتیہ ادب میں ایسی علمی بحثیں بہت کم ہوئی ہیں، اس لیے اس تحریر کو تنقیدی نقطہ نظر سے ایک فکری جست کی مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔

ب۔ صریح خامہ کا ”قصیدہ نمبر“:

شعبۂ اردو، جامعہ سندھ، سے ۶۸-۱۹۶۷ء میں شائع ہونے والا ”صریر خامہ“، نعتیہ ادب میں تنقیدی شعور کی آبیاری میں اولیت کا حامل مجلہ ہے۔ یہ قصیدہ نمبر، نعتیہ شاعری کے قصیدہ طور لکھے ہوئے نمونوں پر تنقیدی بحث کا دروازہ کھولنے کا وسیلہ بنا۔ اس مجلے میں نعتیہ قصائد پر تین مضامین لکھے گئے ہیں:

(اول) امیر مینائی کے قصائد میں نعتیہ رنگ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

(دوم) محسن کا کوروی کے قصائد میں نعتیہ رنگ، آنسہ سردار اختر بانو

(سوم) محسن کے قصیدے کا فنی جائزہ۔ محمد عبدالمقیت شاہ علی

(اول) امیر مینائی کے قصائد میں نعتیہ رنگ:

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا یہ مضمون، تحقیقی نوعیت کا ہے۔ اس میں امیر مینائی کے قصائد کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ بقول مضمون نگار، امیر مینائی کے شعری اندوختے میں نعتیہ قصائد صرف ”تین ہیں“۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے تنقیدی اشارات کی ایک جھلک درج ذیل اقتباس میں دیکھی جاسکتی ہے:

”(امیر مینائی نے) ہر جگہ ممدوح کے اوصاف کی رعایت سے تمہید اختیار کی ہے..... حضور اکرم ﷺ کی جلوہ فرمائی کا جہاں تذکرہ ہے، وہاں بہاریہ تمہید ہے اور اتنی لطیف ہے کہ اس کی نظیر شاذ

ہے۔ اصل مدح میں امیر مینائی نے ظاہری اوصاف کا ذکر زیادہ کیا ہے۔ ان کی نعتیہ غزلوں میں بھی یہی خصوصیت ہے۔ لیکن عقیدت جب عشق کی منزل تک پہنچ جاتی ہے، تو محبوب یا ممدوح کے بلند کردار کی بجائے اس کی ظاہری ادائیں زیادہ دل فریب معلوم ہونے لگتی ہیں اور وہ محض فردوس نظر بن جاتا ہے اور اس وجہ سے کہنے والا اپنے محبوب کی ہستی کو ہر جگہ کا فرما سمجھنے لگتا ہے اور حقیقت کے علاوہ عقیدت بھی چراغ راہ بن جاتی ہے۔ پھر وہ ممدوح جس کی وجہ سے ہنگامہء ہست و بود قائم ہوا ہو، اور جو سب کا ہوا اور سب اس کے ہوں تو پھر شاعر کیا کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن امیر مینائی ایک باکمال شاعر بھی تھے، وہ غزل کے استاد سہمی لیکن قصیدے میں بھی وہ اردو کے بہترین شعراء میں شمار ہوں گے۔ ان کی علمی استعداد پر شکوہ الفاظ پر شاندار تمہیدیں، دلفریب گریز اور مناسب دعائیہ سب کا سب استادانہ ہے اور گوکہ نعتیہ قصیدے کم لکھے ہیں، لیکن غزلیں زیادہ ہیں اور ان کی نعت بہت سے شاعروں پر بھاری ہے۔“ (۵)

اس اقتباس سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا تنقیدی منہاج ظاہر ہوتا ہے۔ انہوں نے قصیدے کے فنی دروست کو پیش نظر رکھ کر امیر مینائی کے قصائد کی تحسین کرتے ہوئے انہیں اردو قصیدہ گوئی کی تاریخ میں بہترین قصیدہ گو شعراء میں شمار کیا ہے۔ ساتھ ہی ان کی نعتیہ شاعری کی اس روش کو بھی اجاگر کیا ہے جس کے باعث امیر مینائی کی نظر حضور اکرم ﷺ کے ہمالی صوری پر زیادہ رہی۔ حقیقت میں عقیدت کی آمیزش سے جو شعر عقیدت و جود میں آتا ہے اس کی توجیہ بھی پیش کی اور نعتیہ شاعری کی اس روش پر ہلکا سا طنز بھی کر دیا۔ اس طرح ان کی تنقید میں تقابل، تجزیہ، امتیاز اور تعین قدر کے عناصر بھی شامل ہو گئے ہیں اور ان کی طرف سے شعراء کو حقیقت گریز مبالغے سے بچنے کا پیغام بھی مل گیا ہے جو ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے اس تنقیدی رجحان کا غماز ہے جو تشریحی تنقید یا Legislative Criticism کا طرہ امتیاز ہے۔

(دوم) محسن کا کوروی کے قصائد میں نعتیہ رنگ:

اس مضمون میں مضمون نگار آئندہ سردار اختر بانو نے محسن کا کوروی کے نعتیہ قصائد کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ قصیدہ گوئی میں محسن کی ندرت پسندی اور پر شکوہ الفاظ سے گریز کی روش کی مضمون نگار نے تعریف کی ہے اور محسن کی مثنویوں میں قصیدے کے رنگوں کی آمیزش کی بھی تحسین کی ہے۔ ہمارے مقالے میں چوں کہ محسن کا کوروی کا ذکر جا بجا آچکا ہے اس لیے یہاں ہم مضمون کے اسی مختصر تعارف پر اکتفا کرتے ہیں۔ (۶)

(سوم) محسن کے قصیدے کا فنی جائزہ:

محمد عبدالمقیت شاکر علیہی کا مضمون ”محسن کے قصیدے کا فنی جائزہ“، قصیدے کے فنی دروبست کے حوالے سے معلوماتی ہے اور عربی نقادان ادب مثلاً ابن رشیق قیروانی (المتوفی ۴۵۶ھ)، ابو ہلال عسکری (المتوفی ۳۹۵ھ)، یحییٰ بن علی یمنی، شمس الدین محمد قیس رازی، علامہ قلقشندی اور قدامہ بن جعفر وغیرہم کے تنقیدی نظریات کی روشنی میں لکھا گیا ہے۔ اس مضمون میں قصیدے کے معروف چار اجزا کا ذکر ہے یعنی [i] تشبیب [ii] گریز [iii] مدح، اور [iv] دعائیہ۔ اس مضمون کا آخری پیرا گراف مضمون نگار کی تنقیدی بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”مہر توحید کی ضوا و ج شرف کامرہ نو
شیخ ایجاد کی لو بزم رسالت کا کنول
مرجع روح امیں زیب دہ عرش بریں
حای دین متیں ناخ ادیان و ملل

حقیقت یہ ہے کہ محسن کا کوروی علیہ الرحمۃ کا یہ نعتیہ قصیدہ اردو قصائد میں اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ خصوصاً اس قصیدے کی تشبیب کو سودا اور ذوق جیسے باکمال شعراء بھی نہیں پہنچے۔ انہوں نے اپنی تمام فنکارانہ صلاحیتوں کو اس قصیدے میں صرف کیا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و خلوص کی انتہا کر دی جس کی وجہ سے اس قصیدہ کا مقام اتنا بلند ہو گیا۔ مجموعی طور پر مضامین کی بلندی، الفاظ کی شان و شوکت، بندش کی چستی، تشبیہات و استعارات کی رنگینی اور تلمیحات کا عنصر اس قدر چاہا ہوا ہے کہ ان کے معاصر شعراء عاجز ہیں، اور یہی سب چیزیں ان کے باکمال شاعر ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔“ (۷)

صریر خامہ کا قصیدہ نمبر بنیادی طور پر توفیق قصیدہ نگاری اور اس صنف کے مختلف ابعاد پر گفتگو کے لیے وقف ہوا تھا، تاہم نعتیہ قصائد کے ذکر نے اسے اردو کے نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے میں محسوب کرنے کے قابل بھی بنادیا ہے۔

ج ”صریر خامہ“ کا نعت نمبر:

”صریر خامہ“، شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی، کا مجلہ ۸۷ء میں شائع ہوا تھا۔ اس مجلے کے نگران اعلیٰ، شیخ الجامعہ شیخ ایاز اور مرتب حمایت علی شاعر ہیں۔ جامعات کی سطح پر نکلنے والے مجلوں کی تاریخ

میں ”صریر خامہ“ کا یہ نعت نمبر، اس جہت میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مجلے میں شامل حمایت علی شاعر کے مضمون، ”اردو میں نعتیہ شاعری کے سات سو سال“ سے نعتیہ ادب میں تنقیدی شعور کی ضروری نمایاں ہے۔ اس مضمون میں بڑے اختصار مگر جامعیت کے ساتھ موضوع کی نزاکتوں کی طرف دھیان دلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تنقید نعت کے خدو خال بھی اس مضمون کے مافیہ سے بھلک رہے ہیں۔ اس مضمون کے چیدہ چیدہ نکات درج ذیل ہیں:

☆ شاعری حسن تخیل کا ایسا طلسم ہے جو تنقیدی شعور کو بھی کچھ دیر کے لیے مہبوت کر دیتی ہے۔

☆ یہ [شاعری] حواس کی بیداری کے باوجود روح میں در آتی ہے۔

☆ دینی مکاتب فکر ذیلی تضادات میں اُلجھے ہوئے ہیں اس لیے نعت گو شعراء بھی ارتقا اور عمق کی تلاش میں عقیدے کے بنیادی مثلث (Triangle) [خدا، قرآن اور رسول ﷺ] کی حدود عبور کر جاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”ہر عمارت ایک بنیاد پر اٹھائی جاتی ہے اس لیے بنیاد سے ہٹ کر جو بھی تعمیر ہوگی وہ دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کر دے گی۔ بنیاد روح کو یقین عطا کرتی ہے اور یقین ایمان کا حرف اول ہے۔ میرے پیش نظر یہ حدیث بھی ہے کہ: ”من کذب علی متعمداً فلیتبعوا مقعده من النار“ (جس نے میرے متعلق قصداً جھوٹ بات کہی تو وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنا لے) (۹)

اس کے علاوہ انہوں نے عبدیت کے مفاہم پر بھی گفتگو کی ہے جس کے حدود نعتیہ شاعری میں اکثر قائم نہیں رہتے۔ حمایت علی شاعر کے نزدیک یہ افضل ترین مقام صرف حضور اکرم ﷺ کو حاصل ہے کہ ”خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے۔ حمایت علی شاعر نے بڑے فکری نکتے اٹھائے ہیں۔ ایک اہم نکتہ اس طرح معرض تحریر میں آیا ہے:

”وہ علم اول جو حضرت آدمؑ کی معرفت خدا نے انسان اور صرف انسان کو عطا کیا ہے غور کیا جائے تو ”اُمّی تا اقراء“ اسی علم اول کے استعارے کی بازگشت ہے اور آنحضرتؐ کا سیدہ اقدس (جس میں قرآن اتارا گیا) اسی علم کا شہر ہے جو دونوں عالم کے لیے رحمت بنا کر ہمارے درمیان آباد کیا گیا تاکہ ہمارے دل و دماغ پر آگہی کے دروازے کھول دیئے جائیں اور ہم عہد بہ عہد اپنی مجتہدانہ فکر اور مجتہدانہ عمل سے (جسے میں سائنسی علوم سے تعبیر کرتا ہوں) بشریت کے اس مقام تک پہنچنے کی کوشش کریں جو ”عبدیت“ کا منہا ہے۔ آنحضرتؐ کے فکر و عمل سے یہ نکتہ ہم اسی وقت اخذ کر سکتے ہیں جب ہمیں ان کی شخصیت کی عظمت کا معنوی ادراک حاصل ہو۔ ہمارے بیشتر نعت گو شعراء میں اسی

ادراک کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ جو کچھ کہا گیا ہے..... اپنی تمام تر محبت اور عقیدت کے باوجود عموماً رسی اور سٹچی سا ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ خود غرضاً نہ اور جامد فردیت یعنی نفسی نفسی کا شکار ہے تو شاید غلط نہ ہو۔“ (۱۰)

مضمون نگار نے اردو نعتیہ ادب کے سات سو سالہ مطالعے کے بعد جو اہم نکات اٹھائے ان سے خلوص، فکری سنجیدگی اور دردمندانہ تشویش کا اظہار ہوتا ہے۔ نعتیہ شاعری اور اس کی تنقید میں فکری عمق پیدا کرنے کے لیے، حمایت علی شاعر کے اٹھائے ہوئے نکات پر غور و فکر کرنے سے بہتر نتائج نکل سکتے ہیں۔ حمایت علی شاعر نے صرف نکتہ اعتراض ہی نہیں اٹھایا بلکہ نعتیہ شاعری کا آدرش بھی پیش کر دیا۔ انہیں اقبال کے ہاں فکری ارتقاء اور عمق کے آثار دکھائی دیئے تو انہوں نے اپنے قاری کی توجہ اس طرف مبذول کرواتے ہوئے لکھا:

”ہمارے عہد کی خوش نصیبی ہے کہ اقبال جیسا شاعر ہمیں نصیب ہوا جس نے مذہبی عقائد پر بھی ہمیں سائنسی انداز میں سوچنے کا حوصلہ دیا اور ایسی نعتیہ فکر عطا کی جو شخصیت کے معنوی ادراک کا دروازہ کرتی ہے اور ہمارے شعور پر رسول اکرم کی عظمت کے نئے افق روشن کرتی ہے:

لوح بھی تو قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب

گنبد آگینہ رنگ، تیرے محیط میں حباب (۱۱)

حمایت علی شاعر کے مضمون کی تنقیدی اہمیت مسلم ہے۔ انہوں نے نعتیہ شعری سرمائے کا بھرپور جائزہ لیا ہے اور اس موضوع کو رطب و یابس سے پاک کرنے کے لیے تنقیدی اشارے کیے ہیں۔ پھر اپنے شعری آدرش کا نمونہ پیش کر کے عام شعراء کو اس فکری بلندی کو چھونے کی دعوت دی ہے۔ صریحاً خاتمہ کے نعت نمبر میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا مضمون ”شہیدی کی نعت“، ڈاکٹر سید خنی احمد ہاشمی کا مضمون ”محسن کا کوروی کی نعت گوئی“، ڈاکٹر شاہ محمد نعیم ندوی کا مضمون ”امیر بینائی کی نعت گوئی“، ڈاکٹر نجم الاسلام کا مضمون ”اردو نعت کے مطالعے“، اظہر قادری کا مضمون ”ہندو شعراء بارگاہ رسول میں“ اور فہمیدہ شیخ کا مضمون ”قدیم اردو نعت گوئی“، محققانہ مضامین ہیں۔ گوان میں تنقیدی بصیرت کے شواہد ملتے ہیں تاہم ان مضامین میں زیر بحث آنے والے بیشتر نکات اور بیشتر مطالعات، ہمارے مقالے میں کہیں نہ کہیں جگہ پا چکے ہیں اس لیے تکرار سے بچنے کے لیے ان مضامین کی صرف نشاندہی کر دینا ہی کافی ہوگا۔

۲۔ شاعری کو جدید شعری رجحانات کی روشنی میں پرکھنے کے میلانات کا جائزہ:

د۔ ماہنامہ سیارہ، عبدالعزیز خالد نمبر:

رسائل میں نعتیہ تنقیدی مضامین کا پہلا قابل ذکر نقش ہمیں ”ماہنامہ سیارہ“ کے عبدالعزیز خالد نمبر میں نظر آتا ہے جو مئی ۱۹۶۹ء میں منصہء شہود پر آیا۔ (۱۲)۔ اس رسالے میں عبدالعزیز خالد کی عام شاعری پر بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن زیادہ توجہ ان کی نعتیہ شاعری پر دی گئی ہے۔ تقریباً ہر مضمون نگار نے نعت کا موضوع چھیڑا ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ نعتیہ شاعری پر درج ذیل مضامین ہیں:

(اول) عاشق رسول ﷺ، خالد، عفت موہانی (صفحہ ۳۱۶)

(دوم) خالد کی نعتیہ شاعری، پروفیسر آل محمد عبدالرؤف فاطمی (صفحہ ۵۶۱)

(سوم) خالد اور نعتِ سرور کوئین، حسن ثنیٰ ندوی (صفحہ ۵۶۶)

(چہارم) خالد کی نعت گوئی، سیدہ حنا (صفحہ ۵۷۹)

(پنجم) خالد اور نعتِ سرور کوئین، حضور احمد سلیم (صفحہ ۵۹۰)

ان مضامین کے علاوہ دو مضامین ایک علاحدہ عنوان ”پیما نہ بردارِ خمتانِ حجاز“ کے تحت لکھے گئے ہیں جن کے موضوعات میں نعتیہ شاعری کا عنصر شامل ہے:

(ششم) خالد کا اسلامی ادب، پروفیسر اسرار احمد سہاروی (صفحہ ۵۹۹) اور

(ہفتم) کلام خالد میں اسلام کی عکاسی، پروفیسر ہارون الرشید (صفحہ ۶۰۷)

درج بالا سات مضامین میں عبدالعزیز خالد کی نعتیہ شاعری کا تنقیدی جائزہ لیا گیا

ہے۔ ان مضامین کا مختصر مختصر تعارف درج ذیل ہے:

(اول) عاشق رسول ﷺ، خالد، عفت موہانی:

عفت موہانی نے خالد کو ”عظیم و رفیع الشان شاعر“ قرار دیا ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ دنیا کے بہترین فنکاروں نے خالد کو متاثر بھی کیا ہے اور ان کا مبلغ علم بھی کچھ کم نہیں ہے۔ خالد کے نعتیہ قصیدے ”فارقلیط“ کو وہ ایک عظیم کارنامہ قرار دیتی ہیں۔ وہ لکھتی ہیں:

”یہ (فارقلیط) خالد کے بلیغ فکر و فن کا ایسا ارفع مرقع ہے کہ بلا خوفِ تردید کہا جاسکتا ہے، اس سے قبل ایسی جامع و مانع نہ کوئی کتاب تھی اور نہ اس کے بعد مستقبلِ قریب و بعید میں مرتب کرنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ ایک ایسا حرفِ آخر جس کے بعد خود شاعر نے اپنا عجوبہ، روزگارِ قلم توڑ دیا ہوتا اگر معاً بعد ”مخمننا“ لکھنا نہ ہوتی۔“ (۱۳)

آگے چل کر انہوں نے بتایا ہے کہ خالد اسلام کی بقا، اسلام کی محبت اور پیغمبر اسلام کے عشق

ہی کو شعری لباس پہناتے ہیں۔ وہ لکھتی ہیں:

”عشقِ رسولؐ میں وہ (خالد) رومی و حافظ، غالب و اقبال سے بھی بہت آگے بڑھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ جن کا زندہ جاوید ثبوت فارقلیطؑ اور مثنیٰ ہے۔ ان دونوں کتابوں میں الفاظ کا ایک بحر ذخار ہے جو موجیں مار رہا ہے۔ نہ صرف اردو کے الفاظ، بلکہ دنیا کی تمام زبانوں کے شیریں اور دلنشین الفاظ جو ان کے آگے پیچھے موتیوں کی طرح بکھرے پڑے تھے۔ ایک لٹری میں پرو دیئے..... یہ بھی ایک خاص وصف ہے کہ ہر شعر مترنم اور موسیقی آفریں ہے۔ مثلاً

میں فرشِ زمیں ہوں تو سقفِ سما ہے
میں سانسوں کا مہماں تو موجِ ہوا ہے
سراپا ستودہ سراپا محمدؐ
کسے اس کی توصیف کا حوصلہ ہے
شمار کرنے چلیں ان کی خوبیوں کا اگر
تو ساتھ چھوڑ دیں تھک تھک کے نیلِ سیکھ پدم“ (۱۴)

(دوم) خالد کی نعتیہ شاعری، پروفیسر آل محمد عبدالرؤف فاطمی:

پروفیسر آل محمد عبدالرؤف فاطمی نے بھی اپنے مضمون ”خالد کی نعتیہ شاعری“ میں شاعر کی کثیر السانیت کا ذکر کیا ہے جو عبدالعزیز خالد کا ایسا اختصاص ہے جس میں ان کا کوئی دوسرا شاعر شریک نہیں ہے۔ نعتیہ شاعری کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

”نعت میں عام طور پر سرورِ کائنات کا سراپا، اور آپؐ کے فضائل کا بیان ہوتا ہے یا پھر معجزات و خوارق کے بیان پر زور دیتے ہیں۔ خالد کے ہاں ان تمام باتوں کے علاوہ ایک خاص خوبی یہ ہے کہ واقعات و شواہد کا بھی بکثرت ذکر آگیا ہے۔ اور اقبال کی طرح مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور انھیں اس بات کی نصیحت بھی کی گئی ہے کہ دنیاوی سر بلندی اور آخروی نجات کا واحد ذریعہ فخرِ موجودات کی پیروی ہے۔“

کوئی عبدِ عزّلی، کوئی عبدِ حارث
جسے دیکھیے بندہٴ ما سوا ہے
اور دیکھیے کہ اس کے بعد کس طرح نصیحت کرتے ہیں۔

نگہبان ہوں علم کے ہونٹ تیرے
کہ علم اوج و اقبال کا راستہ ہے
تو لنگڑے کی لاٹھی بن اندھے کی آنکھیں
کہ فیض و کرم شانِ اہل وفا ہے
اور ملاحظہ کیجیے کہ دوسروں کی درپوزہ گری سے کس خوبصورتی کے ساتھ باز رکھنا چاہیے ہیں۔
ملی کس سے خوش حالی و تندرستی
تو اپنی حقیقت کو کیوں بھولتا ہے،“ (۱۵)

(سوم) خالد اور نعتِ سرور کو نین، حسن ثنیٰ ندوی:

حسن ثنیٰ ندوی، اپنے مضمون ”خالد اور نعتِ سرور کو نین“ میں عربی، فارسی اور اردو میں نعت گوئی کا تذکرہ کرتے ہوئے قصیدہ گوئی کا احوال سناتے ہیں۔ وہ محسن کا کوروی کے قصیدہ لامیہ کا ذکر کر کے خالد کے قصیدہ میمہ کی تحسین کا پہلو اس طرح نکالتے ہیں:

”خالد کے قصیدہ میمہ کی نوعیت بھی اس لحاظ سے بالکل جدا ہے کہ یہ بلا تشبیب، بغیر تذکرہ محبت، بغیر منظر کشی اور بغیر تمہید، براہِ راست مدح و ثنائے خواجہ سے شروع ہوا ہے اور مدح و ثنائے خواجہ بھی وہ جو فکر و نظر کی گہرائی سے ابھری ہے۔

مطاعِ آدم و انجم، متاعِ لوح و قلم
محمد امی و محبوبِ کبریا صلعم

اسے غالب کی زبان سے یوں سنئے۔

مطاعِ آدم و عالم، محمدِ عربی
وکیلِ مطلق و دستورِ حضرتِ باری

عبدالعزیز خالد نے ”مطاعِ آدم و انجم“ اور پھر ”محبوبِ کبریا“ کہہ کر مفہوم کو نئے رخ سے آگے بڑھایا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مخفف ”صلعم“ غالباً اس سے پہلے کہیں اس طرح کسی شعر میں مستعمل نہیں ہوا۔ یہ مطلع ہے قصیدے کا۔ اس کو پڑھتے ہیں تو سعدی کے یہ شعر بھی یاد آ جاتے ہیں۔

کریم السجایا جمیل الشیم
نبی البرایا، شفیع الامم

شفیع مطاع، نبی کریم
قسیم، جسیم نسیم و سیم

خالد کے ذہن میں پہلی وحی..... اقرا باسم ربک الذی خلق..... جلوہ گر ہے۔ ان کی فکر ہمہ تن گوش ہے۔ اور نوائے سروش سن رہی ہے۔ اقرا و ربک الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان ما لم یعلم (پڑھو تمہارا رب انتہائی کرم فرما ہے جس نے قلم کے ذریعے علم عطا کیا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو اسے معلوم نہ تھا) یقیناً ”متاع لوح و قلم“ تو اللہ کا رسول ہی ہے بلکہ وہی ساری کائنات ہے۔

وہ عبدہ و رسولہ وہ اسمہ احمد
کتاب و حکم و نبوت کا خاتم و خاتم

عبدہ و رسولہ کی یہ صفت ایسی نہیں کہ آدمی سرسری گزر جائے۔ نہ صرف اتنا کافی ہے کہ عبدہ کے معنی معلوم ہوں، اس لفظ کو صرف لغت کی مدد سے نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس کے لیے فکر و نظر کی راہنمائی ضروری ہے۔ یہ صفت بڑی بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ اقبال جیسے صاحبِ نظر نے اس کو یوں سمجھا ہے۔

عبد دیگر عبدہ چیزے دگر
ما سراپا انتظار او منتظر
کس ز سر عبدہ آگاہ نیست
عبدہ جز سر الا اللہ نیست

خالد کو اس کی خبر تھی انہوں نے یہیں سے اس کی ابتدا کی اور اس کے بعد کہا:

حمود و حامد و احمد محمد و محمود
کریم و میر کرام و مکرم و اکرم
عطائے حق کا جو قاسم ہے وہ ابوالقاسم
ملک مقسط و معطی و مقتدر کی قسم“ (۱۶)

(چہارم) خالد کی نعت گوئی:

سیدہ حنا نے اپنے مضمون بعنوان ”خالد کی نعت گوئی“ میں خالد کی انفرادیت اجاگر کرتے

ہوئے لکھا:

”نعت کے میدان میں گو خالد اپنے پیش رو اردو شعراء سے آگے نہیں بڑھ سکے تاہم اس میں بھی انہوں نے کچھ قابل قدر اضافے کیے ہیں۔ قدیم صحیفے کھنگال کر انہوں نے شیخ نبوت کے پروانوں کو آقائے دو جہاں کے ایک نئے لقب سے آشنا کیا ہے یہاں میری مراد ”مُحَمَّنا“ سے ہے۔ گو اس کے تلفظ اور ماخذ کے تعین میں لوگوں کو خاصی دشواری پیش آئی تاہم مجھے امید ہے کہ مستقبل قریب میں حضور سرور کائنات کا یہ لقب بھی فارقلیط کی طرح معلوم و معروف ہو جائے گا۔ اسی طرح اب تک نثر کی کتابوں میں تو اس امر پر روشنی ڈالی گئی تھی کہ زمانہ ماقبل کے تمام پیغمبر اور اتار حضور کے مژدہ گویاں تھے، لیکن نظم میں معاملہ: ”دعائے خلیل اور نوید مسیحا“ سے آگے نہیں بڑھا تھا۔ خالد نے اس میں زرتشت، کرشن، کنفیوشس، ارسطو اور گوتم بدھ کے ناموں کا اضافہ کیا ہے:

مبشر اس کے تھے زرتشت و کرشن و کنفیوشس
نقیب پیش رس اس کے ارسطو و گوتم!

اور

مرادِ موسیٰ عمران و عیسیٰ مریم

اس طرح نعت گوئی کی تاریخ میں لفظ ”صلعم“ کا استعمال بھی خالد کا اضافہ ہے۔“ (۱۷)

(پنجم) خالد اور نعت سرور کوئین:

حضور احمد سلیم کا یہ مضمون، عبدالعزیز خالد کی نعتیہ شاعری کے پس منظر میں تلمیحات کے سلسلے اور تاریخی واقعات کے احوال کو دیکھنے اور دکھانے کی کوشش ہے۔ خالد کے کلام کی قراءت، کے لیے جس وسعت مطالعہ کی شرط ہے وہ خالد کے قارئین میں مشکل سے ایک دو فیصد ہی پوری کر سکتے ہوں گے! یہی وجہ ہے کہ حضور احمد سلیم نے بہت سی تلمیحاتی گرہیں کھولنے کی کوشش کرنے کے باوجود یہ لکھ دیا:

”فارقلیط مخلصانہ جذبات و احساسات ہی کا مرقع نہیں بلکہ سیرت نبوی کا ایک دلاؤ پر عکس بھی ہے جس میں تاریخی واقعات کی کڑیاں بھی ہیں اور گر انقدر تلمیحات کا ذخیرہ بھی۔ بعض واقعات اور تلمیحات کی وضاحت ”الواح“ کے عنوان کے تحت کر دی گئی ہے اور وہ بھی اس طرح کہ تشنگی باقی نہیں رہتی۔ مثلاً ایک جگہ ”لونا“ کے کردار کی وضاحت کے لیے چودھری افضل کی کتاب ’جواہرات‘ سے پورا افسانہ نقل کر دیا گیا ہے جس کی ضخامت ۳۹ صفحات ہے۔ فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں کے

حوالے انہی زبانوں میں درج ہیں جس سے محض اردو دان قاری کو مدد نہیں ملتی۔ تاہم بیشتر حصہ خود قاری کے وسعت مطالعہ کا مرہون منت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب سے خاطر خواہ مستفید ہونے کے لیے، نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ ادبیات قرآن کریم، احادیث، قرون اولیٰ کی شخصیتوں کے نسب نامے، شجرے نام بنام اور علم الاضنام سے وابستگی ضروری ہے، مطالعہ کتاب کی ان شرائط نے اسے خاصا، خواص پسند، بنادیا ہے۔ کیوں کہ اشعار میں جابجا نہ صرف عربی مرکبات بلکہ پورے پورے مصرعے عربی میں نظم کیے گئے ہیں۔ ان اشعار کو ملاحظہ کیجیے:

علی نفس محزون و قلب کثیب
سدا فیض فیاض نازل ہوا ہے
مکون الجبال کثیباً مہیلاً
تو مٹی کے پتلے کا مذکور کیا ہے
کرے غش اذا الصنف نشرت پر
بدن سنگ و آہن کا دل موم کا ہے
کہیں اعلم الناس بالشعر جس کو
وہ خوش نخل شیریں، بر حنتمہ ہے

اس نوع کی تراکیب ملیں گی۔ تاریخی واقعات کا ذکر جس طور ملتا ہے اسے ایک واضح بیان کا درجہ بمشکل ہی دیا جاسکتا ہے۔ (۱۷-الف)

(ششم) خالد کا اسلامی ادب:

پروفیسر اسرار احمد سہاروی نے اپنے مضمون ”خالد کا اسلامی ادب“ میں عبدالعزیز خالد کی نعتیہ شاعری میں عربی، فارسی، ہندی اور دیگر زبانوں کے بر محل استعمال کی نشاندہی کر کے اس روش کو سراہا ہے۔ قرآن وحدیث کے مفہیم اور بعض بعض جگہ آیات قرآنی واحادیث نبوی کے اصل متن کو اشعار میں سمونے کی تحسین کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”خالد صاحب کا کلام اسلامی طرز فکر، اسلامی طرز زندگی، اسلامی معتقدات کو مسلسل شعر کے حسین قالب میں ڈھال رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کے کلام میں ہر جگہ قرآن وحدیث کے جامع کلمات نگیںوں کی طرح جڑے ہوئے نظر آتے ہیں جو اپنی مافوق الفطرت آب و تاب سے شاعر کے کلام

میں جگمگ پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ الہی اور انسانی کلمات کا امتزاج عجیب روح پرور کیفیات پیدا کر دیتا ہے۔ (۱۸)

اس کے بعد مضمون نگار نے خالد کے طویل نعتیہ قصیدے ”فارقلیط“ کے بہت سے اشعار نقل کیے ہیں، جن کا یہاں نقل کرنا غیر مناسب تطویل کا باعث ہوگا، کیوں کہ ہم خالد کے اشعار پہلے بھی کئی جگہ پیش کر چکے ہیں۔

(ہفتم) کلام خالد میں اسلام کی عکاسی:

خالد کا کلام بالخصوص نعتیہ کلام اسلامی طرز حیات کی عکاسی کرتا ہے۔ پروفیسر ہارون الرشید، خالد کو نعت گوئی کا نیا طرز ایجاد کرنے والا شاعر قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”خالد کو پیغمبر اسلام سے والہانہ محبت و عقیدت ہے جس کا اظہار انہوں نے دو نہایت طویل نظموں ”فارقلیط“ اور ”مخمننا“ میں کیا ہے۔ لیکن ان کی نعت گوئی کا انداز بالکل جدا ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ انہوں نے نعت گوئی کا ایک نیا طرز ایجاد کیا ہے۔ وہ صرف مدح و توصیف پیغمبر تک اپنی نعتوں کو محدود نہیں رکھتے بلکہ تاریخ، سیرت، اسلامی اقدار و عقائد اور تعلیمات کو بھی اس میں شامل کر لیتے ہیں۔ اس طرح ان کے یہاں نعت گوئی کا مفہوم نہایت وسیع ہو گیا ہے۔“ (۱۹)

درج بالا مثالوں سے نعتیہ شاعری کی تنقیدی اساس کی نشاندہی تو ہو ہی جاتی ہے۔ لہذا ’نعتیہ شاعری کے ضمن میں ادبی تنقید کے ظہور کا جائزہ‘ کے زیر عنوان، صرف اتنی مثالیں ہی دے دینا کافی ہے۔

۲۔ شاعری کو جدید شعری رجحانات کی روشنی میں پرکھنے کے میلان کا جائزہ:

☆ ماہنامہ شام و سحر کے نعت نمبر: جنوری۔ فروری ۱۹۸۱ء..... جنوری۔ فروری ۱۹۸۲ء:

ماہنامہ شام و سحر، کے چھ نعت نمبر شائع ہوئے۔ جنوری۔ فروری ۱۹۸۱ء میں اس کا پہلا شمارہ آیا۔ جنوری۔ فروری ۱۹۸۲ء میں شائع ہونے والے شمارے میں تحسین فراقی نے ایک مضمون لکھا:

☆ ”جدید اردو نعت گوئی، ایک جائزہ“:

اس مضمون میں مضمون نگار نے جدید نعت کے مابہ امتیاز خدو خال اجاگر کیے ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے:

i۔ جدید نعت میں حضوری سرپا نگاری اور معجزہ نگاری کا رجحان تقریباً ختم ہو گیا ہے۔

ii۔ اس میں حضور ﷺ کی سیرت نگاری بڑی بلیغ صورت میں سامنے آ رہی ہے۔

iii۔ عہدِ حاضر کا روحانی و تہذیبی کرب، نعت میں شہر آشوب کی طرح جھلکنے لگا ہے۔ جدید نعت، فرد سے لے کر ملتِ اسلامیہ کے اجتماعی مسائل سے پیدا ہونے والے گہرے کرب اور درد سے مرتب ہوئی ہے۔

iv۔ جدید نعت، شاعری کی جدید اصناف میں بھی لکھی جا رہی ہے۔

v۔ جدید نعت میں عہد و معبود کے فرق و امتیاز کا شعور بھی جھلکتا ہے۔ (۲۰)

تخصیصِ فراقی حالی کو ”جدید نعت“ کا بنیاد گزار سمجھتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے:

”اردو میں جدید نعت گوئی کا اولین سنگ بنیاد حالی نے ”مدو جزا اسلام“ کی شکل میں رکھا اور یوں پہلی بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انقلاب انگیز شخصیت شعری روپ میں ہمارے سامنے آئی۔ حضورؐ کی سیرتِ طیبہ اس طرح سامنے لائی گئی کہ اس سے والہانہ محبت کرنے کو جی چاہا..... اس کو اپنالینے اور اس میں ڈوب جانے کی آرزو جاگی۔ حالی کی نعت کا گداز نہ صرف یہ کہ اس کے اپنے داخلی مزاج کا نتیجہ تھا، بلکہ اس میں ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے گہرے کرب اور تہذیبی انحطاط کی گونج بھی صاف سنائی دیتی ہے۔“ (۲۱)

”شام و سحر“ کے نعت نمبر ۴، میں حامد یزدانی نے ”آزاد نعتیہ نظمیں، ایک تذکرہ، ایک جائزہ“

کے زیر عنوان لکھتے ہوئے، عارف عبدالمبین کی تحریر سے درج ذیل ایک اقتباس دیا ہے:

”آزاد نظموں میں نئی شاعری کے اسی ابدار عنصر کا بالخصوص خیال رکھا گیا، جو ایمائیت سے عبارت ہے اور جو مافی الضمیر کے اظہار کے لیے علامت و رموز کو بروئے کار لانے کا قائل ہے۔ اس علامتی طرزِ ابلاغ نے جدید نعت کو ایک ایسی تہہ داری سے ہم کنار کیا ہے، جس نے اسے نہ صرف مزید عمق فراہم کیا، بلکہ ایک انفرادی آن بان بھی ارزانی کی ہے۔“ (۲۲)

آزاد نظموں کے ضمن میں لکھتے ہوئے حامد یزدانی نے آثم مرزا کا ذکر کیا ہے۔ ان کی تحریر میں

جدید شعری رجحانات کا فہم اور جدید تنقیدی اسلوب کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”آثم مرزا، مقبول افسانہ نگار اور شاعر ہیں۔ آزاد نعتیہ نظموں میں ان کا انداز اور اسلوب قابلِ توجہ ہے۔ جہاں وہ ان نظموں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مثالی سیرت و کردار کی عظمت بیان کرتے ہیں، وہاں آج کی مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمان قوم کی حالتِ زار کا تذکرہ بھی بڑے درد مندانہ لہجے میں کرتے ہیں۔ ان کے کلام کی سلاست اور روانی ان کی نظموں کا طرہ امتیاز ہے۔ ان کی ایک نعت کے کچھ حصے ملاحظہ ہوں:

وہ سردار کونین، خیر البشر ہیں
 ازل جن کی تابع، ابد جن کی خادم
 طلوع سحر کی جبین پر درخشاں ہوا ان کا نام
 شفق ان کے چہرے کا پرتو
 دھنک کے ہراک رنگ میں ہے انہی کا تبسم
 وہ کشمیر ہو یا کہ بیت المقدس
 ہو قبرص کہ افغان یا ایتھوپیا ہو
 انہی کی جلائی ہوئی مشعلوں کی ضیا پاشیوں سے
 ہے مظلوم چہروں پہ عزم و صداقت کی سرخی
 ہراک دور میں ان کی عظمت نمایاں
 ہراک دور کے پاسباں بھی وہی ہیں
 ہراک دور کے درد کے ہیں وہ درماں
 کرم کی نظر میرے آقا!
 کہ پھر آج ناؤ ہماری
 بھنور میں گھری ہے..... (۲۳)

انور جاوید کی نعتیہ نظم کو ان الفاظ میں سراہتے ہیں:

”انور جاوید..... کی نعتیہ نظم ”نقشِ بے مثال“ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے
 اس عظیم انقلاب کا تذکرہ کیا گیا ہے، جس نے غلاموں کو شہنشاہانِ زمانہ کے برابر بلکہ ان سے بھی
 افضل و برتر بنا دیا۔ آپ کا درس مساوات و اخوت بنی نوع انسان پر ایسا احسانِ عظیم ہے کہ جس کی
 مثال تاریخِ عالم میں تلاش کرنا ناممکن ہے۔ آئیے ”نقشِ بے مثال“ پڑھیں:

تیری ہستی ماورائے فہمِ انساں
 تو خدائے لم یزل کا ایک نقشِ بے مثال
 صنعتِ رب دو عالم کا نمایاں شاہکار
 دے کے پیغامِ مساوات و اخوت
 دہر میں انسانیت کا بول بالا کر دیا

ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا

زیدؑ و سلمانؑ و بلالؑ ایسے غلاموں، بے نواؤں

کو شہنشاہوں کا ہمسر کر دیا

اس طرح انسانیت کو کر دیا عالی وقار

اس کو بخشا ایک حسن اعتبار

ابنِ آدمؑ پر ہے یہ احسان

اک احسانِ عظیم!“..... (۲۴)

اسی طرح محمد نواز کی نعت پر اظہار خیال کرتے ہیں:

”محمد نواز کی نعت کا وہ حصہ بہت اثر انگیز اور جامع ہے اور سلاست و برجستگی سے بھرپور ہے، جس میں

انہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی چشمِ کرم کو دنیا کی ہر ہمدردی اور مدد پر ترجیح دی ہے:

مگر آسمان وز میں کے خمیر و

زمانے کی سچی عدالت کے سچے وکیلو

رکو! میں تمہاری کسی بھی اعانت کا طالب نہیں ہوں

مرے درد و غم کی، مری ٹھوکروں کی، مری بے بسی کی

شرہ دو جہاں کو خیر ہو گئی ہے

کہ میرے نبیؐ کی مقدس نظر میں

عقیدت کے معصوم آنسو بڑی بے بہا چیز ہیں“..... (۲۵)

نعتیہ شاعری کے حوالے سے ادبی رسائل میں تنقیدی مضامین کی اشاعت اور اس شاعری کو

جدید شعری منظر نامے کی روشنی میں جانچنے اور پرکھنے کا عمل، قابلِ لحاظ مقدار میں، پہلے پہل صرف ”شام و

سحر“ کے مذکورہ چھ نمبروں میں نظر آتا ہے۔ ان نمبروں میں نعتیہ ادب کی اجتماعی تخلیقی فضا کا احوال بھی رقم

ہوا ہے، اصنافِ سخن کے ضمن میں بھی گفتگو کی گئی ہے، اور انفرادی شعری کاوشوں پر بھی شعراء کی تحسین روا

رکھی گئی ہے۔ اس تحسین میں تنقیدی بصیرت بھی کام میں لائی گئی ہے۔ اجتماعی فضا میں نعت گوئی کی تاریخ

بھی بیان ہوئی ہے، جس میں نعتیہ شاعری کے خدو خال بھی اجاگر کیے گئے ہیں۔ لیکن ان مضامین میں

تنقیدی عمل کم اور تاریخ نویسی کا رجحان زیادہ ہے۔ چنانچہ ہماری کوشش یہ ہوگی کہ ہم اپنے موقف کی

وضاحت کے لیے ان مضامین سے کچھ اقتباسات پیش کر دیں جن میں تنقیدی بصیرت مترشح ہو۔ ظاہر ہے

اس میں ان تمام مضامین کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ البتہ نمائندہ تحریروں کا ذکر ہو جائے گا۔

مزید برآں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جن قلم کاروں کی تحریریں کسی نہ کسی حوالے سے اس مقالے میں زیر بحث آچکی ہیں یا کسی اور باب میں ان کا ذکر کیا جاسکتا ہے، ان کی تحریروں کا ہم رسائل کے ضمن میں ذکر نہیں کریں گے۔ مثلاً وہ تمام قلم کار جن کی کتابوں پر ہم کسی باب میں تذکرہ کر چکے ہیں یا کریں گے، ان کی اگر کسی مجلے، کتابی سلسلے یا رسالے میں کوئی تحریر ہوگی تو اس کا ذکر یہاں نہیں کیا جائے گا، تاکہ وہ قلم کار بھی نمایاں ہو سکیں جن کی تنقیدی کتابیں منصہء شہود پر نہیں آسکی ہیں۔ علاوہ ازیں ہم صرف ان تحریروں کا احاطہ کریں گے جو اردو نعت کے حوالے سے لکھی گئی ہیں۔ عربی، فارسی یا پاکستان کی علاقائی زبانوں کے نعتیہ ادب سے متعلق تمام تحریروں بھی ہمیں بحالتِ مجبوری نظر انداز کرنا ہوں گی۔

مذکورہ اصول کے تحت ہمیں شام و سحر کے نمبروں میں جن مضامین کا ذکر کرنا ہے وہ درج ذیل

اہل قلم کے ہیں:

☆ علیم ناصری..... ☆ ڈاکٹر انور سدید..... ☆ جعفر بلوچ..... ☆ پروفیسر سید مشتاق احمد۔

☆ نعتیہ شہر آشوب، علیم ناصری:

علیم ناصری نے نعتیہ شہر آشوب کے حوالے سے جو مضمون قلم بند کیا وہ ماہنامہ شام و سحر، لاہور، کے نعت نمبر ۳، میں صفحات ۹۱ تا ۱۰۸ کی زینت بنا۔

اس مضمون میں علیم ناصری نے نعتیہ شاعری کی ابتداء اور اس کے موضوعات پر لکھتے ہوئے

عربی نعت میں اظہار کی شعری صورت پانے والے موضوعات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ جب اسلام کی کرنیں عجم میں پھیلیں تو نعتیہ شاعری میں ایک موضوع کا اضافہ ہوا جو ”آشوبِ ذات یا آشوبِ دہر پر شاعروں کی مرثیہ گوئی“ کی شکل میں سامنے آیا۔ وہ لکھتے ہیں:

”عرب کے بعد عجمی ممالک میں جب نور اسلام جلوہ گر ہوا تو اس موضوع میں کچھ مقامی رنگ کی بھی آمیزش ہوتی گئی۔ خصوصاً فارسی نعت گوئی، جو طلوع اسلام سے کم و بیش تین صدیاں بعد وجود میں آئی اس میں ایک اور موضوع کا اضافہ ہوا، اور وہ تھا ”آشوبِ ذات یا آشوبِ دہر پر شاعروں کی مرثیہ گوئی“ (۲۶)

اپنے مضمون میں علیم ناصری نے فارسی شعراء کے لکھے ہوئے شہر آشوب کے حوالے دیئے

ہیں۔ اردو کے شعراء میں نعتیہ شہر آشوب لکھنے والے پہلے شاعر حالی ہیں۔ جن کی آواز ”عرض حال بہ جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰات واکمل التحیات“ کی صورت میں اردو نعت کی دنیا میں گونجی تھی۔ علیم ناصری نے حالی کو پہلا نعتیہ شہر آشوب لکھنے والا شاعر قرار دیا ہے اور ان کے مذکورہ عرض حال، کے مافیہ کو زیر بحث لائے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”اے خاصہ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے

امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے

پردیس میں وہ آج غریب الغریاء ہے

اس میں وہ مسلمانانِ ہند کی زبانوں حالی کا رونا روتے ہیں۔ ایک ایک خرابی کا ذکر کرتے ہیں۔ ملت کی

اخلاقی کمزوریوں اور معاشی اور معاشرتی پستی کی نشاندہی کرتے ہیں:

چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں

پیاروں میں محبت ہے، نہ یاروں میں وفا ہے

دولت ہے نہ عزت، نہ فضیلت نہ ہنر ہے

اک دین ہے باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے

اور پھر آخر میں یہ گزارش کرتے ہیں:

فریاد ہے اے کشتیِ امت کے نگہباں

بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی

ہاں ایک دعا تیری کہ مقبولِ خدا ہے

حالی جانتے ہیں کہ بگڑی کو سنوارنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس لیے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

آلہ وسلم کے سامنے عرض کرتے ہیں تو یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، کیوں کہ آپ کی دعا مقبول

ہے۔“ (۲۷)

درج بالا اقتباس میں جو فکری نکتہ سامنے آیا وہ یہ ہے کہ حالی نے حضور ﷺ سے براہِ راست

حالات کے بدل دینے کی درخواست نہیں کی بلکہ رب تعالیٰ سے دعا کرنے کی التماس کی۔ علیم ناصری نے

یہ نکتہ اجاگر کر کے نعت گو شعراء کو فکری اصابت کے عنصر کی طرف رجوع کا مشورہ دیا ہے۔ اس نکتے کی

تنقیدی اہمیت بہت زیادہ ہے اس لیے علیم ناصری نے مولانا ظفر علی خاں کی شاعری کا بھی یہی پہلو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”ان [مولانا ظفر علی خاں] کے ہاں بھی مولانا حالی کی طرح نعتیہ شہر آشوب ملتے ہیں۔ مگر ان میں بھی وہی عقیدہ کا رفرما ہے یعنی وہ بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب تو کرتے ہیں مگر دعا ہی کے لیے عرض کرتے ہیں:

اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب
صبح ازل ہے تیری تجلی سے فیض یاب
خیر البشر ہے تو، تو ہے خیر الامم وہ قوم
جس کو ہے تیری ذات گرامی سے انتساب
مغرب کی دستبرد سے مشرق ہوا تباہ
ایمان کا خانہ کفر کے ہاتھوں ہوا خراب
صد ہا ترے غلام نصاریٰ کی قید میں
دن زندگی کے کاٹ رہے ہیں بصد عذاب
اے قبلہ دو عالم و اے کعبہ دو کون
تیری دعا ہے حضرت باری میں مستجاب
یثرب کے سبز پردے سے باہر نکال کر
دونوں دعا کے ہاتھ بصد کرب و اضطراب
حق سے یہ عرض کر کہ ترے ناسزا غلام
عقبیٰ میں سرخرو ہوں تو دنیا میں کامیاب“ (۲۸)

علیم ناصری نے اپنے مضمون میں جو فکری نکتہ پیش کیا ہے اس کی طرف ہمارے نعت گو شعراء کو بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور نقادانِ نعت کو بھی اس نکتے سے روشنی حاصل کرنی چاہیے۔
☆ خالد بزمی، ایک منفرد نعت گو، ڈاکٹر انور سدید:

شام و سحر کے نعت نمبر ۵ میں ڈاکٹر انور سدید کا خالد بزمی کی نعتیہ شاعری پر مضمون چھپا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے اپنے مضمون میں جدید نعت کے خدو خال پیش نظر رکھتے ہوئے خالد بزمی کی شاعری میں ایسے موضوعات کی نشاندہی کی ہے جو حالی کے بعد سے نعت کا حصہ بنتے رہے ہیں۔ وہ لکھتے

ہیں:

”خالد بزمی کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات و حیات گرامی اور صفات و تعلیماتِ حسنہ کو ہی اپنی نعتوں میں پیش نہیں کیا، بلکہ انہوں نے نعت کو تبلیغِ حق اور دعوتِ دین کا وسیلہ بھی بنایا۔ ان کا ایقان و ایمان ہے کہ بنی نوع انسان کی تکمیل اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک وہ اپنے مقاصد کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے تابع فرمان نہ بنالے۔ چنانچہ جب وہ مدینے کی طرف چلتے اور نبی اکرم سے استفادہ کی راہ دکھاتے ہیں تو درحقیقت وہ حضور کے وسیلے سے انسانی تہذیب و معاشرت کی اصلاح کا ہی چارہ کرتے ہیں۔ ان کی نعت میں متعدد مقامات پر ایسے اشارے موجود ہیں، جو بلا واسطہ طور پر تبلیغِ دین کے دُمرے میں آتے ہیں۔ اور اس مقام پر ان کے دل میں درد کی ایک لہر بھی زیریں سطح پر موجزن نظر آتی ہے۔ وجہ یہ کہ جدید زمانے نے مادیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ ہمارا عہد اضطراب و تشکیک کا عہد ہے۔ یہ دور پریشانی اور پشیمانی کا دور ہے۔ خالد بزمی نے اس دور کے بھٹکے ہوئے انسان کو اس صراطِ مستقیم پر چلنے کی تلقین کی ہے، جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے پھوٹی ہے اور جو فلاح کی راہ ہے۔ اس مقام پر خالد بزمی ہمیں شاعر ہی نہیں، مصلح بھی نظر آتے ہیں۔ قوم کی عاقبت نااندیشی پر مولانا الطاف حسین حالی نے بھی آنسو بہائے تھے، مولانا ظفر علی خان نے بھی شکوہ کیا تھا۔ علامہ اقبال بھی مغموم و پریشان رہ چکے ہیں۔ اس قومی زوال پر خالد بزمی نے بھی اپنے تاثراتِ نعت میں پیش کیے ہیں اور واضح الفاظ میں اس ادبار سے نجات حاصل کرنے کا طریق بھی بتایا ہے۔ ان کے نزدیک قرارِ جان اور سکونِ دل حاصل کرنے کا دوسرا کوئی وسیلہ (نہیں) صرف مدینہ ہے:

تو کیوں ہے سگوار، مدینے سے دل لگا
مل جائے گا قرار، مدینے سے دل لگا
بزمی اگر سکونِ دل و جان چاہیے
کیوں پھر رہا ہے خوار، مدینے سے دل لگا
حضور پاک کے بعد اور حضور پاک سے پہلے
جہاں کا قافلہ سالار آیا ہے نہ آئے گا

(شام و سحر، نعت نمبر ۵، ص ۲۷۰)

☆ علیم ناصری کا اسلوبِ نعت نگاری، جعفر بلوچ:

جعفر بلوچ نے علیم ناصری کے اسلوبِ نعت نگاری پر قلم اٹھایا ہے۔ انہوں نے اسلوب پر بات کرنے سے قبل، علیم ناصری کے شعری آدرش کو ان کے کلام کے آئینے میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ نعت کی عظمت کا تصور علیم ناصری کے ہاں کیا ہے؟ یہ بات جاننے کے لیے درج ذیل اقتباس کافی ہے:

”جناب علیم ناصری نعت گوئی میں فکری اور وجدانی طور پر سلامت روی کے قائل ہیں اور اس راہ کی مشکلات کا انہیں کامل احساس و ادراک ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

نطق بے باک سنبھل اپنی حقیقت پہچان
کون ہے جس کو کہ ہے نعت میں یارائے سخن
یہ قصیدہ نہیں شاہوں کا بقولِ عربی
ہے دمِ تنق پہ یہ راہ، یہ صحرا ہے نہ بن
نعت گوئی میں رہے حفظِ مراتب کا خیال
چھوٹ جائے نہ کہیں ہوش و خرد کا دامن
عجز و بے چارگی زیور ہے ہنر مندی کا
ان کے دربار میں بس حسنِ عقیدت ہے حسن (۳۰)

نعتیہ شاعری کے لیے جس حزم و احتیاط کی ضرورت ہے اس کی طرف خود شاعر نے اشارے کر دیئے ہیں، یہ شاعر کا تنقیدی شعور ہے اور جعفر بلوچ نے اسے منتخب کر کے اپنی تنقیدی دانش اور راست فکری کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ تنقید نگار نے شاعر کا یہ عقیدہ بھی پیش کیا ہے کہ:

”خدا سے نعت نگاری کی توفیق ملنے کے بعد، فن کی مشکلات شاعر پر خود بخود آسان ہو جاتی ہیں:

طبعِ دراک کو جب اذنِ ثنا گوئی ملے
اسے رہتی نہیں پروائے مفاعیلِ فحول
جادہء نعتِ پیہر میں گلوں سر ہے قلم
مثلِ الہام ہے الفاظ و معانی کا نزول“ (۳۱)

شاعر کا عقیدہ اپنی جگہ بہت درست ہے لیکن اس کے بتائے ہوئے اصول کو ”تحدیثِ نعت“ کے طور پر قبول کرنا چاہیے۔ ایسا نہیں کہ شاعر نے تحصیلِ فن میں کوئی کسر چھوڑی ہو۔ توفیقِ ثناء مل جانے پر

جس قدر خلوص سے نعت نگاری کی راہ اختیار کی جائے اور اس مقام و تسامح سے بچنے کی کوشش کی جائے اسی قدر اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ درج بالا قطعہ ایسے نعت نگاروں کی نشاندہی کرتا ہے جو زبان، بیان، فن اور مافیہ کے تقدس سے آگاہ ہو کر سعی، نعت نگاری میں مصروف ہیں۔ توفیقات کے اصولوں میں تعیم نہیں ہوتی اور نہ ہر نعت گو کے ہاں وہ نظر آتی ہے۔

جعفر بلوچ نے علیم ناصری کے نعتیہ کلام کا مطالعہ کرتے ہوئے ان کے کلام کے خاص خاص پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ جعفر بلوچ کی تحسین میں فن شناسی کا عنصر اور نعتیہ ادب کی نزاکت کا احساس بھرپور رنگ بکھیرتا ہوا نظر آتا ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

”جناب علیم ناصری کی وسعت مطالعہ کا اظہار ان کی نعت سے بھی ہوتا ہے۔ وہ جاہ جاقرآن و احادیث سے تلمیحات لاتے ہیں۔ تاریخ اسلام کے روشن ابواب سے حوالے دیتے ہیں اور مشہور شعرا کے اشعار کی تضمین کرتے ہیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

کیوں نہ ہو قلب میں تقویتِ ایمان و یقین

جب وہ صدیق کو ارشاد کرے لا تحزن!

ہو گیا زندہ جاوید شہادت دے کر

ابن نوفل تھا نوامیسِ رسل کا محرم“ (۳۲)

جعفر بلوچ نے علیم ناصری کو قادر الکلام پایا اور اس کے شواہد ان کے کلام سے پیش کر دیئے۔ علاوہ ازیں انہوں نے نعت نگار کے تخلیقی میلانات میں شعرائے ماسبق کے اسالیب کے اثرات دیکھ کر موازنہ کرتے ہوئے یہ محسوس کیا کہ علیم ناصری، علامہ اقبال کی فکر اور ان کے اسلوب سے بہت متاثر ہیں کیوں کہ ان کا شعری لہجہ یا Diction اقبال کے لہجے سے قریب تر ہے۔ جعفر بلوچ نے کس کس زاویے سے علیم ناصری کے فن کو جانچنے کی سعی کی ہے، یہ جاننے کے لیے ہمیں ان کی تحریر سے چند اقتباسات پیش کرنے ہوں گے۔ وہ لکھتے ہیں:

”جناب علیم ناصری بڑے قادر الکلام شاعر ہیں، انہیں لفظوں کے مزاج سے مکمل آگہی ہے۔ وہ لفظ کو

اس کے صوتی اور معنوی حُسن کے ساتھ برتنے کا سلیقہ جانتے ہیں۔ وہ حسب موقع الفاظ کا انتخاب

کرتے ہیں اور پھر انہیں اس حسن سے بندش میں لاتے ہیں کہ ثقیل سے ثقیل لفظ بھی سراپا لطافت بن

جاتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

پھر سے آئینِ براہیم ہوا جلوہ نما

ریزہ ریزہ ہوئے کعبے کے سبھی لات و ہبل
 طائرِ سدرہ تری ہم سفری پر نازاں
 تیرے نقشِ کفِ پا، مشتری و ماہ و زحل
 مجھ کو خوش آتا ہے آقا تری نعتیں لکھنا
 میرا شیوہ نہیں لالائی اصحابِ دَوَل
 اس کے گرویدہ رہے ہیں اور رہیں گے حشر تک
 عابدینِ قائمین و عابداتِ قانات
 اس کے نقشِ پا کے شیدائی رہیں گے تا ابد
 مؤمنینِ صالحین و مؤمناتِ صالحات

جنابِ علیم ناصری کی قدرتِ کلام کا اظہار ایسے اشعار سے بھی ہوتا ہے، جن میں وہ قرآن و حدیث کے الفاظ اور جملوں کو سموتے ہیں، دیکھیں:۔

فیض سے اس کے ملی امتِ مرحوم کو
 رغبتِ خذ ما صفا، ہمتِ دُغ ما کدر
 مدحِ محبوبِ خدا عینِ رضائے حق ہے
 آشکارا ہے رفعتِ لک ذکرک سے یہ راز
 نقطۂ اقراء ہے وہ، مرکزِ اسرا ہے وہ
 شرحِ الف لام را، رمزِ الف لام میم“ (۳۳)

فنِ زندگی کا عکاس ہے۔ نعتیہ شاعری میں عصری حیثیت کی آمیزش سے اس فن کو زندگی سے قریب لایا جاسکتا ہے۔ علیم ناصری نے عصری حیثیت کو کس طرح سمویا ہے، اس کا احوال جعفر بلوچ کی زبانی سنئے:

”نعت نگاری میں جنابِ علیم ناصری نے عصری تقاضوں کو بھی فراموش نہیں کیا۔ ان کی نظر عالمِ اسلام اور اس کے موجودہ مسائل پر ہے۔ وہ اسلام اور آخری پیغمبرِ اسلام سے مسلمانوں کی دوری پر کڑھتے ہیں۔ اور انہیں یہ بات سمجھاتے ہیں کہ ان کے جملہ مسائل کا حل، اتباعِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہے۔ وہ کس کرب سے کہتے ہیں:

اسلام کے درپے ہیں سب روی و امریکی

سب ہندی و صیہونی، افرنکی و المانی
ان کی یہ تمنا ہے ہم اخذل وارزل ہوں
باقی نہ رہے ہم میں، تنظیمِ مسلمانی
اور پھر کس دل نشین انداز میں اتباعِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بلاتے ہیں:۔
اس کی طاعت کو علیم اپنا وظیفہ جانو
پیروی اسوہ کامل کی بنا لو معمول

اہل فن ہمیشہ پیش رفتگاں کے علم و ہنر سے استفادہ کرتے آئے ہیں۔ چراغ سے چراغ جلتا آرہا ہے
اور اسی سے علم و فن کی آبرو باقی ہے۔ جنابِ علیم ناصری نے بھی متعدد سخنورانِ پیشین سے اکتساب و
استفادہ کیا ہے۔ لیکن حضرت علامہ اقبالؒ سے وہ خصوصاً متمتع یاب ہوئے ہیں۔ انہوں نے حضرت
علامہ اقبالؒ کی زمینوں میں داخن دی ہے۔ ان کی لفظیات کو برتا ہے۔ ان کے افکار کو رنگِ دگر ادا کیا
ہے۔ اپنے کلام کے مجموعی تاثر کے اعتبار سے وہ دبستانِ اقبالؒ کے ایک ممتاز اور معزز رکن نظر آتے
ہیں۔ اور یہ ان کی سلیم الطبعی اور راست فکری کی محکم دلیل ہے..... مغربی حکمت کی منزل ناری پر
جنابِ علیم ناصری کی یہ تنقید بھی حضرت علامہ اقبالؒ کے افکار کا پرتو جمیل معلوم ہوتی ہے:

حاصل نہ ہوا مجھ کو عرفان کا ذرہ بھی
افرنک کے مکتب کی گو خاک بہت چھانی
جدت کے سبھی دعوے ظلماتِ بدماں ہیں
تعلیم حجاب آگئیں، تہذیب ہوس رانی
اسی طرح ذیل کے اشعار سے بھی اقبالؒ سے اثر پذیری مترشح ہے:
بارگہ مصطفیٰؐ مسکنِ شاہ گدا
مرجِ جن و بشر، مامنِ سرخ و کبود
اس کی نظرِ کیمیا، اس کا سخن انگلیں
اس سے نگاہوں میں نور، اس سے دلوں کی کشود

مجموعی طور پر جنابِ علیم ناصری کی نعتِ علم و فن کی بلند یوں کی امین ہے۔ اور اپنے اندازِ دل کشائی اور
عصر افروزی کے بہت سے امکانات رکھتی ہے۔ (۳۴)
☆ شاعرِ چادرِ رحمت، منیرِ قصوری، از پروفیسر سید مشتاق احمد:

پروفیسر سید مشتاق احمد نے منیر قصوری کی نعت گوئی پر ”شاعر چادر رحمت“ کے زیر عنوان قلم اٹھایا ہے۔ انہوں نے ذیلی عنوانات قائم کر کے اپنے مضمون میں منیر قصوری کی نعت گوئی کے خدو خال اجاگر کیے ہیں۔ مثلاً پیش منظر، حضورؐ کے ممنون کرم ہونے کا احساس، مطالعہ قرآن و حدیث، لفظوں کا صحیح استعمال، اضطرابی کیفیات اور خلوص طلب، امید و یقین کا پہلو، عجز و انکسار اور سوز و گداز، اسلوب نگارش، صنائع بدائع، صنعت تلخیص، صنعت لف و نشر مرتب، صنعت تغلیل، حشو و زوائد سے پاک شاعری، سہل ممتنع اشعار، سلاست و روانی، تکرار لفظی کا حسن، سادگی و برجستگی، خوبصورت نئی ردیفیں، نئی تراکیب و رچست بندشیں، قادر الکلام شاعر، کلام دلپذیر اور فکری تنوع اور منیر قصوری کا تصور نعت وغیرہ، عنوانات قائم کر کے ان کے ذیل میں شاعر کے کلام سے استشہاد کرتے ہوئے صاحب مضمون نے اپنے مضمون کو جاندار بنایا ہے۔ عنوانات سے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار، اردو ادب کے کلاسیکی تنقیدی مزاج کے قریب رہتے ہوئے کچھ جدید شعری رجحانات کی پرکھ سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔

ہم پروفیسر سید مشتاق احمد کے مضمون سے چیدہ چیدہ پیرا گراف کے اقتباسات درج کر کے ان کے تنقیدی منہاج کی سمت نمائی کی کوشش کرتے ہیں۔ ”لفظوں کا صحیح استعمال“ کی سرخی قائم کر کے وہ لکھتے ہیں:

”منیر قصوری کو لفظ کے صحیح استعمال کا کمال سلیقہ ہے، وہ لفظ کی ہیئت اور معانی کو ہمیشہ مد نظر رکھتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں، اس نے عربی فارسی زبانوں میں وسعت مطالعہ سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لفظ کے صحیح استعمال پر قدرت رکھتا ہے۔ بڑے بڑے جغادری شاعر جو بزم خویش اپنے آپ کو علماء میں شمار کرتے ہیں، وہ رحمت للعالمین کو رحمت للعالمین لکھنے پر مصر ہوتے ہیں۔ حالانکہ جہاں تک اس لفظ سے پہلے حرفِ نداء ”یا“ نہ لکھا جائے، رحمت کی تہ پر دو زبیریں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیوں کہ یہ قواعد کے خلاف ہے۔ منیر قصوری چادر رحمت میں رحمت للعالمین کو رحمت للعالمین ہی لکھتا ہے۔ میں نے منیر قصوری سے پوچھا کہ وہ اپنی نعتوں میں گنبد اخضر یا قبۃ خضر کیوں استعمال کرتا ہے۔ ”گنبد خضر“ کیوں نہیں لکھتا۔ جس کا استعمال قریباً ہر چھوٹے بڑے نعت گو شاعر نے کیا ہے۔ اس نے کہا عربی میں حضورؐ کے سبز گنبد کے لیے ”القبۃ الخضرۃ“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ القبۃ چونکہ مونث ہے اس لیے اس کی صفت اخضر ا بھی مونث لائی جاتی ہے اور گنبد فارسی لفظ ہے جو مذکر ہے، اس لیے اس کے ساتھ اس کی صفت اخضر (مذکر) لانا ضروری ہے۔ اس کے ہاں اس کا استعمال دیکھیے:

جب سے جمال قبہ خضر نظر میں ہے
سرکارِ دو جہاں کا سراپا نظر میں ہے

یا پھر:

ایسا نظارہ سرِ قبہ خضر دیکھا
میں نے ہر شخص کو جذبات میں ڈوبا دیکھا
اسی طرح گنبدِ اخضر کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

فضائے بکراں ہے گنبدِ اخضر کے سائے میں
جہاں اندر جہاں ہے گنبدِ اخضر کے سائے میں

یا پھر:

اپنی پستی کی طرف جب بھی نظر کرتا ہوں
رفعتِ گنبدِ اخضر مجھے یاد آتی ہے، (۳۵)

پروفیسر سید مشتاق احمد نے ایک عنوان قائم کیا ہے ”کلامِ دلپذیر اور فکری تنوع“، اس کے تحت وہ لکھتے ہیں:

”منیر قصوری کی نعتیہ شاعری ”از دل خیزد بردل ریزد“ کے مصداق ہے۔ اس کا مطالعہ کرتے وقت قاری شاعر کا شریک سفر ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر اس سفر کے دوران کہیں سستانے کے لیے بھی نہیں رکا۔ لہذا ہمسفر کے رکنے کے لیے بھی اس نے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ جس منزل پر اس نے پہنچ کر دم لیا ہے، اس کا شریک سفر بھی وہیں پہنچ کر دم لیتا ہے۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ شاعر نے قاری کو اپنے زبان و بیان اور افکار کے تنوع میں ایسا جکڑ لیا ہے کہ جب تک وہ پوری کتاب ختم نہ کر لے اس کی بے چینی ختم نہیں ہوتی اور یہ ایک اچھے شاعر کے کلام ہی کی خصوصیت ہوتی ہے۔ منیر قصوری کے فکری جمال اور تنوع کی کچھ جھلکیاں آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

رنج و محن تو میری طرف دیکھتے نہیں
وہ جانتے ہیں میرا سہارا حضور ہیں
ایمان کیا ہے اس کی تو مجھ کو خبر نہیں
اتنا پتا ہے میرا عقیدہ حضور ہیں
الفاظ کا قرینہ اشکوں کو دے دیا ہے

اس طرح کر لیا ہے سامان التجا کا
جب سے شیرِ مصطفیٰ^۲ میں ہوں منیر
وسعتِ ارض و سما رکھتا ہوں میں
چند لفظوں میں مرتب کر رہا ہوں آرزو
ان سے مجھ کو صرف عرضِ مدعا درکار ہے
کیا کہوں سرکار سے کیا چاہتا ہوں میں منیر
یہ تو مجھ کو بھی نہیں معلوم کیا درکار ہے

منیر قصوری اس بات سے بھی بخوبی آگاہ ہے کہ حضرت رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت
لکھنا کسی بشر کے لیے ایسا ہی ہے، جیسا کہ ذرے کا سورج کے اوصاف بیان کرنا۔ بھلا ذرہ بھی
سورج کے مقام سے باخبر ہو سکتا ہے جو اس پر بات کرے گا۔ ہرگز نہیں۔ چنانچہ منیر قصوری کہتا ہے:
ممكن نہیں ادا ہو حق نعتِ مصطفیٰ^۲ کا
اک ذرہ اور دعویٰ خورشید کی ثنا کا“ (۳۶)

☆ ”نقوش“ کا رسول ﷺ نمبر، جلد دوم، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۲ء:

”نقوش“ ایک معروف ادبی رسالہ ہے جس کے رسول ﷺ نمبر کو ہاتھ لیا گیا۔ اس
رسالے کی ۱۳ جلدیں شائع ہوئیں۔ زیر تبصرہ جلد، رسول ﷺ نمبر کی دسویں جلد ہے۔ اس شمارے میں تین
مضامین اردو نعتیہ شاعری سے متعلق ہیں۔ ایک مضمون مجرّد ”نعت“ پر ہے جس میں نعت کے لغوی مفہوم کا
تعیین کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ ان چاروں مضامین کی ترتیب کچھ یوں ہے:

- i۔ نعت (لغوی مفہوم)، ڈاکٹر ریاض مجید
- ii۔ اردو کی نعتیہ شاعری پر قرآن وحدیث کے اثرات، ڈاکٹر شاکر علی
- iii۔ اردو کے نعتیہ گلدستے، ڈاکٹر فضل حق خورشید
- iv۔ اردو زبان میں نعتیہ کلام، حفیظ تائب

ڈاکٹر ریاض مجید کے تحقیقی مقالے کا ذکر متعلقہ حصے میں ہوگا اس لیے ان کی اس تحریر پر یہاں
تبصرہ کرنا، باعثِ تکرار ٹھہرے گا۔ ڈاکٹر شاکر علی کا مضمون ایک خاص موضوع یعنی ”اردو کی نعتیہ شاعری
پر قرآن وحدیث کے اثرات“ پر ہے اس لیے اس مضمون کی نوعیت ایک تحقیقی مضمون کی ہے تنقیدی مضمون

کی نہیں ہے۔ ”اردو کے نعتیہ گلدستے“ (ڈاکٹر فضل حق خورشید) والا مضمون بھی تحقیقی نوعیت کا ہے۔ لہذا ان مضامین پر گفتگو کرنا ہمارے دائرہ تحقیق میں شامل نہیں ہے۔ حفیظ تائب کا مضمون ”اردو میں نعتیہ کلام“ بھی تحقیقی مضمون ہے۔ اس لیے یہاں صرف نشاندہی کر دی گئی ہے۔

☆ لیلۃ النعت، مجلہ، مرکزی گل بہار نعت کونسل پاکستان (ٹرسٹ):

مرکزی گل بہار نعت کونسل پاکستان (ٹرسٹ) کے زیر اہتمام محافل نعت بھی سجائی جاتی رہی ہیں اور سالانہ بنیادوں پر مجلوں کی اشاعت کا بندوبست بھی کیا جاتا رہا ہے۔ شہزاد احمد، ایڈیٹر ماہنامہ ”نعت و نعت“ کراچی، کے مضمون ”مرکزی گل بہار نعت کونسل کے مجلے لیلۃ النعت“، مشمولہ مجلہ ۲۰۰۲ء، سے معلوم ہوا کہ اس تنظیم کے مجلے ۱۹۸۷ء سے ۲۰۰۲ء تک تسلسل کے ساتھ جاری کیے گئے ہیں۔ ان مجلوں میں مختلف عنوانات پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ نعت کے موضوع پر بھی کچھ مضامین شائع کیے گئے ہیں لیکن ان میں تنقیدی قدر کے مضامین نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ”نعت نگاری میں ذم کے پہلو“ کے زیر عنوان، رشید وارثی کا ایک مضمون ”لیلۃ النعت“ کے مجلے بابت ۱۹۹۴ء (صفحات ۹ سے ۲۵ تک) میں شائع ہوا تھا جس کی دوسری قسط مجلہ ”لیلۃ النعت ۱۹۹۵ء“ (صفحات ۱۰ تا ۲۳) کی زینت بنی۔ ہم اپنے اس مقالے کے متعلقہ حصے میں رشید وارثی کی کتاب (جس میں ”اردو نعت نگاری میں ذم کے پہلو کے زیر عنوان مضمون موجود ہے) پر گفتگو کریں گے۔ اس لیے تکرار سے بچنے کی یہی ایک صورت ہے کہ یہاں صرف مضمون کی نشاندہی کر دی جائے۔

☆ ماہنامہ ”الرشید“ لاہور، کا نعت نمبر، باادارت عبدالرشید ارشد، ۱۴۱۱ھ:

ماہنامہ الرشید لاہور کا نعت نمبر ۱۴۱۱ھ کے بجائے ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا تھا تاہم اس کے ہر صفحے پر ۱۴۱۱ھ ہی تحریر ہے۔ ہم نے انتساب کے ذیل میں مدیر کے دستخط کے ساتھ لکھی ہوئی تاریخ کو معتبر جان کر یہ بات لکھ دی ہے۔ اس شمارے کی دو جلدیں ہیں، حصہ اول میں مولانا محمد اشرف خاں سلیمانی کا صرف ایک مضمون بعنوان ”قرآن کریم میں نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ شائع کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں نعتیہ شاعری کے مضامین کے لیے قرآنی آیات کی صورت میں بنیادی مواد فراہم کیا گیا ہے۔ اس مضمون کی تنقیدی اہمیت اپنی جگہ لیکن یہ مواد جب تک کسی شاعری میں استعمال نہ کیا جائے اور جب تک اس کی تنقیدی نیچ پر کھ کا کام مکمل نہ ہو، اس کوشش کو خالص تنقیدی عمل سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے ہم اس کا صرف حوالہ دے دینا ہی کافی سمجھتے ہیں۔

☆ ”اوج“ نعت نمبر ۱۱ اور ۲، گورنمنٹ کالج، شاہدرہ، لاہور، ۹۳-۱۹۹۲ء:

اوج نعت نمبر کی ترتیب و تدوین کا سہرا پروفیسر ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کے سر رہا۔ اس مجلے کی اشاعت کے کچھ عرصے بعد ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کو شہید کر دیا گیا تھا۔ موصوف نے اس مجلے کو بڑی محنت سے مرتب کیا اور ۱۹۹۲ء کو نبی کریم ﷺ کے اسم گرامی ”محمد ﷺ“ کے اعداد ۹۲ کی مناسبت سے اوج کے نعت نمبر کی اشاعت کے لیے موزوں ترین سال جانا تھا۔

اوج کے نعت نمبر میں نعت کے موضوع کی تفہیم کے لیے چھ مضامین ایسے شامل کیے گئے ہیں جن میں نعتیہ شاعری کے فنی اور شرعی تقاضوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ مضامین براہ راست تنقید پر تو نہیں ہیں لیکن ان میں موضوع سے متعلق تنقیدی نکات ضرور پائے جاتے ہیں۔ پہلے ان مضامین کی فہرست ملاحظہ فرمائیے:

i- صنفِ نعت، مجید امجد

ii- نعت کیا ہے؟ سید ریاض حسین شاہ

iii- نعت کا فن، ڈاکٹر شاہ رشا عثمانی

iv- نعت اور اس کے آداب، مولانا محمد تقی عثمانی

v- نعت میں احترامِ رسالت کے تقاضے، ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

vi- نعتِ نبی، عزیز صابری

موخر الذکر مضمون، راقم الحروف کا ہے، اس پر گفتگو قطعی نہیں کی جاسکتی۔ دیگر مضامین کا

تعارف حاضر ہے:

i- صنفِ نعت، مجید امجد:

مجید امجد نے نعت کے موضوع کی نزاکت کا ذکر کرتے ہوئے اردو نعت کے بیشتر ذخیرے کے معنوی معیارات سے عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ نعت کا صحیح ادراک ہی ان کے تنقیدی شعور کی غمازی کر رہا ہے۔ ان کی تحریر سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

”صنفِ نعت ایک نہایت ادق اور نہایت وقیع صنف ہے۔ شعر اور اس کے اوزان میں جکڑے ہوئے الفاظ کا سلسلہ اپنی تمام اثر اندازیوں کے باوجود، توصیف رسول ﷺ کے اظہار کے مقام پر آکر عاجز ہو جاتا ہے۔ ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ جب تک حقیقت رسالت کی عظمت کا ادراک کامل حاصل نہ ہو، لکھنے والے کا بھٹک جانا ایک یقینی امر ہے اور سب سے بڑھ کر ضروری شرط یہ بھی

ہے کہ نعت نویس عشق رسول ﷺ کے جذبات صادق سے بہرہ مند ہو اور جذبہ اس کے اعمال و تصورات پر حاوی ہو۔ یہ عشق رسول کا جذبہ روح نعت ہے اور مقام مصطفوی ﷺ کا سچا ادراک رجحان نعت ہے۔ دونوں صفات ایک ہی جلوے کا پرتو ہیں اور یہ صفات جب آئینہ شعر میں منعکس ہوں گی تو نعت اس رتبے کو پہنچ سکے گی جو اس کا مقصود ہے۔ لیکن عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ مروجہ نعتیں اس معیار پر پورا نہیں اترتیں۔ یہاں یہ بات مناسب معلوم نہیں ہوتی کہ بعض جلیل القدر شعراء کا نام لے کر ان کی نعتوں کا ذکر کیا جائے جن کے بیان کی معنویت اس نازک اور مشکل مقام پر آخر مطالب مقصودہ کی سطح تک نہیں پہنچ سکی۔ (۳۷)

ii۔ نعت کیا ہے؟ سید ریاض حسین شاہ:

سید ریاض حسین شاہ نے حضور اکرم کی ایک حدیث (لا یومن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین) تم میں سے کسی ایک کا بھی ایمان مکمل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور سب انسانوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت کرنے والا نہ ہو [کی روشنی میں نعت کا جواز پیش کیا ہے۔ نعت کے مفاہیم و مطالب کے تعین کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

”نعت اور آثار و روایات کی مدد سے نعت کے جو مفاہیم و مطالب حاصل ہوئے ان کی ترتیب یہ ہے:

[۱] اوصاف بیان کرنا [ب] احوال بیان کرنا [ج] حلیہ واضح کرنا [د] تعریف میں مبالغہ کرنا [ه] سفارش کرنا [و] نقل کرنا یا نقل اتارنا [ز] جوہر سامنے لانا [ح] کسی جنس کا اپنی انواع پر فضیلت ثابت کرنا [ط] خواص منکشف کرنا [ی] عمدہ صفات رکھنا [ک] کسی شے کا قدیم الاصل ہونا [ل] دوڑ میں آگے بڑھ جانا [م] صفت کو موصوف کے ساتھ لانا [س] اور حضور ﷺ کی مدح و تحمید بجا لانا۔ نعت کے مذکورہ صدر لغوی معنی و مطالب کی روشنی میں اصطلاح نعت کا موضوع آسانی سے متعین کیا جاسکتا ہے۔ نعت کا مدار چوں کہ رسول کریم ﷺ کی ذات مسعودہ ہے، اس اعتبار سے آپ کی ذات سے لے کر صفات تک، آپ کے افکار سے لے کر اعمال تک، زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جو نعت کا موضوع نہ بن سکتا ہو۔ اخلاق، سیرت، معجزات، غزوات، خطبات، عبادات، مناکحات، معاملات، معمولات، عادات، تعلیمات، سب تک نعت کا دامن پھیلا ہوا ہے۔ (۳۸)

iii۔ نعت کا فن، ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی:

ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی نے، اردو نعت کی تاریخ، اس کی فنی حیثیت اور ایک ہیئت میں مقید نہ

ہونے کے حوالے سے نعت کے موضوع کی وسعتوں کا ذکر کرتے ہوئے بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ مضمون لکھا ہے۔ انہوں نے فن کی شرائط کی بات کرتے ہوئے لکھا:

”موضوع جتنا عظیم و وسیع ہوگا اس سے اتنی ہی عظیم شاعری کے سوتے پھوٹیں گے، بشرطیکہ شاعر و فنکار نے اسے اپنے جذبے کی بھٹی میں پگھلا کر شعر کے پیکر میں ڈھالا ہو، موضوع کی اہمیت کے ساتھ موضوع کو برتنے کا سلیقہ ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں جو چیز سب سے زیادہ لائق توجہ ہے وہ فنکارانہ جذبہ صادق ہے۔ یہ جذبہ صادق ہی ہے، جو اپنے موضوع سے گہرا لگاؤ پیدا کرتا ہے اور پھر وہ شعر کہنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اسی جذبے اور لگاؤ کو غالب نے ”دل گداختہ“ سے تعبیر کیا ہے اور اقبال کی زبان میں ”نقش ہیں سب نا تمام خونِ جگر کے بغیر“ اسی سے فن میں جان آتی ہے اور فن کی قدرو قیمت میں اضافہ ہوتا ہے“۔ (۳۹)

iv۔ نعت اور اس کے آداب، مولانا محمد تقی عثمانی:

مولانا محمد تقی عثمانی کے مضمون پر یہاں تبصرہ کرنا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ ان کی تنقیدی آراء کا ہم اس مقالے میں کہیں اور قدرے تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔

v۔ نعت میں احترام رسالت کے تقاضے، ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی:

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے بھی نعتیہ شاعری کے موضوع کی نزاکتوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کا مضمون تحقیقی نوعیت کا ہے جس میں تنقیدی نکات بھی بیان ہو گئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”نعت کا مقام و مرتبہ: نعت کی پذیرائی زیادہ تر دینی حلقوں میں ہوئی۔ اس لیے عام ادبی حلقے اسے دینی ادب کا حصہ سمجھ کر علماء و صوفیاء کے لیے خاص قرار دیتے رہے۔ ادب کے ناقدین کے ہاں کسی ادبی تخلیق میں دینی عنصر کا وجود اسے دوسرے درجے کا ادب بنادیتا ہے۔ اس لیے ادبی حلقوں میں اسے نظر انداز کیا گیا۔ دوسری جانب دینی حلقے تھے، وہاں بھی اسے مناسب مقام نہ ملا۔ ان کے ہاں نعتیہ شاعری صرف وقتی آسودگی اور قلبی بے قراری کے لیے لمحاتی قرار کا باعث رہی۔ نعتیہ شاعری کے فنی جائزے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ خوش عقیدگی اور خوفِ فسادِ خلق بھی ہے کہ ایسے مقدس کلمات کو کیسے نقد و نظر کے تنخّ پر چن دیا جائے۔ اس وجہ سے نعتیہ ادب کا باقاعدہ اور سنجیدہ فنی محاکمہ نہ ہوا، جو رائے بھی قائم ہوئی وہ مفروضوں پر مبنی رہی۔ نعت کی شعری حیثیت کو خود نعت گو حضرات کے طرز عمل سے بھی نقصان پہنچا۔ شعری صلاحیت رکھنے والے عموماً وہ لوگ تھے جو دینی حلقوں میں قابل

احترام شخصیتوں کے مالک تھے۔ وہ لوگ دربار نبوی کی نزاکتوں کو سمجھتے تھے اور شاعری کے رموز و غوامض کو بھی۔ مگر وہ نعت کو اپنے ضمیر کی آواز اور اپنی عقیدت کا اظہار جان کر اس کی نمائش مستحسن نہ سمجھتے تھے۔ وہ ڈرتے تھے کہ یہ جذبہ ریاکاری کی زد میں نہ آجائے۔ اس کے برعکس وہ اصحاب تھے جنہیں شعر اور جذبہ شعر پر دسترس حاصل نہ تھی، یا اگر جذبہ تھا بھی تو اس کے شعری اظہار کی صلاحیت نہ تھی۔ بد قسمتی سے یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ ارادت کا اظہار شعر کے بغیر نہیں ہو سکتا، اس طرح ہر وہ شخص جو وزن و قوافی کی عامیانہ سی شد بد بھی رکھتا تھا، شعر کہنے لگا۔ عوام نے محبت سے انہیں سنا، اور یوں یہ شعوری کوشش جو زیادہ تر تصنع کے ذیل میں آتی تھی، مقبول ہو گئی۔“ (۴۰)

نعتیہ شاعری کے ادبی معیارات کے عدم تعین اور ناقدین کی عدم توجہی کی جو وجوہات ڈاکٹر محمد خلیق قریشی نے بیان کی ہیں وہ بالکل درست ہیں۔ ان کے تحقیقی تجزیے کی روشنی میں اب ایک تنقیدی لائحہ عمل مرتب کیا جاسکتا ہے کیوں کہ اب ایسے شعراء بھی نعتیہ شاعری کر رہے ہیں جو اپنی ادبی حیثیت منوا چکے ہیں۔

☆ ماہنامہ حمد و نعت، کراچی، ایڈیٹر، شہزاد احمد:

۱۹۹۰ء سے غالباً ۱۹۹۶ء تک کبھی ماہانہ کبھی دو ماہی اشاعت کی صورت میں ”ماہنامہ حمد و نعت“ جاری رہا ہے۔ ہمیں مجلے کے اجراء کی تاریخ متعین نہیں کرنی ہے اس لیے ہم صرف اپنے موضوع ”تنقید نعت“ کے حوالے سے اس میں موجود مواد کا جائزہ لیں گے۔

ماہنامہ حمد و نعت، جلد ایک، شمارہ دو، جولائی ۱۹۹۰ء ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ:

اس شمارے میں مولانا عبدالقدوس ہاشمی کا مضمون ”ورفعنا لک ذکرک“ کے عنوان سے شامل اشاعت ہے۔ یہ مضمون شفیق بریلوی کی کتاب ”ارمغانِ نعت“ میں بھی شامل ہے، اس لیے اس پر باب پنجم میں تبصرہ کر دیا گیا ہے۔ دوسرا مضمون ڈاکٹر سید شمیم گوہر کا ہے جس کا عنوان ”ہے“ امام الشعراء مولانا غلام امام شہید“۔ ڈاکٹر سید شمیم گوہر کی کتاب پر بھی ہمارا تبصرہ متعلقہ حصے میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہاں اس مضمون پر بھی گفتگو نہیں ہو سکتی۔

ماہنامہ ”حمد و نعت“، کراچی، جلد ۱، شمارہ ۳، اگست ۱۹۹۰ء، محرم الحرام ۱۴۱۱ھ:

اس شمارے میں ڈاکٹر سید شمیم گوہر کا مضمون ”کرامت علی خاں شہیدی“ کے عنوان سے ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضائی نے ”عجلی زارِ نعت“ کے عنوان سے لکھا ہے۔ دونوں مضامین پر یہاں گفتگو نہیں

کی جاسکتی، اس لیے کہ ان قلم کاروں کی تحریروں کا جائزہ اسی مقالے کے متعلقہ حصے میں پیش کر دیا گیا ہے۔

ماہنامہ ”حمد و نعت“، کراچی، جلد ۶، شمارہ ۸-۹، فروری۔ مارچ، شمارہ ۱۰-۱۱، اپریل، مئی ۱۹۹۶ء:

ان شماروں میں تنقیدی نوعیت کے دو مضامین ہیں، ایک سید رفیق عزیزی کا بعنوان ”غیر محتاط نعت گو“۔ دوسرا شید وارثی کا مضمون ”نعت نگاری میں ذم کے پہلو“۔ مؤخر الذکر مضمون کا ذکر ہمارے مقالے میں کئی جگہ ہو چکا ہے۔ اس لیے صرف سید رفیق عزیزی کے مضمون کا مختصر ذکر کرتے ہیں:

”غیر محتاط نعت گو“، سید رفیق عزیزی:

سید رفیق عزیزی کا درج بالا مضمون شاہ انصار الہ آبادی کی کتاب ”سراج السالکین“ کے تنقیدی مطالعے پر مبنی ہے۔ لیکن اس میں مضمون نگار نے صرف ایسے اشعار کی نشاندہی کی ہے جو نعت کے نہیں ہیں بلکہ منقبت یا غزل کے عمومی مزاج کے ہیں۔ کام تو بہت اہم ہے لیکن تنقیدی طریق کار سے ہٹ کر ہے۔ صرف اشارات کر کے اسقام کی نشاندہی کر دینا تنقیدی عمل تو ہے لیکن یہ کوئی قابل لحاظ تنقیدی نچ نہیں ہے۔ بہر حال نعت کی دنیا میں تنقید کا اتنا کام بھی اہمیت رکھتا ہے، اس لیے کہ بقول حسن احسانی مراد آبادی ع..... جو سور ہے تھے، وہ جاگے، اٹھے، چلے تو سہی!

سید رفیق عزیزی لکھتے ہیں:

”محبوب رب العلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں جو کچھ عرض کیا جائے وہ نعت ہے اہل علم و ادب نے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی محبت میں منظوم کلام کو بالخصوص نعت کا نام دیا ہے اور شان نبوی، شائل نبوی، صفات نبوی، سیرت نبوی، اسوۂ نبوی کے مضامین بیان کرنے تک اس فریضے کی سرحدیں قائم کر دی ہیں۔ آج نعت گوئی میں سخن آرائی کے نئے نئے تجربات کیے جا رہے ہیں، لیکن نعت گوئی میں قدر مشترک، یہ نکتہ ہے کہ وہ شعر یا اشعار جنہیں بطور نعت منظر عام پر لایا جا رہا ہے اس کی واحد خصوصیت یہ ہو کہ بات سر و کون و مکال صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے علاوہ کسی بھی شخصیت کے لیے نہیں کہی جاسکتی ہو۔ مثلاً

آسمان خوان، زمیں خوان، زمانہ مہمان

صاحب خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا

(اعلیٰ حضرت) یا

یارب پھر ایک بار غریبوں پہ مرحمت
مدت ہوئی زیارتِ انساں کیے ہوئے
(میکش اکبر آبادی) یا

خوش رہیں تیرے دیکھنے والے
ورنہ کس نے خدا کو دیکھا ہے

(ذہین شاہ تاجی) یا

مساوات و انصاف کا ابر برسا، ہوا دامنِ زندگی دھل کے اجلا
فضا سے چھٹا ہر غبارِ جہالت، زمیں جگمگائی، فلک جگمگایا

جن نعتوں میں غزلوں کی طرح الگ الگ ہر شعر ایک مکمل مضمون کا حامل ہوتا ہے، ثنائے رسول کریم
(صلو علیہ وآلہ) کے ان اشعار کے مجموعے کو ”نعت“ کہا گیا ہے۔ البتہ اگر کوئی نعتیہ نظم ہو تو پھر اس
مضمون کی تکمیل کے لیے طرح طرح سے اصل مدعا بیان کرنے کے [لیے] مربوط اشعار کہے
جاتے ہیں۔

اس مجموعہ ”نعت“ (سارج السالکین) میں بکثرت غزلیہ، موعظتی اور منقبتی اشعار بھی ”نعت“ کے ضمن
میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔ خاص طور پر ہر مقطع کا شعر بجائے نعت، مناقبِ علی و آلِ علی کا درج
ہے۔ مجموعے کے صفحہ ۳۴ پر دوسری نعت ”حسن عالمگیر“ کے عنوان سے ہے جس کا مطلع ہے:

واللہ ارض پاک میں ہے یہ کہاں کا حسن
ذروں کے قلب و جاں بھی ہیں دونوں جہاں کا حسن

حسن عالمگیر میں نواشعار ہیں۔ لیکن درج ذیل اشعار نعت شریف سے قطعاً الگ ہیں:

روحِ عمل میں دم ہو تو کچھ بات بھی بنے
وہ حسن دیکھ سکتا نہیں قلب و جاں کا حسن
(موعظت)
عکسِ غبارِ شاہ نجف چاہیے مجھے
واللہ خاک ہے یہ زمین و زماں کا حسن
(منقبت)
کیوں مسکراتے حضرتِ اصغر نہ تیر پر
اس غنچے میں سمویا تھا بارغِ جناں کا حسن

تیسری نعت کا عنوان ”عالمِ کیف“ ہے۔ نو شعر میں تین اشعار غیر متعلق ہیں

اے برق تپاں آمرے سینے میں سما جا
 بے چین ہی پرکھتا ہے بے چین کا عالم (غزلیہ)
 ہر اشک کی آغوش ہے رحمت کا بہانہ
 خوشیوں میں سویا ہے مرے چین کا عالم (حمید)
 چوتھی نعت ”محسن عالم“ کے گیارہ اشعار میں دو غیر متعلق ہیں
 روح اہل یقین جگہ گانے تو دو
 ہر نظر ہوگی باب السلام آپ کا (منقبت اہل یقین)
 مرتبہ کیا ہے؟ پیش خدا و رسول
 اے حسین علیہ السلام آپ کا

منقبت میں ممدوح سے ان کا رتبہ پوچھا گیا ہے (۴۱)

سید رفیق عزیزی کے اٹھائے ہوئے سوالات اپنی جگہ لیکن ان کا انداز تنقید، سنجیدہ تنقیدی عمل سے بہت دور ہے۔ ایک لفظی تنقید یا جملے بازی، استہزائی عمل کا حصہ تو ہو سکتی ہے، سنجیدہ تنقید نہیں کہلا سکتی۔ بہر حال شعری اسقام یا کم از کم نعت میں دوسرے موضوعات کی غیر ضروری کھپت کی نشاندہی کر دینے سے موصوف کسی نہ کسی طور مقفن نقاد بن گئے ہیں۔

☆ کتابی سلسلہ ”ایوانِ نعت“، مرتب: ملک فاروق احمد، بار اول مارچ ۱۹۸۸ء:

کتابی سلسلہ ”ایوانِ نعت“ کا یہ شمارہ نمبر ۵ ہے۔ اس کتابی سلسلے میں مختلف مضامین سیرت مبارکہ پر لکھے گئے ہیں۔ کچھ ایسی محافل کی رودادیں بھی ہیں جو میلاد یا محفلِ نعت کے نام سے منعقد کی گئیں۔ ہم نے ایوانِ نعت کا تعارف کروانے کی غرض سے ایک مضمون کا انتخاب کیا ہے جو فیض الحسن کی نعتیہ تصنیف ”ارمغانِ فیض“ کے فنی محاسن کی نقاب کشائی کے لیے محمد یونس چودھری نے لکھا ہے۔ اس مضمون کا انداز تشریحاتی (Descriptive) ہے۔ مضمون نگار نے اپنی پسند کے نعتیہ اشعار منتخب کر کے ان کے معنوی جمال کی ضوری کی طرف اشارے کیے ہیں۔ چند تشریحاتی نکتے ملاحظہ ہوں:

”تیری نوائے شوق سے وجد میں ہے حریم ذات
 تیری نظر کے کیف سے مست ہے محفلِ ثبات
 دونوں جہاں پہ ہے محیط تیری ہی رحمت تمام

تیرے کرم کے سامنے تنگ ہے دامن حیات
تیرا عروج باعثِ رونقِ عالمِ وجود
تیرا نزول علتِ حسنِ جہانِ ممکنات
تیرے جمال کی قسم رقص کرے گا حشر تک
تیری نوائے شوق کی دھن پہ ضمیر کائنات

ان شعروں میں ایسا محسوس ہوتا ہے جسے (جیسے) شاعر اپنے باطن کی پاکیزہ آنکھوں سے اس حسن مجسم کے حسن و جمال کو کھلی کتاب کی صورت میں دیکھ رہا ہے ان شعروں میں شاعر نے جہاں حضور ﷺ کے فیضان و کرم کی بات کی ہے وہاں ان کے جمال کی قسم کھاتے ہوئے ان کی نوائے شوق کی دھن پر ضمیر کائنات کو مجبورِ رقص کر دیا ہے۔ یہ شعروں کے اپنے دھڑکتے ہوئے باطن کی تصویر ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ چونکہ اول بھی ہیں اور آخر بھی ان کی ذات کے اس پہلو کو شاعر نے کس حسن کمال سے اور کس زاویہ نگاہ سے دیکھا ہے یہ صرف اس کی عشقِ رسول میں ڈوبی ہوئی روح ہی سمجھ سکتی ہے۔

تیرے ہی نام سے ہوا نسخہء زندگی شروع
تیرے ہی ذکر پر ہوا ختم صحیفہء حیات

..... یہ شعر جناب سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کے اول و آخر ہونے پر شاعر کے ایمان

کامل کی دلیل ہے۔ (۴۲)

۳۔ تنقیدی اصولوں کی فکری، فنی اور مذہبی اساس کی تلاش و جستجو:

☆ کتابی سلسلہ ”نعت رنگ“، مدیر سید صبیح رحمانی:

کتابی سلسلہ ”نعت رنگ“ کا پہلا شمارہ ہی ”تنقید نمبر“ تھا جو اپریل ۱۹۹۵ء میں شائع کیا گیا۔ اس کتابی سلسلے کے، تا دمِ تحریر، بائیس شمارے منصوبہ شہود پر آچکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے باب ششم کے عنوان میں اس کا نام نمایاں کیا۔ اس مجلے کے بائیس شماروں میں تنقیدی نوعیت کے مضامین کی فہرست درج ذیل ہے:

نعت رنگ: شمارہ ۱، اپریل ۱۹۹۵ء:

۱۔ نعت سرور کائنات، ایک منفرد صنفِ سخن، ڈاکٹر محمد اظہار الحق قریشی

ii۔ ممنوعاتِ نعت، عاصی کرنا لی

iii۔ نعتیہ ادب میں تنقیدی جمود، ادیب رائے پوری

iv۔ نعت نگاری میں ذم کے پہلو، رشید وارثی

v۔ نعتِ نبی میں زبان و بیان کی بے احتیاطیاں، عزیز احسن

اس فہرست میں شامل پہلے چار مضمون نگاروں کے تنقیدی منہاج پر اس مقالے میں متعلقہ ابواب میں گفتگو ہو چکی ہے یا ہو جائے گی، اس لیے ان مضامین پر یہاں تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پانچواں مضمون راقم الحروف کا لکھا ہوا ہے جس پر کچھ لکھنا مناسب نہیں۔
نعت رنگ: شمارہ نمبر ۲، جنوری ۱۹۹۶ء:

i۔ اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کے اثرات، عاصی کرنا لی

ii۔ اردو نعت میں شانِ الوہیت کا استغفاف، رشید وارثی

iii۔ نعت اور شعریت، عزیز احسن

iv۔ جدید نعتیہ ادب اور بارگاہ رسالت میں استمداد، استغاثہ و فریاد، شبیر احمد قادری

v۔ دبستانِ کراچی کی نعتیہ شاعری، صبیح رحمانی

یہاں بھی صرف چوتھے نمبر پر مذکور مضمون کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ بقیہ مضامین اور مضمون نگاروں کی نوعیت وہی ہے جیسی سطور بالا میں عرض کر دی گئی..... شبیر احمد قادری کے مضمون ”جدید نعتیہ ادب اور بارگاہ رسالت میں استمداد، استغاثہ و فریاد“ کے کچھ نکات ملاحظہ ہوں:

”یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ مدد اسی وقت چاہتا ہے جب وہ بتلائے اٹلا ہوئے چینی اور بے بسی اس کا مقدر ٹھہرے، شاعر جب بارگاہ سرورِ دارین ﷺ میں عرض گزار ہوتا ہے تو اس کی غایت الغایات یہی ہوتی ہے کہ اس کے ذاتی دکھ درد، دور ہو جائیں۔ امتِ مسلمہ کی ظلمتیں اجالوں میں بدل جائیں، شبِ یلدا صبحِ روشن میں ڈھل جائے، استمداد طلب شاعر رنگ، خوشبو اور روشنی کا خواہاں ہوتا ہے۔ وہ حضور سے مدد کا طالب ہوتا ہے تو دراصل اللہ سے مانگ رہا ہوتا ہے۔ حضورؐ کی ذات کو وسیلہ بنا کر رب عطا سے مانگنے کا یہ قرینہ دراصل محبت کے ان قرینوں میں سے ہے کہ جس سے مانگنا مقصود ہوا سے اس کی محبوب ترین شے کا واسطہ دیا جائے اور اسے وسیلہ بنا کر مانگا جائے۔ چنانچہ حضورؐ کے حضور استغاثہ و فریاد کرنے والے استمداد یہ رنگ اختیار کرنے کے پیچھے یہی جذبہ خیر اور حسن نیت کا رفرما ہوتا ہے۔ حضور امتیوں کی فریاد ضرور سنتے ہیں۔ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اس

کیفیت کو یوں دو ٹوک الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ ے

فریاد امتی جو کرے حالِ زار کی

ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں یوں بارگاہِ حضور میں چارہ سازی کی درخواست کرتے ہیں ے

شہا بے کس نوازی کن، طیبیا چارہ سازی کن

مریضِ درد عصیانم، اثنیٰ یارسول اللہ

حکیم الامت علامہ محمد اقبال معروف معنوں میں نعت گو شاعر نہ تھے مگر ان کی متعدد اردو اور فارسی

نظموں میں بحضورِ رحمۃ للعالمین سید المرسلین، ذاتی کرب اور امتِ محمدیہ کی زبوں حالی کا پردرد بیان

ملتا ہے۔ جس میں چارہ سازی کے لیے التجا کی گئی ہے ے

تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر

مری دانش ہے افرونگی، مرا ایماں ہے زناری

مولانا ظفر علی خان کی نعتیہ شاعری کے جدید نعتیہ ادب پر اثرات بڑے گہرے اور انمٹ ہیں۔ ان کی

کئی معروف نعتیں استغاثہ و فریاد کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔ ”فریاد بحضور سرور کوئین“ اور ”عرضِ حال

بدرگاہ رب العزت بتوسط حضور خولجہء دو جہاں“ اس سلسلے کی بہترین مثالیں ہیں۔ مولانا کی شاعری

میں عصری کرب کے حوالے سے استمدادِ ادبیہ انداز کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

جاگ اے یثرب کی میٹھی نیند کے ماتے کہ آج

لٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تری امت کا راج“ (۴۳)

☆ نعت رنگ، شمارہ نمبر ۳، ستمبر ۱۹۹۶ء:

نعت رنگ کے اس شمارے میں تنقیدی نوعیت کے مضامین کی فہرست درج ذیل ہے:

i۔ اردو نعت میں انبیائے سابقین کی رفعتِ شان کا استقصار..... رشید وارثی

ii۔ نعت پر تنقید (دوسرا رخ)..... پروفیسر عاصی کرنالی

iii۔ اردو نعت گوئی میں عقیدت و محبت کا اظہار..... ڈاکٹر عصمت جاوید

iv۔ امام احمد رضا اور محسن کا کوروی..... ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

v۔ بانگِ درا کی نعتیہ تب و تاب..... پروفیسر محمد اقبال جاوید

vi۔ جاذبِ قریشی، جدید تر لہجے کا شاعر..... عزیز احسن

درج بالا فہرست میں صرف ڈاکٹر عصمت جاوید کے مضمون پر گفتگو کی جاسکتی ہے۔ بقیہ مضمون نگاروں کا ذکر متعلقہ باب میں ہوگا۔

☆ اردو نعت گوئی میں عقیدت و محبت کا اظہار:

ڈاکٹر عصمت جاوید کا تعلق بھارت سے ہے۔ ان کا مضمون ”اردو نعت گوئی میں عقیدت و محبت کا اظہار“ اس نکتے کی وضاحت سمیٹے ہوئے ہے کہ اردو نعت میں شعراء نے جنابِ نبی کریم علیہ السلام کی تعریف میں الوہیت و عبدیت کے ڈانڈے ملا تو نہیں دیئے؟..... اور اس کا جواب انہوں نے بعض محتاط شعراء کی نعتوں کی مثالوں کی روشنی میں دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”جن قوموں نے خالق و مخلوق کے درمیان اس نازک فرق کو ملحوظ نہیں رکھا وہ گمراہ کن عقائد، فسق و فجور، ظلم و تعدی اور اصرام پرستی کی آڑ میں نفس پرستی کا شکار ہو گئیں اور آج بھی ہیں ہندوستان کے نام نہاد تو حید پرستوں میں اس خطرناک رجحان کی طرف حائی نے مسدس حالی میں جہاں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے وہاں یہ بھی کہا ہے ع نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں

جہاں تک اردو کے نعتیہ ادب کا تعلق ہے، کچھ نعت گو ایسے ضرور ہیں جنہوں نے حاشا و کلا اس قسم کی گستاخی کر کے ”ولم یکن لہ کفو احد“ کے بنیادی عقیدے سے انحراف کیا ہے، لیکن مستثنیات سے قطع نظر، ہمارے نعت گو شعرا نے جوشِ عقیدت میں بھی نعم العبد والمعبود کے درمیان جو قاب قوسین سے بھی کم فاصلہ ہے، اسے ملحوظ رکھا ہے، اور جہاں بھی حدودِ شریعت کے متجاوز ہونے کا خطرہ محسوس کیا ہے وہاں یا تو خاموشی اختیار کر لی ہے یا پھر اس سے بچ نکلنے کی کوئی دوسری صورت نکالی ہے، مثلاً حفیظ جالندھری کہتے ہیں:

بہ صورت نور سبحانی بہ معنی ظل روحانی
نشانِ حجت حق مظہر تائیدِ ربانی
وہ جس کو فاتح ابواب اسرار قدم کہیے
بنائے عرش و کرسی باعثِ لوح و قلم کہیے
علی الاعلان سر کنت کنزاً خفیاً کہیے
مگر اس کو شریعت کا ادب مانع ہے کیا کہیے

دیکھیے اصغر گوئدوی نے وفورِ شوق میں شرک سے بچنے کی کیا صورت نکالی ہے۔

چلوں میں جانِ حزیں کو نثار کر ڈالوں

نہ دیں جو اہل شریعت جمیں کو اذنِ سجود
اصغر گونڈوی نے اکثر مقامات پر نعم العبد اور معبود کے اس لطیف فرق کو شاعرانہ انداز میں
بیان کیا ہے مثلاً

عظمتِ تنزیہ دیکھی، شوکتِ تشبیہ بھی
ایک حالِ مصطفیٰ ہے ایک قالِ مصطفیٰ
بجلی ہو، مہر و ماہ ہو، یا شمعِ حرم ہو
ہے سب کے جگر میں رخِ تابانِ محمد
اے حسنِ ازل اپنی اداؤں کے مزے لے
ہے سامنے آئینہ حیرانِ محمد
وہ رازِ خلقتِ ہستی، وہ معنیِ کونین
وہ جانِ حسنِ ازل، وہ بہارِ صبحِ وجود‘ (۴۴)

☆ نعت رنگ کتابی سلسلہ نمبر ۴، مئی ۱۹۹۷ء:

- صبحِ رحمانی کی ادارت میں نکلنے والا کتابی سلسلہ ”نعت رنگ“، نمبر ۴، اس اعتبار سے بڑا اہم
اور وسیع ہے کہ اس میں دنیائے ادب کے معروف نقادوں کی تحریریں نظر آتی ہیں۔ مثلاً
- i۔ نعت اور گنجینہ معنی کا طلسم، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشتی
 - ii۔ اردو نعت گوئی میں ہیئت کے تجربوں کی ضرورت، ڈاکٹر فرمان فتحپوری
 - iii۔ محرکاتِ نعت، ڈاکٹر سلیم اختر
 - iv۔ جدید اردو نعت اور علامت نگاری، احمد ہمدانی
 - ان کے علاوہ تنقیدی قدر کے حامل کچھ مضامین اور ہیں، مثلاً
 - v۔ اردو نعت اور شاعرانہ تعلی، رشید وارثی
 - vi۔ اردو نعت اور جدید اسالیب، عزیز احسن
 - vii۔ نعت کہیے مگر احتیاط کے ساتھ، پروفیسر محمد اقبال جاوید
 - viii۔ نعیم صدیقی کی ایک نعت، ڈاکٹر ایوب شاہد
 - ix۔ حسرت حسین حسرت اور ان کا فنِ نعت گوئی، پروفیسر حفیظ تائب
 - x۔ عرفانِ بجنوری کی نعت گوئی، ڈاکٹر عبد نعیم عزیز

ان مضامین کا تعارف بھی بہت منتخب (Selected) ہوگا۔ کیوں کہ یہاں بھی بعض مضمون نگاروں کے نام ایسے آگئے ہیں جن کا ذکر کسی نہ کسی صورت اور کسی نہ کسی باب میں اس مقالے میں موجود ہے مثلاً ڈاکٹر سید امجد ابوالخیر کشتی، رشید وارثی، پروفیسر محمد اقبال جاوید، پروفیسر حفیظ تائب، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی وغیرہم۔ بقیہ مضامین کا مختصر مختصر ذکر ان کی تنقیدی اہمیت کے حوالے سے درج ذیل کیا جاتا ہے:

ii۔ اردو نعت گوئی میں ہیئت کے تجربوں کی ضرورت، ڈاکٹر فرمان فتحپوری:

ڈاکٹر فرمان فتحپوری کا یہ مضمون تحقیقی نوعیت کا ہے لیکن چون کہ اس میں شعری اصناف کی ہیئت کے حوالے سے نعتیہ ادب کا ذکر آیا ہے اس لیے اس مضمون کی تنقیدی قدر بھی ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے بہت مختصر لیکن بڑے جامع انداز میں اردو کی ابتدائی شاعری میں مثنوی کی مقبولیت اور اس صنف کے نمونوں کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے تقریباً ہر مثنوی کی ابتداء میں حمد و نعت کے عناصر کی نشاندہی کی ہے۔ موضوع کی اہمیت پر ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے تنقیدی تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

”نعت کا موضوع بہت بڑا ہے اور بڑا موضوع شاعر سے فکر و فن کے بڑے کیڑوں کا تقاضا کرتا ہے۔ یوں تو اردو نعت کے سرمائے میں اکثر غزل کی ہیئت کی نعتیں بھی نہایت بیش بہا مقام رکھتی ہیں۔ لیکن غلام امام شہید، کرامت علی شہیدی، اقبال سہیل، محسن کاکوروی کی طویل نعتیہ مثنویات و قصائد، علامہ اقبال کی نظموں اور مولانا حالی کے مسدس کے نعتیہ اجزاء کی بات ہی کچھ اور ہے اس لیے اردو نعت کو شعر کی نئی نئی ہیئوں اور فکر و فن کے نئے نئے سانچوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے۔“ (۴۵)

iii۔ محرکات نعت، ڈاکٹر سلیم اختر:

ڈاکٹر سلیم اختر، ”نفسیاتی تنقید“ کے مختصص اسکالر ہیں۔ انہوں نے نعتیہ شاعری میں پوشیدہ ان مقاصد اور جذباتوں کی نشاندہی کی ہے جو شاعر کے لیے نعتیہ شاعری کی طرف میلان کے محرک بنے۔ مضمون بہت مختصر ہونے کے باوجود تنقیدی اہمیت کا حامل اور فکری تغذیے (food for thought) سے لبریز ہے۔ چند ایک اقتباسات ملاحظہ ہوں:

”اگرچہ شاعری کے محرک کئی جذبات ہیں لیکن ان میں محبت کا جذبہ غالباً سب سے زیادہ قوی اور دیر پا ثابت ہوتا ہے۔ محبت کا یہ جذبہ جب فن کی صورت اور تخلیق کے روپ میں جوت پاتا ہے تو پرزم سے نکلی شعاع کی مانند کئی رنگوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔ ہر رنگ اگرچہ حسن اور دلکشی میں منفرد ہوتا ہے

مگر اپنی اصل سے اس کا ناتہ ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔ اس طرح انسان جب محبت کا اظہار تخلیقی سطح پر کرتا ہے تو یہ بھی متنوع روپ دھارتی ہے۔ ایک سطح پر یہ مثالی محبت ہے پھر اس سے بلند تر سطح پر یہ مجرد (آئیڈیل، تصور، وطنیت) کی محبت ہے اور سب سے بلند ترین سطح پر یہ خدا اور اس کے رسول کی محبت ہے۔ شاید اسی لیے اردو ادب میں حمد و نعت قدیم زمانے سے ملتی ہیں..... نعت کے محرک جذبے کو محبت سے واضح کرنے کے باوجود یہ امر واضح رہے کہ یہ لفظ عمومی حیثیت میں ان تمام جذبات و احساسات کا احاطہ نہیں کر پاتا جو انفرادی حیثیت میں کسی بھی نعت گو کے لیے محرک کا کام کر سکتے ہیں۔ شاید ان تمام جذبات و احساسات کی درجہ بندی ممکن بھی نہ ہو۔ تاہم چند اہم محرک جذبات و احساسات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ یہ تو طے ہے کہ ان محرک جذبات میں آنحضرتؐ سے محبت اور عقیدت سر فہرست ہے، بقول اقبال:

ہوا ہو ایسی کہ ہندوستان سے اے اقبال

اڑا کے مجھ کو غبارِ روہِ جاز کرے“ (۴۶)

محبت کے بعد نعتیہ شاعری کے محرکات میں ڈاکٹر سلیم اختر نے جذبہ ”شفاعت طلبی“ کو شعر عقیدت کا محرک بتایا ہے اور اس کے بعد حضور اکرم کے اوصاف حمیدہ کی شمولیت کو بھی نعت کا محرک گردانا ہے کیوں کہ ان کے نزدیک:

”کرداری اوصاف کے بغیر محض جسمانی حسن پیغمبرانہ شان کے منافی ہے“ (۴۷)

نعت گوئی کے چند محرکات کا ذکر کر کے ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

”نعت گوئی کے ان چند محرکات کے بیان کا یہ مطلب نہیں کہ تمام نعت گو صرف ان ہی کے مطابق

نعت کہتے ہیں۔ نعت، شاعر کی اسلامی اور تخلیقی شخصیت کے امتزاج کا فن کارانہ نمونہ ہوتی ہے اس

لیے اظہار میں اتنا ہی تنوع ملتا ہے جتنا کہ خود مسلمانوں کے تخلیقی مزاج میں۔“ (۴۸)

iv۔ جدید اردو نعت اور علامت نگاری، احمد ہمدانی:

احمد ہمدانی کا یہ مضمون اپنے موضوع کے اعتبار سے نعتیہ شاعری میں خاصے کی چیز ہے اور انتہائی درجہ تنقیدی قدر کا حامل بھی۔ کیوں کہ اس مضمون سے قبل ”علامت“ (Symbol) کے استعمال کو نعتیہ شاعری سے منسلک کر کے زیر بحث نہیں لایا گیا تھا۔ علامت نگاری کے ضمن میں احمد ہمدانی لکھتے ہیں:

”علامت نگاری دراصل ایک شعوری اور ارادی تکنیک ہے۔ علامت نگار شعراء کہتے ہیں کہ خارجی و معروضی عالم گزراں اصل میں حقیقت نہیں ہے۔ لہذا اس کے مناظر اور اس کی اشیاء میں مشابہتیں

بھی غیر حقیقی ہیں چنانچہ یہ لوگ اپنے احساس میں جنم لینے والے حجابات ہی کو حقیقی تصور کرتے ہیں اور ان حجابات کی مماثلتوں کو علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔‘ (۴۹)

علامت نگاری کے محرکات کی تفہیم کے لیے مضمون نگار نے کچھ ایسے اشعار بھی مثال کے طور پر پیش کیے ہیں جن کے باطن میں علامتوں کا جہان پنہاں ہے:

”نذیر قیصر ایک عیسائی نعت گو شاعر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ صرف مسلمانوں کے لیے رحمت نہیں تھے بلکہ رحمت للعالمین ہونے کے ناتے وہ تمام انسانوں کے لیے رحمت تھے۔ لہذا وہ عیسائی ہونے کے باوجود ثنائے رسولؐ پاک کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری میں علامتوں کا استعمال بڑی خوبصورتی سے ہوا ہے، مثلاً ان کے اشعار دیکھیے:

دن سے پہلے سورج آئے رات سے پہلے شام
صبحیں تیرے نقش قدم ہیں خوشبو تیرا نام
دھرتی پر پھیلائے کس نے روشنیوں کے کھیت
تیرے پاؤں کو چومنے والی پاک مقدس ریت
خوشبو اسم بنے اور اسم سے آگے نور کا ہالا
آج کی رات اس ہالے کو میں تنہا دیکھنے والا
پہلی شام مدینہ کی اور دھند سے لپٹے باغ
سایہ سایہ دیکھ رہا ہوں صورت اور چراغ
کوئی درد پھول بنے کبھی ترا درشن ہو
اڑ رہی ہے دوش پر صحرا کی شال
ہاتھ میں کھلتا ہوا کرنوں کا پھول (۵۰)

احمد ہمدانی نے نذیر قیصر کی شاعری کی مثالیں دے کر ان میں استعمال ہونے والی علامتوں کے معانی کی پردہ کشائی کرنے کی کوشش بھی کی ہے..... وہ لکھتے ہیں:

”خوشبو تیرا قیام: سے مراد حضورؐ کی ولادت سے پردہ کرنے تک کا زمانہ ہے جسے شاعر نے پوری نوع انسانی کے لیے فرحت و شادمانی کا سبب بتایا..... روشنیوں کے کھیت کی بلاغت قابل داد ہے۔ روشنیوں سے مراد حضورؐ کی تعلیمات ہیں جبکہ کھیت ان تعلیمات کے بڑھنے اور پھیلنے کا اشارہ ہے۔ دھند سے لپٹے باغ سے ذہن ایام جاہلیت کا منظر آنکھوں کے سامنے لاتا ہے۔ یہاں کے باغ

سے مطلب عالم انسانیت ہے اور دھند میں لپٹنے کا مطلب گمراہی اور تاریکی میں گھرا ہونے سے ہے یعنی حضورؐ کی آمد سے پہلے عالم انسانیت تاریکی میں گھرا ہوا تھا۔ صورت اور چراغ سے مراد حضورؐ کی ذات اقدس اور آپؐ کی تعلیمات ہیں۔ درد پھول بنے یعنی حضورؐ کی زیارت سے درد فرقت اپنی جگہ فرحت و شادمانی بن جائے۔ صحرا کی شال سے مراد ریگستان کا طرزِ حیات ہے اور ہاتھوں میں کرنوں کا پھول کا مطلب ہے قرآنِ پاک۔ ان علامتوں میں ظاہری مشابہتیں نہیں ہیں لیکن تاثرات و احساسات میں موجود مماثلتوں سے انکار ممکن نہیں۔ (۵۱)

احمد ہمدانی نے اپنے تجزیاتی مطالعے سے نعتیہ تنقیدی سرمائے کو ثروت مند بنانے کی ایک راہ بھائی ہے۔ انہوں نے اپنے مضمون میں نذیرِ قیصر کے علاوہ رشیدِ قیصرانی، حفیظ تائب، سرشار صدیقی، ریاض حسین چودھری، صلیح رحمانی اور خاور اعجاز کی نعتیہ شاعری میں علامتوں کے استعمال کی مثالیں پیش کر کے تشریحاتی تنقید (Descriptive Criticism) کی ٹیکنیک بروئے کار لاتے ہوئے کچھ علامتوں کی تفہیم کی کوشش بھی ہے۔

علامتوں کی تفہیم، علامتوں کے استعمال کی نشاندہی اور ان کے استعمال کے محرکات پر احمد ہمدانی کا یہ مختصر مضمون ایک رجحان ساز مضمون ہے۔

viii۔ نعیم صدیقی کی ایک نعت، ڈاکٹر ایوب شاہد:

ڈاکٹر ایوب شاہد کا درج بالا مضمون بھی تشریحاتی تنقید کا نمونہ ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے نعیم صدیقی کی ایک نعت منتخب کر کے اس کے معنیاتی دائروں کی وسعتوں کا اندازہ لگانے کی سعی کی ہے۔ اس مضمون میں بوقلموں فکری زاویے سامنے آئے ہیں۔ ہم یہاں صرف ایک شعر کی تشریح کے حوالے سے متعلقہ اقتباس نقل کریں گے..... وہ لکھتے ہیں:

”نعت کا مرکز و محور تو وہ ذاتِ عظیم و اکبر ہے جس کا تعلق اپنے تعلق میں پھر کسی کو برداشت نہیں کرتا۔ اس لیے نہیں کہ یہاں حسد و تکبر کی جلوہ گری ہے یا احساسِ کمتری کا کوئی اظہار ہے بلکہ یہاں تو ایک ایسا سفرِ حقیقت ہے کہ جس پر کسی دوسرے وجود کا اثبات سرے سے ممکن نہیں..... آنجناب ﷺ سے تعلق کی یہ یکتائیت وہ اعلیٰ ترین حقیقت ہے کہ جس کا سبق خود خالقِ کائنات نے بار بار اپنے کلام میں پڑھایا اور اس پس منظر میں نعیم صدیقی کی نعت کا پہلا شعر دل و دماغ پر نقش ہو کر رہ گیا۔

نبیؐ کے عشق میں دنیا سے پیار ٹوٹ گیا

اس اعتبار سے ہر اعتبار ٹوٹ گیا

..... شاعر کہتا ہے کہ دنیا سے پیار ٹوٹ گیا۔ گویا شاعر نے اپنے تخلیقی عمل میں فکر کی صحت کو بھی قائم رکھا ہے کہ پیار نہ ہونا اور بات ہے جبکہ تعلق نہ ہونا دوسری بات ہے۔ دنیا سے تعلق کی نفی نہ اسلام کرتا ہے نہ آنجناب ﷺ کی تعلیمات میں ہے۔ بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اسلام میں رہبانیت نہیں“۔ چنانچہ دیکھیے شاعر نے آنجناب ﷺ سے تعلق کی کس عمدگی سے وضاحت کی ہے کہ دنیا ترک نہیں کی، معاملات دنیا کو چھوڑ کر رہبانیت کا راستہ نہیں اپنایا مگر یہ کہ نبی ﷺ کے پیار اور محبت کے مقابل دنیا کا پیار بے وقعت و بے حقیقت پایا اور دانا کبھی بے حقیقت و ناپائیدار چیز سے تعلق نہیں رکھتا جیسا کہ علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔ مگر حیرت ہے کہ یہاں شاعر نے تو نفع و نقصان کا بھی نہیں سوچا بلکہ اس نے تو محبوب کے عشق میں دنیا سے تمام تعلقات میں اس رویے کی نفی کر دی اور اسی اعتبار و حوالہ سے اپنی شناخت کو اس درجہ کامل کیا کہ دوسرے تمام اعتبارات و علاقے سے گویا بے نیاز ہو گیا۔ اور اس میں شک بھی کیا ہے کہ آنجناب ﷺ کے تعلق کے بعد انسان کی ذات میں کسی فرد سے تعلق کی ضرورت یا پیاس کسی سطح و مقام پر نہیں رہتی کیوں کہ خود رب کبریٰ نے اس ذات کو انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ سے تعبیر فرمایا“۔ (۵۲)

رسول اللہ ﷺ سے تعلق اسلام سے تعلق ہے اور اس تعلق کے بعد دنیا سے پیار ہو ہی نہیں سکتا۔ شاعر نے جس اہم نکتے کی طرف تخلیقی انداز سے اشارہ کیا تھا، نقاد نے اس نکتے کی فکری نہج کی وضاحت کر کے اسے بہت زیادہ روشن کر دیا۔ تشریحی تنقید کا یہ فریضہ فلسفہ دین اور روح اسلام تک رسائی کے بغیر کوئی انجام نہیں دے سکتا۔ نعت شناسی کا تقاضا یہی ہے کہ نعت نگار جو کچھ کہہ رہا ہے نعت کا نقاد اس نکتے کو سمجھ کر اس پر گفتگو کا دروازہ کھولے!

☆ نعت رنگ، کتاب نمبر ۵، مرتبہ: صبیح رحمانی، فروری ۱۹۹۸ء:

نعت رنگ کتابی سلسلے کی پانچویں کتاب میں تنقیدی قدر کے درج ذیل مضامین شامل ہیں:

i۔ نعت کے عناصر، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

ii۔ اردو نعت گوئی کے موضوعات، ڈاکٹر یحییٰ شیط

iii۔ مدینہ منورہ کو پیشرب کہنے کی ممانعت، رشید وارثی

iv۔ اردو نعت اور شاعرانہ رویہ، عزیز احسن

v۔ منفرد لہجے کا نعت گو شاعر سرشار صدیقی، واصل عثمانی

vi۔ شاخ غزل پر مدحت کے خوشنما پھول، عزیز احسن

درج بالا مضامین میں صرف ڈاکٹر یحییٰ فیض اور واصل عثمانی کے مضامین پر گفتگو کی گنجائش

ہے۔

ii۔ اردو نعت گوئی کے موضوعات، ڈاکٹر سید یحییٰ فیض:

ڈاکٹر سید یحییٰ فیض کا مضمون تحقیقی نوعیت کا ہے، تاہم اس میں کچھ تنقیدی اشارے بھی پائے جاتے ہیں اس لیے مضمون کا مختصر ذکر ضروری ہے۔ ڈاکٹر فیض نے اپنے مضمون میں بتایا ہے کہ اردو کی نعتیہ شاعری میں بلا تحقیق کچھ اسرائیلی روایتوں اور کچھ ہندو صنمیات کو جزو نعت بنالیا گیا ہے۔ صنمیات کے حوالے سے وہ بتاتے ہیں:

”ہندوستان میں مسلمان اگرچہ فاتح بن کر آئے تھے، لیکن یہاں کے تہذیب و تمدن نے انہیں مفتوح بنا ڈالا۔ چنانچہ دو قوموں کے ارتباط سے سحر و زنا کے رشتے مضبوط ہوتے گئے..... ہندو مذہب میں پیغمبروں کے متعلق یہ تصور عام ہے کہ وہ انسانی شکل میں ”ایشور“ ہیں۔ ہمارے نعت گو شعراء نے اس تصور کو بڑی حد تک قبول کیا ہے اور اسی کے مطابق عقائد اسلام کو بالائے طاق رکھ کر نعت نبی ﷺ کو جزو ایمان سمجھ لیا ہے۔ افسوس کہ علماء و فضلاء بھی اس بدعتِ قبیحہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ چنانچہ محسن کا کوروی رب اور مر بوب کا فرق ”عرب“ کا عین ہٹا کر دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس طرح احد و احمد میں حرف ”میم“ کا وجود انھیں کھٹکتا ہے۔ دیکھیے انھوں نے کتنی جسارت اور دلیری دکھائی ہے۔“

عینیت غیر رب کو رب سے
غیریت عین کو عرب سے
ذاتِ احمد تھی یا خدا تھا
سایہ کیا میم تک جدا تھا (۵۳)

اسی تسلسل میں مضمون نگار نے مشہور زمانہ ایسے اشعار نقل کر دیئے ہیں جن پر ہر حساس ناقد

نے اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے مثلاً

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر
اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ مجھے لینا ہے لے لوں گا محمدؐ سے

استغفر اللہ!! اوتاروں کی شان میں لکھے گئے بھجن بھی اس کفریہ کلام کے مقابلے میں بیچ ہیں۔
نعتیہ شاعری میں نسائی انداز کو اپنانے کی مثالیں دے کر بھی ڈاکٹر سید یحییٰ نقیٹ نے کڑی تنقید کی ہے:

”نعت جیسی مقدس صنف میں نسائی انداز اپنا کر انتہائی درجہ کے سفلہ پن کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ شائقِ عشقِ نبیؐ میں فراق کی کیفیت کو نسائی انداز میں یوں بیان کرتے ہیں۔
طیبہ کے رنگیلے بانگے میاں موہے چاند سا مکھڑا دکھانا
میں برہا دیوانی تڑپت ہوں ذرا آجانا ذرا آجانا
اور مولانا عبد القدیر حسرت کے یہ حسرت بھرے اشعار بھی ملاحظہ ہوں:

بھولی بھالی میں ہوں ناری

پیت گلے کا ہار

موری نیا منج دھار

صوفیانہ رنگ ڈھنگ میں حضرت امجد بھی ”مدینہ کی جوگن“ بن کر نکل کھڑے ہوئے :

نکلی ہے گھر سے جوگن کفنی گلے میں ڈالے

پاؤں میں پڑ گئے ہیں اب چلتے چلتے چھالے

گرنے کو ہوں زمیں پر ہے کون جو سنبھالے

یثرب نگر کے راجہ او کالی کملی والے

کرپا کی اک نظر ہو دکھیا پہ اپنی پیارے

بھولی نہیں میں تم کو تم کیوں مجھے بسارے

حضور ﷺ نے مدینہ کو یثرب کہنے سے منع فرمایا ہے۔ پھر بھی امجد مدینہ طیبہ کو بحر و قنونی

نبھانے کے لیے یثرب کہہ رہے ہیں۔“ (۵۴)

یہ مثالیں نعتیہ شاعری کی تنقید میں اکثر و بیشتر پیش کی جاتی رہی ہیں۔ ہم نے مختصراً ڈاکٹر یحییٰ

نقیٹ کا اندازِ نقد ظاہر کرنے کے لیے ان کے مضمون سے چند اقتباسات دیدیئے ہیں۔

ڈاکٹر نقیٹ کا یہ انداز لائق ستائش ہے کہ انہوں نے سخت تنقید کرنے کے باوجود شعرائے نعت

کے بارے میں کوئی کفر کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ یہ لکھا:

”نعت گوئی کے یہ چند موضوعات تھے ان پر قصرتِ تعمیر کر کے اردو کے نعت گو شعراء سمجھ رہے ہیں

گویا انہوں نے جنت میں اپنے گھر تعمیر کرالیے ہیں۔ جو کچھ بعد بھی نہیں کہ اللہ ان کی اسی سرشارانہ عقیدت رسولؐ سے خوش ہو جائے اور یہی نعتیں ان کے لیے حدائقِ بخشش بن جائیں.....“ (۵۵)
۷۔ منفرد لہجے کا نعت گو شاعر سرشار صدیقی، واصل عثمانی:

واصل عثمانی نے سرشار صدیقی کی نعتیہ شاعری کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرشار صدیقی نے جس ادبی اور دلکش اسلوب میں نعت لکھی ہے، واصل عثمانی نے اس ادبیت کی روح کو پالنے کے بعد اس شاعری کی تحسین کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”جب کوئی صحیح العقیدہ شاعر، عجز و انکسار کا جیتا جاگتا مجسمہ جامہء ادب زیب تن کیے ہاتھوں میں عشق رسولؐ کی مشعل اٹھائے ایوانِ نعت میں داخل ہوتا ہے تو اس کے اشعار سے قصرِ مدحت رسولؐ جگمگا اٹھتا ہے اور محبت و خلوص بھرے لفظ معنی کے گلہائے رنگیں سے وہ خوشبو بکھرتی ہے کہ لوگ خود بخود متوجہ ہو جاتے ہیں..... سرشار نے صرف اسی عقیدت اور اپنی شاعرانہ قابلیت و ریاضت کے بل بوتے پر نعتیں نہیں لکھیں بلکہ سراپا شوق اور ہمہ اضطراب کی کیفیت کو ادب و احترام کی تنگنائے سے گزارا ہے۔ یہی سبب ہے کہ مدحت رسولؐ کے ایسے یادگار زمانہ اور شاہکار، اُسے خزانہء قدرت سے عطا کیے گئے جن سے نعت گوئی میں ایک نئے لہجے اور اسلوب کا اضافہ ہوا۔ دوسرے نعت گو شعراء اس پروازِ تخیل اور اس فنکارانہ صلاحیت پر اسے بہ نظر استعجاب تکتے رہ جاتے ہیں۔“
”یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے“

سرشار صدیقی، جن کا لب و لہجہ اردو شاعری اور خاص طور سے غزل میں بہت تیز و تیکھا ہے جب نعت گوئی کے میدان میں قدم رکھتے ہیں تو یہاں بھی اپنے لہجے کی انفرادیت برقرار رکھتے ہیں جو ان کی شناخت کا ضامن ہے۔ یہ اور بات ہے کہ تیز و تیکھے لہجے کی جگہ ان کے نعتیہ تغزل میں نرم و نازک لہجہ اس ڈھب سے حلول کر گیا ہے کہ ان کی شناخت بڑی آسانی سے کی جاسکتی ہے۔ انہیں خود بھی اس کا احساس ہے کہ وہ نعتیہ شاعری میں ایک ایسا جدید لہجہ تراش رہے ہیں جو آئندہ نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ہوگا۔

اظہارِ عقیدت میں جو لہجہ تراشوں میں
وہ میرے زمانے کا اندازِ بیاں ٹھہرے
خلوصِ نعت کا جذبہ ہے مشترک سرشار
جدا ہوں سب سے میں اظہار کے قرینے میں

یہ اسی سراپا رحمت و خیر و برکت کا فیضان ہے کہ سرشار صدیقی جیسے شوریدہ بیاں اور تیکھے انداز کا شاعر جب دربار رسالت میں حاضری کی سعادت حاصل کرتا ہے تو اس کے اسلوب اور اظہار کے قرینے میں عجیب قسم کی گھلاوٹ، کشش اور نرم و نازک طرز اظہار کا لطف نمایاں ہو جاتا ہے کیوں کہ یہ شعر گوئی سے زیادہ عبادت سمجھ کر کہتے ہیں۔

نعتوں میں برستے ہیں آداب عبادت کے

ہر چند غزل میں ہم شوریدہ بیاں ٹھہرے، (۵۶)

☆ نعت رنگ، کتابی سلسلہ شمارہ نمبر ۶، مرتب: صبیح رحمانی، ۱۹۹۸ء:

نعت رنگ کے شمارہ نمبر ۶ میں بھی حسب معمول تنقیدی مضامین کا تنوع ہے۔ اس میں شائع

ہونے والے مضامین کی فہرست درج ذیل ہے:

i۔ نعت کے موضوعات، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

ii۔ نعت گوئی کا تصور انسان، جمال پانی پتی

iii۔ اردو نعت میں تلمیحات کا غیر محتاط استعمال، رشید وارثی

iv۔ اردو نعت میں آفاقی قدروں کی تلاش، عزیز احسن

v۔ حضارت جدید، شفیق فاطمہ شعری، تجزیہ نگار، جمید نسیم

vi۔ ظفر علی خاں کی نعت نگاری، ڈاکٹر شبیہ الحسن

vii۔ سید ضمیر جعفری کی ایک دلاویز نعت، پروفیسر محمد اقبال جاوید

viii۔ اختر بستی کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

ix۔ صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری، حب رسول کا جمالیاتی اظہار، عزیز احسن

درج بالا نو مضامین میں سے صرف تین ایسے ہیں جن پر ہمارے طے شدہ اصولوں کے تحت

یہاں کچھ کہا جاسکتا ہے: [۱] نعت گوئی کا تصور انسان، جمال پانی پتی [۲] حضارت جدید، شفیق فاطمہ

شعری، تجزیہ نگار، جمید نسیم، اور [۳] ظفر علی خاں کی نعت نگاری، ڈاکٹر شبیہ الحسن

ii۔ نعت گوئی کا تصور انسان، جمال پانی پتی:

جمال پانی پتی کا یہ مضمون اس اعتبار سے بڑا اہم ہے کہ اس میں فلسفیانہ سنجیدگی سے حضور

اکرم ﷺ کی ذات کے بشری اور نوری پہلوؤں پر گفتگو کی گئی ہے۔ محمد حسن عسکری نے اپنے مضمون ”محسن

کا کوروی،“ میں نور و بشر کا مسئلہ چھیڑا تھا اور محسن کا کوروی کو حضور اکرم ﷺ کی نوری جہت پر ایمان رکھنے والا، جبکہ حالی کو رسول کریم ﷺ کی بشریت پر زور دینے والا شاعر کہا تھا۔ حسن عسکری کا ذکر تو اس مقالے میں کئی جگہ اسی حوالے سے ہو چکا ہے، اس لیے یہاں تفصیلات دینے کا موقع نہیں۔ جمال پانی پتی نے محمد حسن عسکری کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے، نعتیہ شاعری پر حالی اور محسن کے فکری رویوں کا پرتو دکھانے کی سعی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”نعت گوئی کے جدید رجحان کا نقطہ آغاز خواہ حالی کو قرار دیں یا کسی اور کو۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ رجحان جہاں اپنے جلو میں بہت سی ایسی قابلِ قدر اور خوش آئند تبدیلیاں لے کر آیا جن سے نعت گوئی کا اسلوب و آہنگ خوب سے خوب تر اور اس کا افق وسیع سے وسیع تر ہوا، وہاں بعض ایسی چیزیں بھی اس رجحان کے ساتھ ہماری نعت گوئی میں در آئی ہیں جو نعت گوئی کی اسلامی روایت کے بنیادی مزاج کے سراسر خلاف بلکہ اس کی نفی کرنے والی ہیں۔ سرسید کے زیرِ اثر اور پیروی مغربی کے بڑھتے ہوئے شوق کی بدولت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلوئے بشریت پر زور دینے والے ایسے لوگ تو بقول محمد حسن عسکری ہمارے ہاں پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے جو آپ کو بڑے بھائی یا ایک بڑے مصلح اور ریفارمر کا درجہ دیتے تھے۔ پھر شوق کی یہی لے جب اور آگے بڑھی تو ہمارے ہاں ترقی پسند تحریک اور مغرب کی جدید ادبی تحریکات کے دور عروج میں نعت گوئی کا چلن ایسا متروک ہوا کہ اکادکا مستثنیات سے قطع نظر مجموعی طور پر ہمارے شعرائے کرام کا نعت گوئی سے کوئی واسطہ ہی باقی نہ رہا۔“ (۵۷)

حضور اکرم ﷺ کی بشری جہت کے ذکر میں جمال پانی پتی نے احتیاط کا دامن تھام کر چلنے کی ہدایت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”اس بات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ حضور کے پہلوئے بشریت پر زور دینے کا جدید رجحان اس حد تک نہ بڑھنے پائے کہ ساری توجہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی ایک جہت پر مرکوز ہو کر رہ جائے اور اس کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماورائی جہت نظروں سے اوجھل ہو کر رہ جائے۔ دوسرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بشری اوصاف کی تعریف کے ضمن میں بھی ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ بشر ہونے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام انسانوں کے برعکس بشریت کے انتہائی درجہ کمال پر فائز تھے۔“ (۵۸)

حقیقت محمدیہ کا مفہوم ظاہر کرنے کے لیے جمال پانی پتی نے لکھا:

”ذاتِ حق کی تجلیءِ اول کو حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں۔ اس عقیدے کی رو سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کا وہ نور ہیں جو اسماء و صفات کے ظہور سے پہلے چکا اور زمان و مکاں کی تخلیق سے پہلے درخشاں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حدیثِ اول مخلق اللہ نوری میں اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے۔ چنانچہ باعتبارِ خلق آپ اول ہیں اور باعتبارِ ظہور آخر۔ آپ ہی کے نور سے کل کائنات کی تخلیق ہوئی۔ آپ ہی وجہ وجود کائنات ہیں۔ آپ ہی دیباچہ کونین ہیں۔ آپ ہی حقیقتِ آدم علیہ السلام ہیں۔ آپ ہی اصل ہیں جملہ انبیاء علیہم السلام کی۔ آپ ہی عقلِ اول ہیں آپ ہی تعینِ اول ہیں۔ آپ ہی وسیلہ واسطہ ہیں عبد ورب کے درمیان۔ آپ ہی ربط و رابطہ ہیں حق اور خلق کے بیچ۔“ (۵۹)

جمال پانی پتی کا مضمون بڑا فکر انگیز اور فکری اشعاع (Thought provoking) کا مظہر ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر کرنے کی صورت میں ہم اپنے موضوع کی سرحدوں سے بہت دور نکل جائیں گے اس لیے عافیت اسی میں ہے کہ ہم غالب کے ایک شعر کے حوالے سے جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس کا اقتباس دے کر آگے بڑھ جائیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”غالب نے تقریباً صاف صاف ہی کہا ہے کہ
منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مرتبہ غیب ہویت سے پہلی تجلی اپنے آپ پر فرمائی تو نور محمدی ظہور میں آیا اور یوں اللہ تعالیٰ کا نور ذاتی ہی نور محمدی سے موسوم ہوا (اسی کو حقیقتِ محمدیہ تعینِ اول اور تجلیءِ اول کہتے ہیں)۔ اب یہی نور محمدی جب آپ کی صورتِ بشری میں نمودار ہو کر چکا تو آپ کے قد و رخ کا ظہور ہوا۔“ (۶۰)

جمال پانی پتی نے حقیقتِ محمدیہ کے حوالے سے جو کچھ لکھا وہی نعتیہ شاعری میں متصوفانہ فکر کے ظہور کا موجب بنا ہے۔ بعض نقادوں نے جس پہلو کو حدودِ شرع سے متجاوز جانا اور اس کے خلاف رائے دی (جیسا کہ نیچے تخیل کے مضمون میں ہم دیکھ آئے ہیں) وہی پہلو دوسرے نقادوں کے نزدیک حقیقت سے زیادہ قریب ہے۔ ایسی صورت میں نعتیہ شاعری کی تنقید میں تنازع پیدا ہوتا ہے۔ بہر حال یہ فکری نکات شعرِ عقیدت کے انتقادی سرمائے میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس لیے انتہائی درجہ قابلِ توجہ ہیں۔ جمال پانی پتی کی تنقید کو ہم نعت کے ذیل میں متصوفانہ اور نظریاتی تنقیدی جہت سے تعبیر کر سکتے

ہیں۔ جمال پانی پتی اپنی تحریر کے بین السطور یہ کہہ رہے ہیں

ع گوہرے دارم وصاحب نظرے می جویم (حافظ شیرازی)

۷۔ حضارتِ جدید، تجزیاتی مطالعہ، حمید نسیم:

شفیق فاطمہ شعری ایک معروف شاعرہ ہیں۔ ان کا علمی مزاج اور تخلیقی انداز دونوں قابل رشک ہیں۔ بھارت میں رہنے والی اس مسلمان شاعرہ کی ایک طویل نظم ”حضارتِ جدید“ کے عنوان سے نعت رنگ شمارہ ۶ کی زینت بنی ہے۔ اس نظم کا تجزیاتی مطالعہ کرنے کا بیڑہ حمید نسیم نے اٹھایا تھا۔ نعتیہ شاعری کی تفہیم کے لیے علمی وسعت اور فکری گہرائی سے ہونے والا یہ تنقیدی تجزیہ اس لیے قابل ذکر ہے کہ اس میں پہلی بار کسی نقاد نے کسی نعتیہ نظم کے رموز و غوامض کی تفتیش کے لیے طویل فکری سفر طے کیا ہے۔ ہم یہاں شفیق فاطمہ شعری کی نظم کا ایک بند اور حمید نسیم کے تجزیاتی مطالعے کا نمونہ پیش کرتے ہیں:

”محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کا نام

وہ شہ سوارِ گہ گز ارنور

وہ حسن تام، رحمتِ عیم

سب جہانوں کے لیے

نگاہ ان کی ساعتِ حساب سی

نئی پرانی دادخواہ بستیوں کی داگر

وہ شارعِ عظیم، وہ حکم

سبھی زمانوں کے لیے

شبانِ وامی و یتیم

فاتحِ رحیم

شہرِ یارِ دردمند

معلمِ ام

انہیں کا جلوہٴ مکارمِ اتم

بنا جوازِ آفرینش

آسمانوں کے لیے

پندرہ مصرعوں میں حضور کی شخصیت اور سیرت کا ایک دل نواز اور مکمل خاکہ رقم کر دیا گیا۔ یہ شاعرہ

کی قدرتِ کلام اور اپنے موضوع سے دل و جاں وابستہ رہنے اور عشقِ رسول کے مقامِ قبولیت پر ہونے کی گواہی ہے۔ اب آگے ایک اور قصیدہ ہے جو حالی کی مسدس میں نعت کے پہلے بندہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا سے اپنی وجدانی کیفیت میں مماثل ہے۔ شعرِی صاحب نے اس کیفیت کو اوجِ کمال سے محسوس کیا اور بیان کی عظمت کی سطح پر قلم بند کیا:

یتیم کی ہنسی، اسیر کی رہائی

پھولوں کی شگفتگی

کھلی فضاؤں میں طیور کی اڑان۔۔۔ انھیں پسند

(یہ بند ظاہری معانی میں بھی دل پذیر ہے۔ دوسرے اور تیسرے مصرعے میں پھول اور طیور استعارے بھی ہو سکتے ہیں۔ اس سطح پر اس کو دیکھو تو یہ اور بھی جمیل رفیع اور تابندہ کلام ہیں)..... یہ نعت فکری، جذباتی اور وجدانی ہر سطح پر لازوال عظمت کی حامل ہے اور تینوں دھارے Inspiration, Emotion, Thought مل کر قصیدہ کو ایک بے مثل روحانی اور جمالیاتی مبداءِ نشاط جاں بنا دیتے ہیں۔ اگر شعرِی صاحب اور کچھ نہ لکھتیں صرف یہ Canto لکھ دیتیں تو شاعری میں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہتا، جیسے انگریزی شاعر Gray کا نام اس کی Elegy سے انگریزی شاعری میں زندہ رہے گا۔ یہ آخری حصہ حضراتِ جدید کے لیے ایک پیغام ہے۔ تالیفِ قلوب اور تسکینِ شعور کی سطح پر۔ لیکن اس میں یہ بات خاص طور سے Stress کی گئی ہے کہ ان کی ذات تہذیبِ قدیم کے دلدادہ لوگوں کے لیے کسی آزار، کسی فتنے کا سبب نہ تھی کہ حضور ﷺ کی دعوتِ اخوتِ انسانی اور ان کے پیش کردہ نظام کی اساسِ عدل و احسان کے دوہم کار فرما اصولوں پر تھی۔ وہ انسانوں کو گروہوں میں بانٹنے نہیں آئے تھے۔ انسانیت کو ایک وحدت بنانے کے لیے آئے تھے۔ ان کی دعوت کی بنیاد یہ نوید تھی کہ لوگوں کو تم ایک ماں باپ آدم اور حوا کی اولاد ہو۔ یوں سب برابر ہو۔ تم میں دوسروں سے افضل وہ ہے جو نیکی، تقویٰ اور انسان دوستی میں دوسروں سے سبقت لے جائے۔ یہ نعتیہ قصیدہ اس عشق کا یگانہ نظہار ہے جس کی تعریف میر صاحب نے یوں کی تھی۔

دور بیٹھا غبارِ میر اس سے

عشق بن یہ ادب نہیں آتا، (۶۱)

یہاں گنجائش نہ ہونے کے باعث میں نے نہ تو شفیق فاطمہ شعرِی کی شاعری کا مکمل نمونہ پیش کیا ہے اور نہ ہی نقاد حمید نسیم کی فکری جولانیوں کا احوال پوری طرح رقم ہو سکا ہے۔ مختصر اعرض ہے کہ شاعر

نے جس نقطہٴ احساس اور علمی ترفع سے لفظ لفظ لکھا تھا، نقاد نے اس کے معیاتی منشور (Prism) سے اس میں بہت سے خوش نما رنگ دیکھ لیے ہیں اور انہیں دوسروں کو دکھانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ حمید نسیم کے تنقیدی عمل میں تشریحی، جمالیاتی، تاثراتی اور تقابلی تنقید کے عناصر گھلے ملے ہیں۔

vi۔ ظفر علی خاں کی نعت نگاری، ڈاکٹر شبیہ الحسن:

ڈاکٹر شبیہ الحسن نے مولانا ظفر علی خاں کی نعتیہ شاعری کا مطالعہ پیش کیا ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ ظفر علی خاں کی نعتیہ شاعری کی دو سطحیں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”پہلی سطح پر وہ (ظفر علی خاں) اپنی نعتوں کا سلسلہ اس روایت سے جوڑتے ہیں جن کا تعلق میلاد ناموں اور اسی طرح کی دیگر نعتیہ منظومات سے ہے۔ اس میں شاعرانہ پیرایہ اظہار سب سے زیادہ جلوہ گر ہے۔۔۔۔۔ دوسری سطح پر وہ اپنی نعتوں میں زمانے کے تقاضوں اور عصری آشوب کو نہایت سلیقے اور چابک دستی سے پیش کرتے ہیں اور یہیں ان کا اصل ہنر ظاہر ہوتا ہے۔“ (۶۲)

ہم نے اقتباس سے وہ اشعار حذف کر دیئے ہیں جو ڈاکٹر شبیہ الحسن نے نمونے کے طور پر لکھے ہیں۔ کیوں کہ ہم مولانا ظفر علی خاں کی شاعری پر پہلے بھی دوسرے نقادوں کی آراء نقل کرتے ہوئے ان کے اشعار پیش کر چکے ہیں۔ مضمون نگار نے ظفر علی خاں کی شاعری کے چار ماخذ بتائے ہیں۔ [۱] قرآن کریم [۲] احادیث رسول ﷺ [۳] حضور ﷺ کی سیرت اور اسلاف کے واقعات و کارنامے [۴] قدما کا کلام۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن نے مولانا ظفر علی خاں کی نعتیہ شاعری کی تفہیم کے لیے تجزیاتی اور عمرانی تنقیدی تکنیک اپنائی ہے اور اسے بڑی کامیابی سے نبایا ہے۔ مضمون کے اختتام پر انہوں نے ایک فکری نکتہ اٹھایا ہے وہ کہتے ہیں:

”اپنی گفتگو ختم کرتے ہوئے اس اہم نکتے کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اگر نعت نگاری فقط حضور کی مدح سرائی کا نام ہے اور میلاد نامے وغیرہ بہترین کلام ہیں تو ظفر علی خاں ایک کم تر درجہ کے نعت گو ہیں لیکن اگر نعت سے مراد وہ صنف شاعری ہے جس میں حضور اکرم کی مدح سرائی کے ساتھ ساتھ عصری کرب اور معاشرتی آشوب بھی موجزن ہو تو ظفر علی خاں ایک بہترین اور منفرد نعت گو ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے عام انداز نعت گوئی سے ہٹ کر اسے ادبی رنگ بخشا اور جذباتی ہیجان کے مقابلے میں عقل اور فکر کو معتبر مقام عطا کیا ہے۔ کیا نعت کے حوالے سے

آپ چند ایسے شاعروں کی نشاندہی کر سکتے ہیں.....؟؟ (۶۳)

آخری پیرا گراف لکھ کر ڈاکٹر شہید الحسن نے شاعر کا مقام متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ تنقید میں یہ مرحلہ معروضی انداز سے بہت کم آتا ہے لیکن مولانا کے معاملے میں مضمون نگار کے تعین قدر یا Evaluation کا فیصلہ خاصی حد تک درست اور معروضی معلوم ہوتا ہے۔

نعت رنگ کا شمارہ نمبر ۷ ”حمد نمبر“ تھا جبکہ ہم صرف نعتیہ شاعری پر لکھی جانے والی تنقیدی تحریروں کا جائزہ لے رہے ہیں، اس لیے نعت رنگ ۸ کا تعارف حاضر ہے:

☆ نعت رنگ کتابی سلسلہ نمبر ۸، مرتب: صبیح رحمانی:

نعت رنگ شمارہ نمبر ۸ میں درج ذیل مضامین تنقیدی نوعیت کے ہیں:

- i۔ نعت میں طنز کی شمولیت، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
- ii۔ امیر بینائی کے قصائد میں نعتیہ رنگ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں
- iii۔ حسرت موہانی اور ان کی نعت گوئی، پروفیسر شفقت رضوی
- iv۔ علیم صبانویدی کا فن نعت گوئی، ڈاکٹر سید سجاد حسین

درج بالا فہرست میں صرف ڈاکٹر سید سجاد حسین کے مضمون کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ بقیہ مضمون نگاروں کی تحریروں کا حوالہ اسی مقالے میں کہیں کسی اور باب کا حصہ بنائے۔

iv۔ علیم صبانویدی کا فن نعت گوئی، ڈاکٹر سید سجاد حسین:

علیم صبانویدی کے فن نعت گوئی پر ڈاکٹر سید سجاد حسین نے قلم اٹھایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”علیم صبانویدی جو شعر و ادب کو جدید پیرایہ بیان اور نئے تجربات سے ہم کنار کرنے کا قائل ہے، اختر الایمان کی طرح وہ بھی شاعری میں کامیابی کے لیے مذہبی تقدس کو ضروری سمجھتا ہے۔ اس ضمن میں اختر الایمان کا کہنا ہے کہ ”شاعری میرے نزدیک کیا ہے؟ اگر میں اسے ایک لفظ میں واضح کرنا چاہوں تو مذہب کا لفظ استعمال کروں گا۔ کوئی بھی کام جسے انسان ایمانداری سے کرنا چاہے اس میں جب تک تقدس نہ ہو جو صرف مذہب سے وابستہ ہے اس کام کے اچھا ہونے میں ہمیشہ شبہ کی گنجائش رہے گی“، چنانچہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صبانویدی نے اختر الایمان کے اس بیان سے متاثر ہو کر اپنی شاعری کو آفاقیت کی حدوں تک پہنچانے کے لیے نعت گوئی کو اپنی فکر و آہنگ کا محور بنایا اور چند ہی برسوں کے اندر یکے بعد دیگرے کئی نعتیہ شاعری کے مجموعے شائع کر دیئے..... نعتیہ سانیٹوں

میں اس کی تخلیقی شخصیت کا متوازن، منظم اور توانا پہلو واضح ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ میرے بیان کی تصدیق کے لیے نعتیہ سانیٹ سے ماخوذ چیدہ چیدہ اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

صاحب کون و مکاں سید لولاک ہیں وہ
ان سے ذہنوں میں تجلی کا سماں پھیلا ہے
یہ زمیں پھیلی افق پھیلا جہاں پھیلا ہے
دونوں عالم کے لیے صاحب ادراک ہیں وہ
جذبہ عشق محمد ﷺ کا سفر ہے نوری
راہ بر محسن اعظم کے معطر جلوے
مہرباں ذات مقدس کے منور جلوے
منزلیں جلوہ فشاں راہ گزر ہے نوری
مدحت شاہ زمن کا ہے نظارا ہر سو
پھول ہی پھول ہیں، جلوؤں سے لدی ہے خوشبو

نعت گوئی کے دوران عشق احمدی میں سرشاری کے لیے جو وارفتگی، عقل و فہم اور علم و آگہی مطلوب ہے، صبا نویدی کی مذکورہ سانیٹ اس کی بولتی تصویر ہیں جن میں اخلاص و عاجزی کی صفات انتہائی عروج پر ہیں۔“ (۶۳)

☆ نعت رنگ، شمارہ ۹، مرتب: صبیح رحمانی، مارچ ۲۰۰۰ء:

اس شمارے کے تمام مضامین، اپنے مضمون نگاروں کے ناموں کے ساتھ صرف فہرست میں

آسکتے ہیں:

- i۔ غزل میں نعت کی جلوہ گری، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی
- ii۔ اردو نعتیہ شاعری میں شامل النبی ﷺ، ڈاکٹر سید یحییٰ شیط
- iii۔ اردو حمد و نعت کی روایت کے چند اساسی محرکات اور ان کے فروغ کی عملی صورتیں، ڈاکٹر عاصی کرنالی
- iv۔ نعت گوئی کا تصور انسان اور مولانا کوکب نورانی، جمال پانی پتی (یہ مضمون ”در جواب آل غزل“ کے مصداق، نعت رنگ کتابی سلسلے کے شمارہ نمبر ۶ میں شائع

ہونے والے مضمون ”نعت گوئی کا تصور انسان“ کے حوالے سے اٹھائے جانے والے نکات پر لکھا گیا ہے مولانا کوکب نورانی کا ایک خط بھی، نعت رنگ شمارہ ۸ میں شامل تھا۔

☆ نعت رنگ، کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۱۰، مرتب: سید صبیح الدین رحمانی، اپریل ۲۰۰۰ء:

اس شمارے میں تنقیدی نوعیت کے جو مضامین شامل ہیں ان کی فہرست درج ذیل ہے:

i۔ اردو نعت میں ادب رسالت کے منافی اظہار کی مثالیں، رشید وارثی

ii۔ اردو نعت پر تاریخی، تحقیقی اور تنقیدی کتب، پروفیسر شفقت رضوی

iii۔ ”نسبت“ احساس اور لطافت کا موقع، عزیز احسن

iv۔ حرا کی روشنی..... ایک مطالعہ، ڈاکٹر سید یحییٰ شیط

v۔ بیکل اتساہی کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر جمیل راٹھور

vi۔ مسرور کیفی کی نعت گوئی، ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق

vii۔ امین راحت چغتائی کی نعت گوئی، ڈاکٹر سید محمد ابوبکر کشفی

viii۔ جدید لب و لہجہ کا نعت گو..... سعید وارثی، ڈاکٹر عبدالنعم عزیز

ix۔ بشیر رحمانی کا کیفِ حضوری، ڈاکٹر انور سدید

درج بالا فہرست میں صرف ڈاکٹر جمیل راٹھور کا نام نیا ہے، بقیہ مضمون نگاروں کا تذکرہ کہیں

نہ کہیں ہو چکا ہے۔

v۔ بیکل اتساہی کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر جمیل راٹھور:

ڈاکٹر جمیل راٹھور نے بیکل اتساہی کے نعتیہ کلام پر کئی زاویوں سے روشنی ڈالی ہے۔ انہوں

نے بیکل کے شعر عقیدت میں صنفی تنوع بھی دیکھا اور دکھایا ہے اور ان کے کلام میں جھلکنے والی وہ تنقیدی

بصیرت بھی اجاگر کی ہے جس نے انہیں نعت کی وادی میں سلامت روی کا قرینہ سکھایا تھا۔ ڈاکٹر جمیل

راٹھور اردو کے تمام نعتیہ سرمائے کو معنوی اعتبار سے ”نعت“ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”اردو کا تمام نعتیہ ادب نعت کے زمرے میں نہیں آتا یعنی دانستاً یا غیر دانستاً ایسا نعتیہ ادب بھی تخلیق

ہوا جس کا عام تاثر یا تو الوہیت میں داخل کر دیتا ہے یا اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں تنقیص کا پہلو

پیدا کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناقدین و محققین نے نعت کے فن کو مشکل بتایا ہے۔“ (۶۵)

موضوع نعت کی نزاکتوں کا حوالہ ڈاکٹر جمیل راٹھور نے اس لیے دیا کہ انہیں بیکل اتساہی کے شعر عقیدت کو اس غیر محتاط رویے سے جدا دکھانا تھا۔ ڈاکٹر جمیل راٹھور، بیکل اتساہی کی نعتیہ شاعری میں نعت کی نازک حدود میں لامحدود وسعتوں کا بحر بیکراں دیکھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”روایت وحدت کی خصوصیات کی ہم آہنگی نے اردو شاعری کا ایک نیا باب تعمیر کر کے اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔ اردو کے اس فخریہ ادب میں نعت کا وہ حصہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے جس میں روایت و جدت کا حسین امتزاج، لہجہ کی خنک، مضامین کی وسعت اور جذبہ عشق رسول ﷺ کی پاکیزہ لطافتیں اپنی مخصوص مہک کے ساتھ موجود ہیں..... بیکل اتساہی نے رسم و روایت سے آگے بڑھ کر نعت کے مفہوم کو سمجھا ہے اور نعت کی روح کو شاعری میں اتارنے کا ایک منفرد کارنامہ انجام دیا ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے بیکل کا لب و لہجہ اپنی پہچان آپ ہے..... نعتیہ مضامین و مضامین کے نئے افق تلاش کرنا ان کا خاصہ ہے اور نعت کی نازک حدود میں لامحدود وسعتوں کا بحر بیکراں ان کی نعتیہ شاعری کا طرہ امتیاز ہے“ یعنی جہاں جہاں خدائی ہے وہاں وہاں مصطفیٰ کی مصطفائی ہے۔“ (۶۶) ڈاکٹر جمیل راٹھور نے بیکل اتساہی کے کلام کا جو نمونہ دیا ہے، اس سے ان کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً

سخن میں کوچہ خیر البشر مہکنے لگا
پڑھی جو نعت مرا گھر کا گھر مہکنے لگا
تصورات میں تھا عکس گنبد خضریٰ
کھلی جو آنکھ شعور نظر مہکنے لگا“ (۶۷)

اسی طرح ڈاکٹر راٹھور نے بیکل اتساہی کے کلام کے محاسن میں یہ بتایا ہے کہ انہیں چھوٹی بحر کے استعمال پر قدرت ہے، پوربی زبان میں گیت اور غزل لکھنے کی مہارت ہے، قرآنی جملوں یا الفاظ کو شعر کا جزو بنانے کی صلاحیت ہے، احادیث پر بھی ان کی نظر ہے وغیرہ وغیرہ۔ بیکل اتساہی کے نعتیہ آہنگ کا تعارف کراتے ہوئے ڈاکٹر راٹھور نے تاثراتی اور جمالیاتی تنقیدی تکنیک سے کام لیا ہے۔

☆ نعت رنگ، کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۱۱، مرتب: سید صبیح رحمانی، مارچ ۲۰۰۱ء:

نعت رنگ، شمارہ ۱۱ میں جو تنقیدی مضامین شامل تھے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

i۔ اردو نعت میں ”صلح“ کا استعمال اور اس کے مضمرات، رشید وارثی

ii۔ نعت اور احترامِ بارگاہ رسالت، پروفیسر محمد اکرم رضا

iii۔ نعت کے موضوعات، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری

iv۔ نعتیہ شاعری کے لوازمات، ظہیر غازی پوری

v۔ گفتنی ناگفتنی، پروفیسر شفقت رضوی

vi۔ غزل میں نعت کی جلوہ گری (ایک جائزہ)، احمد صغیر صدیقی

vii۔ بیدم شاہ وارثی کی نعتیہ تاب و تاب، پروفیسر محمد اقبال جاوید

viii۔ علیم ناصری کی نعت گوئی، پروفیسر جعفر بلوچ

مضمون نگاروں کی درج بالا فہرست میں صرف تین نئے ناموں کا اضافہ ہوا ہے [۱] ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری، [۲] ظہیر غازی پوری، اور [۳] احمد صغیر صدیقی۔ چنانچہ انہی مضمون نگاروں کی تحریروں کا مختصر تعارف حاضر ہے۔

iii۔ نعت کے موضوعات، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری (بھارت):

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کا مضمون بنیادی طور پر ایک تحقیقی کاوش ہے لیکن اس میں انہوں نے ایسے موضوعات کی گرفت کی ہے جو ہندو صنم پرستی اور اسرائیلی روایات کے زیر اثر نعت میں درآئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”اسرائیلیات سے مراد وہ روایات ہیں، جن کا تعلق مذہب یہودی کی روایات سے ہے۔ اردو کے نعت گو شعراء نے جن اسرائیلی روایات کو نعت کا جزو بنایا ہے، ان میں متعدد قصے وہ ہیں، جو دیگر انبیاء سے متعلق ہیں، لیکن انہیں نبی ختم المررتبت سے منسلک کر دیا گیا ہے۔ ایسے قصے تمام طور پر دکنی شعراء نعت کے رشحات قلم کے ثمرات ہیں۔ اسرائیلی روایات بلاقی اور حمیر کے یہاں بکثرت موجود ہیں۔ عہد حاضر کے پاکستانی شاعر عبدالعزیز خالد کی ”فارقلیط“ اس معنی میں ایک اچھی نعتیہ کاوش ہے کہ اس میں مروجہ اسلوب سے ہٹ کر ایک نیا اسلوب اور نیا آہنگ دیکھنے کو ملتا ہے۔ لیکن یہاں بھی اسلوب کی اساطیری اور اسرائیلی فضائیں رحمت کے تقدس کو داغ دار کرتی دیکھی جاتی ہے۔ عبدالعزیز خالد کی دوسری تخلیق ”منمنا“ اور تیسری اور چوتھی ”حمطایا“ اور ”مازماڈ“ ہیں، جن میں پرانے صحیفوں، خاص طور پر تلمود، زبور وغیرہ عہد نامہ عتیق کی بے شمار تمیحات درآئی ہیں، جو اسرائیلی خرافات کا حصہ ہیں۔ یہی حال عمیق حنفی کی سلسلۃ الجرس اور جعفر طاہر کے ”ہفت کشور“ کا ہے۔“ (۶۸)

اسی طرح انہوں نے ہندو صنمیات کے ذکر میں محسن کا کوروی، آسی غازی پوری، شائق حیدر آبادی اور امجد حیدر آبادی کے ایسے اشعار پیش کیے ہیں جو نعتیہ شاعری کے تقدس کو پامال کرتے ہیں۔ نعتیہ ادب کی تنقید میں معنوی، نظریاتی اور فکری لغزشوں کی نشاندہی جزو تنقید ہے۔ اس لیے ڈاکٹر آزاد کا یہ تنقیدی منہاج تشریحی تنقید یا Legislative Criticism کے ذیل میں رکھا جاسکتا ہے۔

iv۔ نعتیہ شاعری کے لوازمات، ظہیر غازی پوری (بھارت):

ظہیر غازی پوری نے ”نعتیہ شاعری کے لوازمات“ کے زیر عنوان لکھتے ہوئے شعراء کی فکری اور اظہاری غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ وہ بھی تشریحی تنقید یا Legislative Criticism کی نمائندگی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے محمد علوی کے دو شعر نقل کر کے بتایا ہے کہ جب ان کے اشعار پر کفر کا فتویٰ لگا تو انہوں نے رجوع کر لیا۔ محمد علوی کے اشعار لکھ کر وہ ان میں ہونے والی سنگین غلطیوں کی نشاندہی اس طرح کرتے ہیں:

”اگر تجھ کو فرصت نہیں تو نہ آ
مگر ایک اچھا نبی بھیج دے
بہت نیک بندے ہیں یارب ترے
کسی پر تو یارب وحی بھیج دے
اس بات پر ہمارا ایمان ہے کہ اب نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کسی پر وحی نازل ہوگی اور پھر اللہ تبارک و تعالیٰ سے یہ کہنا کہ اگر تجھ کو فرصت نہیں تو نہ آ، یقیناً بے ادبی ہے۔ ظہیر غازی پوری کا انداز نقد دیکھنے کے لیے اس کے مضمون سے کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

”یہ قلب سلیم اس کا پڑھتا ہے کلمہ
جس البیلہ افعی نے اس کو ڈسا ہے
کلمہ پڑھنے سے تسکین قلب اور روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ یہ کارِ ثواب بھی ہے۔ اگر شاعر اس عمل کو سانپ کے ڈسنے سے تعبیر کرتا ہے تو اس کی عقل پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔ مصرع ثانی ناموزوں ہے۔

ہمیں کیوں یا نبی کہنے سے آخر منع کرتے ہو
نبی سے تم کہو وہ چھوڑ دیں چارہ گری اپنی
نبی ہدایت کے لیے بھیجے جاتے ہیں اور سراپا رحمت بن کر آتے ہیں۔ بھلا ان سے چارہ گری چھوڑ دینے کے لیے کون کہہ سکتا ہے؟ اور پھر کسی کو یا نبی کہنے سے بھلا کون اور کس طرح روک سکتا ہے۔ یہ شعر نہیں مجذوب کی بڑ ہے۔

میں پھیل جاؤں تیری طرح ان فضاؤں میں
یوں مجھ کو رنگ و نور کی صورت میں ڈھال دے
”تیری طرح“، گویا نبی کریم ﷺ کی طرح پھیل جانے کی تمنا ان کی ہم سری کے مصداق ہے جو غارت
گرا میاں تو ہے ہی!

نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم
کہ بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم
حضور اکرم ﷺ کو بے چارگی میں اپنے جیسا کہنا یقیناً گستاخی ہے ایسا اظہار قابل مذمت ہے۔ (ایک
طرف شعر انے خدا بنادیا دوسری طرف اپنے جیسا بے چارہ بندہ..... خدا کی پناہ!)۔ (۶۹)
ظہیر غازی پوری نے اپنے مضمون میں کچھ اشعار میں عروضی اسقام کی نشاندہی بھی کی
ہے۔ انہوں نے نعتیہ شاعری کو فنی و فکری لحاظ سے زیادہ معیاری بنانے پر زور دیا ہے۔
vi۔ غزل میں نعت کی جلوہ گری (ایک جائزہ)، احمد صغیر صدیقی:

نعت رنگ کے شمارہ نمبر ۹ میں ڈاکٹر سید محمد کشفی کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کا عنوان
تھا ”غزل میں نعت کی جلوہ گری“۔ اس مضمون میں ڈاکٹر کشفی نے بہت سے غزل کے اشعار میں نعتیہ
شاعری کے معنیاتی رنگ دیکھے تھے۔ ظاہر ہے وہ اشعار جس شاعر کے بھی تھے اس نے انہیں غزل ہی سے
منسوب کیا تھا۔ اس لیے ان اشعار کے معنیاتی دائروں میں ہر قاری اپنے ذوق کے مطابق ہی مفاہیم کی
جھلک دیکھ سکتا تھا۔ ”غزل میں نعت کی جلوہ گری (ایک جائزہ)“ میں مضمون نگار نے ڈاکٹر کشفی کے اخذ
مطالب کے طریق کار کے خلاف رائے دی ہے۔ کتابی سلسلے نعت رنگ کو یہ اختصاص حاصل رہا ہے کہ اس
میں نہ صرف نعت پر باقاعدہ تنقیدی سلسلہ شروع ہوا بلکہ تنقیدی مضامین پر بھی جوابی مضامین شائع ہونے
لگے۔ اس طرح اس کتابی سلسلے کے ذریعے ادبی مکالمے یا Literary Discourse نے صورت
پائی، جو نعتیہ ادب میں ایک نئی چیز تھی۔ احمد صغیر صدیقی کے اس مضمون کو ”ادبی مکالمہ“ (Literary
Discourse) کی حیثیت حاصل ہے۔ احسان دانش کے ایک شعر کو ڈاکٹر کشفی نے غزل کے بجائے نعت
کا شعر کہنے پر اصرار کیا تھا، احمد صغیر صدیقی نے اس خیال سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا:

”ہوائیں ماری ماری پھر رہی ہیں

ترا نقش کف پا ڈھونڈنے کو

جناب کشفی نے اسے نعت کا بہت اچھا شعر قرار دیا ہے۔ میں ان کی پسندیدگی کی تہہ تک نہیں پہنچ

سکا۔ حضور اکرمؐ کا نقش کف پا تو اس کائنات کے ذرے ذرے پر مرتسم ہے۔ مگر مندرجہ بالا شعر میں جو الفاظ ہیں ان کے وسیلے سے مطلب نکالا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نقش عنقا ہے اور صورت یہ ہے کہ ہوائیں (جو اس کرۂ ارض کو محیط ہیں) وہ بھی اس کی تلاش میں بولائی ہوئی ہیں۔ ماری ماری پھر رہی ہیں۔ (گویا کہیں نظر نہیں آ رہا ہے) کم از کم مجھ کم فہم کی سمجھ میں یہی آ رہا ہے۔ اسے نعت کا شعر ہی نہیں کہا جاسکتا چہ جائے کہ ”بہت اچھا“۔

جناب کشفی نے غالب کے ایک اور شعر کا ذکر کیا ہے:

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف، سب درست

لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

وہ لکھتے ہیں ”غالب کے نزدیک جنت کی معنویت اسی صورت میں ابھر کر سامنے آسکتی تھی کہ وہ کسی کی جلوہ گاہ ہو۔ غالب نے یہ مضمون دعائیہ انداز میں باندھا ہے یہ ندرت اسلوب کی مثال ہے ورنہ اسے یقین تھا کہ جنت جلوہ گاہ مصطفیٰ ﷺ ہونے کی وجہ سے ہی اہل ایمان کے لیے جنت ہے..... یہ جناب کشفی کی عقیدت کا کمال ہے کہ انھوں نے مندرجہ بالا مطالب اس شعر سے اخذ کیے۔ حالاں کہ ان مطالب کا اس شعر میں کوئی شائبہ نہیں ملتا۔ غالب کے جس ”یقین“ کی بات انھوں نے کی ہے اسے سامنے رکھیے اور شعر میں موجود الفاظ کی انگلی تھامئے۔ آپ کو فوراً اندازہ ہو جائے گا کہ یہ ایک ”شک“ بھرا شعر ہے۔ ”خدا کرے ایسا ہو“ ہم کب کہتے ہیں؟ جب یقین نہ ہو۔ اس شعر میں غالب بے یقینی کی کیفیت میں ہیں اور یہی بات ظاہر کرتی ہے کہ اسے حضور اکرم ﷺ سے وابستہ نہیں کیا جاسکتا۔ کوئی سوچ سکتا ہے کہ جنت میں حضور اکرم ﷺ نہیں ہوں گے؟“ (۷۰)

احمد صغیر صدیقی کا مضمون تشریحی تنقید (Descriptive Criticism) کے ذیل میں رکھا

جاسکتا ہے۔

☆ نعت رنگ کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۱۲، مرتب: سید صلیح رحمانی:

نعت رنگ کتابی سلسلے کے شمارہ نمبر ۱۲ میں تین کتابوں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اور ایک مضمون غالب کی اردو نعتیہ شاعری کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔ مضامین کی تفصیل یہ ہے:

i۔ نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلات تنقید، عزیز احسن

ii۔ تیرا وجود کتاب..... ایک مطالعہ، عزیز احسن

iii۔ دلیل آفتاب.....نعتیہ سمت نما، غفور شاہ قاسم

iv۔ غالب کی اردو شاعری میں نعت کا فقدان، عزیز احسن

یہاں بھی تکنیکی مجبوری کے تحت ہم کسی مضمون پر کوئی تبصرہ نہیں کر سکتے کیوں تین مضامین تو راقم الحروف ہی کے ہیں۔ ایک مضمون غفور شاہ قاسم کا ہے جن کا ذکر اس مقالے کے متعلقہ باب میں موجود ہے۔

☆ نعت رنگ کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۱۳، مرتب: سید صبیح رحمانی، دسمبر ۲۰۰۲ء:

نعت رنگ شمارہ ۱۲، میں تین مضامین تنقیدی نوعیت کے ہیں:

i۔ نعت کے اشعار میں فنی سقم، شارق جمال

ii۔ حضرت رضا بریلویؒ کی نعت گوئی میں مضمون آفرینی، ڈاکٹر صابر سنبھلی

iii۔ ”کھنڈ الوری“ میری نظر میں، ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برقی دانا پوری (بھارت)

درج بالا تینوں مضامین ایسے مضمون نگاروں کے ہیں جن کا ذکر ہمارے مقالے میں کہیں اور نہیں ہوا ہے، اس لیے ہم تینوں مضامین کا مختصر تعارف کرواتے ہیں۔

i۔ نعت کے اشعار میں فنی سقم، شارق جمال (بھارت):

شارق جمال نے اپنے مضمون میں نعتیہ اشعار میں فنی اسقام کا ذکر کیا ہے۔ ان کا زیادہ زور عروضی اوزان کی تقطیع پر رہا ہے۔ چنانچہ عروضی اسقام کی ایک دو مثالیں ان کے مضمون سے نقل کر کے ان کے تنقیدی منہاج کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

”احمد رضا فاضل بریلوی کے دو مصرعے ہیں:

”اے بیکسوں کے آقا، اب تیری دہائی ہے“

”یعنی محبوب و محبت میں نہیں میرا تیرا“..... ان مصرعوں کی تقطیع بھی ملاحظہ فرمائیں:

۱۰	۹	۸	۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱
مف	مف	مف	مف	مف	مف	مف	مف	مف	مف
اے	بے	ک	ا	ق	ا	ب	ت	ر	د
ہے	نئی	ہے	اے	بے	ک	ا	ق	ا	ب

اس تقطیع میں تیسرے خانے میں ”بے کسوں“ کے جزو کسو، سو کا صرف ”س“ ہے۔ واو گر گیا..... یا گرا کر وزن پورا کیا گیا ہے۔ جس کے سبب بحر کا نصف حصہ بارکان ”مفعول فاعلاتن“ معلوم ہوتا

ہے۔ دوسرے مصرع کی تقطیع ملاحظہ ہو:

ف ا عل تن فع لا تن فع لاتن
لن فع
لج ن م بو ب م حب م ن م را
تے را

خانے میں لفظ یعنی کا جزو ”نی“ کا حرف ”ن“
اس تقطیع میں دوسرے خانے میں لفظ ”یعنی“ کا جزو ”نی“ کا حرف ”ن“ ہی تقطیع میں ہے ”ی“ دبا کر
وزن پورا کیا گیا ہے۔ اسے یوں وزن سے پڑھا جائے گا:

یعنی محبوب و محبت میں نہیں میرا تیرا
(یہاں) یائے معروف اور واو..... دونوں حرف بحر سے خارج کر کے دبا۔ گرا کر وزن پورا کیا گیا
ہے..... یہ قاعدہ ناسخ کے زمانہء آخر میں بتایا گیا تھا..... اس قاعدے کے وجود میں آنے کے
بعد خواہ غالب کے اشعار ہوں..... ظہیر غازی پوری کے کلام میں یا فاضل بریلوی احمد رضا صاحب
کے شعروں میں یہ سقوط حروف علت نظر آنے پر اس سے فنی بحث یقیناً کی جائے گی..... اس سقم پر
سابقہ شعرائے فارسی و عربی کے اشعار کا سندا پیش کرنا بھی درست نہیں، کہ ان کے اشعار اس
قاعدے کے نافذ ہونے سے پہلے کے ہیں۔“ (۷۱)

ii۔ حضرت رضا بریلویؒ کی نعت گوئی میں مضمون آفرینی، ڈاکٹر صابر سنہلی (بھارت):

رضا بریلویؒ کی نعتیہ شاعری ہمارے مقالے میں بہت زیادہ زیر بحث آچکی ہے۔ لیکن نعت رنگ میں شائع
ہونے والا مضمون ”حضرت رضا بریلویؒ کی نعت گوئی میں مضمون آفرینی“، ہمارے طے شدہ اصولوں کے
تحت اس لیے یہاں مذکور ہوا کہ ڈاکٹر صابر سنہلی کی تنقیدی بصیرت کا نمونہ سامنے آ سکے جو اس سے قبل اس
مقالے میں کہیں نہیں آ سکا تھا۔ ڈاکٹر صابر سنہلی لکھتے ہیں:

”اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مضمون آفرینی، قوتِ تخیل کا ہی جز ہے، مگر نعت میں اس کے
استعمال میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ غزل کی طرح نعت میں ہر جگہ اور ہر موقع پر اس کا
استعمال نہیں ہو سکتا۔ امام احمد رضا کو قصیدہء معراجیہ میں اس کے اظہار کا موقع مل گیا اس لیے اس
قصیدے میں نوبہ مضامین کے انبار نظر آتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نئی دہن کی بھین میں کعبہ، نکھر کے سنورا، سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے
یہ جھوما میزاب زر کا جھومر کہ آ رہا کان پر ڈھلک کر
پھو بار برسی تو موتی جھڑ کر، حطیم، کی گود میں بھرے تھے
دہن کی خوشبو سے مست کپڑے، نسیم گستاخ آنچلوں سے
غبار مشکین جو اڑ رہا تھا، غزال نافے بسا رہے تھے

آنسوؤں کی تاثیر مسلم ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ہمارے مہربان آقا عاصیوں کے لیے
بہت رویا کرتے تھے۔ اس مضمون کو امام احمد رضا نے جس انداز سے بیان کیا ہے اس سے ان کی
طباعی کے اعتراف کے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ صرف دو شعر ملاحظہ ہوں:

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیے ہیں
اوس مہر حشر پر پڑ جائے پیاسو تو سہی
اس گل خنداں کا رونا گریہ شبنم نہیں، (۷۲)

ڈاکٹر صابر سنہلی کی تحریر میں فن کی تحسین کا جمالیاتی پہلو نمایاں ہے۔ وہ شعری اظہار کی
نزاکتوں کا احساس کر کے اس کا تاثر اپنی تحریر میں قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

iii۔ ”کہف الوری“ میری نظر میں، ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برق دانا پوری (بھارت):

قمر وارثی کے مجموعہ نعت ”کہف الوری“ کا تنقیدی مطالعہ کرتے ہوئے ڈاکٹر سید طلحہ رضوی
برق دانا پوری نے لکھا:

”میں شعری مجموعوں کا مطالعہ ترتیب سے کرتا ہوں اور صفحات کی ورق گردانی کرتے ہوئے دھوپ
چھاؤں دونوں پر نگاہ رکھتا ہوں تاکہ اظہار خیال میں مکاتھ، تعریف اور حوصلہ افزائی بھی کرسکوں۔ نیز
نقد و نظر کا بھی کچھ حق ادا ہو سکے ورنہ صرف ستائشی جملے شاعر کا بھی نقصان کرتے ہیں اور شاعری کا
بھی..... ”کہف الوری“ میں قمر نے جذبہ کیفیت کی پیشکش کے ساتھ فن شعری بھی فکر کی ہے
اور وہ یوں کہ نئی نئی زمینوں کی اختراع قوانی وردیف کی ندرت پر زیادہ دھیان دیا جس کے سبب کہیں
کہیں ان سے چوک بھی ہوگئی ہے..... نعت کے لیے ایسی مشکل زمین نکالنی اور اس میں شعر کہنا

بڑے دل گردے کا کام ہے۔ مثلاً

آفتاب گنبدِ خضرا کے سیارے ہیں سب
اہلِ عرفاں، اہلِ دل، اہلِ نظر میں اور چراغ
دل گوارا نہ کرے جاں سے بھی اپنا رشتہ
عشق سرکار سے رشتہ ہو تو ایسا رشتہ
سفرِ بینائی کا جلوؤں سے اپنے روک دیتے ہیں
قمر بابِ نبیؐ، مینارِ گنبدِ مل کے آپس میں
خوشبو، دھنک، چراغ، صبا، رنگ، کہکشاں
سب میرے ہم سفر ہیں مدینے کی راہ میں
خاکِ طیبہ جس کو چھونے کا شرف حاصل ہوا
اس جہیں کو دیکھتے ہی رہ گئے شرما کے پھو

کیوں نہ ہو ذکر و فکرِ شہِ دوسرا چاندنی چاندنی کہکشاں کہکشاں
ہر عمل، ہر قدم، ہر سخن آپ کا چاندنی، چاندنی کہکشا کہکشاں
ظاہر ہے اتنی دشوار زمینوں میں لزومِ مالا یلزم کے پیش نظر آمد کی تجلیاں آوردہ جلوؤں میں گم
ہوں گی ہی۔ اس باوصف شاعر کا قلم لکھتا ہے:

طلب ہے نور تو یاد آپ کی حضور مہک
نہ دل سے دور اُجالا نہ دل سے دور مہک“ (۷۳)

پروفیسر ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برق دانا پوری، نے قمر وارثی کے شعر عقیدت کی تحسین کے ساتھ
ساتھ بعض اشعار کے حوالے سے سوالیہ نشان بھی لگائے ہیں اور کچھ فی اسقام بھی واضح کیے ہیں، مثلاً
”یہ عالم ہے قمر سنگِ درِ آقا سے نسبت کا
کہ سجدے عظمتِ محراب و منبر ہوتے جاتے ہیں

یعنی چہ؟

اہلِ دل پر نبیؐ نے در اپنا
منزل بے سراغ رکھا ہے
شوقِ قافیہ پیمائی میں معنیٰ فی بطنِ شاعر ہو کے رہ گیا ہے۔

نمایاں اس جنہیں پر کس بلا کا نور ہوتا ہے
اس مصرعے میں پہلوئے ذم ہے۔ یوں بھی حیرت و استعجاب، از دید اور دلفریبی کے معنوں میں کس
بلا کا نور غزلیہ شاعری میں تو کھپ جائے گا مگر نعت میں نہیں۔

سن کے دستک نقش پائے سید کونین کی
فرش کیا ہے عرش کی قسمت کے دروازے کھلے
دستک ہاتھ سے دی جانی والی آواز ہے، خواہ تالی بجانے کو کہیے خواہ کواڑ تھپانے کو۔ دستک پاؤں
سے نسبت نہیں رکھتی، وہ بھی نقش پا سے۔

عرفی مشتاب این رو نعت است نہ صحر است

بس ان چند مصرعوں پر میری نگاہ خردہ میں ٹھہری، خدا کرے قصور میری کم نظری کا ہو۔ (۷۴)
نعتیہ شاعری کی تحسین میں اعتدال کی مثال اُسی صورت میں قائم کی جاسکتی ہے کہ کسی کتاب یا
انفرادی نعتیہ تخلیق میں کوئی سقم نظر آئے تو اس کی بھی نشاندہی کر دی جائے۔ پروفیسر ڈاکٹر سید طلحہ رضوی
برق دانا پوری نے اپنی تنقید میں جمالیاتی تنقیدی نہج پر قائم رہتے ہوئے فن کی تحسین بھی کی جس میں
تاثراتی دبستان نقد کا اثر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں فنی خامیوں کی طرف توجہ مبذول کروا کے
تشریحی تنقید (Legislative Criticism) کا حق بھی ادا کر دیا ہے۔ تنقید نگار کا عجز و انکسار بھی (جو نعت
کے ضمن میں بہت ضروری ہے) ان کے آخری جملے سے پھوٹا پڑ رہا ہے۔

☆ نعت رنگ کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۱۴، مرتب: سید صلیح الدین رحمانی، دسمبر ۲۰۰۲ء:
نعت رنگ شمارہ ۱۴، میں درج ذیل مضامین شامل تھے:

i۔ اردو میں نعت گوئی کا فن، ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی

ii۔ نعت کا ادبی مقام، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری

iii۔ معجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود، عزیز احسن

iv۔ امام احمد رضا کا تصور نعت، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

v۔ نعت اور رشید احمد صدیقی، ادارہ

اس شمارے کے حوالے سے ہم صرف رشید احمد صدیقی کی تنقیدی رائے کو تبرکاً شامل کریں
گے کیوں کہ نعت کے ضمن میں ان کی رائے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔
v۔ نعت اور رشید احمد صدیقی، ادارہ:

رشید احمد صدیقی نے نعتیہ ادب کے حوالے سے جو کچھ لکھا وہ بہت کم ہونے کے باوجود بڑا اہم ہے۔ اس لیے کہ ان کی نظر نہ صرف اردو شاعری یا اس کے حسن و قبح پر تھی بلکہ وہ مسلمانوں کی اجتماعی صورت حال کو بہتر اور ان کی ثقافتی زندگی کو دینی رنگ میں دیکھنے کے متغنی تھے۔ اسی لیے ان کے لہجے میں ہلکا طنز بھی آجاتا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

”نعتیہ شاعری پر وجد یا رقص کرنا بعضوں کے نزدیک عبادت، ورنہ خوش اطواری یا وضع داری سمجھی جاتی تھی۔ سماع کی محفلوں میں آپ نے کیسے کیسے بے سرو پا گانوں یا اشعار پر لوگوں کو ’دست افشاں و پائے کوبان‘ دیکھا ہوگا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ نغمہ یا نعت کا اثر نہیں ہوتا، میں تو صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ لایعنی اشعار یا گانے پر سر دھنا کوئی سلیقہ کی بات نہیں ہے، خواہ وہ اشعار یا نغمے خدا ہی کے سامنے کیوں نہ پڑھے یا گائے جائیں۔ میرا تو یہاں تک خیال ہے کہ گھٹیا شعر بڑھیا سے بڑھیا گانے کو چوہٹ کر دیتا ہے۔ ایسے اشعار یا ایسے گانے پر بھی اگر کوئی رقص یا وجد کرے اور یہ بتائے کہ یہ عبادت ہے تو پھر میں کچھ نہ کہوں گا، سو اس کے کہ عبادت کا میں بھی قائل ہوں، لیکن اس پر تیار نہیں ہوں کہ عبادت آپ کریں اور خوں بہا میں ادا کروں۔“ (۷۵)

اس ایک پیرا گراف میں رشید احمد صدیقی نے نعتیہ شاعری کے عوامی پن اور اس کے بے جا استعمال پر جو کچھ کہہ دیا ہے اس کی تشریح و تعبیر کے لیے دفتر درکار ہے۔ نعتیہ شاعری جن لوگوں نے اپنائی، ان لوگوں نے شاعری کو پھکڑ پن سے قریب کر دیا اور جن لوگوں کو اپنانا چاہیے تھی انہوں نے اکا دکا نعت ڈھنگ کی کہہ دی اور بس۔ عوامی سطح پر نعت لکھنے، نعت پڑھنے اور نعت سننے کی وہ سنجیدہ کوشش نہیں ہو سکی جو اس موضوع کا تقاضا تھا۔ بعض لوگ نعت پڑھ پڑھ کر جھومتے رہے لیکن اس کی قیمت نعتیہ ادب کو ادا کرنی پڑی کہ ایک عرصے تک کوئی سنجیدہ شاعر یا نقاد اس کی طرف پوری تخلیقی شخصیت کے ساتھ، خلوص سے شامل نہ ہو سکا۔ رشید احمد صدیقی کے مضمون کے درج بالا پیرا گراف کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اردو نعت کا کیا معیار ہونا چاہیے، اس کی طرف بھی رشید احمد صدیقی نے اختصار کے ساتھ چند باتیں کہہ دیں۔ وہ کہتے ہیں:

”اردو نعت میں، میں چند بزرگوں کا قائل ہوں، مثلاً حالی مرحوم، اصغر گوئدوی مرحوم، اور حضرت اقبال مغفور کا۔ جہاں تک شاعرانہ حسن آفرینی و حسن کاری کا تعلق ہے میں محسن کا کوروی مرحوم کے کمال کا بھی معترف ہوں، کیسی پر خار و پر خطر راہوں سے کس لطف و مشاقی سے یہ گزرے ہیں کہ بے اختیار دل سے تحسین نکلتی ہے، لیکن محسن کے ہاں صنایع ہے، سپردگی نہیں، تحنیل کی رعنائی ہے، روح کی

وارثگی نہیں۔ سخن ہے، شغف نہیں۔ اصغر مرحوم کی شاعری میں نزہت و نور کی جو فضا ہے وہ ان کے شخصی تاثرات سے مل جل کر نعت میں جلوہ گر ہوئی ہے، غالباً ایک ہی نعت کہی ہے اور خوب کہی ہے۔ حالی مجسم انسانیت تھے، پھر رحمت عالم ﷺ کے حضور میں! اردو نعت میں آج تک نظم کہی گئی ہو یا نثر، حالی کی نعت کا جواب نہ ہوا، ایک سے ایک سحر طراز آئے لیکن حالی سے نہ آگے بڑھ سکے نہ روگرداں ہو سکے، مستفید سبھی ہوئے۔ اقبال کو رسالت مآب ﷺ سے جو شخصی والہانہ عقیدت تھی وہ طرح طرح سے ان کے کلام میں جلوہ گر ہے۔ مجھے اکثر یہ محسوس ہوا ہے کہ اقبال کے کلام کا وزن و وقار اور حسن و جلال رسول عربی ﷺ ہی کی گراں مایہ شخصیت کے محور پر گردش کرتا ہے اور یہی وہ قوت ہے جو ان کے کلام میں کبھی کہیں سے ڈھیلا پن نہیں آنے دیتی۔“ (۷۶)

نعتیہ تنقیدی ادب کا سرمایہ چاہے کتنا ہی با ثروت اور Rich کیوں نہ ہو جائے، رشید احمد صدیقی کے ان کلمات کا جواب مشکل ہی سے ملے گا! درج بالا دو اقتباسات میں ماضی اور حال کے نعتیہ ادبی سرمائے کی بے بضاعتی کا حال بتا کر، رشید احمد صدیقی نے چند شعراء کے نام بھی گنوا دیئے تاکہ شعرِ عقیدت کے حوالے سے ان کا آدرش بھی سامنے آجائے کہ وہ نعت کو فکری ترفیع، فنی معیار اور خلوص فن کی کس سطح پر دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ تنقیدی بصیرت کے اظہار کی یہ صورت نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے میں اضافہ ہے۔

☆ نعت رنگ، کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۱۵، مرتب: سید صبیح رحمانی، مئی ۲۰۰۳

نعت رنگ کے پندرہویں شمارے میں تنقیدی نوعیت کے تین مضامین ہیں:

i۔ نعت اور نقدِ نعت..... چند گزارشات، ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

ii۔ تنقیدِ نعت کی اہمیت اور اس کی مثبت جہتیں، پروفیسر افضال احمد انور

iii۔ دیارِ نعت..... ایک مطالعہ، ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر

مضامین کی اس فہرست میں صرف پروفیسر افضال احمد انور کا نام دیا ہے، اس لیے

صرف ان کے مضمون کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

ii۔ تنقیدِ نعت کی اہمیت اور اس کی مثبت جہتیں، پروفیسر افضال احمد انور:

پروفیسر افضال احمد انور نے اپنے مضمون میں تنقیدِ نعت کے حوالے سے اہم گفتگو کی ہے۔ گو

ان کی تحریر میں دوسرے مضمون نگاروں کی تنقیدی تحریروں سے اخذ و استفادے کے واضح نقوش پائے

جاتے ہیں، تاہم انہوں نے اس اعتراف کے ساتھ ہی قلم اٹھایا ہے کہ نعت رنگ اور ماہنامہ نعت کے کچھ مضامین سے استفادہ کر کے ہی انہوں نے یہ مضمون لکھا ہے۔ بہر حال انہوں نے تنقید نعت کے لیے چار اصول مرتب کیے ہیں:

[۱] نعتیہ شناخت [۲] آداب شریعت (نعتیہ مضامین کا آداب شریعت کے مطابق ہونا) [۳] جذبہء عشق رسول ﷺ [۴] لسانی، شعری تقاضوں کی ہم آہنگی۔ وہ لکھتے ہیں:

[۱] نعتیہ شناخت: کسی بھی نعت پارے کی اولین شرط ہے۔ اس کا سیدھا سادا مفہوم یہ ہے کہ نعتیہ شعر سنتے ہی توجہ حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف جائے..... [۲] یہ دیکھا جائے کہ نعت کے ہر شعر کا مضمون یا مواد شریعت کے مطابق ہے یا مخالف..... [۳] نعت کا حدود شرع سے آمدہ مضمون سچے جذبے کی چاشنی سے نعت کا شعر بننا ہے..... [۴] تنقید نعت میں یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ شعر، ادبی، لسانی، شعری تقاضوں کو پورا کرتا ہے؟“ (۷۷)

نعتیہ شاعری کی بے جا تحسین نے بھی صحیح تنقید کو پنپنے نہیں دیا۔ پروفیسر افضال احمد انور نے اس جانب اشارے کیے ہیں:

”بدقسمتی سے آج کے اکثر دیباچہ نویس ادبی اوتھ کمشنر بن چکے ہیں جو بغیر پڑھے فوٹو اسٹیٹ پر مہر لگا کر اسے مصدقہ کا ٹھٹھکیٹ جاری کر دیتے ہیں“۔ (۷۸)

پروفیسر افضال احمد انور کے تنقیدی نکات میں اصلاحی تنقیدی دبستان (Reformatory Criticism) کی بھلک دکھائی دیتی ہے۔

☆ نعت رنگ کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۱۶، مرتب: سید صبیح رحمانی، فروری ۲۰۰۴ء:

نعت رنگ ۱۶ میں تحقیقی مضامین کی تعداد زیادہ ہے۔ صرف ایک مضمون ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کا ہے ”مقبول نقش کا نقش عقیدت“ اس مضمون میں انہوں نے مقبول نقش کی نعتیہ شاعری کا تعارف پیش کیا ہے جس میں تنقیدی بصیرت سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن ہم یہاں اس مضمون کا تفصیلی ذکر نہیں کر سکتے کیوں کہ ڈاکٹر کشفی کا ذکر ہمارے مقالے میں ان کی کتاب کے حوالے سے ہو چکا ہے۔

☆ نعت رنگ کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۱، مرتب: سید صبیح رحمانی، نومبر ۲۰۰۴ء:

زیر نظر نعت رنگ کے شمارے میں تحقیقی نوعیت کے مضامین کی تعداد زیادہ ہے۔ تنقیدی مضامین صرف دو ہیں:

i۔ شاعر جہاد..... رحمان کیانی، شاہ مصباح الدین شکیل

ii۔ حنیف نازش قادری کی نعتیہ شاعری، پروفیسر غلام رسول عذیم

اتفاق سے درج بالا دونوں مضامین ایسے ہیں جن کے قلم کاروں کی کوئی تحریر ہمارے مقالے میں زیر مطالعہ نہیں آسکی ہے، اس لیے ان دونوں کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں:

i۔ شاعر جہاد..... رحمان کیانی، شاہ مصباح الدین شکیل:

رحمان کیانی کی شاعری میں جہاد کا عنصر غالب ہے جو اردو نعتیہ ادب میں خاصے کی چیز ہے۔ شاہ مصباح الدین شکیل نے رحمان کیانی کی شاعری کے خدوخال واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

”اردو کی نعتیہ شاعری کی مروجہ روایتوں میں رحمان کیانی نے دو انقلابی نظریے پیش کیے ہیں۔ یہ چونکا دینے والی باتیں بڑی فکر انگیز اور سوچنے پر مجبور کرنے والی ہیں۔

ان کی سیرت نہیں صورت کے قصیدے پڑھنا
ان کے پیغام نہیں نام کی مالا جپنا
بندگی اور خدائی کی اٹھا کر تمغیز
نام میں ان کے فقط میم کا پردہ کہنا
روضہ پاک کو کعبے کا بھی کعبہ کہہ کر
چومنا، چائنا، دلبیز پہ سجدے کرنا
اس کو کیا کہتے ہیں، پوچھوں گا تو لڑ جائیں گے
اور بتاؤں گا تو ہتھوں سے اکھڑ جائیں گے

مولانا جامی کے تتبع میں مروجہ نعتیہ انداز صورت کے قصیدے پڑھنا تھا۔ یہاں ہمیں تخیل کی نکتہ آفرینی اور لفظ و بیاں کی نزاکتوں کی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں۔ عالم تبخیر مولانا عبدالقدوس ہاشمی لکھتے ہیں کہ ”نعت رسول میں زلف و ابرو کی تعریف و توصیف نہ صرف نامناسب ہے بلکہ بے ادبی ہے۔“ اپنی نعتیہ نظم ”عشق رسول ﷺ“ میں رحمان کیانی بڑی چبھتی ہوئی باتیں بیان کرتے ہیں جس سے مولانا جامی کا اتباع کرنے والوں کی جبینوں پر گرہ پڑ جاتی ہے۔ اردو شعراء میں سب سے پہلے یہ نازک احساس ہمیں حکیم مومن خاں مومن دہلوی کے پاس ملتا ہے۔ مولانا قدسی کی شہرہ آفاق سدا بہار نعت کی تضمین کرتے ہوئے مومن کہتے ہیں:

ہوں تو عاشق مگر اطلاق یہ ہے بے ادبی

میں غلام اور وہ صاحب ہے میں امت وہ نبی
یا نبیؐ یک نگہ لطف بامی و ابی
مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقی
رحمان کیانی کہتے ہیں:

ان کی توصیف میں بھی سوئے ادب کی باتیں
نعت میں مے کدہ و بنت عنب کی باتیں
بے حجابانہ قد و عارض و لب کی باتیں
شام غم وصل کی شب، صبح طرب کی باتیں
ایسی باتیں کہ اگر منہ سے نکل جاتی ہیں
سن کے بے پردہ خواتین بھی شرماتی ہیں

مولانا جامیؒ کے قصیدہ صورت کی تراکیب سے مکمل استفادہ کرتے ہوئے رحمان کیانی نے شاعرانہ
کمال سے اسے سیرت کا قصیدہ بنادیا اور تاریخی حقائق سے اپنے استدلال کو محکم تر کر دیا اور قرآنی
انداز میں قسم کھا کر درجہء سند بلند تر کر دیا۔

والنجم کہ قائل ہوں رسول عربی کا
حق گوئی و بے باکی و شیریں سخنی کا
منکر ہوں مگر ان کے حسینوں کی طرح سے
انداز گل افشانی و غنچہ وینی کا
جو بدر و احد، خندق و خیبر کا ہو قائد
زیبا نہیں الزام اسے گل بدنی کا
دیوانہ و عاشق نہیں رحمان کیانی
اک پیرو ناقص ہے رسول مدنی کا

”عاشق رسول ﷺ“ کے لقب پر پھولوں نہ سمانے والے پہلے سورہ آل عمران کی آیت ۳۱ میں اللہ تعالیٰ
کا حکم سن لیں: ”قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ و یغفر لکم ذ
نوبکم“ (ترجمہ: کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمہیں دوست رکھے

گا اور تمھارے گناہ معاف کر دے گا)۔ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر اپنے عشق کی حقیقت کا جائزہ لیں ورنہ گفتہ رحمان کیانی شرم و ندامت کے ساتھ سن لیں۔ دعا ہے کہ اللہ ہمیں صحیح فیصلہ کی توفیق عطا فرمائے۔ (۷۹)

رحمان کیانی کی شاعری کا پہلا اہم نکتہ یہی ہے کہ امتیوں کو عشق کے دعوے کی نہیں پیروی کی ضرورت ہے۔ شاہ مصباح الدین ثکلیل نے بڑا چھٹتا ہوا سوال کیا ہے:

”فرصت ہو تو عقل عیار سے ایک سوال کر لیجیے۔ کیا غلاموں کا کام اپنے آقا سے عشق کرنا ہے یا اطاعت کرنا؟ وہ جواب جو آپ زبان سے ادا نہ کر سکیں رحمان کیانی بڑی جرات سے کہہ گزرتا ہے:

میں کہ پشتوں سے ہوں آقائے مدینہ کا غلام
میرا طاعت کے علاوہ کوئی منصب نہ مقام
اے زعمیان ادب عشق کا ان کے الزام
آپ لوگوں کو مبارک ہو مرا جھک سے سلام
جانتا ہوں کہ یہ ہرگز مرا مقدور نہیں
رب سے اپنے ہی رقابت مجھے منظور نہیں“ (۸۰)

شاہ مصباح الدین ثکلیل نے رحمان کیانی کی شاعری میں جو دو سرا مابہ الامتیا زکنتہ دیکھا ہے وہ ہے رسول اکرم ﷺ کی ذات کا ”رسول ملام“ (سخت جنگ لڑنے والا رسول ﷺ) ہونا۔ انہوں نے بتایا ہے کہ تاریخ انبیاء میں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے کافروں سے معرکوں کا ذکر ملتا ہے۔ شاہ مصباح الدین ثکلیل لکھتے ہیں:

”آپ ﷺ نے ورثہ میں دام و درہم نہیں بلکہ علم اور اسلحہ چھوڑا ہے۔“ (۸۱)
بربط و دف سیم و زر میراث پیغمبر نہیں
خنجر و تیرو تیر ہے ڈھال ہے تلوار ہے
جب بھی سپاہیوں سے پیہر کو پوچھیے
خندق کا ذکر کیجیے خیبر کو پوچھیے
بدر و احد کے قائد لشکر کو پوچھیے
یا غزوہء تبوک کے سرور کو پوچھیے
ہم کو حنین و مکہ و موتہ بھی یاد ہیں

ہم امتی بانیء رسم جہاد ہیں
”مقصدِ حیات متعین ہو جائے تو جسم و جان میں آگ بھرجاتی ہے۔ قلم روشنائی کی بجائے خون سے
لکھنے لگتا ہے۔ الفاظ بجلی کی تڑپ بن کر نوکِ خامہ سے نکلتے ہیں۔ جذبہ سرفروشی پر آمادہ کرتا
ہے۔ ارشادِ نبوی ہے کہ جہاد افضل العبادات ہے۔“ (۸۲)

شاہ مصباح الدین ثکلیل نے نعتیہ شاعری میں جہاد کی روح پھونکنے والے سپاہی کے جذبے
سے بھرپور اشعار کی روشنی میں اس کے خلوص اور جراتِ انظہار کی تحسین کے ساتھ ساتھ اس کی ہنرمندی
کی بھی تعریف کی ہے۔ رحمان کیانی وہ واحد نعت گو ہے جس نے نعت کو رزمیہ لہجہ عطا کیا اور نعتیہ شاعری
کے روایتی انداز ”انظہارِ عشق“ کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ رحمان کیانی نے ایسے شعرِ عقیدت کی اصلاح کی طرف
توجہ مبذول کروائی جس کے ذریعے عمل کی قوت پر تنویدی کیفیت طاری ہو رہی تھی، جو سکر آمیز فضا کی
پیداوار تھا اور جس کے ذریعے بے عملی کو فروغ مل رہا تھا۔ رحمان کیانی ایک نقاد شاعر کی حیثیت سے اپنی
مثال آپ تھا۔ اس کے افکار و نظریات کی تفہیم کے لیے شاہ مصباح الدین ثکلیل نے، اصلاحی تنقیدی نچ پر
ایک لاجواب مضمون قلم بند کر دیا۔ ہم نے اس مضمون کے اقتباسات پیش کر کے اس کی جھلکیاں
دکھانے کی کوشش کی ہے۔ نعتیہ ادب کے تنقیدی سرمائے میں رحمان کیانی کی شاعری بھی بلند مرتبہ انتقادی
کاوش کا حکم رکھتی ہے اور شاہ مصباح الدین ثکلیل کا تجزیہ تو سونے پر سہاگے کا مصداق ہے۔ یہ تو انا آواز
نعتیہ تنقیدی آفاق کی وسعتوں میں بے پناہ اضافے کا سبب بن سکتی ہے۔

ii۔ حنیف نازش قادری کی نعتیہ شاعری، پروفیسر غلام رسول عدیم:

پروفیسر غلام رسول عدیم نے حنیف نازش قادری کے دو نعتیہ مجموعوں کا تنقیدی جائزہ پیش کیا
ہے: [۱] سخنِ سخنِ خوشبو، اور [۲] آبرو۔ اپنے تنقیدی منہاج کے حوالے سے پروفیسر موصوف نے تاثراتی
تنقیدی (Impressionistic Criticism) روش اپنائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:
”اس مجموعہء کلام (سخنِ سخنِ خوشبو) کا سب سے بڑا امتیاز میری نظر میں رحمتِ طلی کا شدت سے بھرا
احساس ہے جس سے شاعر لمحہ لمحہ سراپا عجز و در ماندگی کی تصویر بنا رحمتِ دو عالم ﷺ سے التجائیں کرتا
نظر آتا ہے۔“

سوائے طیبہ کے غم کے مارو! کہاں ملے گی
دعائے رحمت، دعائے رحمت، شفاۓ رحمت

اسے بھی رحمت کی بھیک مل جائے میرے آقاؐ

کہ ہے یہ نازش بھی ایک ادنیٰ گدائے رحمت

شاعر کا دوری و مجھوری کے ہاتھوں تڑپ تڑپ اٹھنا، بے تابانہ دیا محبوب ﷺ میں اڑ کر پہنچ جانے کی تمنا کرنا اور ان بے قرار یوں کا بار بار جواب بھی آنا اس کی تشنگی روح میں اور اضافے کا موجب بنتا ہوا نظر آتا ہے.....

حضورؐ در پہ بلا لیجیے گا نازش کو

تڑپ رہا ہے مدینے کی حاضری کے لیے

پھر مدینے کے گل زار یاد آگئے

پھر وہ گلگیاں وہ بازار یاد آگئے

پھر تصور نے مجھ پہ یہ احساں کیا

پھر وہ جالی وہ مینار یاد آگئے

پھر کیا ہے ایک زائر نے وہاں جانے کا ذکر

پھر مری آنکھوں میں رنگیں اشک لہرانے لگے

پھر مدینے کی حضوری کے وہ دن یاد آگئے

وہ حسیں لحات پھر یادوں کو مہکانے لگے“ (۸۳)

پروفیسر غلام رسول عذیم نے حنیف نازش قادری کی نعتیہ شاعری کے دوسرے مجموعے ”آبرو“

کے ضمن میں لکھا:

”آبرو“ میں وہ اپنے فکر و فن کے حوالے سے عروج پر نظر آتے ہیں۔ فنی طور پر ”خن خن خوش بو“ سے

”آبرو“ تک آتے آتے نازش نے اپنے معاصر نعت نگاروں میں بہت سوں کو کالے کوسوں پیچھے

چھوڑ دیا ہے۔ ایک ہوتا ہے دیکھا دیکھی کسی صنفِ سخن میں طبع آزمائی کرنا اور زمانے کے تپور دیکھ کر

پینترے بدلنا اور اس صنف کے نظری و عملی تقاضوں سے پہلو تہی کیے رکھنا ایسا شخص کہنے کو سرکارِ

رسالت پناہ ﷺ کی توصیف و ستائش میں لفظوں کا آڑھتی تو ہو سکتا ہے، جو ہری نہیں۔ یوں وہ متشاعر

ناعت تو ہو سکتا ہے حقیقی نعت گو یا نعت نگار نہیں..... مجھے محسوس ہوتا ہے کہ نازش مومنانہ صداقتوں

کے سانچے میں ڈھل کر عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے ایسی دھلی دھلائی زندگی کا حامل ہو گیا ہے جس سے اس

کے ہر شعر میں تیر و نشتر کی جگہ دوزی اور ہر مصرعے میں تلوار کی کاٹ پیدا ہو گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس

کی شاخ ہنر پرنت نئے شگوفے کھلتے اور روح پرور پھل پھول آتے ہیں۔ اس کی نعت گوئی کے تیور بتاتے ہیں کہ نازش کی ہر نعت با وضو ہو کر لکھی گئی ہے۔ نماز والا وضو تو ہوگا ہی گمان یہ ہے کہ آنکھیں بھی بے وضو نہ ہوں گی۔ ع زائر کوئے جنان آہستہ چل والی نعت نے زائرین کوئے حبیب کو وہ آداب زیارت سکھا دیے ہیں کہ کسی لغزش یا بے ادبی کا امکان باقی نہیں رہ جاتا۔“ (۸۴)

ان اقتباسات سے پروفیسر غلام رسول عذیم کا منہاج نقد واضح خدو خال کے ساتھ سامنے آ جاتا ہے۔ ہم اس انداز نقد کو پہلے ہی تاثراتی تنقیدی دبستان سے وابستہ منہاج سے تعبیر کر چکے ہیں۔ ☆ نعت رنگ کتابی سلسلہ، شمارہ ۱۸، مرتب: سید صبیح رحمانی، دسمبر ۲۰۰۵ء:

نعت رنگ کتابی سلسلہ کا شمارہ ۱۸، اعلیٰ حضرت (فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ) نمبر کی صورت میں منصہء شہود پر آیا تھا۔ اس شمارے میں ”فکر و فن“ کی ذیلی سرخی کے تحت جن مضامین کا تذکرہ ہے ان میں صرف اردو شاعری کے حوالے سے تیرہ [۱۳] مضامین سامنے آتے ہیں۔ ان مضامین میں ایسے موضوعات شامل نہیں ہیں جن میں کسی ایک جہت کے حوالے سے اشعار کی تلاش و جستجو کا سفر ظاہر ہو یا فن سے زیادہ شخصیت کے محاسن پر گفتگو کا دروا کیا گیا ہو۔ تحقیقی مضامین اور دیگر جہات پر لکھے گئے مضامین بھی ان مضامین کے علاوہ ہیں..... ہمارے مقالے میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ اتنی بار ہو چکا ہے کہ نعت رنگ میں شامل مضامین کا انتہائی مختصر تعارف بھی تکرار و تواتر کی صورت اختیار کر سکتا ہے، لہذا صرف فہرست مضامین پیش خدمت ہے:

- i۔ کلامِ رضا میں توحید کی ضیاباریاں، پروفیسر آفاق صدیقی
- ii۔ سلامِ رضا کے دو باغوں کی سیر، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی
- iii۔ مولانا احمد رضا خاں کی اردو نعتیہ شاعری، ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی
- iv۔ حضرت حافظ احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری، پروفیسر محمد اقبال جاوید
- v۔ جس سہانی گھڑی چکا طیبہ کا چاند، پروفیسر محمد اکرم رضا
- vi۔ فاضل بریلوی کے بعض اشعار کی فنی و لسانی توضیحات، ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی
- vii۔ صنعتِ محبوب کے مسائل اور مولانا احمد رضا بریلوی کی شعری عظمت، ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر

viii۔ شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی (فن اور تنقید)، پروفیسر محمد اکرم رضا

- ix۔ اسلوب رضا کا پائپن، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
- x۔ رضا بریلوی کی نثریت کے اساسی محرکات، محمد امجد رضا خاں
- xi۔ فاضل بریلوی کا شعری وزن، ریاض حسین چودھری
- xii۔ رضا بریلوی..... باب تہ کھولنے والا نعت گو، پروفیسر قصیر نجفی
- xiii۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری، پروفیسر محمد فیروز شاہ
- ☆ نعت رنگ کتابی سلسلہ، شمارہ ۱۹، مرتب: سید صبیح رحمانی، دسمبر ۲۰۰۶ء:
- نعت رنگ کے شمارہ نمبر ۱۹ میں خالص تنقیدی نوعیت کے صرف تین مضامین ہیں:
- i۔ انصح العرب ﷺ کے حضور میں، عزیز احسن
 - ii۔ نعت گوئی کا تقدس اور اس کی تنقیدی قدریں، ڈاکٹر سراج احمد قادری
 - iii۔ نعتیہ ادب پر تنقید یا تنقیص، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
 - iv۔ زبان خامہ نندار دوسر بیان فراق، کا تنقیدی جائزہ، ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر
- راقم الحروف کے مضمون کا ذکر تو اس مقالے میں ہو ہی نہیں سکتا۔ بقیہ مضامین کے لکھاریوں کا ذکر متعلقہ ابواب میں موجود ہے اس لیے یہاں صرف فہرست ہی سے کام چلے گا۔
- ☆ نعت رنگ کتابی سلسلہ، شمارہ ۲۰، مرتب: سید صبیح رحمانی، اگست ۲۰۰۸ء:
- نعت رنگ شمارہ نمبر ۲۰ میں دو ایسے مضامین شائع ہوئے ہیں جن کا تعلق تو روایات سے ہے اور یہ تحقیقی نوعیت کے مضامین ہی شمار ہوں گے لیکن ان کی تنقیدی قدر (Critical Value) اس لیے بہت زیادہ ہے کہ ان روایات کو اردو نعتیہ شاعری میں بہت زیادہ شعری جامہ پہنایا گیا ہے۔ یہ دو مضامین ہیں:
- i۔ ثنائے رسول ﷺ روایت سے درایت تک، ڈاکٹر سید محمد میکی فیض
 - ii۔ اردو نعتیہ شاعری میں موضوع روایات، محمد شہزاد مجددی
 - iii۔ ان مضامین کے علاوہ تنقیدی قدر کے مضامین درج ذیل ہیں:
 - iv۔ نعت نگاری میں احتیاط کے تقاضے، پروفیسر محمد اکرم رضا
 - v۔ کچھ آداب نعت کے بارے میں، ڈاکٹر صابر سنبھلی
 - vi۔ سیما ب اکبر آبادی کی نعت نگاری، پروفیسر افضال احمد انور
 - vii۔ احمد ندیم قاسمی بحیثیت نعت نگار، ڈاکٹر شبیر احمد قادری

vii۔ کرم و نجات کا سلسلہ (عزیز احسن)، پروفیسر ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

viii۔ قمر عینی کی نعتیہ شعری اقدار کا جائزہ، عزیز احسن

ix۔ فیاض ٹانڈوی کی نعتیہ شاعری، سید مرغوب اشرف

درج بالا مضامین میں سے صرف نمبر شمار ۲، ۶، ۹ کے حوالے سے کچھ عرض کرنے کی گنجائش ہے۔

ii۔ اردو نعتیہ شاعری میں موضوع روایات، محمد شہزاد مجددی:

تتقدیر نعت میں اس بات کا لحاظ رکھا جاتا ہے یا رکھا جانا چاہیے کہ جو بات بھی حضور اکرم ﷺ کی ذات سے منسوب کی جائے اور تبلیغ کی صورت میں جزو شعر بنے وہ صد فی صد مستند ہو۔ بد قسمتی سے اردو نعت میں غیر محتاط شعراء نے بہت سی ایسی روایات کو تلمیحاتی سطح پر عام کر دیا ہے جن کی اصل یا تو اسرائیلیات کی من گھڑت حکایات ہیں یا گمراہ فرقوں کی موضوعات۔ محمد شہزاد مجددی ایک عالم دین ہیں اور حدیث کے ضمن میں ہمیں علمائے دین ہی کی رہنمائی درکار ہے، اس لحاظ سے ان کا یہ مضمون تحقیقی ہونے کے باوجود ایک تنقیدی نکتے کی ترویج کے لیے ضروری اور اہم ہے۔

محمد شہزاد مجددی نے اپنے اس مضمون میں ایک معروف روایت ”الفقر وفخوری و بہ افتخار“ (فقر میر افتخر ہے اور میں اس کے ساتھ مفتخر ہوں) کے ضمن میں ایک علمی تحقیق پیش کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔ مضمون نگار نے سند کے طور پر امام ابن تیمیہ، العقلائی، شیخ محمد پٹنی اور ان کے شیخ، حافظ ابن حجر اور محدث بریلوی حضرت احمد رضا خاںؒ وغیرہم کے حوالے سے اس روایت کو ”موضوع“ اور ”باطل“ لکھا ہے۔ اس تحقیق کو پیش کرتے ہوئے انہوں نے فتاویٰ الرضویہ جلد ششم کے صفحہ نمبر ۱۲۶ کا حوالہ بھی دیا ہے (۸۵)۔

مضمون نگار نے ایک دوسری حدیث نقل کر کے اس کے معانی کی تفہیم کے لیے بھی زعمائے حدیث کے حوالے دیے ہیں۔ حدیث شریف ہے ”اللهم احبنا مسکیناً و امتنی مسکیناً و احشرنی فی زمرۃ المساکین“ (اے اللہ! مجھے مسکین ہی زندہ رکھ، مسکنت میں موت دے اور مساکین کے ساتھ میرا حشر فرما)۔ وہ لکھتے ہیں:

”اس روایت کو امام ترمذی نے غریب کہا اور اس کی سند میں ضعف ہے۔ ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی نے اسے الگ الگ طریق سے روایت کیا ہے..... امام بیہقی کہتے ہیں میرے نزدیک اس کی صورت یہ

ہے کہ رسول ﷺ نے یہاں اس مسکنت کا سوال نہیں کیا جس کا معنی قلت لیا جاتا ہے بلکہ آپؐ نے اس مسکنت کا سوال کیا ہے جس کا معنی انکسار اور عاجزی لیا جاتا ہے۔ ایک اور قابل غور امر یہ ہے کہ صحیح احادیث میں حضور ﷺ کا فقر سے استعاذ اور پناہ مانگنا ثابت ہے اور آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو بھی اس کی تعلیم فرمائی ہے۔ چنانچہ صحیحین میں فقر سے استعاذ کے الفاظ یوں مروی ہیں: ”اللہم اعوذ بک من فتنۃ الفقر“ ترجمہ: اے اللہ! میں فقر کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں (بخاری الدعوات رقم ۵۸۹۱ مسلم فی الذکر والدعاء رقم ۴۸۷۷)۔ سنن ابی داؤد میں عبدالرحمن بن ابی بکر کی روایت میں دعائے کلمات یوں ہیں: اللہم انی اعوذ بک من الکفر و الفقر (ابوداؤد..... رقم ۳۲۴۲)۔ (۵۰۹۰) ترجمہ: اے اللہ! میں کفر و فقر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ یہاں کفر کے ساتھ فقر کا تذکرہ لائق عبرت بھی ہے اور محل تنبیہ بھی۔ صحیح ابن حبان میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے: فقال رجل و يعتدلان؟ قال نعم (الاحسان ۳/ رقم ۱۰۲۶) ترجمہ: ایک شخص نے پوچھا کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ مسند احمد اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نعوذ و باللہ من الفقر (احمد رقم ۱۰۸۷۳، ابن حبان، رقم ۲۳۹۱: رقم ۹۷۹) ترجمہ: فقر سے اللہ کی پناہ مانگو۔ سنن نسائی میں ہے۔ نعوذ و من الفقر و فاقہ، ترجمہ: فقر و فاقہ سے اللہ کی پناہ مانگو۔ (نسائی: ۵۷۷۵)۔ الغرض احادیث صحیحہ میں فقر سے پناہ و نجات اور براءت کے مضامین کثرت سے ملتے ہیں۔ یہاں ایک بات کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے لیے موجود، مذکور اور منصوص فضائل کا اظہار بھی فخر سے نہیں فرمایا بلکہ فرمایا ”ولا فخر و لا فخر“ کی تکرار سے اپنے رب کی بارگاہ میں اظہارِ عبودیت اور تواضع فرمایا ہے۔ (۸۶)

نعتیہ شاعری کے متن کی درستگی ہی تو شعرِ عقیدت کو دنیا اور آخرت میں قابلِ قدر بنا سکتی ہے۔ اگر متن ہی میں خامی ہو تو دانستہ خامی بڑے خسارے کی بات ہے اور نادانستہ خامی کم از کم اخروی ندامت کا باعث تو بن ہی سکتی ہے۔ اللہ ہمیں اس جرم سے محفوظ فرمائے (آمین)۔ شہزاد محمد دی نے اپنے مضمون میں فقر کے حوالے سے باطل روایت کو تلمیحی سطح پر بیان کرنے والے بہت سے اکابر شعراء کے اشعار نقل کیے ہیں۔ ان شعراء میں حفیظ جالندھری، مرتضیٰ احمد خان میکش، بہادر شاہ ظفر، ماہر القادری، حافظ مظہر الدین، محمد یار فریدی، ضامن حسنی، سید فیضی، بے چین رجپوری، امیہ ہارون، حسن اختر جلیل، حافظ لدھیانوی، الیس۔ اے۔ رحمان، حفیظ الرحمن احسن، اسرار احمد مہاروی، سید امین گیلانی، رفیع الدین ذکی قریشی، ڈاکٹر سلطان الطاف علی، جعفر بلوچ (جعفر کی نعت کی تو ردیف ہی ”الفقر و فخری ہے) بشیر

حسین ناظم، راجا رشید محمود۔ بشیر حسین ناظم نے البتہ ”الفقر و فخری“ کی جگہ ”العجز فقری“ لکھا ہے اور شہزاد مجددی نے اس شعر کے ساتھ یہ فقرے لکھے ہیں:

وہ ایسے قائل ”العجز فقری“ ہیں کہ عالم کی

غنا و سرفرازی ان کے کفش پایہ قرباں ہے

(”العجز فقری“ کے الفاظ کتاب الشفا میں قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل روایت بیان

کرتے ہوئے نقل کیے ہیں)“ (۸۷)

شہزاد مجددی نے ایک بہت زیادہ معروف اور ایک ایسی موضوع حدیث کی تحقیق ہم تک پہنچائی ہے جو اردو نعت کے اشعار میں بہت زیادہ تلمیحی صورت میں متن شعر بنتی رہی ہے۔ اللہ انہیں اس کی جزا عطا فرمائے (آمین)!

اس مضمون کے مطالعے سے نعت گو شعراء اور شعر عقیدت کی تنقیدی سرگرمیوں سے وابستہ اہل قلم کو بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا۔ شہزاد مجددی نے دو صحیح احادیث لکھ کر معاملے کی سنگینی کا احساس دلانے کی بھی سعی کی ہے:

من کذب علی متعمداً فليتبوأ مقعده من النار

کفی بالحرء کذباً ان بحدث بكل ما سمع.....

ترجمہ: جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لیا (متفق علیہ)..... ترجمہ: کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کر دے۔“ (۸۸)

نعتیہ شاعری کی تنقید میں متن کی درستگی اور خیال کی بے خطابنت کا معیار جانچنے کے لیے ایسی تحریریں جن میں موضوع احادیث کی نشاندہی کی گئی ہو، بہت اہم ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے شہزاد مجددی کا مضمون ایک رجحان ساز (Trend Setter) مضمون کا درجہ رکھتا ہے۔

vi۔ احمد ندیم قاسمی بحیثیت نعت نگار، ڈاکٹر شبیر احمد قادری:

ڈاکٹر شبیر احمد قادری نے نعتیہ شاعری کے لیے سید وحید الحسن ہاشمی کے متعین کردہ اصولوں کے حوالے سے احمد ندیم قاسمی کے فن کا مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”سید وحید الحسن ہاشمی نے اپنے نعتیہ مجموعے ”یاسین“ میں فن نعت گوئی کے ذیل میں چھ اصولوں کا حوالہ دیا ہے: [۱] مقصدیت [۲] خیال [۳] جذبہ [۴] الفاظ [۵] طرزِ ادا [۶] وزن..... اس تناظر

میں ممتاز شاعر اور ادیب احمد ندیم قاسمی مرحوم کی نعتوں کا جائزہ لیا جائے تو ان میں محولہ بالا اصول اپنی بھرپور موجودگی کا احساس دلاتے ہیں۔

ہے میرے لفظ لفظ میں گر حسن و دل کشی

اس کا یہ راز ہے، مرا معیار آپؐ ہیں“ (۸۹)

ندیم قاسمی کی نعتیہ شاعری میں ذکر جمال کی فراوانی کے اسباب تلاش کرتے ہوئے وہ لکھتے

ہیں:

”ندیم کے فکرو فن کا محوری نکتہ تلاش جمال اور ستائش جمال ہے۔ وہ جمال کے محدود و مقرر معانی کے بجائے اس کے اندر نئی وسعتوں اور نئے ابعاد کا کھوج لگانے کے خواہش مند ہیں..... انسانی تہذیب و اقدار کے سب سے بڑے رہنما نبی اکرم ﷺ کی شاکر تے ہوئے انھوں نے اپنے مجموعہ نعت کا نام بھی ”جمال“ رکھا ہے۔ نعت کہتے ہوئے وہ لفظ ”محمد“ کو نطق کا جمال قرار دیتے ہیں کہ یہ شاعر کی تمنا کے جمیل ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:

لفظ محمدؐ اصل میں ہے نطق کا جمال

لحٰن خدا نے خود ہی سنوارا ہے ان کا نام

ندیم اخلاق اور تہذیب کی اصلاح اور فروغ کے لیے مذہب کی جمالیات کی ترویج کو

ضروری سمجھتے ہیں“۔ (۹۰)

پروفیسر شبیر احمد قادری نے جدید نعت کے خدو خال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ندیم کے جمال فن

کی نقاب کشائی کا تنقیدی فریضہ ادا کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”عظمت انسان کے حوالے سے ندیم کی نعتوں میں تعلیمات نبوی کا بیان، خراج تحسین کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ندیم بجاطور پر سمجھتے ہیں کہ انسانیت کی عظمت، توقیر اور فلاح کا جو تصور اسلام نے دیا ہے اس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔ یہی فکر اور سوچ انھیں خیر البشر ﷺ (کی جناب) میں ہدیہ سلام و نیاز پیش کرنے پر راغب کرتی ہے:

تو جب آیا تو مٹی روح و بدن کی تفریق

تو نے انساں کے خیالوں میں لہو دوڑایا

یہ بتانے کو، کہ باوزن ہے انسان کی ذات

دست یزداں نے جو بخشی ہے، وہ میزاں تو ہے

گواہی دیتا ہے یہ ارتقائے انسانی
کہ کام آئی جہاں بھر کو پیشوائی تری
ان کے پیکر میں محبت کو ملی ہے تجسیم
پیار کرتا ہے ہر انساں سے پرستار ان کا

ندیم کے نعتیہ اشعار اور ان میں پائی جانے والی تہہ داری، ان کے دل سے نکلنے والی وہ آواز ہے جو
محبوب کائنات کی مدح و ثنا کے لیے بلند ہوتی ہے۔ نعت دراصل ان کے دامنِ کرم سے وابستگی کا
شعری وسیلہ ہے۔“ (۹۱)

پروفیسر شبیر احمد قادری کی تنقید کی اساس جمالیاتی اور تاثراتی تنقیدی دستانوں کے ملے جلے
رجحانات پر ہے۔ نعتیہ تنقیدی ادب میں ان کا مضمون تحسین فن کی قابل قدر مثال ہے۔

ix۔ فیاض ٹانڈوی کی نعتیہ شاعری، سید مرغوب اشرف (بھارت):

سید مرغوب اشرف نے، فیاض ٹانڈوی کی نعتیہ شاعری کا تعارف کرواتے ہوئے موضوع کی
عظمت اور فن کی بلندیوں کا خیال رکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”فیاض ٹانڈوی کے یہاں جذبہء دروں ان کے علوئے فکر اور ندرتِ اظہار کی کشتی پر بیٹھ کر دریائے
عشق کی وسعتوں، گہرائیوں اور پہنائیوں میں مسلسل رواں ہے، سرگرم سفر ہے۔ ایک ایسا سفر جو
عاشق رسول ﷺ کے لیے ہر شعری قدم کی طرف اُکساتا ہے۔ یہ شعری سفر فیاض ٹانڈوی کا مقصدِ
حیات ہے اور ان کا ہر شعری قدم فکر و تخلیق کی خوراک ہے۔“

نبیؐ کے نام کو ہر وقت ورد میں رکھیے
یہ وردِ خاص ہی معراج ہے زباں کے لیے
نعتِ شہ کونین کے اشعار کہے جا
فیاض ترے ذوق کی معراج یہی ہے“ (۹۲)

سید مرغوب اشرف نے نعتیہ شاعری کی تحسین میں شعری جمالیات، بیان کی ندرت اور اظہار
کی طرف کی نگہی کو پیش نظر رکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”نبی ﷺ کا ورود مسعود ایک نبی آخر الزماں ﷺ کا ورود ایک امام الانبیا کا ورود ایک رحمۃ للعالمین کا
ورود ہے جو اس عالم میں ابد تک منبعِ ہدایت و رحمت رہیں گے۔ اس ساعتِ سعید کی یاد سے، اس پر
فکر کرنے سے دل کو جلا ملتی ہے۔ قلب کی کثافت دھلتی ہے۔ نعت گو شعرا نے اس ساعتِ سعید کا ذکر

خوب خوب کیا ہے۔ فیاض ٹانڈوی نے مختلف نعتوں میں اس ساعت مقدس کی خوب روشنی کی ہے۔ جو اپنے حسن اظہار و پرکاری ابلاغ سے دلوں کو روشنی سے بھر دیتی ہیں۔ اس ضمن میں ایک نعت ملاحظہ فرمائیے جو ایک طرب انگیز Symphony کی طرح ہے۔ جس کا ہر شعر موسیقی کی ایک لہر ہے۔ ان لہروں کا امتزاج سرور و کیف میں ڈبو دیتا ہے۔ آخری شعر اس Symphony کا نقطہ عروج ہے کہ اس کا بلند آہنگ سرور کی دنیا سے سننے والے کو واپس لاتا ہے کہ وہ تاج دار کو نین ﷺ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوا جائیں۔

زمیں پہ آج آمدِ رسولِ ذی وقار ہے
فضائے دہر مظہر نشاطِ صد ہزار ہے
لٹائے ابر نے گہ، طرب میں جھوم اٹھے شجر
درو پڑھ رہے ہیں گل، نسیم مشک بار ہے
ہیں طائروں کی ٹولیاں چمن میں وقفِ زمزمہ
سلام اے شرِ زماں، سبھی کی یہ پکار ہے
طرب فزا ہوا چلی، کلی دلوں کی کھل گئی
”ہے عیدِ آمدِ نبی“ حیاتِ نغمہ بار ہے
طلوع ہوگا جس جگہ وہ آفتابِ الضحیٰ
وہی تو رشکِ صد جنناں حرم کا یہ دیار ہے
اٹھو سلام کے لیے وہ تاج دار آگئے
زمانہ جن پہ ہے فدا، خدائی بھی نثار ہے“ (۹۳)

مضمون نگار نے فیاض ٹانڈوی کی جس فنی خوبی کا ذکر کیا ہے، اس کے شواہد ان کے کلام سے بھی پیش کر دیئے ہیں۔ یہ شاعری واقعاً نغمگی کا مرقع اور سرشاری کی کیفیت کے اظہار کا بہترین نمونہ ہے۔ جس آمدِ رسول ﷺ کے اظہار کے لیے جو طریقہ لہجہ درکار تھا اسی لہجے میں فیاض ٹانڈوی نے بات کی ہے اور فن، عقیدت اور حبِ رسول ﷺ کے توافق کو محسوس کرتے ہوئے ہی نقاد سید مرغوب اشرف نے اس کی تحسین کی ہے۔ اس طرح ان کا منہاج نقد، جمالیاتی تنقید (Aesthetical Criticism) کا نمونہ ہو گیا ہے۔

☆ نعت رنگ کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۲۱، مرتب: سید صبیح الدین رحمانی، س۔ن:

نعت رنگ کے اس شمارے میں تنقید نعت کا ایک نیا پہلو سامنے لایا گیا ہے، وہ یہ کہ نعت کے حوالے سے تحقیقی اور تنقیدی تحریریں پیش کرنے والے اہل قلم کی ”نعت شناسی“ زیر بحث آئی ہے۔ گویا مضامین میں غالب رجحان مضمون نگاروں کی ستائش کا ہوتا ہے۔ تاہم نعتیہ شاعری کی تفہیم، تحسین اور تنقید کے زاویوں کی روشنی میں کچھ معیارات بھی قلم بند ہو جاتے ہیں۔ نعتیہ ادب میں چوں کہ یہ روش نعت رنگ کی اسی اشاعت کے ذریعے اپنے واضح خدو خال کے ساتھ جلوہ آراء ہوئی ہے اس لیے اسے تنقیدی کاوش کے طور پر قبول کرنے میں کوئی شے مانع نہیں ہو سکتی۔ سید صبیح رحمانی نے ادارے میں اس بات کا اظہار کر بھی دیا تھا۔ انہوں نے لکھا:

”گوشہ نعت شناسی اس اعتبار سے توجہ طلب ہے کہ اردو میں نعت پر لکھنے والوں کی اس طرح پذیرائی کی کوئی مثال اس سے پہلے ہمارے ہاں موجود نہیں تھی۔“

نعت رنگ ۲۱ میں شائع ہونے والے تنقیدی نوعیت کے مضامین کی فہرست درج ذیل ہے:

- i۔ اردو نعت میں ضما ن کا استعمال، رشید وارثی
- ii۔ تحقیقی ادب اور نعتیہ ادب کی موجودہ صورت حال، عزیز احسن
- iii۔ اردو نعتیہ شاعری میں موضوع روایات، محمد شہزاد مجیدی
- iv۔ نعتیہ ادب کے تنقیدی نقوش، پروفیسر محمد اکرم رضا
- v۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کی نعت شناسی، ڈاکٹر یحییٰ شیط
- vi۔ نظیر لدھیانوی کی نعت شناسی، پروفیسر محمد اقبال جاوید
- vii۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید کی نعت شناسی، عزیز احسن
- viii۔ پروفیسر محمد اکرم رضا کی نعت شناسی، ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی
- ix۔ رشید وارثی کی نعت شناسی، پروفیسر محمد اکرم رضا
- x۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری کی نعت شناسی، ڈاکٹر شکیل احمد مصباحی
- xi۔ اسلوب شناس نعت نگار، احسان اکبر، عزیز احسن
- xii۔ انور سدید کی حمد و نعت، ظفر علی راجا
- xiii۔ ڈاکٹر افضال احمد انور کے مقالے ”اردو نعت کا ہیئت مطالعہ“ (ایک جائزہ)،

درج بالا فہرست میں یا تو موضوعات ایسے ہیں جن کا ذکر ہمارے مقالے میں کہیں نہ کہیں ہو چکا ہے، یا مضمون نگاروں کے نام کئی بار کے دہرائے ہوئے ہیں، اس لیے ان مضامین پر کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی۔ البتہ محمد شہزاد مجددی کے مضمون کا ہلکا سا تعارف کروانا ناگزیر ہو گیا ہے کیوں کہ انہوں نے نعتیہ شاعری میں در آنے والی موضوع روایات کا حوالہ دے کر چونکا یا بھی ہے اور نعت گو شعراء و نقادان فن کو تعلیمات کے سلسلے میں محتاط رہنے کا پیغام بھی دیا ہے۔

iii۔ اردو نعتیہ شاعری میں موضوع روایات، محمد شہزاد مجددی:

محمد شہزاد مجددی نے عالم دین ہونے کے ناتے اپنی ذمہ داری نبھانے کی سعی کی ہے اور اردو نعت کی تخلیق و تنقید سے منسلک اہل قلم کی آگاہی کے لیے ایسی روایات کی اصل سے پردہ اٹھایا ہے جن کا حوالہ نعتیہ شاعری کی تعلیماتی اساس بن چکا ہے۔ محمد شہزاد مجددی کی تحریر سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

”اردو نعتیہ شاعری میں بہ کثرت پائے جانے والے..... مضامین میں سے ایک معروف مضمون واقعہء معراج میں حضور اقدس ﷺ کے نعلین سمیت عرش پر تشریف لے جانے سے متعلق ہے۔ اس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ جب سرکارِ دو عالم ﷺ نے عرش الہی کی طرف عروج فرمایا تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے پیش نظر جو موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا تھا: ”اے موسیٰ اپنے جوتے اتار دو کیوں کہ تم وادیء طویٰ میں ہو“، آپؐ نے بھی نعلین اتارنے کا ارادہ فرمایا لیکن ارشاد ہوا: ”یا محمد الا تخلع نعلیک لتشرف السماء بہما“ ترجمہ: اے محمد ﷺ تم اپنے نعلین نہ اتارو تا کہ آسمان ان سے شرف حاصل کرے..... علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اس قصے کا تذکرہ اکثر نعت گو شعراء نے کیا ہے اور اسے اپنے تالیفات میں درج کیا ہے اور ہمارے زمانے کے اکثر واعظین اسے طوالت و اختصار کے ساتھ اپنی مجالس وعظ میں بیان کرتے ہیں۔ جب کہ شیخ احمد المقتری نے اپنی کتاب ”فتح المتعال فی مدح النعال“ میں علامہ رضی الدین قزوینی اور محمد بن عبدالباقی زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”شرح مواہب اللدنیا“ میں زور دے کر وضاحت کی ہے کہ یہ قصہ مکمل طور پر موضوع ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے گھڑنے والے کو برباد کرے۔ معراج شریف کی کثیر روایات میں کسی ایک روایت سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ اس وقت پاؤں پہنے ہوئے

تھے۔“ (۹۴)

محمد شہزاد مجددی نے اپنے مضمون میں شیخ المقری، امام محمد بن عبدالباقی زرقانی رحمۃ اللہ علیہ، امام رضی الدین قزوینی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے کہ اس متن کی کوئی حدیث نہیں ہے۔ امام زرقانی لکھتے ہیں:

”بعض محدثین فرماتے ہیں: جس نے یہ روایت گھڑی ہے کہ آپ نعلین سمیت عرش پر چڑھے خدا اس کو غارت کرے کہ اس نے شدید بے حیائی کا مظاہرہ کیا ہے اور مؤذنین کے سردار اور عارفین کے پیشوا ﷺ کے بارے میں ایسی جسارت کی ہے۔“ (۹۵)

احکام شریعت کے حوالے سے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کے استفسار پر جو جواب دیا وہ بھی نقل کیا ہے:

”سوال: حضور اقدس ﷺ کا شب معراج عرش الہی پر نعلین مبارک سمیت تشریف لے جانا صحیح ہے یا نہیں؟ جواب: یہ محض جھوٹ اور موضوع ہے۔ اللہ اعلم۔“ (۹۶)

محمد شہزاد مجددی نے معروف اور غیر معروف شعراء کے ایسے اشعار بھی نقل کیے ہیں جن میں نعلین پاک کے حوالے سے درج بالا موضوع روایت کو فخر سے بیان کیا ہے:

نعلین پا سے عرش معلیٰ کو ہے شرف
روح الایمیں ہیں غاشیہ بردارِ مصطفیٰ

(بیدم وارثی)

حکم موسیٰ کو ہوا ”فاخلع“ مگر معراج میں
تاج فرق عرش ہے نعلین پائے مصطفیٰ

(وہی لکھنوی)

تیری نعلین کا وہ رتبہ ہے اعلیٰ جس سے
عرش کے فرش کو حاصل شرف تاج ہے آج

(وحشی، سفینہ نعت، حصہ ۲)

خود عرش نے بوسے لیے ایقان و ادب سے
کیسے ہو بیاں آپ کے نعلین کا عالم

(شاہ انصاری آبادی)

نقش نعل پاک سلطان ام
بدر بن کے عرش کے اوپر کھلا
ان کے نعلین کا مقام فلک
ان کے نعلین تک مری پرواز

(بشیر حسین ناظم)

سن کے جس نام کو جھک جائے عقیدت کی جہیں
جس کی نعلین کہ اتری نہ سر عرش بریں

(ادیب رائے پوری)

عرش اعلیٰ کا بھی اعزاز بڑھا ہے ان سے
سلسلہ فیض کا ایسا ترے نعلین میں ہے

(غلام قطب الدین فریدی)

کیا سراپائے پیمر کا مقام
نعل تک معراج میں ہے مقتدر

(راجا رشید محمود)“ (۹۷)

نعتیہ ادب میں ایک موضوع روایت کا سفر کس قدر عبرت ناک ہے اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں حضور اکرم ﷺ کی ذات و صفات سے سچی محبت ہے۔ محمد شہزاد مجددی نے اس اہم مسئلے کی طرف توجہ مبذول کروا کے، نعتیہ ادب میں ایک غلط روایت کو مزید پھیلنے سے روکنے کی جو کوشش کی ہے اس کی تنقیدی اہمیت تو ہے ہی۔ ان کے مضمون سے نقادوں میں بھی ذوق تحقیق پیدا ہوگا اور شعر عقیدت کو استنادی شان دینے والے شعراء بھی ان کی تحقیق سے استفادہ کریں گے۔

محمد شہزاد مجددی نے ناقدین کو یہ راہ بھائی ہے کہ جب بھی کوئی تلمیحاتی شعر سامنے آئے، صرف اس کے بیان کی خوبیاں ظاہر نہ کی جائیں بلکہ اس میں وارد ہونے والی تلمیح کی کنہ تک پہنچ کر اس کی سند تک رسائی حاصل کرنے کی سعی بھی کی جائے تاکہ نقد نعت کا حق ادا ہو سکے۔ شعراء کو تو محتاط رہنا ہی چاہیے۔ ہم شہزاد مجددی کی کاوش کو نشر بھی تنقیدی دبستان کے معیارات کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔

☆ نعت رنگ کتابی سلسلہ، شمارہ ۲۲، ستمبر ۲۰۱۱ء:

نعت رنگ کتابی سلسلے کا بائیسواں شمارہ تاحال آخری شمارہ (Latest Edition) ہے۔ اس شمارے میں چند مضامین تنقیدی قدر کے حامل ہیں:

i۔ نعت نبوی اور توحید و رسالت کے مابین فرق کی اہمیت، ڈاکٹر شعیب نگرانی

ii۔ اردو نعت میں ضماز کا استعمال (ایک تنقیدی جائزہ)، ڈاکٹر اشفاق انجم

iii۔ نعتیہ شاعری میں مثنیٰ رشتوں کی تلاش، عزیز احسن

iv۔ ڈاکٹر ریاض مجید کی نعت شناسی، پروفیسر محمد اکرم رضا

v۔ ڈاکٹر اطلق قریشی کی نعت شناسی، ڈاکٹر شبیر احمد قادری

vi۔ گوہر ملیانی کی نعت شناسی، پروفیسر محمد اکرم رضا

vii۔ نعت گوئی اور اس کے آداب۔ ایک مطالعہ، ڈاکٹر غفور شاہ قاسم

درج بالا مضامین میں سے صرف دو مضامین ایسے ہیں جن کے لکھنے والوں کی کوئی تحریر ابھی تک زیر مطالعہ نہیں آئی ہے۔ اس لیے ہم دونوں مضامین کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں۔

i۔ نعت نبوی اور توحید و رسالت کے مابین فرق کی اہمیت، ڈاکٹر شعیب نگرانی:

ڈاکٹر شعیب نگرانی نے اپنے فہم کے مطابق نعتیہ مضامین کو سمجھنے اور ان کے حوالے سے تنقیدی مضمون لکھنے کی کوشش تو کی ہے لیکن انہیں متحمل مزاج اور ادب شناس تنقید نگار نہیں کہہ سکتے۔ نعت رنگ میں ایسے مضامین بھی شامل اشاعت ہوتے رہے ہیں جن کے مافیہ سے مرتب یا ادارے کو اتفاق نہیں ہوتا ہے۔ زیر مطالعہ مضمون بھی اسی قسم کا ہے۔ اسی لیے مرتب نعت رنگ سید صبیح الدین رحمانی نے ادارہ بعنوان ”اپنی بات“ میں اس بات کی وضاحت ضروری سمجھی کہ:

”نعت نبوی اور توحید و رسالت کے مابین فرق کی اہمیت“ ایک خاص مسلک و مکتب فکر کی واضح ترجمانی اور بعض مقامات پر سخت بیانی کے باوجود ایک اہم اور توجہ طلب مضمون ہے۔ ”نعت رنگ“ کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ ہم نعت پر ہونے والی گفتگو اور اس ضمن میں چھڑنے والے مباحث کو امت مسلمہ کے مختلف مکاتب فکر اور مسلک سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان مکالمہ بناسکیں اور ”نعت رنگ“ کے شمارے اس امر کے گواہ ہیں کہ ہم اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں، سو ڈاکٹر شعیب نگرانی کا مضمون بھی اس حوالے سے ہماری خصوصی [توجہ] کا مستحق ہے۔“ (۹۸)

ہم اس مضمون کو علمی متانت کے خلاف جانتے ہیں۔ کیوں کہ اس میں جذباتیت تو ہے، علمیت اور فن شناسی کا جوہر دور دور نظر نہیں آتا۔ اس کی دو ایک مثالیں پیش خدمت ہیں۔ موصوف نے لکھا ہے:

زیبتِ یس توئی زیبائشِ طہ توئی

صاحبِ معراج سبحان الذی اسری توئی

شعر میں توحید الوہیت کی نفی کرتے ہوئے رحمتِ عالم ﷺ کو سبحان الذی اسری توئی کہا گیا ہے جبکہ سورۃ بنی اسرائیل کی یہ آیت ”سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ“ ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے مختص ہے۔ (۹۹)

اس موقع پر یہ بتانا ضروری ہے کہ ڈاکٹر نگرامی نے شعر کی تفہیم میں زبردست ٹھوکر کھائی ہے۔ شاعر نے ”صاحبِ معراج“ کہہ کر آیہ قرآنی کا تلمیحی اشارہ کیا ہے۔ یعنی جس کے لیے قرآنی آیت ”سبحان الذی اسری..... الخ“ نازل ہوئی ہے وہ صاحبِ معراج آپ ﷺ کی ذات ہے۔ اس میں الوہیت کی نفی دیکھنے والے صرف ڈاکٹر نگرامی ہی ہو سکتے ہیں۔ آگے چل کر موصوف نے اور بھی مضحکہ خیز بات کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”اقبال جنھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے عمر بھر قرآنی تعلیمات کی ترجمانی کی انھوں نے رحمتِ عالم ﷺ کی عقیدت و محبت میں غلو کرتے ہوئے یہ رباعی (یہ رباعی نہیں ہے، نظم کے دو اشعار ہیں۔ ادارہ) کہہ ڈالی:

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشنا فروغِ وادیِ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن وہی فرقاں وہی یس وہی طہ

اس رباعی کا تیسرا مصرعہ محلِ نظر ہے جس میں رحمتِ عالم ﷺ کو وہی اول وہی آخر کہا گیا ہے جبکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اولیت و آخریت کی نسبت اپنی ذات والا صفات کی طرف کی ہے۔ آیت شریفہ ہے ”ہو الاول والاخر والظاهر والباطن و هو بکل شیء علیم“ (۱۰۰)

اس شعر کی تفہیم ڈاکٹر شعیب نگرامی کو کیسے ہو سکتی تھی کہ انہیں تو نظم کے اشعار اور رباعی کے مصرعوں کی پہچان تک نہیں ہے۔ شاعری میں تلمیحی اشاروں کے سمجھنے کے لیے کچھ ضروری علم کی ضرورت ہوتی ہے جس کا حصول مضمون نگار نے غیر ضروری جانا۔ اسی لیے واضح شعر پر (جس پر ملت کو اور اردو نعت کے دلدادگان کو ناز ہے) اعتراض جڑ دیا۔ اگر اقبال کے شعر پر اعتراض کرنے سے پہلے کچھ احادیث کا مطالعہ کر لیا جاتا تو یہ نوبت نہیں آتی۔ حضور اکرم کی یہ حدیث مبارک تو بڑی معروف ہے

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ پر نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام کی روح اور جسم تیار ہو رہا تھا، (جامع ترمذی، ج: دوم: حدیث ۱۵۴۳، ص ۶۷۵)۔ اقبال نے نگاہِ عشق و مستی میں اسی اولیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آخر ہونا تو شاید مضمون نگار کو بھی معلوم ہو کہ حضور اکرم ﷺ آخری نبی ہیں اور ان کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا!

مضمون نگار نے کچھ اہم باتیں بھی کی ہیں۔ اردو شاعری پر فارسی شاعری کے اثرات بہت زیادہ نمایاں ہیں اس لیے انہوں نے فارسی غزل گوئی میں در آنے والی بعض ایسی روایتوں کو جس میں شریعت اور علماء کا مضحکہ اڑانا معمول بن گیا تھا، اسلامی فکر کے منافی جان کر اس پر اعتراضات کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”حافظ نے اس زور و شور سے غزل کا غلغلہ بلند کیا کہ اس گنبدِ لاوردی سے آفرین و مرجہا کی صدا آنے لگی۔ عجمی تصوف، یونانی فلسفہ کے تراجم اور الحاد و بے دینی کی اشاعت نے قدرتی طور پر وہ مضامین پیدا کر دیے جس نے اسلام کے نظامِ اخلاق کو تہہ و بالا کر ڈالا۔ جس نے شریعت اور علماء کے نیچے ادھیڑ دیئے۔ جس نے واعظ، زاہد اور محتسب کی پگڑیاں اچھال دیں۔ جس نے شراب اور پانی کو ایک کر دیا۔ غرض کہ شیراز میں اسلام کا شیرازہٴ اخلاق بکھر گیا۔ ملحدوں، زنادقہ اور صوفیا کی گرم بازاری سب سے زیادہ شیرازہ ہی میں ہوئی ہے۔ اس الحادی دور کی تفصیلات امام ابن قیم الجوزی نے اپنی کتاب ”تلبیس ابلیس“ میں درج کی ہیں۔ شبلی نے اپنی کتاب ”شعر العجم“ میں لکھا ہے کہ غزل کی رندی و مستی اور صوفیانہ عقائد و خیالات کی ادب پر حکمرانی کے دور میں دوسرے اصنافِ سخن کے ساتھ فارسی نعت گوئی کی بھی ابتدا ہوئی اور فارسی کے نعتیہ کلام کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ چند کو چھوڑ کر اکثر فارسی نعت گو شعراء کو نعت کی حد نہیں معلوم تھی“۔ (۱۰۱)

بات اگر تحقیقی انداز اور مناسب حوالوں کے ساتھ کی جائے تو دل و دماغ کو اس کے قبول کرنے میں کوئی شے مانع نہیں ہو سکتی۔ مضمون کا درج بالا اقتباس ایک فکری سطح اور علمی وقار کا حامل ہے، کاش مضمون نگار جذباتیت سے بچ کر قلم اٹھا سکتے!..... اردو نعت کی تنقید میں ڈاکٹر شعیب نگر امی کے کچھ نکات سے بھرپور فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ یہ اندازِ نقد تشریحی تنقید کے ذیل میں رکھ کر دیکھا جاسکتا ہے۔

ii۔ اردو نعت میں ضماز کا استعمال (ایک تنقیدی جائزہ)، ڈاکٹر اشفاق انجم (بھارت):
اردو نعتیہ شاعری کے حوالے سے یہ بحث بھی سامنے آئی ہے کہ حضور اکرم کے لیے جمع تعظیسی

کا صیغہ یعنی ”آپ“ استعمال کیا جائے، ”تو“، ”تم“، ”میرا“، جیسے ضمائر استعمال نہ کیے جائیں۔ بعض شعراء نے شدت سے اس اصول کو نہ صرف اپنایا بلکہ اس بات کا چرچا بھی کیا کہ یہی طریقہء راسخ ہے۔ اس حوالے سے بعض شاعری کے نبض شناس نقادوں اور شعری ضرورتوں کا خیال رکھنے، نیز لفظ کی تہہ میں پوشیدہ تعظیم یا تعجیب کا معیار جاننے والے اہل علم نے اس روش کو انفرادی سوچ قرار دیا۔ ضمائر کی اس بحث میں علامہ قمر عینی، حنیف اسعدی، پروفیسر سحر انصاری اور ڈاکٹر اشفاق انجم جیسے اہل ادب ”آپ“ کو رواج دینے کے حامی رہے اور پروفیسر سید محمد ابوالخیر کشنی، ڈاکٹر عاصی کرناٹی، رشید وارثی اور یہ ناچیز (عزیز احسن)، شعری ضرورتوں اور لہجے کی اپنائیت کے قائلین میں شامل رہے۔

رشید وارثی کا مضمون ”اردو نعت میں ضمائر کا استعمال“ نعت رنگ شمارہ ۲۱ میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں ان کا لہجہ بڑا جارحانہ رہا، جس کے جواب میں ڈاکٹر اشفاق انجم کو قلم اٹھانا پڑا۔ اس مضمون میں ڈاکٹر اشفاق انجم نے خود رشید وارثی کی تحریروں سے ایسے اقتباسات دیئے ہیں جن میں بعض برزگوں کے لیے صیغہ جمع تعظیمی ”آپ“ یا ”اُن“ استعمال کیا گیا تھا۔ ضمائر کی ان بحثوں میں عربی، فارسی اور ہندی زبانوں کے ضمائر کے حوالے بھی دیئے گئے تھے اور یہ ظاہر کرنے کی سعی کی گئی تھی کہ ان زبانوں میں مروج ضمائر ہی اردو زبان کے ضمائر پر اثر انداز ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر اشفاق انجم کا نقطہ نظر درج ذیل اقتباس سے واضح ہو جاتا ہے:

”عربی فارسی زبانوں میں ”آپ“ جیسی کوئی ضمیر نہیں ہے جو اپنے بزرگوں یا قابل احترام شخصیات کے لیے استعمال کی جاسکے۔ ان زبانوں میں بھکاری سے لے کر بادشاہ تک کے لیے ”انت“ اور ”تو“ جیسی ضمیریں استعمال کی جاتی ہیں جو ان دونوں زبانوں میں تو درست ہیں لیکن ہماری زبان، تہذیب و آداب سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی۔ اس لیے اردو میں ضمیر ”آپ“ کے ہوتے ہوئے حضور ﷺ کے لیے ”تو“ کے استعمال کو نامناسب سمجھا گیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ جس زبان میں ادب تخلیق کر رہے ہیں اس کے اصولوں اور اقدار کی پابندی بھی آپ پر لازم ہوگی۔ ہم اردو تخلیقات کو اردو ہی کے لسانی اصولوں اور اقدار و روایات پر پرکھیں گے کسی غیر زبان کے اصول و معیار پر نہیں۔“ (۱۰۲)

اس اقتباس سے ضمیروں کے استعمال کے ضمن میں ہونے والی بحثوں کا لب لباب ظاہر ہو گیا ہے۔ تنقیدی سرگرمیوں میں اس قسم کی صورت حال بھی پیدا ہو سکتی ہے کہ ڈاکٹر اشفاق انجم کے حامی، ایسی تمام نعتوں کو رد کر دیں جن میں حضور اکرم کے لیے صیغہ واحد حاضر ”تو“ کا استعمال نظر آئے اور ان سے

اختلاف رکھنے والے، ”آپ“ کے استعمال کو لطافتِ شعری کے خلاف جانیں۔ بہر حال راقم الحروف کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ضرورتِ شعری کے لحاظ سے ضما کر کا استعمال کیا جائے۔ لفظ برتنے کا انداز خود ہی بتا سکتا ہے کہ کونسا لفظ مخاطب میں ناگوار سطح کو چھو رہا ہے اور کونسا لفظ قربت کی لطافتوں کے احساس کا حامل ہے؟ ڈاکٹر اشفاق انجم کا مضمون لسانیاتی بحثوں کا حامل ہے اور اس میں عمرانی فضا کی باتیں بھی کی گئی ہیں اس لیے اس طرح کی تنقید کو ہم عمرانی تنقیدی دبستان اور تشریحی تنقیدی دبستان کا مرکب کہہ سکتے ہیں۔

☆ نعت رنگ شمارہ ۲۲ تا ۲۳ میں شائع ہونے والے خطوط:

نعت رنگ شمارہ اول اپریل ۱۹۹۵ء میں منصہء شہود پر آیا تھا۔ دوسرے شمارے میں اہل علم کی آراء سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی کہ نعتیہ شاعری پر ”تنقید“ نعت رنگ سے قبل اتنی بھر پور اور سائنٹیفک انداز سے نہیں ہو سکی تھی۔ یہ گویا اس بات کی تصدیق تھی کہ نعت رنگ ہی نعت پر تنقید کو رواج دینے میں پہل کرنے والا کتابی سلسلہ تھا۔ نعت رنگ شمارہ نمبر ۲ میں محققین، علمائے کرام اور شعراء کے کچھ خطوط شامل تھے۔ ان خطوط کے چیدہ چیدہ نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ کسی نعت یا نعتیہ مضمون کے بارے میں حسن و قبح کے حوالے سے کسی طرح کا حکم لگانا مناسب نہیں۔ ان نقطوں کا استعمال اور مروجہ استعمال نعت اور نعت کے مباحث میں میرے دائرہ خیال و قلم سے خارج ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے جن الفاظ و خیالات کو نسبت ہو جائے وہ میرے نزدیک تنقید مروجہ سے بلند و بالا ہو جاتے ہیں۔ صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ بعض وجوہ سے محترم عزیز صاحب اور رشید وارثی صاحب کے مضامین مجھے بطور خاص پسند آئے۔ (ڈاکٹر فرمان فتح پوری، کراچی) (۱۰۳)

۲۔ ”نعت رنگ میں تحقیق اور تنقید دونوں کے درمیان توازن ہے“ (ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشتی، کراچی) (۱۰۴)

۳۔ تنقید نعت کے مقالے اس نقطہ نظر سے بڑے وقیع ہیں [کہ] جوش عقیدت میں اکثر شعراء حزم و احتیاط کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ (شاہ مصباح الدین شکیل، کراچی) (۱۰۵)

۴۔ نعت کے سیاق و سباق پر گفتگو، نعت کے سفر کی نساند ہی اس کی صنفی اہمیت پر تنقیدی مضامین اور نعت گو شعراء کی بے احتیاطیوں پر گرفت۔ یہ سب کچھ نعت رنگ میں یکجا ہے۔ (شبّانم)

رومانی، کراچی) (۱۰۶)

۵۔ آپ نے اس شمارے میں تحقیق و تنقید کے حوالے سے جو مضامین شائع کیے ہیں، ان میں نعت گوئی کے تاریخی، فکری، جمالیاتی اور فنی پہلوؤں کے بارے میں بصیرت افروز مباحث ملتے ہیں۔ (مشفق خولہ، کراچی) (۱۰۷)

۶۔ نعت میں محتاط رویوں کی ضرورت کو ہمیشہ محسوس کیا گیا، لیکن دورِ موجود میں یہ ضرورت کچھ زیادہ بڑھ گئی ہے کہ پہلے عام طور پر وہ لوگ نعت کہتے تھے جن کا فطری رجحان اس موضوع کی طرف ہوتا تھا اور وہ دینی تعلیم رکھتے تھے۔ لیکن پاکستان میں ہر شاعر نعت کہنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے اور نعت کے موضوعات میں بہت وسعت آرہی ہے۔ اس لیے نعت میں احتیاط کے تقاضوں کو سامنے لانے کی ضرورت بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ (حفیظ تائب، لاہور) (۱۰۸)

۷۔ نعت اگر ایک صنفِ سخن ہے اور ہے تو اس پر فنی حوالوں سے تنقید کیوں نہیں ہو سکتی، اگر ہم نے نعت کو محض ثواب (اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت گوئی بہت بڑی سعادت ہے جو توفیقِ خداوندی سے ملتی ہے) کمانے کا ذریعہ بنالیا تو نعت بحیثیت صنفِ سخن جمود کا شکار ہو جائے گی، آپ کی کاوش جرات مندانہ بھی ہے۔ مکرر مبارکباد قبول فرمائیں۔ (ریاض حسین چودھری، لاہور) (۱۰۹)

۸۔ آپ نے نعت گو شعراء کے اندازِ نظر کی اصلاح کا جو بیڑا اٹھایا ہے وہ بھی یقیناً قابلِ تعریف ہے۔ (ڈاکٹر جمیل جالبی، کراچی) (۱۱۰)

۹۔ یہ لازمی ہے کہ نعت گو یوں کو اس طرح کی ہدایات دی جائیں اور انہیں نعت رسول اکرم ﷺ غیر شرعی باتوں سے اجتناب کے ساتھ ساتھ ادبی و فنی درستگی کا بھرپور خیال رکھنے اور لفظ کے استعمال، واقعہ یا کسی طرح کی روایت وغیرہ کے بیان میں محتاط رویہ اختیار کرنے کی تلقین کی جائے۔ (ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، بریلی، بھارت) (۱۱۱)

۱۰۔ نعت میں کن امور کا خیال رکھنا چاہیے اس باب میں حضرت حافظ افضل فقیر اور رشید وارثی کے مضامین قابلِ توجہ ہیں۔ (ڈاکٹر تحسین فراقی، لاہور) (۱۱۲)

۱۱۔ تنقید کا یہ انداز اب تک دیگر اصنافِ سخن کو تو اپنی پلیٹ میں لیتا رہا ہے۔ لیکن احتراماً کسی نے نعت کو نہیں چھیڑا، میں اس بات کا قائل ہوں کہ نعت کو نظریاتی تنقید کا ہدف نہ بنایا جائے، کیوں کہ ہمارے شعراء مختلف مسلکوں میں بٹے ہوئے ہیں، اور ہر شاعر اپنے مسلک کے مطابق نعت کہتا ہے۔ مقصد سب کا سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت میں گل ہائے عقیدت پیش کرنا ہوتا ہے۔ ہاں اشعار میں فنی خامی

ہو تو اس کی طرف اشارہ ضرور کیا جائے، یا پھر ایسے اشعار جن میں شاعر نے اپنے تئیں تو حضورؐ کی تعریف کی ہو لیکن جو الفاظ استعمال کیے ہوں ان سے ذم کا پہلو نکلتا ہو تو شاعر کی توجہ ان اشعار کی طرف ضرور دلائی جائے تاکہ وہ اپنے شعروں کی اصلاح کر سکے۔ (نقوی احمد پوری، احمد پور شرقیہ) (۱۱۳)

۱۲۔ تعجب ہے کہ ارباب نقد و نظر نے صنف نعت کو اپنی تحریروں میں وہ مقام اور درجہ نہیں دیا جو دوسری اصنافِ سخن کو دیا ہے، آخر کیوں؟ غالباً اس کی وجہ مذہب سے کم تعلقی اور رسول ﷺ کی تعریف و توصیف کے حوالے سے اس کو (نعوذ باللہ) یک رخہ سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا رہا، صنف نعت پر جستہ جستہ کام ہوا جو نہ ہونے کے برابر ہے، نعتوں کے مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں اور ایک آدھ کتاب تاریخ نعت کے حوالے سے منظر عام پر آئی ہے جس سے سیری نہیں ہوتی۔ آپ کا کام ٹھوس ہے اور آپ نے نعت کو ادبیات کی اعلیٰ اصناف میں شامل کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ (تابلش دہلوی، کراچی) (۱۱۴)

۱۳۔ علامہ رشید وارثی صاحب کا مقالہ ”اردو نعت میں شان الوہیت کا استخفاف“ پڑھ کر ان کی باریک بین نگاہ تنقید پر داد دینے کو جی چاہا۔ انہوں نے بڑی روشن خیالی سے ایسی لطیف باتیں بیان کی ہیں جن پر واقعی وہ ہدیہ تحسین کے مستحق ہیں۔ بایں تحقیق و خوبی وہ بعض مقامات پر اپنے منطقی اور فلسفی پیرائے سے اہل سخن کو نشانہ تنقید بناتے چلے جاتے ہیں تو بات اٹھانے کو بھی جی چاہتا ہے۔ بعض مقامات پر بات کرنے کو بھی جی چاہتا ہے مگر یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری..... ان کی تنقید سے الفاظ و بیان کی پروانہ کرنے والے ارباب سخن کو لکھنے سے پہلے صد بار سوچنے کا موقع ملے گا۔ (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، لاہور) (۱۱۵)

۱۴۔ نعت رنگ..... نہ صرف نعتیہ ادب بلکہ مجموعی طور پر اردو ادب میں بھی ایک خوشگوار اضافہ ہے۔ مختلف ادیبوں، تنقید نگاروں اور مضمون نگاروں نے نعت کے فنی، تخلیقی اور فکری پہلوؤں کو اجاگر کر کے نعتیہ ادب کی اہمیت ہی کو واضح نہیں کیا بلکہ اس کے دامن کو بھی وسیع کرنے کی اپنی سی کوشش کی ہے۔ (اشتقاق طالب، کراچی) (۱۱۶)

۱۵۔ نعتیہ ادب کو تنقیدی عمل سے گزارنا ایک نیا اور جرات مند تجربہ ہے۔ (امین راحت چغتائی، راولپنڈی) (۱۱۷)

۱۶۔ بڑا تعجب ہوا رشید وارثی صاحب کا مضمون پڑھ کر کہ اتنی اتنی بڑی غلطیاں ہونے کے باوجود اب

تک ان کو کیوں سامنے نہیں لایا گیا اور ہر کتاب کے تعارف میں جوادیوں کی رائے ہوتی ہے وہ صرف تعریف ہی تعریف ہوتی ہے۔ (ارشاد اقبال، لاہور) (۱۱۸)

۱۷۔ ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کا طویل مقالہ ”نعت اور گنجینہ معنی کا طلسم“ شمارے کی جان ہے، جو مقالہ نگار کے تجربہ علمی اور ژرف نگاہی کا جواز ہے۔ موصوف نے ”لفظ“ کی تخلیقی اہمیت و غایت سے متعلق حوالوں کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ شعر کی صوری و معنوی، جمالیاتی و تاثراتی سطح پر بھی بحث کی گئی ہے۔ (ڈاکٹر انور مینائی، کولار، بھارت) (۱۱۹)

۱۸۔ ”لفظ اور نعت“ پر لکھتے ہوئے کشفی صاحب نے اردو کے معتب ترین لفظ ”تو“ کو فکری دلائل اور منطقی استدلال سے ادب اور شاعری کی دنیا کا ایک زندہ توانا اور مقدس لفظ ثابت کر دیا ہے اور اس طرح ایک پرانی بحث کی بساط لپیٹ دی ہے۔ (سرشار صدیقی، کراچی) (۱۲۰)

۱۹۔ نعت میں سراپا نگاری اور سیرت نگاری کے عنوان سے ڈاکٹر عاصی کرنالی کا مقالہ ایک جامع اور مدلل تحریر ہے۔ جب کہ اسی موضوع سے مماثلت رکھتا ہوا راجا رشید محمود صاحب کا مضمون بعنوان ”منظوم سراپائے حضور ﷺ ایک اچھی کوشش ہے۔“ اردو میں منظوم سیرت نگاری“ کا جائزہ منصور ملتانی صاحب نے پیش کیا ہے جو ایک قابل قدر تجزیہ ہے۔ (مجید فکری، کراچی) (۱۲۱)

۲۰۔ افسوس یہ ہے کہ اس زمانے میں بہت سے لوگوں نے نعت کو فیشن کے طور پر یا رواج عام کی پابندی کی مجبوری کی بنا پر اختیار کر لیا ہے۔ دوسری مشکل یہ کہ اکثر شعرائے کرام کو زبان پر پوری طرح قدرت نہیں، لہذا ان سے عجب طرح کی بے تمیزیاں اور بھونڈے پن سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ ایک عام طریقہ یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ یا پیغمبر اسلام سے یوں مخاطب ہوتے ہیں گویا نعوذ باللہ ان کو کچھ دے رہے ہوں، یعنی اظہارِ محبت اس طرح ہوتا ہے کہ اپنی محبت کا ذکر زیادہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کو گویا اپنی ثنا و توصیف کا مستفید قرار دیے جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے..... مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی کا طویل مراسلہ حرف حرف پڑھنے کے قابل ہے۔ ان کی یہ بات بھی گرہ میں باندھ لینے کی ہے کہ ہم میں سے اکثر خود پسندی اور خود رانی کے شکار ہیں اور دو رخا پن بھی ہم میں کچھ کم نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ علمی مباحث کے علاوہ خود حمد و نعت کی شاعری پر بھی یہ بات صادق آتی ہے۔ (شمس الرحمن فاروقی، بھارت) (۱۲۲)

ہم نے کچھ خطوط کے اقتباسات دیدیئے ہیں۔ بہت سے خطوط لکھے گئے ہیں لیکن ان کے متن سے چند طور یہاں اقتباس نہیں کی جاسکتیں کہ مطلب ہی خبط ہو جائے گا۔ مولانا کوکب نورانی

اوکاڑوی کے خطوط بہت طویل اور ناقدرانہ نوعیت کے ہوتے ہیں ان کے اور احمد صغیر صدیقی کے درمیان خط و کتابت کا ایک الگ باب بنانا پڑے گا۔ مولانا کی کتاب ”نعت اور آدابِ نعت“ پر متعلقہ باب میں تعارف موجود ہے۔ وہ کتاب ان خطوط پر ہی مبنی ہے جو نعت رنگ میں لکھے گئے تھے۔ احمد صغیر صدیقی نے بھی بہت سے خطوط لکھے، لیکن جب تک ان خطوط میں اٹھائے گئے سوالات اور پھر ان کے جوابات نقل نہ کیے جائیں ان کے خطوط کے ساتھ انصاف نہیں ہو سکتا۔ لہذا صرف یہ جان لیا جائے کہ نعت رنگ میں شائع ہونے والے خطوط کے حوالے سے ادبی معرکوں کی ایک الگ تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے جس میں مجید فکری، حافظ عبدالغفار اور ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (بھارت) بھی شامل رہے ہیں۔

تبصرہ کتب:

نعت رنگ چوں کہ نعت سے متعلق نثر و نظم کی اشاعت کے لیے وقف ہے اس لیے اس میں حمدیہ و نعتیہ مجموعوں پر ہی تبصرے کیے جاتے رہے ہیں..... تبصرہ خود ایک تنقیدی عمل ہے لہذا سیکڑوں کتب پر تبصروں میں بھی تنقیدی عمل کی ایک زریں لہر دیکھنے میں آئی ہے۔ ان تبصرہ نگاروں میں حنیف اسعدی، شفیق الدین شارق، عارف منصور، عثمان غنی عادل، عزیز احسن، قمر عینی، قمر وارثی، قیصر نجفی، محمد صابر، مسعود احمد وغیرہم نمایاں رہے ہیں۔

نعت رنگ میں تنقیدی مضامین کی شرح دوسرے مجلوں میں شائع کیے جانے والے مضامین کی تعداد سے بھی بہت زیادہ ہے اور تنقیدی دبستانوں کے تنوع اور معیار کے اعتبار سے بھی نعت رنگ کے متوازی (Parallel) کوئی بھی جریدہ نہیں ہے۔ نعتیہ شاعری کو ادبی معیارات کی روشنی میں پرکھنے کے کام کا آغاز بھی اسی جریدے سے ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس جریدے کا قدرے تفصیلی مطالعہ کرنے کی کوشش کی۔

نعت رنگ کی اشاعت کے بعد اور اس سے قبل کچھ جرائد نعتیہ شاعری کے فروغ کے لیے منصوبہ شہود پر آتے رہے ہیں، لیکن ان میں تنقید کا عنصر نہ ہونے کے برابر تھا۔ کچھ رسائل کا تعارف کروایا جا چکا ہے۔ کچھ اور رسائل کا تعارف پیش ہے:

☆ ماہنامہ ”نعت“ لاہور، مدیر راجا رشید محمود:

یہ رسالہ سن ۱۹۸۸ء سے ہر ماہ باقاعدگی سے شائع کیا جاتا ہے۔ یہ دنیائے نعت کا واحد ماہنامہ ہے جو مسلسل شائع کیا جا رہا ہے۔ اس رسالے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ہر شمارہ کسی خاص

موضوع پر ہوتا ہے۔ اس میں تحقیقی نوعیت کے مضامین یا نعتیہ اشعار کی بازیافت پر زور دیا جاتا ہے۔ کچھ موضوعات کا تعارف درج ذیل کیا جاتا ہے:

۱۔ نعت کیا ہے؟ [۲] مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [۳] اردو کے صاحب کتاب نعت گو [۴] نعت قدسی [۵] غیر مسلموں کی نعت [۶] رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبروں کا تعارف [۷] میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [۸] دیار نور [۹] نور علی نور [۱۰] معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [۱۱] عربی نعت اور علامہ نبھائی [۱۲] حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیاہ فام رفقا [۱۳] تفسیر عالمین اور رحمتہ للعالمین [۱۴] یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [۱۵] حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رشتہ دار خواتین وغیرہ وغیرہ۔

درج بالا فہرست مکمل نہ سہی لیکن اس بات کا اشاریہ ضرور ہے کہ اس رسالے میں تحقیق اور نعتیہ سرمائے کی بازیافت کا عمل دخل زیادہ رہا ہے، تنقیدی مضامین اس میں نہ ہونے کے برابر رہے ہیں۔

☆ ”دنیا نعت“، کراچی، مرتب: عزیز الدین خاکی:

تنظیم استحکام نعت (ٹرسٹ) کراچی، پاکستان، کے زیر اہتمام ۲۰۰۳ء سے شائع کیا جانے والا مجلہ ”دنیا نعت“، عزیز الدین خاکی کے حسن ترتیب کا مرقع ہے۔ اس مجلے میں تحقیقی مضامین شائع ہوتے ہیں یا نعتیہ سرگرمیوں سے متعلق خبریں شائع کی جاتی ہیں۔ کچھ شخصی نوعیت کے نمبر بھی اس رسالے کا طرہ امتیاز رہے ہیں مثلاً ”سید رفیق عزیزی نمبر“۔ اس میں ایسے مضامین بھی ہوتے ہیں جو پہلے کہیں اور شائع ہو چکے تھے۔ نعتیہ شاعری بھی اس رسالے میں نظر آتی ہے۔ لیکن تنقید نعت کی وہ گہما گہمی اور موضوع پر توجہ کا وہ ارتکاز نظر نہیں آتا جو ”نعت رنگ“ کا خاصہ ہے، اگرچہ دنیا نعت کراچی، کے سرورق پر ”تنقیدی و معلوماتی کتابی سلسلہ“ لکھا ہوا ہے۔

☆ ”علامہ سیماب اکبر آبادی کی نعت گوئی“:

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا یہ مضمون ”دنیا نعت“ سلسلہ نمبر ۳ (مارچ ۲۰۰۴ء) میں شائع ہوا ہے۔ یہاں اس مضمون سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

”ان (سیماب اکبر آبادی) کی نعتیہ شاعری مولانا حالی، مولانا ظفر علی خان اور علامہ اقبال کی نعتیہ شاعری سے مماثل اور نعت گو شعراء کی عام ڈگر سے بہت مختلف ہے..... سیماب کا دوسرا وصف

جوان کی تمام نعتوں میں یکساں نظر آتا ہے۔ وہ ان کا شاعرانہ اسلوب یا موضوع کے ساتھ ان کا فنی برتاؤ ہے۔ سیماب کو معلوم ہے کہ نعت گوئی کا موضوع بذات خود بڑا عظیم ہے اور اس عظمت کو نعت میں اسی وقت برقرار رکھا جاسکتا ہے جب کہ اس کی شایان شان مؤثر اور دلکش اسلوب اختیار کیا جائے، مانا کہ شاعری میں یہ بات بہت اہم ہے کہ کیا کہا گیا ہے لیکن یہ بھی کم اہم نہیں کہ بات کیسے کہی گئی ہے بلکہ خالص فنی نقطہ نظر سے دوسری بات کی اہمیت کچھ زیادہ ہی ہے اور اسی لیے سیماب نے اپنی نعتوں کے لیے حد درجہ دلاویز اور متغزلانہ پیرایہ بیان اختیار کیا ہے۔ انہوں نے نعت میں نئی نئی ترکیبوں، تازہ تشبیہوں اور جان دار استعاروں سے وہی کام لیا جو ایک بڑا شاعر اپنی شاعری میں لیتا ہے۔“ (۱۲۳)

☆ سفیر نعت، کتابی سلسلہ، مرتب: آفتاب کریمی:

سفیر نعت، کتابی سلسلہ، مرتب: آفتاب کریمی، ۲۰۰۲ء سے سہ ماہی جریدے کے طور پر منصوبہ شہود پر آیا اور چند شماروں کی اشاعت عمل میں آئی لیکن آفتاب کریمی کی وفات کے بعد اس کی اشاعت ممکن نہ ہو سکی۔ اس کتابی سلسلے میں بھی نعت رنگ کی طرح ”تنقیدی“ اسلوب غالب دکھائی دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کتابی سلسلے کے نگراں بھی صبیح رحمانی ہی ہیں۔ اس میں کچھ تنقیدی مضامین شائع ہوئے تھے۔ مثلاً چوتھی کتاب اور پانچویں کتاب کے تنقیدی مضامین کی فہرست ملاحظہ ہو:

☆ سفیر نعت، کتابی سلسلہ، چوتھی کتاب مرتب: آفتاب کریمی، محسن کا کوروی نمبر:

i- محسن کا کوروی کی نعت نگاری، ڈاکٹر ابوالیث صدیقی

ii- محسن کا کوروی، محمد حسن عسکری

iii- مولوی سید محمد محسن کا کوروی، ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق

iv- محسن کا کوروی کی نعت گوئی، صلاح الدین احمد

v- محسن کا کوروی کا قصیدہ ”مدح خیر المرسلین“، مولانا عبداللہ عباس ندوی

vi- محسن کا کوروی، کالی داس گپتا رضا

vii- محسن کا کوروی کی نعت گوئی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری

viii- محسن کا کوروی کی نعت گوئی، ڈاکٹر سید تنی احمد ہاشمی

ix- محسن کا کوروی، منفرد نعت گو، ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی

x- محسن کا کوروی کی مثنویاں، ڈاکٹر سید محمد عقیل

xi- حضرت محسن کا کوروی..... نعت رسول کے آئینہ میں، معین الدین حسن کا کوروی

xii- محسن کے قصیدے کا فنی جائزہ، محمد عبدالمقیت شاہ علی

xiii- محسن کا کوروی کا نعتیہ کلام، حکیم عبدالقوی دریابادی

xiv- محسن کی نعتیہ مثنویاں، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

xv- سید محمد محسن کا کوروی، ڈاکٹر ریاض مجید

xvi- محسن کا کوروی کی ”نظم دل افروز“، راجا رشید محمود

xvii- نعتیہ شاعری میں ہندی اصطلاحات کے بانی، اقبال صدیقی

xviii- محسن کا کوروی..... شخصیت اور فن، اخلاق حسین عارف

xix- محسن کا کوروی کے قصائد میں نعتیہ رنگ، سردار اختر بانو

سفیر نعت کا محسن کا کوروی نمبر ایسے مضامین پر مشتمل ہے جو کتب یا رسائل میں بکھرے ہوئے تھے اور آفتاب کربئی نے انہیں یکجا کر دیا۔ مرتب آفتاب کربئی نے اس کا اعتراف ادارے میں بھی کیا تھا:

”پیش نظر محسن نمبر میں کئی کتب اور رسائل سے مدد لی گئی ہے۔ ان مضامین سے متبادر ہوگا کہ محسن واحد نعت گو شاعر ہیں جن کی طرف تنقید نگاروں کی توجہ منعطف ہوئی“۔ (۱۲۳)

سفیر نعت میں شامل جن مضامین کی فہرست اوپر دی گئی ہے، اس میں پیشتر مضامین پر محسن کے ضمن میں کہیں نہ کہیں ہمارے مقالے میں ذکر آچکا ہے۔ خود محسن کا ذکر متعدد بار ہو چکا ہے، اس لیے یہاں صرف یہ فہرست ہی دے دینا کافی ہے۔

☆ سفیر نعت کتابی سلسلہ، پانچویں کتاب، کراچی، مرتب: آفتاب کربئی:

پانچویں کتاب میں تنقیدی نوعیت کے درج ذیل مضامین شامل ہیں:

i- نعتیہ شاعری کے آداب، ناوک حمزہ پوری

ii- ایں رہ نعت است نہ صحر است، فاروق احمد صدیقی

iii- اقبال سہیل کی نعت نگاری، شاہ معین الدین احمد ندوی

☆- ایں رہ نعت است نہ صحر است، فاروق احمد صدیقی:

اس فہرست میں صرف ایک فاروق احمد صدیقی کا مضمون ایسا ہے جس کا مافیہ خالصتاً تنقیدی

ہے۔ ان کی تحریر سے کچھ اقتباسات ملاحظہ ہوں:

”افراط و تفریط کس طرح خطرہ ایمان بن جاتے ہیں، اس کی ایک ایک مثال ملاحظہ ہو:

توحید کے پلے میں ، وحدت کے سوا کیا ہے

جو کچھ ہمیں لینا ہے ، لے لیں گے محمدؐ سے

مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی

کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور اپنی بھی

پہلے شعر کے کفر صریح ہونے میں بڑے سے بڑے محتاط اہل فتویٰ کوتاہی نہیں ہو سکتا اور دوسرے شعر کے بھی منصب رسالت کے منافی ہونے میں کسی اہل علم و دانش کو تذبذب نہیں ہوگا۔ جب کہ ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھ چھوٹی رقم طراز ہیں:

نبی اور اپنی ایک دوسرے کے مرادف نہیں اور یہاں نبی کو اپنی کہنے کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی، جب کہ یہاں قافیہ کی بھی تنگی نہ تھی اور یہاں مصرع میں بڑی آسانی سے بجائے اپنی کے نبی کا لفظ لایا جاسکتا ہے۔

جناب جمال پانی پتی لکھتے ہیں:

انھوں (مولانا حالی) نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی بے مثال بشریت اور عبدیت کا ملکہ کو ہم جیسے عام انسانوں کی سطح کے برابر لانے سے نعت گوئی کا حق تو رہا درکنار، خود ایمان کی سلامتی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ جس لفظ کا انتساب ہم خود اپنی ذات کے لیے اور اپنے آبا و اجداد کے لیے روا نہیں رکھ سکتے، رسول معظم ﷺ کے لیے اس کا اطلاق کیسے جائز ہوگا؟ ہر صاحب ایمان اس کا فیصلہ خود ہی کر لے۔“ (۱۲۵)

فاروق احمد صدیقی نے بتایا ہے کہ سیما ب اکبر آبادی نے شمس بریلوی کے ایک شعر پر اعتراض کیا تھا، کیوں کہ وہ شعر میں استعمال ہونے والی تلمیح کی تہہ تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ شمس بریلوی نے لکھا تھا:

اب زمانے میں کریں ہم شمس کس پر اعتماد

اک عصا نے فاش سب راز سلیمان کر دیا

اس تلمیح کو جو حضرت سلیمان کے عصا سے تھی، جس پر آپ ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے تھے اور جس روز ہیکل سلیمانی جنات نے مکمل کی اس روز یہ عصا جس کو ایک عرصے سے دیمک لگ گئی تھی، ٹوٹ کر گر

پڑا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسدِ خاکی زمین پر آگیا اور اس وقت تمام جنات کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام واصلِ بحق ہو چکے ہیں۔ میرے شعر کو جناب سیماب اکبر آبادی نے مہمل قرار دیا کہ ان کو صرف عصائے موسیٰ علیہ السلام یاد تھا اور عصائے سلیمان علیہ السلام سے وہ ناواقف تھے۔ (۱۲۶)

علامہ اقبال کے شعر۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر

وہی قرآن، وہی فرقاں، وہی یس، وہی طہ

پروفیسر کلیم الدین احمد نے اعتراض کیا اور اول و آخر کی صفات کو الوہی صفات قرار دیا تو، فاروق احمد صدیقی نے اس کا بڑا مدلل جواب دیا۔ انہوں نے احادیث کے حوالے سے لکھا کہ [۱] مخلوقات میں سب سے پہلے تخلیق آپ ﷺ کی ہوئی [۲] آپ کی نبوت سب پر مقدم ہے [۳] روزِ بیثاق المست بر بکم کے جواب میں آپ نے سب سے پہلے بلیٰ کہا [۴] اللہ پر سب سے پہلے آپ ﷺ ایمان لائے [۵] روزِ قیامت سب سے پہلے آپ جلوہ نما ہوں گے [۶] روزِ قیامت سب سے پہلے آپ ہی کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوگی۔ [۷] بابِ شفاعت سب سے پہلے آپ ہی کے لیے کھلے گا [۸] سب سے پہلے آپ ہی جنت میں داخل ہوں گے..... جہاں تک ”وہی آخر“ کہنے کا معاملہ ہے تو اس ضمن میں قرآن کریم کی آیت بڑی واضح اور غیر مبہم ہے اور مضمون نگار نے حضور ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے حوالے سے اسی آیت کریمہ کا ذکر کیا ہے۔ اس طرح کلیم الدین احمد کے اعتراضات کا مدلل جواب دے دیا گیا۔ (۱۲۷)

☆ سہ ماہی ”مفیض“، گوجرانوالہ، پاکستان، کائنات نمبر، جلد ۱۵، شمارہ ۲۴، ۲۰۰۵ء، مدیر اعلیٰ: محمد اقبال نجمی:

محمد اقبال نجمی کی ادارت میں شائع ہونے والا سہ ماہی ”مفیض“ (نعت نمبر) نعتیہ مضامین کے ادبی معیارات سے مالا مال ہے۔ اس میں نعت گو شعراء کے فنِ نعت گوئی پر بھی مضامین ہیں اور مختلف اصناف کے لحاظ سے بھی نعتیہ ادب کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ مدیر اعلیٰ محمد اقبال نجمی نے ایک نمایاں اور اہم کام یہ کیا ہے کہ اس رسالے میں ۱۹۶۳ء سے ۲۰۰۴ء تک شائع ہونے والے ان مضامین کی فہرست دیدی ہے جو کسی نعتیہ تنقیدی مضامین کے مجموعے، نعتیہ انتخاب، کسی نعتیہ مجموعے، کسی کتابی سلسلے یا کسی رسالے میں،

مضمون، مقدمہ، تقریظ، دیباچہ، حرف آغاز یا کسی کتاب کے تعارف کے طور پر لکھے گئے تھے۔ مضامین کی یہ فہرست مرتب کر کے محمد اقبال نجمی نے نعتیہ ادب میں تنقیدی نوعیت کے کام کے ارتقاء کی تاریخ رقم کر دی ہے۔ (۱۲۸)

مفیض نعت نمبر میں تنقیدی نوعیت کے مضامین کی فہرست درج ذیل ہے:

- i۔ نعت اور آداب نعت گوئی، پروفیسر اقبال جاوید
- ii۔ نعت اشعار کی روشنی میں، محمد اقبال نجمی
- iii۔ اردو نعتیہ قطع نگاری، پروفیسر سجاد مرزا
- iv۔ سانیٹ اور نعتیہ سانیٹ، ڈاکٹر بشیر عابد
- v۔ نعتیہ ہائیکو اور اقبال نجمی، پروفیسر اقبال جاوید
- vi۔ مسدس کی ہمہ گیری اور انور جمال کی مدحت نگاری، پروفیسر محمد اکرم رضا
- vii۔ رباعی۔ نعتیہ رباعیات اور حافظ لدھیانوی، محمد اقبال نجمی
- viii۔ کجری۔ ظفر تشنہ کا نعتیہ دیوان، محمد اقبال نجمی
- ix۔ عہد آفریں نعت گو، حفیظ تائب، پروفیسر محمد اکرم رضا
- x۔ شاعر بے مثال۔ عارف عبد المتین، پروفیسر محمد اکرم رضا
- xi۔ صبا اکبر آبادی اور دست دعا، محمد اقبال نجمی
- xii۔ راسخ عرفانی، ایک منفرد نعت گو، پروفیسر محمد اکرم رضا
- xiii۔ نعت گوئی اور سجاد مرزا کی شوقِ نیاز، غلام مصطفیٰ بسمل
- xiv۔ طاہر سلطانی کی نعت گوئی، محسن بھوپالی

علاوہ ازیں مفیض نعت نمبر میں نعتیہ کتب، رسائل، کتابی سلسلوں یا انتخابِ نعت کی کتابوں پر تبصرے کیے گئے ہیں۔ کتب یا رسائل وغیرہ پر تبصروں کے عنوانات اور مبصروں کے نام درج ذیل ہیں۔

- i۔ رشید وارثی کا نعتیہ مجموعہ ”خوشبوئے نعت“، احسان اللہ طاہر
- ii۔ جہانِ حمد، کراچی کا شمارہ نمبر ۱۳، ”نعت نمبر“، احسان اللہ طاہر
- iii۔ فاروق نازاں کی نعتیہ کتاب۔ ”سجدوں کی معراج“، احسان اللہ طاہر
- iv۔ ”دنیا نعت“، کراچی کا نعت نمبر، احسان اللہ طاہر
- v۔ سعید وارثی کا نعتیہ مجموعہ..... ورثہ، احسان اللہ طاہر

vi- کتاب - خیراتِ مدحت، محمد اقبال نجی، محمد انور رانا

vii- غوث میاں کی خوبصورت ترتیب (خواتین کی نعتیہ شاعری)، احسان اللہ طاہر

viii- پروفیسر شفقت رضوی کی کتاب (نعت رنگ کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ)،

احسان اللہ طاہر

ix- متاعِ امیر..... میلادِ مصطفیٰ نمبر، محمد اقبال نجی

x- صاحبِ قابِ توسین..... قمر الزماں قمر قادری، محمد اقبال نجی

xi- منزلِ مراد..... امیر نواز امیر، محمد اقبال نجی

xii- سہ ماہی ”عقیدت“، فروغِ نعت کے لیے اچھی کوشش، محمد انور رانا

اس مقالے کی محدودات فہرستِ بالا میں مذکور مضامین پر اس سے زیادہ روشنی

ڈالنے پر مانع ہیں۔ البتہ مفیض کے دو نمبروں کا تعارف کرواتے چلیں:

☆ سہ ماہی ”مفیض“، گوجرانوالہ، پاکستان، کا عارف عبد المتین نمبر، چیف ایڈیٹر: محمد اقبال نجی:

مفیض کا عارف عبد المتین نمبر (جلد ۳، شمارہ ۱۱-۱۲، ستمبر-دسمبر ۱۹۹۳ء) عارف عبد المتین کے فن اور شخصیت کے حوالے سے بڑا اوقع شمارہ ہے۔ اس میں تین مضامین عارف عبد المتین کی نعت گوئی کے حوالے سے بھی لکھے گئے ہیں:

i- عارف عبد المتین۔ نعتِ حضور علیہ السلام کے حوالے سے شاعر بے مثال، پروفیسر محمد اکرم رضا

ii- عارف عبد المتین کی نعتیہ شاعری، عرش صدیقی

iii- عارف عبد المتین کی بے مثال، پروفیسر اسرار احمد سہاروی

یہ مضامین بھی عارف عبد المتین کی نعت گوئی پر بڑے اہم مضامین ہیں لیکن ہم چوں کہ اسی مقالے میں متعدد بار عارف کی نعت گوئی کا تذکرہ کر چکے ہیں اس لیے یہاں ان مضامین کا تفصیلی تعارف پیش نہیں کر سکتے۔

☆ سہ ماہی ”مفیض“، کا ”نعت تبصرہ نمبر“ (جلد ۱۸، شمارہ ۲۷، ۲۰۰۸ء)، مدیر اعلیٰ: محمد اقبال نجی:

نعتیہ ادب کی تنقیدی جہت کا انوکھا کام جو سامنے آیا وہ سہ ماہی ”مفیض“ نے انجام دیا۔ نعتیہ

کتب پر جو تبصرے کروائے وہ ایک خاص اشاعت میں کل کے کل شائع کر دیے۔ محمد اقبال نجی لکھتے ہیں:

”نعت تبصرہ نمبر کے پہلے حصے میں حمد باری تعالیٰ کے بعد چند نعت گو صاحب کتب کے حوالے سے خصوصی مطالعہ پیش کیا گیا ہے اس میں گیارہ نعت گو شعرا کے حوالے سے مضامین پیش کیے گئے ہیں۔ دوسرے حصہ میں منتخب نعتیہ کتب پر تبصرے شامل ہیں۔ ۱۹۳۰ء سے ۲۰۰۷ء تک شائع ہونے والی سینکڑوں کتابوں میں سے تقریباً سو کے قریب کتب پر تبصرے شامل ہیں..... تنقیدات نعت، تذکار نعت، انتخابات نعت اور رسائل و جرائد نعت کے حوالے سے بہت سے کام میں سے کچھ منتخب کتب و رسائل پر تبصرہ شامل کیا گیا ہے“ (۱۲۹)

جن گیارہ شعراء کے فکرو فن پر، تنقیدی مضامین لکھے گئے ہیں ان کی فہرست درج ذیل ہے:

i۔ ممتاز نعت گو۔ حافظ لدھیانوی، محمد اقبال نجی

ii۔ راسخ عرفانی۔ معتبر اور واقع نعت گو۔ محمد اقبال نجی

iii۔ سدا بہار نعتیہ پھولوں کا شاعر۔ مسرور کیفی، محمد اقبال نجی

iv۔ مظفر وارثی دربار رسالت آباد میں۔ پروفیسر محمد اکرم رضا

v۔ اختر ہوشیار پوری۔ نعت کا مقالہ، خوشبو کی زبان، محمد اقبال نجی

vi۔ روح عصر کا ترجمان نعت گو۔ سلیم اختر فارانی، محمد اقبال نجی

vii۔ اسوہ حسنہ کا مبلغ نعت گو۔ سجاد مرزا، محمد انور رانا

viii۔ چادر رحمت کا طلب گار۔ ذکی قریشی، محمد انور رانا

ix۔ تنویر پھول کی نعت کے رنگ، احسان اللہ طاہر

x۔ طاہر سلطانی کی نعت کا فکری جائزہ، احسان اللہ طاہر

xi۔ امیر نواز امیر کی نعت منزل مراد تک، احسان اللہ طاہر

شعراء کے فکرو فن کا جائزہ تو ایک تنقیدی عمل ہے ہی، کتب و رسائل پر تبصرہ کرنا بھی تنقید کی

ایک جہت ہے اور اس سمت میں امتیازی کام کرنے کا فخر صرف ”مفیض“ کو حاصل ہو سکا ہے۔ نعتیہ ادب

کی تحقیق میں یہ تبصرے جہت نمائیت ہوں گے!

☆ ماہنامہ قمر طاس، نعت نمبر، مدیر: محمد امین الدین، ناگپور، بھارت، جون ۲۰۰۵ء:

بھارت میں نعت پر تحقیقی کام کا آغاز تو ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق نے ۱۹۵۵ء میں اردو

کی ادبی تاریخ میں پہلا مقالہ ”اردو میں نعتیہ شاعری“ کے عنوان سے لکھ کر کر دیا تھا لیکن تنقیدی سرگرمیاں

نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پاکستان میں ”نعت رنگ“ کی اشاعت کے بعد جس طرح یہاں نعت کے حوالے سے تحقیق و تنقید کے کاموں میں تیزی آئی اور رسائل کے نعت نمبروں کی اشاعت کا عمل آگے بڑھا اسی طرح بھارت کے ادبی افق پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوئے۔ ماہنامہ ”قرطاس“ کا نعت نمبر، اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ سن ۲۰۰۵ء میں شائع ہونے والے اس نعت نمبر میں تحقیقی مضامین کے ساتھ ساتھ کچھ تنقیدی نوعیت کے مضامین بھی شامل ہیں۔ ان مضامین میں کچھ تو نعتیہ شاعری کے آداب سے متعلق ہیں اور کچھ انفرادی نعتیہ مجموعوں کے تنقیدی جائزے ہیں۔ نعت گو شاعروں کی نعت گوئی بھی زیر مطالعہ آئی ہے۔ ان مضامین کی فہرست درج ذیل ہے:

- i۔ نعتیہ شاعری، لوازم و محرکات، ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق
- ii۔ نعت گوئی، ڈاکٹر حاجی ابولکلام
- iii۔ نعتیہ شاعری کے آداب، ناوک حمزہ پوری
- iv۔ نعت گوئی کے بنیادی تقاضے، رؤف خیر
- v۔ عزیز بگھروی: ایک معتبر نعت گو، ڈاکٹر جمال احمد
- vi۔ امین صدیقی: مدح نبی کریم، ڈاکٹر سید یحییٰ شہید
- vii۔ خازنِ رشب میں گلاب، شبیر ہاشمی
- viii۔ ڈاکٹر منشاء الرحمن خان منشاء کی نعت گوئی، گلریز الرحمن خان
- ix۔ یونس انیس بہ حیثیت نعت گو شاعر، وکیل نجیب
- x۔ لطیف یاور کے مجموعے شائع طوبے پر ایک نظر، ڈاکٹر آغا غیاث الرحمن
- xi۔ ڈاکٹر ساحل کی نعتیہ شاعری، کلیم احمد

آدابِ نعت سے متعلق جو مضامین شامل ہیں ان میں ایسا ہی لوازمہ (Matter) ہے جس کا ہمارے مقالے میں بار بار ذکر آچکا ہے، اس لیے ان مضامین کے صرف عنوانات دیدینا ہی کافی ہے۔ بقیہ مضامین میں انفرادی نعتیہ مجموعوں یا کسی شاعر کی شاعری کی تحسین کی گئی ہے۔ شعری تحسین (Appreciation) کا عمل یقیناً تنقیدی عمل ہے لیکن اس میں معروضیت کا فقدان ہوتا ہے۔ ناقدین اپنے ممدوح کی صرف خوبیاں ظاہر کرتے ہیں اور شعری و شرعی خامیوں پر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ باب چہارم میں ہم نے ایسی مثالیں پیش کر دی ہیں جن میں بہت زیادہ قابلِ اعتراض اشعار کو نظر انداز کر کے ناقدین فن نے کسی کتاب کی مجموعی شعری فضا کو سراہا تھا۔ ایسے مضامین کا احاطہ کرنے کے لیے ہمیں طویل

اقتباسات بھی دینے پڑتے ہیں تاکہ ناقدین کا نقطہ نظر اور ان کے مضامین میں پیش کیے جانے والے شعری نمونے پیش کر کے ہم، کلام اور اس کی تحسین کا معیار ظاہر کر سکیں۔ لیکن اب احساس ہو رہا ہے کہ ایسے تحسینی مضامین کی تعداد تو ہزاروں میں ہے، اگر ہم نے سب کا احاطہ کرنا چاہا تو مقالے کی ضخامت اعتدال کی حدود میں نہ رہ سکے گی۔ اس لیے اس قسم کے مضامین کے بھی صرف عنوانات لکھ دینا ہی کافی ہے۔

☆ ماہنامہ ”کاروانِ نعت“، لاہور، مدیر: محمد ابرار حنیف مغل:

ماہنامہ ”کاروانِ نعت“، محمد ابرار حنیف مغل کی ادارت میں فروری ۲۰۰۶ء سے باقاعدگی سے شائع ہوتا ہے اور نومبر ۲۰۱۱ء تک اس کے ۶۸ شمارے منصہ شہود پر آچکے ہیں۔ اس رسالے میں بارپانے والے مضامین کے موضوعات مختلف النوع ہیں، مثلاً.....

[۱] حمد و نعت [۲] حمدیہ شاعری سے متعلق مضامین [۳] حمدیہ شاعری کی تاریخ سے متعلق مضامین [۴] مناقب [۵] مناقب سے متعلق مضامین [۶] فنِ نعت پر مضامین [۷] تاریخِ نعت گوئی پر مضامین [۸] نعت خوانی کی اصلاح سے متعلق مضامین [۹] آدابِ نعت، جس میں نعت لکھنے اور نعت خوانی کے آداب کا احاطہ کیا گیا ہے [۱۰] تنقیدِ نعت، اس میں بھی نعت گوئی و نعت خوانی دونوں کے حوالے سے مضامین پائے جاتے ہیں [۱۱] فروغِ نعت، اس میں مصاحبے یعنی Interviews ہیں جن میں نعت گو، نعت خواں اور نعت خوانی کی محافل کے نقیبوں سے مصاحبے کیے گئے ہیں [۱۲] ابلاغِ نعت، اس میں نعت کے پھیلاؤ کی کوششوں کا تذکرہ ہے [۱۳] مقاصدِ نعت، نعت لکھنے، نعت پڑھنے اور نعتیہ محافل سجانے کے مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے [۱۴] تبصرہ جات [۱۵] سوال و جواب رفاؤلی جات [۱۶] متفرقات۔

کاروانِ نعت میں شائع ہونے والے بیشتر مضامین نعت کی ابلاغی سرگرمیوں سے متعلق ہوتے ہیں۔ بعض مضامین میں نعت گوئی پر بھی تنقیدی نقطہ نظر سے بات کی گئی ہے مثلاً

i۔ آدابِ نعت، پروفیسر افضا احمد انور (مارچ ۲۰۰۶ء)

ii۔ نعت رنگ (اعلیٰ حضرت نمبر) تنقیدی جائزہ، محمد عمران انیس طاہری (مارچ ۲۰۰۶ء)

iii۔ تنقیدی جائزہ کاروانِ نعت، علامہ شہزاد مجیدی (ستمبر ۲۰۰۶ء)

ان مضامین کا صرف ذکر کر دینا ہی کافی ہے۔

☆ نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ ”مدحت“، مدیر: سرور حسین نقشبندی:

”مدحت“ سہ ماہی بنیادوں پرسن ۲۰۱۰ء سے شائع کیا جاتا ہے۔ اس میں حمد و نعت کے علاوہ کچھ مضامین تنقیدی نوعیت کے شائع کیے جاتے ہیں۔ اس رسالے کا اختصاص یہ ہے کہ ہر شمارے میں کسی نعت گو شاعر کا ایک گوشہ قائم کر کے اس میں اس کی شخصیت اور فکر و فن کا احاطہ کیا جاتا ہے۔ میرے پیش نظر اس رسالے کے دو شمارے ہیں۔ ان میں جو تنقیدی نوعیت کے مضامین ہیں، ان کی فہرست درج ذیل کی جاتی ہے:

- i۔ میدانِ نعت کا بانگ اٹھ سوار، پیر محمد کرم شاہ الازہری (شمارہ ۲، جون تا ستمبر ۲۰۱۰ء)
- ii۔ حافظ مظہر الدین کی نعت، حفیظ تائب، (شمارہ ۲)
- iii۔ حافظ مظہر الدین، جدید ادبی نعت کے پیش رو، امین راحت چغتائی (ایضاً)
- iv۔ نعت گوئی کا رنگِ دگر! حافظ مظہر الدین، ڈاکٹر ریاض مجید (ایضاً)
- v۔ حافظ مظہر الدین، عظیم نعت گو، پروفیسر محمد اکرم رضا (ایضاً)
- vi۔ حافظ مظہر الدین کی متاعِ ہنر، خالد احمد (ایضاً)
- vii۔ حافظ مظہر الدین۔ ایک صاحبِ حال نعت گو، علامہ محمد شہزاد مجیدی (ایضاً)
- viii۔ حسان العصر۔ حافظ مظہر الدین، صاحبزادہ محمد اولیس مظہر (ایضاً)
- ix۔ نعتِ مظہر، ڈاکٹر محمد یسین قمر (ایضاً)

درج بالا فہرست میں سے صرف پیر محمد کرم شاہ الازہری کے مضمون کا مختصر تعارف ضروری ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”ہمارا زمانہ مادیت گزیدہ ہے۔ مادی ترقی، مادی خوشحالی، سہولتوں اور آسائشوں کی بہم رسانی، ہر کہ و مہ کا منہ پٹائے مقصود بن کر رہ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں حضرت حافظ مظہر الدین کے دل کو اپنے حبیب ﷺ کی محبت کے لیے اور ان کے قلم کو اس کی مدحت کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ مبداءِ فیاض نے ان کو نغز گوئی، جدت طرازی، بیساختگی و برجستگی، شیریں بیانی، سلاست و روانی کی جو انمول صلاحیتیں بخشی ہیں، ان کا رخ ہر طرف سے موڑ کر اپنے محبوب کریم ﷺ کی نعت کی طرف پھیر دیا ہے۔“ (۱۳۰)

ایک سفر کے دوران میں حافظ مظہر الدین کی ایک نعت پڑھنے سے ان (پیر محمد کرم شاہ) کے دل پر جو کیفیت گزری اس کا احوال اس طرح رقم کیا ہے:

”پڑھتے پڑھتے جب ان اشعار پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ دل پر کیا گزری۔ لطف و سرور

کی فراوانی نے بے خود کر دیا۔ ذوق و شوق کے سمندر میں جو طوفان اٹھا، اس کی تلاطم خیز موجیں کہاں کہاں لے گئیں۔ اس کی کچھ خیر نہیں۔ یہ اشعار آپ بھی سماعت فرمائیے۔
 وہی ہیں مری عشق و مستی کا عنوان
 وہی ہیں مری زندگی کے سہارے
 جو تیرے کرم نے دیے ہیں دلاستے
 جو تیری نظر نے کیے ہیں اشارے
 بڑھے گا مری سمت دست عطا بھی
 وہ فیاض ہیں اور مشکل کشا بھی
 دعا لیں گے میری محبت کے آنسو
 جزا پائیں گے میرے دل کے شرارے
 (۱۳۱)

پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تحریر پر تاثراتی (Impressionistic Criticism) کا پرتو صاف دیکھا جاسکتا ہے۔
 ☆ نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ ”مدحت“ خصوصی شمارہ نمبر ۳، لاہور، اکتوبر تا مارچ ۲۰۱۱ء، مدیر سرور حسین نقشبندی:

مدحت کا درج بالا خصوصی شمارہ حفیظ تائب نمبر کے طور پر شائع ہوا۔ اس میں حفیظ تائب کی شخصیت اور فکر و فن پر بہت کچھ لکھا گیا۔ ”ثنائے خواجہ“ کے زیر عنوان شمارہ [۱۸] مضامین لکھے گئے جن کی فہرست درج ذیل ہے:

- i۔ حفیظ تائب کی اردو نعت کا ہمینتی مطالعہ، ڈاکٹر افضال احمد انور
- ii۔ حفیظ تائب کا نعتیہ کلام اور اسمائے خیر الانام، ڈاکٹر محمد طاہر المصطفیٰ
- iii۔ حفیظ تائب کی نعت کے نمایاں موضوعات، ڈاکٹر شبیر قادری
- iv۔ نعت حفیظ تائب میں آشوب ملت اور استغاثہ، سعید بدر
- v۔ الہامی نعت نگار، ڈاکٹر انور سدید
- vi۔ حفیظ تائب جدید تر پاکستانی نعتیہ ادب کے معمار، خالد احمد
- vii۔ حفیظ تائب: عصر حاضر کا منفرد نعت نگار، ڈاکٹر ریاض مجید

viii۔ حفیظ تائب اور ان کی نعت گوئی ایک تاثر، ڈاکٹر فخر الحق نوری

ix۔ حفیظ تائب کی نعت میں قرآنی مفاہیم، ارفع جاوید

x۔ حفیظ تائب کی نعت میں آیات و احادیث کی جلوہ گری، شہزاد مجیدی

xi۔ حفیظ تائب کی نعت گوئی کا غزلیہ آہنگ، جلیل عالی

xii۔ نعتیہ تغزل اور حفیظ تائب، مسعود اختر

xiii۔ حفیظ تائب کی نعت میں فارسی ادب کی چاشنی، جمشید چشتی

xiv۔ حفیظ تائب کی نعت میں حاضری اور حضوری کی کیفیات، فیض رسول فیضان

xv۔ حفیظ تائب کی نعت گوئی کی خصوصیات، محمد امتیاز

xvi۔ حفیظ تائب شاعر انسانیت، ڈاکٹر یلین قمر

xvii۔ پاکیزہ فکر اور صالح العمل کی روایت، ڈاکٹر عباس نجمی

xviii۔ حفیظ تائب کی نعت کا اجمالی جائزہ، ارشد شاہین

یہ مضامین تنقیدی نوعیت کی تحسین (Appreciation) پر مبنی ہیں۔ حفیظ تائب کے کلام پر ہمارے مقالے میں متعدد تنقیدی آراء رقم کی جا چکی ہیں، اس لیے ان مضامین کا اتنا ہی تعارف کافی ہے۔

☆ ماہنامہ ”بیاض“ (نعت نمبر) لاہور، جلد: ۸ اور ۹ دسمبر ۲۰۰۰ء اور جنوری ۲۰۰۱ء، شمارہ ۱۲ اور انجمن امداد: خالد احمد، عمران منظور:

ماہنامہ ”بیاض“ کے نعت نمبر میں حفیظ تائب کی شاعری پر کچھ تنقیدی مضامین شامل ہیں۔ ان مضامین کے لکھاریوں اور عنوانات کی فہرست درج ذیل ہے:

i۔ حفیظ تائب، احمد ندیم قاسمی

ii۔ صلوا علیہ والہ، سید عبداللہ

iii۔ مقدمہ، غلام مصطفیٰ خان

iv۔ وہی یسین وہی طہ، رشید اختر خاں

v۔ اردو نعت گوئی، ریاض مجید

vi۔ صلوا علیہ والہ، اسلوب احمد انصاری

vii۔ حفیظ تائب، امجد اسلام امجد

یہ مضامین حفیظ تائب کے کفر و فحش پر جمالیاتی اور تاثراتی تنقیدی نچ پر لکھے گئے ہیں اور قابل ذکر ہیں۔ لیکن ہم یہاں ان کا تفصیلی تعارف نہیں کروا سکتے کہ تکرار و تواتر کا احتمال ہے۔

☆ سہ ماہی ”عقیدت“ سرگودھا، فروزی، مارچ، اپریل ۲۰۰۵ء، مرتب: شاکر کنڈان: شاکر کنڈان کے مرتب کردہ سہ ماہی ”عقیدت“ کے اس شمارے میں تنقیدی و تحقیقی نوعیت کا ایک وسیع مضمون بعنوان ”نغمہ محمد ﷺ سے نکلی ہوئی جوئے آب“ شامل ہے۔ یہاں اسی مضمون کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

☆ ”نغمہ محمد ﷺ سے نکلی ہوئی جوئے آب“، شاکر کنڈان:

مضمون نگار نے معروف جرمن فلسفی اور شاعر جون وولف گینگ گوٹے کی نظم جس کا جرمنی زبان میں عنوان Mohamets Gesang تھا اور انگریزی میں Mohamet's Song کا عنوان دیا گیا۔ فارسی میں علامہ اقبال نے اس نظم کا آزاد ترجمہ کیا تھا جو ان کی کتاب ”پیام مشرق“ میں ”جوئے آب“ کے عنوان سے شامل ہے۔ شان الحق حقی نے اس کا آزاد نظم کی ہیئت میں ”نغمہ محمدی“ کے عنوان سے ترجمہ کیا تھا۔ شاکر کنڈان نے اس نظم کے اصل متن کے ساتھ ساتھ انگریزی، اردو، فارسی، عربی اور پنجابی تراجم دیئے ہیں اور اس نظم میں استعمال ہونے والی علامتوں کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ نمونہ نظم کے ایک ٹکڑے کا تجزیہ درج ذیل کیا جاتا ہے:

”بے نمودادیاں جاگ اٹھیں، لہلہانے لگیں رجز طرف اس کا رخ پھر گیا راس کے فیض قدم سے بہار آگئی آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے ہر طرف کفر و ضلالت کا دور دورہ تھا۔ بدی عام تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ دنیا کتنی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ لیکن جب آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اور آپؐ نے تبلیغ و دعوت کا سلسلہ شروع کیا تو ظلم و جہل کے بادل چھٹ گئے۔ ہر طرف امن و آشتی کا پھریرا لہرانے لگا اور آپؐ جہاں بھی گئے، رنگ و کھت و نور بانٹتے گئے۔ بے رونق اور تاریک وادیاں چمک اٹھیں۔ بے برگ و برادر درخت ثمر آور ہو گئے اور کائنات میں بہار آگئی۔“ (۱۳۲)

شاکر کنڈان کا مضمون تحقیقی نوعیت کا ہے لیکن اس میں تشریحی تنقید (Descriptive Criticism) کی روش اختیار کرتے ہوئے انہوں نے گوٹے کی نظم کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا ہے۔

شاکر کنڈان کے مضمون کے علاوہ شبیر احمد قادری نے ”خلیق قریشی کی نعتیہ شاعری“ کا

تعارف بھی پیش کیا ہے۔ اس کی بھی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

”خلیق قریشی کی نعتوں میں نعت کے روایتی موضوعات خصال و شمائل رسول کا بیان مدینے سے دوری کا کرب خیز احساس اور حضوری کی تمنا انہیں ہمہ لمحہ مضطرب اور بے چین رکھتی ہے۔ اور جب منظوری ہو جاتی ہے تو حضوری بھی ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی بڑے عجز و انکسار اور احتیاط کے ساتھ قلبی کیفیات بیان کرتے ہیں۔ خلیق قریشی ان عاشقانِ رسول میں سے ہیں جو دوری اور مجھوری میں بھی حضوری کا کیف محسوس کرتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی اس میں شریک کرتے ہیں۔

ہر غم سے نجات آ کے ملی ہے مرے دل کو

لاریب کہ یہ رحمتِ کونین کا در ہے

اس شہرِ دلآرا کے درو بام پہ قرباں

یہ شہر کہ اللہ کے محبوب کا گھر ہے“ (۱۳۳)

شبیر احمد کا یہ مضمون تاثراتی تنقیدی عمل کا نمونہ پیش کر رہا ہے۔

☆ سہ ماہی ”عقیدت“ (تبصرہ نمبر)، شمارہ ۴، اگست، ستمبر، اکتوبر ۲۰۰۵ء، مرتبہ مبصر:

شا کر کنڈان:

عقیدت کے شمارہ نمبر ۴، میں تین مضامین مختلف نعتیہ کتب کے فنی و فکری تجزیے سے متعلق ہیں اور بقیہ حصہ تبصروں پر مشتمل ہے۔ جن میں نعتیہ ادب سے متعلق کتب پر بھی تبصرے ہیں۔ مضامین کے عنوانات یہ ہیں:

i۔ مہر حرا، پروفیسر زہیر کجی، سرور انبالوی

ii۔ مشکبار، عدیم یوسفی، زہیر کجی

iii۔ شکیل ساقی کی منظوم سیرت نگاری، ”خیر الوریہ“، شا کر کنڈان

ان مضامین میں تحسینی پہلو نمایاں ہیں۔ تبصرہ نگاروں کے اپنے احساسات کا اظہار ہے

مثلاً.....

☆ مہر حرا، پروفیسر زہیر کجی کا تبصرہ:

”زہیر کجی کی نعتوں میں ان کی حضور نبی کریم ﷺ سے سچی اور والہانہ عقیدت کے ساتھ ساتھ ان کے نعتیہ اشعار کے بین السطوران کے دل کی دھڑکنیں بھی صاف سنائی دیتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ

”از دل خیزد بر دل ریزد“ کے مصداق ان کے نعتیہ اشعار دل میں اترتے معلوم ہوتے ہیں اور سننے پڑھنے والے پر ایک وجدانی کیفیت طاری کر دیتے ہیں۔ اس تناظر میں ان کے چند اشعار:

مصطفیٰ بھی آپ ہیں خیر الوریٰ بھی آپ ہیں
مجتبٰی بھی آپ ہیں، نور الہدیٰ بھی آپ ہیں
آپ ہی کے واسطے پیدا ہوئے کون و مکاں
یعنی وجہ خلقت ارض و سما بھی آپ ہیں
آپ کے دم سے ہوئی کافورِ ظلمت دہر سے
مہرِ فاراں آپ، خورشیدِ حرا بھی آپ ہیں
مجھ کو رستے سے بھٹکنے کا کوئی خدشہ نہیں
میری منزل آپ، میرے رہنما بھی آپ ہیں
آپ کے در کا گدا ہے یہ زہیر بے نوا
اس کی حسرت آپ اس کا مدعا بھی آپ ہیں“ (۱۳۴)

ii۔ ”مشکبار“ عدیم یوسفی، زہیر کنجاہی:

عدیم یوسفی کی تصنیف ”مشکبار“ کی نعتیہ شاعری پر لکھتے ہوئے زہیر کنجاہی نے بتایا:

”عدیم یوسفی صاحب اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ انہیں نعت گوئی کا فن آتا ہے اور نعت لکھنا جانتے ہیں ورنہ وہ یہ کیسے لکھتے۔

ہیرے، موتی، سونا چاندی، ریشم اور کھواب نہیں
شہرِ نبیؐ کا ہر اک ذرہ من بھائے تو بات بنے
عدیم سوچو کہ ہر مخالف بھی جس پہ پورا کرے بھروسہ
کوئی بھی ایسا میں کہیں ہے، نہیں نہیں ہے، کہیں نہیں ہے
عدیم یوسفی نے روایتی انداز سے ہٹ کر نعت کہنے کی کوشش کی ہے گویا ایک جدت اختیار کی ہے۔ عام طور پر نعت میں حضور پر نور ﷺ کی سیرت و کردار اور صورت کا ذکر ملتا ہے۔ مگر عدیم یوسفی نے جگہ جگہ نعت کے اشعار میں واقعات اور مقامات کا حوالہ شامل کیا ہے۔

وقت کی نبضیں ساکت تھیں جب
رب کے ہوئے مہمان محمد ﷺ

ادھر موسیٰ کے ضد کرنے پہ بخشی تھی جھلک ہلکی

ادھر پیغام بھیجا ہے شبِ اسری چلے آؤ“ (۱۳۵)

زہیر کجیابی نے عدیم یوسفی کی نعت گوئی کا مطالعہ روایت کی روشنی میں کرتے ہوئے انہیں

جدت نگار قرار دیا ہے، اس لیے اس تنقیدی مطالعے کو تقابلی تنقید کے ذیل میں رکھا جاسکتا ہے۔

iii۔ ”خیرالوریدؑ“، شکیل ساقی، شا کر کنڈان:

شا کر کنڈان نے نبی کریم ﷺ کی منظوم سیرت موسوم بہ ”خیرالوریدؑ“ کا مطالعہ کیا اور شکیل

ساقی کے فن کی تحسین کرتے ہوئے لکھا:

”اس (شکیل ساقی) نے حضور نبی کریم ﷺ، میرے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ کی تعریف و توصیف اور

آپ کی سیرت کو اپنے فن میں یعنی شعر میں لکھ کر سنتِ حسان اور بومیری ادا کی ہے۔ ایسے اشعار

یونہی روا روئی میں نہیں ہوتے بلکہ حضورؐ کے عشق میں ڈوب کر یہ لفظ تخلیق ہوتے ہیں۔“

شکیل ساقی کے انداز نگارش کو شا کر کنڈان نے ان کی فطرت کا عکس قرار دیا ہے، وہ لکھتے

ہیں:

”لکھت لکھاری کے کردار اور اس کی فطرت کی عکاس ہوتی ہے۔ کہی یا کی گئی بات کے پس منظر میں

کہنے والے کی سوچ، فکر اور خیال اس کے کردار کا اشارہ ضرور کرتے ہیں۔ شکیل نے نوجوانی اس

دھرتی پر بسر کی ہے جس سے عقیدت کی بنا پر وہاں کے ہر ذرے کو بوسہ دینے اور ہر قدم پر سجدہ کرنے

کو جی چاہتا ہے۔ جہاں ہر مسلمان پلوں کے بل چلتا ہے۔ اور شاید اسی پاکیزگی کا اثر ہے کہ

خیرالوریدؑ جیسی کتاب شکیل کے ہاتھوں اور ذہن سے رقم ہوئی۔ اس کتاب کا ہر شعر دہرانے اور

دہراتے رہنے کو جی چاہتا ہے۔ میرے جیسا سیہ کار آدمی بھی اس کے ورد کو اپنا وطیرہ بنا نا چاہتا

ہے۔ ایک ایک شعر میں پوری پوری تاریخ بند ہے اور پھر لفظوں کو جس خوبصورتی سے ترتیب دیا گیا

ہے وہ اتنے من موہنے اور پرکشش ہیں کہ دل میں اترتے جاتے ہیں۔ خیرالوریدؑ اگرچہ سیرت

رسول ﷺ ہے لیکن شاعر کی سوچ، اس کا خیال اور شعری تلازمے جا بجا اسے دلاویز بنا گئے ہیں۔

دیکھ لیتی ہے اندھیرے میں نگاہ نکتہ بین

رات کی جدول پہ تحریرِ مرصع نور کی

کھلنے لگتی ہے بیک جنبشِ حقائق کی گرہ

روشنی ادراک سے چھٹتی ہے شمعِ طور کی

دل کو چھو جاتے ہیں سارے نقش ہائے رنگ و رنگ

نالہ نے سے صدا سنتا ہے کوئی دور کی“ (۱۳۶)

شا کرکنڈان کا تنقیدی منہاج، نفسیاتی اور جمالیاتی تنقید کے امتزاج کا غماز ہے۔

مضامین کے علاوہ جو تبصرے عقیدت کے شمارہ ۴ میں شامل ہیں ان میں دو کتابیں نعتیہ ادب

سے متعلق بھی ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں:

i۔ نعت اور آدابِ نعت، کوکب نورانی ادا کاڑوی، مبصر: شا کرکنڈان (عقیدت، ۴، ص ۴۷)

ii۔ نعت رنگ کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ، پروفیسر شفقت رضوی، مبصر: شا کرکنڈان (ایضاً

ص ۴۸)

ان دونوں کتابوں کا ذکر اس مقالے کے متعلقہ باب میں موجود ہے۔

☆ ”سہ ماہی عقیدت“ سرگودھا (پاکستان) مرتب/مبصر: شا کرکنڈان، ستمبر ۲۰۰۷ء:

سہ ماہی عقیدت کا یہ شمارہ ”تبصرہ نمبر“ کے طور پر شائع کیا گیا ہے۔ اس میں دیگر کتب کے

علاوہ چند نعتیہ کتب پر بھی تبصرے ہیں، ہم صرف نعتیہ کتب پر تبصروں کی نشاندہی کر دیتے ہیں۔ کتابوں

اور رسائل پر شا کرکنڈان نے تبصرہ کیا ہے جبکہ شا کرکنڈان کی کتاب پر محمد بشیر رانجھا نے مبصرانہ نظر ڈالی

ہے:

i۔ سہ ماہی مفیض (نعت نمبر)، محمد اقبال نجفی، شا کرکنڈان (عقیدت، ص ۲۷)

ii۔ نعت گویان سرگودھا، شا کرکنڈان، محمد بشیر رانجھا (ایضاً ص ۳۲)

iii۔ فنِ نعت کی نئی جہات، محمد حیات چغتائی، شا کرکنڈان (ایضاً ص ۴۱)

iv۔ ایوانِ مصطفیٰ، محبت خان بگلش، شا کرکنڈان (ایضاً ص ۴۹)

v۔ باریابی، پروفیسر صدیق شاہد، مبصر: ارشد نعیم (ایضاً ص ۵۱)

vi۔ خمتانِ سرمدی، ابوالطاف فدا حسین فدا، مبصر: شا کرکنڈان (ایضاً ص ۵۳)

vii۔ خوشبودر ودکی، ڈاکٹر محمد مشرف حسین انجم، مبصر: شا کرکنڈان (ایضاً ص ۵۴)

viii۔ شہر وفا کی خوشبو، ڈاکٹر محمد مشرف حسین انجم، مبصر: شا کرکنڈان (ایضاً ص ۵۵)

ix۔ شہر شرف، عبدالرحمن انجم، مبصر: شا کرکنڈان (ایضاً ص ۵۷)

x۔ خورشیدِ بطحا، حنیف ساجد، مبصر: شا کرکنڈان (ایضاً ص ۵۸)

xi۔ خاکِ مدینہ، ساحر شیوی، مبصر: شاکر کنڈان (ایضاً ص ۵۹)

xii۔ نسبت، سید تنویر احمد، مبصر: شاکر کنڈان (ایضاً ص ۶۱)

xiii۔ بن جائے سنسار مدینہ، تاج قائم خانی عطاری، مبصر: شاکر

کنڈان (ایضاً ص ۶۲)

xiv۔ ماہنامہ نعت (فدا حسین فدا کی نعتیہ شاعری) راجا رشید محمود، مبصر: شاکر

کنڈان (ایضاً ص ۶۷)

☆ ششماہی ”متاعِ امیر“ فیصل آباد، (میلادِ مصطفیٰ ﷺ نمبر شمارہ، ماہ اپریل ۲۰۰۵ء تا جون

۲۰۰۵ء، مطابق ماہ ربیع الاول تا جمادی الاول ۱۴۲۶ھ) مدیر اعلیٰ محمد امیر نواز امیر:

محمد امیر نواز امیر کی ادارت میں شائع ہونے والا ”متاعِ امیر“ اسلامی ادب بالخصوص نعتیہ ادب کا ایسا جریدہ ہے جس میں عربی، فارسی، انگریزی، اردو اور پنجابی میں نعتیں شائع کی جاتی ہیں۔ اس میں سیرتِ رسول کریم ﷺ اور مدحِ مصطفیٰ کریم ﷺ پر مضامین ہوتے ہیں۔ میلادِ مصطفیٰ ﷺ نمبر میں نعت کے تعارف سے متعلق دو مضامین ہیں اور شعرِ عقیدت کی تحسین کے حوالے سے ایک مضمون قلم بند کیا گیا ہے، جس میں تنقیدی اشارے موجود ہیں۔ ہم یہاں ان مضامین کی فہرست ہی دے سکتے ہیں کیوں کہ نعت کا تعارف ہمارے مقالے میں پہلے ہی تفصیل سے ہو چکا ہے اور نعت گو کے تعارف پر جس نے خامہ فرسائی کی ہے اس قلم کار کے مضامین اور کتب کا تعارف بھی ہم متعلقہ باب میں کروا چکے ہیں:

i۔ نعت کا اجمالی جائزہ، پروفیسر محمد اکرم رضا (متاعِ امیر، ص ۱۸۹)

ii۔ نعتِ رسول اللہ ﷺ، علامہ مجاہد حسینی (متاعِ امیر، ص ۱۹۵)

iii۔ آسمانِ نعت کا نجمِ رخشندہ، حضرت ضیاء القادری بدایونی، پروفیسر محمد اکرم

رضا (متاعِ امیر، ص ۲۰۱)

☆ ”متاعِ امیر“ معراجِ رسول ﷺ اور انوارِ نعت کا خصوصی شمارہ، ماہ جولائی ۲۰۰۵ء تا ماہ

دسمبر ۲۰۰۵ء مطابق جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ تا ذیقعد ۱۴۲۶ھ) مدیر اعلیٰ محمد امیر نواز امیر:

”متاعِ امیر“ کے درج بالا اشارے میں نعت سے متعلق تنقیدی نوعیت کے دو مضامین ہیں:

i۔ نعت اور شوکتِ معراجِ مصطفیٰ ﷺ پروفیسر محمد اکرم رضا (متاعِ امیر، ص ۱۷۷)

ii۔ جدید اردو نعت، تفسیر کائنات کا شعورِ ابدی، ریاض حسین چودھری (ایضاً ص ۱۳۱)

پروفیسر محمد اکرم رضا کے کام کا تعارف تو اس مقالے میں کئی جگہ ہو چکا ہے۔ ریاض حسین چودھری کے مضمون کا تعارف کروادیا جائے۔

ii۔ جدید اردو نعت، تفسیر کائنات کا شعورِ ابدی، ریاض حسین چودھری:

”جدید اردو نعت کا جمالیاتی وژن آج بھی معراجِ مصطفیٰ ﷺ کے انوار و تجلیات سے منور و تاباں ہے۔ آج اکیسویں صدی کا سائنس دان کائنات کے سفرِ ارتقاء میں معراجِ مصطفیٰ ﷺ کی صداقت پر اس طرح یقین رکھتا ہے جس طرح ہم پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ آج کا سورج مغرب میں غروب ہوگا اور کل صبح مشرق کے جھروکے سے طلوع ہو کر اس کرۂ ارضی کی ہر شے کو منور کر دے گا۔ سائنس سفرِ معراج کی گرد سے تین کی دولت حاصل کرتے ہوئے خود کو سندِ جواز کا مستحق قرار دے رہی ہے۔ معراجِ آقائے کرم ﷺ کا ایک دائمی معجزہ ہے۔ جو قیامت تک انسان کو تفسیر کائنات پر آمادہ رکھے گا اور ہمارا شاعر اس حصارِ رحمت میں عقیدت کے پھول کھلانے کا فریضہ انجام دیتا رہے گا۔“ (۱۳۷)

معراجِ مصطفیٰ ﷺ کو عظمتِ انسانی اور تفسیر کائنات کا کلیدی نکتہ اور نئی اشارہ سمجھ کر جس شاعر نے تفسیر کائنات کے بارے میں سوچا اس نے اپنی شاعری کو سائنسی شعور کے اظہار کا ذریعہ بنادیا۔ مضمون نگار نے لکھا ہے:

”امتی کی معراج اپنے نبی ﷺ کے قد میں تک رسائی ہے۔ حضور ﷺ کے حوالے ہی سے اس کا ہر حوالہ ابلاغ پاتا ہے۔ وابستگی کا شعور پختہ ہو تو ایقان کے دروازے خود بخود کھلنے لگتے ہیں۔ تمنائیں درِ اقدس پر صدا دیں تو ان کا دامن کرنوں کے پھولوں سے بھر جاتا ہے۔ چاروں طرف کرم کی ہوائیں چلنے لگتی ہیں۔ سوچیں غلامی کے پیراہنوں میں سبے لگتی ہیں اور غلامی کا یہی احساس فکر و آگہی کی معراج ہے۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدم بوسی کا اعزازِ لازوال حاصل کر لے تو تفسیر کائنات کی آرزو بھی ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔“

تفسیر کائنات مرا مدعا نہیں

مجھ کو تو صرف آپ کی حاجت ہے آپ سے

(شہزاد احمد)

تاریخ محمد کا نشانِ کفِ پا ہے

انسان کو معراج ملی ان کے قدم سے
(سید ابوالخیر کشتی)

اس نے انسان کو جس اوج سے آگاہ کیا
تا ابد اس کا اعادہ نہیں ہونے والا
(جلیل عالی)

پہنچنا چاند پر تو اک بہانہ تھا مرے آقا
یہ دنیا آپ کے نقش کف پا ڈھونڈتی ہوگی
(وسیم بریلوی)

معراج یہ انسان کی عظمت کے لیے ہے
اللہ کا محبوب ﷺ ہدایت کے لیے ہے
(رشید وارثی)

میرے وجدان کا معراج ستارا تو ہے
مر ا رستہ مری منزل تری سنت نکلی
(اسلم کمال)

تری معراج کے زندہ مظاہر
درخشاں تیرے در سے کہکشاں تک“
(آتم فردوسی) (۱۳۸)

حضور اکرم ﷺ کی معراج کے توسط سے جدید نعت میں جھلکنے والے سائنسی شعور کی طرف اشارے کر کے
مضمون نگار نے اپنی تنقیدی بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔

☆ خوشبوئے نعت (کتابی سلسلہ نمبر ۱)، مدیر: ڈاکٹر محمد مشرف انجم، سرگودھا (پاکستان)،
اپریل ۲۰۰۷ء، ربیع الاول ۱۴۲۸ھ:

ڈاکٹر محمد مشرف انجم کی ادارت میں شائع ہونے والے کتابی سلسلے کے پہلے شمارے میں
تنقیدی نوعیت کے صرف دو مضامین ہیں۔ کچھ نعتیہ کتب پر تبصرے بھی ہیں۔ مضامین اور تبصروں کے
عنوانات درج ذیل ہیں:

- i۔ ڈاکٹر انجم کا نعتیہ مجموعہ ”شہر وفا کی خوشبو“، مبصر: پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم (خوشبوئے نعت، شمارہ ۱، ص ۳۶)
- ii۔ ڈاکٹر سید قاسم جلال کی نعتیہ شاعری، محمد افراساجد (ایضاً ص ۴۴)
- تبصرے:

- i۔ ”آبرو“، محمد حنیف نازش، تبصرہ نگار: ڈاکٹر مشرف انجم
- ii۔ آقا ﷺ کی والے، محمد یعقوب فردوسی، تبصرہ نگار: ڈاکٹر مشرف انجم
- iii۔ زمزمہء سلام، ابوالاتیاز ع۔ س مسلم، تبصرہ نگار: ڈاکٹر مشرف انجم
- iv۔ نعت گویان سرگودھا، شا کر کڈان، تبصرہ نگار: ڈاکٹر مشرف انجم
- v۔ تلاوتِ دل، پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، تبصرہ نگار: ڈاکٹر مشرف انجم
- vi۔ جانِ رحمت، عبدالغنی تائب، تبصرہ نگار: ڈاکٹر مشرف انجم
- vii۔ عنوانِ نجات، سید عارف محمود مجبور رضوی، تبصرہ نگار: ڈاکٹر مشرف انجم
- viii۔ کوثریہ، حفیظ تائب، تبصرہ نگار: ڈاکٹر مشرف انجم
- ix۔ رنگِ ثناء، مسرور کیفی، تبصرہ نگار: ڈاکٹر مشرف انجم
- x۔ فہرستِ کتب نعت لائبریری شاہدرہ، چودھری محمد یوسف ورک قادری، تبصرہ نگار: ڈاکٹر مشرف انجم

”خوشبوئے نعت“ میں شامل ہونے والے مضامین، ہلکے پھلکے تنقیدی نوعیت کے تحسینی مضامین ہیں اور کتب پر تبصرہ صرف تعارف تک محدود ہے اس لیے یہ تنقیدی نوعیت کی بہت ہلکی خوشبو کا حامل کام ہے۔ اس لیے صرف مضامین کے عنوانات دے دیئے گئے اور جن کتب پر تبصرے کیے گئے ہیں ان کے نام مع مصنفین و تبصرہ نگار بھی شامل کر لیے گئے۔

☆ خوشبوئے نعت (کتابی سلسلہ نمبر ۲)، مدیر: ڈاکٹر محمد مشرف انجم، نومبر ۲۰۰۷ء، شوال، ذی قعدہ ۱۴۲۸ھ:

خوشبوئے نعت کے دوسرے شمارے میں تنقیدی نوعیت کا ایک مضمون ہے۔ علاوہ ازیں، کچھ نعتیہ کتب و رسائل پر تبصرے بھی شامل اشاعت ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے:

i۔ شہر وفا کی خوشبوؤں کے آئینے میں، ثاقب رضوی

تبصرے:

- i۔ فخر کونین رحمۃ اللہ علیہ، محشر رسول نگری، تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد مشرف انجم
 - ii۔ صلوا علیہ وآلہ، حفیظ تائب، تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد مشرف انجم
 - iii۔ مطلع الفجر، حافظ لدھیانوی، تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد مشرف انجم
 - iv۔ ثنائے کریمین، جسٹس (ر) محمد الیاس چودھری، تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد مشرف انجم
 - v۔ حرفِ عطا، مسرور کیفی، تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد مشرف انجم
 - vi۔ شہرِ مدینہ ایسا ہے، حافظ محمد حسین حافظ، تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد مشرف انجم
 - vii۔ توصیف، محمد علی ظہوری، تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد مشرف انجم
 - viii۔ خوشیدِ بطحا، محمد حنیف ساجد، تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد مشرف انجم
 - ix۔ سماہی عقیدت (تبصرہ نمبر)، سرگودھا، تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد مشرف انجم
- ☆ خوشبوئے نعت (کتابی سلسلہ نمبر ۳)، حضرت حفیظ تائب نمبر، مدیر: ڈاکٹر محمد مشرف انجم، جون ۲۰۰۸ء:

خوشبوئے نعت کا شمار نمبر ۳، حفیظ تائب نمبر کی صورت میں شائع ہوا۔ اس شمارے میں حفیظ تائب کی شخصیت پر کئی مضامین ہیں، صرف دو مضامین میں ان کے کلام پر گفتگو کی گئی ہے، جن کے عنوانات درج ذیل ہیں:

- i۔ دعائیہ لہجے کا شاعر..... حفیظ تائب، انور سدید (خوشبوئے نعت ۳، ص ۱۰)
 - ii۔ حفیظ تائب کے کلام میں سیرت نگاری کا پہلو، سعید بدر (خوشبوئے نعت ۳، ص ۴۰)
- ان مضامین پر بھی کچھ نہیں لکھا جاسکتا، اس لیے کہ حفیظ تائب کی شاعری پر پہلے ہی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مضمون نگار بھی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔
- ☆ شہرِ نعت، کتابی سلسلہ نمبر ۱۴، مدیر اعلیٰ ڈاکٹر شبیر احمد قادری، فروری تا نومبر، ۲۰۰۹ء:
- ”شہرِ نعت“ میں تنقیدی مضامین بھی شائع ہوتے ہیں اور حمد و نعت کے ساتھ ساتھ نعتیہ کتب پر تبصرے بھی کیے جاتے ہیں۔ زیرِ مطالعہ شمارے میں بھی تین تنقیدی مضامین اور کچھ کتب پر تبصرے ہیں۔ ملاحظہ ہو فہرست:

- i۔ خالد بخاری آسمانِ نعت کا رخشندہ ستارہ، گوہرِ ملیسانی
- ii۔ ”قلزمِ انوار“، تخلیقِ مقاصد کا آئینہ، عزیز احسن

iii۔ خوشبوئے التفات، ارمغانِ تلمیحات، محمد طارق بن آزاد

تبصرے:

i۔ مدوحِ خلاق، آفتابِ کربیی، مبصر: محمد یوسف ورک قادری

ii۔ حریمِ نعت، ثاقبِ عرفانی، مبصر: یوسف ورک قادری

گوہرِ ملیانی کا مضمون، خالد بخاری کی نعتیہ شعری تصنیف ”موجِ عشق“ کے تنقیدی مطالعے پر مبنی ہے۔ راقم الحروف نے سبھین شاہجہانی کی کتاب پر روشنی ڈالی ہے۔ محمد طارق بن آزاد نے رشید وارثی کے نعتیہ مجموعے پر لکھا ہے۔ دو مضامین کا تعارف حاضر ہے:

i۔ خالد بخاری، آسمانِ نعت کا رخشندہ ستارہ، گوہرِ ملیانی:

گوہرِ ملیانی کا درج بالا عنوان کے تحت لکھا ہوا مضمون نیم تحقیقی اور نیم تنقیدی نوعیت کا ہے۔ انہوں نے خالد بخاری کی نعتیہ شاعری میں جمالیاتی چکاچوند دیکھی اور اس کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا:

”اردو نعت کے تخلیق کار حسن و جمال کی صداقت کے امین ہیں۔ وہ اس تصویرِ جمال کے تین کے لیے اس امر کو اپنے سامنے رکھتے ہیں کہ اللہ جمیل و یحب الجمال روایت کی حقیقت کا یہ رخ شریعت کو بھی جمال عطا کرتا ہے۔ حسن کی صداقت کے تو انگریزی زبان کے شعرا بھی قائل ہیں۔ جواں مرگ شاعر کیٹس (Keats) تو پکارا اٹھتا ہے:

Beauty is truth, truth is beauty that's all

All ye know on the earth and all ye need to know

حسن کی صداقت اسی کائنات میں مسلم ہے اور انسانیت اس صداقت کے حسن کی گرویدہ ہے۔ چنانچہ نعت کی صوری روایت، صداقت کا جمال رکھتی ہے۔ یہی نعت کی قدیم روایت کی حقیقت ہے۔ یہ جمالیاتی سچائیاں اور قدیم روایت کی درخشاں صداقتیں خالد بخاری کے گلہائے عقیدت ”موجِ عشق“ میں جلوہ گر ملتی ہیں۔ وہ شعری جمالیات کی بھرپور عکاسی پر مکمل قدرت رکھتے ہیں۔ ان کے گلشنِ نعت میں صوری ضیائیں اور سراپا نگاری کی کہکشائیں نورِ مصطفیٰ سے مستنیر ہیں۔ اظہار کی پرکاری اور لفظ و بیان کی سرشاری ادبی حسن و لطافت کے لحاظ سے بھی پرکشش ہے۔ عشق و محبت کا گدازان کے پرسوز لہجے میں قلبی تمناؤں کے کئی زاویے رکھتا ہے۔ وہ عشق کی وادیوں میں گھومنے نکلتے ہیں تو روح پرور سماں دیکھتے ہیں۔ اس نورِ محبت کی تمنا قلب و نظر میں قدیلین روشن کر کے جذبہء حب

رسول گواگر کردیتی ہے:

جب ان کی محبت کا دل میں فانوس فروزاں ہوتا ہے
ہر سمت ہی گویا شام و سحر اک جشن بہاراں ہوتا ہے
من نور میں ڈوبا رہتا ہے، تن مہکا مہکا رہتا ہے
ہر برگ خیاباں ہوتا ہے، ہر ذرہ درخشاں ہوتا ہے“ (۱۳۹)
گو ہر مہلسیانی کا تنقیدی منہاج جمالیاتی تنقید کا مظہر ہے۔

iii۔ خوشبوئے التفات..... ارمغانِ تلمیحات، محمد طارق بن آزاد:

طارق بن آزاد نے اپنے مضمون کی ابتداء میں بتا دیا ہے کہ وہ رشید وارثی سے عقیدت رکھتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے رشید وارثی کی کتاب ”خوشبوئے التفات“ پر اپنی عقیدت کے پھول نچا دیکے ہیں۔ انہیں رشید وارثی کے سقیم مصرعے بھی حوالے کے لائق نظر آئے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

”ناقدانِ فن اس بات پر متفق ہیں کہ کسی بھی کلام پر لکھی گئی تفسیم کی قدر و منزلت کا تعین کرنے میں دیگر محاسن کے ساتھ ساتھ جو امرا ہم ہے وہ صاحبِ کلام کے رنگ کا متاثر نہ ہونا ہے اور کلام میں پیوند کاری کا احساس پیدا نہ ہونا ہے اور یہ خوبی شاعر التفات کی رقم کردہ تضامین میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ مثلاً تفسیم بر کلام اقبال:

شوق کی انجمن میں تھا صبحِ ازل سے اضطراب
کس کے خیال پاک سے محفلِ کن ہے فیضیاب
کس کی شعاعِ نور سے روشن ہیں ماہ و آفتاب
کس کی تجلیات سے نورِ خدا ہے بے نقاب
پایا جو ساقِ عرش کا نامِ نبی سے انتساب
روحِ صفی پہ وا ہوا شانِ محمدی کا باب
عقلِ سلیم نے کیا جس کے حضور یوں خطاب
لوح بھی تو قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب“ (۱۴۰)

تفسیم کے اس بند میں ایک مصرع (ع کس کی شعاعِ نور سے روشن ہیں ماہ و آفتاب) بحر سے خارج ہے۔ اس کی تقطیع کی جائے تو ”روشن“ کا نون کٹ جاتا ہے۔ یہ مصرع ”رجز

مثنوی محبوب، یعنی مقتعلن مفاعلن مفاعلن کے وزن پر ہے۔ مصرعے کی تقطیع یوں ہوگی: کسک شعاع [مقتعلن] ع نور سے [مفاعلن] روش ہما [مقتعلن] ہوا قباب [مفاعلن] آخری لفظ میں ”ب“ بھی دب رہا ہے لیکن اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔

رشید وارثی کا یہ مصرع دیکھ کر یاد آیا کہ انہوں نے اپنی کتاب ”اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ“ میں علم عروض کو غیر ضروری علم قرار دیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

”ہمارے نعتیہ ادب کے بعض تنقید نگاروں میں یہ لائق توجہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ فن عروض میں کسی حد تک شد بد حاصل کر لینے کے بعد اسی کو نعتیہ تنقید نگاری کی اساس سمجھ کر اس پر انحصار کر بیٹھتے ہیں۔ علم عروض کی کوئی شرعی اہمیت تو خیر ہے ہی نہیں“۔ (۱۴۱)

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رشید وارثی نے اپنی عروضی ناواقفیت کو چھپانے کے لیے علم عروض کی اہمیت ہی سے انکار کر دیا تھا۔ ایسی صورت میں ان کے بحر سے خارج مصرعوں اور اشعار کی نشاندہی ضروری ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ نعت گو شعراء کا وہ طبقہ جو اپنے جذبات کے اظہار ہی کو ضروری جانتا ہے (شعری و شرعی اقدار کی پروا نہیں کرتا) اس کو ایک قسم کی چھوٹ مل سکتی ہے اور وہ بھی اپنی کمزور شعری کے لیے جواز کے طور پر رشید وارثی کی تنقیدی رائے کا سہارا لے سکتا ہے۔

رشید وارثی کی کتاب میں، جس پر طارق بن آزاد نے محبت بھری تنقیدی نظر ڈالی ہے، نظریاتی اور مسلکی ناہمواریوں کے ساتھ ساتھ عروضی اغلاط بھی بے شمار ہیں۔ مثالوں کی یہاں گنجائش نہیں ہے ورنہ ہم بتاتے کہ ”خوشبوئے التفات“ میں کتنے عروضی اسقام ہیں اور کتنی نظریاتی اور مسلکی ناہمواریاں ہیں۔ البتہ، طارق بن آزاد کا مبلغ علم اس حد تک درست ہے کہ انہوں نے تلمیح کے استعمال پر علم بدیع کی روشنی میں گفتگو کی ہے وہ لکھتے ہیں:

”کلام میں کسی تاریخی واقعے، کسی آیت قرآنی یا مختلف علوم کی اصطلاحات استعمال کرنا صنعت تلمیح کہلاتا ہے۔“ نعتیہ ادب میں تلمیحات کا استعمال بکثرت پایا جاتا ہے مگر یہ اکثر تکرار پر مبنی ہیں کیوں کہ اکثر شعراء اپنی محدود معلومات کے سبب واعظین کی زبان سے بیان کردہ قصص یا عوام الناس میں مقبول واقعات سے ہی واقفیت رکھتے ہیں جبکہ محترم رشید وارثی کے کلام میں اس کی مثالیں بکثرت ملیں گی اور نادر نادر امثال جو کہ نعتیہ کلام میں پہلے مرقوم نہیں اس کے لیے انہوں نے قرآن فہمی کے ملکہ خداداد اور وسعت مطالعہ سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ مثلاً ۷

اجداد کی برکت سے رواں ہے زم زم

مولا کی عطا مالک کوثر وہ ہیں

مصرعہ ثانی میں آیت مبارکہ ”انا اعطینک الکواثر“ کی جانب اشارہ ہے۔ اولاً تو وہ واقعہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مبارک ایڑیوں کے صدقہ زم زم کا ظہور ہوا۔ اس میں شاید کسی کو ندرت کا فقدان نظر آئے مگر ثانیاً جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے وہ اس سے قبل کبھی بیان نہیں کیا گیا وہ یہ کہ جب بنو جرہم کے کنواں پاٹ کر چلے جانے کے بعد زم زم کا کنواں امتدادِ زمانہ کے سبب لاپتہ ہو چکا تھا اسے آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے بشارت الہیہ کے مطابق دریافت کر کے حجاج کے لیے دوبارہ جاری کیا اور آپ کی برکت سے زم زم کی روانی آج تک بحال ہے۔

ابلیس کا سوال بھی کرتا نہیں جو رد

کیا کیا تمام خلق پہ اس کی عطا نہیں

اس شعر کے مصرعہ اولیٰ میں سورہ حجر کی ان آیات کی طرف اشارہ ہے جن میں شیطان رجم بارگاہ خداوندی میں انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے مہلت کا سوال کرتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ ”انک من المنظرین“ فرما کر اس کا سوال بھی رد نہیں فرماتا۔ یہ بھی ایک ایسی نادر تلمیح ہے جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔“ (۱۴۲)

مضمون نگار نے اپنے ممدوح ”رشید وارثی“ کے کلام میں پائے جانے والے شیعہ عقائد کی نشاندہی کرنے والے اہل علم کی مذمت کرتے ہوئے لکھا ہے:

”اہل سنت والجماعت کے ساتھ فی زمانہ یہ المیہ ہے کہ مدح اہل بیت کرنا شیعیت کی علامت سمجھا جاتا ہے اور ردِ شیعیت کے نام پر تنقیصِ شانِ اہل بیت ہوتی ہے اور مدحِ پیغمبر و آلِ پیغمبر پر شیعہ کا ٹھپہ لگا کر اس کو طرح طرح سے ستایا جاتا ہے اور چوں کہ خوشبوئے التفات میں اصل مذہب اہل سنت کے مطابق تکمیلِ نعت کے لیے مدحِ اہل بیت بھرپور انداز میں کی گئی ہے تو شاعر موصوف الزامِ تشیع کا تدارک کرنے کے لیے اور حقیقتِ حال بیان کرتے ہوئے رقم کرتے ہیں:

مدحت مولا میں گزرے مجھ پہ سو سوا امتحاں

اس کی گرد رہ کو بھی پہنچے نہیں عقل و گماں

میں وہاں ہوں کاروانِ اہلسنت ہے جہاں

مجھ سے ہو شرک رسالت یا حفیظ الاماں

قول احمد ہے، علیٰ کا خون میرا خون ہے

ہیں اگر موسیٰ نبی، تو مرتضیٰ ہارون ہے“ (۱۴۳)

طارق بن آزاد کی رشید وارثی سے عقیدت اپنی جگہ، لیکن رشید وارثی کے اظہار یوں میں جمہور اہل سنت والجماعت کے عقائد کے عین مطابق باتیں ہوتیں تو انہیں کوئی مطعون نہیں کر سکتا تھا۔ ان کے کلام میں ہر طرف شیعیت کے شواہد بکھرے پڑے ہیں۔ مذکورہ اشعار کا آخری مصرع (ہیں اگر موسیٰ نبی، تو مرتضیٰ ہارون ہے) خود التباس پیدا کرتا ہے کہ شاعر حضرت علی کو ہارون علیہ السلام کا ہم پلہ سمجھتا ہے کیوں کہ اس نے ضروری نہیں سمجھا کہ حدیث میں بیان کردہ اس حقیقت کا اعلان کرتا کہ ”میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا“۔ دوسری بات جو اظہار من الشمس ہے کہ اہل سنت والجماعت حضرت علی کو رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں جبکہ اہل تشیع انہیں علیہ السلام لکھتے ہیں اور رشید وارثی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام پر علیہ السلام کی ”ع“ کی علامت لگائی ہے۔ ان کے کلام میں حضرات حسنین کریمین اور جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے لیے بھی یہی علامت استعمال کی گئی ہے۔ مزید برآں ان کے کلام سے امامت کا بھی وہی تصور ابھرتا ہے جو اہل سنت والجماعت کے عقائد سے متضاد ہے۔

ہم اگر رشید وارثی کے عقائد کی بات چھیڑیں گے تو اپنے موضوع سے بھٹک جانے کا خطرہ ہے، اس لیے اس ذکر کو یہیں چھوڑتے ہیں۔ اہل سنت کی اکثریت کے عقائد اعتدال پر مبنی ہیں جن کے لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا:

”لا یجمع اللہ ہذہ الامۃ علی الضلالۃ ابدًا“ (اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا) اور فرمایا ”ان امتی لا تجتمع علی ضلالۃ فاذا رایتم اختلافاً فلیکم بالسواد الاعظم“ (میری امت گمراہی پر کبھی جمع نہیں ہوگی۔ اگر تم امت میں اختلاف دیکھو تو بڑی جماعت کے ساتھ موافقت لازم ہے) (۱۴۴)

اس لیے اگر کسی عالم دین نے رشید وارثی کو ٹوکا تھا تو اس عالم یا اس طبقے کا مکمل بہ حق ہونا زیادہ قرین قیاس ہے۔ طارق بن آزاد کو اہل سنت والجماعت کے اکابر سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔

☆ ماہنامہ ”الاحسن“، کراچی، (نعت نمبر)، مدیر اعلیٰ: مولانا مفتی محمد زرولی خان، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ:

ماہنامہ الاحسن کے نعت نمبر میں مدیر اعلیٰ مفتی محمد زرولی خان نے ”معارف و محاسن“ کے زیر عنوان، حضور اکرم کے مقام رسالت، اسلامی طریقہ ادب اور نعتیہ شاعری کے سلسلے میں برقی جانے والی

احتیاط کا ذکر کیا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے لکھا ہے:

”امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں ایک باب قائم کیا ہے ”باب ابغض الاسماء الی اللہ تبارک و تعالیٰ“ اور یہ حدیث لائے ہیں ”قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخنی الاسماء یوم القیمة رجل تسمى ملک الاملاک“ آگے چل کر ملک الاملاک کا معنی سفیان سے نقل کیا ہے ”تفسیرہ شاہان شاہ“ [بخاری ج ۲ ص ۹۱۶] اس حدیث کے پیش نظر اور محدثین کی اس تحقیق کے پیش نظر کسی مخلوق کا نام شہنشاہ رکھنا ناجائز اور حرام ہے اور یہ اس مخلوق کی عزت نہیں بلکہ توہین ہے اور بارگاہ الہی میں بھی نامناسب اقدام ہے“

اس کے بعد مفتی محمد زولی خان نے احمد رضا بریلوی کا مشہور شعر

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو

کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

لکھ کر بتایا ہے کہ احمد رضا خان بریلوی سے اس شعر میں حدیث کی روشنی میں ترمیم کا مطالبہ کیا گیا تھا: ”مگر اعلیٰ حضرت نے منظور نہیں فرمایا اور انہوں نے بہت سارے مصنفین کے نام لکھ بھیجے جنہوں نے اپنی کتابوں یا کتاب کے خطبوں میں آنحضرت ﷺ کے لیے شہنشاہ کا لفظ اختیار کیا ہے۔ اب یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ ان علماء میں ایک اعلیٰ حضرت ہوئے اور ان سب نے ل کر یہ نام استعمال فرمایا ہے۔ مگر اعلیٰ حضرت نے یہ نہیں لکھا کہ یہ کسی حدیث یا سنت نبوی کے موافق ہے جب حدیث میں ممانعت آئی ہے تو بشمول اعلیٰ حضرت کے سب کے سب غلطی پر ثابت ہوئے۔

نیست حجت قول و فعل یچ پیر

قول اللہ فعل احمد را بگیر“ (۱۳۵)

حدیث شریف کی صحت سند کے ساتھ روایت کے موجود ہوتے ہوئے دیگر مصنفین اور خود

اعلیٰ حضرت نے لفظ ”شہنشاہ“ کو اس قدر رواج کیوں دیا؟ یہ سوال اپنی جگہ قائم رہے گا!

مفتی محمد زولی خان نے حدیث قدسی کے طور پر مشہور روایت ”لولاک لما خلقت

الافلاک“ کو بھی مختلف محقق محدثین کے حوالوں سے ”موضوع“ بتایا ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے مومن خاں مومن کا ایک شعر نقل کر کے اس میں بیان کردہ تبلیغ کو بھی مبنی برضعف قرار دیا:

جہاں روح الامیں کے بال و پر جلتے ہیں بڑھنے سے

وہاں بس ”صاحب لولاک“ جانے اور کیا جانے

اس شعر کے پہلے مصرع میں اس بات کا ذکر ہے کہ معراج کی رات جب جناب نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو اس مقام پر حضرت جبریل علیہ السلام کے پر جل گئے اور انہوں نے معذرت کی کہ میں اور آگے نہیں جاسکتا۔ یہ بات بھی صریح حدیث کے خلاف ہے اور اس کو بھی شعراء نے بہت استعمال کیا ہے۔ واضح رہے کہ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ جس وقت اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے ہمراہ تھے اور حضرت جبریل علیہ السلام ہی آپ کو وہاں لے کر گئے ”فعلا به الى الجبار“ [بخاری شریف ج ۲، ص ۱۱۲۰] (۱۴۶)

مفتی محمد زرولی خان کی تحریر میں جو تحقیقی نکات بیان کیے گئے ہیں وہ نعت گو شعراء کی رہنمائی کے لیے بہت اہم ہیں۔ اگر انہوں نے ایسے اشعار پر گرفت کی ہے جن میں واضح حدیث سے متصادم کوئی مضمون باندھا گیا ہے، تو انہوں نے ایک تشریحی نقاد کا فریضہ انجام دیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ نعتیہ ادب کی تنقیدی جہت کو اجاگر کرنے میں سب سے اہم اور نمایاں کردار کتابی سلسلے ”نعت رنگ“ کا رہا ہے۔ لیکن بعض دوسرے رسائل میں بھی جزوی طور پر کچھ تنقیدی نکات پیش کیے جاتے رہے ہیں۔ نعت رنگ میں تنقیدی نوعیت کی تحریریں اس کثرت اور تواتر سے شائع ہوئیں کہ اہل علم نے نعتیہ ادب میں ”تنقید“ کے وجود کو تسلیم کر لیا۔ اس مجلے کے توسط سے جو تنقیدی دبستان نعتیہ ادب میں متعارف ہوئے ان میں سے بیشتر وہ تنقیدی دبستان تھے جن کو عام شاعری کی تعین قدر (Evaluation) کے لیے برتا جا رہا تھا..... اس لیے ان تنقیدی دبستانوں کے کچھ اصول قائم ہو چکے تھے۔ نعت شناسی کے لیے ناقدین کو (عام تنقیدی اصولوں کے علاوہ) دینی اقدار کی جانکاری کی ضرورت تھی جس کے لیے کچھ باہمت لوگوں نے محنت کی اور خاصی حد تک نعتیہ شاعری کو تنقیدی کسوٹی پر پرکھنے میں کامیاب رہے۔

نعتیہ ادب کی تاریخ لکھنا نہ تو ہمارا ہدف ہے نہ مقصد، ہم نے تو نعتیہ ادب کی صرف ایک اجمالی تصویر کشی کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس عمل میں ہمیں بہت سی تنقیدی تحریروں سے کچھ کا انتخاب کرنا پڑا ہے۔ تاہم یہ منتخب تحریریں، نعتیہ انتقادی ادب کے ارتقاء کی داستان بھی بیان کر رہی ہیں اور تنقیدی دبستانوں کے اثرات کا منہ بولتا ثبوت بھی فراہم کرتی ہیں۔



باب ششم:

مآخذ و منابع:

- ۱۔ محمد حسن عسکری، مجموعہ محمد حسن عسکری (سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۴ء)، ص ۶۶
- ۲۔ سید قاسم محمود، مدیر اعلیٰ: سیارہ ڈائجسٹ، رسول نمبر، جلد دوم، (نومبر ۱۹۷۳ء، لاہور) ص ۷۵
- ۳۔ ایضاً ص ۳۷۲
- ۴۔ ایضاً ص ۷۵
- ۵۔ صریح خامہ، قصیدہ نمبر، مدیرہ علیا: ریختہ طلعت خاں، (شعبہ اردو، جامعہ سندھ، حیدر آباد، ۱۹۶۷ء) ص ۲۰۴
- ۶۔ ایضاً ص ۳۵۲
- ۷۔ ایضاً ص ۳۸۴
- ۸۔ حمایت علی شاعر، مرتب: صریح خامہ، نعت نمبر (شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی، حیدر آباد، رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء)، ص ت
- ۹۔ ایضاً ص ت
- ۱۰۔ ایضاً ص ج
- ۱۱۔ ایضاً ص ج
- ۱۲۔ ماہنامہ سیارہ، عبدالعزیز خالد نمبر، جلد ۱۲، شمارہ ۵، میٹینگ ایڈیٹر: نوید اسلام صدیقی، (لاہور: صفرا لمظفر ۱۳۸۹ھ مطابق مئی ۱۹۶۹ء)
- ۱۳۔ ایضاً ص ۳۱
- ۱۴۔ ایضاً ص ۳۲۴
- ۱۵۔ ایضاً ص ۶۶۴
- ۱۶۔ ایضاً ص ۵۷۴
- ۱۷۔ ایضاً ص ۵۸۰
- ۱۸۔ ایضاً ص ۶۰۰
- ۱۹۔ ایضاً ص ۶۰۸
- ۲۰۔ شام و سحر، نعت نمبر (نقش ثانی)، جلد ۸، شمارہ ۲، (لاہور: جنوری، فروری ۱۹۸۲ء) ص ۱۰۶
- ۲۱۔ ایضاً ص ۱۰۷
- ۲۲۔ شام و سحر، نعت نمبر ۴، (لاہور: جنوری، فروری ۱۹۸۵ء) ص ۱۲۰
- ۲۳۔ ایضاً ص ۱۲۶
- ۲۴۔ ایضاً ص ۱۲۹
- ۲۵۔ ایضاً ص ۱۲۹
- ۲۶۔ شام و سحر، نعت نمبر ۳، ص ۹۲
- ۲۷۔ ایضاً ص ۹۷
- ۲۸۔ ایضاً ص ۹۷
- ۲۹۔ شام و سحر، نعت نمبر ۵، ص ۲۷۰
- ۳۰۔ ایضاً ص ۲۷۲
- ۳۱۔ ایضاً ص ۲۷۳
- ۳۲۔ ایضاً ص ۲۷۴
- ۳۳۔ ایضاً ص ۲۷۴
- ۳۴۔ ایضاً ص ۲۷۵
- ۳۵۔ ایضاً ص ۲۹۵
- ۳۶۔ ایضاً ص ۳۰۷
- ۳۷۔ آفتاب نقوی، اوج نعت نمبر ۱، (شاہدہ گونمنٹ کالج، لاہور، ۱۹۹۲ء) ص
- ۳۸۔ ایضاً ص ۱۵۲
- ۳۹۔ ایضاً ص ۱۵۷

۴۰۔ ایضاً ص ۱۷۲

۴۱۔ شہزاد احمد [ایڈیٹر]، ماہنامہ حمد و نعت، (کراچی: فروزی۔ مارچ ۱۹۹۶ء) ص ۱۳

۴۲۔ ملک فاروق [مرتب] کتابی سلسلہ ایوانِ نعت، (مکتبہ ایوانِ نعت، لاہور، بار اول مارچ

۱۹۸۸ء) ص ۶۰

۴۳۔ صبیح رحمانی [مدیر] نعت رنگ، کتابی سلسلہ نمبر ۲، (اقلیم نعت، شمالی کراچی، کراچی، جنوری ۱۹۹۶ء) ص

۱۲۶

۴۴۔ ایضاً شمارہ ۳، ص ۸۱ ۴۵۔ ایضاً شمارہ ۴، ص ۱۶۱ ۴۶۔ ایضاً شمارہ ۴، ص ۱۶۵

۴۷۔ ایضاً شمارہ ۴، ص ۱۶۷

۴۸۔ ایضاً شمارہ ۴، ص ۱۶۷ ۴۹۔ ایضاً شمارہ ۴، ص ۱۶۸

۵۰۔ ایضاً شمارہ ۴، ص ۱۷۰ ۵۱۔ ایضاً شمارہ ۴، ص ۱۷۰

۵۲۔ ایضاً شمارہ ۴، ص ۲۲۲ ۵۳۔ ایضاً شمارہ ۵، ص ۵۹

۵۴۔ ایضاً شمارہ ۵، ص ۵۵۶۰ ۵۵۔ ایضاً شمارہ ۵، ص ۶۰

۵۶۔ ایضاً شمارہ ۵، ص ۲۸۲ ۵۷۔ نعت رنگ، شمارہ ۶، ص ۲۹

۵۸۔ نعت رنگ، شمارہ ۶، ص ۳۰

۵۹۔ نعت رنگ، شمارہ ۶، ص ۳۲ ۶۰۔ نعت رنگ، شمارہ ۶، ص ۴۱

۶۱۔ نعت رنگ، شمارہ ۶، ص ۲۲۲

۶۲۔ نعت رنگ، شمارہ ۶، ص ۲۶۰ ۶۳۔ نعت رنگ، شمارہ ۶، ص ۲۶۴

۶۴۔ نعت رنگ، شمارہ ۸، ص ۱۳۴

۶۵۔ نعت رنگ، شمارہ ۱۰، ص ۲۰۷ ۶۶۔ نعت رنگ، شمارہ ۱۰، ص ۲۰۸

۶۷۔ نعت رنگ، شمارہ ۱۰، ص ۲۰۹

۶۸۔ نعت رنگ، شمارہ ۱۱، ص ۱۱۴ ۶۹۔ ایضاً ص ۱۳۶ ۷۰۔ ایضاً ص ۱۵۳

۷۱۔ نعت رنگ، شمارہ ۱۳، ص ۱۶۵ ۷۲۔ ایضاً ص ۲۱۶ ۷۳۔ ایضاً ص ۲۲۳

۷۴۔ ایضاً ص ۲۲۵ ۷۵۔ نعت رنگ، شمارہ ۱۴، ص ۱۳۵ ۷۶۔ ایضاً ص ۱۳۵

۷۷۔ نعت رنگ، شمارہ ۱۵، ص ۱۹۵ ۷۸۔ ایضاً ص ۱۹۹ ۷۹۔ نعت رنگ، شمارہ ۱۷، ص ۲۸۶

۸۰۔ ایضاً ص ۲۸۷ ۸۱۔ ایضاً ص ۲۹۰ ۸۲۔ ایضاً ص ۲۹۱ ۸۳۔ ایضاً ص ۳۱۳

۸۴۔ ایضاً ص ۳۲۲ ۸۵۔ نعت رنگ، شمارہ ۲۰، ص ۱۲۸ ۸۶۔ ایضاً ص ۱۲۵

- ۸۷۔ ایضاً ص ۱۳۱ ۸۸۔ ایضاً ص ۱۲۲ ۸۹۔ ایضاً ص ۳۰۵ ۹۰۔ ایضاً ص ۳۰۶
- ۹۱۔ ایضاً ص ۳۱۰ ۹۲۔ ایضاً ص ۳۵۸ ۹۳۔ ایضاً ص ۳۶۳
- ۹۴۔ نعت رنگ، شمارہ ۲۱، ص ۱۱۹
- ۹۵۔ ایضاً ص ۱۲۲ ۹۶۔ ایضاً ص ۱۲۴ ۹۷۔ ایضاً ص ۱۲۸ ۹۸۔ نعت رنگ، شمارہ ۲۲، ص ۱۶
- ۹۹۔ ایضاً ص ۴۰ ۱۰۰۔ ایضاً ص ۴۱ ۱۰۱۔ ایضاً ص ۳۷ ۱۰۲۔ ایضاً ص ۴۵
- ۱۰۳۔ نعت رنگ، شمارہ ۲، ص ۲۹ ۱۰۴۔ ایضاً ص ۲۹ ۱۰۵۔ ایضاً ص ۳۰۳
- ۱۰۶۔ ایضاً ص ۳۰۵ ۱۰۷۔ ایضاً ص ۳۰۶ ۱۰۸۔ ایضاً ص ۳۰۹ ۱۰۹۔ ایضاً ص ۳۱۱
- ۱۱۰۔ نعت رنگ، شمارہ ۳، ص ۳۲۹ ۱۱۱۔ ایضاً ص ۳۳۱ ۱۱۲۔ ایضاً ص ۳۳۶
- ۱۱۳۔ ایضاً ص ۳۴۱ ۱۱۴۔ نعت رنگ، شمارہ ۵، ص ۳۶۱ ۱۱۵۔ نعت رنگ، شمارہ ۳، ص ۳۴۵
- ۱۱۶۔ ایضاً ص ۳۴۶ ۱۱۷۔ نعت رنگ، شمارہ ۴، ص ۳۱۰ ۱۱۸۔ نعت رنگ، شمارہ ۳، ص ۳۵۱
- ۱۱۹۔ نعت رنگ، شمارہ ۵، ص ۳۶۴ ۱۲۰۔ ایضاً ص ۳۶۵ ۱۲۱۔ نعت رنگ، شمارہ ۱۶، ص ۴۱۹
- ۱۲۲۔ نعت رنگ، شمارہ ۲۱، ص ۶۵۱
- ۱۲۳۔ عزیز الدین خاکی دنیائے نعت، نعت نمبر، سلسلہ نمبر ۳، (کراچی، پاکستان، تنظیم استحکام نعت (ٹرسٹ) مارچ ۲۰۰۴ء)، ص ۷۹
- ۱۲۴۔ آفتاب کربکی [مرتب]، سفیر نعت، کتابی سلسلہ نمبر ۴، محسن کاکوروی نمبر، (کراچی: ص ۷
- ۱۲۵۔ ایضاً ص ۲۵ ۱۲۶۔ ایضاً ص ۲۶ ۱۲۷۔ ایضاً ص ۲۸
- ۱۲۸۔ محمد اقبال نجمی [مدیر اعلیٰ]، سہ ماہی مفیض، نعت نمبر (گوجرانوالہ پاکستان: جلد ۱۵، شمارہ ۲۴، ۲۰۰۵ء)، ص ۵۱۵-۵۵۲
- ۱۲۹۔ محمد اقبال نجمی [مدیر اعلیٰ]، سہ ماہی مفیض، نعت تبصرہ نمبر (گوجرانوالہ پاکستان: جلد ۱۸، شمارہ ۲۷، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۲
- ۱۳۰۔ سرور حسین نقشبندی [مدیر]، کتابی سلسلہ مدحت، شمارہ ۲، (لاہور: ص ۱۳۸
- ۱۳۱۔ ایضاً ص ۱۳۹ ۱۳۲۔ شا کر کنڈان [مرتب] عقیدت (سرگودھا: فروری۔ مارچ، اپریل ۲۰۰۵ء)، ص ۴۶
- ۱۳۳۔ ایضاً ص ۶۶ ۱۳۴۔ عقیدت، شمارہ ۴، تبصرہ نمبر، ص ۱۵ ۱۳۵۔ ایضاً ص ۱۷
- ۱۳۶۔ ایضاً ص ۲۳ ۱۳۷۔ متاع امیر، ص ۱۴۱ ۱۳۸۔ ایضاً شمارہ ۲، ص ۱۴۲
- ۱۳۹۔ شہر نعت، ص ۱۴

۱۴۰۔ ایضاً ص ۳۶ ۱۴۱۔ رشید وارثی، اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۱۹

۱۴۲۔ شہزعت، ص ۴۰

۱۴۳۔ ایضاً ص ۴۲

۱۴۴۔ المسند رک، امام حاکم، جلد اول: ص ۱۱۵..... ابن ماجہ، حدیث ۳۹۳۹ جلد دوم، ضیاء القرآن، پبلی

کیشنز، لاہور، ص ۵۶۰

۱۴۵۔ مفتی زرولی خان، ماہنامہ الاحسن (کراچی: الجامعۃ العربیہ احسن العلوم، گلشن اقبال، ربیع الاول تا

جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ) ص ۸

۱۴۶۔ ایضاً ص ۱۰



باب ہفتم:

نعتیہ شاعری کے حوالے سے وجود میں آنے والی تنقیدی کتب کا

جائزہ:

نعت کے تنقیدی جائزوں پر مشتمل کتب دو طرح کی ہیں:

[الف] ایسی کتب جن میں جزوی طور پر نقدِ نعت کے نقوش پائے جاتے ہیں

[ب] ایسی کتب جن کا مکمل متن نعتیہ شاعری کی تنقید پر مبنی ہے

ان دونوں اقسام میں ایسی تمام کتب شامل ہیں:

i۔ جن کتابوں میں نعتیہ تنقید کے عمومی مباحث ہیں

ii۔ جن کتابوں میں عملی تنقید کے نمونے ہیں، یا

iii۔ جن کتب میں کسی ایک شاعر یا ایک سے زیادہ شعراء کی نعتیہ تخلیقات زیرِ بحث آئی ہیں

[الف] ایسی کتب جن میں جزوی طور پر نقدِ نعت کے نقوش پائے جاتے ہیں:

ایسی کتب بہت سی ہیں جن میں عام شاعری پر تنقیدی رائے کے ساتھ ساتھ نعتیہ شاعری

کاوشوں پر بھی اظہارِ خیال کیا گیا ہے لیکن سب کتابوں کا ذکر اور ان کے تنقیدی منہاج کی تفیش ممکن نہیں

ہے لہذا ہم یہاں صرف ان نمائندہ کتب کا مطالعہ کریں گے جن میں باقاعدہ تنقیدی رویے کے خدوخال

واضح ہوں گے۔

ایسی کتب جن میں جزوی طور پر نقدِ نعت کے نقوش پائے جاتے ہیں تین طرح کی ہیں:

☆ تاریخِ ادب یا تذکرہ شعراء.....☆ عمومی تنقیدی مضامین کے مجموعے.....☆ نعتیہ مجموعے

☆ تاریخِ ادب یا تذکرہ شعراء:

اس ذیل میں ہمارے مطالعے میں آنے والی کتابیں دو ہیں:

i۔ پاکستانی ادب، شناخت کی نصف صدی، غفور شاہ قاسم

ii۔ سخن واران کا کوری، حکیم ثار احمد علوی

☆ عمومی تنقیدی مضامین کے مجموعے:

ایسے مجموعے جن میں عمومی تنقیدی مضامین بھی ہیں اور نعتیہ شاعری پر بھی تنقیدی رائے پائی

جاتی ہے، چار ہیں:

i۔ مقدمہء سحر و ساحری (قارئین ادب کی عدالت میں)، جمیل نظر

ii۔ ردِ عمل (تنقیدی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ) امین راحت چغتائی

iii۔ جستجو (تنقیدی مضامین کا مجموعہ)، تحسین فراقی

iv۔ بت خانہ شکستہ من، امیر حسنین جلیسی

☆ نعتیہ مجموعے:

ایسے نعتیہ مجموعے جن میں خود شعراء نے کچھ تنقیدی اصول مرتب کیے ہیں۔ پانچ ہیں:

i۔ ولایتِ رسول ﷺ (مجموعہ نعت) قمر عینی

ii۔ اساس (شعر عقیدت)، سرشار صدیقی

iii۔ زبورِ حرم (کلیاتِ نعت)، اقبال عظیم

iv۔ اللہ کی سنت (نعتیہ کلام)، منظر عارفی

v۔ فروغِ نوا (مجموعہ نعت)، رئیس احمد نعمانی

۱۔ تنقیدِ نعت میں شعری معیارات کا تعین:

”مقدمہء سحر و ساحری“، ”پاکستانی ادب، شناخت کی نصف صدی“، ”بت خانہ شکستہ

من“، ”اساس“ اور ”سخن واران کا کوری“، ایسی کتابیں ہیں جن میں شعری اسالیب اور معیارات پر توجہ

مرکز کرنے کا غالب رجحان پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس عنوان کے تحت ہم ان کتابوں کا مطالعہ کریں گے:

۱۔ مقدمہء سحر و ساحری:

جمیل نظر نے اس کتاب میں عملی تنقید کا مظاہرہ کیا ہے۔ عملی تنقید میں شاعری یا فن پاروں کے

حسن و قبح پر دلائل کے ساتھ رائے دی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے جمیل نظر کی یہ کتاب ایک جارحانہ تنقیدی

کاوش ہے جس میں بیشتر اشعار کی لفظی، معنوی اور شعری بنت کی خامیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس

کتاب میں عام شاعری کے تجزیے کے ساتھ ساتھ حنیف اسعدی کے مجموعہ نعت ”خیر الانام“، اور تابش

دہلوی کی نعتیہ تصنیف ”تقدیس“ کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

حنیف اسعدی کے مجموعہء کلام ”خیرالانام“ پر شبثم رومانی، سلیم احمد اور ڈاکٹر فرمان فتحپوری کی آراء بڑی حوصلہ افزا اور تحسین آمیز تھیں۔ لیکن جمیل نظر کو اس مجموعے کی شاعری میں اظہار و بیان کی کچھ بے احتیاطیاں بھی نظر آئیں چنانچہ انہوں نے کھل کر لکھا۔ وہ لکھتے ہیں:

”شبثم رومانی، سلیم احمد اور ڈاکٹر فرمان فتحپوری صاحبان نے اپنے اپنے تبصرہ میں حنیف اسعدی صاحب کو جس قدر معتبر نعت گو ظاہر کیا ہے حنیف اسعدی کا کلام اس معیار پر کہاں تک پورا اترتا ہے اس کے ثبوت کے لیے مولانا کا کلام آپ کے سامنے ہے کہ زبان و بیان کی خامیوں کے علاوہ مولانا کے کلام میں ایسے ایسے شرعی نقائص ہیں کہ جس کی توقع ایک مبتدی شاعر سے بھی نہیں کی جاسکتی۔۔۔ اس سے ناقدین کے موجودہ تنقیدی رویوں کے بارے میں صحیح اندازہ ہو جاتا ہے کہ فی زمانہ تنقید کے نام پر کس طرح مدح سرائی کی جا رہی ہے“۔ (۱)

اس کے بعد مصنف نے مذکورہ کتاب سے کچھ اشعار نقل کر کے انہیں تنقیدی کسوٹی پر پرکھا بھی ہے اور اپنی جانب سے اصلاحیں بھی تجویز کی ہیں۔ نعتیہ شاعری کے ضمن میں یہ تنقیدی رویہ جارحانہ ہونے کے باوجود لائق اعتنا ہے۔ اس تنقیدی عمل میں لہجے کی سختی تو بہر حال غیر مناسب ہے لیکن اصلاحی تجویزوں میں سے بعض بڑی مناسب لگتی ہیں۔ چند اشعار پر جمیل نظر کی تنقید ملاحظہ ہو..... حنیف اسعدی کا شعر تھا

سب کو بقدرِ ظرف ملا ہے شعورِ ذات

امی لقب پہ ختم ہوئی آگہی تمام

جمیل نظر نے اس کا پہلا مصرعہ اس طرح بدلنے کا مشورہ دیا: ”سب کو انھیں کے در سے ملا ہے شعورِ ذات“ اور پھر درج ذیل الفاظ میں اپنی اصلاح کا جواز پیش کیا:

”جب سب کو بقدرِ ظرف شعورِ ذات ملا ہے تو حضورؐ کی ذاتِ اقدس بھی اس میں شامل ہے کیونکہ حضورؐ کی ذاتِ خدا کے بعد سہی لیکن آپ کے آگے بھی ایک خط کھینچا ہوا ہے کہ آپ خدا نہیں اور نہ ہی ہو سکتے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں تقسیم کئے جانے والا شعورِ ذات، خدا نے اپنے محبوب کے حوالے کر دیا اور اب ہر ایک کو بقدرِ ظرف وہیں سے شعورِ ذات مل رہا ہے“۔ (۲)

حنیف اسعدی نے کہا تھا:

بے قید وقت بھیجے گا اُن پر خدا درود

یہ سلسلہ ہوا ہے نہ ہوگا کبھی تمام

اس شعر کی اصلاح کر کے پہلا مصرعہ یوں کیا

ع ”جاری ازل سے اُن پہ خدا کا درود ہے“..... اور پھر لکھا:

”مستقبل کے صیغہ ”بیجے گا“ سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حضورؐ پر درود بھیجنے کا سلسلہ شعر کی شان نزول کے ساتھ ہی شروع ہوا ہے۔ ممکن ہے (نعوذ باللہ) یہ سلسلہ مولانا کی سفارش پر خدا نے شروع کیا ہو۔ بہر حال شعر کے مطابق اس سے پہلے خدا کی جانب سے درود بھیجنے کا سلسلہ نہیں تھا۔“ (۳)

حنیف اسعدی کا شعر تھا:

اپنی غفلت کا یہ عالم اور یہ شفقت آپ کی

جرم ہم سے ہو رہے ہیں اور شرمندہ ہیں آپؐ

جمیل نے اس شعر کے مصرعہ ثانی میں صرف ایک لفظ ”شرمندہ“ کو ”رنجیدہ“ سے بدل دیا اور لکھا:

”جہاں تک اس ناچیز کے مطالعہ کا تعلق ہے کتاب و سنت سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نعوذ باللہ کسی بھی مرحلے پر حضورؐ کو امت کی وجہ سے شرمندگی ہوئی ہو البتہ آپؐ امت کے غم میں رنجیدہ ضرور رہا کرتے تھے۔ اگر ایسا کوئی ثبوت ہے تو سامنے لایا جائے ورنہ یہ حضورؐ کی ذات اقدس پر صریح بہتان ہے۔“ (۴)

حنیف اسعدی کا شعر تھا

مدحت تو ادا ہوئی ہے کس سے

بس یہ کہ زباں کہے محمدؐ

اس شعر کا مصرعہ اولیٰ اس طرح تبدیل کیا ع ”مدحت تو ہوئی ہے کس سے ان کی“

اور یوں تبصرہ کیا:

”مدحت کرنا یا مدحت کا حق ادا کرنا ہی لغوی و اصطلاحی معنی میں ہے۔ مدحت ادا کرنا کہیں ثابت نہیں ہے۔ اس لیے بالکل غلط ہے۔ یا یوں کہیے کہ مدحت تو کرے گا کون ان کی“۔ (۵)

حنیف اسعدی کہتے ہیں :

حنیف خاک مدینہ ملی جو چہرے پر

تو اپنے جسم سے اس پیر ہن کی بو آئی

اس شعر کے مصرعہ ثانی کو جمیل نے یوں بدلا:

”تو اپنی ذات کو پہچاننے کی خو آئی“..... اور لکھا:

”نعت گوئی میں ایسے الفاظ سے ہمیشہ احتراز کرنا چاہیے جن کی حیثیت ذومعنوی ہو۔ خاص طور پر وہ

الفاظ جن میں منفی و مثبت دونوں پہلو نکلتے ہیں۔ پھول کی خوشبو کو بھی بوئے گل کہا جاتا ہے لیکن ساتھ ہی بو کو بدبو کے معنی میں بھی لیا جاتا ہے چونکہ بو خوشبو اور بدبو کی درمیانی کیفیت شامہ کا نام ہے جیسے کھانا اگر خراب ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس میں بو آگئی ہے۔ اس لیے نبی کریمؐ کے پیرہن مبارک سے بو ثابت کرنا سوائے ادب ہے۔ اب یہ کہ مولانا کے جسم سے اس پیرہن کی بو آئی یا نہیں آئی اس سلسلے میں یہی کہہ سکتے ہیں کہ مولانا کے جسم سے بو ضرور آتی ہے لیکن اس پیرہن کی نہیں ہو سکتی۔“ (۶)

درج بالا شعر کی تنقید اور دوسرے مصرعے کی تبدیلی اپنی جگہ، لیکن شاعر اور نقاد، دونوں اس مرحلے پر یہ کیسے بھول گئے کہ چہرہ جسم کا ایک حصہ ہونے کے باوجود پورا جسم نہیں ہو سکتا اور چہرے پر پیرہن پہنا نہیں جاتا اس لیے منطقی طور پر یہ بات غلط ہے کہ خاک مدینہ کو چہرے پر ملنے سے پورے جسم سے حضور اکرم ﷺ کے پیرہن پاک کی خوشبو آنے لگے۔ ہاں اگر پورے جسم پر خاک مدینہ کا ذکر ہوتا تو یہ باور کیا جاسکتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے پیرہن پاک کی خوشبو پورے جسم میں رچ بس گئی۔

مزید برآں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ مدینے کی مٹی چاہے کتنی ہی مقدس کیوں نہ ہو حضور اکرم کا پیرہن ”وہ مٹی“ نہیں ہو سکتی۔ حضور ﷺ کے پیرہن کو مدینے کی مٹی سے تعبیر کرنا تو انتہائی بے ادبی ہے۔ رہا سوال نعت کے شعر میں واقعاتی صداقت کا تو اس باب میں بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ شعر سراسر مبالغہ آمیز ہے۔ لہذا شعراء کو ایسے واقعاتی بیانات کی شعری بنت سے احتراز کرنا چاہیے جو صرف تخیل کی تخلیق ہوں۔

حنیف اسعدی کا شعر تھا:

غلام آنے کو کہتا ہے جا کہو کوئی

حضور شاہؐ مری بیکلی کا ذکر کرو

اس شعر کے پہلے مصرع کو جمیل نظر نے اس طرح بدلا غلام آنے کو بے تاب و مضطرب ہے بہت اور پھر لکھا:

”اکثر روساء اور جاگیرداروں کے یہاں بعض ملازمین خاندانی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں اور ان کو خاندان ہی کا فرد شمار کیا جاتا ہے۔ اسی لیے منہ پھٹتے ہوئے ہیں کچھ اسی قسم کا لہجہ اس شعر میں حنیف اسعدی صاحب کا ہے کہ یہیں سے حضورؐ کے لیے حکم بھیج دیا کہ ”جا کہو کوئی“ یہ مقام مولانا ہی کو حاصل ہے ورنہ ہم جیسے گنہگار تو اس انداز پر سوچ بھی نہیں سکتے۔“ (۷)

حنیف اسعدی کہتے ہیں:

اذن طواف لے کے شہ دیں پناہ سے
کعبہ کو جا رہا ہوں مدینے کی راہ سے
اس شعر کا پہلا مصرع جمیل نظر نے اس طرح کر دیا ع مانگیں نہ کیوں نصیب شہ دیں پناہ سے
اور اس طرح تبصرہ کیا:

”آپ کعبہ کو براہ راست جائیں یا مدینہ شریف ہو کر، لیکن فرائض و واجبات کی ادائیگی کے سلسلے میں
مزید کسی اجازت کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو پہلے ہی فرض ہیں اور ان کی ادائیگی ہم پر قرض
ہے۔“ (۸)

اس اصلاح اور تبصرے میں جمیل نظر نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ ”نصیب“ بنانے والی ذات
اللہ رب العزت کی ہے اس لیے تقدیر بنانے کے لیے حضور ﷺ سے دعا کی درخواست تو کی جاسکتی ہے
آپ ﷺ سے تقدیر مانگی نہیں جاسکتی..... دوسرا پہلو جسے جمیل نظر نے نظر انداز کر دیا یہ ہے کہ حنیف اسعدی
نے ”طواف کعبہ“ کی غرض سے جانے کی اجازت مانگی ہے ”حج“ کی اجازت نہیں مانگی۔ طواف کعبہ، حج
کا ایک رکن تو ہے حج نہیں ہے۔ طواف نفلی بھی ہوتا ہے اور اگر کوئی مدینہ منورہ سے احرام باندھ کر جاتا ہے تو
عمرہ کرتا ہے جس میں طواف بھی کیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ”عمرہ“ بھی نفلی عبادت ہے، فرض نہیں
ہے۔ تصوف کے سلاسل میں یہ بات مشہور ہے کہ ”پیر“ کی اجازت کے بغیر نفلی عبادت بھی نہیں کرنی
چاہیے کیوں کہ بقول مولانا روم۔

یک زمانے صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اولیاء کو یہ مقام حضور ﷺ کے صدقے میں اور ان کے در سے وابستگی کی وجہ سے
ہی ملتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر شاعر نفلی عبادت (طواف کعبہ) کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے
اجازت طلب کر رہا ہے تو یہ اس کے ادب کا تقاضا ہے۔

حنیف اسعدی نے کہا:

انسان کی عظمت کا سفر ہے شپ اسری

معراج اضافہ ہے مہمات بشر میں

اس شعر کا دوسرا مصرع جمیل نظر نے اس طرح تبدیل کر دیا

ع اب کوئی اضافہ نہیں ادراک بشر میں..... اس پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:
 ”واقعہء معراج شریف کو مہم جوئی سے تعبیر کرنا مولانا ہی کا حصہ ہے ہمارے نزدیک تو ایسا تصور بھی
 بارگاہِ ایزدی میں گستاخی کے مترادف ہے ورنہ مہمات کی جگہ کمالات بھی کہہ سکتے تھے۔“ (۸)
 حنیف اسعدی کا شعر تھا:

بس یہی دو ہیں میرے سخن کے اصول
 حمد ذکر خدا نعت ذکر رسولؐ
 یہاں بھی جمیل نظر نے دوسرے مصرع کی اصلاح تجویز کی ع حمد رب العالامت پاک رسول
 پھر لکھا:

”حمد کے معنی خدا کی تعریف بیان کرنا اور نعت کے معنی حضورؐ کے فضائل بیان کرنا ہیں اس لیے حمد ذکر
 خدا اور نعت ذکر رسولؐ کہنا بالکل غلط ہے۔“ (۹)
 حنیف اسعدی کا شعر تھا:

کس قدر عام ہوئی وسعت دامانِ کرم
 کتنی صدیوں کے اندھیروں نے اجالا پایا
 جمیل نظر نے اس شعر میں استعمال ہونے والے دو الفاظ ”کس“ اور ”کتنی“ کو بالترتیب ”اس“ اور
 ”ساری“ سے بدل کر دونوں مصرعوں کی اصلاح کر دی اور لکھا:
 ”کتنی صدیاں کہنے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ شاید کچھ صدیاں چھوٹ گئی ہیں ساتھ ہی مصرعہ اولیٰ میں کس
 قدر کے بجائے اس قدر کہنا چاہیے۔“ (۱۰)
 حنیف اسعدی نے کہا:

رواں رُواں عرقِ انفعال میں تر ہے
 یہ جسم لے کے کہاں آگئے مدینے میں
 جمیل نظر نے مصرعہ اولیٰ یوں کر دیا ع بغیر نفس کی پاکیزگی کے عجلت میں..... اور لکھا:
 ”مدینہ شریف پہنچ کر اگر رواں رواں عرقِ انفعال میں تر ہے تو یہ گناہوں کی تلافی کے لیے فال نیک
 ہے کہ انسان اپنے گناہوں اور اپنی خامیوں، کوتاہیوں پر شرمندہ ہے اور یہی ادا خدا کو بھی پسند ہے اور
 اس کے محبوب کو بھی، لیکن وائے نادانی کہ مولانا اس نیک کام کو بھی الٹا سمجھ رہے ہیں۔“ (۱۱)
 حنیف اسعدی کے کلام کو تنقیدی اصلاحات سے نوازنے کے بعد جمیل نظر تابشِ دہلوی کے

نعتیہ مجموعہء کلام ”تقدیس“ کی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلے ڈاکٹر سید محمد ابوخیثر کشفی کی رائے نقل کی، انہوں نے لکھا تھا:

”تابش دہلوی صاحب کی نعتوں کے مطالعے نے مجھے یہی احساس دیا ہے اور میں سوچتا رہا کہ تابش صاحب کے کلام میں ان کی جو رمز شناسی ہے، الفاظ کے لہجوں میں پہنچ کر معانی کے گہر تلاش کرنے کا جو رجحان ہے، برہنہ گفتاری کی جگہ رمز و ایما سے ان کی جو وابستگی ہے، الفاظ اور مفہیم و جذبات کے درمیان وحدت پیدا کرنے کی جو اہلیت ہے، لفظوں کو ہشت پہلو گینوں کی صورت جڑنے اور انھیں شمع کی طرح روشن کرنے کی جو قدرت ہے ان سب کا مقسوم و مقدر یہی تھا کہ یہ سب خوبیاں اور قدرتیں نعتِ سرور کو نین کے سلسلے میں ان کے کام آئیں۔ تابش صاحب زبان کی صحت کے بارے میں نہایت سخت گیر اور روایت پرست ہیں۔ وہ ان دو تین آدمیوں میں سے ہیں جنہیں میں دلی کالہجہ قرار دیتا ہوں۔“ (۱۲)

ڈاکٹر سید محمد ابوخیثر کشفی کی رائے دینے کے بعد، جمیل نظر نے، تابش دہلوی کے چند اشعار تنقید کے لیے منتخب کیے۔ کچھ اشعار اور ان پر کی جانے والی تنقید کے چند نکات کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ تابش دہلوی کا شعر تھا:

میری خاکستر کو یارب کنجِ طیبہ چاہیے
اس تمنا کو اک آغوشِ تمنا چاہیے
جمیل نظر نے مصرعہ ثانی علیٰ حالہ برقرار رکھا لیکن پہلا مصرع یوں بدل دیا

ع جسمِ خاکی کو خدا یا ارضِ طیبہ ہو نصیب..... اصلاحِ شعر سے فارغ ہو کر لکھا:

”خاکستر کے معنی کسی چیز کی جلی ہوئی راکھ کے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ خاکستر کو غزل میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن یہاں نعت کے شعر میں اور وہ بھی کنج کے ساتھ کسی طرح جائز نہیں کیونکہ خاکستر کو کنج میں رکھنے سے سادھی کا مفہوم پیدا ہوتا ہے جو کہ ایک مشرکانہ رسم ہے جس سے مسلمانوں کے عقیدہ تدفین کی نفی ہوتی ہے۔ اگر یہ تابش صاحب کا ذاتی عقیدہ ہے تو اور بات ہے ورنہ ہر مسلمان کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد اس کی میت کو مدینہ منورہ میں دفن کیا جائے۔“ (۱۳)

تابش دہلوی کا ایک شعر تھا:

دیدار کی دل کو آرزو ہے
دل کو بھی ذرا نگاہ کچے

اس شعر کو جمیل نظر نے بدل کر اس طرح کر دیا:

دیدار کی کب سے آرزو ہے
دل پر بھی ذرا نگاہ کُجھے

اس کے بعد لکھا:

”یہاں ’دل‘ کی تکرار بے محل ہے اور صوتی اعتبار سے نامانوس بھی ہے۔ ساتھ ہی یہ کہنا کہ ’دل‘ کو بھی
ذرا نگاہ کُجھے‘ خلاف فصاحت اور زبان سے عدم واقفیت کی دلیل ہے۔“ (۱۴)

تابش دہلوی نے کہا تھا:

یہ شہر مدینۃ النبی ہے
ہر ذرے کو سجدہ گاہ کُجھے
جمیل نظر کی اصلاح کے بعد اس شعر کی یہ صورت ہو گئی:
دنیاۓ مدینۃ النبی میں
ہر ذرے سے کھل کے چاہ کُجھے
اصلاح دینے کے بعد جمیل نظر نے اپنے دلائل اس طرح رقم کیے:

”عربی میں مدینہ کے معنی ہی شہر کے ہیں۔ اسی لیے ہر شہر کے ساتھ مدینہ لگایا اور لکھا جاتا ہے جیسے
مدینۃ المکرمہ، مدینۃ الریاض اور مدینۃ الدہران وغیرہ اس لیے یہ کہنا کہ یہ شہر مدینۃ النبی
ہے، عربی زبان سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ البتہ اگر اردو ہی میں ’یہ شہر شہر نبی‘ ہے کہا جائے تو جائز
ہی نہیں بلکہ نفس مفہوم پر زور پڑتا ہے نیز یہ کہ سجدہ گاہ بناتے ہیں کرتے نہیں۔“ (۱۵)

تابش دہلوی کے شعر کی بنت یوں تھی:

ان کا نیاز مند ہوں یہ ناز کم نہیں
پایا ہے میرے عجز نے رتبہ غرور کا
جمیل نظر کی اصلاح کے بعد شعر کی بنت یہ ہو گئی:
ان کا نیاز مند رہوں یونہی تا حیات
آئے نہ میرے ذہن میں سودا غرور کا
اصلاح شعر سے فارغ ہو کر وہ لکھتے ہیں:

”ابلیس نے بھی غرور، عجز و عبادات کے زعم میں یہی دعویٰ کیا تھا کہ میں معلم المملکت ہو کر آدمِ خاکی

کو سجدہ تعظیمی نہیں کروں گا..... رجز شرعی کے علاوہ جو کہ صرف دین کی برتری اور احیائے دین کے لیے ہوتا ہے غرور یا اس کی کوئی صفت خدا کے سوا ہر مسلمان پر حرام ہے۔“ (۱۶)

جمیل نظر کے لہجے میں تنقیدی حلم کے بجائے غیر منطقی سوچ سے پیدا ہونے والی تلخی ہے۔ کہیں کہیں انہوں نے پتے کی بات ضرور کی ہے لیکن ان کے لہجے نے ان کی تنقیدی رائے کا وزن کم کر دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں شعراء سے کوئی پر خاش ہے اور وہ صرف انتقام لینے کے لیے خامہ فرسائی میں مصروف ہیں۔ بہر حال ان کے تنقیدی عمل میں عملی تنقید (Practical Criticism) کے عناصر پائے جاتے ہیں اور ان کی تنقیدی کاوش کو تشریحی تنقید (Judicial Criticism) کے تناظر میں دیکھا جاسکتا ہے۔ البتہ ان کی دی ہوئی اصلاحات کی بندش بیشتر حسن سے عاری اور شعریت سے دور ہے۔ نقاد کو اعتراض کا حق تو ہے لیکن کسی شاعر کے کلام پر اصلاح دینے کا حق قطعی نہیں ہے۔

ii۔ پاکستانی ادب، شناخت کی نصف صدی، غفور شاہ قاسم:

غفور شاہ قاسم کی یہ کتاب، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، پاکستان میں تخلیقی ادب کے ارتقا کی تاریخ ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے پہلی مرتبہ ”نعت“ کو ادبی صنف کے طور پر نمایاں کیا ہے۔ گو نعت سے متعلق باب بڑا مختصر ہے تاہم اس کی تاریخی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ اس باب میں غفور شاہ قاسم نے نعت گو شعراء کے بارے میں جو رائے دی ہے اس سے ان کے تنقیدی منہاج کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ غفور شاہ قاسم کی تنقیدی آراء جاننے کے لیے ان کی تحریر سے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

”درد کا کوروی..... جس شعری روایت سے تعلق رکھتے ہیں اس میں رعایت لفظی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کے اندازِ نعت پر قدیم رنگِ سخن کے گہرے اثرات ہیں۔ انہوں نے مراعاة النظر اور دوسری صنعتوں کو نعتیہ مضامین کے اظہار میں شائستگی سے برتا ہے۔ ان کی نعتوں میں زبان و بیان کی سادگی نے اکثر اشعار کو سہل ممتنع بنا دیا ہے۔ مندرجہ ذیل نعتیہ شعر دیکھئے۔ مختصر سی، بحر، آسان توانی اور سہل لب و لہجہ میں کس طرح اپنے جذبات و کیفیات کا ظہار کیا ہے۔

محمدؐ کا پیالہ پلا دے خدا	چھکا دے چھکا دے چھکا دے خدا
مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ	دکھا دے دکھا دے دکھا دے خدا
نبیؐ کی قسم دردِ الف سے اب تو	شفا دے شفا دے شفا دے خدا

ان کی نعتوں میں حب رسولؐ اور اسلام کا درد نمایاں ہے انہوں نے نعت میں کچھ رباعیاں بھی لکھی ہیں جو ان کی شاعرانہ صلاحیتوں اور مہارتِ فن کا ثبوت ہیں۔“ (۱۷)

محمد ذکی کبھی مولانا محمد شفیع دہلوی کے فرزند تھے۔ ”کیفیات“ ان کا مجموعہء کلام ہے جس میں ایک ذیلی عنوان ”ذوق و شوق“ نعتیہ شاعری کے لیے وقف ہے۔ غفور شاہ قاسم نے ان کی نعتیہ شاعری پر اس اظہار رائے کیا ہے:

”ان (ذکی کبھی) کی نعتوں میں علمی انداز نمایاں ہے بنی نوع انسان کے لیے آنحضرتؐ کے فیوض و برکات کے تذکار آپؐ کے اوصاف کا بیان، حرم مبارک کی زیارت کا اشتیاق ان کی نعتیہ شاعری کے نمایاں موضوعات ہیں۔ ان کا ایک شعر دیکھئے

ان کی اک نظر سے قبل، ان کی اک نظر کے بعد

ہر طرف اندھیرا تھا، ہر طرف اجالا ہے
کس سادگی اور حسن سے آنحضرتؐ سے قبل اور بعد کی تہذیبی و تمدنی اور اخلاقی و روحانی صورت حال کے فرق کو واضح کیا ہے۔“ (۱۸)

اثر صہبائی کے کلام پر رائے دیتے ہوئے پاکستانی ادب کے مصنف نے لکھا:

”نعت رسول اکرمؐ کی طرف ان [اثر صہبائی] کا رجوع غزل گوئی میں پختگی اور مہارت کے بعد ہوا۔ ان کی نعتوں میں اسی سبب غزل کی لفظی و معنوی خوبیاں نظر آتی ہیں۔ ان کی نعتوں میں مشکل پسندی اور مشاقانہ پیرایہ بیان کے نمونے ملتے ہیں۔ خصوصاً ان کی وہ نعتیں جو غیر مردف ہیں۔ ان کی وہ نعتیں جو انہوں نے خواب میں زیارت رسول اکرمؐ (۶ مئی ۱۹۵۸ء بمقام مری) کے بعد لکھیں شیفتگی و سرشاری سے لبریز ہیں۔“ (۱۹)

غفور شاہ قاسم نے ماہر القادری کی نعتیہ شاعری کو بالخصوص توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ انہوں نے ماہر کی احتیاط پسندی اور غلو سے گریز کی روش کو بگاڑا استحسان دیکھا اور ان کے طرز و اسلوب نعت گوئی کو معیاری اسلوب کے طور پر اپنی کتاب میں نمایاں کیا۔ ماہر القادری نے نام نہاد ترقی پسندوں کی لحدانہ روش کے برعکس دینی اقدار کے تحت ادب تخلیق کیا تھا اور بقول غفور شاہ قاسم:

”ماہر نے نعت کو اصلاح و تبلیغ کا ذریعہ بنایا اور اس کے ذریعے ایک طرف تو لا دینیت اور لحدانہ افکار و نظریات کی نفی کی اور دوسری طرف اسلامی عقائد میں ہندی اثرات کے سبب جو غلط عناصر پیدا ہو چکے تھے ان کی بنیاد کی اور ان مقاصد کے حصول کے لیے نعت کو ایک تحریک کے طور پر استعمال کیا۔ ماہر کی نعت گوئی کا مقصد آنحضرتؐ کی بعثت کے مقاصد اور پیغام کو عام کرنا ہے۔ ان کی نعت گوئی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اکثر نعت گو شعراء کے برعکس غلوئے عقیدت سے

گریز کیا ہے اور توحید و رسالت کی حدِ فاصل کو قائم رکھا ہے اور مشرکانہ بدعات سے گریز کیا..... انہوں [ماہر القادری] نے عملی طور پر بھی نعت گوئی کا ایک صحیح اور حقیقت پسندانہ معیار قائم کیا جو قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہے اور جس میں توحید کا تصور مجروح نہیں ہوتا۔ انہوں نے اپنی نعت گوئی کو شاعرانہ رنگ آمیزیوں سے دور رکھا اور اسے اسلامی خطوط پر مرتب کیا۔ ماہر نے اپنی نعتوں میں اسوۂ حسنہ کے منور گوشے پیش کئے۔ صفات نبوی کے ساتھ ساتھ تعلیمات نبویؐ پر زور دیا۔ حضور اکرمؐ کے ساتھ انتہائی محبت کا مظاہرہ کیا مگر محتاط طریقے سے اور اپنے جذباتِ عشق و محبت کو شریعت کے دائرہ سے باہر نہ جانے دیا۔“ (۲۰)

ماہر القادری کی نعتیہ نظموں میں ظہورِ قدسی کے بارے میں انہوں نے لکھا کہ یہ نظم سادگی اور تاثیر کے سبب خاص حیثیت رکھتی ہے۔ اس نظم کے انداز و اسلوب کو انہوں نے حفیظ جالندھری کے شاہنامہء اسلام سے مشابہ قرار دیا۔ بعد ازاں لکھا:

”ماہر نے نعت میں حالی اور ظفر علی خان کی روایت کو فروغ دیا۔ اخلاقی مضامین پیش کرتے ہوئے آنحضرتؐ کے اسوۂ حسنہ کو رہنما بنایا اور نعت کے وسیلے سے معاشرتی و سیاسی سطح پر اصلاح احوال کی کوشش کی۔ آنحضرتؐ کی زندگی کے شب و روز سے ان واقعات کو نظم کا جو دعوت حق کے مظہر ہوں ان کی نعتیہ شاعری کا مرکزی نقطہ ہے۔“ (۲۱)

غفور شاہ قاسم نے پاکستانی ادب کے تحقیقی مطالعے میں ’نعت‘ کو صنفِ سخن کے طور پر اجاگر ہی نہیں کیا بلکہ مختلف نعت گو شعراء کے شعری وجدان کی اساسی قدروں کو جاننے کی بھی سعی کی۔ یہ کام جس تنقیدی بصیرت کا متقاضی ہے یقیناً وہ موصوف کی ان آراء سے ظاہر ہو رہی ہے جو انہوں نے مختلف شعراء کے کلام پر دی ہیں۔ غفور شاہ قاسم کا منہاجِ نقد تاریخی بھی ہے، تاریخی بھی اور تقابلی (Comparative Criticism) بھی۔ ان کی تنقید کو شعری جمالیات کے پیش نظر دی جانے والی آراء کی روشنی میں جمالیاتی تنقید کا ایک اچھا نمونہ بھی کہا جاسکتا ہے۔

iii۔ بت خانہ شمس من (تنقیدی مضامین کا مجموعہ) امیر حسنین جلیسی:

امیر حسنین جلیسی کی درج بالا کتاب میں دو مضامین نعتیہ شاعری کے حوالے سے عملی تنقید کے حامل ہیں۔ ”پروفیسر اقبال عظیم اور راعب مراد آبادی“ اور ”راعب مراد آبادی اپنے معیارِ نقد کے آئینہ میں“۔ دراصل یہ دونوں مضامین ”در جواب آں غزل“ کے نمائندہ مضامین ہیں۔ مصنف کتاب کے بقول راعب مراد آبادی نے ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو روزنامہ نوائے وقت، کراچی کی اشاعت میں، اقبال عظیم

کی نعتیہ کتاب ”قاب تو سین“ پر معاندانہ تنقیدی مضمون لکھا تھا۔ یہ مضمون ہفتہ وار، چھ اقساط میں راز مراد آبادی کے تعاون سے شائع کیا گیا تھا۔ پروفیسر اقبال عظیم نے بردباری کا ثبوت دیا اور خاموشی اختیار کر لی لیکن امیر حسنین جلیسی نے ترکی بہ ترکی جواب دیئے جو بعد میں اس کتاب کی زینت بنے (۲۲)۔ اس قلمی جنگ میں تنقید سے زیادہ تنقیص کا عمل کا فرمانظر آتا ہے۔ لیکن نعتیہ شاعری کے ضمن میں یہ تنقید کچھ ایسی تھی جس سے شعر فہمی کے دریچے ضرور کھلے اور نعتیہ شاعری کو تقدس آمیز شاعری سمجھ کر تنقید سے بالا سمجھنے کے روئے کو جھکا لگا۔ اس لیے میرے خیال میں یہ مضامین تنقیدی ہونے کے باوجود ایک تاریخی اہمیت ضرور رکھتے ہیں۔

اس تفصیل کے بعد ہم مذکورہ کتاب سے چند اشعار پر تنقید اور جوابی تنقید کے کچھ نمونے پیش کرتے ہیں:

”مختصر اراغب صاحب کے اعتراضات اور ان کے جوابات ملاحظہ ہوں:
اقبال عظیم کا شعر ہے:

بر بنائے مصلحت اُمّی لقب لیکن آگاہ رموز کیف و کم
(اعتراض) شاعر کے قول کے مطابق اگر رسول اللہؐ نے خود کو کسی مصلحت کی بنا پر اُمّی لقب کھلوا یا تو نعوذ باللہ آپ بندہ مصلحت تھے اور یہ حضورؐ کی شان میں سوئے ادب اور صریح گستاخی ہے۔“
(جواب)..... خداوند قدوس نے دنیا والوں کے سامنے حضورؐ کو امی رکھ کر خود علم لدنی سے سرفراز فرمایا اور آگاہ رموز کیف و کم کیا۔ مصلحت خداوندی تھی۔ مصلحت رسولؐ نہیں۔ یہاں حضورؐ کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نعوذ باللہ آپ کو بندہ مصلحت نہیں کہا گیا۔“ (۲۳)
ایک اور نعت کے اشعار جس کی ردیف ”ہٹادو“ ہے:

میرے آقا اندھیرا بہت ہے اب نقاب اپنے رخ سے ہٹادو
تم تو نور علی نور ٹھہرے میری آنکھوں سے پردے ہٹادو
میرے تلوؤں میں چھالے بہت ہیں میرے رستے سے کانٹے ہٹادو
(اعتراض) نور علی نور ٹھہرے، غلط ہے، نور علی نور ہو، کہنا چاہیے تھا۔ اقبال عظیم پیغمبر اسلام کو حکم دیتے ہیں کہ میرے رستے سے کانٹے ہٹادو، جو صریح گستاخی ہے اور اقبال عظیم کو توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔ ہٹادو کی جگہ آپ ہٹاد دیجئے کہنا چاہیے تھا۔ یہ اندازِ مخاطب سوئے ادب اور شان رسالت میں گستاخی ہے۔

(جواب) نوڑ علی نور ہونا ایک حقیقت کا اعتراف ضرور ہے جو میں اور آپ انفرادی طور پر بھی کر سکتے ہیں اور اس قول سے بعض کو انکار کی جرأت بھی ہو سکتی ہے۔ مگر جب نوڑ علی نور ہونا تمام عالم نے تسلیم کر لیا تو نوڑ علی نور ٹھہرے اور آپ کے نوڑ علی نور ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ ٹھہرے میں جو زور ہے اور اجتماعی یقین کی جو کیفیت پائی جاتی ہے اسے اہل نظر ہی محسوس کر سکتے ہیں..... شاعر نے ابتدا ہی یوں کی ہے کہ ”میرے آقا اندھیرا بہت ہے“ آقا کو نہ حکم دیا جاتا ہے نہ دیا جا رہا ہے۔ درخواست کی جا رہی ہے اور یہ مسلسل درخواست ہے۔ ہر شعر میں میرے آقا کہنے کی ضرورت نہیں تھی جو محذوف ہے۔ چوں کہ خود میں راستے کے کانٹے ہٹانے کی قدرت نہیں پاتا لہذا عرض کرتا ہے کہ ”میرے تلوؤں.....“ نہ یہ چھالے حقیقتاً چھالے ہیں اور نہ یہ کانٹے جسدی طور پر کانٹے ہیں..... آقا سے عرض کی جا رہی ہے کہ میری مشکلات آسان کر دیں۔ پھر ہٹا دو ردیف ہے۔ اس میں ہٹا دیجئے کیسے کہا جائے۔ قافیہ اور ردیف کی مجبوریاں ہر شاعر کے پیش نظر ہونی چاہئیں۔ (۲۴)

اس جگہ امیر حسنین جلیسی نے بات بنانے کی کوشش تو کی لیکن اقبال عظیم کا لہجہ بہر حال حضور ﷺ کے مقام کے لحاظ سے بہت نامناسب ہے۔ ردیف کی مجبوریاں اپنی جگہ، شاعر کی قادر الکلامی کا امتحان تو ایسی ہی ردیفوں میں ہوتا ہے۔ رستے سے کانٹے ہٹانے کی درخواست بہر حال درخواست کے قرینے سے نہیں ہو سکی..... اقبال عظیم نے کہا:

عمر اقبال یوں ہی بسر ہو ہر نفس یادِ خیر البشر
صبح تا شام ذکرِ مسلسل اور راتوں کو پیہم شینے

(اعتراف)..... راتوں کو پیہم شینے پڑھ کر حیرت اور افسوس ہے۔ کیا شینے ہنگامِ سحر، دو پہر اور سہ پہر میں بھی ہوتے ہیں۔ شینے میں تو خود رات کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

(جواب)..... شینے ایک اصطلاح ہے۔ محفلِ شینے دو گھنٹے کی بھی ہو سکتی ہے تمام رات کی بھی۔ سرِ شام بھی ہو سکتی ہے۔ درمیانِ شب بھی۔ چوں کہ تمام راتیں پیہم شینوں میں گزرتی ہیں۔ صرف شینے کہنے سے مفہوم ادا نہیں ہو سکتا..... شعر میں راتوں کا ذکر حشو و زوائد میں نہیں آتا۔ ضروری ہے بھی ہے فصیح بھی۔

کیا خبر کیا سزا مجھ کو ملتی میرے آقا نے عزت بچالی
فرد عصیاں مری مجھ سے لے کر کالی کملی میں اپنی چھپالی

(اعتراض)..... غور فرمائیے جو فعل حضورؐ سے منسوب کیا جا رہا ہے کیا وہ مستحسن ہے۔ کیا حضورؐ کو
 باللہ سرحشر اللہ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کسی عاصی و خاٹی کی عزت بچالیں گے؟
 (جواب)..... اقبال عظیم کہتے ہیں کہ میں عاصی و خاٹی ہزار ہا گناہوں کا مرتکب جس کی فردِ عصیاں
 بہت طویل تھی اور اللہ علم بالصواب اس کی کیا سزا ملتی کہ میرے آقا و مولا نے اسلام اور ایمان کی تعلیم
 دے کر اور راہِ شکر پر چلنے کی ہدایت فرما کر میری عزت بچالی اور توبہ کے دروازے کھلو کر اپنی کملی کے
 سایہ میں لے کر یعنی اپنی امت میں قبول کر کے میرے گناہوں کو معاف کر دیا۔ یہ حضورؐ کی خطا پوشی
 اور عفو کے جذبہ کا اظہار ہے۔ مجھ سے مراد اپنی ذات نہیں۔ مرکز خیال ایک مسلم ایک مومن
 ہے۔ اب شعر کی آفاقیت کو پیش نظر رکھیے۔ (۲۵)

راقم الحروف کو راغب مراد آبادی کا ”اللہ کی آنکھوں میں دھول جھونکنا“ تو قطعی پسند نہیں
 آیا۔ اس جملے سے انہوں نے نادانستہ طور پر اللہ کی شان میں گستاخی کر دی..... لیکن شعر پر ان کا اعتراض
 بہر حال بڑا وزنی ہے۔ فردِ عصیاں کا ہاتھ میں آجانا صرف روزِ محشر ہی ممکن ہے۔ اقبال عظیم نے صاف کہا
 ہے کہ ”فردِ عصیاں مری مجھ سے لے کر“ حضور اکرم ﷺ نے اپنی کالی کملی میں چھپائی۔ فردِ عصیاں دنیا میں
 کسی کے ہاتھ نہیں لگتی۔ اس لیے امیر حسنین جلیسی نے جو صفائی پیش کی ہے اور شعر کے معانی کی جو تاویل
 کی ہے وہ اپنی جگہ بہت خوبصورت ہونے کے باوجود شعر کے الفاظ سے ظاہر ہونے والے مفہوم کی عکاسی
 نہیں کرتی۔ آئیے اس سلسلے میں قرآن کریم سے رجوع کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”وَكُلُّ إِنْسَانٍ لَّزَمْنَهُ طَبْعُهُ فِي عُقْبِهِ ۖ وَ نُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ
 الْقِيَمَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا ۝ اقْرَأْ كِتَابَكَ ۖ ط كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ۝“
 ”اور ہر انسان کا معاملہ یہ ہے کہ لٹکا دی ہے ہم نے اس کی تقدیر اس کی گردن میں۔ اور نکالیں گے ہم اس کو
 دکھانے کے لیے روزِ قیامت ایک نوشتہ، پائے گا وہ جسے کھلی کتاب کی مانند۔ پڑھنا اپنا اعمال نامہ۔ کافی ہے تو
 خود ہی آج اپنا حساب لگانے کے لیے“ (آیات ۱۳-۱۴، سورۃ بنی اسرائیل ۱۷، ۱۵)

اس آیت قرآنی کی موجودگی میں کوئی بھی ایسا بیان جو قیاس پر مبنی ہو اور ڈرامائی انداز سے
 ایک واقعے کی صورت میں پیش کیا جائے، کسی بھی صورت مستحسن نہیں ہو سکتا۔ شاعر کا خیال، الفاظ کی بندش
 اور شعر کی مجموعی فضا کے حوالے سے منصوبہ شہود پر آتا ہے۔ اقبال عظیم کی پاکیزہ خیالی اپنی جگہ لیکن الفاظ
 نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ یہاں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ ایک واقعے کی صورت میں مرنے بنا گیا
 ہے۔ عوامی سطح پر تو اقبال عظیم کا یہ شعر بہت مقبولیت پا چکا ہے لیکن اہل علم کے نزدیک اس میں جو سقم پایا

جاتا ہے وہ امیر حسنین جلیسی کی تشریح و تصریح سے دور نہیں ہو سکتا۔ میرے خیال میں نعت کے اشعار میں اسقام کی نشاندہی پر تاویلات پیش کرنے سے بہتر ہے کہ شعر میں پایا جانے والا ابہام دور کر دیا جائے۔ ایسے معاملات میں ”انا“ کو قربان کر دینا ہی بہتر ہے۔ بہر حال چوں کہ شاعر نے خود جواب نہیں دیا اس لیے تاویل کا عذر لنگ شاعر کے سر نہیں جاتا۔ تاہم اس کی خاموشی اس عذر لنگ میں شرکت کی غمازی کرتی ہے۔

امیر حسنین جلیسی کو راغب مراد آبادی کی نعتیہ شاعری میں بھی زبان و بیان کی کچھ بے احتیاطیاں نظر آئیں انہوں نے ان کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ تبصرہ بھی کیا۔ مثلاً

”رخ مصطفیٰ کے صدقے یونہی بار بار ہوتا

مجھے اپنے ہر عمل پر اگر اختیار ہوتا

پہلے مصرعہ میں ’یونہی‘ بمعنی کسی جواز کے بغیر بے معنی ہے اور صدقہ ہونے کے ایک عمل کا ذکر کیا ہے لہذا دوسرے مصرعہ میں ہر عمل غلط اور مہمل ہے۔ اگر شعریوں کہا جاتا تو بات بنتی:

رخ مصطفیٰ کے صدقے میں ہزار بار ہوتا

مجھے اپنے اس عمل پر اگر اختیار ہوتا

آپ کی شان جمالی کو وہ سمجھا ہی نہیں ☆

آپ کو جس نے بھی رشکِ مہِ کامل باندھا

☆ شانِ جمالی کو سمجھنے والے رشکِ مہِ کامل ہی باندھیں گے۔ آپ کو مہِ کامل نہیں کہہ سکتے۔ مہِ کامل کہنے والا شانِ جمالی کو نہیں سمجھ سکتا۔ یہ زود گوئی کا نتیجہ ہے۔“ (۲۶)

اس شعر کی معنوی جہتوں کو امیر حسنین جلیسی نے بھی پوری طرح نہیں سمجھا۔ ”آپ کو“ کے ساتھ ”باندھا“ میں جو معنوی سقم اور ذم پیدا ہو رہا ہے وہ دیکھنا چاہیے تھا۔ آپ کے روئے انور کو تو رشکِ مہِ کامل کہا جاسکتا ہے لیکن ردیف ”باندھا“ کے ساتھ ”آپ“ کا استعمال بالکل غلط ہے۔

راقم الحروف کے خیال میں شعر اس طرح ہونا چاہیے تھا۔

حسن سرکارِ دو عالم کو وہ سمجھا ہی نہیں

جس نے اس حسن کو رشکِ مہِ کامل باندھا

راغب مراد آبادی نے کہا تھا۔

بدل دیں رحمت اللعالمیں نے سیرتیں جن کی

وہ دشمن سے بھی اپنے بات کرتے ہیں ٹھکانے کی

اس شعر پر تبصرہ کرتے ہوئے امیر حسنین جلیسی نے لکھا:

”ٹھکانے کی بات کرنا یعنی ہوش کی بات کرنا۔ دشمن سے تو کوئی بھی بے ہوشی کی یا احقانہ بات نہیں کرتا، خواہ اس کی سیرت کیسی ہی ہو۔ تبدیلیء سیرت سے صرف ٹھکانے کی بات کرنے کا سلیقہ آتا، معلول کا غیر اہم ہونا علت کی اہمیت کی توجیہ کرنے سے قاصر ہے، پھر ٹھکانے کی بات، نہایت غیر فصیح ترکیب ہے۔ عامیانہ رنگ جھلکتا ہے۔

☆ بدی کو بھی جو دشمن کی نظر انداز کرتے ہیں

خدا شاہد نہیں جاتی ہے ان کی رائگاں نیکی

☆ آنے کی۔ لانے کی، کے ساتھ گاں نے کی، قافیہ کی بدترین غلطی ہے جس کا ارتکاب اصول قافیہ سے تھوڑی سی واقفیت رکھنے والا مبتدی بھی نہیں کرتے۔ اسے سہو نہیں کم نظری کہنا پڑے گا۔“ (۲۷)

اسی طرح راغب کا ایک شعر تھا:

جسم رسول پاک تھا اپنی مثال آپ

اک شمع تھی کہ جس کا نہ سایا نہ دود تھا

اس شعر پر امیر حسنین جلیسی نے یوں تبصرہ کیا:

”اپنی مثال آپ کہنے کے باوجود شمع سے تشبیہ دیدی جو شان رسولؐ میں سوئے ادب ہے۔ جو چیز اپنی مثال آپ ہو اسے کسی چیز سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ اگر سورج اپنی مثال آپ ہے تو آپ اسے کسی کم تر شے مثلاً چراغ سے کیسے تشبیہ دیں گے۔ سایہ کی حد تک تو سوچا جاسکتا ہے کہ جسم اطہر کا سایہ نہ تھا مگر یہاں دود کا جسم پاک سے کیا تعلق ہے۔“ (۲۸)

راغب کہتے ہیں:

ابھی تک دور ہوں بابِ حرم سے

ابھی مشکوک ہے میری وفا کیا؟

امیر حسنین جلیسی کی تنقیدی رائے ملاحظہ ہو:

”بابِ حرم سے مراد ارض مقدس یا حرمین شریفین کا کوئی دروازہ ہے تو دوسری بات ہے ورنہ بابِ حرم ایک مخصوص دروازہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے مدینہ شریف میں نہیں۔ وفا کے مشکوک ہونے کا خیال حضور اکرمؐ پر الزام ہے۔ اپنی وفا کے معتبر ہونے کا دعویٰ اور حضورؐ ختمی مرتبت میں۔ یہ غرہ گستاخی

ہے۔ (۲۹)

ناقہ (جلسی) نے دھیان نہیں دیا کہ جہاں صرف حرم یا باب حرم کہا جاتا ہے تو ”حرم کعبہ“ کی طرف ہی اشارہ ہوتا ہے۔ مسجد نبوی کو بھی حرم کہا جاتا ہے لیکن وضاحت کے لیے ”حرم نبوی“ کہنا پڑتا ہے۔ چنانچہ راغب مراد آبادی کے شعر میں اللہ تعالیٰ سے خطاب کی صورت بنتی ہے اور اس طرح یہ شعر نعتیہ نہیں بلکہ حمدیہ شعر ہو جاتا ہے۔ ”علیم بذات الصدور“ کی بارگاہ میں اپنی وفا کا دعویٰ کتنا قبیح اور لائق گرفت ہے اس کا اظہار ضروری نہیں۔

بہر حال امیر حسنین جلسی نے راغب مراد آبادی کے اشعار پر اور اقبال عظیم پر کی جانے والی نکتہ چینی کے دفاع میں جو کچھ رقم کیا، وہ ایک تنقیدی جہت ہے اور اسے ہم مقنن تنقید ہی کا نام دے سکتے ہیں۔ اس تنقید کے ذریعے زبان و بیان کے اسرار بھی کھلتے ہیں اور شعر فہمی کے دریچے بھی وا ہوتے ہیں۔ نعتیہ شاعری کو ایسی تنقیدی کاوشوں سے بھی سنوارا جاسکتا ہے۔

☆ اساس (شعر عقیدت)، سرشار صدیقی:

سرشار صدیقی کا شعر عقیدت، ”اساس“ کے نام سے کتابی شکل میں آیا ہے۔ اس میں ان کا لکھا ہوا دیباچہ بعنوان ”بڑی بات“، گو بہت مختصر ہے تاہم اس میں تخلیقی نعت کے ضمن میں ایک اہم نکتہ بیان ہوا ہے جس کی طرف عام طور سے نعت گو شعراء کم متوجہ ہوتے ہیں۔ اس ایک پہلو کی طرف دھیان نہ دینے کے باعث ہی نعتیہ شاعری کو ایک مدت تک صنفِ سخن کے طور پر قبول کیے جانے میں نقاد متذنب رہے ہیں۔ اب تو یہ فضا بدل گئی ہے لیکن شعراء کی اکثریت اب بھی نعت کی ادبی خوبیوں کا لحاظ رکھنے اور شعری جمالیات کا پاس کرنے میں تساہل سے کام لے رہی ہے اس لیے میرے خیال میں سرشار صدیقی کا تخلیقی رویہ آئندہ گاہ کے لیے مشعلِ راہ بنے گا۔ وہ لکھتے ہیں:

”ہر چند کہ موضوع کے اعتبار سے ان تمام نظموں کا مزاج مذہبی ہے، لیکن میں نے اظہار کے لیے اپنی شاعرانہ افتادِ طبع کے پیش نظر ان پر روایتی عقیدے اور رسمی عقیدت کے نفوذ کے تمام راستے مسدود کر رکھے ہیں۔ مذہب کی محدودات کے نام پر شاعری کے بنیادی وظائف و مطالبات کو مجروح ہونے سے بچایا ہے اور روایتی ہیئت و اسلوب سے شعوری طور پر احتراز کرتے ہوئے خالصتاً شعری زبان اور فطری لہجے میں بات کی ہے۔“ (۲۹)

سرشار صدیقی کی مقنن سطور میں وہ تنقیدی شعور جھلک رہا ہے جو کسی ادب پارے کی تخلیق اور اس کی پرکھ کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ شعری جمالیات کا خصوصی خیال رکھنے کے باعث یہ

تخلیقی رویہ بھی جمالیاتی تنقید (Aesthetical Criticism) کا مظہر قرار دیا جاسکتا ہے۔ نعت گو شعراء کو اپنی تخلیقات میں ادبی شان پیدا کرنے کے لیے ایسا ہی رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

☆ سخن و ران کا کوری، حکیم ثار احمد علوی:

حکیم ثار احمد علوی کے اس تذکرے کو ہم نے نعتیہ تنقید کی ایسی کتب میں شامل کیا ہے جن میں جزوی طور پر ہی سہی لیکن نعتیہ شاعری پر قابل ذکر تنقیدی نقوش پائے جاتے ہیں۔ حکیم صاحب نے اس تذکرے میں محسن کا کوری کی نعتیہ شاعری پر جو سیر حاصل تبصرہ کیا ہے وہ اپنی تنقیدی نیچ کے باعث لائق ذکر ہے۔ حکیم ثار احمد علوی نے اردو کی شعری روایت کے استنادی پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے ابتداء ہی میں محسن کے بارے میں ایسی بات کہی جس سے ان کا تاریخی شعور اور کلاسیکی فنی روایت سے بصیرت افروز آگاہی ظاہر ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”محسن نے شاگردانِ ناسخ اور آتش کی صحبتیں اٹھائی تھیں۔ ان کا فن لکھنوی روایات و خصوصیات میں پل کر نکھرا اور اس کو انہوں نے نعت میں اپنی خداداد ذہانت سے ایسا برتا کہ ان کا کوئی ہم سر نہ ہو سکا۔ (۳۱)

یہ لکھنے کے بعد حکیم ثار احمد علوی نے محسن کا کوری کے کلام کی خصوصیات اس طرح رقم کی ہیں:

”محسن کی خصوصیات کلام میں سب سے زیادہ قابل لحاظ ان کی صناعی اور معنی آفرینی ہے اور صنائع بدائع کے مناسب استعمال سے ان کا کلام اپنے ہم عصروں کی نعتیہ نظموں سے زیادہ بہتر ثابت ہوا۔ قصیدے کی شان و شوکت میں ان صنائع نے زور بڑھایا۔ اضافتوں اور استعاروں نے مثنوی کی بندش چست کی اور اس طرح محسن کی نعت کو خاص درجہ امتیاز حاصل ہوا۔ مثلاً معراج کی شب ہے۔ آدھی رات گزر چکی ہے۔ ڈرائے کا پہلا سین کے کی سرزمین پر دکھایا جائے۔ لفظ لیل (شب) کی رعایت سے رات کو لیلی سے تشبیہ دیں گے۔ اور ارکانِ حج کا تلازم ملحوظ رکھیں گے: (از نظم موسومہ چراغِ کعبہ)

بھیگی ہوئی رات آبرو سے	داخل ہوئی کعبے میں وضو سے
اوڑھے ہوئے لیلی گل اندام	شبنم کی ردا ، بقصدِ احرام
گویا کہ نہا کے آئی فی الحال	جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال
کیا سعی صفا سے رنگ فق ہے	سر سے پا تک عرق عرق ہے

نا محرموں سے چھپائے چہرہ پرویں کو بنائے منہ کا سہرا
آنا کھلتا ہوا نہ جانا اندازِ خرامِ صوفیانہ
ناخن کی جگہ ہلال کی مد دفتر سے طلوع کے ندارد
گرتے ہوئے ٹوٹ کر ستارے ہیں رمی جمار کے اشارے
صورت میں غلافِ محترم کے در پردہ طواف میں حرم کے

الفاظ: ردا، احرام۔ سعی صفا۔ نامحرم۔ رمی جمار۔ طواف۔ رعایتِ ارکان حج سے اور چوں کہ ناخن کٹوانا بھی حج میں مستحب ہے اس لیے ہلال کو دفتر طلوع سے ندارد کیا۔ واقعی اس رات کو چاند تھا بھی نہیں کہ قمری مہینے کی ستائیسویں شب تھی..... اس میں شک نہیں کہ یہ التزام مالا یلزم نرا تصنع ہے لیکن اس کا استعمال نہایت خوبی سے کیا گیا ہے اور اس دشوار پسندی نے بجائے مثنوی کو ناقص کرنے کے نظم کی لطافت پر جلا کر دی ہے۔ (۳۲)

محسن کے قصیدہ لامیہ پر بہت سے نقادوں نے لکھا ہے۔ حکیم ثار احمد علوی نے بھی خامہ فرسائی کی ہے: ”محسن کی کامیابی کا یہ راز بھی قابل ذکر ہے کہ انہوں نے ہندوستان کے مناظر قدرت جو اردو سمجھنے والوں کے پیش نظر تھے، تشبیہ میں استعمال کیے۔ مہرا۔ بند رابن۔ جہاں عشق کے رب النوع نے جنم لیا کاشی اور مہابن جن کو عاشق مزاج حسن و جمال کی سیر گاہ بتاتے ہیں۔ سری کرشن اور گوپیوں کا عشرت خیز اور درد انجام قصہ۔ پھر اسی کے ساتھ ہندوستان کی پیاری برسات کا سماں۔ گلوں کا نم، گلشنوں کی بہار۔ فاختہ۔ شاماں۔ لال۔ ہریل۔ یہ سب سامانِ نظم اردو میں کیا ہی تھا محسن نے یہ بھی اپنی ذہانت سے کیا کہ یہ سب سامانِ قصیدہ نعت کی تشبیہ میں استعمال کیا جس سے ایمان داروں کے قلوب کو یہ اطمینان بھی میسر آیا کہ کفر کو ظلمت سے اور ایمان کو نور سے تشبیہ دی ہے۔ اس طرح شہرت کے پر لگ گئے مقبولیت عام کے موتی نثار ہوئے اور بقائے دوام مقدر ہوئی۔“ (۳۳)

محسن کے قصیدے کی تشبیہ پر کھل ملاؤں نے اعتراضات بھی جڑے، لیکن سچ بات یہ ہے کہ اسی تشبیہ کی بدولت محسن کے قصیدے کو مقبولیت بھی حاصل ہوئی۔ حالانکہ قصائد کا عوامی سطح پر مقبول ہو جانا عموماً ممکن نہیں ہوتا ہے کیوں کہ قصائد کی زبان پر شکوہ ہوتی ہے اور مقبولیت کے لیے زبان و بیان میں انتہائی سادگی چاہیے۔ اتفاق سے محسن کی زبان میں سادگی کا عنصر بھی تھا۔ حکیم ثار احمد علوی نے محسن کا کوروی کی دقیقہ رسی، نکتہ شناسی اور جمالیاتی بیداری کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا:

”علامہ محسن، حضرت بیدل سے متاثر تھے اور ان سے خاص نسبت اور وابہانہ عقیدت تھی۔ یہی وجہ

ہے کہ ان کی دقیقہ رس اور کلتہ شناس طبیعت رنگ بیدل سے اچھی طرح متاثر ہوئی اور انہوں نے اس عہد کی رعایت لفظی کو صرف رعایت لفظی تک محدود نہیں کیا بلکہ اس کو زبان واجب میں اس قدر سمودیا کہ زمین شعر پر رعایت لفظی کو دیکھتے ہوئے، حسن بیان کی معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایک جمالیاتی رنگ بھی نکھر آیا۔ انہوں نے نعت میں اپنا لوہا اس وقت منوایا جب مومن ذوق غالب۔

انہیں۔ دیر اور امیر و داغ دنیائے ادب پر چھائے ہوئے تھے۔“ (۳۴)

سخنوران کا کوری، شعرائے کوری کا ایک تذکرہ ہے۔ لیکن اس تذکرے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صرف شاعروں کے کوائف ہی جمع نہیں کیے گئے ہیں بلکہ کلام پر بھی بڑے تنقیدی شعور کے ساتھ، رائے دی گئی ہے۔ ہم نے تو صرف محسن کا کوری کا ذکر ہی دیکھا ہے، حقیقت میں جناب علوی نے محسن کے کوائف بھی بڑی عرق ریزی سے جمع کیے ہیں اور ان کے کلام کی خصوصیات پر بھی بڑے غور و فکر کے بعد قلم اٹھایا ہے۔ ہم ان کی تحریر سے یہاں چند نکات اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

☆ ذوق کے بعد ممتاز قصیدہ نگار صرف محسن تھے..... ☆ بیان واقعہ میں صداقت اور امانت اور ہر موقع پر شریعت کا لحاظ رکھنا محسن کا شعار تھا..... ☆ نقل روایت میں خیانت سے انتہائی درجہ گریز کرتے تھے..... ☆ شفاعت و نجات اور نظم دل افروز میں کوئی فقرہ ایسا نہیں ہے جس کی قرآن و حدیث سے سند نہ ہو۔ نظم دل افروز میں محسن نے خود لکھا ہے:

رہے پہنے ہوئے قرآن کا جامہ سخن میرا

کوئی حرف غلط آئے نہ سہواً میرے دفتر میں

اس ضمن میں حکیم نثار احمد علوی لکھتے ہیں:

”غرض یہ تھیں محسن کے کلام کی خصوصیتیں، لیکن یہ سمجھنا کہ جس کلام میں یہ خصوصیتیں ہوں وہ ایسی ہی دلکشی پیدا کر سکتا ہے جیسی کہ مدح خیر المرسلین یا شفاعت و نجات یا نظر دل افروز کو حاصل ہے۔“ (نہیں، ہرگز نہیں)۔ (۳۴)

حکیم نثار احمد علوی کا تنقیدی منہاج، جمالیاتی اور تاریخی ہے۔ ہندوستانی ماحول کے تناظر میں محسن کی مقبولیت کے محرکات تلاش کرنے کا عمل ان کی تنقیدی بصیرت کو عمرانی تنقید کی حدود میں بھی داخل کر دیتا ہے۔ حکیم نثار احمد علوی کی نکتہ رسی اور تنقیدی بصیرت انہیں، تذکرہ نگار کے ساتھ ساتھ ایک اچھے نقاد کی حیثیت سے بھی منوالیتی ہے۔

اب تک ہم نے جن کتابوں سے تنقیدی نگارشات کے نمونے پیش کیے، ان میں غالب

رجحان شعری معیارات کی روشنی میں نعتیہ تخلیقات کو پرکھنے کا تھا۔ اب ایسی نگارشات کا مطالعہ مقصود ہے جن میں نعتیہ شاعری کو شرعی پیمانے پر جانچنے کا عمل نمایاں ہے۔

۲۔ تنقیدِ نعت میں شرعی اصولوں کی طرف رہنمائی:

☆ ردِ عمل، تنقیدی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ:

امین راحت چغتائی کے تنقیدی و تحقیقی مضامین کے مجموعے میں دو مضامین ”مشکلاتِ نعت“ اور ”حافظ مظہر الدینؒ، جدید ادبی نعت کے پیشرو“ ہمارے موضوع سے تعلق رکھتے ہیں۔ اول الذکر مضمون نعت کے آداب سے متعلق ہے اور آخر الذکر میں ایک شاعر کی نعتیہ شاعری کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

”مشکلاتِ تنقید“ میں امین راحت چغتائی نے قرآن وحدیث کی روشنی میں نعتیہ شاعری کے اصول مرتب کرنے کی سعی کی ہے۔ نعت گو شعراء کی رہنمائی کے لیے انہوں نے چند ایسی آیات قرآنی کا حوالہ دیا ہے جن کی روشنی میں نعت رسول ﷺ کے خدو خال کو دیکھا جاسکتا ہے۔ وہ آیات ہیں: آل عمران: آیات ۳۱، ۳۲، ۱۶۴، النساء: ۶۵، ۱۱۵، مائدہ: ۳، بنی اسرائیل: ۹۷، میں راحت چغتائی نے لکھا:

”ان آیات کے مفہوم کا مجموعی خلاصہ یہ ہے کہ رب العزت نے حضور ختمی مرتبت کو اس قدر بلندی عطا فرمائی کہ لوگوں کو حکم دیا کہ اگر تم میری محبت کے خواہاں ہو تو رسولؐ کی اطاعت کرو اس کے عوض اللہ تمہیں اپنی محبت سے سرفراز فرمائے گا بلکہ تمہارے گناہ بھی بخش دے گا۔ مزید ارشاد ہوا کہ بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مومنوں پر کہ اس نے ان ہی میں سے ایک رسولؐ بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے۔ ان کے نفس کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اہل ایمان وہ ہیں جو رسولؐ اکرم کے فیصلے سے سرتابی نہ کریں اور جو رسولؐ سے اختلاف کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا انہی آیات میں بشارت دی گئی کہ آج تمہارا دین، تمہارے لیے مکمل کر دیا گیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا گیا۔ یہی نہیں، خالق کائنات نے سرور کائنات کو مقام محمود عطا کرنے کا وعدہ فرمایا۔ آنحضور کو بشیر و نذیر اور سراج منیر کہہ کر خطاب فرمایا۔ پھر رب العزت نے لوگوں پر یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ وہ پیغمبر ہے جو اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں کہتا۔ مزید فرمایا کہ آپؐ اخلاق کے بلند درجے پر فائز ہیں ہم نے آپؐ کا ذکر بلند کیا اور آپؐ کو کوثر عطا کیا۔ بنظر غائر دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ارشادات کے ذریعے نعت

رسولؐ کے قرآنی خطوط متعین فرمادیے۔ ان کے بحر معانی کی غواصی نعت گو کا کام ہے۔ اسے ہر بار نئے گوہر دستیاب ہوں گے مگر شرط وہی ہے کہ قرآن حکیم کا مطالعہ نعت کے خدوخال جاننے کے لیے بھی کیا جائے۔“ (۳۶)

اس کے بعد امین راحت چغتائی نے احادیث کے مطالعے پر زور دیا ہے اور کچھ واقعات حضور ﷺ کے حسن اخلاق کے حوالے سے رقم کیے ہیں مثلاً غزوہ خندق میں دشمن کا ایک آدمی خندق پار کرنے کی کوشش میں خندق میں گرا اور مسلمانوں نے اسے مار ڈالا۔ دشمن نے اس کی لاش حاصل کرنے کے لیے سوانٹ معاوضہ دینے کی پیشکش کی لیکن حضور ﷺ نے انہیں اس کی لاش مفت عطا کر دی۔ غزوہ حنین کے موقع پر شیمانہ حارث، حلیمہ سعدیہ کی صاحبزادی اور حضور اکرم ﷺ کی رضائی بہن نے اپنا تعارف کروایا تو آپ ﷺ نے ان کے پورے قبیلے کے تقریباً چھ ہزار سیروں کو آزاد فرما دیا اور ان کا سامان بھی لوٹا دیا تو وہ مسلمان ہو گئے۔ یہ واقعات بیان کر کے امین راحت چغتائی نے لکھا:

”ہماری نعت کے مضامین قرآن حکیم کی مذکورہ بالا آیات اور سیرت کے بیان کردہ مستند واقعات کی روح سے اخذ ہونے چاہئیں۔ شعر بلاشبہ جذبات سے تشکیل پاتا ہے لیکن نعت واحد صنف سخن ہے جو جوش کے باوصف ہوش سے کہنے کا فن ہے۔“ (۳۷)

عملی تنقید کا مظاہرہ کرتے ہوئے امین راحت چغتائی نے شعراء کے کچھ تسامحات کا ذکر بھی کیا ہے، مثلاً انہوں نے پہلے ایک شعر لکھا ہے:

صحرائیں نبیؐ سے یہ کیا معجزہ ہوا
ذروں کو آفتاب کا ہمسر بنا دیا

اس شعر کے مافیہ پر امین راحت چغتائی نے اس طرح روشنی ڈالی ہے:

”پہلے مصرع سے کچھ یوں تاثر ابھرتا ہے کہ صحرائیں نبیؐ، نعوذ باللہ، کوئی بہت پست سی چیز ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایسی معمولی جگہ سے پیدا ہونے والے پیغمبرؐ سے اتنا بڑا معجزہ سرزد ہو گیا۔ نعت گو کا اپنا جذبہ کتنا ہی پاکیزہ و محترم کیوں نہ ہو، شعر بہر حال الفاظ سے ہی تشکیل پاتا ہے اور الفاظ ہی انظار کا ذریعہ ہیں۔ ایسے یا اس سے مماثلت رکھنے والے مفاہیم کے حامل متعدد اشعار قارئین کی نظر سے گزر رہے ہوں گے۔ اگر یہ احساس کر لیا جائے کہ نعت بھی نازک آگینے سے کم نہیں تو ٹھیس لگنے کے امکانات کم ہو سکتے ہیں۔“ (۳۸)

نعت گو شعراء کے ایک مرغوب موضوع کی طرف دھیان دلاتے ہوئے چغتائی لکھتے ہیں:

”نعت میں ایک اور میلان بھی بڑے تواتر سے نظر آتا ہے۔ وہ یہ کہ مجھے قبر میں نکیرین کیا کہیں گے۔ نعت سنا کر اپنا معاملہ طے کر لوں گا۔ یا میں حشر میں نعت رسولؐ پڑھتا جاؤں گا اور یوں میری بخشش کا سامان ہو جائے گا۔ یا پھر حشر میں میرے اعمال پیش ہوں گے تو ”یا محمد مصطفیٰ صلی علیٰ کہہ دوں گا میں“۔ یہی نہیں مجھے ایسے اشعار بھی پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔

درِ نبیؐ پہ غریب و غنی ہیں سر بسجود اس آس پر کہ ہو بس اک نگاہِ رحمتِ عام
یا پھر

نبیؐ کے روضے پہ نعتِ گرم سنا سکو تو اسے ہی سجدہ اسے ہی اپنا قیام کہتا
یہ سجود و قیام کے تقاضوں سے نا آشنائی کے مترادف ہے۔ بلکہ قدرے کھل کر بات کروں تو عرض ہے
کہ اس میں توحید و رسالت کے مقامات خلط ملط ہو گئے ہیں۔ ایسے ہی میلان کا ایک اور شعر دیکھیے۔
کر چکا جب خدا کے گھر کا طواف پھر تھا میں اور نبیؐ کے در کا طواف
اب نعت گو سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ طواف کہاں کیا جاتا ہے اور کیوں کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں آج
کی نعت میں ایسے کوتاہ فکر اشعار بھی پڑھنے کو ملتے ہیں کہ
میرے آقاؐ سے برائے زندگی بے تکلف کی ضروری جستجو
دولتِ خیر سے فتراکِ عمل خالی ہے میرے آقاؐ اسے ہو جائے یہ خنجرِ عطا
اسی سلسلے کے دو اور اشعار ملاحظہ فرمائیے:

کہتا ہے نبیؐ جی بھیجو نا ہے مٹھو کی میٹھی بولی
روزِ محشر دامنِ احمد سے پونچھا جائے گا اس سے بڑھ کر اور کیا ہو کا مرانی اشک کی
یہ اشعار کوئی مقامِ آشنا شاعر نہیں کہہ سکتا۔ (۳۹)

امینِ راحت چغتائی نے غیر معمولی شہرت حاصل کرنے والے الفاظ ”لولاک لما خلقت الافلاک“ کو حدیثِ قدسی کے طور پر قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور ملا علی قاری کی ”الموضوعات الکبیر“ کے صفحہ ۵۹ کا حوالہ دے کر یہ بتایا ہے کہ یہ جعلی احادیث میں شامل ہے۔ بعد ازاں انہوں نے لکھا ہے:

”خود عربی علوم کے بعض ماہرین بھی اس جملے کو غیر فصیح قرار دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ”لولاک“ کا لفظ اور کہیں استعمال نہیں ہوا۔ اور یہ بات تو ہم سب کے علم میں ہے کہ رسول اکرمؐ کے الفاظ میں تحریف یا ان سے کسی غلط بات کو منسوب کرنے کی سخت وعید ہے۔ لہذا نعت گو شعراء کو غیر معمولی

احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ مختصر یہ کہ ایسے تمام میلانات قرآنی مزاج کے خلاف ہیں اور محض یہ کہہ دینے سے سرخروئی ممکن نہیں کہ:

گناہ گار سہی، اس کے نام لیوا ہیں
خدا نے آپ بخشا ان کو اورنگِ خطا پوشی
خدا نے بخش دیا ہم کو بھی برائے رسولؐ
ڈروں میں کیوں قیامت سے، شفاعت ہے اگر ان کی

بخشش کا مرحلہ اعمال صالح کا محتاج ہے۔ قرآن کا دو ٹوک فیصلہ ہے کہ ہر فرد کا مواخذہ اس کے اعمال [سعی] کے مطابق ہوگا اور یہ بات ذہن میں ہمہ وقت رہنی چاہیے کہ قبر و حشر کے معاملات اتنے آسان نہیں۔ یہ اتباع سنت سے مشروط ہیں۔ اور قیامت کے معاملات و مراحل سے تو خود رسول اکرمؐ خوف کھاتے تھے اور ہر روز ستر مرتبہ استغفار پڑھتے تھے۔“ (۴۰)

امین راحت چغتائی کہتے ہیں کہ غزل کے انداز میں لکھی ہوئی نعت میں غزل کا تاثر زیادہ ملے تو اس کا لہجہ نعت کے لیے مناسب نہیں ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے نمونے کے طور پر دو اشعار بھی نقل کیے ہیں اور ان پر تبصرہ بھی کیا ہے:

”حصارِ عشق سے باہر کبھی میں جا نہ سکا
ترے سوا کوئی دل میں مرے سما نہ سکا
مجھ سے خراب عشق پہ چشمِ کرم کا شکریہ
آتی نہیں کبھی کمی، آپ کے التفات میں

یہ اشعار، ظاہر ہے، بطور نعت کہے گئے ہیں لیکن نعت جن جذبات عالیہ اور رفعتِ فکر و بیان کی متقاضی ہے وہ یہاں مفقود ہے۔“ (۴۱)

اپنے مذکورہ مضمون کو امین راحت چغتائی نے تخلیقِ نعت کے ضمن میں ایک صائب مشورہ دیتے ہوئے مکمل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

”نعت کے جدید شعرا اگر غزلیہ نعت یا نعتیہ غزل سے دامن کش ہو کر نظم کی ہیئت میں نعت کہیں تو ممکن ہے ہم غزل کی روایت، فکر، زبان، تراکیب، تشبیہات و استعارات سے دامن بچا کر نئی نعت کہہ سکیں۔ نظم کا دامن بہت وسیع ہے۔ اس کا اسلوب بیان مختلف ہے۔ علامتیں الگ ہیں اور خیالات کے بھرپور اظہار کی گنجائش موجود ہے۔ ہمارے بعض شعراء نظم آزاد کے پیرائے میں اچھی نعت کہہ بھی

رہے ہیں۔ اس میں سیرت کے اہم واقعات اور متعلقہ آیات قرآنی کی روح کو بڑے دلاویز انداز میں سمیٹا جاسکتا ہے اور نعت کو خانقاہی مزاج سے باہر نکالا جاسکتا ہے۔“ (۴۲)

”ردِ عمل“ کا دوسرا مضمون حافظ مظہر الدین کی نعتیہ تخلیقات کے حوالے سے قلم بند کیا گیا ہے۔ اس میں امین راحت چغتائی نے حافظ صاحب کو جدید ادبی نعت کا پیشرو قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”وہ (حافظ مظہر الدین) شان الوہیت اور شان رسالت کے بیان میں حفظ مراتب سے بخوبی آگاہ تھے۔ عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ جو شعرا تو حید و رسالت کے بیان میں مختلط ہوتے ہیں وہ شعر کے جمالیاتی پہلو کو بسا اوقات نظر انداز کر جاتے ہیں لیکن حافظ مظہر الدین کا جمالیاتی ذوق، ان کے شعور کے پہلو بہ پہلو سفر کرتا ہے اور جہاں ضرورت محسوس ہوتی ہے، فوراً کمک کو پہنچتا ہے اور شعرا اپنے منصب جمال پر پوری طرح جلوہ افروز نظر آتا ہے۔ حافظ صاحب کا نعتیہ کلام، بنیادی طور پر جمالیاتی شاعری سے متصف ہے۔ میں انہیں شاعر جمال سمجھنے میں کبھی متذبذب نہیں ہوا۔ ان کی نعت کا یہ اتنا بڑا وصف ہے کہ اس پر ایک الگ مضمون باندھا جاسکتا ہے۔ اور یہ وہ خصوصیت ہے جو انہیں معاصر نعت گو شعرا سے ممتاز کرتی ہے۔“ (۴۳)

امین راحت چغتائی نے حافظ مظہر الدین کے نعتیہ کلام سے جو اشعار نقل کیے ہیں وہ بڑی رواں دواں بحروں میں ہیں جن کی قراءت سے ایک سرشاری کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ادبی محاسن تو ہر شعر کی فکری و فنی سطح سے ظاہر ہو رہے ہیں:

نام لے با وضو مدینے کا
بات کر با وضو مدینے کی
آکہ تکمیل جذب و شوق کریں
آ کریں گفتگو مدینے کی
حضور! ایک نظر، اک نگاہ بندہ نواز
حضور! ایک نظر، اک نگاہ بھی ہے بہت
مقربین کا حصہ ہے منزل محبوب
مرے لیے تو مدینے کی راہ بھی ہے بہت
وارفتگی میں شوق زیارت تو ہے مگر
شائستہء جمال ہے میری نظر کہاں

بے وضو عشق کے مذہب میں عبادت ہے حرام

خوب رو لیتا ہوں خواجہ کی ثنا سے پہلے“ (۴۴)

حافظ مظہر الدین کے درج بالا اشعار نقل کر کے امین راحت چغتائی نے اپنی تنقیدی رائے کو

وزن و وقار سے ہمکنار کیا ہے۔

نعتیہ شاعری کی تنقیدی جہت کے حوالے سے یہ دو مضامین ہی ”ردِ عمل“ کے مصنف کا تنقیدی منہاج جاننے کے لیے کافی ہیں۔ ان تنقیدی آراء سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف، نعتیہ شاعری کے لوازمات سے پوری طرح آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ، شعریت و شریعت کے تقاضوں سے ہم آہنگ نعت کی تخلیق کا خواہاں ہے۔ ان مضامین میں عملی تنقید کے نمونے بھی ہیں اور ادبی تنقید کے معیارات بھی جھلکتے ہیں۔ امین راحت چغتائی کو، ہم اپنی آسانی کے لیے، اصلاحی تنقید نگار بھی کہہ سکتے ہیں اور مقنن تنقید کا عملی مظاہرہ کرنے والے نقادوں میں بھی انہیں شامل کر سکتے ہیں۔ ان کی تنقید میں شعری جمالیات کی جستجو بھی پائی جاتی ہے اس لیے ہم انہیں تنقید کے جمالیاتی دبستان سے وابستہ نقاد بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر ان کی تحریروں میں بھی تنقید کے مختلف النوع انداز جھلکتے ہیں اس لیے ان کے طریق نقد کو اصلاحی، مقنن اور جمالیاتی تنقیدی دبستانوں کا امتزاج کہنا ہی مناسب ہے۔

☆ جستجو (تنقیدی مضامین کا مجموعہ)، تحسین فراقی:

تحسین فراقی نے اس کتاب میں ”علامہ اقبالؒ اور ثنائے خواجہؒ“ کے عنوان سے ایک مضمون شامل کیا ہے۔ اس میں نعت کے نفس مضمون اور اس کی شعری جمالیات کے حوالے سے عمومی رائے بھی ملتی ہے۔ ہم یہاں تحسین فراقی کے تنقیدی رجحانات کے مظہر کے طور پر ان کی تحریر سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں:

”میرا ایمان ہے کہ جب تک حضور اکرمؐ کی ذاتِ بابرکات سے والہانہ شیفنگی اور شدید جذباتی وابستگی نہ پائی جاتی ہو، کامیاب نعت کہنا ناممکن ہے اور ظاہر ہے کہ کامیاب نعت وہی ہے جس سے حضورؐ کی متحرک حیاتِ طیبہ اپنی تمام آب و تاب اور اپنے تمام محاسنِ جمیلہ کے ساتھ جلوہ گر ہو کر دامنِ دل کھینچنے لگے۔ اب اگر پوچھا جائے کہ حضور اکرمؐ کی سیرتِ صادقہ کا منبع و ماخذ کیا ہے تو بلا تامل قرآن حکیم کا نام لیا جاسکتا ہے۔ جو ان کے اسوہ حسنہ پر دلیلِ ثابتہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کی چال ڈھال، ان کا سفر و حضر، ان کا خورد و نوش، ان کی استراحت و بیداری، ان کی قیل و قال اور ان کی گفتار و

کردار سبھی قرآن حکیم کے مبینہ اسلوب حیات کے عین مطابق تھے۔“ (۴۵)
تخصیص فراقی نعت میں صرف ادبی و لسانی خوبیاں دیکھنے کے بجائے زندگی آمیز عشق کی تپش و
تاثیر دیکھنا چاہتے ہیں۔ صرف لسانی خوبیوں سے مملو شاعری کے نمونوں میں انہوں نے عربی زبان کے
جدید شاعر احمد شوقی کے قصیدہ میمہ اور اردو میں مومن کے قصیدے کا حوالہ دے کر کہا ہے:

”ادبی اور لسانی عظمت ہی اگر نعت کے طرہ امتیاز ہیں تو پھر عربی زبان کے جدید شاعر احمد شوقی کا نام
لیا جاسکتا ہے جس کا میمہ اس پہلو کا کامیاب عکاس ہے۔ مگر یہ نعتیہ قصیدہ سو محبت اور سپردگی سے
یکسر خالی ہے اور اس میں آرد ہی آرد ہے۔ اردو میں مومن کے نعتیہ قصیدے ”چمن میں نغمہ بلبل
ہے یوں طرب مانوس“ میں بھی مقصد تاثیر نہیں نمائش ہے۔“ (۴۶)

نعت گو شعراء نے حضور اکرم ﷺ کی ذات والا صفات کو معشوق فرض کر کے، عاشقانہ نعتیں لکھی
ہیں۔ ایسی نعتوں میں خارجی متعلقات حسن کا بیان تخصیص فراقی کے نزدیک لائق گرفت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:
”نعتوں میں خارجی متعلقات حسن مثلاً روئے و موئے، طرہ، چشم زگس، زلف عنبریں
، ابرو، گیسو، زلف معقد، سر و رواں [قد محبوب] کا ذکر تو اترا سے آتا ہے۔ ان کے اشعار میں شاعرانہ
صنعت گری تو ہے لیکن دل باختگی اور ربودگی معدوم۔ اس قسم کے التزامات میں اگر اعتدال کا دامن
ہاتھ سے نہ چھوٹے تو یہ لطف دے جاتے ہیں لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ فارسی (اور اردو) نعت
کا اکثر حصہ اسی سراپا نگاری کی نذر ہو گیا۔“ (۴۷)

تخصیص فراقی کا مضمون چوں کہ علامہ اقبال کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے لکھا گیا ہے اور
علامہ اقبال کی نعتیہ شاعری ایک الگ اور اہم موضوع ہے۔ پھر ہمارے مقالے میں اقبال کے نعتیہ کلام
کے بہت سے نمونے آ بھی چکے ہیں اور مزید بھی کہیں آ سکتے ہیں۔ اس لیے ہم تخصیص فراقی کے صرف ان
تنقیدی خیالات کا عکس دیکھنے پر اکتفا کرتے ہیں جو تخلیق و تنقید نعت کے ذیل میں ان کے مضمون کی
زیانت بنے ہیں۔ تخصیص فراقی کا منہاج تنقید بھی مقفن اور اصلاحی یعنی Judicial and

Reformatory ہے۔

☆ ولائے رسول ﷺ:

ولائے رسول ایک کہنہ مشق شاعر، قمر ربینی کا مجموعہ نعت ہے۔ ان کے شعر عقیدت کا امتیاز یہ
ہے کہ انہوں نے اپنے اوپر کچھ پابندیاں از خود لگالی ہیں۔ مدح رسول اکرم ﷺ کرتے ہوئے انہوں نے

کچھ ممنوعات کا خاص خیال رکھا ہے۔ کسی شاعر کی طرف سے اس طرح کی احتیاط پسندی اس بات کی غماز ہے کہ وہ حرفِ نعت رقم کرنے سے قبل ’با محمد ﷺ‘ ہوشیار کے اصول کو پیش نظر رکھنے کا عزم بالجزم کیے ہوئے ہے۔ ایسی صورت میں کم از کم نعت کے متن (Text) میں تو ایک استنادی شان پیدا ہو ہی جاتی ہے۔ بلاشبہ قمر عینی کی شاعری کا مافیہ خاصی حد تک شفاف ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تنقیدی نظریات کو یہاں نقل کر دیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

”ایک ضروری بات عرض کرتا چلوں کہ میں نے نعت کہتے ہوئے چند باتوں کا بطور، خاص خیال رکھا ہے جن میں سے بعض یہ ہیں:

o آپ ﷺ کے لیے میں نے کبھی لفظ ”تو“ کا استعمال نہیں کیا بلکہ حضور کے لیے اس لفظ کے تصور سے ہی لرز جاتا ہوں۔ اردو زبان میں جمع تعظیص کا استعمال حفظِ مراتب کے پیش نظر فردِ واحد کے لیے بھی کیا جاتا ہے اور میں نے یہی کیا ہے۔ لفظ اللہ کو فعلن کے وزن پر الّا نہیں لکھا بلکہ اس میں اللہ کی ہائے ہوز کو واضح طور پر مفعول کے وزن پر باندھا ہے یعنی اللہ۔ ع اللہ کو الّا نہیں اللہ کہا۔ اللہ تعالیٰ کو مخفف نہیں کیا حالانکہ اس کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔

o یزداں یا اہرن کے الفاظ کبھی استعمال نہیں کیے کیونکہ فارسی میں لفظ یزداں نیکی کے خدا یا خیر کی قوت کے لیے اور اہرن بدی کے مالک کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ میرے نزدیک یزدان و اہرن کو تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایک خدا (الہ واحد) کے نہیں بلکہ دو خدا کے قائل ہیں۔ جبکہ میرے نزدیک ایمان کی تکمیل ہی اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک اللہ کو وحدہ لا شریک تسلیم نہ کر لیا جائے۔

o میرے نزدیک حضور اکرمؐ مردانہ حسن و جمال کا مکمل نمونہ اور خلق و مروت اور عفو و کرم کے ساتھ ساتھ شجاعت و بہادری کا کوہِ استنقامت تھے..... اس لیے میں نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ آپ کے حسن و جمال کی تعریف کرتے ہوئے ایسے الفاظ یا تشبیہات سے گریز کیا جائے جو آپؐ کی شان اقدس کے منافی اور نسوانی حسن کے ترجمان ہوں۔

o حتی المقدور انہی روایات کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے جو مستند کہلاتی ہیں۔

o پوری شاعری میں مدینہ منورہ کے لیے لفظ یثرب استعمال نہیں کیا کیونکہ یہ علاقہ حضورؐ کی تشریف آوری سے قبل یثرب کہلاتا تھا..... اس لیے مدینے کی بجائے دورِ جہالت کا نام استعمال کرنا نبی کریم سے عقیدت کے خلاف ہے۔ یوں بھی اس کے استعمال کرنے کی واضح ممانعت کی گئی ہے۔“ (۴۸)

قمر عینی کے شعورِ نعت گوئی کا عکس درج بالا سطور سے مترشح ہے۔ صرف ضماز کے استعمال کے سلسلے میں قمر عینی کی رائے سے اختلاف ہو سکتا ہے، اور کئی نقادوں نے ایسا کیا بھی ہے (جس کی مثالیں متعلقہ باب میں دی جا چکی ہیں)، بقیہ نکات نہ صرف وزنی ہیں بلکہ آہ زور سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ایسی شرائط عائد کرنے کے بعد انہوں نے جو شعر عقیدت لکھا، وہ یقیناً لائق تحسین بھی ہے اور دوسرے نعت گو شعراء کے لیے مشعلِ راہ بھی..... قمر عینی کے تنقیدی منہاج کو بھی ہم مقنن یا Judicial Criticism کے خدوخال سے مملو پاتے ہیں لہذا اسی نام سے موسوم بھی کر سکتے ہیں۔

قمر عینی کی تنقیدی بصیرت کا مظاہرہ اس طرح بھی ہوا ہے کہ انہوں نے ”کبریا“ کے لفظ کو اللہ رب العزت کے اسماء الحسنیٰ میں شمار کر کے نبی ﷺ کے لیے ”حبیبِ کبریا“ استعمال نہیں کیا۔ اس روش کی معنوی خوبی کو حکیم سید محمود احمد سرسہارنپوری نے محسوس کیا اور لکھا:

”کبریا جو اللہ کی صفت ہے، جیسا کہ قرآن میں کہا ”وَلِلَّهِ الْكِبْرِيَا“ اور بڑائی اللہ کے لیے ہے۔ یہ لفظ اللہ کا اسم صفت نہیں ہے بلکہ صرف صفت ہے لیکن اکثر اردو شعراء نبی ﷺ کے لیے ایک صفاتی جملہ استعمال کرتے ہیں جس سے حضور کی شانِ رفیع اور بارگاہِ الہی میں ان کی مقبولیت کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ صفاتی جملہ حبیبِ کبریا یا محبوبِ کبریا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ محبوب رب العالمین ہیں اور حبیبِ کبریا کا صفاتی اظہار معنوی اعتبار سے درست نہیں۔ لیکن عربی سے ناواقفیت کی بنا پر یہ جملہ اتنا رواج پا گیا ہے کہ بعض صاحبانِ علم بھی بے دھیانی میں اسے نعت میں استعمال کرتے ہیں۔ قمر عینی نے اپنے اس مجموعے میں اسے کہیں استعمال نہیں کیا“۔ (۴۹)

نعتیہ شاعری کی تنقید میں قمر عینی کی احتیاط کا مذکورہ پہلو، جس کی نشاندہی جناب سر سہارنپوری نے کی ہے، ایک جدا گانہ تنقیدی رجحان کا غماز ہے۔ نعت کے مافیہ (Contents) کے معنوی رخ کا لحاظ رکھنا ہر نعت گو کا فرض ہے۔ ولایۃ رسول ﷺ کے مطالعے سے یہ بصیرت عام ہوگی!

☆ زبورِ حرم (کلیاتِ نعت)، اقبال عظیم:

زبورِ حرم میں اقبال عظیم نے ”سخن گسترانہ“ کے زیر عنوان نعت کے تقدس اور اس کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس میں در آنے والی عام بے احتیاطیوں کا تذکرہ کر کے، شعراء کو ان بے اعتدالیوں سے باز رہنے کی تلقین کی ہے۔ نعتیہ شاعری کے مافیہ (Content) کے معاملے میں اقبال عظیم کی حساسیت ان کے اس تنقیدی رجحان کی غماز ہے جسے مقنن تنقید کا نام دیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”ایک نعت قریب قریب روزانہ کسی نہ کسی ریڈیو اسٹیشن سے نشر کی جاتی ہے جس کا ایک شعر ہے:

انہیں تو عرش پہ محبوب کو بلانا تھا

ہوس تھی دید کی معراج کا بہانہ تھا

اسی نعت کا ایک مصرع یہ بھی ہے: ع صدمہ ہجر خدا سے بھی گوارا نہ ہوا

غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے نعوذ باللہ ہوسنا کی اور بہانہ سازی جیسی بدترین

انسانی خصلتوں کو منسوب کرنا اور اس کی شان بے نیازی کو صدمہ ہجر میں مبتلا ہونے کا الزام دینا کفر

نہیں تو اور کیا ہے؟“ (۵۰)

اقبال عظیم نے کسی شاعر کی بے بصیرتی کا احوال اس طرح لکھا ہے کہ اس شاعر نے ”بعد از

خدا بزرگ توئی“ کا ترجمہ ”بزرگ“ کی جگہ ”بزرگ تر“ کر کے اپنے مصرعے کا وزن پورا کیا اور

مشاعرے میں پڑھ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے کچھ اشعار نقل کیے ہیں جن میں خیال کی بے راہ روی اور

مضمون کی بے اعتدالی اظہار من الشمس ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”ایک اور نعت کا مطلع پیش کرتا ہوں:

صنم دیکھا ترا جلوہ کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے

کبھی بندہ کبھی مولا کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے

اور ایک دوسری نعت کا شعریوں ہے:

آگے آگے جھومتا جاتا ہے وہ محشر خرام

پیچھے پیچھے چومتا جاتا ہوں میں نقش قدم

ان اشعار کے متعلق میں خود کیا عرض کروں بس ذہن میں رکھنے کی بات یہ ہے کہ نعت گو شعرا نے ان

اشعار میں لفظ صنم اور ترکیب ”محشر خرام“ سرور کائنات کے لیے استعمال کی ہے جبکہ مطلع کا دوسرا

مصرع بھی محل نظر ہے:

ہر ابتدا سے اول ہر انتہا سے آخر

ہر ابتدا محمدؐ ہر انتہا محمدؐ

اگر یہ توصیف رسول ہے تو کوئی شاعر سے پوچھے کہ پھر اللہ تعالیٰ کے لیے کیا باقی بچا؟ اسی قسم کی بے

احتیاطی کی ایک مثال یہ بھی ہے:

مدینے کی زمیں بھی کیا زمیں ہے

بہ الفاظِ دگر عرشِ بریں ہے“ (۵۱)

اقبال عظیم نے لکھا:

”شعرا..... حضورِ اکرم ﷺ کی حیات طیبہ، اسوہ حسنہ اور شریعتِ مطہرہ کی بنیاد پر صنفِ نعت گوئی کو وسعت دینے کی سعی کریں تاکہ سامعین کے ذہنوں میں دینی شعور پختہ ہو اور صحیح رجحانات فروغ پائیں لیکن یہ کام بہت آسان بھی نہیں ہے اس لیے کہ جب تک ہم اپنے ممدوح محترم کی حیاتِ پاک کے ہر پہلو سے پوری طرح باخبر نہ ہوں گے اور قرآن و احادیثِ مبارکہ کے ساتھ ساتھ اسلام پر بھی ہماری نظر گہری نہ ہوگی، نعت کے وسیع تر تقاضوں کا پورا ہونا ممکن نہیں۔“ (۵۲)

اقبال عظیم نے شعراء کی رہنمائی کے لیے کچھ الفاظ کے درست تلفظ بتائے ہیں تاکہ ان الفاظ کے اعراب لگانے میں بے احتیاطیاں نہ ہوں کیونکہ عربی الفاظ میں اعراب ہی لفظوں کے معانی متعین کرنے میں معاونت کرتے ہیں۔ جن الفاظ کی فہرست انہوں نے دی ہے وہ درج ذیل ہیں:

اَبُو دَہْمْدُ - مُحَمَّدٌ - مُصْطَفٰی - حُضْرَا - مُرْسَل - کَرَام - بُیُو - وَضُو - مُبَارَک - شِفَاة - شَجَاعَت - رَفَاقَت - مَحَبَّت - مَسَرَّت - خَلُوت - بَغْت - مِیْسَر - مُنْجَر - نَظَر کَرَم (نہ کہ مَنَظَر کَرَم) - اِنْبَہَا - اِنْبَہَا - رَضَا - شِفَا - مَرْض - رَضُو ان - مَدَح - مَدَحَت - رَوْشَن - رَوْضہ - مُشْعَل - نَجَات - (۵۳)

درج بالا فہرستِ الفاظ اور مُشْتَمَس افکار کی روشنی میں اقبال عظیم کی تنقیدی آراء کو اصلاحی تنقید یا (Reformatory Criticism) کے ذیل میں بھی رکھا جاسکتا ہے۔ ان کی تنقید مقنن تنقید اور اصلاحی تنقید کا مرکب ہے۔

☆ اللہ کی سنت (نعتیہ کلام)، منظر عارفی:

منظر عارفی نے اپنے نعتیہ مجموعے میں ”روشن چراغ“ کے زیر عنوان، شعرِ عقیدت کی تخلیق کے کچھ اصول بیان کیے ہیں۔ نعتیہ شاعری میں مفاہیم کی پاکیزگی، الفاظ کی نفاذت اور خیال کی مستند بندش کے لیے منظر عارفی کے تنقیدی افکار سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”حمد و نعت کہنے کے لیے میں نے چند اصول اپنے لیے مقرر کیے ہیں:

۱۔ حمد و نعت میں کوئی ایسا شعر نہیں ہونا چاہیے جو ایسا ذومعنی ہو کہ جو جہاں چاہے اس کو چسپاں کر لے، بلکہ حمد و نعت کا شعر کہیں بھی ہو حمد و نعت کا ہی رہے۔

- ۲۔ حمد و نعت میں منقبت کا داخل کرنا انتہائی غیر ضروری ہے کوئی تاریخی بات ہو تو اور بات ہے۔
- ۳۔ حمد و نعت میں دعا زیادہ سے زیادہ مقطع تک محدود ہو۔
- ۴۔ حمد و نعت میں ایسا کوئی شعر نہ ہو جس میں کسی بھی لحاظ سے اپنی خود ستائی ہو۔
- ۵۔ مندر، کلیسا، وغیرہ، غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو اپنی مسجد اور اپنے کعبے کے مقابل نہ لاؤں۔ نیز اپنے دل یا سر کو کسی بھی موضوع کے تحت کعبہ شریف یا عرش پاک سے افضل قرار نہ دوں۔
- ۶۔ حمد و نعت کے موضوعات میں واعظ دینی کی مذمت یا تحقیر ہرگز نہ ہو (سب سے پہلا واعظ اللہ تعالیٰ اور پھر اس کے حکم سے اس کے رسول ہیں پھر امت محمدیہ کے علماء و مشائخ)۔
- ۷۔ معرفت کے نام پر ٹھیک بازاری عاشقانہ موضوعات کو حمد و نعت کا موضوع ہرگز نہ بناؤں۔
- ۸۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تقابل کرتے ہوئے کسی بھی اللہ کے نبی علیہ السلام کی توہین یا تنقیص سے اپنی زبان اور قلم کو روکوں۔
- ۹۔ ایسی کسی بات کو قرآن و حدیث نہ کہوں جس کے بارے میں قطعی دلیل نہ ہو کہ یہ واقعی قرآن پاک کی آیت ہے یا واقعی حدیث شریف ہے۔
- ۱۰۔ اپنے لیے معیار بناؤں حمد و نعت شریف کا کہنا۔ خواہ ایک کلام تین شعر یا چار شعر پر ہی مشتمل ہو۔ مشاعروں میں واہ وا کے لیے لایعنی قسم کے قطعی غیر متعلق شعر حمد اور نعت شریف کے نام پر داخل کر کے اشعار کی تعداد ہرگز نہ بڑھاؤں۔
- ۱۱۔ کوئی بھی نعت یا حمد کہہ کر ایک مفتی یا شیخ الحدیث مقام کے عالم کو ضرور سنا لوں تاکہ وہ اس میں ایسی غلطی دیکھ لیں جو خلاف شریعت ہو اور لاعلمی کی وجہ سے مجھ پر ظاہر نہ ہو سکی ہو۔
- ۱۲۔ لفظ ”جان“ (مطلق) ”یار“ ”پیا“ ”دلدار“ ”دلربا“ یا عام طور پر بے محابا دنیا کے معشوقوں کے بارے میں کہے جانے والے الفاظ کا استعمال اللہ کے رسول ﷺ کی شان ارفع کے خلاف سمجھوں۔
- ۱۳۔ آقا ﷺ کے لیے ”تم، تیرے، تو، اس، اُس“ وغیرہ جیسے الفاظ استعمال نہ کروں۔ رہا یہ سوال کہ بزرگوں نے کیا، تو جواب یہ ہے کہ اس معاملے میں اپنا کام بزرگ ہی جانیں صرف اس معاملے میں ہی بزرگوں کی تقلید مجھ پر شرعاً کتنی واجب ہے۔
- ۱۴۔ صرف حمد و نعت کے اشعار کہنے پر فریفتہ ہو کر اپنی بے عملی، فرائض و واجبات سے دوری اور خلاف شرع کاموں میں مشغولیت اور اس پر قائم رہنے کو بے حیثیت نہ سمجھوں۔
- ۱۵۔ جنت کی تحقیر نہ کروں، دوزخ کا مذاق نہ اڑاؤں، اللہ کے سامنے حاضری کو معمولی نہ سمجھوں

وغیرہ وغیرہ۔ (۵۴)

منظر عارفی کے مرتب کردہ اصولوں میں نکتہ نمبر ۱۴ معاشرتی اصلاح کے لیے ہے بقیہ نکات اصلاح فکر و خیال کے حوالے سے تخلیق نعت کے ہنگام، تنقیدی بصیرت بروئے کار لانے کے لیے ہیں۔ فکر و خیال کی تطہیر کے لیے منظر عارفی کے بیشتر اصول قابل قدر ہیں۔ یہ تنقید بھی مقفّن تنقید اور معاشرتی و اصلاحی تنقید کے دبستانوں کے ذیل میں رکھی جاسکتی ہے۔

☆ فروغ نوا (مجموعہ نعت)، رئیس احمد نعمانی:

رئیس احمد نعمانی کا یہ نعتیہ مجموعہ علی گڑھ (بھارت) سے شائع ہوا ہے۔ اس مجموعہ نعت کو مصنف نے پہلا نمونہ نعت بتایا ہے جس میں بقول ان کے ”ذات نبوی کے احترام واقعی کو ملحوظ رکھنے کی کوشش پر پوری توجہ صرف کی گئی ہے“۔ (۵۵)

رئیس احمد نعمانی نے کتاب کے دیباچے بعنوان ”حرف ناگزیر“ میں شاہ احمد رضا خاں بریلویؒ اور علامہ اقبالؒ کے بعض اشعار پر تنقیدی رائے دی ہے۔ لیکن ان کی تحریر کسی نقاد کی تحریر کے بجائے کسی مبارزت طلب پہلوان کی تقریر لگتی ہے۔ بات کتنی ہی صائب کیوں نہ ہو بات کرنے کا لہجہ اسے غیر صائب بنا دیتا ہے۔ خاص طور پر علامہ اقبال مرحوم کے حوالے سے جو سطور زینت کتاب بنی ہیں ان میں فروغ نوا کے خالق کے غصے کو خوب خوب فروغ ملا ہے۔ چند تصریحات کے زیر عنوان وہ لکھتے ہیں:

”اس کتاب میں شامل نعتوں میں:

۱۔ عشق، عاشق، معشوق جیسے مردود و معیوب الفاظ کو قطعاً استعمال نہیں کیا گیا ہے۔

۲۔ سید الانبیاءؑ کی شان مبارک میں، دوسرے نعت گو شاعروں کی طرح ”تو“ اور ”تیرا“ جیسے الفاظ کسی شعر میں نہیں لائے گئے ہیں۔

۳۔ حضور انور افضل البشرؐ کا اسم گرامی بھی احتراماً عبارت میں نہیں لایا گیا ہے بلکہ ضما و صفات کے توسط سے بات کہی گئی ہے۔

۴۔ عابد و معبود اور خالق و مخلوق کے فرق کو التزاماً ملحوظ رکھا گیا ہے اور دیگر شعرا نے نعت سرا کی طرح خدا اور رسولؐ کے امتیاز کو نظر انداز کر کے جاہلانہ اظہار عقیدت اور ہندوانہ بھجن خوانی سے زبان قلم کو آلودہ نہیں ہونے دیا گیا ہے“۔ (۵۶)

درج بالا سطور سے رئیس احمد نعمانی کی احتیاط پسندی تو سامنے آئی لیکن ساتھ ہی ان کا فخر یہ

لہجہ بھی کھٹکا۔ بہر حال یہ تنقیدی رجحان مدرسہ اور تشددانہ ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں:

”۱۔ مسلمانوں کی اکثریت کی طرح (جو بالعموم علم سے اور بالخصوص دین سے بے بہرہ ہے)، ہمارے نعت گو شعراء کے ذہن میں بھی ”توحید و شرک“ کا وہ نظریہ واضح نہیں ہے، جو ہوش و حواس کی درستی کے ساتھ قرآن پاک کے ایماندارانہ مطالعے سے متعین ہوتا ہے۔

۲۔ وہ ”عبد و معبود“ اور ”خالق و مخلوق“ کے اس امتیاز کی صلاحیت سے محروم ہیں، جو انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرتوں اور مخصوصاً سیدنا و حبیبنا آرام فرمائے مدینہ ﷺ کے پورے سفر حیات میں قدم قدم پر نمایاں ہے۔

۳۔ ۹۹ فیصد نعت نگاروں نے عقل کو بالائے طاق رکھ کر اللہ اور رسول کی محبت کو دو عدد عام انسانوں کی محبت پر قیاس کر لیا ہے۔

۴۔ قرآن پاک کی آیات پاک میں بیان شدہ حقائق کی جگہ، عجمی صوفیاء کے واہی تخیلات ان کے دماغوں میں مرتکز ہو گئے ہیں اور انھوں نے صوفیوں کے اس ”نظریہ عشق“ کو اپنے شعور پر حاوی کر لیا ہے جو یہودیت، مجوسیت، نصرانیت، بدھ مت اور ویدک دھرم کے فلسفوں کے ساتھ فکری و ذہنی مشارکت رکھتا ہے۔ (۵۷)

بعد ازاں جناب نعمانی نے احمد رضا بریلوی کی نعت ”واہ کیا جو دو کرم ہے شاہِ بطحا تیرا“ کو ضمیر ”تیرا“ کے استعمال پر اپنے استاد کے نام سے اصلاح دیتے ہوئے لکھا ہے کہ احمد رضا صاحب اس طرح بھی کہہ سکتے تھے:

”واہ کیا جو دو کرم ہے شاہِ بطحا آپ کا“

پھر علامہ اقبال کے کچھ اشعار پر سخت تنقید کی ہے۔ چند اشعار یہ ہیں:

نگاہ عاشق کی تاڑ لیتی ہے پردہِ میم کو اٹھا کر

وہ بزمِ یثرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

ای کہ ذات تو نہاں در پردہِ معین عرب

روی خود را در نقابِ میم پنہاں کردہ ای

حمد بے حد مر رسولِ پاک را

آن کہ ایمان داد مشیت خاک را

نعمانی کی باتوں میں تلخی کے عنصر نے ان کی بات کو ہلکا کر دیا ہے ورنہ بعض اشعار پر گفتگو کی

گنجائش موجود ہے۔ بہر حال مسلکی جنگ و جدال میں پڑے بغیر کہا جاسکتا ہے کہ ان کا درج ذیل بیان لائق توجہ ہے:

”ہم کو آپ کو اور تمام انسانوں اور جنات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن اور حامل قرآن ﷺ پر ایمان لانے کا اور آپ کی اطاعت کا مکلف قرار دیا ہے۔ کسی شاعر یا مولوی، کسی پیر یا جوگی، کسی گیلانی یا فلسفی، کسی گیلانی نجفی، کسی لکھنوی یا تھانوی، کسی دہلوی یا بریلوی یا ان کے کلام و اقوال پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کا ہرگز ہرگز مکلف نہیں بنایا ہے۔“ (۵۸)

نعت کی تنقید میں دیوبندی اور بریلوی کی مسلکی چپقلش نے ہمیشہ روڑے اٹکائے ہیں۔ کچھ معاملات روحانی سطح پر حقائق ثابتہ بن کر صوفیوں کے حلقے اور ان کے پیروکاروں کے درمیان عقائد کا روپ دھار لیتے ہیں اور کچھ عقیدے روحانی اقدار سے عاری شریعت پر زور دینے والے حلقوں میں پروان چڑھتے ہیں۔ شاعری احساس کی زبان ہے۔ شاعر کا ہر مخاطب اس کے دل کے نزدیک ہوتا ہے۔ نعت میں حضور اکرم ﷺ کی ذات کو تصوراتی طور پر ہر شاعر حاضر و ناظر جانتا ہے اور اس طرح اس کا لہجہ استغاثے میں بدل جاتا ہے۔ اس تصوراتی روحانی واردات کو تنقید کا نشانہ صرف اس صورت میں بنایا جاسکتا ہے جب شاعر نے صریح گمراہی کا ثبوت دیا ہو۔ ورنہ ادب فنی کے تمام دعوے بے قیامت ہو جائیں گے۔ بہر حال رئیس احمد نعمانی کے نقطہ نظر کو ایک تنقیدی جہت کا درجہ حاصل ہے جسے ہم مقنن تنقیدی دبستان سے منسلک کر کے دیکھ سکتے ہیں۔

اب تک ہم نے ان کتابوں کا ذکر کیا تھا جو تنقید کے نام پر نہیں لکھی گئیں بلکہ ان کے مصنفوں نے اپنے مسالک کی توضیح کے لیے کچھ تنقیدی اشارے کر دیئے یا شعراء نے اپنے تخلیقی منشور کے کچھ نکات رقم کر دیئے۔ ان میں وہ کتب بھی شامل تھیں جن کا اصل موضوع نہ تو تنقید تھا اور نہ ہی نعتیہ شاعری بلکہ ان کتب میں ذیلی اور جزوی موضوع کے طور پر نعتیہ شاعری پر تنقیدی اشارے کر دیئے گئے تھے۔

۳۔ نعت کے تنقیدی عمل پر مختلف تنقیدی دبستانوں کے اثرات کا جائزہ:

اب ہم ایسی کتابوں پر اپنی توجہ مرکوز کرنے کی کوشش کریں گے جو یا تو براہ راست تنقید پر لکھی گئی ہیں یا جن میں نقد نعت کے واضح انداز و اسالیب پائے جاتے ہیں۔ ایسی کتابوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے جن میں کسی نہ کسی شکل میں تنقیدی اشارے موجود ہیں لہذا ہم نے نعت کی تنقید کے تنوع کے اظہار کے لیے درج ذیل کتب منتخب کی ہیں:

۱۔ اردو زبان میں نعت گوئی کا فن اور تجلیات، سید وحید اشرف کچھوچھوی

- ۲۔ نعت کے چند شعرائے متقدمین، ڈاکٹر سید شمیم گوہر
 - ۳۔ نعت اور تنقید نعت، ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی
 - ۴۔ شاعران نعت، راجا رشید محمود
 - ۵۔ فن نعت کی نئی جہات، محمد حیات چغتائی
 - ۶۔ نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلات تنقید، ادیب رائے پوری
 - ۷۔ محسن کا کوروی کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
 - ۸۔ اردو میں نعت گوئی، چند گوشے، پروفیسر شفقت رضوی
 - ۹۔ سرو و نعت، ابوالامتیاز، ع۔ س۔ مسلم
 - ۱۰۔ نعت کے جدید رنگ، جاذب قریشی
 - ۱۱۔ اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، شریعت اسلامیہ کے تناظر میں، رشید وارثی
 - ۱۲۔ نعت گوئی اور اس کے آداب، پروفیسر عبداللہ شاہین، نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر اشفاق احمد ورک
 - ۱۳۔ نعت حقیقت کے آئینے میں، محمد شفیق اختر
 - ۱۴۔ غالب ثنائے خواجہ رحمۃ اللہ علیہ، سید صبیح الدین صبیح رحمانی
 - ۱۵۔ نعت اور آداب نعت، کوکب نورانی اوکاڑوی
 - ۱۶۔ صنف ہزار رنگ، میرزا امجد رازی
 - ۱۷۔ نعت نگر کا باسی، ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی کی نعت گوئی و نعت شناسی کا ایک جائزہ، صبیح رحمانی
 - ۱۸۔ نعت میں کیسے کہوں، پروفیسر محمد اقبال جاوید
 - ۱۹۔ قافلہ عشق کے مسافر، پروفیسر محمد اکرم رضا
 - ۲۰۔ جادہ رحمت کا مسافر، ڈاکٹر حسرت کاسکنجوی
 - ۲۱۔ نعت رنگ کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ، پروفیسر شفقت رضوی
 - ۲۲۔ نقشِ قلم (علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری کا جائزہ)، ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید
 - ۲۳۔ دلیل آفتاب، مطالعات نعت، ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی
- راقم الحروف کی بھی چند کتب اردو نعت کی تنقید کے حوالے سے منصفانہ شہود پر آچکی ہیں، ان پر تبصرہ یا ان کا تفصیلی یا اجمالی تعارف دینا بھی چوں کہ آدابِ مقالہ نگاری کے خلاف ہے، اس لیے یہاں صرف ان کے نام لکھ دینا ہی کافی ہے۔

۱۔ اردو نعت اور جدید اسالیب (تنقیدی مضامین کا مجموعہ)، عزیز احسن

۲۔ نعت کی تخلیقی سچائیاں (تنقیدی مضامین کا مجموعہ)، عزیز احسن

۳۔ ہنر نازک ہے (تنقیدی مضامین کا مجموعہ)، عزیز احسن

۴۔ نعت کے تنقیدی آفاق (تنقیدی مضامین کا مجموعہ)، عزیز احسن

جن کتب میں تنقیدی مباحث نے ادبی مکالمے (Literary Discourse) کی صورت

اختیار کر لی ہے ان کا مطالعہ ہم تنقیدی دبستانوں کے حوالے سے درج ذیل عنوان کے تحت کریں گے:

۳۔ نعت کے تنقیدی عمل میں مختلف تنقیدی دبستانوں کے اثرات کا جائزہ:

اب ہم مذکورہ بالا کتب میں پیش کیے جانے والے تنقیدی اشارات کا جائزہ لیں گے:

۱۔ اردو زبان میں نعت گوئی کا فن اور تجلیات:

درج بالا کتاب کے مصنف ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی (سابق صدر شعبہ عربی، فارسی،

اردو، دانشگاه مدراس، بھارت) نے ”اردو زبان میں نعت گوئی کا فن اور تجلیات“، ”اردو نعتیہ شاعری میں

شعراء سے لغزشوں کے بعض وجوہ“ اور ”استدراک“ کے عنوان سے تین مضامین لکھے ہیں۔ یہی مضامین

نعتیہ شاعری کی تنقید سے متعلق ہیں۔

اول الذکر مضمون میں انہوں نے یہ بتایا ہے کہ شاعری میں کچھ لغزشیں سہواً ہو جایا کرتی ہیں۔ جان بوجھ کر

کوئی مسلمان حضور اکرم کی شان اقدس میں بے ادبی کا مرتکب نہیں ہوتا۔ انہوں نے یہ وضاحت کر دی

ہے کہ کم علموں سے لغزشیں ہوتی ہی ہیں اس لیے ان کی مثالیں دینا بے سود ہے۔ صرف ایسے لوگوں کی

مثالیں دینا ہے جن کا شمار پڑھے لکھے لوگوں میں ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”ایک صاحب نعت میں لکھتے ہیں: ع عروج حسن عطا ہے تمہاری شاہانہ،..... یہاں سید عالم ﷺ

کی عطا کو دنیوی بادشاہ کی عطا کے مثل بتایا ہے۔ مسلمان کا عقیدہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جو عطا کر سکتے ہیں وہ دنیا کے بادشاہوں سے ممکن نہیں ہے اور جو دنیا کے بادشاہ عطا کر سکتے ہیں اس کو

سید عالم ﷺ کی عطا کے مثل بتانا جہل کے مترادف ہے۔ مثل اور مثال میں فرق ہے۔ مثل قرار دینے

میں مشبہ بہ کا رتبہ مشبہ سے افضل ہوگا۔ یہاں دنیاوی بادشاہ کی عطا نعوذ باللہ زیادہ افضل قرار پائے

گی۔ یہ بیان علم معانی و بیان سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ اس بیان میں مثل غلط تو ہے ہی مثال بھی

درست نہیں ہے۔ ایک صاحب کا شعر ہے: ے

عمر بھر ہم پھرے کو بہ کو

تجھ سا پا یا نہیں خوہو

اردو میں یہ شعر امیر خسرو کے اس فارسی شعر کی بازگشت ہے جو انھوں نے اپنے مرشد کے متعلق کہا ہے۔
آفا تھا گردیدہ ام عشق بتاں ورزیدہ ام
بسیارخوہاں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری
..... بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو نثر میں بیان نہیں کی جاسکتیں، لیکن شاعری میں جائز ہیں۔
حضرت امیر خسرو تو صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارا مرشد وقت کا سب سے بڑا مرشد ہے..... خلافِ
واقعہ بیان ہے لیکن ”تو چیزے دیگری“ کے لیے یہ بیان ضروری تھا۔ یہاں مقصد واقعہ نگاری نہیں
بلکہ دعویٰ کے ثبوت کے لیے اس شاعرانہ دلیل کو بیان کرنا ضروری تھا۔ اس بیان کا تعلق صرف تخیل
اور شاعری سے ہے جو شاعری میں جائز ہے۔ ایسی خلافِ واقعہ بات اگر نعت میں کہی جائے تو جائز
نہ ہوگا۔“ (۵۹)

نعتیہ شاعری میں درج بالا مضمون اس لیے ناجائز ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ہم سر تلاش کرنے
کا خیال بھی ایمان کے خلاف ہے۔ کیوں کہ مسلمان پہلے سے ہی
ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر..... پر ایمان رکھتا ہے۔ (۶۰)
ڈاکٹر وحید اشرف نے شاعری میں ضمائر کا ذکر بھی چھیڑا ہے اور جو نکات بیان کیے ہیں ان کا
خلاصہ یہ ہے:

☆ ہماری کلاسیکی شاعری میں ”تو“ کا استعمال ہوتا رہا ہے اور آج بھی جاری ہے..... ☆ جو لوگ اللہ
تعالیٰ کے لیے آپ کا صیغہ استعمال کرتے ہیں ان کے خیال میں صرف وہی مودب ہیں.....
☆ قرآن میں جہاں کہیں خدا نے اپنے کو بندہ سے مخاطب کرایا ہے وہاں صرف واحد کے صیغہ ہی
میں خطاب کرایا ہے..... ☆ واحد حاضر کے صیغہ میں ک، انت اور واحد غائب کے صیغہ میں ء اور
ھو۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کو واحد ہی کے صیغہ میں خطاب
کریں..... ☆ اردو میں واحد حاضر کے لیے ”تو“، تحقیر اور تعظیم دونوں کے لیے بولا جاتا ہے لیکن محفل
استعمال سے قرینہ واضح ہو جاتا ہے کہ مراد کیا ہے..... ☆ جس لفظ میں دونوں معانی کا احتمال ہو اس کا
استعمال حمد و نعت میں کفر کے مترادف ہوگا..... ☆ اگر کسی کے لیے لفظ ”تو“، تحقیر کے معانی میں
استعمال کیا جاتا ہے تو اس میں یہ بات مضمّن ہوتی ہے کہ وہ تنہا قصور وار ہے..... ☆ فارسی نعتیہ شاعری
میں سید عالم ﷺ کے لیے ”تو“، اور ”توئی“ کا استعمال بکثرت ہوا ہے..... ☆ مخلوق میں حضور ﷺ کی

ذات کی فردیت کے اظہار کے لیے ”تو“ کا استعمال زیادہ مناسب ہے.....☆ اصول یہ ہے کہ جو چیز نثر میں جائز نہیں وہ شعر میں جائز ہو سکتی ہے.....☆ نثر میں رسول اکرم ﷺ اور دیگر بزرگوں کے لیے صرف ”آپ“ ہی استعمال کرنا درست ہوگا۔ (۶۱)

ڈاکٹر کچھوچھوی ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

”ہر صنف سخن میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ حقائق کا دامن ہاتھوں سے نہ چھوٹنے پائے اور اگر حقائق یا دلائل شاعرانہ ہوں تو ان کی تاویل نعت کے مناسب ہو ورنہ شاعرانہ حقائق سے بھی گریز کرنا چاہیے۔“ (۶۲)

کتاب میں شامل دوسرا مضمون ”اردو نعتیہ شاعری میں شعراء سے لغزشوں کے بعض وجوہ“ میں عملی تنقید کے مظاہر ہیں۔ اس کی مثال درج ذیل ہے:

مثال مصطفیٰ کوئی پیمر ہو نہیں سکتا
ستارہ لاکھ چمکے مہر انور ہو نہیں سکتا

..... اس کا مفہوم یہ ہوا کہ ستارہ یعنی ہرنی اس کوشش میں ہے کہ وہ مہر انور یعنی سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرح صاحب فضیلت ہو جائے جبکہ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔ یہ تو ملتا ہے کہ بعض نبی نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ کاش وہ آپ ﷺ کی امت میں ہوتے لیکن رشک کا مضمون نبی کی شان کے خلاف ہے۔“ (۶۳)

سید وحید اشرف بتاتے ہیں کہ لاعلمی کی بنیاد پر زبان و بیان کی غلطیاں تو ہوتی ہی ہیں اب تو جدیدیت کے شوق میں بہت سی فاحش غلطیاں ہو رہی ہیں۔ شعراء کو معلوم ہی نہیں کہ شعر سے مدح کا پہلو نکلتا ہے کہ ذم کا۔ اس ذیل میں انہوں نے علیم صبا نویدی کی شعری لغزشوں کی نشاندہی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”اک نہ اک طوفان سے روزانہ اک مڈبھیڑ ہے
تھامنے کو روز اپنا دامن آئے مصطفیٰ

پہلے مصرعہ میں لفظ مڈبھیڑ بہت ثقیل ہے۔ اگرچہ یہ پابند شاعری ہے مگر مصرعہ میں کوئی رچاؤ اور پختگی نہیں ہے۔ دوسرے مصرعہ میں محاورہ کے غلط استعمال سے ایسا گستاخ آمیز مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ الامان والحفیظ۔ دامن اس کا تھا ما جاتا ہے جس سے آدمی مدد یا نجات کا طالب ہوتا ہے۔ ”دامن تھامنے“ کے بجائے یہاں ”بازو تھامنے“ کا موقع تھا۔ بازو کمزور کا تھا ما جاتا ہے۔ محاورہ کے فرق کو

محفوظ نہ رکھنے کے سبب کتنی بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ اور لکھتے ہیں:

کس کی خاطر عالمِ امکاں کا ہے یہ اہتمام
ہم سمجھتے ہیں کہ سب کچھ ہے برائے مصطفیٰ

اس میں چند در چند غلطیاں ہیں۔ ہم صرف ایک بڑی معنوی غلطی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

”..... مطلب یہ ہوا کہ ہماری سمجھ سے واقعہ تو یہ ہے لیکن بعض دوسروں کی سمجھ اس کے خلاف ہو سکتی ہے..... یہ تو کائنات کا خالق ہی بتا سکتا ہے کہ کائنات کس کے لیے ہے..... شاعر اسے اپنے ذمے لے رہا ہے ”ہم سمجھتے ہیں“ کی جگہ اگر ”قولِ ربی ہے“ ہوتا تو شعر اچھا ہو یا نہ ہو، بات درست ہوتی۔

بعدِ رحمت بھی صبا کو آپ سے امید ہے

کون ہوگا حشر میں اپنا سوائے مصطفیٰ

یہاں ”بھی“ کا استعمال ایسا غلط ہے جس نے معنی میں عیب پیدا کر دیا ہے۔ اگر بات یوں ہوتی کہ اپنے گناہوں کے بعد بھی آپ سے رحمت کی امید ہے تو بات درست ہوتی۔ یہاں ”رحمت“ کو عیب کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور شعر ہے:

میری اپنی پتلیاں ان پتلیوں میں ڈوب جائیں

زیر لب جن پتلیوں میں مسکرائے مصطفیٰ

”پتلیوں میں پتلیاں ڈالنا“ کون سا محاورہ ہے؟ اس میں مدح کا کونسا پہلو ہے؟ جس ہستی کی خاک پا کو مؤمن اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے کا آرزو مند ہوتا ہے، شاعر بجائے ان کی خاک پا کو اپنی آنکھوں میں لگانے کے اپنی آنکھوں کو ان کی آنکھوں میں ڈبونا چاہتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ کہنے والا ہی سمجھے۔ یہ بھی شعر دیکھئے:

تیرگی کی بھیڑ سے باہر نکلنا ہے مجھے

میرے آگے ضوفشاں ہے نقشِ پائے مصطفیٰ

”اللہ ان کا دوست ہے جو ایمان لائے انھیں وہ (کفر کی) تاریکی سے نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لاتا ہے۔ قرآن میں یہاں تیرگی سے مراد کفر کی تیرگی ہے..... لیکن یہاں شاعر لکھتا ہے کہ اسے ابھی تیرگی سے نکلنا ہے۔ گویا ابھی اسے ایمان کی روشنی نہیں ملی..... پہلا مصرعہ یوں ہوتا تو یہ اعتراض جاتا رہتا ع تیرگی کی بھیڑ سے شکرِ خدا میں بچ گیا، یوں یہاں لفظ ”بھیڑ“ بھی حشو ہے..... اور دیکھئے

دوسرے سایہ کو کیا دیتی جگہ اپنی جگہ

یہ زمیں سایہ بنی تھی زیرِ پائے مصطفیٰ

دونوں مصرعوں میں کیا ربط ہے؟ اور شاعر کیا کہنا چاہتا ہے؟ یہ وہی سمجھ۔ یہ شعر بھی ہے:

مسجد و منبر میں اسکو قید کیوں کرتے ہیں لوگ

گو نجاتی ہے دونوں عالم میں صدائے مصطفیٰ

..... شاعر کے دل میں یہ بات رہی ہوگی کہ چاہیے کہ مسجد میں بیغام محدود نہ کریں بلکہ اسے سارے

عالم میں پھیلائیں۔ اگر مقصد یہ ہے تو پہلا مصرعہ یوں ہونا چاہیے تھا۔ مسجد و منبر میں کیوں محدود

کرتے ہیں اسے..... لیکن پھر بھی شعر صفائی بیان سے محروم ہے۔ شعر میں جہاں صراحت کی

ضرورت ہو وہاں ابہام یا گنجلک بیان عیب ہے۔ اس میں لفظ منبر ”حشو“ ہے۔ (۶۴)

عارف عبدالمبین کی نعت کے کچھ اشعار نقل کر کے ڈاکٹر وحید اشرف کچھ چھوٹی نے کئی اسقام

کی نشاندہی کی ہے:

”تری حدیث ترے رو برو سناؤں تجھے

یہ آرزو ہے کبھی آئینہ دکھاؤں تجھے

..... آئینہ دکھانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والا اپنے چہرے کے عیب کو دیکھ لے۔ ”تری

حدیث۔“ کا کیا مطلب ہے؟ یہ بھی گستاخ آمیز کلمہ ہے۔

مرا وقار بھی تو ہو مری پناہ بھی تو

میں خود زمین بنوں آسمان بناؤں تجھے

..... یہ زمین و آسمان بلکہ ساری کائنات جس کے طفیل ہے اور آسمان بھی جس کے علوم مرتبہ کے آگے

پست ہے شاعر اس کو آسمان بنانا چاہتا ہے۔ ع بدیں عقل و دانش بایاد گریست۔“

اس شعر پر گفتگو کرتے ہوئے پروفیسر وحید اشرف نے دھیان نہیں دیا کہ شاعر نے بالکل

نسوانی جذبات کی عکاسی کی ہے۔ حضور ﷺ کی ذات اقدس سے اپنے تعلق کی خواہش کا یہ اظہار بھی قابل

اعتراض ہے۔ بہر حال موصوف آگے لکھتے ہیں:

”برس رہی ہے ترے رخ کی چاندنی تجھ پر

قریب آ کہ میں سینے سے بھی لگاؤں تجھے

..... شاعر نے جرات نازیبا سے کام لیا ہے۔ خود رسول اکرم ﷺ جس کو سینے سے لگالیں تو اس کی

قسمت چمک جائے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے ایک غلام حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سینے سے لگا کر ان کے علوم مرتبہ کو ظاہر کر دیا تھا۔ شاعر کو سوچنا چاہیے تھا وہ آقائے دو عالم ﷺ سے خطاب کر رہا ہے۔

تو مجھ سے روٹھ مگر روٹھنے سے پہلے بتا
تو روٹھ جائے تو میں کس طرح مناؤں تجھے
یوں کہنا ”تو مجھ سے روٹھ“ نعتیہ کلام میں سخت نازیبا ہے۔

یہ میرا شوق کہ میں تجھ کو بر ملا دیکھوں
یہ میرا رشک کہ میں خود سے بھی چھپاؤں تجھے
[درج بالا] اشعار خالص تغزل کے اشعار ہیں جو رسول اکرم ﷺ کی شان کے منافی ہیں۔ شاعر اگر سورہ حجرات کی تفسیر پڑھ لیتا تو اسے کچھ اندازہ ہوتا کہ یہاں ادب کو کس طرح مد نظر رکھنا چاہیے۔ (۶۵)

ڈاکٹر وحید اشرف کچھوچھوی نے صفحات ۱۰۲ سے ۱۱۸ تک راقم الحروف کی کتاب ”اردو نعت اور جدید اسالیب“ کے حوالے سے گفتگو کی ہے۔ اس لیے یہاں ان کے مذکورہ مضمون پر گفتگو نہیں جاسکتی۔ ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی، شاعر بھی ہیں۔ انہوں نے نعتیہ شاعری کی نزاکتوں کے حوالے سے شعری زبان میں بھی کچھ نکات بیان کیے ہیں۔ یہ نکات نعت نگاروں میں تنقیدی شعور کے اضافے کا باعث ہوں گے، اس لیے وہ اشعار درج ذیل کیے جاتے ہیں:

نعت لکھنے کا ہنر شرطِ دگر مانگے
عشق اور روشنیِ قلب و نظر مانگے ہے
قلب سے خامہ طلبگارِ اثر لفظ میں ہے
لفظ خامہ سے مگر زورِ اثر مانگے ہے
عشق استادِ ادب ہے نہیں محتاجِ ہنر
ہاں مگر سوزِ دل اور خونِ جگر مانگے ہے
طالبِ عفو اگر ہے تو نہ کر عرضِ ہنر
عفو تو تجھ سے ندامت کی نظر مانگے ہے
جذبہء عشق کبھی چاہتا ہے خونِ جگر
اور کبھی عاشقِ جانناز کا سر مانگے ہے

نعت کے واسطے آواز قلم وقت رقم

مجھ سے قلب و جگر سوختہ تر مانگے ہے، (۶۶)

یہ ہے وہ پرسوز صدا جو باہوش نعت گو کے دل سے نکلی ہے۔ نعتیہ شاعری میں جذبہء عشق محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا آواز بلند کرنے والے نعت گو، اس صدا میں، لفظ و معنی اور زبان و بیان کی صداقت کے ساتھ ساتھ عرضِ ہنر میں خاطر خواہ محنت کرنے کی ترغیب کے عناصر بھی پائیں گے۔ ڈاکٹر سید وحید اشرف کا تنقیدی اسلوب، مقنن تنقیدی دبستان کی نمائندگی بھی کرتا ہے اور مقنن، اصلاحی اور جمالیاتی تنقیدی دبستانوں کے امتزاج کا آئینہ دار بھی ہے۔

☆ نعت کے چند شعرائے متقدمین، ڈاکٹر سید شمیم گوہر:

ڈاکٹر سید شمیم گوہر کی یہ کتاب الہ آباد (بھارت) سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں نو شاعروں کی نعتیہ نگارشات کا فنی جائزہ لیا گیا ہے۔ مصنف کی یہ تصنیف تحقیقی اور تنقیدی لحاظ سے قابل ذکر ہے۔ غلام امام شہید کے کلام پر ان کی رائے درج ذیل کی جاتی ہے:

”مولود شہید نہ صرف فکری و فنی بلکہ صحت و واقعات و روایات کے لحاظ سے بھی جامع ہے اسی وجہ سے اس کو علمی حلقوں میں خوب سراہا گیا بالخصوص اس کے شعری حصے کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی.....“
 ’قصائدِ نعتیہ‘..... پورا مجموعہ قصائد اور غزلوں پر مشتمل ہے..... اس مجموعے کی تاریخی انفرادیت اس کی نعتیہ غزلیں ہیں اور یہی وہ نعتیں ہیں جو غزل کی شکل و ہیئت میں سامنے آکر نہ صرف مولانا شہید کے انقلابی کارنامے کو واضح کرتی ہیں بلکہ صنفِ نعت کو پائدار بنا کر اردو ادب کی قسمت سنواری ہیں۔ کیسی کیسی معیاری اور جامع غزلیں کہی ہیں۔ اگر ایک طرف حرفِ حرف سے مولانا کی عقیدت و محبت اور وارفتگی شوق کی چمک چمک پڑتی ہے تو دوسری جانب فکر و فنِ پیچنگی و مہارت اور روانی و بیساختگی کا دریا بہتا ہوا بھی نظر آتا ہے۔ اظہار کوائف، قلب و نظر اور احساسِ معصیت ان کی شاعری کا روشن خاصہ ہے۔ جلوۂ روحانی کی بارگاہ میں جتنی بھی غزلیں کہی ہیں ان کی کشش و معیار کا سلسلہ کہیں ٹوٹنا نظر نہیں آتا۔ اردو کی نعتیہ شاعری کی یہ ادا، یہ نیا انداز، یہ نئی آنچ، یہ نیا بانگین اور یہ نئی لچک مولانا شہید نے عطا فرمائی ہے اور نعتیہ غزل کی ہیئت سازی میں انقلاب پیدا کرتے ہوئے تیر ہوئیں صدی ہجری کے وسط میں قابلِ فخر خدمات انجام دی ہیں۔“ (۶۷)

اسی طرح سید کفایت علی کافی مراد آبادی کی نعتیہ شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مولد شریف بہار یہ مطبوعہ نظامی پریس کانپور ۱۳۷۳ھ حضرت کافی کا دیوان ہے..... حضرت کافی کو

مثنوی گوئی پر ملکہ حاصل تھا۔ عشق و محبت اور فکر و نظر کی روشنی میں ڈوبی ہوئی ان کی بعض مثنویاں اردو شاعری میں بہترین اضافہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔..... مولد شریف بہاریہ میں شامل چند غزلوں کی فکری و فنی بلند یوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس طور پر بھی کی اردو نعتیہ غزلوں کے ابتدائی دور کے یہی وہ مخصوص فن پارے ہیں جن کی بنیاد پر نعتیہ غزلوں کو بتدریج فروغ حاصل ہوتا رہا۔ غزلوں کا انداز بیاں نہایت سلیس و شستہ اور لطیف و پختہ ہے معنی و مفہیم کے اعتبار سے بھی جامعیت کی پیکر نظر آتی ہیں۔ شعر گوئی میں مہارت و کمال رکھتے تھے۔ البتہ وہ گہرائی اور تہداری کے عناصر کم ہیں جو شہیدی اور شہید کے ہاں ہے۔ تاہم مکمل صحت و سلامتی اور پختہ کاری کے اعتبار سے دیکھا جائے تو حضرت کافی کی غزلوں کی حیثیت مسلم ہے۔ نمونہ کلام:

کوئی گل باقی رہے گانے چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا
ہم صفیر و باغ میں ہے کوئی دم کا چچہا
بلبلیں اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائے گا
اطلس و کخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو
اس تن بیجان پر خاک کی کفن رہ جائے گا“ (۶۸)

حضرت کافی کا جو کلام شمیم گوہر نے نمونے کے طور پر دیا ہے اس میں زیادہ تر مضامین اخلاقی اصلاح اور عبرت کے حوالے سے شعری بُت میں آئے ہیں۔ کافی اور ان کے عہد اور مابعد کے بہت سے شعراء کے ہاں یہ روش نعت کا جزو بنی ہے۔ حضور اکرم کی تعلیمات کے عملی نفاذ کے لیے یہ تذکیر ضروری ہے اس لیے یہ مضامین نعتیہ شاعری کے اچھے نمونوں میں شمار ہوتے ہیں۔

حسن رضا بریلوی کے شعری کمال اور فنی جمال کا ذکر، شمیم گوہر نے اس طرح کیا ہے:

”حسن بریلوی کا بڑا انفرادی مقام ہے وہ اگر ایک طرف عظمت رسالت، اظہارِ معصیت، التجائے مغفرت اور احساسِ ندامت جیسے حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی شاعری کا حق ادا کرتے ہیں تو دوسری طرف عمیق معنویت، فنی تہداری، فصاحت و بلاغت اور لطیف طرزِ اسلوب پر بھی خصوصی زور دیتے ہیں۔ قدم قدم پر منصب رسالت کی رعایت، نزاکت و نفاست اور شرعی احتیاط و پابندی کے باوجود آزاد فکروں کو متاثر کر دینے والی فنی بلاغتوں اور فکری کاوشوں کے قیمتی موتی بکھیر دینا کوئی آسان کام نہیں ہوتا مگر کچھ کر گزر جانے کے ایمانی حوصلے نے حسن بریلوی کو ہر اعتبار سے سرخرو

کیا۔ اردو کا کوئی بھی عظیم نعت گو ہو حضرت حسن نہ کسی سے مرعوب ہوتے نظر آتے ہیں اور نہ ہی کسی شاعر کے سامنے ان کا شعری وقار ہلکا دکھائی دیتا ہے۔ ان کی شاعری قرآن و احادیث، تاریخ و سیر، واقعات و کردار اور تہذیبی عوامل کی ترجمانی ے منور ہے اور پورا دیوان عشق و محبت میں رچے بسے اور مہکتے اشعار سے معطر ہے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان کے رخسار پر ڈھلکے ہوئے سارے آئینے ان کے دیوان کے صفحات پر بکھر کر رہ گئے ہوں..... چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

دکھائی جائے گی محشر میں شان محبوبی
کہ آپ ہی کی خوشی آپ کا کہا ہوگا
عزیز بچے کو ماں جس طرح تلاش کرے
خدا گواہ یہی حال آپ کا ہوگا
جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعل پاکِ رسولؐ
تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں (۶۹)

ڈاکٹر شمیم گوہر نے ایک محقق نقاد کی حیثیت سے جناب حسن رضا بریلوی کے کلام کی قدر افزائی کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

”حسن بریلوی کی شاعری میں مضمون آفرینی کا وقار بہت اعلیٰ ہے اور ان کی شاعری کا یہ وصف نمایاں اور اہم ہے۔ داخلی محرکات و کوائف میں غضب کی بے ساختگی ہے وہ تقدس مآب مشاہدات و تخیلات کو ترتیب دے کر بڑی آسانی سے اشعار کے سانچے میں ڈھال دیتے ہیں۔ آورد کی زور آزمائی سے مبرا ان کے جذبات میں ہر جگہ آمد کا بہاؤ ہے۔ اس جذباتی بہاؤ نے اپنی قدر و قیمت کو کہیں بھی ہلکا نہیں ہونے دیا۔ انتخاب الفاظ یا شوکت الفاظ کی آب و تاب کے ساتھ ساتھ استعارہ و کنایہ اور تمثیلات و تشبیہات کی جلوہ گری بھی ان کی شعری عظمتوں میں اضافہ کرتی ہے۔ زبان و بیان اگرچہ صاف و سلیس ہے مگر فارسی و عربی کی آمیزش کا زور ایک نئی کیفیت و معیار کا تعین کرتا ہے۔ اس کے علاوہ مشکل سے مشکل زمین کو آسان بنا کر اعلیٰ افکار و تخیلات کی دولت سے نواز دینا، یہ بھی حسن بریلوی کی پختہ کاری کا نمایاں ثبوت ہے۔ محاوروں کے استعمال پر تو گویا انھیں مہارت حاصل تھی ویسے جدت نوازی اور معنوی [معنی] آفرینی ان کی شاعری کا سب سے قیمتی جوہر ہے جو عشق رسالت کی تابانیوں سے مچلی ہے چنانچہ ان جملہ مرکزی و بنیادی اوصاف و محاسن کی روشنی میں انہوں نے اپنے شعری و فنی منصب کو کہیں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور نعتیہ شعر و ادب کے دامن کو وسیع کرنے

میں غیر معمولی خدمات انجام دیں۔“ (۷۰)

ڈاکٹر سید شمیم گوہر نے محققانہ اور نقادانہ بصیرت کے ساتھ جو رائے حسن بریلوی کے کلام پر دی ہے وہ بڑی چچی تلی اور مبنی بر حقیقت ہے۔ زبان و بیان کا سلیس ہونا ہماری کلاسیکی شعری روایت میں ہی نہیں بلکہ جدید روایت میں بھی شعری حسن کی ضمانت ہے۔ معنی آفرینی اور انتخاب الفاظ کا سلیقہ بھی فنی چستی کی دلیل ہے۔ استعارہ و تشبیہ کا حسن بھی شعری قدر بڑھاتا ہے۔ یہاں شمیم گوہر نے فنی جمالیات کی روشنی میں حسن بریلوی کے کلام کو پرکھا ہے۔ صرف شرعی پیانوں سے شاعری کی جانچ پڑتال نہیں کی ہے۔ حسن رضا خاں کی شاعری کا شرعی پہلو ویسے ہی بڑا مربوط اور مضبوط ہے۔

ڈاکٹر شمیم گوہر مہاراجہ کشن پرشاد، شاد کے نعتیہ کلام پر لکھتے ہوئے ان کی شاعری کے محاسن کا ذکر یوں کرتے ہیں:

”مہاراجہ شاد فارسی شعر و ادب کے بھی زبردست ماہر تھے انہوں نے زبان فارسی میں بھرپور شاعری کی اور ایک قیمتی مطبوعہ دیوان یادگار چھوڑا اردو دیوان کا نام ”بیاض شاد“ ہے۔ بیاض کی ابتداء بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کی گئی ہے..... پورا بیاض صوفیانہ و عارفانہ اور نعتیہ شاعری کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ بالخصوص حمدیہ نعتیہ اشعار کی کثرت ہے..... مہاراجہ شاد کی نعتیہ شاعری ایک مرکزی حیثیت کی حامل ہے اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے سنجیدہ جذبات و تخیلات اور احساس و افکار کا اظہار نہ صرف بیاض شاد میں کیا ہے بلکہ خراج عقیدت کے طور پر ”حمکہ رحمت“ کے نام سے باقاعدہ نعتیہ مجموعہ پیش کر دیا ہے جو ان کی شاعری کے والہانہ پن اور خصوصی رجحان و میلان کا ایک قیمتی تحفہ ہے۔ مہاراجہ شاد اگرچہ ایک ہندو شاعر تھے مگر عقیدت کا عالم دیکھئے:

سازگار اپنا زمانہ ہو گیا ہند سے طیبہ کو جانا ہو گیا
دفن یثرب میں ہوا لاشہ مرا اب مسافر کا ٹھکانہ ہو گیا
بت پرستی اب کہاں باقی رہی اس کو چھوڑے اک زمانہ ہو گیا
کفر چھوڑا پی کے مے توحید کی رنگ شاد اب عاشقانہ ہو گیا
شفاعت تری شاد کیوں کر نہ ہوگی کہ دل سے ہے تو مدح خوان محمدؐ

شاد کی نعتیہ شاعری جذبہ عقیدت اور حسن لطافت سے وابستہ ہے زبان و بیان معیاری اور باوزن ہے جس میں پلک، لطافت، نزاکت اور سادگی و روانی ہے۔ تصورات میں سنجیدگی اور ٹھہراؤ ہے اور عقیدت و محبت میں رکھ رکھاؤ ہے..... ہندو شعراء کی صف میں مہاراجہ کشن پرشاد شاد کی شعری حیثیت

اپنی جگہ مسلم ہے۔ (۷۱)

شاد کی شعری اقدار کی تحسین کے لیے شمیم گوہر نے تاثراتی دبستانِ تنقید کا سہارا لیا ہے۔ ڈاکٹر سید شمیم گوہر کی کتاب میں متنوع تنقیدی آراء پائی جاتی ہیں۔ تاریخی حوالے سے بھی تنقیدی آراء ملتی ہیں اور فنی جمالیات کی تحسین میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ ان کے منہاج نقد میں تقابلی طریق کار بھی ملتا ہے اور تاثراتی بھی۔ اس لیے ڈاکٹر سید شمیم گوہر کی تنقید کو ہم مختلف تنقیدی دبستانوں کا امتزاج کہہ سکتے ہیں۔

۳۔ نعت اور تنقید نعت:

ڈاکٹر سید محمد ابو لکھ کشفی کی یہ کتاب نو مضامین پر مشتمل ہے، جن کے عنوانات درج ذیل ہیں:

[۱] نعت کے عناصر۔ [۲] نعت کے موضوعات۔ [۳] نعت اور گنجینہ معنی کا طلسم۔ [۴] غزل میں نعت کی جلوہ گری۔ [۵] نعت کے جگنوؤں کے تعاقب میں (ماضی کا سفر)۔ [۶] نعت گوئی اور سیرت و نعت کی محافل کا مطالعہ اعلیٰ تعلیم میں۔ [۷] اردو میں نعت کا مستقبل (ایک ریڈیائی فچر)۔ [۸] سلام رضا کے دو باغوں کی سیر۔ [۹] ہیں مولا بچہ ہم (ایک تاثر)۔

ڈاکٹر کشفی کے یہ تمام مضامین، ان کی تنقیدی بصیرت کے آئینہ دار ہیں۔ ان تمام مضامین میں تنقیدی اشارے پائے جاتے ہیں مثلاً ”غزل میں نعت کی جلوہ گری“ والے مضمون کو ہم ”قاری اساس تنقید“ کی روشنی میں پڑھ سکتے ہیں۔ نمبر ۸ اور ۹ پر درج دو مضامین کا تنقیدی منہاج ”تاثراتی تنقید“ سے وابستہ ہے۔ یہاں ہم ڈاکٹر کشفی کی تنقید کے چند نکات ہی کی تفہیم کی کوشش کریں گے۔ مثلاً ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

”ہم ایک ہی جملے یا شعر یا مصرعے کو مختلف انداز سے ادا کر سکتے ہیں اور طرز ادا کے اختلاف سے معانی بدل جاتے ہیں، یوں طرز ادا کو معنی کی حیثیت حاصل ہے۔“ (۷۲)

اس جگہ ڈاکٹر کشفی نے ”قاری اساس تنقید“ (Reader Oriented)

(Criticism/Reader Response Criticism) کا حوالہ دے بغیر اس تنقیدی رجحان کا عملی مظاہرہ کیا ہے۔ قاری اساس تنقید کا سارا زور ہی کسی فن پارے کی قراءت پر ہوتا ہے۔ گو پی چند نارنگ نے قاری اساس تنقید کے اس پہلو کو اجاگر کرنے کے لیے لکھا ہے:

”قراءت کا عمل مجہول عمل نہیں ہے، بلکہ قاری کا ذہن قراءت کے دوران فعال رہتا ہے اور قاری کی

یہ ذہنی فعالیت متن کو وہ معنی دیتی ہے جو متن سے مراد لیے جاتے ہیں..... متن میں معنی بالقوۃ موجود ہیں، لیکن وہ عامل قاری ہی ہے جو متن کے معنی کو موجود بناتا ہے۔ یوں سمجھیے کہ متن بارود کی ٹکڑی ہے، قراءت کا عمل فٹیلہ دکھاتا ہے جو اشتعالک پیدا کرتا ہے، اور یوں وہ بھٹکڑی روشن ہوتی ہے جس کو معنی کا چراغاں کہتے ہیں۔“ (۷۳)

ڈاکٹر کشفی نے ”غزل میں نعت کی جلوہ گری“ میں جن اشعار کی معنویت کا سراغ نعتیہ مضمون سے جوڑا ہے ان میں کوئی قرینہ نعت کا نہیں ہے لیکن قراءت کے عمل اور قاری کی نفسیاتی کیفیت نے ان اشعار کو نعتیہ مضمون کا حامل بنا دیا ہے۔ اس نکتے کو سمجھاتے ہوئے ڈاکٹر کشفی نے اسلامی معاشرے کی اجتماعی نفسیات کا حوالہ بھی دیا ہے اور شعراء کی انفرادی سانگی (Psyche) میں جھانکنے کی بھی کوشش کی ہے مثلاً ایک واقعہ لکھتے ہیں:

”حضرت احسان دانش کی وفات سے دس بارہ دن پہلے ان سے لاہور میں بڑی تفصیلی ملاقات ہوئی..... حضرت احسان دانش نے شعر سنایا:

ہوائیں ماری ماری پھر رہی ہیں ترانقش کف پا ڈھونڈنے کو
میں نے کہا: ”چچا! یہ نعت کا بہت خوب صورت شعر ہے“۔ مرحوم نے فرمایا ”نہیں! میں نے نعت میں یہ شعر نہیں کہا ہے“۔ گفتگو کا سلسلہ کسی اور طرف مڑ گیا۔ دس پندرہ منٹ کے بعد احسان دانش مرحوم نے کہا: ”تم نے سچ کہا، یہ نعت ہی کا شعر ہے“۔ میں نے عرض کیا کہ تخلیقی عمل بڑی پیچیدہ چیز ہے۔ ضروری نہیں کہ فن کار پر تخلیق کا ہر مرحلہ پوری طرح روشن ہو“۔ (۷۴)

فرانس کا مشہور ساختیاتی مفکر رولان بارتھ RONALD BARTHES کہتا ہے: ”ادب فی نفسہ ابہام سے لبریز ہے اور ایک ہی فارم میں کئی معنی ساتھ ساتھ عمل آ رہے ہو سکتے ہیں“۔ (۷۵)

ڈاکٹر کشفی کی عملی تنقید کا مظاہرہ، تنقید کے کس رجحان کی عکاسی کر رہا ہے، اس کا اندازہ رولان بارتھ کی اس عبارت سے ہو جاتا ہے۔ البتہ، ادب کے استاد (کشفی) نے رولان بارتھ کے اس نظریے کی عملی طور پر تردید کر دی کہ مدرسانہ یا مکتبی تنقید ”یک سطحی“ تنقید ہوتی ہے اس کا کہنا تھا کہ ”مکتبی تنقید، متن کے صرف متعینہ طے شدہ معنی کو صحیح سمجھتی ہے اور نہات ڈھٹائی سے اس پر اصرار کرتی ہے۔ متعینہ معنی تو صرف لغوی معنی ہو سکتے ہیں، اور ادب میں اکثر و بیشتر وہ بیہودگی کی حد تک غلط ہوتے ہیں“۔ (۷۶)

شعر کی معنوی جہتوں کی تفتیش کے لیے نقاد کا ذہن جتنا فعال ہونا چاہیے، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی

نے اسی ذہنی فعالیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کچھ شعراء کے غزل کے اشعار میں نعت کے پہلو تلاش کیے اور ان اشعار کی معنیاتی تعبیر کا جواز پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ ظاہر ہے، جو معانی انہوں نے برآمد کیے وہ ان اشعار کے مرادی معانی ہیں اور خود شاعروں نے وہ اشعار کہتے وقت معانی کے اس لونی عکس SHADE کو نہ تو دیکھا تھا اور نہ ہی شعوری طور پر یہ معنی اشعار میں سمونے کی کوشش کی تھی۔ یہاں پھر مجھے رولاں بارتھ یاد آگیا جو کہتا ہے:

”متن اپنے والد کے دستخط کے بغیر پڑھا جاتا ہے“

(FATHER'S SIGNATURE) (۷۷)

حسرت موہانی کے اشعار میں نعت کی جلوہ گری دیکھتے ہوئے ڈاکٹر کشفی لکھتے ہیں:

”مولانا کے بے پناہ نعتیہ اشعار کا رشتہ ادب کے ناقد اور قاری ان کے حقیقی مصداق سے قائم نہیں کر سکے ہیں۔ مولانا کے درج ذیل اشعار کا مطالعہ میرے معروضات کی روشنی میں کیجیے اور پھر فیصلہ کیجیے کہ کیا ان اشعار کو نعت کے حوالے اور حب رسول کریم ﷺ کے تناظر کے بغیر سمجھا جاسکتا ہے؟ حسرت کی افتاد طبع کو بھی سامنے رکھیے:

نگاہ یار جسے آشنائے راز کرے وہ اپنی خوبی قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے
دلوں کو فکر دو عالم سے کر دیا آزاد ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے
ہیچ ہم سمجھے دو عالم کو تو حیرت کیا ہے رتبے عشاق کے اس سے بھی سوا ہوتے ہیں
سیہ کار تھے باصفا ہو گئے ہم ترے عشق میں کیا سے کیا ہو گئے ہم
دل میں جادے کے ترے درد کو اباب ہوس اب بھی گرچا ہیں تو گنجائش ایماں کر لیں
دل کو جمال یار کے فیضان عشق نے قدیل عرش حق کے مماثل بنادیا
اے حسن بے مثال تری دید کے لیے درکار دیدہ دل بینائے عشق ہے
ان اشعار کی نعت صفتی پر شاید کسی طویل گفتگو کی ضرورت نہیں۔ مضمون، اسلوب اور الفاظ کے انتخاب سے ان کی جہت کا تعین ہو جاتا ہے۔ ”نگاہ یار“ کا عام عشقیہ شاعری میں کردار یہ ہے کہ وہ تغافل برتی ہے، عاشق کے جذبات کا اعتراف کرتی ہے، شرماتی ہے، آنکھ حسن محبوب کا دریچہ ہے مگر آشنائے راز کا تلازمہ نہیں ملتا۔ آنکھ عشق کے راز کو واضرور کرتی ہے مگر راز سے آشنا کرنا ایک دوسری اور بلند تر سطح کا عمل ہے۔ اس راز سے تو عاشق بھی آگاہ نہیں تھا۔ یہ آگاہی، یہ معرفت نگاہ ناز نے عطا کی ہے۔ ”ہیچ ہم سمجھے دو عالم کو تو حیرت کیا ہے“، یہاں کلیدی لفظ ”ہیچ“ ہے۔ دو عالم کو بھلا دینا، غم

جاناں کو اپنا کر غم دوراں اور آلام روزگار کو آساں بنالینا، ستم ہائے روزگار کے باوجود کسی کے خیال سے غافل نہ ہونا، ان واردات و کوائف سے عشقیہ شاعری کا دامن بھرا ہوا ہے۔ مگر وہ عالم کو بیچ جاننا، عشق محمدی ﷺ ہی کا عطیہ ہے۔ اور پھر اس عشق کے نامعلوم اور غیر دریافت شدہ مراحل کا بوجھ گویائی کب سہا رسکتی ہے۔ عاشق تو بس اتنا اشارہ ہی کر سکتا ہے ”رتے عشاق کے اس سے بھی سوا ہوتے ہیں“۔ آگ کو راکھ میں بدل دینا، دوسروں کے درد و غم کا احساس پیدا ہو جانا، جذبات کی نرمی، یہ سب باتیں کسی بھی محبوب کی محبت میں حاصل ہو سکتی ہیں۔ مگر ”با صفا“ صرف عشق محمدی ﷺ بنا سکتا ہے۔ اس شعر میں صحابہ کرامؓ سے لے کر ہر دور کے وہ برگزیدہ امتی اپنی سوانح سناتے نظر آتے ہیں جن کو نگاہ محمد ﷺ نے تقویٰ اور صفائے قلب کا امام بنادیا۔ غزل کی عام روایت تو یہ ہے کہ ”قفقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا“ اور ”زنار باندھ سجدہ صد دانہ توڑ دے“، تو مولانا حسرت اس روایت کو روایت ہو س قرار دیتے ہیں اور ارباب ہوس سے کہتے ہیں کہ رسول عربی ﷺ کی محبت کو دل میں جگہ دے کر ”اب بھی گرچا ہیں تو گنجائش ایماں کر لیں“ اور یہ محبت وہ ہے جو دل کو ”قتدیل عرش حق کے مماثل“ بنا دیتی ہے۔ (۷۸)

فیض احمد فیض کی غزل میں نعتیہ مفاہیم کا سراغ لگانے کے لیے بھی ڈاکٹر کشنی نے نہ صرف شاعری کا تجزیہ کیا ہے بلکہ فیض کی تحلیل نفسی کی بھی کوشش کی ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

”فیض صاحب کی زندگی اور ان کی شاعرانہ لغت میں مذہب کے گہرے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان کے خیال کے ساتھیوں کی شہادت موجود ہے کہ وہ ایامِ اسیری میں درس قرآن حکیم دیتے تھے۔ پھر یہ روایت کہ وہ اپنی وفات سے پہلے اپنے آبائی وطن گئے اور وہاں نماز کی امامت کی۔ ان کی شاعرانہ لغت اور امیجری میں بھی مذہب اور اس کی روایات بہت نمایاں ہیں۔ ”شورش زنجیر بسم اللہ“، ”آئیے ہاتھ اٹھائیں ہم بھی“، ”ترا دست، دست عیسیٰ، تری یاد روئے مریم“۔ ایسے شاعر ”کے کلام میں مجھے کوئی نعت نظر نہ آئی اور پھر ہوا یوں کہ ٹیلی ویژن کے ایک مذاکرے میں، میں نے کہا کہ اردو کے ہر بڑے شاعر کے کلام میں ہمیں نعت نظر آتی ہے۔ شعراء اپنے دیوان یا کلیات کا آغاز حمد و نعت کے اشعار سے کرتے تھے۔ آج بھی یہ دستور قائم ہے، لیکن عہد حاضر کے ایک بڑے اور اہم شاعر کے کلام میں ہمیں نعت کا جلوہ نظر نہیں آتا۔ شاید یہ بات اس سے زیادہ واضح الفاظ میں اس طرح کہی گئی تھی کہ سننے والوں کا ذہن فیض صاحب کی طرف منتقل ہو جاتا۔ اس واقعے کے کچھ عرصے بعد، بہن باجرہ مسرور نے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ میں وقت پر پہنچ گیا۔ فیض صاحب

پہلے سے موجود تھے، دوسرے مہمان ابھی نہیں آئے تھے۔ میں نے سلام کیا، انہوں نے نہایت بے دلی سے جواب دیا۔ یہ وہ فیض صاحب نہیں تھے جن سے میں واقف تھا۔ کمرے میں خاموشی طاری تھی۔ ذہن میں آیا کہ فیض صاحب ناراض ہیں۔ دل کا چور زبان پر آ گیا۔ میں نے کہا ”فیض صاحب کیا بات ہے، آپ کچھ ناراض سے معلوم ہوتے ہیں“۔ فیض صاحب نے سگریٹ کا ایک کش لیا اور پھر اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں کہنے لگے کہ جس ذات گرامی کے حوالے سے آپ نے ٹیلی ویژن پر اپنے غصے یا دوسروں کی کوتاہی کا جس طرح اظہار کیا تھا، اس انداز کا اس ذات سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ کسی گنہگار یا خطا کار کے کانوں میں جو بات کہنی چاہیے اس کو دنیا میں یوں پھیلانے کا خلقِ عظیم محمد ﷺ سے کیا تعلق اور آپ تو ادب کے استاد ہیں۔ کیا آپ اپنے طالب علموں کو اس بہت ہزار شیوہ سے متعارف نہیں کراتے جسے غزل کہتے ہیں۔ اگر آپ نے ہمدردی اور دل بیدار کے ساتھ میری غزلوں کا مطالعہ کیا ہوتا تو نعت کے اشعار مل جاتے، اور اس مختصر گفتگو کے بعد فیض صاحب نے اپنا یہ شعر پڑھا:

شبحِ نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ جتنے چراغ ہیں تری محفل سے آئے ہیں
اور شاید یہ فیض صاحب ہی کا فیضانِ نظر ہے کہ غزل کی ماہیت کا یہ پہلو مجھ پر روشن تر ہو گیا اور غالباً یہ مضمون اسی گفتگو کا نتیجہ ہے۔“ (۷۹)

فیض کے تین اشعار نقل کرنے کے بعد ڈاکٹر کشفی نے ایک شعر پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اپنی بات کی وضاحت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اشعار مع تبصرہ یہاں پیش کر دیئے جائیں:

”رنگ و خوشبو کے، حسن و خوبی کے تم سے تھے، جتنے استعارے تھے
یہ جھائے غم کا چارہ، وہ نجاتِ دل کا عالم ترا حسنِ دستِ عیسیٰ، تری یادِ روئے مریم
سیکھی یہیں مرے دل کافر نے بندگی رب کریم ہے تو تری رہ گزر میں ہے
تیسرے شعر میں لہجے کا گداز اور نرمی دیدنی ہے۔ یہ سوز اور لفظی و معنوی تلازمے عہدِ حاضر کی غزل میں فیض صاحب کی شناخت ہیں۔ بندگی کا لفظ اس شعر کے معانی کی کلید ہے۔ محبت سے آدمی عاجز و سیکھتا ہے، غریبوں کی حمایت سیکھتا ہے، یاس و حراماں اور دکھ درد کے معانی سیکھتا ہے۔ محبت کے اخلاقی اور سماجی معاملات اور پہلو فیض صاحب کی نظم ”رقیب سے“ میں اس طرح آگئے ہیں کہ اس نظم، کو ہمارے شعری ادب میں ایک منفرد حیثیت حاصل ہو گئی ہے (اگرچہ رقیب کے بارے میں

ان احساسات کا اظہار دوسرے شاعر فیض صاحب سے پہلے کر چکے تھے)۔ لیکن ہنگی کا علاقہ دنیوی محبت سے قائم نہیں ہوتا۔ پھر دل کا فروغ عشقیہ شاعری میں ایک خوبی کا درجہ رکھتا ہے اور محبوب کی رہ گزرتو جنت کی راہوں سے عزیز تر ہوتی ہے اور رب کریم کی تلاش اس کو بچے کے شعری قرائن سے علاقہ نہیں رکھتی۔ شہر تارخ انسانی میں سب سے آباد ہمہ گیر گزرمحمدی ﷺ ہے۔ اس رہ گز پر سنت رسول اکرم ﷺ کا سایہ سروس پر چھایا ہوا ہے، یہاں ہنگی کے چراغ روشن ہیں۔ ملوکی صفات انسانی عمل کے قالب میں ڈھل کر یہاں جلوہ گر نظر آتی ہیں اور یہ صفات رب کریم تک ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ نبوت محمدی ﷺ، اثبات حق کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اقبال نے کہا تھا کہ دیدہ صدیق سے دیکھو تو: ع از خدا محبوب تر گرد دنی ﷺ

ایمانیات کے درس میں توحید پہلے آتی ہے اور نبوت اس کے بعد، مگر مومن کی زندگی میں نبوت محمدی ﷺ پہلے آتی ہے اور توحید اس کے بعد۔ حضور ﷺ کی زندگی اور سیرت کو دیکھ کر سابقون الاولون، ایمان لائے اور یہ سلسلہ آپ کے وصال کے چودہ سو سال بعد بھی جاری ہے۔ فیض صاحب کا یہ شعر ذات رسول کریم ﷺ سے وابستگی کی عجب مثال ہے۔ یہ بات پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ممکن ہے شاعر کو اپنی تخلیق کے تمام معانی، محرکات اور وسعتوں کی خبر نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے کسی محدود موضوع یا تجربے پر کوئی ایسا شعر کہا ہو جو محدود کو پھلانگ کر لامحدود کی قلمرو میں قدم رکھ دے۔ ہم میں سے کون، کسی شاعر کے کلام کے پیش منظر اور محرکات ذہنی کے بارے میں یقین سے کہہ سکتا ہے۔ مگر فیض صاحب کے پس منظر، دینی ادب سے ان کے شغف اور شخصیت کے اجزائے ترکیبی اور اسی کے ساتھ ساتھ ان کے فنی سلیقے اور الفاظ کے استعمال کے سلسلے میں ان کے رویے کے پیش نظر ہم یہی کہیں گے کہ فیض صاحب کا یہ شعر، نعت کا شعر ہے۔ پھر ”جتنے، چراغ ہیں“..... کے سلسلے میں انہوں نے جو کچھ فرما دیا تھا اس سے بھی ہمارے اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے۔“ (۸۰)

فضل احمد کریم فضلی کے ایک شعر کی روح تک پہنچنے کی کوشش میں کشفی کہتے ہیں:

”فضل احمد کریم فضلی پختہ اور بیدار ملی شعور کے مالک تھے۔ ان کی نظمیں اس کی شاہد ہیں۔ ان کے ناول پاکستان کی قومی اور سیاسی زندگی کی دستاویزوں کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کی دردمندی کا فنی اظہار ہیں۔ غزل میں بھی ان کا یہ انداز کہیں کہیں ابھر کر سامنے آتا ہے۔ ان کی ایک غزل میں نعت کا یہ سادہ، پرتائیر اور وسیع پس منظر کا حامل شعر نظر آتا ہے:

جب کوئی آپ کا بن گیا آدمی ہی بن گیا

سورۃ کائنات ﷺ کی نظر کی کیا اثر سے آدمی، کردار اور اعمال کے اعتبار سے یکسر بدل جاتا ہے۔ رات، دن کی چادر اوڑھ لیتی ہے، وحشت، انس اور شائستگی میں بدل جاتی ہے۔ سیرت سازی قرآن حکیم کا موضوع اور نبی اکرم ﷺ کے راستے اور سنت کا حاصل ہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ آج بھی تذکار محمد ﷺ سے آدمی کی زندگی نئے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔ فضلی صاحب کا یہ شعر، تصویر نہیں مرقع ہے۔ (۸۱)

یہ ہے وہ تجزیہ جو ”غزل طور“ لکھی ہوئی شاعری میں نعت کے خدو خال اجاگر کرنے کے لیے اور غزل کی ایمائیت میں پوشیدہ معنیاتی رنگوں کو واضح کرنے کے لیے ڈاکٹر کشفی نے پیش کیا۔ انہوں نے وہ تمام معنیاتی آفاق دریافت کرنے کی کامیاب کوشش کی جو شاعر کے منشا اور اعلان کے بغیر صرف تخلیق کا تجزیاتی مطالعہ کرنے سے ظاہر ہو سکے۔ قاری اساس تنقیدی دبستان کو عام شاعری میں بھی بہت کم برتا گیا ہے، نعت میں تو اس کے تعارف کی یہ اولین کوشش ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر کشفی نے اشارۃً بھی اس دبستان کا ذکر نہیں کیا۔ بہر حال یہ کاوش آئندہ گاموں کے لیے مشعلِ راہ بنے گی!

ان تنقیدی آراء میں ہمیں نفسیاتی تنقید، عمرانی تنقید، تاریخی تنقید اور قاری اساس تنقیدی دبستانوں کی ملی جلی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ ڈاکٹر کشفی کا بنیادی دعویٰ یا قضیہ (Thesis) یہ ہے:

”جب بھی شاعر محمد و دوسرے لامحدود کی طرف سفر کرتا ہے تو وہ حمد اور نعت کی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ اکثر تو شاعر کو خود بھی اپنے اس سفر کی خبر نہیں ہوتی۔“ (۸۲)

اور اسی خیال کی روشنی میں انہوں نے غزل کے مطالعے کا یہ سفر طے کیا ہے۔ نعتیہ شعری اوصاف تلاش کرنے کی یہ کوشش قابلِ قدر بھی ہے اور اس موضوع کی سرحدوں کو وسیع کرنے کی طرف ایک قدم بھی۔

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی نے نعت کے مطالعات میں پہلی بار لسانیاتی بحثیں بھی چھیڑیں اور قابلِ قدر نکات اٹھائے۔ ان مباحث کے لیے مذکورہ کتاب میں ان کا مضمون ”نعت اور گنجینہ معنی کا طلسم“ خاصے کی چیز ہے۔ ہمارے عہد میں کچھ شعراء نے (جن میں قمر عینی، حنیف اسعدی اور بعض دوسرے شعراء شامل ہیں) حضور اکرم ﷺ کے لیے لفظ ”تو“، ”تم“، ”تیرا“ کے استعمال کو ناجائز قرار دیا تو بہت سی آراء اس خیال کی تائید میں اور بہت سی مخالفت میں سامنے آئیں۔ ڈاکٹر کشفی نے بھی اپنے مذکورہ مضمون میں یہ بحث چھیڑی تھی۔ ان کا موقف یہ ہے:

”بات یہ ہے کہ رسول عربی ﷺ کی نسبت سے جس نے بھی ”تو“ کی یکتائی کو سمجھا، اسے عشق یکتا

سے نواز دیا گیا:

نغمہ حق ادھر ہوا، تیرے رباب سے بلند
رک گئے دفعۃً ادھر ساز و نوائے کافری
کیسے کہوں شیرِ رسل، میں بھی ترا غلام ہوں
قبلہء بندگی مرا، تیرا حریم سروری
(علی اختر حیدر آبادی)

اسی امید پہ ہم طالبان درد جیتے ہیں
خوشا دردے کہ تیرا درد، دردِ لادوا ہوگا
(جگر مراد آبادی)

اے سبک سیر جادہء اسری
روک دی تو نے وقت کی رفتار
(حفیظ ہوشیار پوری)
اے مرے شاہِ شرق و غرب، نان جویں غذا تری
اے مرے بوریا نشیں، سارا جہاں گدا ترا
(احمد ندیم قاسمی)

ہیں تری ذات پہ سو ناز گنہ گاروں کو
کیسے بے ساختہ کہتے ہیں کہ ہم تیرے ہیں
(حفیظ تائب)

محض وعظ ہو یا سیرت کی کتاب میں ہم نبی کریم ﷺ کی ذات، فلک مرتبت کے لیے ”آپ“ کا لفظ اور بہت سے القاب و آداب استعمال کرتے ہیں۔ ”سرورِ کونین“، ”ختمی مرتبت“، ”سیدِ کل“، ”خیر البشر“، ”رسولِ اعظم“، ”ہادیِ برحق“، ”صاحبِ کوثر“، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب تخلیقی لہجوں میں ہمارا جذب دروں ہمیں عشق کے پر لگا کر اڑاتا ہے اور جب یہ بزمِ کائنات ہمارے لیے بدل جاتی ہے، تو یہ سارے القاب، یہ سارے لفظ ایک لفظ میں بدل جاتے ہیں۔ ”تو“ میں..... یہ چھوٹا سا یک رکنی لفظ کائنات کا سب سے محترم اور مقدس لفظ بن جاتا ہے۔ یہ ہمارے دل کی دھڑکن بن جاتا ہے۔ یہ ہماری خلوتوں کا آئینہ بن جاتا ہے۔ وہ خلوت جس میں جمالِ مصطفیٰ ﷺ ہوتا ہے اور ہماری حیرانی۔ یہ ہمارے اختیار کی نہیں بلکہ

سپردگی کی منزل ہوتی ہے۔“ (۸۳)

اب تک کے مطالعے کی بنیاد پر بلا خوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ نعتیہ ادب میں تنقیدی رائے کے جتنے متنوع اظہارات، ڈاکٹر کشفی کی کتاب میں ملتے ہیں اتنے اس میدان کے دوسرے اسکالروں کے ہاں نظر نہیں آتے۔ ”نعت اور تنقید نعت“ کا مطالعہ، ان کی بالغ نظری، تنقیدی بصیرت اور مختلف تنقیدی دبستانوں سے باخبری کی شہادت دیتا ہے۔ چلتے چلتے ڈاکٹر کشفی کی تاثراتی اور تشریحی تنقید کے بھی نمونے ملاحظہ فرمائیے۔ احمد رضا خاں بریلوی کے معروف سلام ”مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام“ کے حوالے سے انہوں نے اس طرح سوچا:

”سلام کا آغاز رحمت اور ہدایت کے نعموں سے ہوتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے اشعار میں ’رسالت‘ اور ’شفاعت‘ کے ذکر سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کے چار بنیادی عناصر کا ذکر مکمل ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے بھیجے والے نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے اور انسانوں کی ابدی ہدایت کا ابدی نقطہ آپ ہی کی ذات ہے۔ تمام انبیائے کرام کی تعلیمات کا مکمل اور محافظ قرآن حکیم ہے اور آپ کے اسوہ حسنہ میں تمام انبیائے کرام کی صفات نقطہء کمال پر نظر آتی ہے۔ اس کائنات کی تاریخ میں کوئی لمحہ ایسا نہیں آیا جو بزمِ ہدایت سے خالی رہا ہو اور آخر میں اس بزم کو ابد الابد تک روشن رہنے والی شمع مل گئی۔ اس شمع پہ لاکھوں سلام اور لاکھوں درود۔ حضور ﷺ کی ذاتِ ہدایت کی برہان عظیم بھی۔ قل فله الحجة البالغة (سورۃ الانعام۔ آیت ۱۲۹) (آپ کہہ دیجیے کہ بس مکمل حجت تو اللہ کی ہی ہے)۔“ (۸۴)

سلام کے اولین اشعار کی معنیاتی چکا چونند کھانے کے بعد ایک نکتے پر اپنے تحفظات کا بھی اظہار کر دیا ہے:

”اس سطح کی بلند شاعری میں چوتھا شعر بے جوڑ لگتا ہے جس کا اس حدیقہء اول کے ان تمام اشعار سے کوئی علاقہ نہیں جو حضور ﷺ کی سیرت و ذات کو ہمارے وجدان کا حصہ بنا دیتے ہیں۔

شبِ اسری کے دولہا پہ دائمِ درود نوشہء بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام

دولہا، برات، نوشہ، شادی، نوشہ کے تلازمے نہ جانے حضرت احمد رضا خاں صاحب اور ان کے دبستان کے بہت سے شاعروں اور مقرروں کو کیوں اس درجہ پسند تھے۔

نوشہء بزمِ جنت، کومرکز بزمِ جنت، شانِ بزمِ جنت، رونقِ بزمِ جنت، کعبہء بزمِ جنت، کچھ بھی کہا جاسکتا تھا۔ پورا سلام اپنے شاعر کی قادر الکلامی کا گواہ ہے بلکہ یہ تلازمہ شاعر کی نفسیات کا ایک حصہ

ہے۔ اس تلازمہ کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایسے عالمانہ سلام میں جو حدیث و قرآن کی آیات کی ترجمانی کرتا ہے عام سننے والوں کی دل چسپی کے کچھ اشعار شعری ضروریات کا تقاضا تھے۔ (۸۵) یہاں ڈاکٹر کشفی نے لفظ ”دولہا“ کے استعمال پر اپنے تحفظات کا بھی اظہار کر دیا اور شاعر کی نفسیات کے اس پہلو کی طرف بھی اشارہ کر دیا جس کے تحت اسے عوامی زبان میں بات کرنے کی رغبت ہوئی۔ بعد ازاں اس سلام کے ایک شعر کی معنوی جہتوں کی طرف اشارے کیے ہیں:

صاحب رجعتِ شمس و شق القمر نایب دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام
نایب دستِ قدرت ہی کی بات قرآن حکیم نے یوں پیش فرمائی ہے:

وما رمیت اذ رمیت ولكن الله رمى..... (سورة الانفال. آیت ۱۷) (اور) اے رسول [آپ نے مٹھی کی مٹھی کافروں کی طرف نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔ یہ جنگ بدر کے اس واقعے کی طرف اشارہ ہے جب رسول ﷺ نے نکر یوں کی مٹھی کافروں کی طرف پھینکی اور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے کوئی کافرا یا نہیں تھا جس کی آنکھوں کو اس مٹھی بھر مٹی نے متاثر نہ کیا ہو اور اس واقعے کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ وہ مٹھی بھر خاک آپ نے نہیں بلکہ ہم نے پھینکی تھی..... یہ دنیا دارا لاسباب ہے اور اسی مسبب الاسباب کا کام ہے کہ وہ اپنے رسول ﷺ کے ہاتھ کو دستِ قدرت کی تاثیر عطا کرتا ہے۔

ڈاکٹر کشفی نے کچھ مزید اشعار کی تشریح کرتے ہوئے لکھا:

اس سلام کے ابتدائی حصے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جو مرتبہ نبوت کی شناسائی کی روشنی سے منور اور عطر سے معطر ہیں:

مرکزِ دورِ کثرت پہ لاکھوں سلام	نقطۂ سر وحدت پہ یکتا درود
ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام	فتحِ بابِ نبوت پہ بے حد درود
عطرِ جیبِ نہایت پہ لاکھوں سلام	سرِ غیبِ ہدایت پہ نبی درود
مقطعِ ہر سیادت پہ لاکھوں سلام	مطلعِ ہر سعادت پہ اسعد درود
حق تعالیٰ کی سنت پہ لاکھوں سلام	رب اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود

ان اشعار کے سلسلے میں اجمالاً عرض ہے کہ:

[۱] ان شعروں میں درود کی صفات (جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا ہے) اردو زبان کو ان معنوی اور لسانی وسعتوں سے آشنا کرتی ہیں جو اردو کی نعتیہ شاعری اور عام شاعری میں بھی ناپید ہیں۔

[۲] مرتبہ رسالت سے متعلق نہایت دقیق نکات دل کو چھونے والی شاعری بن گئے ہیں۔ خیال اور جذبہ کا ایسا امتزاج غالب اور اقبال کی شاعری کے علاوہ کہیں اور مشکل سے ملے گا۔ اس سطح کی نعتیہ شاعری صرف محسن کا کوروی کی دو مثنویوں میں ملتی ہے۔

[۳] تضادات اور انتہائیں مطلع نبوت پر ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو گئی ہیں۔ فتح باب نبوت اور ختم دور رسالت، مطلع ہر سعادت اور مقطع ہر سیادت۔

[۴] ان اشعار کے جسم میں آیات قرآنی کے مغایہم اور کنائے روح کی طرح دوڑ رہے ہیں:

ع حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

ہم سے ہر انسان کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے کرم اور احسان کی دستاویز ہے۔۔۔۔۔ تم بھلا اپنے رب کی کس کس نعمت سے انکار کرو گے، لیکن ہمارے رب نے کسی نعمت کو اپنے احسان کے طور پر نہیں پیش فرمایا۔ ہاں اس کا ایک احسان ایسا ہے جس کا اس منعم حقیقی نے اظہار فرمایا ہے اور وہ احسان ہے، بعثت محمدی۔

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولاً من انفسہم یتلوا علیہم آیاتہ و ینزکہم و یعلمہم الکتاب والحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین ○ [سورہ آل عمران - آیت ۱۶۴] (بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر بڑا احسان ہے کہ انہیں میں سے ان میں ایک رسول مبعوث فرمایا جو انہیں اللہ کی آیات سناتا ہے اور ان کا تزکیہ نفس فرماتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ یقیناً یہ سب لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے)۔ اور ہم اس قول رب کی تصدیق یوں کرتے ہیں کہ:

حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

اس آیت قرآنی میں بعثت رسول اللہ ﷺ کے جو تین عظیم اور انسان و انسانیت ساز مقاصد بیان فرمائے گئے ہیں، جو [وہ] سلام رضا کے ابتدائی حصے میں مختلف عنوانات اور اسالیب میں پیش کیے گئے ہیں۔ (۸۶)

سلام رضا کے توسط سے ڈاکٹر کشفی نے نعتیہ ادب کے تنقیدی سرمائے میں تشریحی تنقید کے مختلف ابعاد روشن کیے۔ یہ بھی ایک حد تک ان کا اختصاص ہے۔ تاثراتی تنقید کا نمونہ پیش کرتے ہوئے انہوں نے پہلے تو یہ بتایا کہ مختلف سماجی علوم کے حوالے سے ادب کا مطالعہ کرنے والے نقادوں کے جمالیاتی نظریے میں وسعت نہیں تھی۔ پھر لکھا:

”ادب نام ہے ”لفظوں کے فن کا“۔ یہ ادب کی ایک جامع اور مانع تعریف ہے۔ یہ تعریف دوسرے فنونِ لطیفہ کو ادب سے الگ کر دیتی ہے۔ اس میں ادیب و شاعر کا رویہ بھی سمٹ آیا ہے۔ ادب کی تنقید میں لفظوں، تراکیب اور اسلوب سے صرفِ نظر کون کر سکتا ہے۔ یہ تو ایسی بات ہے کہ جیسے رنگوں اور خطوط کو نظر انداز کرتے ہوئے مصوری پر گفتگو کرنا۔ بات یہ ہے کہ ادب پر ”ہوائی“ یا ”باد ہوائی“ گفتگو بہت آسان ہے۔ لیکن کسی فن پارے کو اپنے وجود میں محسوس کرنا اور اس احساس کو لفظ دے کر دوسروں کو اپنی فکر، نظر اور تنقیدی تجزیے میں شامل کرنا مشکل بات ہے۔ ایسی تنقید کو صرف تائثراتی کہنا مناسب نہیں۔ بلکہ جمالیاتی کہنا زیادہ درست اور مناسب ہے۔ اس اندازِ تنقید کے نظارے ہمیں، شبلی، مہدی الافادی، مجنوں گورکھپوری، فراق گورکھپوری، محمد حسن عسکری اور خورشید الاسلام کے یہاں ملتے ہیں۔ میں بھی اس انداز کو اپنانے والے چھوٹے لوگوں میں شامل ہوں۔“ (۸۷)

درج بالا اقتباس میں ڈاکٹر کشفی کی تنقیدی تکنیک کی وضاحت موجود ہے۔ انہوں نے صبیحِ رحمانی کی ایک نعت پر اپنے تاثرات رقم کرتے ہوئے لکھا:

”ایک نعت پر اپنے تاثرات فی البدیہہ قلم بند کرتا ہوں۔ شاید اس آسمان مرتبت ﷺ اور اس کے مولجہ اور مولجہ کی کیفیت پر لکھی ہوئی نظم کی نسبت سے یہ تحریر بھی لائق التفات ٹھہرے۔

کھویا کھویا ہے دل، ہونٹ چپ، آنکھ نم، ہیں مولجہ پہ ہم
رو برو ان کے لایا ہے ان کا کرم، ہیں مولجہ پہ ہم
لمحے لمحے پہ آیات کا نور ہے، نعت کا نور ہے
نور افشاں درودی فضا دم بہ دم، ہیں مولجہ پہ ہم
ایک کونے میں ہیں، سر جھکائے ہوئے، منہ چھپائے ہوئے
گردنیں ہیں کہ بارِ ندامت سے خم، ہیں مولجہ پہ ہم
آنسوؤں کی زباں، کر رہی ہے بیاں، ان سے احوالِ جاں
صرف اپنا نہیں، پوری امت کا غم، ہیں مولجہ پہ ہم
ہر اندھیرا مقدر کا چھٹنے لگا، دور بٹنے لگا
قریہء نور میں آگئے ہیں قدم، ہیں مولجہ پہ ہم
مسکراتی ہوئی ہر تجلی ملی، کیا تسلی ملی
دور ہوتے گئے سارے رنج و الم، ہیں مولجہ پہ ہم

سب طلب گار، حرف شفاعت کے ہیں، ان ﷺ کی رحمت کے ہیں

چہرے چہرے پہ ہے اک سوالِ کرم، ہیں مولجہ پہ ہم

مولجہ، سرورِ کائنات ﷺ کا تجلی خانہ ہے۔ یہ مقام خلوت بھی ہے اور مقام جلوت بھی۔ انسانوں کی ایک موج رواں مولجہ سے گزرتی ہوئی۔ لوگ نفسِ گم کردہ گزرتے ہیں اور اس نفسِ گم کردگی میں آشفگی کے سارے سامان اور امکان موجود ہیں لیکن یہاں آکر پتا چلتا ہے کہ ع انسان عظیم ہے خدایا..... صلیحِ رحمانی نے مولجہ شریف میں الفاظ کو حروف و ندا بنتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہاں فضا درود و سلام میں گم نظر آتی ہے۔ وقت گزراں کی موجیں سلام پڑھتی ہوئی ابدیت کے سمندر میں داخل ہو جاتی ہیں..... ”مولجہ پہ ہم“ آپ نے دیکھا کہ آپ ”ہم“ کو کھینچ کر پڑھ رہے ہیں..... اور ”ہم“ کی گونج سے اسم ”محمد“ ادا ہو رہا ہے۔ ”محمد“ لب پر، کاغذ پر، فضا پر، تصویر کے رنگوں میں..... اس نغمے کی صوتیات پر غور کیجیے کہ آوازوں کے درمیان ہم آہنگی ہے۔ ”ص“، ”ز“، ”م“، ”س“، ”ط“، ”ن“، ”و“، ”یہ سب آوازیں نرم آہنگ آوازیں ہیں۔ ”ق“، ”غ“، ”ش“، ”خ“، آوازوں کا ایک متوازی سلسلہ ہے..... بلند آہنگ..... آپ نے اکثر مصرعوں میں نغماتی تصویریں دیکھی ہوں گی۔ یہ پوری نعت صوت و صدا کے ہوتے ہوئے بھی خاموشی کی آواز ہے۔“ (۸۸)

یہ ہے وہ تاثر جو ایک ادب کے استاد، ماہر نقاد اور حضور ﷺ کے ادنیٰ غلام نے خود کو مولجہ شریف کے قریب محسوس کرتے ہوئے بڑی دیانتداری سے حوالہ قرطاس کر دیا۔ اس تاثراتی تجربے میں تاثراتی تنقید کے ساتھ ساتھ غیر شعوری طور پر اسلوبیاتی تنقید بھی معاون ہو گئی۔ واضح رہے کہ اسلوبیاتی تجربے میں کسی فن پارے کے امتیازات کو نشان زد کیا جاتا ہے جو صوتیاتی، لفظیاتی، نحویاتی، بدیہی اور عروضی شکلوں میں ظہور پذیر ہوں۔ (۸۹)

”نعت اور تنقید نعت“ کے سرسری مطالعے سے ہمیں معلوم ہوا کہ نعتیہ شعری سرمائے کو پرکھنے کے مختلف زاویے ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹر کشفی نے اپنی تحریروں میں بیشتر زاویوں کی طرف اشارے کر دیئے ہیں۔ اس کتاب میں طریق نقد کی بولمونی اس بات کا ثبوت ہے کہ نعتیہ شاعری کی پرکھ کے بہت سے اصول وضع کیے جاسکتے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ بقول میر

چشم ہو تو آئینہ خانہ ہے دہر

منہ نظر آتا ہے دیواروں کے بیچ (۹۰)

بات کو بر محل بنانے کے لیے اس شعر میں لفظ ”دہر“ کو ”نعت“ سے بدل کر پڑھا جاسکتا ہے۔

۴۔ شاعران نعت، راجا رشید محمود:

راجا رشید محمود کی یہ کتاب آٹھ شعراء کے کوائف سمیٹے ہوئے ہے، قدسی، کفایت علی کافی، امیر مینائی، احمد رضا، اکبر وارثی میرٹھی، حیات وارثی لکھنوی، دلورام کوثری، لالہ کچھی نرائن سخا۔ اس کتاب میں زیادہ تر گفتگو شاعر پر کی گئی ہے۔ شاعری پر نہیں۔ کہیں کہیں شاعری پر بھی گفتگو ہے لیکن وہ بھی بیشتر دوسروں کی آراء پر مبنی ہے۔ بہر حال اس کتاب میں تنقیدی اشارے بھی ملتے ہیں۔ ہم صرف ایک شاعر کے بارے میں راجا رشید محمود کی تنقیدی رائے یہاں نقل کرتے ہیں۔ کچھی نرائن سخا کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

”غیر مسلموں کی اردو نعتوں میں عام طور پر وہی مضامین پائے جاتے ہیں جو مسلمانوں کی کہی ہوئی نعتوں میں ملتے ہیں۔ کہیں کہیں جہاں شاعری ذات نمایاں ہوتی ہے، وہاں انفرادیت بھی جھلکتی ہیں مثلاً دلورام کوثری عام طور پر اپنے ہندو ہونے کے حوالے سے بات کرتے رہے۔ کچھی نرائن سخا بطور خاص اپنے ہندو ہونے کا ذکر نہیں کرتے البتہ کہیں کہیں مسلمانوں سے خطاب ضرور کرتے ہیں، لیکن وہ جو بھی مضمون باندھتے ہیں، وہ رسمی نہیں ہوتا، اس میں ان کی ذات کے حوالے سے ایک مؤثر بے ساختگی پائی جاتی ہے اور یہی سخا کا تخصص ہے۔ مثلاً نعت گوئی کا ذکر کرتے ہیں تو کہیں کہیں نیا مضمون بھی باندھتے ہیں کہ میری نعت گوئی میں حضرت جبریلؑ یہ اصرار کر کر کے خلل ہو رہے ہیں کہ سخا، تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روح الامین کہہ کے پکار۔

فکر وصف مصطفیٰ میں ہیں خل روح الامین

کہتے ہیں، کہہ دے سخا روح الامین مصطفیٰ

لیکن اس موضوع پر جو دوسرے اشعار کہے ہیں، ان میں بھی ان کے ذاتی حوالے نے بے ساختگی کی عجیب دل خوش کن فضا پیدا کر دی ہے:

مری پرش خدا کے سامنے کیا جانے، کیوں کر ہو

کہاں ہے نعت گوئے ہند؟ گریوں ہو تو بہتر ہے

اے سخا جان گئے جانے والے تجھ کو

نعت کہتا ہے، تو فردوس کی تدبیر میں ہے

سخن یہ ہے، لکھوں وصف حبیب کبریا کیا کیا

کلام اللہ سے باقی رہی ان کی ثنا کیا کیا

عشق سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اس عشق کا دعویٰ ہی تو نعت گوئی کی بنیاد ہے۔ سخا اس موضوع پر یوں قلم اٹھاتے ہیں:

دل میں گر عشقِ نبیؐ ہو تو ہے انساں انساں
ورنہ کیا خاک پھر اس خاک کی تصویر میں ہے
خدا کی بندگی یہ ہے کہ اول عشقِ احمد ہو
خدا کا عشق کیا کہنا، مگر یوں ہو تو بہتر ہے
کیا کہوں کیفیتیں عشقِ نبیؐ کے درد کی
بس فقط اتنا سمجھ لو تم، شفا کچھ بھی نہیں
جب سے ہے عشقِ نبیؐ، عشقِ نبیؐ سے پہلے
جو کیا ہم نے، وہ بیکار نظر آتا ہے
حضور حبیبِ کبریا علیہ الخیرۃ والثناء کی نگاہِ لطف کی ہمہ گیری کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں
زمانے کو ہے کافی اک نگاہِ لطفِ احمدؐ کی
پریشانی مری کیا، اک مرا حالِ پریشاں کیا
سخا کو آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرم پر اتنا بھروسہ ہے کہ اگر کوئی در یوزہ گر سرکار سے دولتِ
دارین بھی مانگ لے تو اس درِ لطف و عطا سے خالی نہ لوٹے گا۔
وہ کرم ہے آپ کا، یہ دولت دارین اگر
مانگتا ہوں میں تو گویا مانگتا کچھ بھی نہیں
وہ روئے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت کے موضوع کو اپنے ذاتی حوالے سے بے ساختگی
کے اسلوب میں یوں بیان کرتے ہیں:

رخِ احمدؐ نہیں دیکھا، تو پھر کس طرح سمجھو گے
بتا بھی دوں اگر، کیوں کر ہوئے شمس و قمر پیدا“ (۹۱)

راجا رشید محمود کی کتاب میں چوں کہ تحقیقی مواد پر زیادہ زور دیا گیا ہے لہذا اس میں تنقیدی
منہاج کی تلاش ضروری نہیں۔ تاہم جو مثالیں درج بالا اقتباسات میں پیش کی گئی ہیں ان کو، کلاسیکی فنی
روایت میں ظہور پذیر ہونے والی جمالیاتی تنقید کا نمونہ قرار دے سکتے ہیں۔

۵۔ فنِ نعت کی نئی جہات (نعت پر ڈاکٹر طاہر تونسوی کے تنقیدی مضامین کا انتخاب) محمد

حیات چغتائی:

یہ کتاب، ڈاکٹر طاہر تونسوی کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے جو محمد حیات چغتائی نے مرتب کیا ہے۔ اس کتاب میں دس مضامین ہیں جن میں آٹھ مضامین مختلف شخصیات کی نعتیہ شاعری پر تبصرے کی صورت میں ہیں اور دو مضامین ”قدیم اور جدید نعت گوئی کا ادبی محاکمہ“ اور ”سرائیکی میں نعت گوئی“، نعت گوئی کی عمومی فضا کے جائزے پر مبنی ہیں۔ تنقیدی مضامین کے اس انتخاب کو مرتب نے ”پاکستان میں اردو نعت کے ارتقاء کا نظری، فکری و لسانی مطالعہ“ (۹۲) قرار دیا ہے۔

”قدیم و جدید نعت گوئی کا ادبی محاکمہ“ بقول مرتب کتاب، روزنامہ امروز سے انتخاب کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر تونسوی نے لکھا:

”آج کا دور شاعری علامت کی شاعری کا دور ہے اس لیے نعت گوئی پر بھی اس کا اثر پڑا۔ شاعروں نے خوبصورت علامتی انداز میں نعتیں کہیں اور رسول پاک ﷺ کا سراپا بیان کیا۔ عبدالعزیز خالد نے اردو نعت کو آگے بڑھایا اور نعت ان کی پہچان بن گئی اور اس طرح حفیظ تائب کی نعت مطالعہء سیرت رسول ﷺ ہے۔ پر خلوص لہجہ اور عجز و نیاز سے بھری ہوئی آواز انہیں اپنے ہم عصر نعت گو شاعروں میں ممتاز کرتی ہے۔ مظفر وارثی نے جدید اردو نعت کی ریت ڈالی اور خوبصورت علامتوں کے اظہار سے عشق رسول ﷺ کے جذبات و واردات کو الفاظ کا ملبوس پہنایا اور ادبیت کو بھی مجروح نہیں ہونے دیا:

رہ نوردانِ شوق کا رہبر نقشبندانِ رنگ و بو کا امام
کالی کملی کرم سے لپٹی ہے زیب تن یا ہے نور کا احرام
(عبدالعزیز خالد)

خوش خصال و خوش خیال و خوش خبر خیر البشر خوش نژاد و خوش نہاد و خوش نظر خیر البشر
دل نواز و دل پذیر و دل نشین و دلکش چارہ ساز و چارہ کار و چارہ گر خیر البشر
حسن فطرت، حسن موجودات، حسن کائنات نور ایقان، نور جاں، نور بصیر، خیر البشر

(حفیظ تائب)

حرف دعا ہوں صوت پذیرائی دے مجھے دیکھوں نظر کی اوٹ وہ بینائی دے مجھے
یاد رسولؐ پیار کی سچائی دے مجھے مدح نبی قرینہ گوئی دے مجھے
کاغذ کی ناؤ ڈال رہا ہوں بہاؤ پر تنکا بھی پاؤں رکھنے چلا ہے الاؤ پر
(مظفر وارثی) (۹۳)

عارف عبدالمتین کی نعتیہ شاعری پر ڈاکٹر طاہر تونسوی نے ”اردو نعت نگاری میں نئی جہت کی منور مثال“ کے زیر عنوان ایک مضمون لکھا ہے۔ یہ مضمون مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے۔ اس میں واضح تنقیدی رائے ملتی ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ موجودہ عہد کے احساس عدم تحفظ اور اقدار کی ٹوٹ پھوٹ نے شعراء کو نجات کا راستہ تلاش کرنے کی طرف مائل کیا تو وہ نعت کی طرف آ گئے۔ وہ لکھتے ہیں:

[شاعروں نے] ”نعت نگاری میں پناہ لینے اور بغیر انسانیت ﷺ کے سائے تلے آنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی ہے“۔ (۹۴)

عارف عبدالمتین کی نعت سے دلچسپی کی وجہ بھی ان کے نزدیک یہی ہے۔ عارف کی نعتیہ شاعری کے متعلق ان کی رائے ہے:

”عارف عبدالمتین کی نعت حیاتیاتی اور کائناتی مسائل کا خالصتاً انسانی حوالے سے اظہار ہے جو وجہ کائنات کی ذات بابرکات کے محور کے گرد گھومتی ہے اور پھر حضور ﷺ کی ذات کے حوالے سے حق و صداقت کی تلاش، انسان کی بازیافت اور بطور ایک مسلمان اسوۂ حسنہ کی پیروی عارف عبدالمتین کا واضح مقصد ہے۔ ان نعتوں کا خاص وصف اور عارف عبدالمتین کی تخلیقی قوتوں کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے غزل کی زمین میں لکھی ہوئی باسٹھ نعتوں اور آزاد نظموں کے پیرایہ اظہار میں دس نعتوں میں کہیں بھی اپنے آپ کو نہیں دہرایا اور ہر نعت میں حسن کاری اور جمالیاتی تصویر کاری کے عمدہ نمونے ہمیں پڑھنے کو ملتے ہیں اور پھر بڑی بات یہ ہے کہ عارف عبدالمتین نے ایک سچے پیروکار کی طرح اپنی ذات کو مرشد کی ذات کے سامنے گم کر دیا ہے اور اس طرح ایک ہی پیکر تمام تر خیالات، افکار اور الفاظ کا محور ٹھہرا ہے اور وہ بھی ایسا کہ جس کے لیے سوائے ”بے مثال“ کے اور کوئی لفظ بجا ہی نہیں اور برگ سبز میں عارف عبدالمتین نے اس کی بھرپور وضاحت کر دی ہے:

مگر کہاں کوئی تیرا مثیل عالم میں
ترا مثیل تو خود تو ہے کوئی اور نہیں“ (۹۵)

ڈاکٹر طاہر تونسوی کی تنقیدی رائے، ان کے تجزیاتی شعور کی عکاس ہے۔ عارف کی نعتوں کا معاملہ ہی یہ ہے کہ ان پر بعض جگہ لہجے کی بے تکلفی کا الزام تو آتا ہے لیکن خلوص کی فراوانی سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لہجے کی بے تکلفی بھی عارف عبدالمتین کی نعت میں اس لیے درآئی ہے کہ عارف نے ”غزل طور“ نعتوں میں متغزلانہ لہجہ اختیار کیا ہے جو ان کے ضمیرِ فن اور ضمیرِ سخن کا حصہ تھا۔ بہر حال نعتوں میں عارف کا جدا گانا اسلوب، ڈاکٹر طاہر تونسوی نے بھی محسوس کا اور لکھا:

”اسلوب بیان کا ایسا اعجاز جو بے مثال کی نعتوں میں ہے اور کہیں پڑھنے میں نہیں آتا۔ اردو نعت میں ڈرامائیت، مکالمہ اور مخاطب کا انداز عارف عبدالمبین کی تخلیقی اختراع ہے۔ علامت و استعارہ کا برمحل استعمال، الفاظ کا مناسب انتخاب، مقام و مرتبے کا لحاظ اور اسلوب کا جلال و جمال ایسی خصوصیات ہیں جن سے بے مثال پوری طرح مملو ہے۔“ (۹۶)

ساغر چنیوٹی ایک کم معروف لیکن قادر الکلام شاعر تھے انہوں نے نعتیں بہت اچھی کہی ہیں۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی نے ان کی نعتیہ شاعری پر بھی مضمون لکھا ہے۔ پہلے ان کے اشعار ملاحظہ فرمائیے:

کوئی کملی والے کو کیا جانتا ہے

یہ رمزِ خدا ہے خدا جانتا ہے

خدا کے کلاموں کو سب جانتے ہیں

کلام محمدؐ خدا جانتا ہے

یہ اشعار لکھ کر ڈاکٹر طاہر تونسوی لکھتے ہیں:

”جب یہ صورتِ حال ہو تو پھر ممدوحؐ خدا کی مدحت کے مراحل طے کرنا کتنا دشوار ہو جاتا ہے اور یہاں رمزِ خدا کو بھی سمجھنا ضروری ہو جاتا ہے اور رموزِ محمدؐ کو بھی۔ تب جا کر اسرارِ خدا اور شانِ محمدیؐ کا ادراک ہوتا ہے جہاں تک ساغر چنیوٹی کے نعتیہ کلام کا تعلق ہے تو اس کا مطالعہ اس بات کی واضح نشاندہی کرتا ہے کہ وہ اس کے پورے اسرار و رموز سے واقف ہیں اور ان میں ڈوب کر اظہارِ خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے ہاں مضامین کی فراوانی دکھائی دیتی ہے اور موضوعات کا ایک سیل رواں نظر آتا ہے جس میں حضور پاکؐ سے محبت، عشق اور عقیدت کا جذبہ ہر ایک لفظ سے مترشح دکھائی دیتا ہے۔ وہ آنحضورؐ کو سب کچھ مان کر کہتے ہیں:

لقب ملا ہے جنہیں رحمتِ دو عالم کا

انہیں کی کی ہے بصد شوق پیروی میں نے

پیروی رحمتِ دو عالمؐ کا یہ وطیرہ ہر ایک شعر سے عیاں نظر آتا ہے اور وہ ہر نعمت کو حضورؐ کا فیضان تصور کرتے ہیں اور یہی حقیقت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے [سے] سب کچھ نبی پاک کے وسیلے سے ملتا ہے اور وہی صاحب الوسیلہ ہیں اور اسی کے نور سے دل میں حرارت، حرکت اور روشنی پیدا ہوتی ہے۔ بقول ساغر چنیوٹی:

چمک اٹھا مرا دل، معرفت ہوئی حاصل

عرب کے چاند سے پائی یہ چاندنی میں نے
یہی نہیں بلکہ وہ ذکر نبی ﷺ کو زندگی کے مصائب و آلام سے چھٹکارے کا باعث اور اپنی بخشش کا سامان
جانتے ہیں۔ اس لیے کہہ اٹھتے ہیں:

یہی ذکرِ کریم جیل ہے یہی زندگی کی سبیل ہے
یہی بخششوں کی دلیل ہے وہ ہمارا روزِ جزا بنے

اس تناظر میں دیکھیں تو ساغر چنیوٹی نے سیدھے سادے اسلوب اور آسان لفظوں میں مدحتِ پیغمبرؐ
کی توانا روایت کو اور آگے بڑھایا ہے اور جس احتیاطِ فکر و نظر کی ضرورت تھی اس کو بھی پیش نظر رکھا ہے
اس طرح حضور پاک ﷺ کے اوصافِ حمیدہ اور اسوۂ حسنہ کے جن پہلوؤں کا اظہار کیا گیا ہے وہ
ساری انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہیں اور سچ بھی یہی ہے کہ

عشقِ احمدؐ میں ہوئی آج یہ حالت میری
نام لینے سے بہلتی ہے طبیعت میری

اس سے بڑھ کر مسلمان سے فضیلت کی بات اور کیا ہو سکتی ہے اور عشقِ احمدؐ کے طفیل زندگی بھی بن
جاتی ہے اور عاقبت بھی سنور جاتی ہے اور پھر وہ منزل آ جاتی ہے جس کا ذکر نہایت ہی سادگی مگر پر
کاری کے ساتھ ہوا ہے:

جلوہٗ محبوبؐ سے حاصل ہوا ہے یہ کمال
کعبہٗ دل بن گیا گویا مدینہ دیکھیے

دیکھیے کی اس ردیف نے پوری نعت میں جو حسن پیدا کیا ہے اسے صرف محسوس کیا جاسکتا

ہے۔ (۹۷)

یہ ہیں اس تاثراتی، جمالیاتی اور نظریاتی تنقید کے چند نمونے جو ڈاکٹر طاہر تونسوی کے تنقیدی
شعور کی عکاسی کے لیے ہم نے منتخب کیے۔ طاہر تونسوی نے جو کچھ لکھا ہے اسے تنقیدی لب و لہجے اور ادبی
اسلوب کے تحت لکھا ہے۔

۶۔ نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلاتِ تنقید، ادیب رائے پوری:

ادیب رائے پوری کی یہ کتاب اپنے نام کے حوالے سے تو پرکشش ہے لیکن مواد کے اعتبار
سے انتہائی سقیم ہے۔ مصنف نے بے جا طول طویل بحثیں چھیڑ کر اپنے موضوع کو تحقیقی، تخلیقی اور تنقیدی

بنانے کی کوشش کی ہے جس سے نہ تو یہ کوئی تنقیدی کتاب بن سکی ہے اور نہ ہی تحقیقی یا تخلیقی۔ مرحوم ادیب رائے پوری وسیع المطالعہ شخص تھے لیکن کتاب کی تدوین میں وہ ہر بات کو اس طرح پھیلانے کی کوشش کرتے تھے کہ ایک داستان میں ہزار داستان کا مزہ آنے لگے۔ اسی لیے ان کی مذکورہ کتاب بھی طلسم ہوش ربا کی صورت کہانیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ بن گئی۔ لیکن مقصود پھر بھی ہاتھ نہ آ سکا۔

میں بڑی مشکل سے چند سطور منتخب کر کے پیش کرنے کے قابل ہوا ہوں کہ ادیب رائے پوری کی تحریر کا کوئی نمونہ تو دکھاسکوں۔ کتاب میں ایک عنوان قائم کیا گیا ہے ”تنقیدی ادب میں جمود اور اس کے نقصانات“، اس عنوان کے تحت لکھتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں:

”نعت گوئی سے ہٹ کر شعر گوئی کی تمام اصناف سخن میں تنقیدی فقدان کے سبب حسن تشکیل و جمال تربیت اور ایجاد الفاظ کے اجتہاد کامل سے محرومی کا اندیشہ ہوتا ہے ایسا ادب روایت پرستی کی چادر میں لپٹا ہوا جمود کی آغوش میں سو جاتا ہے مثلاً حالی تشبیہ و استعارہ کے قدیم رویہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ معشوق کی صورت کو چاند صورت یا جنت، آنکھوں کو نرگس، بادام یا پیار سے، ابرو کو کمان یا محراب سے مزہ کو تیر سے لب کو نبات یا آب حیات سے منہ کو غنچہ اور کمر کو بال سے مشابہ قرار دینا لازم ہو گیا، حالی کے اس تجزیاتی جملہ میں آخری لفظ ”لازم“ روایت پرستی کی گرد میں دب گیا ہے۔ غالب اس عہد کا ایک شاعر ہے نظر آتا ہے ایسا جو اس رویہ سے بغاوت کی اپنی قوت مختلہ اور ایجاد کامل کی صلاحیت کے سبب روایت پرستی کے دائرہ خیال سے نکل آیا بظاہر غالب اس عہد کا شاعر شمار ہوتا ہے لیکن بقول خود وہ جہان نا آفریدہ کا شاعر تھا جس نے دانہ ہائے تسبیح کو صد دل عشاق، زنجیر کو موئے آتش دیدہ، خانہ مجنوں کو گرد بے دروازہ بہار کو حناء پائے خزاں اور دریا کو زمین کے عرق انفعال سے تشبیہ دی۔ یہ غالب ہی تھا ورنہ سرمہ کو دودھ شعلہ آواز، موج شراب کو مزہ خواہناک، اور ساغر کو متاع دست گراں کون کہتا۔ غالب روایت پرستی کا دشمن تھا لیکن روایت سے باغی نہیں تھا وہ روایت پسند تھا ان تمام حوالوں کا مقصد صرف اتنا تھا کہ غیر نعتیہ شاعری میں تنقیدی شعور کے فقدان سے ادب کے نشوونما کا، جمود و مقدر بن جاتا ہے لیکن نعتیہ ادب میں تنقید کے بغیر جمود کے تسلط اور ایجاد الفاظ کے اجتہاد سے محرومی کے علاوہ اس گرفت سے بھی آزاد ہو جاتا ہے جس کے بغیر انسان کے بھٹک جانے کا ثواب فکر کے صلہ عذاب میں بدل جانے کا خطرہ قدم قدم پر ہے۔ یہاں دونوں ہاتھ سے دامن خیال ہی تھا ما نہیں جاتا ایک ہاتھ میں دامن ادب اور دوسرے میں دامن خیال ہوتا ہے۔ نعتیہ شاعری میں جذبات پر قابو لازم و ملزوم ہوتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو متاع ایمان کے برباد ہو جانے کی پشیمانی رہ جاتی

ہے۔ نعت گوئی میں تنقید کا عمل، اظہارِ تمنا، پروا و فکر، اندازِ بیان ہر اعتبار سے مقدم ہونا تھا لیکن ایک جائزے کے مطابق جس طرح اردو زبان و شاعری کے گیسو سنوارنے کے لئے بڑی شد و مد سے تنقیدی شعور بیدار ہوا، اس کا عشرِ شیر بھی نعتیہ ادب میں نہیں پایا جاتا۔“ (۹۸)

درج بالا طویل اقتباس پڑھ کر (جو نقل بمطابق اصل ہے) صرف آخری ایک سطر سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ عمومی ادب میں جتنی تنقیدی کاوشیں ہوئیں اس کا عشرِ شیر بھی نعتیہ ادب میں نہیں ہو سکیں۔ ادیب رائے پوری نے صرف یہ بتانے کے لیے کہ نعتیہ ادب نے دکن میں برگ و بار پیدا کیے ”اولیائے کرام کی دکن میں آمد“ کا عنوان دے کر جھنجھنیر [۷۶] اولیائے کرام کی فہرست مع سن وفات درج کر دی جو تحقیقی مواد تو ہے لیکن تنقید کی کتاب کا جزو نہیں ہے۔ (۹۹)

ایک جگہ ادیب رائے پوری نے ممتاز حسن کے ایک جملے پر اعتراض کرتے ہوئے اس کی اصلاح کی کوشش کی ہے:

”جمالیات، اعتراضات اور جوابات: تنقیدی فقدان پر کچھ کہنے سے پہلے نعتیہ شاعری کے جمالیاتی پہلو پر اعتراضات کا جواب پیش کر دوں۔ ممتاز دانشور جناب ممتاز حسن کا ایک نظریہ گذشتہ اوراق میں پیش کر چکا ہوں۔ جسے دہراتا ہوں۔ ”صحیح معنوں میں نعت وہ ہے جس میں محض پیکرِ نبوت کے صوری محاسن سے لگاؤ کی بجائے مقصدِ نبوت سے دلچسپی پائی جائے۔“ اس طویل جملے سے اگر ممتاز حسن صاحب کا مقصد یہ ہے کہ وہ تعلیماتِ رسول ﷺ اور احکامِ خداوندی کو بیانِ سیرت کے ذریعہ عام کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تاکہ ملت کو انتشار اور افتراق کی حالت سے نکالیں تو اس مقصدیت کے اعتبار سے ان کا یہ جذبہ قابلِ ستائش ہے اور یقیناً یہ نعت کے مقاصد میں اعلیٰ مقصد ہے لیکن ممتاز حسن اگر اس بات کو اس طرح فرماتے:

”پیکرِ نبوت کے صوری محاسن کے ساتھ نبوت سے دلچسپی“ تو یہ جملہ قابلِ اعتراض نہ ہوتا اس لیے کہ ”لگاؤ کے ساتھ ساتھ“ کہنے میں صوری محاسن کے بیان پر قدغن نہیں ہے لیکن جب یہ کہ ”صوری محاسن سے لگاؤ کی بجائے“ تو یہ لگاؤ کے ترک کرنے کا مشورہ ہو جاتا ہے جب کہ ڈاکٹر فرمان فتحپوری کا قول غیر مبہم ہے اور زیادہ واضح ہے کہ ”آنحضرت ﷺ کی مدح کے متعلق نظم اور نثر کے ہر ٹکڑے کو نعت کہا جائے گا۔“ (۱۰۰)

ممتاز حسن کی تحریر پر تو کہیں اور بات ہو چکی ہے۔ یہاں ادیب رائے پوری کا طرزِ تنقید ظاہر کرنا مقصود ہے کہ انہوں نے دو عنوانات [جمالیات، اعتراضات اور جوابات]..... اور مقصدِ نبوت اور

جمالیات] ایسے قائم کیے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ گفتگو تنقید کے جمالیاتی دبستان کی ہو رہی ہے حال آں کہ یہاں بات صرف پیکرِ نبوت کے صوری محاسن کی ہے، تنقید کے جمالیاتی دبستان کی قطعاً نہیں۔ خود انہوں نے جمالیاتی تنقید کا مقصد درج ذیل الفاظ میں ظاہر کیا ہے:

”جمالیاتی تنقید کا کام ادبی تخلیقات کی جمالیاتی اقدار کو دیکھنا ہے۔ ان اقدار کا مطلب وہ خصوصیات جن کا وجود ہر فی وادی تخلیق میں ہوتا ہے۔ جس کے سبب وہ حسین کہلاتی ہے“۔ (۱۰۱)

تنقید کے جمالیاتی دبستان کا منصب ظاہر کر دینے کے بعد بھی ادیب رائے پوری نے حضور اکرم کے جمالِ صوری کے ذکر کو ”جمالیات“ کہا تو ہم اسے تنقیدی اصطلاح کی عدم تفہیم ہی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ادیب رائے پوری کی اس کتاب میں انوار احمد زئی کا دیباچہ ہے۔ انہوں نے بڑی چابکدستی سے کتاب کے مزاج کے بارے میں رائے دی ہے:

”زیر تبصرہ تحریر کو میں تخلیق کہوں، تنقید کہوں یا تحقیق جانوں؟ واقعی ایک مشکل مرحلہ ہے! اسالیب اور رویوں کے اعتبار سے ان تینوں اصناف کے تقاضے جدا جدا ہیں، پینے الگ الگ اور اثر انداز ہونے کی جہات علاحدہ علاحدہ۔ یہاں تک کہ عمومی اعتبار سے انہیں برتنے والوں کے قبیل تک ایک دوسرے سے ممتاز و مختلف ہیں۔ مگر جانے حضرت ادیب رائے پوری نے کیا کیا کہ ”نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلات تنقید“ کے عنوان سے اس تصنیف میں ان تینوں اسالیب کو یکجا کر دیا اور وہ بھی کچھ اس طرح کہ ان تینوں کا ممتاز رنگ بھی جدا ہے اور مجموعی کیفیت انہیں ایک دوسرے سے الگ بھی نہ ہونے دے۔ قوس قزح شاید اسی خلاق کا نام ہے“۔ (۱۰۲)

ایک ذہین تبصرہ نگار کی طرف سے، موضوع کے برعکس کسی کتاب کے مواد میں تین جدا جدا رنگ پائے جانے پر ایسے انداز سے ہی گفتگو کی جاسکتی تھی کہ تنقیدی رائے میں پوشیدہ ”طز ملج“ کو جو سمجھ سکے سمجھ لے جو نہ سمجھ سکے اسے مصنف کی تعریف کے کھاتے میں ڈال دے!

یہ تنقید کی کتاب دیکھ کر ایک تمنا جنم لیتی ہے کہ، اے کاش ادیب رائے پوری مرحوم! کتاب کو صرف اپنے موضوع تک ہی محدود رکھ کر گفتگو کرتے اور ہر بات لکھنے سے پہلے اسے منطق کی میزان پر بھی تول لیتے! کتاب کا نام ”نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلات تنقید ہے“ اور اس کے عنوانات میں ”خواجہ بندہ نواز گیسو دراز“، ”نعت کا اولین نمونہ“، ”راگ رام کلی کا خیال“، ”قلی قطب شاہ کا دور“، ”ملا وجہی کی نعتیہ شاعری“، ”نصرتی بیجا پوری“، ”دکن سے شمال کی طرف سفر نعت“، ”ترقی پسند ادب پر تنقید“، ”ترقی پسند ادب کیا ہے“، ”مذہبی موضوعات سے اختلاف کی مثال“، ”تصادم اور پسپائی“، ”ہر ترقی پسند لینن کا ایجنٹ

نہیں، ”ایک عیاش حکمران“، ”اولیائے کرام کی دکن میں آمد“، ”جنوبی ہند میں عربوں کی آمد (تہذیب و تمدن پر اثرات)“، ”نعتیہ کلام میں فلسفہ وحدت الوجود کی علمی بحث“، ”نعتیہ ادب میں کلماتِ شیطانی“ وغیرہ وغیرہ عنوانات شامل ہیں۔ ان عناوین پر طائرانہ نگاہ ڈالنے ہی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مصنف نے اپنے موضوع سے کتنا انصاف کیا ہوگا!

۷۔ محسن کا کوروی کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی:

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی یہ کتاب محسن کی شعری عظمت کے اظہار اور ان کی فنی بلندیوں کی نشاندہی کے لیے لکھی گئی ہے۔ نقاد کا کام کسی فن پارے کی تحسین کو صرف اپنے تاثر تک محدود رکھنا نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے پاس دلائل بھی ہوتے ہیں جن کی روشنی میں وہ اپنی رائے کو منطقی سطح پر قابل قبول بناتا ہے۔ نعیم عزیزی نے اپنی مذکورہ کتاب میں ایک عنوان قائم کیا ہے ”محسن کی شاعرانہ عظمت“۔ اس عنوان کے تحت وہ لکھتے ہیں:

”محسن کے یہاں صنعتوں کے استعمال میں بھی ان کا رنگ انفرادیت نمایاں ہے۔ انہوں نے رعایتِ لفظی سے زیادہ رعایتِ معنوی ملحوظ رکھی ہے اور اس کا سب سے بڑا سبب ان کی تخلیقی صلاحیت اور قوتِ ایجاد ہے۔ ان کی رعایت بے ساختہ، ان کی تشبیہات اور استعارات متحرک اور جاندار اور ان کا عام انداز شاعرانہ ہے۔ انہوں نے تلمیحات و اقتباسات کو جس سلیقے سے برتا ہے وہ ان کی تخلیقی حرکت پر دال ہے۔ تلمیحات، اقتباسات، حسنِ تغلیل وغیرہ سے کلام کو مزین کر کے محسن نے اسے ادبی وجاہت اور علمی وقار و شکوہ عطا کر دیا ہے“۔ (۱۰۳)

یہ لکھنے کے بعد انہوں نے کچھ ذیلی عنوانات قائم کر کے محسن کے کلام میں صنائعِ بدائع کے استعمال کی مثالیں دی ہیں۔ مثلاً تشبیہات، استعارات، تراکیب، مصطلحات، رعایاتِ لفظی، تلمیحات، صنعتِ اقتباس، صنعتِ تلمیح، صنعتِ حسنِ تغلیل، محاکات، ہندی اور ہندوستانی عناصر، وغیرہ وغیرہ:

تشبیہات:

جو گیا بھیس کیے چرخ لگائے ہے بھبھوت
یا کہ بیراگی ہے پر بت پہ بچھائے کبل
لہریں لیتا ہے جو بجلی کے مقابل سبزہ
چرخ پر باد لا پھیلا ہے زمیں پر مٹل

استعارات:

”استعارات کا استعمال بڑا سلیقہ اور بڑی نزاکت خیال و فکر کا متقاضی ہوتا ہے۔ محسن کے استعارات بھی بہت نادرہ کار، رقصاں اور کیف آور ہیں۔ حضور ﷺ کے لیے کیسے پر کیف استعارے محسن نے وضع کیے ہیں:

گل خوش رنگ رسول مدنی العربی
زیپ دامن ابد طرہ دستارِ ازل
اوج رفعت کا قمر نخل دو عالم کا ثمر
بحر وحدت کا گہر چشمہ کثرت کا کنول

تراکیب:

”محسن نے ترکیب سازی کا بہت ہی اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے اور اس کے توسط سے حضور رسول کو نبی ﷺ کی صفات عالیہ کو بھی پیش کیا ہے مثلاً:

زیپ دامن ابد طرہ دستارِ ازل، سطرِ اخیر، صفحہ راز، مطلعِ اولیں آغاز، گلِ نو بہارِ معنی، گوہرِ شاہوارِ معنی، اورنگِ نشیں، عزت و جاہ، زور سرِ پنجہ ید اللہ، ہر تکتہ جانفزائے ناسوت، رازِ ملکوت، سر لاہوت، دانش دانائے سر مکون، در بے بہائے تکوین، لعلِ کوہِ تمکین، روزِ طلوعِ صبحِ بینش، صبحِ شش روز آفرینش، قبلہء شش جہات عالم، مرجع کائنات عالم وغیرہ..... محسن نے ان تراکیب کے ذریعہ بھی حضور جان نور ﷺ سے اپنی بے پایاں عقیدت و محبت کا ثبوت پیش کیا ہے۔

مصطلحات:

”جناب محسن نے دینی، علمی اور ادبی مصطلحات کا بہت ہی خوبصورت استعمال کیا ہے۔ ا۔ شعر و سخن سے متعلق: مصرعہ، مطلع، مقطع، قافیہ، نظم، غزل، قصیدہ، غمسمہ، بیاض، دیوان وغیرہ۔ ب۔ دینی علوم و فنون سے متعلق: شمسیہ، قطبی، حاشیہ، تفسیر بیضاوی، تفسیر کبیر، تفسیر کشاف، مشکوٰۃ وغیرہ۔ ج۔ نجوم و ہیت سے متعلق: زہرہ، مشتری، ثابت، سیارے، زحل، مریخ، حمل، ثور، عقرب، پروین، بہرام، کیوان، دبیر، طالع، حوت، میزان، دلو، توقیعات وغیرہ۔“

رعایاتِ لفظی:

”شعر دراصل الفاظ کی خوبی ترتیب ہی کا دوسرا نام ہے۔ شعر میں الفاظ موقع محل کے مطابق ہوں اور ترتیب میں موزونیت ہو تو شعر پر لطف ہو جاتا ہے۔ چونکہ محسن کو زبان پر عبور ہے لہذا انہوں نے موقع

وَحْل کی مناسبت سے الفاظ کا خوشنما استعمال کیا ہے۔ اس ضمن میں چند اشعار دیکھئے:

اے پر تو مہر لایزالی بے مثل مثالِ بے مثالی
ظلمت کا چراغ بے ضیا ہے انجم کا ستارہ ڈوبتا ہے
محسن کے قصیدہ لامیہ، مثنوی چراغِ کعبہ اور صبحِ تجلی، میں رعایتِ لفظی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ بقول حسن عسکری:

”رعایتِ لفظی بری چیز سہی لیکن محسن کی نعتیہ مثنویوں میں یہ رعایت تین دائروں میں یا تین سطحوں پر بیک وقت عمل کرتی ہے۔

۱۔ انفرادی طور سے شعر کے اندر رعایتِ لفظی اور مناسبات کا استعمال۔

۲۔ پوری مثنوی میں ایک خاص مضمون کی رعایت اور اس کے مناسبات کا انتخاب۔

۳۔ مناسبات سے اس طرح کے مضمون نکالنا جن سے حقیقتِ محمدی کی طرف اشارہ ہو۔“ (۱۰۴)

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے اسی طرح مثالیں دے دے کر بتایا ہے کہ محسن کے کلام میں تلمیحات، صنعتِ اقتباس، صنعتِ تلمیج (ایسی لفظی صنعت جس میں شاعر کسی دوسری زبان کے جملے یا مقولے استعمال میں لائے)، صنعتِ حسنِ تعلیل، محاکات کے استعمالات کتنے نادر ہیں اور ہندی اور ہندوستانی عناصر کس خوبصورتی سے سموئے گئے ہیں۔ پھر انہوں نے محسن سے قبل کے نعت نگاروں سے محسن کی شاعری کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا ہے:

”محسن سے قبل کے نعت نگاروں کے کلام کے جائزے اور کلامِ محسن کے جائزے سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ نعت کا موضوع محسن کے یہاں ہی آکر ادبی اور فنی معیار حاصل کرتا ہے۔ انہوں نے لکھنوی دبستانِ شاعری کے فنی عناصر کو اپنی تخلیقی صلاحیت اور اپنے جذبہ کی تقدیس و خلوص کی بنا پر فرن شریف بنادیا۔ انہوں نے رعایتِ لفظی سے زیادہ رعایتِ معنوی کو ملحوظ رکھا ہے۔ محسن کی نعتیہ شاعری ویسے تو قریب قریب ہر شرعی گرفت سے پاک ہے اور اگر کہیں بظاہر کوئی شرعی خامی نظر آتی بھی ہے تو وہاں تاویل کی گنجائش ہے البتہ انہوں نے لفظِ یثرب کا جو استعمال کیا ہے وہ شرعاً ممنوع اور غلط ہے۔ بہر کیف ادبی، فنی، علمی اور شرعی اعتبار سے ان کی نعتیہ شاعری بہت بلند ہے اور ان کی تخلیقی حرکیت کی آئینہ دار۔“ (۱۰۵)

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، محسن کا کوردی کو قصیدہ نگاری کے حوالے سے سودا اور ذوق کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں اور مثنوی نگاری میں میر حسن اور دیانت گنیم کے دوش بدوش دیکھتے ہیں۔ (۱۰۶)

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا تنقیدی عمل، جمالیاتی اور تقابلی تنقیدی دبستان کے امتزاج کے طور پر

سامنے آتا ہے۔

۸۔ اردو میں نعت گوئی، چند گوشے، پروفیسر شفقت رضوی:

پروفیسر شفقت کی اس کتاب میں کل دس مضامین ہیں جن میں آٹھ مضامین کا مزاج تنقیدی ہے۔ دو مضامین تحقیقی نوعیت کے ہیں۔ عنوانات کی فہرست یہ ہے:

i۔ اردو میں نعتیہ ادب کی تحقیقی اور تنقیدی کتب کا جائزہ

ii۔ نعت کے حدود

iii۔ کچھی نرائن شفیق کا معراج نامہ

iv۔ تمیز لکھنوی کی یادگار نعتیں

v۔ غالب حضور رسالت مآبؐ میں

vi۔ حسرت موہانی کی نعت گوئی

vii۔ دست دعا کا شاعر..... صبا اکبر آبادی

viii۔ طاہر سلطانی کی نعتیہ شاعری

ix۔ خوش خصال نعت گو صبیح رحمانی

x۔ اردو نعت اور جدید اسالیب پر ایک نظر

شفقت رضوی کا تنقیدی منہاج ظاہر کرنے کے لیے ہم نے ان کی چند تحریروں سے کچھ

پیرے منتخب کیے ہیں۔ نعت کے حدود کے زیر عنوان وہ لکھتے ہیں:

”مرکز النعت کے ابرو کے اشارہ پر جان نثار کی جاتی ہے۔ شاعری میں محبت کے دعوے کس نے نہیں کیے لیکن جان نثار کرتے کسی کو نہیں دیکھا، گویا محبت کا شاعری میں دخل ایک رسم ہے جو ہر صنف میں ادا کی جا رہی ہیں (ہے)۔ نعت گوئی کو اس سے مستثنیٰ قرار دینا ممکن نہیں“..... نعت گوئی کے لیے شاعری کے فن سے واقفیت اور زبان پر کامل عبور بھی ضروری ہیں۔ شاعری کرنے کے لیے علم عروض کافی نہیں۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی فطرت و بیعت کی جاتی ہے جو شعر گوئی پر آمادہ کرتی ہے اور فطرت ہی قدم قدم پر رہنمائی کرتی اور اظہار کی قدرت بخشی ہے ان اوصاف کے حامل جب ایک خاص کیفیت میں علم یا تخیل کی بنا پر الفاظ کو ترتیب دیتے ہیں تو اس سے وہ شاعری وجود میں آتی جسے ”آمد“ کہتے ہیں۔ فی زمانہ فطرت کی اس کرشمہ سازی کے شواہد کم ملتے ہیں۔ اب

شعرواد نہیں ہوتے ”بنائے جاتے“ ہیں۔ یہ بھی گویا ایک رسم پوری کرنے کا ذریعہ ہے جب آورد ہی شعر کی بنیاد ہو تو نعت بھی رسم کے سوا کچھ نہیں“۔ (۱۰۷)

درج بالا اقتباسات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ پروفیسر شفقت رضوی، نعت میں فنی رچاؤ کے ساتھ ساتھ خلوص فکر و خیال اور جذبے کی پاکیزگی دیکھنے کے متمنی ہیں۔ نعت میں حب رسول ﷺ کے دعوے کو وہ رسمی سطح سے بلند دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

”زبان دانی سے مراد اس زبان کو جان لینا نہیں ہے جو ماحول کی عطا ہے اور قواعد کی پابند! زبان دانی سے مراد لفظ لفظ کے برتنے کا سلیقہ لفظ شناسی سے حاصل ہوتا ہے۔ جب قدرت اور سلیقہ باہم پیوست ہوں، شعر میں وہ بات خود بخود پیدا ہو جاتی ہے جس کو ”تاثر“ کہا جاتا ہے اس کے بغیر شعر کو شعر نہیں ”کلام موزوں“ کہا جائے گا۔ تاثر ہی شعر کو اور شاعر کے نام کو زندہ رکھتی ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جہاں علم ہے، مرتبہ شناسی ہے وہاں تاثر نہیں ہے جہاں شعری حسن نے تاثر پیدا کی ہے وہاں علم کا فقدان ہے۔ احترام، محبت، ارادت و عقیدت کی کمی ہے۔ البتہ فن دانی کی کرشمہ سازی ہے۔ کسی ایک حصہ پر انحصار کرنا دوسری سے اجتناب برتنا کامل فن کاری نہیں اسی لیے نعت کے حدود میں شامل نہیں۔ نعت گوئی بہت مشکل فن اس اعتبار سے ہے کہ اس میں مضمون اور اسلوب حد اعتدال میں ہونا ضروری ہے۔ شاعری میں، مبالغہ جائز ہی نہیں بلکہ سکھ، رائج الوقت ہے۔ نعت میں اس کی گنجائش نہیں۔ جب بھی مبالغہ سے کام لیا جائے گا، پیغمبری، الوہیت کی جگہ لے لے گی اور خارج از امکان بھی ہے اور خارج از ایمان بھی۔ اسی طرح لفظ، محاوروں اور روزمرہ کے استعمال میں بھی حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ بے احتیاطی سے شاعر گستاخی کا مرتکب ہو جاتا ہے اس کی سیکڑوں مثالیں رسمی نعتوں میں ملتی ہیں۔ نعت کے حدود میں صرف وہی اشعار شامل کیے جاسکتے ہیں جن کی نسبت رسول اللہ ﷺ سے ہو“۔ (۱۰۸)

اس اقتباس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ پروفیسر شفقت رضوی، نعت میں زبان و بیان کی نفاست اور جذبے کی صداقت دیکھنا چاہتے ہیں..... پروفیسر شفقت رضوی نے لفظ ”نعت“ کے اختصاصی پہلو پر زور دیتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ لفظ چودہ سو سال سے صرف حضور اکرم ﷺ کی ذات کے حوالے سے لکھی ہوئی شاعری کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے لہذا اب کسی شخص کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اس لفظ کو کسی اور کی تعریف کے لیے بھی برتے۔ یہ نکتہ بیان میں کیوں آیا اس کی وجہ بتاتے ہوئے انہوں نے لکھا:

”جدت طرازی اور ترقی پسندی کے نام پر ایک نئی آواز اٹھی ہے جو ابھی دھیمی ہے لیکن کسی وقت بھی

نعرہ میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ بھارت کے ایک دانشور نے جس کو علم الانعام سے خصوصی دلچسپی ہے جو ”دھارلک“ لٹریچر سے بے حد متاثر ہے ایک طرح سے، ہندو ازم کو (جو افراد کی ذہنی تخلیق ہے) مذہب پر (جو نزول آسمانی پر مبنی ہے) فوقیت دیتا ہے جس کا نام مسلمانوں جیسا ہے جس کا جزو آخر کسریٰ کے اس بداندیش جیسا ہے جس نے حضور ﷺ کے تبلیغی خط کو چاک کر کے اپنی دنیا اور عاقبت خراب کی تھی ایک نیا شوشہ چھوڑا ہے ”نعت“ کے معنوں میں وسعت پیدا کرنا چاہیے اور نعت کا اطلاق ہر عظیم المرتبت شخص کی شان میں کہے ہوئے اشعار پر ہونا چاہیے۔ چنانچہ وہ اس تحریک کا شہار ہوتا ہے رام، لکشمی، اور دیگر اوتاروں کی مدح میں کہے گئے اشعار کو نعت قرار دینی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب حضور ﷺ کے حوالے سے اشعار کو نعت کہنے کی اصطلاح کا استعمال (ساڑھے چودہ سو برس) سے جاری ہے تو اس کو وسعت دینے کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی جبکہ توصیفی اشعار کے لیے ”قصیدہ“ جیسی صنف موجود ہے۔ اس قسم کے شوشہ چھوڑنا اور نعت کے حدود میں دخل اندازی کرنا مسلمانوں میں ذہنی انتشار پیدا کرنے کی سابقہ تحریک کا نیا حصہ ہے۔ قبل اس کے کہ ایسی کوئی بات سنجیدہ طریقہ سے مقبول ہو اس کی شدت سے مخالفت کرنا اور ایسے بے لگام لکھنے والوں کو مسلم صحافت سے دور کرنا از حد ضروری ہے۔“ (۱۰۹)

لفظ نعت چوں کہ صرف لفظ نہیں بلکہ ایک اصطلاح ہے اور اس لفظ کے لغوی معانی کے تمام لونی عکس مسلم تاریخ کے ہر عہد میں صرف حضور اکرم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات تک ہی پہنچتے ہیں لہذا مسلمانوں کی اس لفظ سے جذباتی وابستگی کو ڈھیلا کرنے کے لیے جو مذموم کوشش کی گئی پروفیسر شفقت رضوی نے بروقت اس کوشش کا تعاقب کیا اور اس کے ناپاک عزائم کو بے نقاب کیا۔ شفقت رضوی کی یہ تنقید تشریحی تنقیدی دہشتان کا حصہ ہے۔

۹۔ سروِ نعت، ابوالامتیاز ع۔ س۔ مسلم:

ع۔ س۔ مسلم کی اس کتاب میں کچھ تحریریں تو ایسی ہیں جو انہوں نے اپنی نعتیہ کتب کے دیباچوں کے طور پر لکھیں اور کچھ مصلحے (انٹرویوز) ہیں جن میں نعت کے موضوع کے حوالے سے سوالات اٹھائے گئے اور ع۔ س۔ مسلم نے ان کے جوابات دیئے۔ ان تحریروں میں نعتیہ شاعری کی نزاکت، احتیاطِ شیشہ گری، ادبی حسن کی ضرورت اور موضوع کی عظمت کے پہلو اجاگر کیے گئے ہیں۔ شاعر کا اپنے موضوع کے تقاضوں سے آگاہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اپنی تنقیدی بصیرت کام میں لاسکتا ہے۔ نعت گو شعراء کے لیے نعت کی عظمت اور اس کے حدود

سے آگاہ ہونا بہت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آفتاب احمد نقوی شہید، نے سرود نعت کے مصنف سے یہ سوال کیا کہ ”نعت کے حوالے سے آپ کی سوچ یا نظریہ کیا ہے؟“ ع۔ س۔ مسلم نے اس سوال کا جواب بڑی تفصیل سے دیا تھا۔ ہم اختصاراً کچھ نکات یہاں لکھتے ہیں:

☆ نعت کو رسول کریم ﷺ کے آئینہ ذات اور صفات ہی میں آپ سے محبت اور عقیدت کا عکاس ہونا چاہیے..... ☆ رسول کریم ﷺ افضل البشر ہیں۔ مخلوق میں آپ بلند درجات کے حامل ہیں۔ ان درجات کی رفعت کا تصور محال ہے۔ ایسی صورت میں آپ ﷺ کے مدارج کی درجہ بندی ممکن نہیں۔

☆ بنا بریں آپ کی سیرت و کردار کا مطالعہ فکر عمیق سے ہونا چاہیے..... ☆ محبت کا اظہار آپ کی اطاعت اور وفاداری سے مشروط ہے..... خود نعت گو کی شخصیت میں آپ کے اسوۂ حسنہ کا پرتو نظر آئے۔

☆ جب تک نعت گو کو مناسب سطح تک مقام مصطفیٰ ﷺ کا صحیح ادراک نہیں ہوگا، نعت گوئی خوبصورت الفاظ میں محصور ہو کر زور و قلم کا اظہار رہ جائے گی۔ (۱۱۰)

اسی طرح جب ع۔ س۔ مسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ ”آپ کے خیال میں نعت گو کو بطور خاص کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟“ تو انہوں نے اس سوال کا جواب بھی بھر پور تحریر کی شکل میں دیا تھا۔ ہم اس سوال کے ضمن میں بھی، ع۔ س۔ مسلم، کے چند نکات یہاں پیش کرتے ہیں:

☆ حضور ﷺ افضل البشر ہیں لیکن آپ بھی اپنے رب کے مکمل تابع، اطاعت گزار، وفا شعار، مطیع و فرماں بردار اور اس کے فضل و کرم کے محتاج و طلبگار ہیں۔ آپ کی طرف ایسی صفات کو منسوب کرنا جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے خاص ہیں، اور آپ کی ذات محبوبی اور اللہ تعالیٰ یعنی اپنے خالق سے تعلق خاطر کو دنیاوی تصور عاشق و معشوق (نعوذ باللہ) سے بیان کرنا، نہ صرف آپ کے لیے سوء ادب ہے بلکہ انتہائی درجے کا شرک و بدعت ہے..... ☆ آپ محبوب رب ہیں۔ ہر صانع کو اپنی صنعت پیاری ہوتی ہے۔ بالخصوص وہ جو کاملیت کے درجے کی ہو..... ☆ مسلسل امتحان اور آزمائش سے گزرنے کے باوجود آپ نے تبلیغ حق میں کوتاہی نہیں کی بلکہ اپنے اسوۂ حسنہ کی مثال پیش کی اور اپنے رب کی محبوبیت کا شرف حاصل کیا۔

☆ کامل بندگی و اطاعت کا یہ وہ مقام ہے، جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کی محبت میری محبت کے مترادف ہے اور آپ کی اطاعت میری اطاعت کے مترادف..... ☆ نعت گو کو، خودی کو، ”انا“ سمجھنے کے بجائے، خالق و بندے کی رضا کی اس خوش آمیزی کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے..... ☆ سیرت کے یہ ٹھوس حقائق نعت گو کے پیش نظر رہیں۔ اسے فرہاد و مجنوں کی طرح صرف ”عشق و محبت“ کا رونا نہیں رونا چاہیے..... ☆ اطاعت کے بغیر محبت کا اظہار آپ سے روگردانی کے مترادف ہے۔

☆ حضرت حسان بن ثابتؓ کی حضور نبیؐ کریم ﷺ کی محفل میں پذیرائی اور بصیریؒ کے قصیدے کی مقبولیت، درست جہت اور اللہ اور اس کے رسول کے دربار میں شرف قبولیت کی دلیل ہے۔ یہ نکتہ بھی اسی تناظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے..... ☆ آپؐ کی محبت اور محبت کے عام تصور میں بہت فرق ہے۔ نعت میں اس فرق کی صحیح عکاسی ہونی چاہیے..... ☆ دعا، فریاد، طلب اور مانگ، اللہ کی ذات سے ہونی چاہیے نہ کہ رسول اکرم ﷺ کی ذات سے..... ☆ اطاعتِ رسول اکرم ﷺ کے بغیر شفاعت کی امید رکھنا اور نعت میں رسماً شفاعت کے مضامین باندھنے کا عمل بھی اصلاح طلب ہے۔ اس ضمن میں ع۔س۔ مسلم لکھتے ہیں:

”مشہور اعرابی جس نے حضورؐ سے عرض کیا تھا کہ میں نے ازراہ عبادات و صدقہ و خیرات تو کوئی خاص اثاثہ جمع نہیں کیا، صرف آپؐ سے محبت رکھتا ہوں، اور جس کے جواب میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ قیامت میں تو جس کے ساتھ محبت رکھتا ہے اسی کے ساتھ ہوگا۔ تو اس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ مقدور بھر کوشش عمل ہو پھر اعترافِ گناہ ہو، اور حضور کے ساتھ قلبی تعلق خاطر اور محبت بھی ہو، تو کون بد بخت ہے جو روزِ قیامت زمرہٴ ابرار اور سایہٴ رحمت و عاطفت سے بیگانہ رہنے کا خیال بھی کر سکتا ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ جو شخص اللہ کے حکم کے تحت قرآن و حدیث اور سنتِ رسول ﷺ پر تو عامل نہیں وہ اسی اللہ کے بندے اور اسی کے فرستادہ رسولؐ سے سفارش کی توقع کیسے کر سکتا ہے“۔ (۱۱۱)

ایک جگہ لکھتے ہیں:

”مقصد صرف بات کہنے سے نہیں پورا ہوتا بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ بات کس طرح کہی گئی ہے اور شعر میں توفی تقاضے قدم قدم پر دامن گیر ہوتے ہیں۔ اگر تلفظ، بحر، یا معانی کے وہ تقاضے پورے نہ ہوں، تو قول یا شعر کا تاثر زائل ہو جاتا ہے۔ اس لیے شاعر کو اس امر میں خصوصی احتیاط کی ضرورت ہے..... ”با محمدؐ ہوشیار“ کی تنبیہ کا تقاضا ہے کہ آدابِ نعت پہلے آئیں اور جسارتِ اظہار بعد میں ہو اور اس اظہار میں بھی جسارت سے زیادہ محبت، عقیدت اور اطاعت کے پہلو غالب ہوں“۔ (۱۱۲)

شاعری میں جذبے کی بنیاد کے ضمن میں لکھتے ہیں:

”دیکھنے کی بات یہ ہے کہ شاعر کے القاءِ خیال کا مصدر منبع کیا ہے؟ اس کی آبیاری اگر سرچشمہٴ ایمان و یقین سے ہوتی ہے، تو شاعری سے بڑی کوئی نعت نہیں اور اگر یہ منبع محض خیال و خواب اور

وہم کی کارگاہ ہے، تو پھر یہ وعید باری تعالیٰ کے مطابق باعثِ ملامت و ندامت ہے۔ دونوں طرح سے اس کی اہمیت اتنی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد جگہ شعراء کا تذکرہ مناسب سمجھا۔ (۱۱۳)

شعراء کے لیے عموماً اور نعت گو شعراء کے لیے خصوصاً اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ شاعری میں القاء خیال کا مصدر و منبع کیا ہے؟ شعر کی تخلیق میں شاعر کا تنقیدی شعور کا فرما ہوتا ہے۔ نعت گو شاعر کے تنقیدی شعور میں ایمانیاتی چمک اور نعت کے موضوع کی رفعت کا احساس کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔ ع۔ س۔ مسلم نے اپنے تخلیقی منہاج میں ”خود تنقیدی“ کا عنصر ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے۔ ان کی تحریر میں خود تنقیدی یا خود احتسابی کی ایک مثال بالکل منفرد ہے۔ ہوا یوں کہ ع۔ س۔ مسلم نے ایک نعت میں حسن مطلع کے طور پر ایک شعر کہا:

اے بخت کیا یاد مجھے میرے نبیؐ نے

بے اذن سعادت نہیں پائی یہ کسی نے

یہ شعر کہنے کے بعد ان کے احساس کی شدت نے ان پر جو کیفیات طاری کیں ان کا احوال شنیدنی ہے، وہ لکھتے ہیں:

”شعر وارد ہونے کے بعد کئی روز و شب عجیب کرب و اضطراب، اندیشہ و کشمکش، پریشانی و تردد اور بے کلی و بے قراری میں گزرے، کسی پل چین نہ تھا، کیا مقدر نے واقعی یاوری کی ہے اور آپؐ نے، میرے محبوب نبیؐ نے مجھے یاد فرمایا ہے؟ زہے قسمت، روئے زمین پر مجھ جیسا خوش قسمت آج کون اور ہوگا؟ لیکن دوسرے ہی لمحے یہ خوف دامن گیر ہو جاتا، یہ کہیں شاعرانہ تعلیٰ اور اس نسبت سے نہایت ہی بد بختانہ جسارت تو نہیں، کہ میں آپؐ کی طرف ایک ایسی بات منسوب کر دوں جس کا بقتید ہوش و خرد مجھے کوئی حواسی علم نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے تو جتنا استغفار کروں اور طالبِ غفو ہوں، کم ہے۔ اور تیسرا خدشہ یہ کہ رواروی میں صرف شعر ہی ہو گیا، لیکن اذنِ حاضری کہاں ہے، اس کے تو دور دور تک امکانات نظر نہیں آتے، یہ تو دہری بد بختی ہو گئی، یہ میں نے کیا کر دیا۔ کیا گھر سے نکل جاؤں، منہ چھپالوں، گریباں چاک کر لوں، دیواروں سے سر پھوڑ لوں، لیکن مشیت سے کہاں فرار ہوگا..... اگر نبیؐ نے یاد فرمایا ہے تو پھر میں یہاں کیا کر رہا ہوں؟..... اگر یہ شاعرانہ تعلیٰ ہے، تو میں نے آپؐ کی ذاتِ صدق مآب پر نعوذ باللہ بہتان باندھا۔ اب اس کا کفارہ کیا دوں، تاکہ راہِ راست پر آؤں؟ کیا اب حاضری نہیں ہوگی؟ وائے بد بختی میں تجھ سے اور اپنے ساتھ کیا سلوک

کروں..... چند روز اسی تذبذب اور کشمکش ذہن میں گزرے کہ ایک مختصر نچی نشست میں دوستوں کی فرمائش پر کہ تازہ نعت پیش کروں، میں نے یہی نعت پڑھ دی، مذکورہ شعر پر دل کا سارا خوف و تذبذب، اندیشہ و کشمکش کرب و اضطراب اور پریشانی و تردد موجوں کی طرح آنکھوں سے بہہ نکلا۔ ایک سخن فہم دوست نے شعر سنتے ہی کہا، بھائی! رختِ سفر باندھ لو، تمہارا بلا وہ آگیا ہے..... ایک ہفتہ کے اندر اندر ایسے اسباب پیدا ہو گئے..... واقعتاً اڑ کر درِ حضور پر پروانہ وار حاضر ہو گیا۔“ (۱۱۴)

تنقیدی نظریات اور تنقیدی اسالیب تو بہت سے سامنے آئے لیکن ”خود احتسابی اور خود تنقیدی“ کی ایسی مثال مجھے کسی اور کتاب میں نہیں ملی۔ دراصل نعتیہ شاعری کے لیے جذبے کی پاکیزگی اور بیان کی سچائی دونوں بہت ضروری ہیں لیکن بیشتر نعت گو حضرات اس بات کا خیال نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے ع۔س۔ مسلم کی قلبی کیفیات اور ذہنی کشمکش کا احوال اتنی تفصیل سے یہاں نقل کیا۔ ع۔س۔ مسلم کی تنقیدی آراء اور نعت شناسی کے نقوش دیکھتے ہوئے ان کی تنقید کو اصلاحی، جمالیاتی اور نظریاتی تنقیدی دبستانوں کا امتزاج قرار دیا جاسکتا ہے۔

۱۰۔ نعت کے جدید رنگ، جاذب قریشی:

جاذب قریشی کی یہ کتاب ان کے نومضامین اور کچھ شعری تخلیقات کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں ایک مضمون، جاذب قریشی کی نعت گوئی کے حوالے سے راقم الحروف کا ہے جس کا صرف اتنا ہی ذکر کافی ہے۔ جاذب قریشی کے نومضامین کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ قرطاس و قلم کی پرورش، نعتیہ شاعری کا ایک مختصر جائزہ

۲۔ سلام سے قرآن کی فریاد تک، مولانا ماہر القادری

۳۔ نام ایسا کہ ثنا ہو جیسے، حنیف اسعدی

۴۔ شکستہ شاخ سے ہری کونیل تک، سرشار صدیقی

۵۔ ان کی دہلیز پر، ماجد خلیل

۶۔ حمد و نعت کی یکجائی، عبدالعلیم کے طالب

۷۔ نورانی موسموں کا سفر، شہداء جیلپوری

۸۔ کم ہیں الفاظ ذکر طولانی، گہرا عظمیٰ

۹۔ جنت کا گلاب، صبیح رحمانی

عبدالعلیم۔ کے۔ طالب، کی کتاب ”یا اللہ یا رسول“ پر اظہار خیال کرتے ہوئے جاذب

قریشی نے لکھا:

”یا اللہ یا رسول“ ایک ایسی کتاب ہے جس میں حمد و نعت کو اس طرح لکھا گیا ہے جیسے یہ دونوں کسی ایک عظیم تصویر کے دو رخ ہیں جو الگ الگ بھی ہیں اور ایک ساتھ بھی ہیں۔ اس لیے کتاب کو توجہ سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ زبان و بیان کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ طالب صاحب نے کلاسیکی شاعری کو اپنے مطالعے میں رکھا ہے جس کی بنیاد پر ان کے یہاں طرزِ اظہار میں کوئی کچا پن تو نہیں ہے لیکن کوئی جدت بھی نہیں ہے۔ پھر بھی اپنے موضوعات میں طالب صاحب نے حمد و نعت کے فرق کو ایک ایسی یکجائی اور ایک ایسی وحدت میں پیش کیا ہے جو کم ہی پڑھنے میں آتا ہے۔ طالب صاحب کی حمدوں میں نعتیہ اشعار شامل ہیں اور ان کی نعتوں میں اللہ کی عظمت کا اظہار بار بار دکھائی دیتا ہے۔ ایسے چند اشعار دیکھئے:

مرے وجود کو دے کر درود کی دولت
رسول پاک کی نسبت کو مستند کر دے
میں ہوں ترے محبوب کی امت کا حوالہ
کعبہ بھی دکھا مجھ کو مدینہ بھی دکھا دے
تقلید میں جس شخص کی ہے ساری حقیقت
اللہ کا وہ ایک ہی ہمراز بہت ہے“ (۱۱۵)

ایک جگہ اے۔ کے۔ طالب، کے دو اشعار پیش کیے ہیں:
جدا نہ تیری نوازش سے ہو سکوں ہر گز
شکست ہو نہ سکوں مجھ کو وہ عدد کر دے
آزما اور مجھ کو اتنا آزما
بے وجود و بے عدم ہو جاؤں میں

ان اشعار پر تبصرہ کرتے ہوئے جاذب قریشی نے لکھا۔

”بے وجود و بے عدم ہو جانے کی دعا کرنا ایک تیسری حقیقت کو سامنے لاتی ہے کہ وہ اپنے وجود اور عدم دونوں کو پار کرنے کے بعد اللہ اور اللہ کے رسول کی صفات میں تحلیل ہو جانا چاہتے ہیں کیوں کہ صرف اسی طرح عدمیت اور بے وجودی کے حصار سے باہر نکلا جاسکتا ہے۔ طالب صاحب اپنے

عقائد میں بہت حساس ہیں مگر جذباتی یا رومانی نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنے علم اپنے تجربوں اور اپنے غور و فکر سے اللہ کی وحدت کے اور رسول کی رحمت کے اجالے سمیٹے ہیں۔ اللہ اور رسول کی یکجائی کا یہ اظہار دینی اور عملی سطحوں پر اعتبار کی قوت دیتا ہے جس کو طالب صاحب نے تخلیقی طور پر آگے بڑھایا ہے تاکہ حمد اور نعت کے فرق کے ساتھ اللہ اور ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھنے کا شعور بھی پیدا ہو اور دونوں کو ایک دوسرے سے الگ بھی نہ رکھا جاسکے۔ (۱۱۶)

شیداء چلپوری کی نعتیہ شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے جاذب قریشی نے لکھا:

”شیداء صاحب کے یہاں سبز گنبد کے مکین کی دید بہت اہمیت رکھتی ہے کہ رسول اکرم سے ان کی عقیدتیں اور محبتیں کچھ اس طرح کی ہیں جیسے وہ لمحہ لمحہ ان کے سامنے موجود ہوں۔ وہ سرکارِ دو عالم کو یوں پکارتے ہیں کہ ان کی دستگیری کا انہیں پورا یقین ہو۔ نبی کریم کی عظمت کا احساس شیداء صاحب کے لیے ایک زندہ حقیقت رہا ہے جسے وہ دیکھتے بھی ہیں اور محسوس بھی کرتے ہیں اور جسے وہ پا بھی لیتے ہیں..... ان کے کچھ ایسے اشعار سنانا چاہتا ہوں جو رسول اکرم کے مختلف رخوں کو اظہار میں لاتے ہیں:

انساں کی حقیقت کو بتایا تو نے انسان کو انسان بنایا تو نے
قربان ترے صاحبؐ لولاک لما اللہ سے بندوں کو ملایا تو نے
مٹی ظلمت ہوئی شمع رسالت کی درخشانی لیا نام محمدؐ مٹ گئی تاریکی ویرانی
محمد کیا ہیں خلاق دو عالم کی مشیت ہیں
وہ یکتائے زماں ہیں شاہکارِ دستِ قدرت ہیں“ (۱۱۷)

گہرا عظمیٰ کی نعتیہ تخلیقات کے ضمن میں جاذب قریشی رقم طراز ہیں:

”رسولؐ پاک کی محبت اور سیرتِ محمدیؐ سے استفادہ کے بہت سے سلیقے گہرا عظمیٰ کی نعتوں میں نظر آتے ہیں۔ گہرا عظمیٰ کو یقین ہے کہ رسول اکرمؐ اس کائنات کی تخلیق کا بنیادی سبب بنے ہیں۔ رب کائنات کا ساری خلقت پر احسان ہے کہ حضور اکرمؐ آئے اور انسانی جسم کو صیقل کر کے روح کو آئینہ کر دیا۔ کسی مذہب یا کسی عقیدے کا ماننے والا ہو حضور کو مانتا ہے کہ وہ ہر عہد ہر زمانے میں انسانیت کے سب سے بڑے خیر خواہ رہے ہیں اسی لیے انہیں محسن انسانیت کہا گیا کہ حضور کے آنے سے زمین و زمان، مکان و لامکان سبھی اجلے ہو گئے جو لوگ حیاتِ طیبہ کو مد نظر رکھتے ہیں، زندگی میں ہر لمحہ ان کا اعتبار بڑھتا ہی جاتا ہے۔ گہرا عظمیٰ نے حضور اکرمؐ کی اہمیت اور ان کی عقیدت و محبت کے

حوالے سے بہت کچھ لکھا ہے کچھ مثال دیکھتے ہیں:

اقوال ان کے راہِ عمل میں ہیں بے مثال
اعمال ان کے سارے ہی جنتِ نظیر ہیں
جس نے عرب کی خاک کو کندن بنا دیا
وہ کیمیاۓ اصل ہے قدموں کی ان کے دھول
شبِ معراج کی اک مختصر تفسیر یہ بھی ہے
زمینِ عرش بریں پہنچی، فلکِ زیرِ نکلیں ٹھہرا (۱۱۸)

جاذبِ قریشی نے نعتیہ شاعری میں اسوۂ رسول اکرم ﷺ کے بیان کو ہمیشہ پسند کیا ہے کیوں کہ وہ معاشرتی زوال کو کمال کی منزل تک پہنچانے کی تمنا کے تحت شعرِ عقیدت کا مطالعہ کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”گہرا عظمیٰ کے نعتیہ اشعار کے درمیان سیرتِ طیبہ کے جو عکس چمکتے ہوئے ہم نے دیکھے ہیں ان کے حوالے سے اس بات کا ادراک کرنا اور اس نازک بات کو محسوس کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے کہ گہرا عظمیٰ نے حضور اکرمؐ کو ہر اعتبار سے پوری دنیا کے مقابلے میں سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ مقبول جانا ہے کہ گہرا عظمیٰ کے یہاں حضور کی محبت و عقیدت کا یہی سبب تھا انہوں نے اپنی روزِ مرہ زندگی میں نعتیہ شاعری کے حوالے شامل کر کے انسانی رشتوں اور تعلقات کے درمیان رسول اکرمؐ کی فکری و عملی مثالوں کو اس طرح پیش کیا ہے کہ کردار سازی کا بہترین اسلوب تخلیق پا گیا ہے۔ گہرا عظمیٰ کے لفظ اور ان کا طرزِ نگارش سہل اور دلکش اس لیے بھی لگتا ہے کہ ان کے اشعار میں حضور کے لیے محبت کی وہ سادگی اور عقیدت کی وہ سچائی موجود ہے جس کو ماننے اور جاننے والوں کی دعائیں گہرا عظمیٰ کے کشکولِ جاں میں آئینہ بن کر چمک رہی ہیں:

ان کی توصیف میں لکھوں کیوں کر
کم ہیں الفاظ، ذکرِ طولانی“ (۱۱۹)

جاذبِ قریشی کا اندازِ رومانی ہے اور ان کی تحریر پر اس کا بہت گہرا عکس ہے جس کے باعث تاثراتی تنقید کے خدو خال واضح ہونے لگتے ہیں۔ کسی فن پارے کو اپنے وجود میں ضم کر کے پڑھنا اور پھر اس کے متعلق اپنے تاثرات قلم بند کرنا، تاثراتی تنقید کا طرہ امتیاز ہے۔ جاذب بھی اپنی تحریروں کے آئینے میں، اس تنقیدی دبستان کے نمائندہ نقاد کی حیثیت سے ابھرتے ہیں۔

۱۱۔ نعت، حقیقت کے آئینے میں، محمد شفیق اختر:

اس کتاب میں مصنف نے نعت سے متعلق بڑے اہم مسائل کی نشاندہی کی ہے اور موضوع کے لوازمات کے حوالے سے بڑی کام کی باتیں کی ہیں۔ کتاب میں نعت کی مختلف جہتوں کے باب میں پانچ عنوانات پر گفتگو کی گئی ہے:

۱۔ نعت کا لغوی مفہوم اور اس کے معنی

۲۔ نعت اور اس کا ارتقائی سفر

۳۔ نعتیہ شاعری میں قرآن وحدیث کے مضامین

۴۔ فن اور صنف نعت

۵۔ نعت پر ہندی تہذیب کے اثرات

کتاب کے صفحہ ۱۷۱ سے ۲۲۶ تک عربی، فارسی، اردو نعت، مختلف نعتیں اور رباعیات و آخذ ہیں۔

”فن اور صنف نعت“ کا عنوان چوں کہ ہمارے موضوع (نعت نعت) سے متعلق ہے لہذا ہم اسی باب سے کچھ نکات اخذ کریں گے۔ مصنف نے اس باب کی ابتداء میں لکھا ہے:

”شاعری کا ذوق و شوق وہی ہے کسی نہیں ہے۔ انسان یہ ذوق اپنی پیدائش سے ساتھ لاتا ہے اور تا دم مرگ ساتھ رہتا ہے۔ شاعری ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ یہ نہایت دقیق، کٹھن، مشکل اور نازک ہے۔ اصنافِ سخن میں مشکل ترین صنف، صنفِ نعت ہے۔ بظاہر تو یہ موضوع نہایت آسان، سیدھا اور سادہ دکھائی دیتا ہے لیکن اس موضوع کو احسن طور سے نبھانا جوئے شیر کا لانا ہے، نعت چوں کہ توصیفِ رسول اللہ ﷺ ہے اس لیے نعت گو کا قرآن وحدیث سے مکالمہ آگاہ ہونا اور تاریخ اسلام پر عبور ہونے کے ساتھ ساتھ عشقِ رسول ﷺ سے سرشار ہونا نیز ادب واحترام، قلب ونظر کی طہارت، شیفنگی و وابستگی ایسے لوازمات ہیں جن سے عہدہ برآ ہونا آسان کام نہیں۔“ (۱۲۰)

موضوع کی نزاکت اور نعتیہ شاعری کی لطافت کے لیے ضروری ہے کہ اسے حقیقت اور صداقت کا آئینہ بنایا جائے۔ اس کام کے لیے شاعر کو صرف وہی صلاحیت پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ علم و فن کے اکتساب میں محنت بھی کرنی چاہیے۔ اس اہم نکتے کی طرف محمد شفیق اختر نے توجہ مبذول کرائی ہے:

”نعت کا ایک اہم اور خاص پہلو یہ ہے کہ مبالغے کی آمیزش سے قطعی طور پر اجتناب کیا جائے اور حقیقت واقعات نفس الامری اصلیت و راست گوئی کے خلاف کوئی مضمون بیان کرنا ناراضی رسول

اکرم ﷺ ہے اس میں شک نہیں کہ حسن شعر کے لیے تخیل اور محاکات لازمی عنصر ہیں، ندرت اور مبالغہ آمیزی روح رواں کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس کے بغیر شعر بے رنگ و بے کیف ہو کر رہ جاتا ہے مگر نعت گوئی میں تخیل کی جدت طرازی اور مبالغہ سے حسن آرائی کرنا نہ صرف شجر ممنوعہ ہے بلکہ برائیوں کی جڑ ہے۔ نعت میں حقیقت و اصلیت اور راست گوئی کے خلاف کوئی مضمون بیان کرنا نعت کے چہرے پر گرد و غبار کی تہہ دیز کا جمانا ہے اور دروغ گوئی کے غلاف میں لپیٹنے کے مترادف ہے۔ (۱۲۱)

نعتیہ شاعری کے قدیم و جدید رنگ ظاہر کرنے کے لیے مصنف نے بتایا ہے کہ قدیم نعت میں زیادہ زور ولادت رسول اکرم ﷺ، غزوات، معجزات وغیرہ پر تھا۔ اس لیے قدیم مذاق شاعری کے تحت زیادہ تر میلاد نامے، معراج نامے اور وفات نامے، منظوم ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد یہ قدیم اسلوب آہستہ آہستہ ترک ہوتا دکھائی دیتا ہے (۱۲۲)۔

نعتیہ شاعری کے جدید رجحانات کے رواج کا ذکر وہ اس طرح کرتے ہیں:

”ویسے تو یہ تقلیدی رنگ و آہنگ آج کے نعتیہ کلام میں بھی پایا جاتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد سیاسی و معاشرتی اور سائنسی علوم کے تحت نعتیہ شاعری کے اسلوب میں ایک نمایاں تبدیلی ہوئی جس کا آغاز مولانا الطاف حسین حالی نے کیا۔ حضور ﷺ کی تعریف و توصیف کے بیان میں اظہار اور اسلوب نے ایک نئی کروٹ بدلی جس سے حضور ﷺ کی پیغمبرانہ شان و شوکت کے ساتھ ساتھ آپ کا تذکرہ محسن انسانیت اور انسان کامل کے طور پر ہونے لگا کہ کس طرح آپ نے ضلالت و گمراہی کے معاشرے کو نور تو حید سے منور کر دیا اور ایک وحشی قوم کو مہذب بنادیا ایک نئی تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھی۔ یہ مضامین مسدس حالی میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ حالی کے بعد تخلیقی قوت رکھنے والے شعراء نے اس اسلوب کو مزید آگے بڑھایا اور حضور ﷺ کی سیرت و سوانح کی مستند اور صحت مندر روایات کے حوالوں سے قلم بند کیا گیا۔ آپ کے پیغام رسالت، مقصد رسالت اور بنی نوع انسان کے لیے آپ کی تعلیمات اور آپ کے کارہائے نمایاں کی طرف خاص توجہ دی گئی لیکن وابستگی و شیفتگی رسول اللہ ﷺ مکمل طور پر ساتھ رہی اور عشق رسول سے دامن بھرا رہا۔ اس جدید اسلوب میں زبان و بیان کی شائستگی اور فن نعت کی پوری نزاکتیں ملتی ہیں۔ اس دور میں نئی اصناف شعر، آزاد نظم، معر انظم نے نعت کے ہیبتی دائرے کو وسیع کر دیا۔ اس جدید دور میں معروف نعت گو شعراء میں ماہر القادری، احمد ندیم قاسمی، عبدالعزیز خالد، مظفر وارثی، حافظ لدھیانوی، حفیظ تائب، عاصی کرناٹی اور قیوم نظر کے ہاں یہ

جدید اسلوب نعت ہی کا فرما ہے۔“ (۱۲۳)

نعتیہ شاعری کی نزاکت، نظافت اور رفعت موضوع کے لحاظ سے تنقیدی رائے رکھتے ہوئے جن موضوعات و اسالیب کا تذکرہ محمد شفیق اختر نے اپنی تحریر میں کیا ہے، اس کے ذیل میں کچھ شعراء کا نعتیہ کلام بھی انتخاب کے طور پر کتاب میں درج کر دیا ہے۔ کہیں کہیں شعراء کی بے احتیاطیوں کا ذکر کر کے کچھ اشعار ایسے بھی لکھ دیئے ہیں جن کے مضامین اور اسالیب کی تکرار موضوع کی عظمت کے خلاف ہونے کے باعث لائق ترک ہے۔ مثلاً عربی کے مدح رسول ﷺ میں لکھے ہوئے قصیدے کا یہ شعر:

شاید عصمت تلاش صحت من کے کند

خون حیض دختر رز جوشد از لہجائے من

کیا اس سے زیادہ فحش اور گھٹیا شعر بھی ہو سکتا ہے؟“ (۱۲۴)

علاوہ ازیں محمد شفیق اختر نے نعت کی تاثیر اور اسلامی معاشرے پر اس کے اثرات کا ذکر کر کے اپنی تحریر میں عمرانی تنقید کا نمونہ بھی دکھلایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”نعت اپنی تاثیر سے بے عمل کو عمل کرنے کی طرف راغب کرتی ہے، جذبہ سرفروشی پیدا کر کے باطل کے سامنے ڈٹ جانے کا حوصلہ عطا کرتی ہے اور عشق رسول میں مخمور رہ کر نیکی کے سمندر میں غوطہ زنی کا درس دیتی ہے، غیرت ایمانی پر زندہ رہ کر اسوہ حسنہ کی تصویر بنادیتی ہے۔ مومن میدان بدر میں لڑتا، صلح حدیبیہ پر عمل کرتا، رات کو ضرورت مندوں کی مشکلیں حل کرتا اور صراطِ مستقیم پر چلتا ہوا راہی دکھائی دیتا ہے۔“ (۱۲۵)

محمد شفیق اختر کی مذکورہ کتاب میں تنقید شعر کا جو انداز جھلکتا ہے اسے ہم تاریخی تنقید، جمالیاتی تنقید، اور عمرانی تنقیدی دبستانوں کا عکس کہہ سکتے ہیں۔ ان کی تحریر میں عملی تنقید کے نمونے بھی ہیں۔

۱۲۔ غالب اور ثنائے خواجہ ﷺ، سید صبیح الدین رحمانی:

شاعری کے ضمن میں تنقیدی نظریات اچھی شعری تخلیقات کی اصولوں پر مبنی تحسین کے ذریعے بھی سامنے آتے رہے ہیں۔ اردو میں غالب کی شاعری، فنی کمال اور شعری جمال کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے فنی نگار خانے میں نقادوں نے شعر عقیدت کے نقوش بھی بنگاہِ استحسان دیکھے اور ان میں پائی جانے والی شعری اقدار کی پرکھ کا کام بھی کیا۔ نقد شعر کا عمل، اچھی شاعری کے نمونوں کی روشنی میں بھی سامنے آتا رہا ہے۔ سید صبیح الدین رحمانی کی مرتب کردہ کتاب بھی اسی تنقیدی جہت کی مثال

ہے۔ اس کتاب میں صبیحِ رحمانی نے، نعتِ رنگ میں شائع ہونے والے دس مضامین شامل کیے ہیں:

- ۱۔ غالب کا نعتیہ کلام، ضیاء احمد بدایونی
- ۲۔ غزلیاتِ غالب میں نعت کی جلوہ گری، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشتی
- ۳۔ غالب! حضورِ رسالت ﷺ میں، پروفیسر شفقت رضوی
- ۴۔ غالب کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری
- ۵۔ غالب کے فارسی کلام میں نعت، ادیب رائے پوری
- ۶۔ غالب کی ایک نعتیہ غزل، پروفیسر محمد اقبال جاوید
- ۷۔ غالب کی اردو شاعری میں مضامینِ نعت کا فقدان، عزیز احسن
- ۸۔ غزلیاتِ غالب کی زمینوں پر نعت گوئی، ڈاکٹر عاصی کرنالی
- ۹۔ قدسی کی غزل پر غالب کی تقصیم، پروفیسر سید وزیر حسن
- ۱۰۔ عظمتِ رسول ﷺ خطوطِ غالب میں، ڈاکٹر سید یحییٰ خٹیط

ان مضامین میں بھی بیشتر غالب کی فارسی نعتیہ شاعری کا تذکرہ ہوا ہے۔ اردو میں چوں کہ غالب کی کوئی نعت نہیں ملتی، البتہ ان کی غزلوں میں کچھ اشعار نعتیہ بھی ہو گئے ہیں اس لیے ان کا ذکر ہی ان مضامین میں ہوا ہے۔ ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشتی نے قاری اساس تنقیدی روش پر چلتے ہوئے غالب کی غزلوں میں نعتیہ مضامین کی جھلک دیکھی ہے۔ پروفیسر شفقت رضوی نے سچ کہا ہے:

”سخت اصولوں سے پرکھا جائے تو غالب کو ”نعت گو“ شعراء کے حلقے میں شامل نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ انھوں نے اس صنف پر باقاعدہ طبع آزمائی نہیں کی ہے۔ ان کی غزلوں میں چیدہ چیدہ نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ فارسی میں ایک غزل ایسی ہے جسے نعتیہ غزل کہا جاسکتا ہے۔ باوجود اس کے اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ وہ دل اور روح کی گہرائیوں سے توحید اور آں حضرت ﷺ کی رسالت کے قائل تھے اور ان دونوں امور کو ایمان اور شفاعت کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ ان کی شاعری کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دو معاملوں میں یقین کی منزل پر تھے ایک:

شعر غالب نبود وحی و نگویم ولے

تو و یزداں نتواں گفت کہ الہامے ہست

(غالب کے اشعار وحی تو نہیں ہیں اور نہ ہم کہہ سکتے ہیں لیکن اللہ کی قسم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ اشعار الہام ہیں) اور دوسرے:

اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شبہ کے غالب گنبد بے درکھلا (۱۲۶)
ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری نے بھی اس شعر (.....درکھلا) کی بڑی تعریف کی ہے۔ وہ یہ
شعر درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”غزل کا یہ مقطع جس میں خالص نعت کا مضمون نظم ہے، دیدنی اور قابلِ داد ہے۔ صنعتِ تضاد کے
حسین استعمال سے قطع نظر معنوی اعتبار سے بھی غالب کا یہ نعتیہ شعر کافی خوب صورت اور دل آویز
ہے۔ واقعہ معراج کی بلیغ تبلیغ اور اس واقعہ کے سہارے آسمان کے لیے گنبد بے در کی ترکیب، گنبد
کے تلازمے کے بطور ”کھلا“ لفظ کا استعمال اور اس برگزیدہ ہستی کی امت میں ہونے کا بجا افتخار اور
اسی حوالہ سے اپنے کام بند نہ رہنے کا شاعر کا ایقان و اتقان..... ان سبھی عناصر نے مل جل کر غالب
کے اس شعر کو نعت کا درجہ التاج بنا دیا ہے۔“ (۱۲۷)

ڈاکٹر کشفی کا مضمون ”غزلیاتِ غالب میں نعت کی جلوہ گری“ قاری اساس تنقیدی دبستان
کے رنگ کا حامل ہے۔ غالب کے اردو دیوان میں نعت کے عنوان سے کوئی شعر موجود نہیں ہے لیکن بعض
غزلوں میں نعتیہ اشعار بھی آگئے ہیں۔ ڈاکٹر کشفی کے مطالعے میں غالب کی غزل کے کچھ ایسے پہلو آئے
ہیں کہ غزل کی ایمائیت کے باعث، ان شعروں میں نعتیہ آہنگ محسوس کیا جاسکتا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ
ہو:

”نبی اکرم ﷺ سے مسلمان کا رشتہ بہت سادہ، بہت پیچیدہ، بہت ہمہ جہت ہے۔ وہ ہمہ جہت رشتہ بھی
زندگی کی واحد جہت بن جاتا ہے۔ روح کی وادیوں میں آپ کا نام گونجتا رہتا ہے۔ کبھی صلوٰۃ و سلام
میں، درود کے تسلسل میں، کبھی اسم گرامی خود ہی درود بن جاتا ہے۔

رکھتے ہوئے قدم مری آنکھوں پہ کیوں دریغ
رتبے میں مہر و ماہ سے کم تر نہیں ہوں میں
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

اوپر جو شعر درج کیے گئے ہیں ان میں حضرت ختم المرسلین ﷺ کا کوئی نام استعمال نہیں کیا گیا ہے لیکن
معنوی قرائن، لامحدود کی طرف سفر، شعر کا خیال اور شاعر سے ہماری واقفیت ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتی
ہے کہ یہ نعت کے شعر ہیں۔ ”ورق تمام ہوا“..... غالب نے یہ شعر مجل حسین خاں کے لیے اپنی مدحیہ

غزل میں کہا تھا مگر یہ ملبوس شعری، خاں صاحب کے قد سے کہیں بڑا تھا اور یوں زبان خلق نے اس شعر کو نعت کا شعر بنایا۔ اسی غزل کا ایک اور شعر تو آپ نے ذکر رسولِ اعظم ﷺ کی محفلوں میں اکثر مقررین کی زبان سے سنا ہوگا:

زباں پہ بارِ خدا یا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

بے چارے چل حسین خاں اس شعر کا مصداق کب ہو سکتے تھے، اسی لیے ہمارے اجتماعی ذوقِ شعری نے اس شعر کو خراجِ تحسین کا وسیلہ اور ذریعہ بنا کر سرکارِ دو عالم ﷺ کی بارگاہِ عالیہ میں پہنچا دیا اور اس بات کو بھی ذہن میں رکھیے گا کہ شاعر جو کچھ کہتا ہے خود اس پر اس کے مکمل معانی منکشف نہیں ہوتے۔“ (۱۲۸)

ڈاکٹر کشفی نے ”اجتماعی ذوقِ شعری“ کے حوالے سے جو بات کی ہے اسے پروفیسر شفقت رضوی نے کچھ تفصیل سے لکھا ہے۔ تنقیدی دبستانوں میں قاری اساس تنقیدی دبستان نسبتاً جدید ہے۔ ڈاکٹر کشفی اور پروفیسر رضوی نے اس تنقیدی دبستان کا ذکر کیے بغیر تقریباً وہی نظریہ پیش کیا ہے جو ”قاری اساس تنقیدی دبستان“ کے سربراہ آوردہ نقادوں کا ہے۔ قبل اس کے کہ میں پروفیسر شفقت رضوی کے خیالات، ان کے اپنے الفاظ میں نقل کروں، قمر جمیل نے قاری اساس تنقیدی تنہیم کے لیے جو کچھ کہا ہے وہ نقل کر دوں، تاکہ مسئلے کی نوعیت سمجھنے میں سہولت رہے۔ قمر جمیل نے لکھا:

”1970 کے قریب مغربی تنقید میں ایک نئی قوت ابھرنی شروع ہوئی اور وہ قوت قاری کی اہمیت ہے۔ یہ تنقید سمجھتی ہے کہ قاری کی اہمیت معنی کی اہمیت کے باعث ہے۔ یہ تنقید مصنف کو رد کرتی ہے اور معنی کی ذمہ داری قاری پر ڈالتی ہے۔ معنی کو متعین کرنے کی ذمہ داری قاری کی ہوتی ہے..... اس کا مطلب یہ ہے کہ متن کو حقیقتاً قاری ہی موجود بناتا ہے۔“ (۱۲۹)

پروفیسر شفقت رضوی نے غالب کا ایک فارسی شعر لکھا:

تا تو بہ عزمِ حرمِ ناقہ گلندی بہ راہ
کعبہ ز فرشِ سیاہِ مردکِ احرام شد

اس شعر کا مطلب اور اس کے مفہوم میں نعت کے عنصر کے حوالے سے پروفیسر موصوف لکھتے

ہیں:

”جب حضور ﷺ نے حرم کا ارادہ کر کے اپنی اونٹنی کو چلایا تو کعبہ نے اپنے فرشِ سیاہ سے آنکھ کی پتلی کا

کام لیا اسے احرام بنا کر آپ کے استقبال کے لیے بڑھا۔ اس شعر میں ایسا واضح اشارہ نہیں ہے کہ اسے حضور ﷺ سے متعلق سمجھا جائے۔ اس نوع کے اشعار کے سلسلہ میں کئی امور کو ملحوظ رکھنا پڑے گا..... پہلا امر یہ کہ غزل کا مجموعی مزاج کیا ہے۔ اگر اکثر اشعار مجاز کے مضامین سے ہٹ کر ہیں تو ایسے شعر کو مجاز کا نہ سمجھا جائے..... دوسرے الفاظ خود رہنمائی کرتے ہیں۔ شعر کا مجموعی تاثر مستعمل الفاظ کا مرہون منت ہوتا ہے جس سے اہل ذوق باسانی رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ محولہ بالا شعر خود کہہ رہا ہے کہ کعبہ کا احرام باندھ کر پیش قدمی کرنا کسی محبوب مجازی یا دنیاوی شخصیت کے لیے نہیں ہو سکتا یہ کیفیت دنیا کی معزز ترین شخصیت کی طرف ذہن کی رہنمائی کرتی ہے اور ایک مسلمان شاعر کے قلم سے لکھے جانے کے بعد معزز ترین شخصیت کے تعین میں کوئی دشواری باقی نہیں رہتی..... تیسری بات پڑھنے والے کا ذوق اور اس لمحہ کی کیفیت ہے جس میں اس نے شعر پڑھا یا سنا ہے۔ پاکیزہ ذہن لوگ شریفانہ خیالات رکھتے ہیں اور شعر کے مفہوم کو اس کے مطابق سمجھتے ہیں لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ الفاظ ان کے خیال کی تائید کر رہے ہوں۔“ (۱۳۰)

شفقت رضوی کے درج بالا بیان سے ظاہر ہوا کہ وہ قاری اساس تنقیدی نقطہ نظر سے شعر کی تفہیم کے قائل ہیں۔ غالب کے اشعار کی ایک سے زیادہ شرحیں بھی اسی لیے وجود میں آئی ہیں کہ اس کے دیوان کو ہر شارح نے اپنے طریق قراءت، اپنے خاص ماحول، زبان و بیان کی تفہیم کے ذاتی نقطہ نظر اور غزل کی ایمائیت کے تناظر میں پڑھا ہے۔ ڈاکٹر شفی نے جو غالب کی غزلوں میں نعت کی جلوہ گری دیکھی ہے وہ بھی اسی پس منظر کی رہن منت ہے۔

”غالب اور ثنائے خواجہ ﷺ کے مطالعے سے ہم نے جو چند تنقیدی اشارے پائے، ان کی روشنی میں کچھ باتیں عرض کرنی ہیں۔

[۱] غالب کی نعتیہ شاعری فارسی میں ہے..... [۲] اردو میں غالب کی غزلوں میں معدودے چند اشعار ایسے ہیں جنہیں شعر عقیدت کے طور پر قبول کیا جاسکتا ہے۔

[۳] نقادوں نے غالب کی غزلوں میں نعتیہ شاعری کے کچھ رموز دیکھے ہیں۔

[۴] غالب کی عام شاعری کی طرح نعت کے ضمن میں بھی قاری اساس رجحان کے تحت اشعار کی تفہیم کی کوشش کی گئی ہے۔

با ایں ہمہ، غالب کے کلام کے اس خورد بینی مطالعے سے نعتیہ شعری دنیا کو ایک یہ فائدہ ضرور ہوا کہ شعر فہمی کے معاملے میں ”قاری اساس تنقیدی دبستان“ کا سکہ بیٹھ گیا اور کچھ اکتشافی تنقید کا لطف دو

بالا ہوا۔ ہم نے جو مثالیں پیش کی ہیں ان میں تشریحی تنقید Descriptive Criticism، قاری اساس تنقید Reader's Oriented\Response Criticism، اور جمالیاتی تنقید Aesthetic Criticism کے ساتھ ساتھ اکتشافی تنقیدی دبستان کی روح کارفرما نظر آتی ہے۔

۱۳۔ نعت نگر کا باسی (ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی کی نعت گوئی و نعت شناسی کا ایک جائزہ)، سید صبیح رحمانی:

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی، ادب کے ایک استاد، ایک محقق، ایک نقاد اور ایک شاعر تھے۔ بڑی بات یہ کہ انہوں نے نہ صرف نعتیہ تخلیقات کی طرف توجہ دی بلکہ نعتیہ شاعری کی تحسین اور اس کے فروغ میں بھی خاطر خواہ حصہ لیا۔ دنیائے نعت میں انہوں نے ہی لسانیاتی مباحث چھیڑے اور انہیں مقبول بنایا۔ ڈاکٹر موصوف نے، نعت کہہ کر بھی اسلامی معاشرے میں، تخلیقی سطح پر، ایک مکمل عملی مثال پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ ظاہر ہے یہ مثال یہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات ستودہ صفات کے علاوہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کی تنقید میں تاثراتی تنقید، جمالیاتی تنقید اور قاری اساس تنقید کے اثرات نمایاں ہیں۔

سید صبیح الدین صبیح رحمانی نے ڈاکٹر کشفی کی شاعری اور ان کی تنقید نگاری کے حوالے سے کچھ مضامین ”نعت رنگ“ میں شائع کیے تھے۔ پیش نظر کتاب میں وہی مضامین جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس مجموعے میں دس مضامین ہیں:

- ۱۔ نعت نگر کا باسی، سید صبیح الدین رحمانی
- ۲۔ نعت اور آداب نعت گوئی، افادات کشفی کی روشنی میں، پروفیسر محمد اقبال جاوید
- ۳۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کی نعت شناسی، پروفیسر شفقت رضوی
- ۴۔ ”نسبت“ احساس اور لطافت کا مرقع، عزیز احسن
- ۵۔ میں خود تو کچھ نہیں مری نسبت ہے آپ سے، پروفیسر محمد اکرم رضا
- ۶۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نعت کے جگنوؤں کے تعاقب میں، پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی
- ۷۔ نسبت، ایک جائزہ، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی
- ۸۔ ایک صاحب الرائے نعت شناس، ڈاکٹر شبیر احمد قادری
- ۹۔ ”نعت اور تنقید نعت“، ایک جائزہ، پروفیسر واصل عثمانی

۱۰۔ نعت اور تنقید نعت، ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ

علاوہ ازیں، نذرا بولچہ کشفی، کے عنوان سے جعفر بلوچ کی ایک نظم بھی شامل کتاب ہے۔

ہم چوں کہ اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ کر رہے ہیں اس لیے نعتیہ تخلیقات اور اسی ضمن میں تنقیدی تحریروں کے مطالعے پر مبنی تحریروں کا جائزہ لینا بھی ہمارے دائرہ مطالعات میں آتا ہے۔ زیر نظر کتاب اسی لیے ہمارے انتخاب کا حصہ بنی ہے۔

پروفیسر محمد اکرم رضا کی تحریروں میں تنقیدی بصیرت، لطافت بیان اور نظافت احساس کے ساتھ ’تاثراتی تنقید‘ بھی عملی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ ڈاکٹر کشفی کی شعری اقدار کی پرکھ کے لیے بھی پروفیسر موصوف نے وہی انداز اختیار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”محبوبِ دو عالم ﷺ سے نسبت کے سبب سے محبت صادق کو اپنے محبوب کی ہر اداعیز ہوتی ہے اور یہاں تو وہ محبوب ہے جس کی ہر ادا اس کے خالق کو بھی محبوب ہے اور جس کی اداؤں کے تذکرے قرآن کریم کے نورانی متن سے ابھرتے ہیں۔ عشاق کو اس سرزمین سے پیار ہوتا ہے جہاں ان کا محبوب رہتا ہے۔..... سید ابوالخیر کشفی کے ہاں اسی نسبت مدینہ طیبہ کی جلوہ کاری بڑی وضاحت کے ساتھ ملتی ہے۔ انھوں نے شہر مدینہ سے محبت و وارفتگی کے خوب صورت نظائر پیش کیے ہیں.....

مدینہ شہر نہیں ہے مری تمنا ہے مدینہ ایک اشارہ ہے روشنی کی طرف
مدینہ ایک کنایہ ہے زندگی کے لیے مدینہ صوت و صدا کے بغیر حسن کلام
مدینہ حسن سماعت کو اک پیام بھی ہے مدینہ خستہ دلوں کے لیے سلام بھی ہے
روشن ہے مرے خواب کی دنیا مرے آگے تعبیر بنا گنبدِ خضریٰ مرے آگے
افلاک کو جھکتے ہوئے دیکھا ہے نظر نے ہے خواب گہر شاہِ مدینہ مرے آگے
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت کا شرف رکھنے والے سید کشفی مدینہ طیبہ کی فضاؤں میں کیا کچھ محسوس کر رہے ہیں اس کا اندازہ متذکرہ بالا اشعار سے بخوبی ہو رہا ہے۔“ (۱۳۱)

ڈاکٹر کشفی کی ایک کتاب ”نعت اور تنقید نعت“ کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ ہم نے بھی اس مقالے میں اس کا تعارف پیش کیا ہے۔ پروفیسر واصل عثمانی نے اس کتاب میں شامل مضامین کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔ مذکورہ کتاب میں شامل ایک مضمون ”نعت اور گنجینہء معنی کا طلسم“ پر رائے دیتے ہوئے واصل عثمانی لکھتے ہیں:

”مقالہ، جس کا عنوان ”نعت اور گنجینہء معنی کا طلسم“ ہے، نہایت مدلل، جامع اور فکر انگیز ہے اس

مقالے میں لفظ بیان۔ زبان اور علم کلام جیسے موضوعات پر ایک بڑی عالمانہ اور فاضلانہ بحث ہے۔ جس کی تفہیم کے لیے تحمل و تفکر کے علاوہ ایک سرلیج الفہم ذہن کی ضرورت ہے ورنہ انسانی زندگی۔ معرفت الہی۔ حب نبی ﷺ اور ان کا روزمرہ کار حیات سے ربط و تسلسل سمجھنا ناممکن ہوگا۔ الفاظ کی تاثراتی قوت اور ان کا مناسب استعمال محاورات کی نزاکت۔ تشبیہات و استعارات کی اہمیت و افادیت پر بڑی سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ یہ مقالہ فلسفیانہ خیالات اور منطقی استدلال پر مبنی ادب کا وہ شہ پارہ ہے جو نعتیہ ادب میں ایک نادر مثال کی طرح ہمیشہ حوالے کے طور پر پیش کیا جائے گا۔ ادب کے طالب علم کو عموماً اور نعت گو شعراء کو لازماً اس کا مطالعہ بڑی توجہ سے کرنا چاہیے۔ (۱۳۲)

اصل عثمانی، ایک اور مضمون کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

”دوسرے مضامین ”نعت کے عناصر“ اور ”نعت کے موضوعات“ بھی بڑے دلچسپ معلومات افزا اور فکر انگیز ہیں جن میں نعت کے موضوعات اور گھسے پٹے خیالات اور انداز کو بار بار دہرانے والے شعراء کو مخاطب کر کے یہ فرمایا گیا ہے کہ نعت میں مروجہ الفاظ اور انداز مخاطب اختیار کرنے سے قبل ان کے معانی و مطالب پر بھی غور کرنا چاہیے صرف اندھی تقلید سے نعت گوئی کا حق ادا نہیں ہوتا اور کوئی خاص تاثر و کیفیت کی نمونہ نہیں ہوتی۔ ”کالی کملی والے“، ”داتا کے بھکاری“، ”خواہش وصل“، ”حلقہ گیسو“، جیسے الفاظ نعت میں استعمال کرنا۔ ناروا اور نامناسب ہیں۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام اور حضرت جبریل کی تحقیر کسی طور سے بھی جائز نہیں۔ نعت کی حدود کو بلاوجہ وسیع کرنے کی کوشش اور موضوعات میں اضافہ کرنے کی بے جا خواہش ایسے ہی مضامین نظم کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ جس سے اسلامی نقطہ نگاہ اور شریعت کے بنیادی اصولوں پر زور پڑتی ہے، مثلاً شافع روز حشر کو اگر مالک روز حشر نظم کر دیا جائے تو یہ حدود خداوندی میں داخل ہو جانے کے مترادف ہوگا۔ شاعر اسی وقت اس غلو سے بچ سکتا ہے جب اسے حضور اکرم ﷺ کی حقیقی عظمتوں کا دھیان ہو اور یہ کہ حضور ﷺ کی ذاتِ بابرکات، اللہ اور انسان کے درمیان رابطہ کی حیثیت رکھتی ہے۔“ (۱۳۳)

ڈاکٹر کشفی کے نعتیہ اشعار پر، پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کی رائے ان الفاظ میں رقم ہوئی

ہے:

”نعت ان [کشفی] کا ذوق بھی ہے اور وجہ قرار بھی، ان کے بقول ”نعت ایک تجلی مسلسل ہے“ اس لیے یہ تمنا ان کے وجدان کا حصہ ہے کہ مسلسل نعت کہی جائے اور ہمہ وقت سنی جائے تاکہ لحاظ

زندگی اس کی تجلیات میں بسر ہوتے رہیں۔ کشفی صاحب کی کہی ہوئی نعتوں میں شعوری انفیاد بھی ہے اور وجدانی خود رفتگی بھی، کس یقین کے ساتھ پکارتے ہیں:

امکان مرے تیری نبوت کا ثمر ہیں تو مطلع امکان بشر سید عالم
اک اسم محمدؐ کے سوا لوح ابد پر دیوار و در و بام حرم کچھ نہیں لکھتے
ہر صدا حشر کے میدان میں پتھر ہوگی نغمہ مرسل آخر ہی سنائی دے گا“ (۱۳۴)
ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی نے کشفی کے نعتیہ آہنگ میں تبلیغ دین کی خواہش اور ان کے لفظوں

میں ایمانی حرارت محسوس کرتے ہوئے لکھا:

”قرآن کریم اور سیرت پاک میں بہ صراحت موجود ہے کہ جس طرح سیرت پاک ﷺ کو اپنا لائحہ عمل بنانا ضروری ہے اس طرح اس لائحہ عمل کو عام کرنا بھی لازمی ہے۔ ایک محبت رسول کو عامل کے ساتھ ساتھ داعی ہونا بھی واجب [واجب] ہے۔ اسلام اور آپ کی ذاتِ فاخرہ ایک تحریک ہے جسے پھیلا [نا] اور آپ کے پیغام کو دوسری اقوام میں عام کرنا ایک صاحب اسلام کی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کا بڑا واضح تصور کشفی صاحب کے یہاں موجود تھا۔ اس کے بغیر رسول اکرم ﷺ سے محبت کا دعویٰ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ دعوت الی الخیر امت مسلمہ کا تشخص ہے اور یہی اختصاص اسے دیگر اقوام سے ممتاز بناتا ہے۔ اس کی معنویت یہ ہے کہ انسان کو اللہ نے دوسرے انسانوں کے لیے پیدا کیا ہے۔ ابن خلدون نے اسے [اس کی] اپنے مقدمہ میں بڑے اچھے انداز میں صراحت کی ہے۔ اسی تصور کو کشفی صاحب نے ایک نظم میں یوں پیش کیا ہے:

قلم کے ساتھ اپنے علم و دانش سے
محمد مصطفیٰؐ کے نور کو نغموں سے پھیلاؤں
ترے دین میں کو وسعتِ عالم میں پھیلاؤں
عمل میرا نشان راہ منزل ہو
مرا بچہ رسول اللہ کا نقش قدم بن کر
ہماری ناتمامی کو مٹا ڈالے

مذکورہ نظم میں کشفی صاحب کا جذبہ صادق موج زن ہے۔ ایک طرف انھیں اپنے فریضہ دعوت کا جہاں احساس ہے، وہیں اس کا بھی شدت سے احساس ہے کہ نقوش مقدسہ کی پوری طرح تکمیل نہیں ہو پارہی ہے۔ اللہ سے دعا گو ہیں کہ ہماری ناتمام خواہشات کا اتمام ہمارے بیٹوں اور آنے والی

نسل سے ہو، احساس ناکامی کا یہ انداز کس قدر حسین ہے بلکہ یوں کہیے کہ ایمانی اضطراب ہے۔ (۱۳۵)

ڈاکٹر شبیر احمد قادری نے ڈاکٹر کشفی کے تنقیدی منہاج پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:

”ڈاکٹر سید کشفی عقیدتی احساسات کو بھرپور انداز سے پیش کرتے ہیں۔ ان کے تنقیدی استخراجات سے زیر مطالعہ موضوع کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ وہ شخصیت کا اس کی تخلیقی و تحقیقی کاوشوں کی روشنی میں مطالعہ کرنے کی سعی خیر کرتے ہیں اس کے نتیجے میں یہ مطالعات تجزیاتی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ زمانی اور مکانی حوالے کیا ہیں۔ وہ نعتیہ ادب کا مطالعہ اس کے سماجی محرکات کی روشنی میں کرنے کے قائل ہیں۔“ (۱۳۶)

ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ نے نعتیہ ادب کی تنقیدی سرگرمیوں کے حوالے سے ڈاکٹر کشفی کی شخصیت میں ایک عجیب دھیماپن محسوس کیا اور اس کو ایک تشبیہ سے واضح کرتے ہوئے لکھا:

”ایم کام کی آڈیٹنگ کی کلاس میں پروفیسر نے ایک انگریز مصنف کا آڈیٹر کے متعلق یہ ضرب المثل جملہ دہرایا کہ:

"Auditor is a watch dog not a blood hound" تو ڈاکٹر کشفی مجھے اس قسم کے ایک مذہبی تنقیح نگار نظر آئے جنہوں نے اپنا مزاج نعت رسول ﷺ کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے بنا رکھا ہے اور ارباب قلم کو متنبہ کرنا اپنا فریضہ تصور کیا ہے۔ مگر کسی کی سرزنش کے لیے اپنے دست حق پرست میں تنبیہ الغافلین کا عصا نہیں اٹھا رکھا۔“ (۱۳۷)

پروفیسر محمد اقبال جاوید نے چوں کہ افادات کشفی کی روشنی میں بات کی ہے اس لیے ان کے کسی جملے کو لکھنے کا مطلب خود ڈاکٹر کشفی کی تحریر کا اعادہ کرنا ہوگا۔ بہر حال پروفیسر اقبال جاوید کا انتقادی رجحان ”تاثراتی تنقیدی دبستان“ کی طرف ہے۔

”نعت فکر کا باسی“ ایک ایسی کتاب ہے جس کا موضوع ”تنقید“ ہے۔ ”نعتیہ شاعری“ اور ”نعتیہ شاعری پر تنقید“ اس کتاب میں ڈاکٹر کشفی کے شعر عقیدت پر بھی گفتگو کی گئی ہے اور ان کے منہاج تنقید پر بھی۔ اس لیے اس کتاب میں، تجزیاتی تنقیدی دبستان، جمالیاتی تنقیدی دبستان، تاثراتی تنقیدی دبستان اور عمرانی تنقیدی دبستان کے رجحانات سے تشکیل پاتے ہوئے فکری زاویے نظر آتے ہیں۔

۱۴۔ نعت میں کیسے کہوں، پروفیسر محمد اقبال جاوید:

پروفیسر اقبال جاوید ایک حساس اور لطیف جذبات کے حامل نقاد ہیں۔ ان کی تنقید کا نفس

مضمون تو اہم ہے ہی ان کی تحریر میں جاذبیت کا عنصر بہت ہے۔ اقبال جاوید کی تنقید، تاثراتی تنقیدی دبستان سے وابستہ لگتی ہے۔ پیش نظر کتاب میں انہوں نے پانچ ابواب قائم کیے ہیں:

○ نعتیہ نثر پارے..... شبلی سے شورش تک..... ○ نعت کیا ہے؟..... ○ آدابِ نعت گوئی.....

○ نعت..... اشعار کے آئینے میں..... ○ نعت کہیے مگر احتیاط کے ساتھ

نعت کیا ہے؟ کے زیر عنوان مولف کتاب نے ۹۲ جملے لکھے ہیں۔ ہر جملہ نعت کی کسی صفت کے اظہار کا آئینہ ہے۔ چند جملے پیش خدمت ہیں:

”حب رسول ﷺ کا دل کی گہرائیوں میں اتر جانا، اساسِ نعت، گنبدِ خضریٰ سے دوری کا احساس، گدازِ نعت اور اسوہ رسول ﷺ کا چراغِ زندگی بن جانا، مقصودِ نعت ہے“۔ ”نعت، کفار کی لسانی گستاخیوں کے جواب کے لیے وجود میں آئی تھی“۔ ”نعت، رفعتِ ذکر محمد ﷺ کے اعلانِ ربانی کا ایک دلنواز تسلسل ہے“۔ ”نعت، ایک جمالیاتی اسلوب ہے، جو محبت اور احترام کے بہار آفریں سنگم پر لودیتا ہے“۔ ”نعت، قلبِ مومن کی آرزو اور حیاتِ مومن کی آبرو ہے“۔ (۱۳۸)

”آدابِ نعت گوئی“ کے زیر عنوان، مولف کتاب نے ۳۱۳ نثر پارے منتخب کیے ہیں۔ صوفی محمد افضل فقیر کے چند جملے ملاحظہ ہوں:

”نعت کے سوتے صفائے باطن سے پھوٹتے ہیں۔ ایک مرقعِ معصیت کلمہ گو بھی نعت لکھے گا تو فضائے نعت میں سانس لیتے وقت، فکری طور پر باطن کی موجِ تنویر کسی نہ کسی صورت ضرور محسوس کرے گا جس طرح سیلِ اشکِ بلا تردد اپنی روانی کی خاطر آنکھوں کا رخ کرتا ہے اسی طرح محرکِ نعت، دیدہ و دل کو تطہیر عطا کرتا ہوا الفاظ و معانی کو پیکر یک رنگی میں ڈھال دیتا ہے“۔ (۱۳۹)

”نعت..... اشعار کے آئینے میں“ کا عنوان قائم کر کے مختلف شعراء کے ۹۲، اشعار دیئے

ہیں۔ مثلاً

”کیا فکر کی جولانی، کیا عرضِ ہنرمندی
توصیفِ پیمبر ہے توفیقِ خداوندی

(محمد افضل فقیر)

فقط حصولِ سعادت کا اک بہانہ ہوا
کسی سے نعتِ پیمبر کا حق ادا نہ ہوا

(انور مسعود)

ثبوت، اخلاص کا لاء اگر دعویٰ ہے الفت کا
یہ کیسی عاشقی ہے جس پہ دھوکا ہو بغاوت کا
خوشامد، بے اطاعت، نعت گوئی ہو نہیں سکتی
عمل، زنگار ہے آئینہ حب رسالت کا

(آسی خیائی) (۱۴۰)

”نعت کہیے، مگر احتیاط کے ساتھ“، اس عنوان کے تحت پروفیسر اقبال جاوید نے نعتیہ شاعری

کی نزاکتوں کا ذکر کرتے ہوئے شعراء کو کچھ پر خلوص مشورے دیئے ہیں۔ مثلاً

”سچی نعت گوئی کے لیے مقام نبوت اور شان رسالت سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔ توحید کے تقاضوں سے مکمل آگاہی چاہیے اور یہ بھی لازم ہے کہ مدحت نگار، نعت کو غزل کی آشفتمزاجی اور قصیدے کی مبالغہ آرائی سے بچالے جائے، کیوں کہ غزل اور قصیدے کی کوئی مذہبی حیثیت نہیں، یہاں ہر مبالغہ، خیال آفرینی اور ہر مستانہ لغزش حسن ہے۔ جبکہ نعت کی ایک دینی حیثیت ہے، اس لیے یہاں قلم قلم پہرے ہیں اور دیکھنے والی نظروں کو دیکھنا بھی چاہیے اور ٹوکنا بھی کہ کہاں کہاں عقیدت نے عقیدے کے آگینے کو مجروح کیا ہے، کیوں کہ عقیدہ بہر نوع بالاتر ہے۔ حضور ﷺ ہم مسلمانوں سے صرف خراج عقیدت نہیں، بلکہ خراج اطاعت بھی لینے کے لیے تشریف لائے تھے۔ یاد رہے کہ سچا اتباع ہی محبت کی واحد دلیل ہے“ (۱۴۱)

اس تحریر کے ذریعے، نعت کے تخلیقی تقاضوں کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کی محبت کے اظہار کا سلیقہ اور اخلاص کا قرینہ بھی سکھانے کی سعی کی گئی ہے۔۔۔۔۔ پروفیسر اقبال جاوید کا انداز بیان رومانوی ہے۔ ان کا طریق نقد ”تاثراتی“ ہے اور اصلاحی و تشریحی دبستان تنقید کی جھلکیاں بھی ان کے طرزِ تحریر سے نمایاں ہیں۔ کتاب میں شامل دوسرے لوگوں کے نثر پارے اور اشعار بھی نعت کی اہمیت کو جمالیاتی سطح پر اجاگر کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں اس لیے جمالیاتی تنقیدی دبستان اس پوری کتاب پر حاوی نظر آتا ہے۔

۱۵۔ قافلہ شوق کے مسافر، پروفیسر محمد اکرم رضا:

پروفیسر محمد اکرم رضا کی اس کتاب میں ۷۱ تنقیدی مضامین ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل

ہے:

۱۔ شاعر مشرق علامہ محمد اقبال۔ ایوانِ نعت میں

۲۔ حضرت احمد رضا خاں محدث بریلوی، کارواں سالارِ نعت، فنی و تحقیقی جائزہ

۳۔ مہر عالم تاب نعت، سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی

۴۔ خطیب اسلام، صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ

۵۔ عہد آفرین نعت گو، حفیظ تائب

۶۔ گلزارِ مدحت کی بہارِ لازوال۔ محمد اعظم چشتی

۷۔ عارف عبد المتین۔ نعت حضور ﷺ کے حوالے سے شاعر بے مثال

۸۔ راسخ عرفانی۔ ایک منفرد نعت گو

۹۔ جادۂ شوق کا مسافر۔ اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی

۱۰۔ کاروانِ نعت کا ممتاز رکن۔ راجہ رشید محمود

۱۱۔ ساغر کوثر کا تمنائی۔ قمریز دانی

۱۲۔ خواجہ عبدالنظامی اور فیضانِ کرم

۱۳۔ سید ابوالخیر کشتی کا نذرانہء مدحت

۱۴۔ سید صبیح الدین رحمانی۔ توصیفِ حضور ﷺ سے نعت رنگ کی ادارت تک

۱۵۔ مسدس کی ہمہ گیری اور انور جمال کی مدحت نگاری

۱۶۔ منفرد اور سر بلند نعت گو۔ عبدالغنی تائب

۱۷۔ خیراتِ مدحت کا تمنائی۔ محمد اقبال نجمی

عنوانات سے ہی تنقید نگار کا اندازِ بیان رومانوی لگ رہا ہے۔ اسلوبِ تنقید جاننے کے لیے ایسے شاعروں کے کلام پر تنقیدی رائے سے اقتباس دینے کی کوشش کریں گے جن کا تذکرہ پہلے، اس مقالے میں نہ آیا ہو۔ اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی کی نعتیہ شاعری کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

”عظمتِ سرور کو نینِ نعت گو شعراء کا مقصودِ اول ہے۔ مدحت نگار اپنی جملہ ادبی و شعری صلاحیتوں کا ارمغان حضور ﷺ کی نذر کرتے نہیں تھکتے۔ یہی کیفیت اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی کی ہے۔ ان کی نعتیں ان کے وارداتِ قلب کی روداد ہیں۔ ان میں عشق و عقیدت کی فراوانی بھی ہے اور طبعِ رسا کی جولانی بھی، پاکیزگی، فکر کی بلند پروازی بھی ہے اور مہجوریِ طیبہ میں تڑپنے والے دل کی بے قراری بھی۔ عنایاتِ مصطفوی ﷺ پر اظہارِ امتنان و تشکر بھی ہے اور نعت گوئی کی سعادت عطا ہونے پر احساسِ اعزاز و مقدر بھی۔ گلاب لفظوں کا شکوہ بھی ہے اور معطر معطر جذباتِ شوق کا باکپن بھی۔ ان کی

شاعری میں دروڑات، کرب ملت سے یوں ہم آہنگ ہو گیا ہے کہ اس کی بدولت ان کی عظمتِ فن مسلم سے مسلم تر ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ عظمتِ سرور کو نبین ﷺ کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

پست و بالا میں نہ ہے خورد و کلاں میں امتیاز
شفقت و احسان ہے عادت رسول اللہ کی
مرغِ سدرہ بھی ہے چپ جبریل بھی خاموش ہیں
سمجھیں کس تشبیہ سے عظمت رسول اللہ کی
کی صبح ازل اس نے ترے نور سے روشن
ہستی تری آئینہ لولاک لما ہے‘ (۱۴۲)

راخ عرفانی کی نعت نگاری کا تذکران الفاظ میں کرتے ہیں:

”راخ عرفانی بیک وقت غزل اور نعت کے میدان میں ان کے افکار و تخیلات کی تازگی اس کا اعلان ہے کہ اگر دلوں میں عشق و عقیدت رسول خدا ﷺ کی قندیل صحیح معنوں میں فروزاں کر لی جائے تو پھر عمر کی گزرتی ہوئی ساعتیں شاعر کے قلم کی روانی کو کبھی بھی زوال آشنا نہیں ہونے دیتیں۔ جب ممدوح وہ ذات گرامی ہے کہ جس کا ذکر غیر بارہر قسم کی حدود و قیود سے بے نیاز ہے۔ ازل سے بھی پہلے اور ابد سے بھی آگے تو پھر اس ممدوح آدم و بنی آدم سے عقیدت کا رشتہ رکھنے والے کس طور کسی فکری کمزوری یا فنی لغزش سے آشنا ہو سکتے ہیں۔ عقیدت کا گلزار بہار آفریں ہو تو پھر خزاں کا وہاں کیا گزر۔ جناب راخ عرفانی کے قلم نے ہر لحظہ ہر آن ان کے مسلسل سرگرم عمل ہونے کا احساس دلایا ہے۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں:

جس در سے رحمتوں کو ملتی ہے بھیک راخ
گھر بار کو بھلا کر اس در کا ہو گیا ہوں
راخ میں اک مؤذنِ دین رسول ہوں
میری صدا ہے گنبد بے در سے بھی بلند (۱۴۳)

نعتیہ شاعری میں عجزِ بیاں کی بہت سی مثالیں ہیں۔ پروفیسر محمد اکرم رضانے، راخ عرفانی کے کلام میں عجز کی کیفیات محسوس کرتے ہوئے لکھا ہے:

”راخ عرفانی ایک بڑے شاعر ہوتے ہوئے اس حقیقت سے بہرہ ور ہیں کہ سلطانِ مدینہ ﷺ کی

مدحت و ثنا کا حق کون ادا کر سکتا ہے۔ جو رب بے مثال کا بے مثال شہکار ہو جو ہر ایک قلب غمزہ کا قرار ہو جس کے مدحت سرا خدا و ملائکہ ہوں..... جو صاحب قرآن ہی نہیں اپنی سیرت مطہرہ کے لحاظ سے عین قرآن ہو..... اس کی ثنائیں شاعر کا قلم کس حد تک آگے بڑھ سکتا ہے کیوں کہ انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ

لا یمكن الثناء كما كان حقہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
اس مرحلہ پر پہنچ کر راسخ عرفانی کے قلم سے جو صدائیں پھوٹی ہیں اس کی ایک جھلک دیکھیے:

توصیف مصطفیٰؐ کی کرامت زہے کرم
پھیلا ہے بزم بزم میں کیف و سرور فن
عاجز جہاں تھا سعدی و حسان کا سخن
بے جا ہے اس مقام پر ناز و غرور فن
حیراں ہوں میں کہ نعت کے زمرے میں کیا لکھوں
بے بس سا ہو گیا ہے قلم بھی حضور فن
راسخ کٹھن ہیں مدح محمدؐ کے مرحلے
طبع رسا سے دور ہیں انوارِ طور فن (۱۴۴)

سیرت رسول اکرمؐ کے بیان میں راسخ عرفانی نے کیسی خوشبو بکھیری ہے اس کا ذکر اکرم
رضانے اس طرح کیا ہے:

”راسخ عرفانی نے بعض مقامات پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت قدسیہ کو اس طور بیان کیا ہے کہ
اس میں جمال مصطفویٰ کی لمحہ افشائیاں بھی جلوہ گر نظر آتی ہیں۔ سیرت نگاری کے حوالے سے ان کا
انداز فکر ملاحظہ کیجیے:

کفر کی دھند میں ایمان کا سورج چمکا کس تب و تاب سے ایمان کا سورج چمکا
مٹ گیا سارے قبیلوں کا تفاوت یکسر وحدت قوم کی پہچان کا سورج چمکا
روئے عالم پہ مساوات کی کرنیں پھیلیں عدل و انصاف کی میزان کا سورج چمکا
بنی و رود مبارک سے جنت ارضی وہی زمین جو نجر تھی آپ سے پہلے
برہنہ سر تھیں قبائل کی عزتیں راسخ دریدہ حسن کی چادر تھی آپ سے پہلے (۱۴۵)
پروفیسر محمد اکرم رضانے مسدس کے حوالے سے بتایا ہے کہ اس صنف کا شعری ملبوس ہر صنف

سخن کے قدزِ بیا پر موزوں نظر آتا ہے۔ (۱۴۶) پھر انہوں نے مسدس حالی، مجشر رسول نگری کی تصنیف ”فخر کونین“ اور محسن کا کوروی کے مسدس کا حوالہ دیتے ہوئے، انور جمال کی تصنیف ”لولاک لما“ کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”لولاک لما“ میں انور جمال نے مسدس کے حسن کو دو بالا کر دیا ہے..... لولاک لما خلقت الافلاک کی تفسیر انور جمال کے قلم عقیدت رقم سے ملاحظہ کیجئے:

جذبوں میں جوشِ دل میں تمنا دھنک میں رنگ
برگِ گلاب و نور چراغ و شرارِ سنگ
موجیں ہوا پرند، بھنور مچھلیاں نہنگ
الفاظ صوت گفتگو مضرب جلت رنگ
پنہاں نظر سے تھا جو ہویدا کیا گیا
سب کچھ اسی کے واسطے پیدا کیا گیا

”لولاک لما“ میں شاعر نے شاعری کے نام پر اپنے جذبات بے کراں کو عقیدت رسول ﷺ کی زبان بخشی ہے۔ (۱۴۷)

انور جمال کی شاعری کی انفرادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے پروفیسر محمد اکرم رضا نے لکھا:

”انور جمال نے نعت رسولؐ کے حقیقی خدو خال کو فکر کی وسعتوں میں سموتے ہوئے آپ کے حسن صورت کے ساتھ ساتھ حسن سیرت کو بھی حاصل شاعری بنایا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کے جمال جہاں آفریں کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کو غزل گوشعراء کے روائی محبوب کی حیثیت سے پیش نہیں کیا ہے۔ وہ انسانِ کامل جو کائنات کے جملہ محاسن کا مجموعہ اور بلند ترین خصائل و اوصاف کا مرقع ہو اور جس کے لافانی سیرت و کردار کے افق سے روح حیات کی تابانیاں پھوٹ رہی ہوں۔ بادہ خوار غالب نے ایک غزل کے مطلع میں کہا تھا:

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

غالب کے اسی شعر کے پیش منظر میں انور جمال کی نعتیہ مسدس کا بند پیش نظر ہے:

جلوہ ہے وہ صفاتِ خدائے غفور کا وہ عبدہ کی شکل میں پیکر ہے نور کا
چمکا ہے جس کے دم سے مقدر ظہور کا جس کے قدم کی خاک بھی سرمہ ہے طور کا
راتوں کی ضوونوں کا اجالا اسی سے ہے دنیا میں روشنی کا حوالہ اسی سے ہے

اب انور جمال کے قلم سے سیرت و کردارِ مصطفویؐ کا اظہار دیکھیے:

ذہنوں کو سوچ، سوچ کو دانائی بخش دی
مردوں کو جان، جاں کو مسیحائی بخش دی
سینوں کو دل دلوں کو توانائی بخش دی
غربت کو فقر، فقر کو دارائی بخش دی
افلاس کو وقار عطا کر دیا گیا
مفلس کو اعتبار عطا کر دیا گیا“ (۱۳۸)

پروفیسر محمد کرم رضا نے عبدالغنی تائب کو منفرد اور سر بلند نعت گو قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”تائب کے جملہ شعری محاسن اپنی جگہ، لاریب انہوں نے جس حسین انداز سے عصر حاضر کو عظمتِ رسولِ خدا کا پیغام دینے کے لیے آپؐ کے کردار اور سیرتِ مطہرہ کے مختلف زاویوں کو اجاگر کیا ہے۔ اس نے ان کی شاعری کا حسن ہی دو چند نہیں کر دیا بلکہ بے شمار تاریک دلوں کو سیرتِ حضور کی ضیا بخشنے کا اہتمام بھی کر دیا جائے [ہے]۔ اب ہم دیکھتے ہیں عبدالغنی تائب کس حسین انداز میں کشافِ آلودہ دلوں کی [کو] لطافتِ عشقِ مصطفیٰؐ مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہوں [ہیں]:

اے باعثِ آبادیءِ بزمِ گل و لالہ محبوب مجھے آپ کی سیرت کا حوالہ
ہم دوشِ ثریا ہے کیا اہلِ زمیں کو انسان کو ہے آپ نے لپٹی سے نکالا
ہر افق پر ہے مثالِ مہر و مہ جس کا وجود قائدِ انسانیت کو رہنما رکھتا ہوں میں
دل نشیں تھے اس قدر اطوارِ ختمِ المرسلین ہو رہے تھے لوگ جان و دل سے قائل دیکھ کر
دامنِ انسانیت پہ داغ تھا جن کا وجود بن گئے انسان وہ انسانِ کامل دیکھ کر
آؤ کر لیں شاہراہِ زندگی کو تابناک ہادیءِ کامل کے اوصاف و شمائل دیکھ کر (۱۳۹)
عبدالغنی تائب کی شعری کائنات میں شوق کی فراوانی کا تذکرہ وہ یوں کرتے ہیں:

”اہلِ نظر کا کہنا ہے کہ اگر نعتیہ شاعری و فورِ شوق سے محروم ہو جائے، تو محض نظم گوئی بن جاتی ہے۔ و فورِ شوق کا اٹھتا ہوا نور، مدحتِ نگاری کے انوار لٹاتا، محروم دلوں میں مرادوں کی شمعیں جگمگاتا، قلم کی نوک سے محبوبِ خدا کی محبت کے گلزار کھلاتا اور نعت کو محض لفاظی کی تہمت سے نکال کر حاصلِ ادبِ عالیہ بناتا ہے۔ بلاشبہ عبدالغنی تائب اس سعادت سے بہرہ ور ہیں اور سعادتِ خاص سے بہرہ ور ہونے میں ان کی کسی شعوری کاوش یا لاشعوری جد جہد کا دخل نہیں بلکہ یہ فقط اور فقط ممدوح کائنات کی

بندہ نوازی ہے جس کی چشمِ کرم سے فیضیاب ہونے کے لیے ہر دور مناجاتوں کا کاسہ اٹھائے پھرتا ہے اس وفورِ عشقِ عقیدت اور کمالِ ذوق و شوق نے عبدالغنی تائب کی مدحت نگاری سے کس طور خراجِ نیاز لیا ہے اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

وارثی شوق کو منزل ہو اب نصیب
لرزیدہ پا کو طیبہ نگر تک رسائی دے
ابتدائے عشق پیغمبر شعور ذات ہے
انتہائے شوق ہے بس آپ ہی کا نقش پا
مجھ کو دی ہاتھِ غیبی نے نویدِ بخشش
آپ سے عشق و عقیدت کا جو رشتہ دیکھا
اوج پر اس کے مقدر کا ستارا چمکا
جس کو بھی پڑھتے ہوئے ان کا قصیدہ دیکھا، (۱۵۰)

محمد اقبال نجفی کی نعتیہ شاعری میں گنبدِ خضریٰ سے ان کا والہانہ عشق جھلکتا ہے۔ محمد اکرم رضا نے ان کے اسی وصف کو اجاگر کرنے کے لیے لکھا ہے:

”محمد اقبال نجفی کے دل میں بھی یہی جذبہ محبت حضور ﷺ بن کر مضربا ہے۔ یہ جذبہ چلتا ہے تو دل میں گنبدِ خضریٰ کو دیکھنے کی تمنا جاگ اُٹھتی ہے۔ شہرِ رسول ﷺ کی زیارت کی آرزو حاصلِ حیات بننے لگتی ہے۔ ان کے لیے گنبدِ خضریٰ کا ہر نظارہ ایمان آفریں ہے اور شہرِ رسول ﷺ کی ہر جھلک جمال آگئی ہے تصورات کے دوش پر سفر کرتے ہوئے محمد اقبال نجفی کے قلم سے تمناؤں کی صدر گئی دیکھیے:

دل میں طیبہ کے تصور سے اجالا دیکھوں منزلِ شوق پہ اپنا میں سفینہ دیکھوں
ایک امید لیے کب سے جئے جاتا ہوں خوبیءِ بخت سے اس نور کا جلوہ دیکھوں
درِ ہستی کا مداد بھی میں ایسے چاہوں لطف فرماتا ہوا رشکِ مسیحا دیکھوں، (۱۵۱)

نعتیہ سامیٹ پر محمد اکرم رضا نے تبصرہ کیا ہے:

”محمد اقبال نجفی نے حصولِ سعادت کے لیے نعتیہ سامیٹ لکھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصافِ حسنہ اور سیرت و کردار کے حوالے سے عصرِ حاضر کو نور آفریں پیغام دینے کی کوشش کی۔ نعتیہ سامیٹ بجائے خود ایک ایمانی ترکیب ہے جو ہمیں یہ احساس بخشتی ہے کہ جب شاعر کا دل حبِ مصطفیٰ ﷺ اور اس کا قلم جمالِ مصطفیٰ ﷺ سے آبدار ہو تو پھر نوکِ خامہ سے لفظوں کی جگہ ستارے

پھوٹے ہیں۔ تراکیب واستعارات کے نام پر انوار کی رم جھم کا سماں نظر آتا ہے اور شاعر ورطہ حیرت میں کھوجاتا ہے کہ کیا کہے اور کیا نہ کہے۔ محمد اقبالؒ بھی اسی کیفیت سے دوچار ہیں انہیں فکر و نظر کی شادمانی اور رحمتِ خداوندی کی ارزانی کا گمان گزرتا ہے اور ان کے قلم سے نعتیہ سانیٹ کا زمزمہ ابھرنے لگتا ہے:

مل گیا پیغام مجھ کو کھل گئے دل کے گلاب
تھا شجر عمر رواں کا کب سے بے برگ و ثمر
مل گئیں شادابیاں جب ہو گئی ان کی نظر
شوق کی تنویر سے روشن ہوئے ہیں میرے خواب
آسماں پر چھا رہے ہیں رحمتِ حق کے سحاب
میں کہ تھا اک خشک پتا کر دیا مجھ کو ہرا
ہے تمنا ان کی چاہت میں کروں خود کو فنا
مجھ کو لے آغوش میں ان کے کرم کا ماہتاب
دیدہ پر شوق نے منظر سہانے پا لیے
اس عرب کے چاند کا ہم کو اجالا مل گیا
ان کی نعت مل گئی سارے خزانے پا لیے
ان کے در پر آگئے ہم کو سویرا مل گیا
نصرتیں ہی نصرتیں ہیں اور دامن تنگ ہیں
رحمتیں ہی رحمتیں ہیں اور دامن تنگ ہیں“ (۱۵۲)

نعتیہ ہائیکو کے ضمن میں بھی محمد اکرم رضانے اپنی رائے دی ہے:

”ہائیکو اگرچہ جاپان سے درآمد ہوئی مگر ہمارے بعض ایجاد پسند شعراء نے اسے اردو زبان کا جامہ عطا کر کے اپنی فکر آفرینی کے ظہور کا ذریعہ بنادیا۔ محمد اقبالؒ بھی نے معاصر شعراء پر سبقت حاصل کرتے ہوئے ”نعتیہ ہائیکو“ کی صورت میں جدید لہجہ میں نعت حضور ﷺ پیش کرنے کی انتہائی مستحسن کاوش کے ذریعہ ایک دنیا کو چونکا دیا۔ انہوں نے محض جدیدیت کی دھن میں یہ ہیئت اختیار نہیں کی بلکہ ان کے قلب و جاں میں پنہاں و فو شوق نے ہائیکو کی سمت سفر شروع کر دیا۔ محمد اقبالؒ بھی کی ہائیکو میں غزل کا وقار نظر آتا ہے ان کی نعتیہ ہائیکو جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی تابانیوں سے آباد نظر آتی ہے۔ آقائے دو

عالمؒ کی سیرت و کردار اور جمال جہاں افروز کے گل و لالہ اس شان سے مہکائے ہیں کہ ان کی خوشبو تازیت عشاق حضورؐ کے مشامِ عقیدت کو معنبر کرتی رہے گی۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

کتی صدیاں گزر گئیں لیکن تیری جانب ہی دیکھتا پایا
آدمیت کو ارتقا کے لیے

شوق میرا ہے بس یہی نجی رحمتوں کے حصار میں رہنا

مغفرت کی بہار میں رہنا

اب جمالِ مصطفیٰؐ کے حوالے سے نعتیہ بانیکو میں محمد اقبالؒ کی کاسنِ قلم دیکھئے:

جب وہ ناز بشر شبِ اسریٰ اپنی معراجِ انتہا پر تھا
عشق پر حسن کی نوازش تھی

میں سراپا حضور کا پڑھ کر جب درودو سلام کہتا ہوں

رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، (۱۵۳)

یہ ہے وہ دھنک رنگِ تنقیدی منہاج جو تاثرات کی لہر اور احساس کے بحر بے کراں میں موجزن ہو کر قرطاس پر نکھر اور پروفیسر محمد اکرم رضا کی جمالیاتی تنقید اور تاثراتی تنقید کی بنیاد بنا۔ محمد اکرم رضا جتنا اچھا تنقیدی ذوق رکھتے ہیں اتنے ہی اچھے الفاظ میں حسنِ کاری کے ساتھ اپنے خیالات اور تاثرات قلم بند کرنے پر قادر بھی ہیں۔

۱۶۔ تاجدارِ ملکِ سخن، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ فاضلِ بریلوی۔ شخصیت، شوکتِ قلوب، نعت گوئی، تحقیق و تنقید، پروفیسر محمد اکرم رضا:

اس کتاب کا تعارف اس کے نام اور اس کے ساتھ دی گئی تفصیلات سے ہو جاتا ہے اس لیے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس میں کیا ہے۔ کتاب ۲۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہم نمونہ صرف ”قصیدہ اور فکرِ رضا کی بلند پروازی“ کے زیر عنوان لکھی ہوئی تنقیدی رائے سے اقتباس پیش کر کے، مصنف کے تنقیدی اسلوب پر بات کریں گے۔ وہ لکھتے ہیں:

”اردو میں قصیدہ نے فارسی سے اثر قبول کیا۔ قصیدہ اگرچہ ایک مشکل صنفِ سخن ہے مگر اہل ہمت نے اس میدان میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کر کے اس صنفِ سخن کو بھی قبولیت عام کی سند عطا کر دی۔ محمد رفیع سودا، ذوق اور غالب نے اپنے اپنے انداز میں قصیدہ نگاری کا مظاہرہ کیا ایسے عالم

میں امیر بینائی، کرامت علی شہیدی اور محسن کا کوروی کے قصائد محبت رسول ﷺ کی مہک لے کر ابھرے۔ بالخصوص محسن کا کوروی کے قصیدہ لامیہ ع سمت کاشی سے چلا جا بپ متھر ابادل قصیدہ گوئی کے میدان میں فاضل بریلوی نے بھی اپنی صلاحیتوں کے خوب خوب جوہر دکھائے ہیں اپنے آپ کو شاعر منوانے کے لیے نہیں بلکہ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ تمام اصنافِ سخن فقط مدحت مصطفیٰ کے لیے وجود میں آئی ہیں۔ قصیدہ نور، قصیدہ معراج، قصیدہ مرصعہ (حروفِ تجنی)، قصیدہ نعت در صفتِ ہیبت وغیرہ۔ ان قصائد کا مطالعہ کریں تو واضح طور پر یہ نظر آتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے اس میدان میں بڑی اولوالعزمی اور شدتِ بیان کے ساتھ اپنی قادر الکلامی اور خداداد صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس احساس کے ساتھ کہ ۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مبارک جس سمت آگئے ہو سکے بٹھادیئے ہیں“ (۱۵۴)

اس کے بعد پروفیسر محمد اکرم رضا نے احمد رضا خاںؒ کے قصیدہ معراجیہ، قصیدہ نور، قصیدہ سلامیہ اور قصیدہ مرصعہ کے محاسن گنائے ہیں۔ قصیدہ معراجیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

”قصیدہ معراج کو احمد رضا خاں کے شہرہ آفاق قصائد میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ قصیدہ آپ کی جودتِ فکر، بلندیِ طبع و رسا اور تخلیقی خوبیوں کا منہ بولتا شاہکار ہے۔ قصیدہ 67 اشعار پر مشتمل ہے جبکہ اعلیٰ حضرت نے اسے فقط دو تین گھنٹوں کی کاوش سے رقم کیا تھا..... قصیدہ معراجیہ کی ندرتِ فکر، جودِ طبع اور فکری رفعت کو دیکھیں تو محسوس ہوتا ہے کہ نجانے کتنا عرصہ صرف ہوا ہوگا۔ اس قدر روانی تسلسل اور پاکیزگی فکر کہ ذہن اور سماعت اس کے حسن معنوی میں گم ہو جاتے ہیں.....

وہ سرورِ کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نزلے طرب کے سامان عرب کے مہمان کے لیے تھے
یہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئینے تھے
ضیائیں کچھ عرش پر یہ آئیں کہ ساری قدیلیں جھلملائیں
حضورِ خورشید کیا چمکتے چراغ منہ اپنا دیکھتے تھے“ (۱۵۵)

قصیدہ نور کے بارے میں لکھتے ہیں:

”یہ قصیدہ 59 اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ نورانی قصیدہ کیا ہے نور و نکہت کی اترتی ہوئی کہکشاں ہے۔ جب جب قاری آگے بڑھتا ہے، اس کے افکار کی انوارِ نبوت کی جگمگا ہٹ عطا ہونے لگتی

ہے۔ سلاست و روانی، بے مثال تراکیب کی ارزانی، ہر لمحہ ابھرتی ہوئی رحمت یزدانی، تشبیہات و تراکیب کی پر نور طغیانی، تمہید مختصر مگر داستان عقیدت طولانی، الفاظ دم بخود، افکار خمیدہ سر، جذبات عشق و عقیدت کے حسن سے جلوہ ریز، صنائع بدائع کا پر نور طوفان بلاخیز، حسن ہی حسن، ظاہری بھی اور باطنی بھی، فکری بھی اور عصری بھی۔ یہ قصیدہ زبان زد عام ہے۔ حصول سعادت کے لیے چند اشعار رقم ہیں:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑہ نور کا صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا سر جھکاتے ہیں الہی بول بالا نور کا
اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا“ (۱۵۶)
اسی طرح انہوں نے احمد رضا خاں کے قصیدہ سلامیہ پر لکھا ہے:

”یہ وہ قصیدہ ہے جو بظاہر سلام کی ہیئت لیے ہوئے ہے لیکن اس کے اندر کمال کی اثر انگیزی اور تاثر آفرینی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے شاعر نے اپنے دل و دماغ کی تمام تر عنایاں اور عشق و عقیدت کی جملہ پہنائیاں بارگاہ مصطفوی میں نذر کر دی ہیں۔ اس میں کمال کا حسن تغزل پوشیدہ ہے۔ ایک ایک شعر آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی تفسیر ہے.....“

مصطفیٰؐ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہرِ یارِ ارم تاجدارِ حرم نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
ایک میرا ہی رحمت پہ دعویٰ نہیں شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام“ (۱۵۷)
ان اقتباسات سے ”جمالِ یاقوتی تقید“ کا دروبست جھلکتا ہے۔

۷۔ سوئے ادب فی حسن ادب، ع۔ ع۔ بخار علیک:

بخار علیک کی اس مختصر کتاب میں صرف دو مضامین ہیں۔ ایک مضمون نعتیہ شاعری میں در آنے والے عامیانہ مضامین اور ہندی اثرات کے زیر اثر اپنائے جانے والے نسوانی لہجے کی خرابیوں کے بیان کے لیے مختص ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”اردو نعت گوئی میں فرضی عورتوں کی طرف سے حضور اکرم ﷺ سے فرضی محبت اور اولہانہ دیوانگی کی حد تک عشق کے اظہار کی کیفیت اردو شاعری میں بلکہ خصوصاً نعتیہ شاعری میں ہندی شاعری کے مشترک نہ شعور اور طرز ادائیگی داخل ہوگئی ہے۔ اس نے جہاں اردو ادب کو نقصان پہونچایا ہے وہاں اردو نعتیہ شاعری کو الحاد و شرک کی حدوں تک پہونچا دیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تنہا ہندی

ادب نے نعتیہ شاعری کو بلحاظ راستے پر ڈال دیا ہے۔ بلکہ اس میں شیعیت، رجعت، الوہیت وغیرہ جیسے بے شمار نظریات شامل کر دیئے گئے ہیں۔ لہذا مسلمان شعراء کو ہندوادیوں کو خوش کرنے اور اسلامی عقائد میں پیوند لگانے سے گریز کرنا چاہیے ورنہ وہ اپنی ادبی کاریگری دکھانے کے شوق میں دین و دنیا دونوں تباہ کر بیٹھیں گے۔“ (۱۵۸)

بخارعلیگ نے اس مضمون میں کچھ اشعار بھی دیئے ہیں اور ان پر تبصرہ بھی کیا ہے۔ مثلاً

”طیبہ کے بانگے رنگیلے میاں موہے چاند سا کھ دکھا جانا

میں برہائی دیوانی تڑپت ہوں، ذرا آجانا ذرا آجانا

اب ذرا غور کیجئے بانگے رنگیلے الفاظ کن لوگوں کے لیے بولے جاتے ہیں۔ اگر یہ الفاظ اپنے اندر مذموم معنی [نہیں] رکھتے ہیں تو پھر ”رنگیلا رسول“ لکھنے والا اصل جہنم کیوں کیا گیا۔ اس کے قاتل نے جامِ شہادت کیوں پیا..... ایک اور صاحب کی جرات مندانہ پرواز دیکھئے:

بالا پن اور چڑھی جوانی دونوں گئے برباد

بوڑھے پن میں حرص بڑھی تھی کیا قضا نے یاد

بھولی بھالی میں ہوں ناری..... پیت گلے کا بار

موری نیا منجد ہمار

”بالا پن اور چڑھی جوانی دونوں برباد گئے تو بوڑھے پن میں حرص و جوانی یاد آئے تو موت کا بلاوا

آگیا“ آخر شاعر لڑکپن اور چڑھی جوانی کے ذریعہ آنحضرت ﷺ سے کیا چاہتا ہے؟“۔ (۱۵۹)

شرک کی نشاندہی کرتے ہوئے کچھ شعر نقل کر کے ان پر تبصرہ کرتے ہیں:

”محمدؐ کے رخ سے نقاب اٹھ گیا ہے تجلیء حق سے حجاب اٹھ گیا ہے

اس شعر نے شاعر کو شرک کی کوئی منزل پہنچا دیا ہے۔ دو شعر اور ملاحظہ ہوں:

سب کہتے ہیں کہ آپؐ کو سجدہ روا نہیں نورِ خدا رسولِ خدا ہے خدا نہیں

اے واعظو! یہ بات میں کیا جانتا نہیں لیکن غضب تو یہ ہے کہ جی مانتا نہیں

اب ان اشعار پر سر دھنئے۔ جی تو بہت سی باتوں کو نہیں مانتا۔ اللہ اور رسولؐ کی بات مانئے یا اپنے جی

کی۔ انسان کے انہیں فیصلوں پر اللہ کے فیصلے ہوتے ہیں“۔ (۱۶۰)

بعد ازاں بخارعلیگ نے شبلی نعمانی کے اشعار نقل کر کے اپنا موقف واضح کیا ہے:

”ہجرت کے موقع پر شبلی نے جو منظر کشی کی ہے اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جبکہ آمادہ شر ہو گئے کفارِ قریش لاجرم سرور عالم نے کیا عزم سفر کوئی نوکر تھا نہ خادم نہ برادر نہ عزیز گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرور اک فقط حضرت بو بکرؓ تھے ہمراہ رکاب ان کی اخلاص شاعری تھی جو منظورِ نظر رات بھر چلتے تھے دن کو کہیں چھپ جاتے تھے کہ کہیں دیکھ نہ پائے کوئی آمادہ شر تین دن رات رہے ثور کے غاروں میں نہاں تھا جہا عقرب و انبی کی حکومت کا اثر نیم جاں خوفِ عدو، ترک غذا، سختی راہ ان مصائب میں ہوئی اب شبِ ہجرت کی سحر شبلی کے ان اشعار میں صرف ہجرت کا بیان ہے۔ ان میں کوئی شاعر نہ کمال نظر نہیں آتا۔ پیرایہ بیان صاف اور سادہ ہے۔ شبلی کی نعتیہ شاعری کو اسی پیمانہ پر جانچا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شبلی کی نظر میں وصفِ نبیؐ کا مقصود ان مکرمِ اخلاق کی تعلیم ہے جن سے کردار کی تعمیر ہوتی ہے اور زندگی کو استحکام نصیب ہوتا ہے۔ والہانہ جذب و شوق کے بعد بھی اگر اسوۂ رسولؐ کی کوئی جھلک کردار میں نظر نہ آ سکے تو اسے ہم بے مقصد اور خیالی اظہارِ مندی سے تعبیر کریں گے۔“ (۱۶۱)

بخار علیگ کی یہ چھوٹی سی کتاب، جس میں صرف ایک مضمون نعتیہ شاعری سے متعلق ہے، نعت کے مضامین کے مذموم پہلو اور مطلوب اسلوب کی نشاندہی کے لیے مشعلِ راہ کا کام دے گی۔ بخار علیگ نے اشعار کے نمونے پیش کر کے ان پر جو تبصرے کیے ہیں وہ عملی تنقید کے نمونے تو ہیں ہی، ان مختصر تبصروں میں تشریحی تنقید (Judicial/Legislative Criticism) کی روح بھی کارفرما ہے۔

۱۸۔ جادۂ رحمت کا مسافر (صبحِ رحمانی کی نعتیہ شاعری پر تنقیدی مضامین کا مجموعہ):

ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی:

ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی کی مرتب کردہ اس کتاب میں ہندو پاک کے معروف نقادانِ ادب کے بیس مضامین اور ۷۰ مختصر آراء و تاثرات، شامل ہیں۔ ہر ناقد نے صبحِ رحمانی کی نعتیہ شاعری کے محاسن کا تذکرہ کیا ہے۔ ڈاکٹر عاصی کرناٹی مرحوم کے منظوم نذرانہء تحسین پر کتاب کا اختتام ہوا ہے۔ افرامہ پوری نے ”جادۂ رحمت کا مسافر“ کے زیر عنوان، صبح کے نعتیہ کلام پر رائے دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”صبحِ رحمانی حقیقی معنوں میں ایک وہبی و فطری نعت گو شاعر ہیں۔ ان کی فنکارانہ صلاحیتوں اور توانائیوں کا بھرپور اظہار ان کی نعتوں میں ہوا ہے۔ نادرہ طرازی اور تازہ کاری ان کے فکر و فن کی امتیازی علامت ہے۔ وہ اپنے علم و فضل کے زور پر نعت نہیں کہتے بلکہ اپنے سچے جذبہ عقیدت و

ارادت سے نعت نگاری کرتے ہیں۔ محسن انسانیت ان کی زندگی و بندگی کے مرکز و محور ہیں اور حمد و نعت گوئی ان کا وسیلہ نجات و مغفرت۔ رسول اکرم ﷺ سے ایسی بے پناہ وابستگی و شیفگی جو اس سال شعراء میں راقم کو کسی اور شاعر میں نظر نہیں آتی..... انہوں نے قدیم و جدید دونوں اسالیب میں اپنے ایمان و ایتقان کا فنکارانہ اظہار کیا ہے، جس سے ان کی رعنائی و دلربائی میں چار چاند لگ گئے ہیں۔ انہوں نے اپنی نعتیہ شاعری میں نئی لفظیات اور ایمائیت و رمزیت سے بھی کام لیا ہے اور اس طرح اپنی نعتوں کو تازگی، ندرت اور جدت سے ہم کنار کیا ہے۔ (۱۶۲)

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری، رقم طراز ہیں:

”صبیح رحمانی کی نعت، زبان، بیان، اسلوب اور فکر و فن کی بے شمار خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ ان کی زبان صاف، سادہ، عام فہم، با محاورہ، روزمرہ کے مطابق ہے۔ اس میں نہ تو عربی اور فارسی کے ثقیل الفاظ اور مشکل تراکیب ہیں اور نہ ہندی کے نامانوس الفاظ اور جملے ہیں، جن کے سمجھنے میں کوئی دشواری ہو۔ الفاظ و تراکیب جس طرح فہم کے لیے آسان ہیں، اسی طرح زبان کے لیے ان کا تلفظ سہل ہے۔ ان کی نعت میں تشبیہات و استعارات کا استعمال ہوا ہے۔ لیکن ایسے جن کے سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں ہوتی۔ نہ پیچیدہ اور دور از فہم تلمیحات ہیں، جو ہیں وہ واضح، سادہ اور فہم کے لیے آسان ہیں۔ ان کی نعت سادہ و پرکار ہے۔ دلکش ہے۔ یہ کثرت اشعار سہل متمتع کی خوبیوں سے متصف ہے۔ صبیح رحمانی کی اکثر نعتیں مرصع ہوتی ہیں۔ لباس اور تاج کی طرح مرصع۔ لباس یا تاج گینگنوں کا بنائیں ہوتا، ان میں چند گینگنے جڑے ہوتے ہیں۔ وہی چند ہیرے اور گینگنے لباس اور تاج کو جگمگا دیتے ہیں۔ اس طرح صبیح رحمانی کی نعت میں چند شعر ایسے ضرور ہوتے ہیں جنہیں گینگنوں سے تشبیہ دی جائے۔ یہی چند گینگنے خاتم نعت کی آبرو ہوتے ہیں اور پوری نعت کی شان و رفعت کا فیصلہ کر دیتے ہیں۔“ (۱۶۳)

شیف الدین شارق نے صبیح رحمانی کی نعتوں کے حوالے سے لکھا:

”یہ نعتیں اپنے اندر ادب بھی رکھتی ہیں، شعریت بھی اور وہ تمام داخلی لوازم بھی جو خارجی عوامل سے مل کر خوبصورت اور دل پذیر تخلیقی اسلوب بناتے ہیں۔ جادہ رحمت سے معلوم ہوتا ہے کہ صبیح رحمانی نعت خوانی سے نعت گوئی کی طرف آئے ہیں۔ شاید یہ بھی ایک وجہ ہو کہ اس نعتیہ شاعری میں لفظ و آہنگ کا امتزاج ہے۔ یہی نہیں بلکہ جہاں افکار و جذبات اپنے طول و عرض میں رواں ہیں وہاں حب نبی ﷺ کی بھی ایک شفاف گہرائی موجود ہے۔ چنانچہ مدحت لکھنا اس شاعر کا خالص اندر کا تقاضا

ہے۔ ایک گہری طلب ہے۔ شہر نبی ﷺ کے موسم میں رہنے کی تمنا ہے۔ ملت کے گمشدہ کو بازیاب کرنے کی تڑپ ہے۔ چلچلاتی دھوپ میں سکون بخش اور جاں نواز سائبان کی تلاش ہے۔ جہاں تک شاعر کے ظاہر کی بات ہے تو انسانیت کے سب سے بڑے معمار کی ثناء میں طبع رواں شاعری کی کسی ایک فارم کی اسیر نہیں ہے۔ طرزِ اظہار میں تنوع ہے۔ طویل، درمیانی اور مختصر بحر، دلکش ردیف قافیہ، بے قید نظمیں، پرتا شیر انداز بیان۔ نرم نرم سا لہجہ، باغ و بہار کیفیتیں، توانا شاعری، ان سب نے مل کر صبیحِ رحمانی کی نعتوں کو دلکش بنا دیا ہے:

نظر آتے ہیں پھول سب کے سب	حرف نعت رسول سب کے سب
ان کی تقلید کر کے سیکھے ہیں	رہبری کے اصول سب کے سب
آپ کے فلسفے کے بعد حضورؐ	فلسفے ہیں فضول سب کے سب
مہر و ماہ و نجوم و کاکشاں	پائے اقدس کی دھول سب کے سب
مقتدی تھے امامِ اقصیٰ کے	انبیا و رسول سب کے سب
شعر جو نعت کے کہے ہیں صبیح	کاش وہ ہوں قبول سب کے سب

..... نعت گو شعراء کو عمومی طور پر تین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ جو صرف دماغ سے کہتے ہیں۔ دل کی دھڑکن سنائی نہیں دیتی۔ دوسرے وہ جو صرف دل سے کہتے ہیں۔ دماغ کا عمل دخل نہیں ہوتا اور تیسرے وہ جن کے یہاں دماغ اور دل دونوں ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ جس کے لیے دل دھڑکتا ہے دماغ بھی اسی کو سوچتا ہے اور جس کو دماغ سوچتا ہے دل بھی اسی کے لیے دھڑکتا ہے۔ الحمد للہ! صبیحِ رحمانی آخر الذکر شعراء میں شامل ہیں۔“ (۱۶۴)

صبیحِ رحمانی کے نعتیہ مجموعے ”خوابوں میں سنہری جالی ہے“ پر بھارت کے ایک محقق اور عالمِ دین مولانا محمد ملک الظفر سہرامی نے لکھا:

”خوابوں میں سنہری جالی ہے“ کے مطالعے کے بعد صبیحِ رحمانی کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے اس اعتراف میں تامل کی گنجائش نہیں رہتی کہ موصوف کی شاعری میں فنی نزاکتوں کی کمی کا احساس نہیں ہوتا۔ پرانے مفاہیم کو نئے لب و لہجے سے آراستہ کر کے نعتیہ شاعری کو نیا رنگ و آہنگ عطا کرنے والوں کی صف میں خود کو شامل کرنے کی کوشش و کاوش میں کامیاب بھی ہیں۔ اس انداز کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

قلم خوشبو کا ہو اور اس سے دل پر روشنی لکھوں

مجھے توفیق دے یارب کہ میں نعت نبی لکھوں
قلم کی پیاس بجھتی ہی نہیں مدح محمد میں
میں کن لفظوں میں اپنا اعتراف تشنگی لکھوں
صبح ان کی ثنا اور تو کہ جیسے برف کی کشتی
کرے سورج کی جانب طے سفر آہستہ آہستہ“ (۱۶۵)

”جادۂ رحمت کا مسافر“ کے مضامین میں زیادہ تر، صبحِ رحمانی کے شعری فن میں حسنِ کاری کے عنصر کو پیش نظر رکھا گیا ہے اس لیے ان میں جمالیاتی تنقیدی دبستان کے اثرات نمایاں ہیں۔
۱۹۔ نعت رنگ کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ، پروفیسر شفقت رضوی:

پروفیسر شفقت رضوی نے، کتابی سلسلے ”نعت رنگ“ کے پندرہ شماروں کا تجزیاتی اور تنقیدی مطالعہ کیا ہے جو ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۳ء تک شائع ہوئے۔ اس کاوش پر خود پروفیسر صاحب کا کہنا ہے:
”میں ان گہر ہائے نایاب کو چھنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں جو ”نعت رنگ“ کی کتاب نمبر ۱۵ سے ۱۵ تک میں بکھرے ہوئے ہیں..... یہ دعویٰ نہیں کہ ہمارا تجزیہ اور ہماری رائے مستند، معتبر اور آخری سمجھی جائے، ہماری تحریر کا بڑا مقصد یہ دکھانا ہے کہ جس معاشرے میں مادی فوائد کی حرص میں زندگیوں سے کھیل جاتا ہے وہاں ان اہل خیر کو فراموش نہ کیا جائے جن کی فکر اور تحریر پر حضور ﷺ کی محبت اور عقیدت کا سایہ ہے۔ صبحِ معنوں میں یہی دولت ایمان سے سرشار ہیں اور شکر گزار بھی:
دولت عشق نبی ﷺ سینے میں ہے پاس ایماں ہے خدا کا شکر ہے
(صبحِ رحمانی)“ (۱۶۶)

اس کتاب کا تعلق براہِ راست نعت کی تنقید سے تو نہیں ہے لیکن نعت سے متعلق ان تحریروں سے ضرور ہے جن میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے تنقیدی آراء دی گئی ہیں یا تحقیقی مطالعات پیش کئے گئے ہیں۔ پروفیسر شفقت رضوی نے نعت رنگ کے لکھاریوں کے مضامین کے حوالے دے کر تحسین یا اس کے برعکس رائے دی ہے۔ انہوں نے دوسرے اہل قلم کے خطوط یا مضامین کے ذریعے زیرِ تبصرہ مضمون کی تحسین یا اس کے برعکس رائے بھی نقل کر دی ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق، ہم اس کتاب کے چند گوشے دیکھتے ہیں۔ آفتاب احمد نقوی کے مضمون بعنوان ”تخلیق پاکستان اور ہماری نعتیہ شاعری“ (مطبوعہ نعت رنگ شمارہ ۱) پر پروفیسر شفقت رضوی نے اپنی رائے اس طرح رقم کی:
”آفتاب احمد نقوی نے ایک ایسے موضوع پر قلم اٹھایا جس کی وسعتیں بے پایاں ہیں۔ یہ ایک

مضمون یا مقالے میں نہیں سمیٹا جاسکتا۔ یہ ایک بسیط مقالے کا عنوان بن سکتا ہے۔ مضمون نگار نے اپنی قدرتِ اظہار سے دریا کو کوزے میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے اس سے ایک بسیط و بلیغ مقالہ کی راہ ہموار ہوئی ہے۔ ایک مشکل اور بسیط موضوع کو چھیڑنا اور مختصر تحریر میں اس کے مختلف پہلوؤں کا اشارہ کرنا بھی ایک وضعِ کمال ہے۔“ (۱۶۷)

مدبرِ نعت رنگ نے شمارہ ۱۱ میں حکیم محمود احمد برکاتی اور حمایت علی شاعر کی نظموں پر ڈاکٹر ابو الخیر کشنی سے ”مختصر اثرائتی“ مضمون لکھوایا اور مذکورہ نظموں سے قبل اسے شائع کر دیا۔ اس مضمون میں ان دونوں نعتیہ نظموں کی تشریح و تعبیر تھی۔ شفقت رضوی نے لکھا:

”ان دونوں نظموں پر تاثرات حاصل کرنا اس دور کا صحافی فیشن بن گیا ہے۔ غالباً ایسا اس لیے کیا جاتا ہے کہ مدیر۔ مرتب، قارئین کی ذہنی سطح سے مطمئن نہیں ہوتے وہ پڑھنے والوں کو تاثرات یا تبصرے کی بے سادگی فراہم کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔“ (۱۶۸)

نعت رنگ میں رشید وارثی کا ایک مضمون ”اردو نعت میں ادب رسالت کے منافی اظہار کی مثالیں“ شائع ہوا۔ اس مضمون میں رشید وارثی نے کچھ اشعار نقل کر کے ان میں استعمال ہونے والے الفاظ پر نکتہ چینی کی تھی، پروفیسر رضوی نے اسی مضمون کی بنیاد پر اپنی رائے کا اظہار کیا:

آدمی کو لباسِ تمدن دیا اس نے بابِ جہالت میں تحریف کی وہ (رشید وارثی) لفظ ”تحریف“ کو معنوی اعتبار سے منفی اور مذموم قرار دے کر اس کے استعمال پر معترض ہیں۔ حضور کو ”عالم کون کا راج دلا را“ کہنا ان (رشید وارثی) کی نظر میں مناسب نہیں۔ جو دعا دل سے مری نکلی وہ پوری ہو گئی مجھ سے عاصی کو بھی (تخلص) کب خفا اس نے کیا ”اس شعر میں کہا گیا ہے کہ شاعر صاحب کی تمام دعائیں شرفِ ایجاب کو پہنچیں۔ اس طرح نعوذ باللہ حضور نے شاعر کو خفا نہیں کیا۔ یہاں فقط خفا آپ کی اطاعت و رحمت اور آپ کی رضائے پاک کے منافی اور سوءِ ادب ہے۔“ (۱۶۹)

ان مثالوں کے بعد شفقت رضوی نے لکھا:

”مضمون، موضوع، وسعتِ معلومات اور طرزِ استدلال کے اعتبار سے لائقِ غور ہے۔ اس قسم کی بے احتیاطیوں تو قدیم اور جدید شعرا دونوں کے کلام میں ہے لیکن دورِ جدید کے شعرا کے ہاں رجحان کچھ زیادہ ہے کیوں کہ زبان پر عبور نہ ہونے، الفاظ کے معنی نہ سمجھنے، ان کے جائز استعمال سے واقف نہ ہونے اور سب سے بڑھ کر جدت طرازی کے شوق میں بے اعتدالیاں عام ہیں۔“ (۱۷۰)

مبین مرزا کا ایک مضمون بعنوان ”لفظ ”نعت“ کا استعمال، ایک توجہ طلب مسئلہ“، نعت رنگ کی زینت بنا۔ اس مضمون کا تعارف کراتے ہوئے شفقت رضوی نے لکھا:

”مبین مرزا کی تحریر سے معلوم ہوا کہ کوئی صلاح الدین پرویز صاحب ہیں جو رسالہ ”استعارہ“ چھاپتے ہیں۔ انھوں نے ”ہندی گیتوں کے اسلوب میں لکھی گئی اپنی نظم اپنے رسالہ میں چھاپی جس کا ذکر جیلانی کا مران نے ماہنامہ ”علامت“ کے ادبی زاویے میں کیا۔ یہ نظم سری کرشن جی کی تعریف میں ہے اس کا عنوان ”نعت“ ہے۔ جیلانی کا مران نے اس نظم کے عنوان کی تعریف کی ہے۔ بلکہ اپنے موقف کے استحکام کے لیے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ ”اگر نعت کے لفظیات کا اطلاق سری کرشن پر ہو تو سری کرشن کو عظیم پیغمبروں میں شامل کر کے خدا کے رب العالمین ہونے کی صفت کا اقرار ہوتا ہے“۔ (۱۷۱)

مبین مرزا کا کہنا تھا کہ لفظ ”نعت“ ایک اصطلاح ہے جس کا اطلاق صرف اور صرف ”حضور اکرم ﷺ“ کی توصیف و ثناء پر ہوتا رہا ہے، ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ انہوں نے لکھا:

”نعت صدیوں سے مختص ہے خاص تعریف و توصیف کے لیے..... یہ اب لفظ نہیں ہے ”اصطلاح“ ہے اس فرق کو غالباً نہ تو صلاح الدین پرویز جانتے ہیں نہ جیلانی کا مران..... اور غالباً یہ بھی نہیں جانتے کہ لفظ کے مختلف پہلو ہوتے ہیں لیکن اصطلاح کا ایک مسلمہ پہلو ہوتا ہے۔ لفظ کے معنوں میں تبدیلی یا توسیع ہوتی ہے۔ اصطلاح میں نہیں ہوتی“۔ (۱۷۲)

شفقت رضوی نے غیرت ایمانی کا ثبوت دیتے ہوئے لکھا:

”جہاں تک مرزا صاحب سمجھتے ہیں یہ لسانی بحث ہے نہ ادبی بحث۔ اصل مسئلہ ہے افترا پر دازی، دل آزاری، جھوٹی انا کی تسکین۔ کم ظرفی کے ساتھ اپنی اہمیت بڑھانے کا..... اس بارے میں ہمارا خیال ہے کہ سمجھداری کا تقاضہ ہے کہ ایسے افراد کو نظر انداز کر دیا جائے۔ انھیں معمولی سے معمولی توجہ کا مستحق نہ سمجھا جائے تاکہ وہ اس احساس کمتری میں کہ کوئی ”گالی کو بھی نہیں پوچھتا“ اپنی موت آپ مر جائیں“۔ (۱۷۳)

مذکورہ موضوع پر ڈاکٹر رؤف پارکھ نے بھی لکھا تھا۔ پروفیسر شفقت رضوی نے بحث سمیٹتے

ہوئے لکھا:

ڈاکٹر پارکھ نے ”انگریزی نثر ادقادیانی تحریک“ کے خدو خال پیش کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ امت مسلمہ میں رخنہ ڈالنے کی ایسی کوششیں ہر دور میں ہوتی رہی ہیں اور اب اس کا تازہ رنگ ”استعارہ“

اور ”علامت“ ہے۔ یا صلاح الدین پرویز اور جیلانی کامران ہیں..... ہم اس بارے میں اظہارِ رائے سے قاصر ہیں۔ (۱۷۴)

نعت رنگ کے چودھویں شمارے میں بھارت کے ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی کا مضمون ”اردو زبان میں نعت گوئی“ کے عنوان سے چھپا تھا۔ اس مضمون میں شعراء کی لغزشیں ظاہر کی گئی تھیں۔ اس مضمون کے بارے میں پروفیسر شفقت رضوی نے اس طرح اپنی رائے رقم کی:

”ڈاکٹر صاحب نے متعدد اشعار نقل کر کے ان میں لفظی یا معنوی معائب کی نشان دہی کی ہے۔ یہ سلسلہ مضمون کے اختتام تک جاری ہے۔ اس مضمون میں زبان اور بیان کے اہم پہلوؤں سے بحث کی ہے جو شاعر اور نقاد دونوں کے نکتہ نظر سے اہم ہیں۔ خاص طور سے شاعروں کو ان معائب سے بچنا چاہیے جو بیان ہوئے ہیں۔“ (۱۷۵)

ڈاکٹر سید تکی شیط کے مضمون ”اردو نعت کے موضوعات“ میں ایک شعر کی عدم تفہیم کے احساس کے زیر اثر شفقت رضوی نے لکھا:

”کتاب احوال النبی“ کے چند اشعار نقل کیے ہیں..... ایک مصرع کی توجیہ محل نظر ہے۔

وقت آیا جب تولا [تولد] کا قریب یک تجلی نور کی ہوئی اے حبیب
صبح دم ظاہر ہوا وہ بے نظیر تھی ربیع الاول کی دوسری، روز پیر

مضمون نگار لکھتے ہیں ”آخری مصرع پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے ”دوشنبہ“ کا ترجمہ ”دوسری روز“ کر دیا پھر ردیف و قافیہ کی مناسبت سے ”پیر“ لکھ دیا۔ جس کی وجہ سے اس مصرع کے معنی مبہم ہو گئے۔ حالاں کہ مصرع میں ابہام بالکل نہیں، مفہوم بالکل صاف ہے، شاعر کہہ رہا ہے ”جس صبح وہ بے نظیر شخصیت ظاہر ہوئی وہ ربیع الاول کی دوسری تھی اور روز پیر تھا، اس میں ہمیں ابہام نظر نہیں آتا البتہ مضمون نگار کی سخن فہمی پر سوالیہ نشان پڑ گیا ہے۔“ (۱۷۶)

اس موقع پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ مضمون نگار کا اعتراض ”دوسری روز“ پر تھا اور وہ کہنا یہ چاہتا تھا کہ دوسری ربیع الاول نہیں بلکہ بارہویں ربیع الاول تھی!..... شفقت رضوی یا تو مضمون نگار کے منشا کو نہیں سمجھ سکے یا انہیں بھی یہی گمان تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی پیدائش ربیع الاول کی دوسری تاریخ کو ہوئی تھی!..... شعر کے عروضی نقص کی طرف دونوں (ڈاکٹر تکی شیط اور پروفیسر شفقت رضوی) نے دھیان نہیں دیا یعنی ”ربیع الاول“ کے بجائے ”ربی الاول“، اور دوسری کے بجائے ”دسری“ پڑھا جا رہا ہے!

”نعت رنگ کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ“ میں چوں کہ پروفیسر شفقت رضوی نے مختلف الجہات موضوعات پر لکھی ہوئی تحریروں کے حوالے سے اپنی تنقیدی رائے رقم کی ہے اس لیے اس تنقید کو ہم کسی ایک دبستان تنقید سے وابستہ نہیں کر سکتے۔ پروفیسر رضوی نے نہ صرف شاعری پر کی جانے والی تشریحی و جمالیاتی تنقیدی آراء کا معروضی محاکمہ کیا ہے بلکہ تحقیقی مواد پر بھی اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے۔ اس طرح پروفیسر شفقت رضوی کی تنقید میں فکری و نظریاتی تنقید کے ساتھ ساتھ دانشورانہ سچائی کا عنصر غالب آگیا ہے۔ نعتیہ شاعری کو علمی بنیادوں پر پرکھنے کا کام ایسے ہی جرات مندانہ اور بے لاگ تنقیدی تبصروں کے ذریعے آگے بڑھ سکتا ہے۔

۲۰۔ دلیل آفتاب، مطالعات نعت، ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، ترتیب و تدوین عمران نقوی:
ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کے مضامین کا مجموعہ ”دلیل آفتاب“ ان کی شہادت کے بعد ان کے چھوٹے بھائی عمران نقوی نے مرتب کیا۔ اس مجموعے کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول کی تفصیل کچھ یوں ہے:
نعت..... تمہیدی مباحث، محرکات نعت، فن نعت نگاری (لوازمات)، قرآن حکیم میں نعت رسول ﷺ کا انداز، حدیث رسول ﷺ میں نعت کا انداز، سیرت نگاری..... ایک جائزہ، الہامی کتب میں بیان سیرت، اردو نعت..... آغاز سے لمحہ موجود تک، برصغیر میں فارسی نعت، تخلیق پاکستان اور ہماری نعتیہ شاعری، غیر مسلم شعراء..... سرور کائنات کی بارگاہ میں، پنجابی شاعری میں نعت کا ارتقاء، پنجابی نعت میں مدیہ الرسول کا ذکر، پاکستان میں نعت نمبروں کی روایت، چند مزید نعت نمبر۔
حصہ دوم کی تفصیل یہ ہے:

مولانا احمد رضا بریلوی کی نعت نگاری، مولانا حسن رضا بریلوی..... عندلیب باغ حجاز، مولانا ظفر علی خان..... دربار رسالت میں، حفیظ جالندھری اور شاہنامہ اسلام، آفتاب نعت..... حفیظ تائب، محمد یار فریدی..... بلبل بستان رسالت، ماہر القادری اور نعت سرور کونین، طفیل ہوشیار پوری..... مداح رحمت یزدان، حفیظ تائب کی پنجابی نعت، حروف غیر منقوٹ کا شعری اعجاز، یزدانی جالندھری کا آہنگِ ثناء، قمر یزدانی کی نعتیہ شاعری، سید محمد امین علی نقوی کا اسلوب نعت، ”جان جہاں“ پر ایک نظر، ع۔س۔ مسلم کی ”زمزمہء سلام“ اور ”زمزمہء درود“، ثنا خوان رسول..... محمد علی ظہوری، ریاض حسین چودھری..... اقبال کی زمیں سے حرم کی زمین تک، شہر محبت کا راہی..... ذکی قریشی، طفیل دارا کی ”لا شریک“..... ایک تجزیہ، شوکت ہاشمی کے نعت نذرانے، کلید فردوس..... نعتیہ ادب میں ایک دل نواز اضافہ اور ندیم نیازی کا رنگ

مدحت۔ فن نعت نگاری (لوازمات) کے زیر عنوان ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نے جن ذیلی عنوانات کے تحت گفتگو کی ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ عشق رسول، ۲۔ قرآن اور حدیث کا مطالعہ، ۳۔ آداب اور احترام، ۴۔ مضامین نعت، ۵۔ حقیقت نگاری، ۶۔ طریقہ اظہار، ۷۔ انداز خطاب، ۸۔ چند دوسرے لوازمات۔

مؤخر الذکر عنوان کے تحت ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نے مجید امجد کے افکار نقل کیے ہیں جو ان کی دانست میں اس موضوع پر ”حرف آخر“ کی حیثیت رکھتے ہیں:

”فن شعر کے لحاظ سے اس کمال کے لیے کمال سخن وری اور نفس مضمون کے لحاظ سے اس کے لیے کمال آگہی درکار ہے۔ اور ان دونوں چیزوں کو جلا جس چیز سے ملتی ہے وہ عشق کا سرمدی جذبہ ہے جو لفظوں کو تجلیات سے بھر دیتا ہے اور معانی میں وسعتیں سمودیتا ہے۔ یوں نعت ایک مقدس آزمائش ہے۔ احترام کا تقاضا یہ ہے کہ مدح مرتبہ رسالت کی حقیقی سطح پر فائز ہو جب تک زبان و بیان کے رموز جس طرح کہ وہ کلام الہی سے منکشف ہیں، شاعر کی نگاہ میں نہ ہوں اس کا بیان نا تمام اور اظہار نا رسا ہے۔ نعت ان ذی فضیلت لوگوں کا منصب ہے جن کی عمر عزیز معانی قرآن کو پرکھنے اور اسوہ رسول ﷺ کو اپنانے میں صرف ہوئی ہو اور جو اس روحانی سفر کے دوران پیش آنے والے مقامات کو شعری اظہار کی منزلوں تک پہنچا سکیں۔“ (۱۷۷)

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نے کچھ شعراء کے نعتیہ کلام پر بھی اپنی تنقیدی رائے رقم کی ہے۔ یزدانی جالندھری کے شعر عقیدت کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

”یزدانی جالندھری کی نعت میں دور حاضر کی جھلکیاں اور پھر شاعر کا دربار رسالت مآب میں التجا و استغاثہ بھی اس کے خلوص کا مظہر ہے۔ وہ حالات کی نارسائیوں اور اخلاقی اور ملی اقتدار کی رسوائیوں پر چپ نہیں رہ سکتے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور بڑی ہی دردمندی اور پرسوزی کے ساتھ التجا کرتے ہیں:

ہم تو گر کر رہ گئے ہیں پستیوں کے غار میں
آپ کی چشم کرم یا مصطفیٰ درکار ہے
جو دکھی انسانیت کے درد و غم کا ہے علاج
طیبہ و بطحا کی وہ خاک شفا درکار ہے
رحمت للعالمین ، یا رحمت للعالمین

امت مرحوم پر پھر چشمِ رحمت چاہیے
ملتِ بیضا کا حالِ زار ہے ناگفتنی
اس طرف بھی اک نگاہِ لطف و رافت چاہیے“ (۱۷۸)

یزدانی جالندھری نے نعت میں تبلیغی پہلو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ ڈاکٹر آفتاب نے اس کا ذکر

اس طرح کیا ہے:

”نعت کے ابتدائی دور میں اسے ایک تحریک کے طور پر قبول کیا گیا اور اس سے تبلیغِ دین اور اصلاحِ احوال کا کام لیا گیا۔ یزدانی جالندھری کی نعت بھی اسی حوالے کی نعت ہے۔ وہ اپنے قاری کو نبی ﷺ کریم سے محبت کا سبق دیتے ہوئے معاشرے کو اس کی اصلاح کا درس بھی دیتے ہیں۔ کیوں کہ یہی وہ طریقہ ہے، جس سے محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اکملت پیدا ہوتی ہے:

نعت محبوبِ خدا لب پہ سجائے رکھنا دل میں حبِ شہِ کونین بسائے رکھنا
آل و اصحابِ نبیؐ جس سے ہوئے تھے ضوگیر اپنے سینوں میں وہی شمع جلائے رکھنا
اسوہٗ سرور دیں میں ہے فلاحِ دارین راہبر اس کو بہر گام بنائے رکھنا
زائرانِ حرمِ پاک! یہ ہے شرطِ ادب منہ ہی تنہا نہ بھٹکے، دل بھی جھکائے رکھنا
شہِ کونینؐ کا اسوہ جو شمعِ رہنما ٹھہرے فلاحِ وفوز کی منزل ہمارے زیرِ پا ٹھہرے
بھٹک سکتا نہیں ہے کاروانِ ملتِ بیضا محمد مصطفیٰؐ جب رہنما و پیشوا ٹھہرے

..... یزدانی جالندھری کی نعتیہ شاعری، زبان و بیان کی لطافتوں، الفاظ کی نزاکتوں، نو بہ نو ردیفوں، صنائعِ بدائع کے استعمال، مضامین کے تنوع اور ادب و احترام رسالت کے حوالے سے آج کے دور کی وہ معیاری نعت ہے جس میں نعتیہ روایت بھی پوری توانائی کے ساتھ موجود ہے اور دورِ حاضر کی مثبت جدت نگاری بھی تابناکی کے ساتھ جلوہ گن ہے۔ یوں یزدانی نعت کے مختلف ادوار کے حوالے سے ایک ایسے سنگم پر کھڑے ہیں جس سے آج بہت سے شاعر اکتسابِ فیض کر کے نعت کے نئے دور میں کامیابی کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں۔“ (۱۷۹)

اردو نعت کے انتقادی سرمائے میں ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کی تنقید کو تاثراتی تنقید کے ذیل میں رکھا جاسکتا ہے۔ جمالیاتی تنقیدی دبستان کے اثرات بھی ان کی تحریروں سے نمایاں ہیں، اس لیے اس دبستانِ نقد کو بھی ملحوظِ خاطر رکھ سکتے ہیں۔

۲۔ نقدِ نعت اور پاس شریعت:

نعتیہ ادب میں شرعی اصولوں کی طرف رہنمائی کرنے والی کتابیں بہت ہیں۔ ہم نے صرف چار کتب کا انتخاب کیا ہے، جن میں تقریباً وہ تمام مسائل زیر بحث آگئے ہیں جن کے ذریعے نعتیہ شاعری کے لیے شرعی اصول بندی ہو سکتی ہے۔

☆ شائم النعت (تحقیقی و تنقیدی مقالات کا مجموعہ)، ڈاکٹر سراج احمد قادری:

ڈاکٹر سراج احمد قادری کی اس کتاب میں درج ذیل، دس مضامین ہیں:

۱۔ آدابِ نعت گوئی کے اساسی پہلو

۲۔ نعت گوئی کا تقدس اور اس کی تنقیدی قدریں

۳۔ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری کا پس منظر

۴۔ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے شائع ہونے والی کتب کا تعارف

۵۔ جناب طاہر لاہوری کی نعتیہ شاعری (ایک خصوصی مطالعہ)

۶۔ حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی نعتیہ شاعری (ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ)

۷۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کا سرمایہء کلام

۸۔ ”الاستمداد“ رضا بریلوی کا مجموعہء کلام

۹۔ حضرت رضا بریلوی کی مضمون آفرینی

۱۰۔ نعت گوئی تنقید، تفہیم و تجزیہ

مؤخر الذکر مضمون میں ڈاکٹر سراج احمد قادری نے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے کچھ فتاویٰ

کا حوالہ دیا ہے۔ وہ فتاویٰ، نعتیہ شاعری پر شرعی گرفت کی بہترین مثالیں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً رام پور سے

معشوق علی صاحب نے کچھ اشعار درج کیے اور اعلیٰ حضرت سے ان کے مافیہ (Content) کے ضمن میں

سوال کیا۔ اشعار درج ذیل ہیں:

اٹھا کر میم کا پردہ سب الا اللہ کہتے ہیں

احد میں میم کو ضم کر کے صلی اللہ کہتے ہیں

ظہور ہو کر کے دنیا میں یہ فرمایا کہ بندہ ہوں

تو سب ناسوت میں حضرت رسول اللہ کہتے ہیں

ہوئے ممکن سے جب واجب نبی ملکوت میں پہنچے
وہاں سب دیکھ احمد کو ظہور اللہ کہتے ہیں
جو پہنچا مرتبہ جبروت میں مسجود عالی کا
تو اس جسم مطہر کو وہ نور اللہ کہتے ہیں
الست مرتبہ لاہوت سمجھو ذات احمد کا
سب اس رتبہ میں آنحضرت کو عین اللہ کہتے ہیں
خدا فرمائے گا محشر میں بخشا لو تم اب احمد
گنہ گارانِ امت کو شفع اللہ کہتے ہیں
نزول از تا عروج حضرت کا لکھا ہے حقیقت سے
خدا پہچان لو سب سے حسن اللہ کہتے ہیں

اعلیٰ حضرت کا جواب ملاحظہ ہو:

”ان اشعار کا پڑھنا حرام، سخت حرام ہے۔ ان میں بعض کلمہ کفریہ ہیں اگرچہ تاویل کے سبب قائل کو کافر نہ کہیں اور بعض موہم کفر ہیں اور یہ بھی حرام ہے۔ رد المختار میں ہے۔ مجرد ایہام المعنی المحال کاف فی المنع۔ ہاں بعض جیسے شعر چہارم و ششم ایہام کفر سے خالی ہیں۔ پھر ششم میں مصرع دوم ”گنہ گارانِ امت الخ“ کو حضرت عزت کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں۔ اور چہارم میں مسجود کا لفظ مناسب نہیں۔“ (۱۸۲)

اعلیٰ حضرت کا جواب ایسے شعراء کے لیے تنبیہ (Warning) کا حکم رکھتا ہے جو شریعت سے متصادم خیالات کو شعری جامہ پہناتے ہیں۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری نے صحیح کہا ہے:

”حضرت امام احمد رضا فاضل بریلویؒ نے مذکورہ بالا اشعار پر جرح و تعدیل فرمائی اور ایک ایک شعر اور لفظ کا حکم بیان فرمایا۔ صاف ستھری تنقید اسی کو کہتے ہیں“ (۱۸۳)

جودھ پور سے قاضی محمد عبدالرحمن نے ایک شعر لکھ کر سوال کیا۔ شعریہ تھا ۔

نعت خیر البشر نہ ہو جائے

دل حقیقت نگر نہ ہو جائے

یہ شعر درج کر کے سائل نے استفسار کیا:

”کیا حضور یہ مطلع نعت میں ٹھیک ہے؟ اس کا قائل یہ کہتا ہے کہ آپ کے دیوان میں بھی اس قسم کا

شعر ہے، مگر وہ دیوان میں دکھاتا نہیں اور خاکسار کے پاس دیوان ہے نہیں۔ لہذا متکلف ہوں کہ اس میں جو کچھ امر حق ہو جواب سے سرفراز فرمائیں؟..... الجواب: یہ مطلع باطل و ناجائز ہے کہ اس میں نعت اقدس سے ممانعت ہے اور نعت اقدس عظیم ﷺ فرائض ایمان سے ہے۔ اس سے ممانعت کس حد تک پہنچتی ہے اگر تاویل کی جگہ نہ ہوتی تو حکم بہت سخت تھا۔ فقیر کے دیوان میں اصلاً کوئی شعر اس مضمون کا نہیں و لہ الحمد و هو تعالیٰ اعلم“ (۱۸۴)

نعتیہ شاعری میں خیال کی بنت میں حال کے پہلو کو اجاگر کرنے کے لیے ڈاکٹر سراج احمد قادری نے امام احمد رضا خاں کا ایک واقعہ لکھا:

”ایک حافظ صاحب جو حضور پر نور امام اہل سنت قدس سرہ کے مخلصین میں سے تھے کچھ کلام بغرض اصلاح سنانے کے لیے حاضر ہوئے۔ اجازت عطا ہوئی۔ سنانا شروع کیا۔ درمیان میں اس مضمون کے اشعار تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ میں حضور کی محبت میں دن رات تڑپتا ہوں کھانا پینا، سونا سب موقوف ہو گیا ہے۔ کسی وقت مدینہ طیبہ کی یاد دل سے علیحدہ نہیں ہوتی۔ اعلیٰ حضرت قبلہؒ نے فرمایا حافظ صاحب! اگر جو کچھ آپ نے لکھا ہے یہ سب واقعہ ہے تو اس میں شک نہیں کہ آپ کا بہت بڑا مرتبہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی محبت میں آپ فنا ہو چکے ہیں، اور اگر محض شاعرانہ مبالغہ ہے تو خیال فرمائیے جھوٹ اور کون سی سرکار میں؟ جنہیں دلوں کے ارادوں، خطروں، قلوب کی خواہشوں اور نیتوں پر اطلاع ہے۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے ماکان و مایکون کا کوئی ذرہ نہ چھپایا اور اس کے بعد اس قسم کے اشعار کٹوا دیئے“ (۱۸۵)

یہ ہے وہ پہلو جو نعتیہ ادب کے نقاد کے پیش نظر ہونا ضروری ہے۔ نعت گو کو تو اس کا دھیان رکھنا لازمی ہے ہی۔

☆ اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، شریعت اسلامیہ کے تناظر میں، رشید وارثی: رشید وارثی کے بیشتر وہ مضامین جو ”نعت رنگ“ میں شائع ہو چکے تھے، اس کتاب میں شامل ہیں۔ یہ کل دس مضامین ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

- ۱۔ اردو نعت نگاری میں ذم کے پہلو
- ۲۔ اردو نعت میں شان الوہیت کا استخفاف
- ۳۔ اردو نعت میں تلمیحات کا غیر محتاط استعمال
- ۴۔ اردو نعت میں ادب رسالت کے منافی اظہار کی مثالیں

۵۔ اردو نعت میں انبیائے سابقین کی رفعت شان کا استقصار

۶۔ مدینہ منورہ کو پیشرب کہنے کی ممانعت

۷۔ اردو میں شاعرانہ تعلی

۸۔ اردو نعت میں صلعم کا استعمال اور اس کے مضمرات

۹۔ اردو نعت میں ضماز کا استعمال

۱۰۔ کلامِ رضا میں مناقبِ اہل بیت اطہار (علیہم السلام) کی جلوہ گری

ان مضامین کے عنوانات سے مترشح ہے کہ شریعت کی روشنی میں شعرِ عقیدت کو پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ رشید وارثی کا ذکر ہمارے مقالے میں کئی جگہ آچکا ہے اس لیے یہاں صرف کتاب کے تعارف کے لیے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:

”اس محسنِ اعظم کے یوں تو (شاعر) پہ ہزاروں احساں ہیں
قربان مگر اس احساں کے، احساں بھی کیا تو جتایا نہیں

رشید وارثی نے لکھا:

”احسان جتنا رذائل اخلاق میں آتا ہے اور رذائل وہ اخلاق ذمہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے اور ان سے بچنے کا اس نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے بصورتِ دیگر وہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں یہ معیارِ سخاوت ہے حدودِ فہم سے بالا وہ سب کچھ دے کے بھی احسان جتایا نہیں کرتے
حالانکہ احسان جتانے جیسے مذموم فعل کی ہم اپنے کسی شریف النفس دوست سے بھی توقع نہیں کرتے۔ کجا کہ (نعوذ باللہ) ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایسی مذموم بات کہی جائے۔“ (۱۸۶)

رشید وارثی کا تنقیدی اسلوب یہ ہے کہ وہ پہلے مسئلہء زیرِ غور پر وضاحت سے لکھتے ہیں، پھر بغیر تخلص اور نام ظاہر کیے، کسی شاعر کا شعر لکھتے ہیں۔ بعد ازاں اس شعر پر شرعی نقطہء نظر سے اپنی رائے دیتے ہیں۔ ایک شعر لکھتے ہیں:

تری دلنوازی کی کیا بات ہے

نبوت ہے خاص اور رحمت ہے عام

اس شعر کے دوسرے مصرعے کو رشید وارثی محلِ نظر جانتے ہیں کیوں کہ اس میں نبوت کو خاص

کہا گیا ہے جبکہ حضور اکرم ﷺ کی نبوت عام ہے۔ رشید وارثی لکھتے ہیں:

”مواہب لدنیہ میں امام قسطلانی تحریر فرماتے ہیں کہ ”حضرت آدم علیہ السلام کی اُلوّت

[باپ ہونا] اور حضور سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت سب کو عام ہے۔“ (۱۸۷)

☆ نعت گوئی یا خود ستائی:

درج بالا عنوان کے تحت رشید وارثی نے ایک شعر لکھا ہے:

جہاں کسی کا تخیل نہ جا سکے (تخلص)

میں لاکھ مرتبہ اس لامکاں سے گزرا ہوں

اس شعر کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

”اس اظہارِ تفاخر میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کون سا پہلو ہے؟ رہو! تخیل کی اس بے لگامی

کو حق و صداقت سے کیا نسبت؟ کیا کوئی اہل ایمان اس انداز فکر کو بارگاہِ اصد الصادقین (صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم) میں نذرانہ عقیدت سے تعبیر کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔“ (۱۸۸)

رشید وارثی کی تنقید تشریحی تنقید (Judicial/Legislative Criticism) کے دائرے میں

آتی ہے۔ ان کی تنقید میں شعر کی بخت، شعری جمالیات، عرضی جانکاری کے ساتھ شعر کو پرکھنے کا داعیہ

بالکل نہیں ہے۔ رشید وارثی کو نظر پاتی اور یک رنجی تنقید کا داعی قرار دیا جاسکتا ہے۔

☆ نعت اور آداب نعت، کوکب نورانی اوکاڑوی:

نعت رنگ میں شائع ہونے والی تنقیدی تحریروں کی روشنی میں خطوط کے ذریعے اپنی رائے

دینے اور نثری تحریروں کی شرعی طور پر گرفت کرنے کا بیڑا، مولانا کوکب نورانی نے اٹھایا۔ انہوں نے

نعت رنگ کے تقریباً ہر دوسرے شمارے میں خط لکھ کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ ”نعت اور آداب

نعت“ انہی خطوط پر مبنی کتاب ہے۔ اسی عنوان کے تحت کتاب میں ایک جامع مضمون ہے۔ اس مضمون کا

ایک اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے:

”رسول کریم ﷺ کے لیے ”محمد“ ﷺ نام عطا فرما کر رب قدیر نے واضح پیغام دیا ہے کہ اس ہستی کی

تخلیق ہی تعریف اور خوبی کے لیے ہوئی ہے..... قابلِ تعریف کی تعریف نہ کرنا بخل، ناقدری

اور ناشکری ہوگا..... وہ شعراء جو حمد و نعت کہنے کی شرائط و آداب سے واقف نہیں، حمد و نعت کہتے

ہوئے غزل کے محبوب والی بے باکی برت جاتے ہیں اور حمد و نعت میں کہے گئے اپنے کلام کو شاید

الہامی سمجھتے ہیں اور بالا از تنقید و تنقیص جانتے ہیں“ (۱۸۹)

مکتوب ہشتم میں نعت رنگ شمارہ ۱۱ کے مشتملات پر گفتگو کی گئی ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضا نے لکھا تھا:

”شاعر تمام پر خطرات و خدشات سے دامن بچاتے ہوئے ادب و احترام اور عجز و نیاز کو اپنا وسیلہ بنائے رکھتا ہے کیوں کہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کی خطائیں بھی رحمتِ طبعی کا بہانہ بن جائیں گی اور اس کی مستانہ وار لغزشیں بھی عشق و سرمستی کے نام پر مقبول بارگاہِ نبوت ٹھہریں گی“ (۱۹۰)

اس تحریر کے حوالے سے مولانا کوکب نورانی نے لکھا:

”اس اقتباس میں ’مستانہ وار لغزشوں‘ کے حوالے سے میری فہم نے پروفیسر صاحب کے مدعا کو نہیں پایا۔ ’باصطفتی‘ ہشیار باش، کافر مودہ ذہن میں ہے۔ پروفیسر صاحب وضاحت فرمائیں تو معلوم ہو کہ عشقِ رسول ﷺ کی سرشاری میں کسی لغزشِ مستانہ سے ان کی مراد کیا ہے اور اس کی کیا گنجائش ہے؟.....“ (۱۹۱)

اسی طرح ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد نے جو کچھ لکھا، اس کا لب لباب یہ تھا کہ نبی ﷺ کی ذات کو الوہیت میں مدغم نہ کیا جائے۔ ”دونوں کو ایک کر دینا شرک فی الصفت ہے“ (۱۹۲)۔ شرک فی الصفت کے ضمن میں مولانا موصوف نے کچھ سوالات اٹھائے:

”ڈاکٹر آزاد صاحب نے لکھا کہ ”دونوں کو ایک کر دینا شرک فی الصفت ہے“۔ ڈاکٹر صاحب بتائیں کہ ”دونوں کو ایک“ کس نے اور کہاں کیا ہے؟ اور کس نے اسے روا جانا ہے؟ شرک فی الصفت کی ”تعریف“ بھی ڈاکٹر صاحب ضرور بتائیں اور تعریف لکھتے ہوئے اپنی بیان کی ہوئی بات نہ بھولیں ”جامعیت و مانعیت تعریف کے لازمی اجزاء ہیں“۔ (۱۹۳)

مزید وضاحت کرتے ہوئے وہ رقم طراز ہیں:

”ہم اہل سنت و جماعت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے انبیاء و اولیاء، بلاشبہ اللہ سبحانہ کی عطا سے روحانی قوتوں اور خصوصی طاقتوں والے ہوتے ہیں اور اللہ کی دی ہوئی قوتوں اور اختیارات سے مخلوق کی مدد کرتے ہیں..... بخاری شریف، کتاب المغازی میں حدیث شریف ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت سے شرک کا خوف نہیں، ہاں اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ دنیا کی زیادہ رغبت رکھنے لگ جائے گی۔ اس ارشادِ نبوی کے برعکس آج ”شرک“ کے فتوے یوں برسائے جاتے ہیں جیسے ہر طرف شرک ہی کا دور دورہ ہو“ (۱۹۴)

اس اقتباس سے ظاہر ہو گیا کہ مولانا کوکب نورانی اپنے مسلک کے دفاع میں پیش پیش

ہیں..... جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، نعتیہ شاعری پر گفتگو کرتے ہوئے مسالک کی جنگ چھڑنے کا ہمیشہ خطرہ رہتا ہے۔ اعتدال پسندی اور برداشت کسی میں نہیں۔ رئیس احمد نعمانی کے معیارات کے مطابق بریلوی مسلک کے شعراء شرک کے مرتکب ہوتے ہیں اور بریلوی مسلک کے علماء کے نزدیک دیوبندی مسلک راہ راست پر نہیں ہے۔ اس لیے نقاد کا کام ہے کہ کسی ایک طرف جھکاؤ ظاہر کیے بغیر، جذباتی انداز سے گریز کرتے ہوئے اپنی رائے قلم بند کرے۔

کوکب نورانی اوکاڑوی کا منہاج نقذ تشریحی ہے۔

☆ نعت گوئی اور اس کے آداب، پروفیسر عبداللہ شاہین:

کوکب نورانی کی شدت پسندی کے مقابلے میں پروفیسر عبداللہ شاہین کی شدت پسندی یہ ہے کہ وہ ہر اس شاعر کو جسے اللہ رب العزت نے، نعت رسول مقبول ﷺ لکھنے کے صلے میں شہرت دوام بخش دی ہے، لائق گردن زدنی جانتے ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

”ساتویں صدی ہجری میں جب تصوف اور بدعت نے زور پکڑ لیا تھا، اہل تصوف نے اسلاف کے منہج اور مدح کے طریقے سے یکسر خلاف، نبی ﷺ کی شان اقدس میں ایسے قصیدے لکھنے شروع کر دیئے جن میں نبی ﷺ کو الوہیت کے درجے پر فائز کرنے کی کوشش کی گئی اور آپ کو صفات الہیہ سے متصف کر دیا گیا۔ اس رسم بد کی ابتدا محمد بن سعید بوسری کے ہاتھوں ہوئی جو ۶۹۵ھ میں اسکندریہ میں ہلاک ہو گیا تھا۔ اس نے نبی ﷺ کے متعلق قصیدے لکھے جن میں سے دو بہت مشہور ہوئے۔ ایک قصیدہ ہمزہ اور دوسرا قصیدہ میمہ۔ ان میں سے مؤخر الذکر کو بہت شہرت حاصل ہوئی..... اس کے مرنے کے بعد اس کے اسی جیسے فاسد العقیدہ پیروکاروں نے جھوٹ اور افترا کی بنیاد پر اس کا نام ”قصیدہ بردہ“ رکھ دیا۔“ (۱۹۵)

پروفیسر عبداللہ شاہین اپنے نام کے ساتھ بڑے فخر سے ”ایوارڈ یافتہ“ لکھتے ہیں۔ لیکن انہیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے کسی کو انعام مل جانے پر شبہ بھی ہے اور غصہ بھی۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ اچھی شہرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی کسی کو ملتی ہے، جس کا اشارہ سورہ مریم کی آیت نمبر ۹۶ میں دیا گیا ہے (یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور کیے انہوں نے نیک کام، عنقریب پیدا کر دے گا ان کے لیے رُحمن [دلوں] میں محبت)۔

تصوف کو لعن طعن کرنے والے شاہین صاحب کی رائے کے برعکس امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی

رائے دیکھیے:

”مجھے قطعیت کے ساتھ معلوم ہوا کہ صوفیاء ہی [وہ] گروہ ہے جو خصوصیت سے اللہ کی راہ پر گامزن ہے۔ انہیں کی سیرت سب سے بہتر ہے۔ انہیں کا طریقہ زیادہ صاف ہے اور انہیں کے اخلاق زیادہ پاکیزہ اور بلند ہیں۔ بلکہ اگر تمام عقلاء و حکماء کی عقل و حکمت کو جمع کر لیا جائے اور واقفانِ شریعت کے اسرار و علم کو ملایا جائے تا کہ ان سے بہتر سیرت کی تشکیل ہو سکے، تب بھی ان کے اخلاق و سیرت کے ڈھانچے کو بدلنا ضروری نہ ہو کیوں کہ صوفیاء کی تمام حرکات و سکنات، چاہے ظاہری ہوں، چاہے باطنی، مشکوٰۃ نبوت ہی سے مستنیر ہیں“ (۱۹۶)

تصوف ہمارا موضوع نہیں ہے لیکن پروفیسر شاہین نے جس نفرت آمیز لہجے میں صوفیاء کو کرام کا ذکر کیا ہے اس کے جواب میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سے اقتباس دینا پڑا۔ شدت پسندی نے مسلمانوں کو تقسیم کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو عقل سلیم اور روحانی بصیرت عطا فرمائے (آمین)۔ پروفیسر موصوف نے کچھ صائب باتیں بھی کی ہیں لیکن جذباتیت نے ان کی تنقید کی خوبیوں پر بھی پانی پھیر دیا ہے۔

پروفیسر عبداللہ شاہین کی کتاب میں کچھ باتیں بڑی صائب ہیں جن کا حوالہ نہ دینا ان کے ساتھ نا انصافی کے مترادف ہوگا۔ مثلاً انہوں نے بہت سے اشعار نقل کر کے ان میں پیش کیے جانے والے خیال کو شریعت سے متصادم بتایا ہے۔ ہم بھی ان اشعار کی روشنی میں یہی کہتے ہیں اور ان کی رائے کو مبنی بر حقیقت جانتے ہیں۔ ایسے تمام اشعار جن میں ڈھکے چھپے الفاظ میں نبی ﷺ کو ”اللہ“ کہا گیا ہو، وہ اشعار تو حوالے کے طور پر بھی لکھتے ہوئے خوف آتا ہے۔ بہر حال ان اشعار کے ضمن میں، پروفیسر عبداللہ شاہین، کی رائے سے ہمیں صد فی صد اتفاق ہے۔ وہ تمام اشعار شرک کے دائرے میں آتے ہیں۔ (۱۹۷)

اسی طرح پروفیسر عبداللہ شاہین نے فلمی گیتوں کی دھنوں پر پڑھی جانے والی نعتوں پر اعتراض کیا ہے۔ ہم بھی ان نعتوں کو حضور اکرم کی مدح کے بجائے قدح کے درجے میں رکھتے ہیں۔ (۱۹۸)..... لا ریب، ایسی شاعری مذموم ہے ایسی شاعری کا تو ذکر بھی قرطاس و قلم کی حرمت کو پامال کرنے کے مترادف ہے۔

پروفیسر عبداللہ شاہین نے اپنی کتاب میں جہاں اعتدال کی راہ اپنائی ہے، وہاں ان کا تنقیدی منہاج ”تشریحی“ (Judicial/Legislative Criticism) ہو گیا ہے۔

☆ تنقیدی دبستانوں کے اثرات:

ابھی تک نعتیہ ادب کا تنقیدی سرمایہ اتنا نہیں ہے کہ تنقید نگاروں کی نگارشات کی روشنی میں واضح طور پر دبستانوں کی تقسیم کی جاسکے۔ ویسے بھی شاعری کی تنقید کے حوالے سے ایسی تحریریں زیادہ سامنے آتی ہیں جن میں نقاد کا تاثر جھلکتا ہو۔ اس لحاظ سے سب سے زیادہ تحریریں تاثراتی تنقید کا نمونہ ہوتی ہیں۔ یہی کچھ نعتیہ ادب کی تنقید میں بھی ہوتا ہے۔ یہاں بھی سب سے زیادہ تنقیدی آراء تاثراتی تنقیدی دبستان (Impressionistic Criticism) کے زیر اثر لگتی ہیں۔

نعتیہ شاعری کو پرکھتے ہوئے چوں کہ اس کا مافیہ (Content) زیادہ زیر بحث آتا ہے، اس لیے بیشتر نقادوں کا انداز، تشریحی تنقید یا Judicial/Legislative Criticism سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ عام شاعری کی طرح نعتیہ تنقیدی عمل میں بھی کہیں کہیں نقادوں نے شعر عقیدت کے تخلیقی حسن کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ نقد شعر کے مشرقی معیارات کو پیش نظر رکھ کر صنائع بدائع کا ذکر بھی ہوا ہے۔ زبان کی صفائی اور بیان کی سلاست پر بھی بات ہوئی ہے۔ لہذا ایسی تنقیدی تحریروں کو ہم ”جمالیاتی تنقید“ یا Aesthetical Criticism کے دبستان سے وابستہ قرار دے سکتے ہیں۔

ناقدین ادب کی تحریروں میں، شاعری کے حوالے سے، تشریحاتی رجحان ہمیشہ غالب رہا ہے۔ یعنی نقاد پہلے یہ بتاتا ہے کہ کسی شعر کے اس نے کیا معانی سمجھے، اس کے بعد اس کی تعریف یا مذمت کرتا ہے۔ نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے میں بھی ایسی تحریروں کی کمی نہیں جو شعر کے متن کی اس طرح تشریحات کرتی ہیں۔ چنانچہ تشریحاتی دبستان یا Descriptive Criticism کے زیر اثر لکھی ہوئی تنقید بھی دنیا کے نعت میں رواج پا رہی ہے۔

ناقدین کسی ایک شاعر کے اسلوب اور خیال کو کسی دوسرے شاعر کے کہے ہوئے اشعار کی روشنی میں بھی دیکھتے ہیں اور خیال کی بنت کے اچھے پہلوؤں کو سراہتے ہیں یا پہلے سے بیان میں آئے ہوئے انداز سے کم تر بتاتے ہیں۔ یہ تنقیدی عمل تقابل اور موازنے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ نعت کی دنیا میں بھی یہ تنقیدی رجحان پایا جاتا ہے۔ چنانچہ نعتیہ ادب کے تنقیدی سرمائے میں ایسی تحریروں کی بھی کمی نہیں ہے جو تقابلی تنقید یا Comparative Criticism کے دبستان کے ذیل میں رکھی جاسکیں۔

علیٰ ہذا القیاس، ہر تنقیدی تحریر میں مختلف دبستانوں کے اثرات محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ ہم نے جن تحریروں کے حوالے دیئے ہیں ان میں بہت سی تنقیدی آراء پر رومانی تنقید (Romantic Criticism)، قاری اساس تنقید (Reader Oriented/Response Criticism)، ساختنیاتی تنقید

(Structural Criticism)، اور اسلوبیاتی تنقید (Stylistic Criticism) کے اثرات، واضح طور پر، محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ نظریاتی تنقید تو ہمیشہ ادب کا طرہ امتیاز رہی ہے۔ نعت میں نظریاتی تنقید کی شرح سب سے زیادہ ہے۔

یہ بات بھی لائق تحریر ہے کہ تاثر کے اظہار اور احساسات کے ابلاغ کے لیے نہ تو شاعر کسی علم کی حدود کا پابند ہوتا ہے اور نہ ہی نقاد ان حدود کی پاسداری کر سکتا ہے۔ جس طرح شاعری کے علمی ابعاد بے کنار ہیں اسی طرح تنقید کے بھی علمی ابعاد بے کنار ہیں۔ جتنے شعر کہے، پڑھے، سنے اور سنائے گئے ہیں ان کے سامعین کی تعداد ہر عہد میں بڑھتی گئی ہے اور اشعار کی تفہیم کا عمل ہر فرد کے لیے مختلف رہا ہے۔ ہر عہد میں شعر کے معانی بدل جاتے ہیں۔ شاعر کے حیطہ خیال میں بھی نہیں ہوتا کہ اس کا شعر کس کے ذہن میں کونسے معانی پیدا کر دے گا، یا کیسا تاثر قائم کرے گا! ادب لطیف، بالخصوص شاعری کے معاملے میں علم کی بنیاد حقیقت پر مبنی ہونے کے باوجود حقیقت کے ادراک میں تبدیلی کا باعث بن سکتی ہے۔ یہاں حقیقت (Reality) لحظہ بہ لحظہ بدلتی رہتی جسے انگریزی میں Transitional Reality کا نام دیا جاتا ہے۔

بہر حال جوں جوں نعتیہ ادب کی تخلیقی رفتار تیز ہوگی، تنقیدی سرگرمیاں بھی تیز ہوں گی۔ ابھی تو نعتیہ ادب کی باقاعدہ تنقید کا دور شروع ہی ہوا ہے۔ آغا ز خوش آئند اور امید افزا ہے!

☆☆☆☆

باب ہفتم:

ماخذ و منابع

- ۱۔ جمیل نظر، مقدمہء بحر و ساحری (قارئین ادب کی عدالت میں)، شیوا اکیڈمی، کراچی، ص ۶۶
- ۲۔ ایضاً، ص ۴۸
- ۳۔ ایضاً، ص ۴۸
- ۴۔ ایضاً، ص ۵۰
- ۵۔ ایضاً، ص ۵۰
- ۶۔ ایضاً، ص ۵۱
- ۷۔ ایضاً، ص ۵۱
- ۸۔ ایضاً، ص ۵۲
- ۹۔ ایضاً، ص ۵۴
- ۱۰۔ ایضاً، ص ۵۵
- ۱۱۔ ایضاً، ص ۵۸
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۶۰
- ۱۳۔ ایضاً، ص ۶۱
- ۱۴۔ ایضاً، ص ۶۲
- ۱۵۔ ایضاً، ص ۶۲
- ۱۶۔ ایضاً، ص ۶۲
- ۱۷۔ ایضاً، ص ۶۲
- ۱۸۔ ایضاً، ص ۶۲
- ۱۹۔ ایضاً، ص ۶۳
- ۲۰۔ ایضاً، ص ۶۵
- ۲۱۔ ایضاً، ص ۶۶
- ۲۲۔ امیر حسین جلیسی، بت خانہ شکستہ من، ص ۱۵۵
- ۲۳۔ ایضاً
- ۲۴۔ ایضاً
- ۲۵۔ ایضاً
- ۲۶۔ ایضاً
- ۲۷۔ ایضاً
- ۲۸۔ ایضاً
- ۲۹۔ ایضاً
- ۳۰۔ سرشار صدیقی، اساس، ص ۱۱۹

- ۳۱۔ حکیم نثار احمد علوی، بخورانی کا کوری، میخانہ ادب، ۱۔ ایچ، ۲۲۔ ۸، ناظم آباد، کراچی، بس۔ ن۔ ص ۳۳۱
- ۳۲۔ ایضاً، ص ۳۳۶ ۳۳۔ ایضاً، ص ۳۳۶ ۳۴۔ ایضاً، ص ۳۳۷ ۳۵۔ ایضاً، ص ۳۳۹
- ۳۶۔ امین راحت چغتائی، ردِ عمل، بک سینٹر، حیدر روڈ، راولپنڈی کینٹ، طبع اول ۲۰۰۶ء، ص ۲۶۵
- ۳۷۔ ایضاً، ص ۲۶۶ ۳۸۔ ایضاً، ص ۲۶۷ ۳۹۔ ایضاً، ص ۲۷۱ ۴۰۔ ایضاً، ص ۲۷۲
- ۴۱۔ ایضاً، ص ۲۷۳ ۴۲۔ ایضاً، ص ۲۷۳ ۴۳۔ ایضاً، ص ۲۷۷ ۴۴۔ ایضاً، ص ۲۷۸
- ۴۵۔ تحسین فراتی، جستجو، ص ۱۰۷ ۴۶۔ ایضاً، ص ۱۱۱ ۴۷۔ ایضاً، ص ۱۱۲
- ۴۸۔ قمر عینی، ولایت رسول ﷺ، ص ۲۵ ۴۹۔ ایضاً، ص ۱۳ ۵۰۔ اقبال عظیم، زبورِ حرم، ص ۱۶
- ۵۱۔ ایضاً، ص ۱۷ ۵۲۔ ایضاً، ص ۱۵ ۵۳۔ ایضاً، ص ۱۸
- ۵۴۔ منظر عارفی، اللہ کی سنت، ص ۱۲ ۵۵۔ رئیس احمد نعمانی، فروغِ نوا (مجموعہ نعت)، ص ۱۱
- ۵۶۔ ایضاً، ص ۱۱ ۵۷۔ ایضاً، ص ۱۵ ۵۸۔ ایضاً، ص ۲۲
- ۵۹۔ سید وحید اشرف کچھوچھوی، اردو زبان میں نعت گوئی کا فن اور تجلیات، ص ۱۲ ۶۰۔ ایضاً، ص ۶۱۱۲ ۶۱۔ ایضاً، ص ۲۷
- ۶۲۔ ایضاً، ص ۲۰ ۶۳۔ ایضاً، ص ۳۳ ۶۴۔ ایضاً، ص ۴۱ ۶۵۔ ایضاً، ص ۴۲
- ۶۶۔ ایضاً، ص ۸۰ ۶۷۔ ڈاکٹر سید شمیم گوہر، نعت کے چند شعرا نے مشفقین، ص ۲۷ ۶۸۔ ایضاً، ص ۵۲
- ۶۹۔ ایضاً، ص ۱۱۱ ۷۰۔ ایضاً، ص ۱۱۲ ۷۱۔ ایضاً، ص ۱۲۲
- ۷۲۔ ڈاکٹر سید محمد ابوالکیر کشتی، نعت اور تنقید نعت، ص ۵۵
- ۷۳۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات اور شرعی شعریات، ص ۲۷۹
- ۷۴۔ نعت اور تنقید نعت، ص ۴۷ ۷۵۔ ساختیات، پس ساختیات اور شرعی شعریات، ص ۱۶۳ ۷۶۔ ایضاً، ص ۱۶۳
- ۷۷۔ ایضاً، ص ۱۷۵ ۷۸۔ نعت اور تنقید نعت، ص ۱۳۹ ۷۹۔ ایضاً، ص ۱۰۵
- ۸۰۔ ایضاً، ص ۱۳۶ ۸۱۔ ایضاً، ص ۱۵۰ ۸۲۔ ایضاً، ص ۱۰۰ ۸۳۔ ایضاً، ص ۹۸
- ۸۴۔ ایضاً، ص ۲۱۹ ۸۵۔ ایضاً، ص ۲۱۹ ۸۶۔ ایضاً، ص ۲۲۲ ۸۷۔ ایضاً، ص ۲۲۷
- ۸۸۔ ایضاً ۲۳۲ ص ۸۹۔ گوپی چند نارنگ، ادبی تنقید اور اسلوبیات، ص ۱۷
- ۹۰۔ کلیات میر، دیوان اول، ج اول، ص ۲۲۲ ۹۱۔ راجا شہد محمود، شاعرانہ نعت، ص ۹۳
- ۹۲۔ محمد حیات چغتائی، ترتیب و انتخاب، فن نعت کی نئی جہات (نعت پر ڈاکٹر طاہر تونسوی کے تنقیدی مضامین کا انتخاب)، مکتبہ الہام، بہاول پور، ۲۰۰۶ء، ص ۱۴ ۹۳۔ ایضاً، ص ۳۷ ۹۴۔ ایضاً، ص ۴۵
- ۹۶۔ ایضاً، ص ۴۵ ۹۷۔ ایضاً، ص ۴۷ ۹۸۔ ادیب رائے پوری، نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلات تنقید، ص ۹۳ ۹۹۔ ایضاً، ص ۴۷
- ۱۰۰۔ ایضاً، ص ۸۰ ۱۰۱۔ ایضاً، ص ۹۴ ۱۰۲۔ ایضاً، ص ۶۸
- ۱۰۳۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، محسن کا کوروی کی نعتیہ شاعری، ص ۸۷ ۱۰۴۔ ایضاً، ص ۹۲
- ۱۰۵۔ ایضاً، ص ۱۰۲ ۱۰۶۔ ایضاً، ص ۱۰۲

- ۱۰۷۔ پروفیسر شفقت رضوی، اردو میں نعت گوئی، چند گوشے، ص ۱۰۸-۱۱۸۔ ایضاً، ص ۱۱۹
- ۱۰۹۔ ایضاً، ص ۱۱۹ ۱۱۰۔ ابوالاشیاء زرع۔ مسلم، سرود نعت، ص ۱۱۶ ۱۱۱۔ ایضاً، ص ۱۲۰
- ۱۱۲۔ ایضاً، ص ۹۷ ۱۱۳۔ ایضاً، ص ۱۰۰ ۱۱۴۔ ایضاً، ص ۱۲۹
- ۱۱۵۔ جاذبِ قریب، نعت کے جدید رنگ، ص ۵۵ ۱۱۶۔ ایضاً، ص ۵۷ ۱۱۷۔ ایضاً، ص ۶۰
- ۱۱۸۔ ایضاً، ص ۶۴ ۱۱۹۔ ایضاً، ص ۶۸ ۱۲۰۔ محمد شفیع اختر، نعت، حقیقت کے آئینے میں، ص ۱۲۴
- ۱۲۱۔ ایضاً، ص ۱۳۸ ۱۲۲۔ ایضاً، ص ۱۵۶ ۱۲۳۔ ایضاً، ص ۱۵۶ ۱۲۴۔ ایضاً، ص ۱۳۵
- ۱۲۵۔ ایضاً، ص ۶۲ ۱۲۶۔ سید صبیح الدین رحمانی، غالب اور نائے خواجہ رحمۃ اللہ علیہ، ص ۶۶
- ۱۲۷۔ ایضاً، ص ۶۸ ۱۲۸۔ ایضاً، ص ۴۸ ۱۲۹۔ قمر جمیل، جدید ادب کی سرحدیں، ج ۱، ص ۱۳۷
- ۱۳۰۔ غالب اور نائے خواجہ رحمۃ اللہ علیہ، ص ۶۴ ۱۳۱۔ سید صبیح الدین رحمانی، نعتِ گمراہ باسی، ص ۱۱۲
- ۱۳۲۔ ایضاً، ص ۱۴۴ ۱۳۳۔ ایضاً، ص ۱۴۶ ۱۳۴۔ ایضاً، ص ۱۱۹ ۱۳۵۔ ایضاً، ص ۱۲۳
- ۱۳۶۔ ایضاً، ص ۱۲۸ ۱۳۷۔ ایضاً، ص ۱۵۰ ۱۳۸۔ پروفیسر اقبال جاوید، نعت میں کیسے کہوں، ص ۲۷
- ۱۳۹۔ ایضاً، ص ۱۱۸ ۱۴۰۔ ایضاً، ص ۱۶۱ ۱۴۱۔ ایضاً، ص ۱۶۸
- ۱۴۲۔ پروفیسر محمد اکرم رضا، قافلہ عشق کے مسافر، ص ۱۶۷ ۱۴۳۔ ایضاً، ص ۱۵۶ ۱۴۴۔ ایضاً، ص ۱۵۸
- ۱۴۵۔ ایضاً، ص ۱۶۱ ۱۴۶۔ ایضاً، ص ۲۲۱ ۱۴۷۔ ایضاً، ص ۲۲۳ ۱۴۸۔ ایضاً، ص ۲۲۵
- ۱۴۹۔ ایضاً، ص ۲۳۰ ۱۵۰۔ ایضاً، ص ۲۳۲ ۱۵۱۔ ایضاً، ص ۲۳۸ ۱۵۲۔ ایضاً، ص ۲۴۰
- ۱۵۳۔ ایضاً، ص ۲۴۲ ۱۵۴۔ پروفیسر محمد اکرم رضا، تاجدارِ ملکِ سخن، ص ۱۲۸ ۱۵۵۔ ایضاً، ص ۱۲۹
- ۱۵۶۔ ایضاً، ص ۱۳۰ ۱۵۷۔ ایضاً، ص ۱۳۴ ۱۵۸۔ ع۔ ب۔ بخار علیگ، سوء ادب فی حسن ادب، ص ۳۴
- ۱۵۹۔ ایضاً، ص ۳۴ ۱۶۰۔ ایضاً، ص ۴۱ ۱۶۱۔ ایضاً، ص ۴۲
- ۱۶۲۔ ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی، جادۂ رحمت کا مسافر (صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری پر تنقیدی مضامین کا مجموعہ)، ص ۵۱
- ۱۶۳۔ ایضاً، ص ۵۳ ۱۶۴۔ ایضاً، ص ۹۲ ۱۶۵۔ ایضاً، ص ۱۱۱
- ۱۶۶۔ پروفیسر شفقت رضوی، نعتِ رنگ کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ، ص ۱۱ ۱۶۷۔ ایضاً، ص ۳۵
- ۱۶۸۔ ایضاً، ص ۵۸ ۱۶۹۔ ایضاً، ص ۱۹۵ ۱۷۰۔ ایضاً، ص ۱۹۸ ۱۷۱۔ ایضاً، ص ۳۲۳
- ۱۷۲۔ ایضاً، ص ۳۲۳ ۱۷۳۔ ایضاً، ص ۳۲۳ ۱۷۴۔ ایضاً، ص ۳۲۴ ۱۷۵۔ ایضاً، ص ۳۴۱
- ۱۷۶۔ ایضاً، ص ۲۴۸ ۱۷۷۔ عمران نقوی، دلیل آفتاب، مطالعاتِ نعت، ڈاکٹر آفتاب نقوی، ص ۷۲
- ۱۷۸۔ ایضاً، ص ۴۱۲ ۱۷۹۔ ایضاً، ص ۴۱۵ ۱۸۰۔ ایضاً، ص ۴۴۶ ۱۸۱۔ ایضاً، ص ۴۴۷
- ۱۸۲۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری، شانِ نعت، ص ۱۹۴ ۱۸۳۔ ایضاً، ص ۱۹۵ ۱۸۴۔ ایضاً، ص ۱۹۵
- ۱۸۵۔ ص ۱۹۶ ۱۸۶۔ رشید وارثی، اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، شریعتِ اسلامیہ کے تناظر میں، ص ۵۰
- ۱۸۷۔ ایضاً، ص ۱۵۲ ۱۸۸۔ ایضاً، ص ۲۵۹ ۱۸۹۔ کوکب نورانی اوکاڑوی، نعت اور آدابِ نعت، ص ۴۲۶
- ۱۹۰۔ ایضاً، ص ۱۴۳ ۱۹۱۔ ایضاً، ص ۱۴۱ ۱۹۲۔ ایضاً، ص ۲۶۳ ۱۹۳۔ ایضاً، ص ۲۶۳

- ۱۹۴۔ ایضاً، ص ۲۶۵ ۱۹۵۔ پروفیسر عبداللہ شاہین، نعت گوئی اور اس کے آداب، ص ۲۷
۱۹۶۔ سرگزشتِ غزالی (ترجمہ المقتد) مترجم: مولانا حنیف ندوی، علم و عرفان پبلیشرز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۱۴۱
۱۹۷۔ نعت گوئی اور اس کے آداب، ص ۲۰۶ ۱۹۸۔ ایضاً، ص ۲۱۸

☆☆☆

باب ہشتم:

مذکورہ مباحث کی روشنی میں تنقیدِ نعت کے مجوزہ اصول

۱۔ شعری معیارات کی پرکھ کے اصول:

جیسا کہ ٹی۔ ایس۔ ایلٹ نے بتایا ہے:

"When we are considering poetry we must consider it primarily as poetry and not as another thing"

”شاعری کو بنیادی طور پر محض شاعری کی حیثیت سے قبول کرنا چاہیے کسی اور شے کی حیثیت سے نہیں“۔ (۱)

یعنی شاعری کی پرکھ اور جانچ کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اسے محض شاعری کے اصولوں کی روشنی میں پڑھا، سمجھا اور پرکھا جائے، کسی دوسرے فن، نظریے یا حالات و واقعات کی روشنی میں نہ دیکھا جائے۔

یہاں یہ بات از خود واضح ہو جاتی ہے کہ نعتیہ شعری سرمایہ بھی بنیادی طور پر ”شاعری“ کی شکل میں ہونے کے باعث، محض شاعری کے طور پر پرکھا جائے گا۔ گویا نعتیہ شاعری کو جانچنے کے کام کا آغاز اسی نقطے سے ہوگا کہ جو شاعری ”نعت“ کے نام پر لکھی گئی ہے آیا وہ شعری اقدار کی روشنی میں ”شاعری“ کہلانے کے قابل بھی ہے کہ نہیں۔ اگر وہ شاعری کے طے شدہ اصولوں پر ہی پوری نہیں اترتی تو اس کا ذکر یا تو ہونا ہی نہیں چاہیے اور اگر اس کا ذکر بہت ہی ضروری ہے تو اس شاعری کے معائب بھی لکھ دینا چاہئیں تاکہ پتہ چل سکے کہ نقاد نے فنِ شاعری سے متصادم شاعری کو کچھ تحفظات کے ساتھ پرکھنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔

نعت کو پرکھنے کا پہلا اصول جب یہ طے ہوا کہ اسے ”شاعری“ کے طور پر قبول کرتے ہوئے اس کی تحسین کی جائے یا اس کے برعکس رائے دی جائے، تو اس مرحلے پر شاعری کے موٹے موٹے اصول بھی معلوم ہونے چاہئیں، مثلاً شاعری میں لفظوں کے صحیح استعمال کا اصول، عروضی اوزان و بحر کے

اصول، اصنافِ سخن کی ہیئت کے تقیدات کے مسائل، صنائعِ بدائع کے جائز حد تک استعمالات کا پہلو، اچھی شاعری کے معیارات اور شعری جمالیات کے اصول وغیرہ وغیرہ۔ اس عمل میں تنقید کے چار پہیے "Four wheels" کام میں لائے جائیں گے، یعنی تقابل (Comparison)، تجزیہ (analysis)، امتیاز (discrimination) اور تعینِ قدر (evaluation)۔ (۲)

اب ہم اختصار کے ساتھ یہ بتائیں گے کہ مختلف علمی وظائف کی کتنی اور کیسی نگہداری کی

جائے:

۱۔ لفظوں کا صحیح استعمال:

تلفظ:

باب چہارم میں ہم نے ڈاکٹر محمد ابوالخیر کشفی کی رائے دی تھی، اس کا اقتباس یہاں بھی ملاحظہ

فرمائیے:

”نعت گو شاعر ہر لفظ کو اسی طرح پرکھتا ہے جیسے جوہری ہیرے کو اور پھر بہت پہلو الفاظ کے ہیروں سے نعت کا ہار خلوص کے دھاگے سے پروتا ہے۔ نعت کے الفاظ میں: ۱۔ خلوص، ۲۔ گہری معنویت، ۳۔ تہہ داری، ۴۔ عظمت، ۵۔ عشق، ۶۔ فکر، ۷۔ روانی، ۸۔ ایک دوسرے سے ہم آہنگی کا اجتماع ضروری ہے۔“ (۳)

کلیں عاجز نے بڑے پتے کی بات کی ہے، وہ کہتے ہیں:

”بقول انگریزی نقاد، کولرج کہ ’شاعری یہ نہیں کہ کیا کہا گیا ہے، شاعری یہ ہے کہ کیسے کہا گیا ہے۔ میں نے اس قول کو بہت فراخ دلی سے جانچا پرکھا اور تجربے نے بھی کہا کہ بات سچ ہے۔ اگر صرف اونچی بات ہی شاعری کہلاتی تو اونچی باتیں تو تھوڑی ہی ہیں۔ زندگی کی حقیقتیں اور سچائیاں تو شمار میں آسکتی ہیں لیکن اچھی شاعری کا شمار مشکل ہے۔ تو اچھی شاعری جو کہ کی گئی ہے وہ دراصل یہی ہے کہ کسی کہنے والے نے کسی انوکھے ڈھنگ سے کہہ دی تو کبھی ہوئی بات بھی نئی ہو گئی۔“ (۴)

لفظ کے استعمال کا سلیقہ کسی بھی شاعری کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ لفظوں کے

استعمال میں سب سے اہم مسئلہ ان کے تلفظ کا ہوتا ہے۔ شاعری میں اوزان و بحر کی پابندی میں لفظوں کی حرکات کا درست یا نادرست مظاہرہ ہوتا ہے جس کو چھپایا نہیں جاسکتا۔ لفظوں میں مستعمل حروف کی حرکات شعری سانچوں میں اپنی اصل ہیئت اور سکون یا حرکت کو واضح کر دیتی ہیں۔ یہاں سکون کو حرکت یا حرکت کو سکون سے نہیں بدلا جاسکتا۔ نثر میں لفظ کے تلفظ کی نشاندہی، اعراب لگائے بغیر، ممکن نہیں ہوتی

لیکن نظم میں لفظ کا تلفظ شعر کی خواندگی ہی سے طے ہو جاتا ہے۔ ادب چوں کہ لفظوں ہی کا بہترین استعمال سکھاتا ہے یا لفظوں کے بہترین استعمال کا متقاضی ہے، اس لیے اشعار میں لفظ کے تلفظ کی پابندی لازمی ٹھہرتی ہے۔ ادب میں لفظوں کو عوامی سطح پر بولے جانے والے (غلط العوام) لفظوں کو استعمال کرنے کے بجائے لغت کی سند کے دائرے میں برتا جاتا ہے، یا برتا جانا چاہیے۔ مثلاً عوام ”برف“، فتح باب، سکون ثانی و سوم کے بجائے فتح را یعنی را پر زبر کے ساتھ بولتے ہیں۔ لیکن اس لفظ کے صحیح تلفظ میں راساکن ہے، اس لیے شعر میں یہ اسی طرح استعمال ہوگا بصورت دیگر نقاد کو اس کی نشاندہی کرنی ہوگی۔ شاعر بھی ضرورت شعری کے تحت اگر غلط استعمال کرتا ہے تو اسے اپنے دفاع کے لیے اس بات کی وضاحت کرنی ہوگی۔ علیٰ ہذا القیاس سارے الفاظ اسی اصول کے تحت لکھے جائیں گے۔

معنی:

لفظوں کے معانی کا علم بھی شاعر کو ہونا چاہیے۔ نقاد کو اس سے بھی زیادہ معنی فہم ہونا چاہیے۔ لغت میں ہر لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں۔ شاعر اپنے شعر میں متعین معانی کا پابند تو نہیں ہے لیکن ایسا بھی نہیں کہ وہ معانی کے کسی بھی لونی عکس کا پابند نہ ہو۔ زبان کسی شاعر کی انفرادی کوشش سے معانی میں تبدیلی نہیں کرتی ہے۔ یہ الگ بات کہ شاعر نے اپنے آپ کو اتنا منوالیا ہو کہ کہہ سکے:

”سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا

مستند ہے میرا فرمایا ہوا“ (۵)

لیکن یہ بات میر یا میر جیسے مرتبے پر پہنچنے والے شاعر ہی کو زیب دیتی ہے۔ ہر ہما، شما، لفظوں کو اپنی مرضی سے نہیں برت سکتا۔ چنانچہ نعت گو شعراء کو بھی لفظوں کے لغوی اور مرادی معانی کے تمام عکس سامنے رکھنے چاہئیں۔ نقاد بھی اسی کسوٹی پر نعتیہ اشعار کو پرکھے گا۔ کیوں کہ نعت میں لفظوں کے معانی قطعیت کے ساتھ طے ہونا ضروری ہیں۔ یہاں ابہام یا ذومعنویت کے عناصر بہت خطرناک نتائج مرتب کر سکتے ہیں۔

عروض:

ہماری کلاسیکی یا روایتی اصنافِ سخن مثلاً غزل، رباعی، قطعہ، مثنوی، مسدس، مسط، مخمس، ترجیع بند وغیرہ، صنفی ہیئت کے علاوہ عروضی اوزان و بحر کی بھی پابند ہوتی ہیں۔ یہ ضروری تو نہیں کہ ہر شاعر عروض داں ہو۔ لیکن ہر شاعر کا موزوں طبع ہونا بہر حال لازمی ہے۔ ورنہ وہ بے وزن اشعار کہے گا

اور خود اپنا مذاق اڑوائے گا۔

نقاد کے لیے اشعار کی موزونیت جاننے کا فطری ہتھیار تو اس کا وجدان ہے، لیکن عروضی حوالے سے اشعار کو پرکھنے کے لیے علم عروض کی شد بد بھی ضروری ہے۔
اصنافِ سخن کی ہیئت:

شاعر اپنے طبعی میلان کے تحت کسی متن کو شاعری کے مختلف ظروف یعنی ہیئوں میں ڈھالتا ہے۔ اصنافِ سخن کی شناخت مختلف ہیئوں میں ہوتی ہے۔ مثلاً غزل، جس کے ہر شعر میں دو مصرعے ہوتے ہیں اور ہر شعر اپنی معنویاتی اکائی کا غماز ہوتا ہے۔ قصیدہ، جس کا مطلع غزل کے مانند ہوتا ہے اور ہر شعر بھی غزل سے مشابہ ہوتا ہے کیوں کہ اس میں قافیہ اور ردیف (اگر شعر، مردف ہو تو) کی پابندی ضروری ہے۔ البتہ قصیدے کی زبان پر شکوہ (بھاری بھر کم الفاظ سے لبریز) ہوتی ہے کیوں کہ اس میں شاعر اپنی علمی لیاقت کا اظہار بھی کرتا ہے۔ مثنوی کا ہر شعر غزل کے مطلع کے مانند ہوتا ہے۔ یعنی مثنوی کا ہر شعر ہم قافیہ بھی ہوتا ہے اور اگر ردیف موجود ہے تو بیت کے دوسرے مصرعے میں ردیف کی تکرار بھی لازمی ٹھہرتی ہے۔ رباعی کے اوزان کا ایک الگ جہان ہے۔ اس کے لیے چوبیس بحر میں مقرر ہیں اور متن میں فلسفیانہ گہرائی بھی ضروری ہے، جس کی پابندی ہر شاعر نہیں کرتا۔ مسدس کے چھ مصرعوں کی جو ترتیب مقرر ہے وہی ہوگی، وغیرہ وغیرہ۔ ایسی صورت میں شاعر پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کسی صنفِ سخن کو استعمال کرتے ہوئے اس کے ھیکتی تقاضے جانے اور برتے۔ نقاد بھی انہی اصولوں کے تحت اس شاعری کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھے گا۔

دیگر شعری اصناف مثلاً نظم، معری، نظم آزاد، سہ مصرعی یا ثلاثی، ہائیکو، آزاد غزل، نثری نظم، وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے ہر صنف کے کچھ اصول ہیں، خاص روم RHYTHM اور ہر صنف کی تخلیقی جمالیات ہے، اس لیے پہلے تو شاعر کے لیے لازمی ہے کہ وہ ان اصناف کے صنفی تقاضوں کا خیال رکھے، بعد ازاں نقاد کی ذمہ داری ہے کہ ان اصناف کے صنفی تقاضوں اور شعری جمالیات کی روشنی میں ایسی شاعری کا جائزہ لے جن میں یہ اصناف برتی گئی ہیں۔ نقاد کے لیے ایسی شاعری پہلے شاعری ہوگی۔ نقاد اس شاعری کے موضوع (نعت) کو معنوی وسعتوں کے ساتھ تنقیدی عمل سے گزارنے کا کام بعد میں انجام دے گا۔

صنائع بدائع کے استعمالات کا جائزہ:

شاعری میں حسن پیدا کرنے کے لیے خیال کو اچھے سے اچھے اور انتہائی موزوں الفاظ کا جامہ

پہنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کوشش میں شاعر کبھی لفظوں کی تکرار اور کبھی صوتی ہم آہنگی کے لیے کچھ صنائع بدائع کا استعمال بھی کرتا ہے۔ صنائع بدائع کے بالقصد استعمال سے کچھ الفاظ میں حسن تو پیدا ہو جاتا ہے لیکن اشعار میں تصنع اور بناوٹ کا عنصر بھی داخل ہو جاتا ہے۔ تاہم محتاط کاوش، شعری حسن میں اضافے کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ اس لیے نقاد کا کام ہے کہ وہ نقد شعر میں شاعر کی ایسی کاوشوں کو بھی فن کی کسوٹی پر پرکھے جن میں صنائع بدائع کا استعمال ہو۔ تاہم نقاد کا فرض ہے کہ صرف صنائع بدائع کے استعمال کی مصنوعی فضا پیدا کرنے والے شعراء کو یہ بھی بتانا چلے کہ ان کی مصنوعی حسن پیدا کرنے کی کوشش سے شعریت کا کتنا نقصان ہوا ہے۔ جدید عہد خیال کی ترسیل میں ندرت پیدا کرنے کا ہے، صنائع بدائع کے اظہار کا نہیں۔ لہذا کسی شاعر کے کلام میں غیر ضروری طور پر صنائع بدائع تلاش کر کے وقت ضائع کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ پھر صنائع بدائع کا وقوف نہ رکھنے والے شعراء کے کلام میں غیر ضروری طور پر صنائع بدائع کا حسن تلاش کرنا، کار لا حاصل ہے۔ ایسی کاوشوں سے یہ تو ظاہر ہو سکتا ہے کہ نقاد علم بدیع و بیان سے بہرہ ور ہے لیکن تنقید کا فریضہ ادا نہیں ہوتا۔ آج کا کوئی شاعر بھی یہ نہیں چاہے گا کہ اس کی شعری کاوشوں کو کوئی نقاد صرف صنائع بدائع کی کسوٹی پر پرکھے۔

شعری جمالیات:

اچھے اور برے اشعار میں امتیاز کرنے کی غرض سے نقاد کے لیے لازمی ہے کہ شعری جمالیات کا گہرا شعور حاصل کرے۔ ورنہ وہ تنقید کے وظائف میں جن چار پہیوں (قابل، تجزیہ، امتیاز اور تعین قدر) کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے کسی ایک کا بھی استعمال نہیں کر سکے گا اور اس کی تنقیدی کاوش ناکام قرار دی جائے گی۔

معائبِ سخن سے گریز:

شاعر کے لیے معائبِ سخن سے بچنا بھی ضروری ہے مثلاً اسے معلوم ہونا چاہیے کہ عیبِ تنافر کیا ہے اور کیسے پیدا ہوتا ہے؟ تنقید کسے کہتے ہیں اور اس کی موجودگی سے شعر میں کیسی کراہیت پیدا ہو جاتی ہے؟ شتر گربہ کیا ہوتا ہے اور اس عیب سے شاعری میں کیا خرابی پیدا ہوتی ہے؟ ایٹا کسے کہتے ہیں اور اس سے بچ کر شعر کہنا کتنا ضروری ہے؟ معائبِ سخن کی فہرست خاصی لمبی ہے۔ اگر ہر عیب کا ذکر کیا جائے اور اس کی تفصیل مثالوں کے ساتھ بیان کی جائے تو یہ مقالہ غیر ضروری طوالت کا شکار ہو جائے گا۔ لہذا صرف اتنا کہہ کر ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں کہ نعت گو شاعر کو بھی معائبِ سخن سے بچنا چاہیے اور

نقاد کو بھی ایسے عیوب شاعری میں دیکھتے ہوئے خاموش نہیں رہنا چاہیے۔ کیوں کہ نقاد کی خاموشی اور مبہم تحسین سے مستقبل کے شعراء کے لیے ایسے عیوب کی تکرار کی راہ ہموار ہو جائے گی، جس کا ازالہ ممکن نہیں ہوگا! بالخصوص ایسی صورت میں کہ کسی لفظ کے معنوی پھیلاؤ میں ”مدح“ اور ”قدح“ کی دونوں صورتیں جمع ہو رہی ہوں۔ ایسے لفظوں کا استعمال تو از روئے قرآن ممنوع ہے۔ ”راعنا“ کے بجائے ”انظرنا“ کا لفظ استعمال کرنے کے قرآنی حکم سے ہم پہلے ہی آگاہی حاصل کر چکے ہیں۔

شعری معیارات کے حوالے سے بات سمیٹتے ہوئے مجھے ڈاکٹر ریاض مجیدی کی ایک تحریر یاد آگئی جس کا اقتباس یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے:

”نعت محض ایک موضوع نہیں ایک فنی کل (whole) ہے۔ ایک ایسی تخلیقی اور نامیاتی وحدت، جس میں خیال، لفظ، اسلوب، ہیئت، آہنگ اور دوسرے اسلوبیاتی وسائل اور شعری محاسن، ایک موثر فنی اکائی کی طرح تخلیق یاب ہوتے ہیں۔ نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرکزی و محوری موضوع آپ کی ذات گرامی سے محبت کا اظہار اور آپ کی شخصیت ستودہ صفات کا تذکار ہے۔ اس موضوع سے ہزاروں مضامین نے جنم لیا۔“ (۶)

۲۔ شرعی معیارات کی پرکھ کے اصول:

نعت کے مافیہ (content) یا متن (text) کی اہمیت ہر قسم کی شاعری کے مافیہ سے زیادہ ہے۔ نعت کے نفس مضمون کے فکری رشتے قرآن و حدیث سے بڑے گہرے ہیں۔ اس لیے قرآن و حدیث کے مفاہیم کو شعری قالب میں ڈھالنے کے ہنگام استنادی شان کو برقرار رکھنا اور متن کا شعری حسن بھی برقرار رکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ تاریخ اسلام کے مستند حوالوں کو شعری پیکر دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اس موقع پر اپنے جذبات، اپنی خواہشات اور اپنے مذہبی تعصبات کو قابو میں رکھتے ہوئے راہ مستقیم پر چلنا اور وادی نعت سے سرخرو گزر جانا بہت بڑی کامیابی کی دلیل ہے۔ کیوں کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ سچائی کا عنصر ہر سطح پر برقرار رہ سکے۔

شرعی معیارات، نعتیہ شعری سرمائے کو پرکھنے کے لیے سراج منیر کا حکم رکھتے ہیں۔ ان کا شعور قرآن و حدیث، آثار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، عہد نبوی کے شعراء کے کلام اور تاریخ کے بلا تعصب مطالعے سے پیدا ہو سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

”لا یجمع اللہ ہذہ الامۃ علی الضلالۃ ابدًا“ (اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا)۔..... ”إِنَّ أُمَّتِي لَا تَجْتَمِعُ عَلَى ضَلَالَةٍ فَإِذَا رَأَيْتُمْ اخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ“ (میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ اگر تم امت میں اختلاف دیکھو تو بڑی جماعت کے ساتھ موافقت لازم ہے) (۷)

اس حدیث کی روشنی میں امت کے سواد اعظم اہل سنت والجماعت کی مستند روایات اور صحاح ستہ اور احادیث و سیر کی امہات کتب کا مطالعہ کرنا شاعر کے لیے بھی ضروری ہے اور نقاد کے لیے بھی تاکہ دینی شعور کی روشنی میں شعری اقدار پرکھی جاسکیں کھرے خیال کو کھوٹے خیال سے میسر کیا جاسکے۔ اہل سنت والجماعت کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ ان کا انداز فکر خاصی حد تک (بلکہ ضروری حد تک) معروضی ہوتا ہے۔ وہ نہ تو کسی ولی اللہ کو برا جانتے ہیں اور نہ ہی کسی صحابی رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ انہیں تمام ازواج مطہرات سے بھی محبت ہے اور وہ اپنے تعصب کی بنا پر اولاد رسول ﷺ کی تعداد کو قصداً گھٹانے کی جسارت بھی نہیں کرتے۔ الحمد للہ! یہی طبقہ نعتیہ شاعری سے زیادہ شغف بھی رکھتا ہے۔

شاعری میں جذبہ اور احساس ہی شعر کا جزو بن کر اس کا حسن بڑھاتا ہے۔ نعتیہ شاعری میں جذبے اور احساس کے ارتعاشات کو شعری پردے پر ابھارنے کا عمل انتہائی سچائی اور احتیاط کا تقاضا کرتا ہے۔

جدید عہد نے نعتیہ مضامین کو بڑی وسعتوں سے ہمکنار کیا ہے۔ ان موضوعات میں کیا کیا شامل ہے؟ اس طرح کی کوئی فہرست بنانا تو ممکن نہیں ہے لیکن ہم اس مسئلے کو چند احساساتی اور فکری ابعاد (dimensions) کے حوالے سے دیکھ سکتے ہیں۔ مثلاً

- ۱۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات کے جمال صوری کے حوالے سے بھی شعر کہے جاسکتے ہیں
- ۲۔ حضور اکرم کے اسمائے مبارکہ کی معنوی تصویر سے بھی اشعار میں جگمگاہٹ پیدا کی جاسکتی ہے
- ۳۔ حضور اکرم ﷺ کے جمال معنوی یعنی اسوہ مقدسہ کے حوالے سے بھی اظہار خیال کیا جاسکتا ہے
- ۴۔ شاعر، حضور اکرم ﷺ کی الفت اور آپ کی اتباع کی آرزو کا اظہار بھی کر سکتا ہے
- ۵۔ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کا ذکر بھی جزو نعت بن سکتا ہے
- ۶۔ حضور اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کی کسی ادا کا ذکر بھی نعت کی زینت بن سکتا ہے
- ۷۔ حضور اکرم ﷺ کا تعلق مع اللہ بھی نعت سے مترشح ہو سکتا ہے۔ (ایسے تعلق کو صوفیا کرام نبی ﷺ کی جہت

ولایت سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی بنیاد پر نبی ﷺ کی ولایت کو ان کی جہت نبوت سے افضل جانتے ہیں..... لیکن یہ بڑا نازک معاملہ ہے۔

۸۔ نبی ﷺ کا تعلق مع الخلق بھی نعت کا موضوع ہے۔ دراصل یہی نبوت کی غرض و غایت ہے۔ نبی ہی تو خلق کو خالق سے متعارف کرواتا ہے اور خالق کے احکامات سے آگاہ کرتا ہے

۹۔ نبی ﷺ کی ذات کی عظمت کے حوالے سے بھی نعت میں روشنی پیدا کی جاسکتی ہے

۱۰۔ نبی ﷺ کے معجزات کے ذکر سے بھی نعت لکھی جاسکتی ہے

۱۱۔ اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے نبی اکرم ﷺ کے تعلق کا اظہار بھی نعت ہے

۱۲۔ نبی ﷺ کا اپنے اہل بیت یعنی آپ کی ازواج مطہرات کے ساتھ تعلق کا ذکر بھی مدح رسول ﷺ ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

۱۳۔ نبی ﷺ کا اپنی آل کے ساتھ تعلق بھی نعت کا موضوع ہے

۱۴۔ نبی ﷺ کے اقوال یعنی حدیث پاک کے حوالوں سے بھی نعت مزین ہو سکتی ہے

۱۵۔ نبی ﷺ کے اعمال کے ملفوظی اظہار کو بھی نعت کہا جاتا ہے

۱۶۔ نبی ﷺ کے ایسے معاملات بھی نعت کا جزو بن سکتے ہیں جن میں آپ ﷺ نے کسی کو کوئی ایسا عمل کرتے دیکھا جس کی کوئی نظیر موجود نہ تھی، تب بھی آپ نے منع نہیں فرمایا۔ نبی اکرم ﷺ کے ایسے رویے یعنی ”سکوت“ کو اصطلاحاً ”تقریر“ سے تعبیر کیا جاتا ہے

۱۷۔ حضور اکرم ﷺ کے غزوات کا ذکر بھی نعت ہے

۱۸۔ حضور اکرم کے خطبات کے منظوم اظہار کو بھی نعت کہتے ہیں

۱۹۔ حضور اکرم ﷺ کی بزم آرائی کے ذکر کو بھی نعت کہتے ہیں

۲۰۔ شاعر کی طرف سے اپنے غم کا استغاثے کی شکل میں اظہار بھی نعت ہے

۲۱۔ امت کی طرف سے استغاثہ پیش کرنے کا عمل بھی نعت ہے

۲۲۔ شفاعت طلبی کی التماس بھی نعت ہے

۲۳۔ خواب میں حضور اکرم ﷺ کے دیدار کی آرزو کا شعری اظہار بھی نعت ہے

۲۴۔ حضور اکرم سے نسبت رکھنے والے اشخاص، اصحاب، ازواج اور اشیاء کا ذکر بھی نعت ہے۔ شرط

صرف یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اقوال یا تاریخی حوالوں سے بات بالکل سچی ہو اور بیان میں اعتدال رہے

۲۵۔ ہر اس خطے کا ذکر بھی نعت بننے کا محتمل ہو سکتا ہے، جس میں حضور اکرم ﷺ نے اپنی حیات دنیوی میں

قدم رنجافرمایا

۲۶۔ مدینہ منورہ کا ذکر، اس تک رسائی کی آرزو اور اس شہر کی فضیلتوں کا بیان، سب نعت ہے

۲۷۔ گنبد خضریٰ کا تذکرہ بھی نعت ہے اور مسجد نبوی کا حوالہ بھی نعت ہے

۲۸۔ شاعر اپنے احساسات کی سچی عکاسی کرتے ہوئے حب رسول ﷺ کا اظہار کرے تو وہ بھی نعت ہی ہے

غرضیکہ اس موضوع کے ہزار ہا زوایے ہیں۔ شاعر کے احساسات، اس کے قلبی احوال، ہجر

نبوی کا اظہار، مدینہ طیبہ سے دوری کے احساس کا شعری مرقع، مدینہ پہنچ جانے پر اپنے نصیب پر رشک اور

حیرت و استعجاب میں ڈوب جانے کی کیفیت کا اظہار وغیرہ، سب ہی کچھ تو نعت کا موضوع بن جاتا ہے۔

شرط صرف اتنی ہے کہ بیان میں اعتدال ہو، اظہار میں سچائی ہو، تلمیحات کا پس منظر بالکل درست اور مستند

ہو۔ یعنی تلمیحات میں اشارتی بیان کی وضاحت قرآن، حدیث، آثارِ صحابہ کرام اور تاریخ کے واقعات

میں موجود ہو۔ اس طرح بیان کی سچائی کے شرعی تقاضے پورے کیے جائیں۔ اس سلسلے میں شاعر کے لیے

موضوع اور من گھڑت روایات اور احادیث کی آگہی ضروری ہے تاکہ وہ کسی غلط بات کی ترویج و اشاعت

کا ذریعہ نہ بن سکے۔ نقاد کے لیے یہ سب جاننا بہت ضروری ہے۔

شاعروں کے لیے یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ اگر وہ براہ راست حضور اکرم ﷺ سے

مخاطبہ کریں تو اس میں قرآن کریم کی ہدایات کو پیش نظر رکھیں۔ قرآن کریم میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ

كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ○

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ بلند کرو اپنی آوازیں اور پرنبی کی آواز کے اور نہ اونچی کرو اپنی آواز اس

کے سامنے بات کرتے وقت جیسے اونچی آواز میں بولتے ہو تم ایک دوسرے کے ساتھ، کہیں ایسا نہ ہو

کہ غارت ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر بھی نہ ہو) (۸)

ممنوعاتِ نعت:

نعت کے اشعار کی شعری بُنت میں شرعی حدود کا خیال رکھنے کے لیے کچھ امتناعی زوایوں کا

لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً

۱۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ کے بندے اور رسول ہیں۔ اس تصور کے منافی کوئی خیال شعر میں نہیں

باندھنا چاہیے۔ اس نکتے کی تفہیم کے لیے ایک صوفی صافی دل شاعر رزی جے پوری کا ایک شعر نقل کر دینا

ہی کافی ہوگا۔ وہ کہتے ہیں:

محمدؐ کو خدا کہنا، خدا کو مصطفیٰ کہنا

یہ ہے ترک مدارج، شرک ہے، الزام و تہمت ہے (۹)

☆ حضور اکرم ﷺ، اللہ رب العزت کے بندے ضرور ہیں لیکن اللہ کی تمام مخلوقات میں صرف آپ ﷺ کی ذات افضل ہے۔ ع..... بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ایسی صورت میں کسی اور کو آپ ﷺ کا ہم مرتبہ یا ہم رتبہ ظاہر کرنا۔ کسی خاص صفت میں نبی ﷺ کا شریک قرار دینا۔ صریحاً شرک فی النبوت ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات ہی صرف وجہ تخلیق کائنات ہے۔ صرف حضور اکرم ہی کی ذات ”معصوم عن الخطا“ ہے۔ حضور اکرم کے قربت دار، اصحاب اور ازواج سب ”محفوظ عن الخطا“ ہیں۔ یہ نکتہ ضرور ملحوظ رہے۔

☆ محض عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کے خیال سے کسی فلمی گانے کی طرز پر نہ تو شعر کہے جائیں اور نہ ہی اس گانے کی دھن اپنائی جائے۔

☆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا مطالبہ نہ کیا جائے کہ ”آپ ایک بار پھر دنیا میں تشریف لا کر ہماری حالت زار ملاحظہ فرمائیں“۔ کیوں کہ اسلام میں آپ ﷺ کی بعثت ثانی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ استغاثہ، متحد اعتدال پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

☆ انبیائے سابقین کی ذات سے حضور اکرم کی ذات اقدس کی افضلیت ثابت کرتے ہوئے کہیں ان انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین کا پہلو نہ نکلے۔ اس ضمن میں بہت احتیاط درکار ہے۔

☆ کسی صحابی یا آپ کے کسی رشتہ دار امتی کا ذکر اس طرح نہ کیا جائے کہ حضور اکرم ﷺ کی تبلیغی سرگرمیوں کی کامیابی کا سہرا ان کے سر باندھنے کی کوشش ظاہر ہو۔ یا یہ ظاہر ہو کہ اگر وہ صحابی نہیں ہوتے تو دین پھیلتا ہی نہیں۔ تمام اصحاب النبی ﷺ، ازواج النبی ﷺ اور بنی النبی ﷺ کے ہاشمی قربت دار، امت کے لیے محترم ضرور ہیں لیکن حضور ﷺ کے صرف خادم اور امتی ہیں۔

☆ معراج میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو اپنی نشانیاں دکھانے کے لیے فلک الافلاک کی سیر کرائی تھی۔ اسی بات کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بات نہیں ہے۔ معراج کی تفصیلات قرآن کریم میں موجود ہیں اور تفاسیر میں معراج کی روایت صحیح احادیث کی روشنی میں بھی ملتی ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ ”اللہ نے حضور اکرم ﷺ کو دیدار کے لیے طلب فرمایا تھا“، بڑی بھاری غلطی اور ظلم ہے کیوں کہ اللہ کی شان ”البصیر“ کا استخفاف ہوتا ہے۔

☆ معجزات کے بیان میں بھی صرف حضور اکرم ﷺ کی عظمت کا خیال پیش کیا جائے، کسی صحابی کی عظمت

ظاہر کرنے کے لیے کسی معجزے کا تصور پیش کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔
☆ نعتیہ اشعار میں اصحاب النبی ﷺ، ازواج النبی ﷺ اور نبی علیہ السلام کے قرابت داروں کا ذکر مناقب کے اشعار کی صورت میں آ تو سکتا ہے۔ لیکن صرف اس لیے کہ ان اشعار سے حضور ﷺ ہی کی عظمت ظاہر ہو۔ ان حضرات میں سے کسی کا بھی حسن سیرت و کردار، کرامت اور حسن معنوی، صرف اور صرف حضور اکرم ﷺ کی تربیت اور فیضانِ نظر کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

۳۔ تاریخی استناد کی روشنی میں نعتیہ اشعار کی پرکھ کے اصول:

☆ تاریخی واقعات کو بھی اپنے تعصب کی نذر نہیں کیا جانا چاہیے۔ تھاقب کسی کے توڑنے مروڑنے سے چھپتے نہیں ہیں، البتہ ان کوششوں سے تفرق پیدا ہو جاتے ہیں۔ تاریخ میں کذب و دروغ کی بڑی گنجائش ہوتی ہے۔ تاریخ اسلام میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں۔ اس لیے شاعر کو چاہیے کہ قرآن و سنت اور احادیث کی مستند روایات، آثار اصحاب النبی ﷺ کے مستند احوال کے سامنے کسی ایسی روایت کو شاعری کا حصہ نہ بنائے جس میں غیر محسوس طور پر ”کذب“ کی آمیزش ہو۔ اس بات کی تفہیم کے لیے ایک مثال پیش کرنی ہے۔..... تاریخ میں لکھا ہے اور بہت لوگوں نے بغیر تحقیق یہ بات باور کر لی ہے کہ فتح مکہ کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ﷺ نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا اور بلندی پر نصب بت کو توڑنے کا حکم فرمایا۔ یہ واقعہ درایت کی رو سے بھی غلط ہے اور روایت بھی اس کی بالکل غلط ہے۔ علامہ حبیب الرحمن صدیقی کا ندھلوی نے بروایت سنن ابی داؤد لکھا ہے وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور تھے لیکن علی بن ابی طالب نہیں بلکہ نواسہ رسول ﷺ، حضرت بی۔ بی۔ زینب رضی اللہ عنہا کے فرزند علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہ تھے:

”فحمل علی بن ابی العاص علی عاتقہ یعنی آپ ﷺ نے علی بن ابی العاص کو اپنے کاندھے پر اٹھایا“۔ (۱۰)

رحمۃ اللعالمین کے مصنف قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے لکھا ہے:

”فتح مکہ کے دن یہی علی سبط رسول، نبی ﷺ کے ناقد پر حضور کے ردیف تھے“ (۱۱)

یہ تو صرف ایک مثال ہے تاریخ میں بے احتیاطیوں اور قصداً داخل کی جانے والی روایتوں کی وجہ سے آج امت میں انتشار ہے۔ اس لیے شاعر کو ہر بات تحقیق کر کے اپنے شعر میں تلخیص کے طور پر اختیار کرنی چاہیے۔ شاعر کے ذہن میں تاریخ اور حدیث کے متون کا فرق بھی رہنا چاہیے۔ جہاں تاریخ کا

اندراج حدیث سے متصادم ہو، وہاں حدیث کو ترجیح دینا ضروری ہے۔ اس لیے کہ حدیث کے متون کی چھان پھٹک تاریخ کے متون سے کہیں بہتر طور پر ہوئی ہے اور حدیث کی پرکھ کا کام کسی ایک فرد نے نہیں صلحاء کی ایک بڑی جماعت نے انجام دیا ہے۔ جبکہ تاریخ کسی ایک فرد کی کوشش سے لکھی جاتی ہے۔ اس کی استنادی شان حدیث کے مقابلے میں بہت کم، بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ حدیث کی جانچ پڑتال کے لیے ایک علاحدہ علم ”اسماء الرجال“ موجود ہے۔ اس کے برعکس مورخ کی سیرت پر کوئی محاکمہ نہیں کیا جاتا ہے۔ اس کے بیان کو بغیر تقابلی جائزے کے صحیح سمجھنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔

☆ شعری، شرعی، تاریخی اعتبار سے کمزور اور غیر ممکن الوقوع خیالی باتوں کی شعری مثالیں:

شعراء اور نقادان فن کی توجہ مبذول کروانے کی غرض سے چند ایک ایسی مثالیں پیش کر دینا ضروری ہے جن کی شعری بنت، قرآن، حدیث یا تاریخی سند سے متصادم ہے:

قرآن کے صریح بیان سے متصادم شاعری کی مثال:

۱۔ واقعہ معراج:

اردو نعتیہ شاعری میں سب سے زیادہ جس واقعے کو خیالی شاعری کے ذریعے روح قرآن کے خلاف شعری بنت میں لایا گیا ہے، وہ واقعہ معراج ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں نعتیہ ادب کا حصہ بن چکی ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے صاف بیان فرمایا ہے:

” (ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ باہرکت بنا دیا ہم نے جس کے گرد و نواح کو تاکہ دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں“۔ (۱۲)

اس کے علاوہ سورہ نجم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔ نہ در ماندگی ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی۔ یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں“۔ (۱۳)

ضیاء القرآن میں پیر محمد کرم شاہ الازہری نے تفسیر مظہری کے حوالے سے لکھا ہے:

”یعنی آیات کبریٰ سے مراد عالم ملکوت کی وہ عجیب و غریب چیزیں ہیں جن کا مشاہدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سفر معراج پر جاتے ہوئے اور واپسی کے دوران میں کیا جیسے براق، سموات، انبیاء، فرشتے، سدرۃ المنتہی، جنت الماویٰ وغیرہا..... ان اشیاء کو آیات کبریٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان آیات کے ساتھ جن مخصوص تجلیات کا تعلق ہے اور اللہ کی رحمتوں اور برکات کا نزول جس کثرت سے

ان پر ہوتا ہے، وہ کسی دوسری آیت کو نصیب نہیں۔“ (۱۴)

آیات قرآنی کے ترجمے اور کچھ تفسیری حاشیے سے سفرِ معراج کی غرض و غایت واضح ہو جاتی ہے۔ لیکن ہمارے شعراء اس سفر سے عجیب و غریب باتیں منسوب کر کے اپنے اشعار کو چٹھارے دار بنانے میں پُر طولی رکھتے ہیں۔ مثلاً:

”کچھ اس انداز سے بختِ شبِ معراج چمکا ہے
اجالا تو اجالا ہے، اندھیرا بھی اندھیرا ہے
جو پردہ مدتوں سے درمیاں تھا آج الٹا ہے
محمدؐ عرش پر بیٹھے ہیں چپ خالق یہ کہتا ہے
تمہارا گھر ہے اپنے گھر میں شرمایا نہیں کرتے“ (۱۵)

درج بالا بند میں پہلے تین مصرعے ہلالِ جعفری کے ہیں۔ ان مصرعوں میں بیان کی صفائی بھی ہے اور اعتدال بھی لیکن قمر جلالوی کے جس شعر پر یہ تین مصرعے لگائے گئے ہیں وہ معراجیہ ادب میں انتہائی رکیک شعر ہے۔ حیرت ہے کہ قمر جلالوی نے جو غلطی کی تھی اس کو تصمین نگار نے خوبی جانا اور اس مبتذل شعر کی تصمین کردی!

قمر جلالوی کا یہ شعر غزل کا محاکاتی بیان لیے ہوئے ہے اور رومانوی انداز کی شاعری کا نمونہ پیش کر رہا ہے۔ اس شعر میں نہ تو معراج نبویؐ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی غرض و غایت کا لحاظ کیا گیا ہے اور نہ ہی واقعاتی صداقت کا پہلو سامنے رکھا گیا ہے۔ یہاں تو ہر عیب سے پاک خالق کو اپنے مقدس اور پاکیزہ بندے اور رسول ﷺ سے ملتے ہوئے ایسے دکھایا گیا ہے کہ اس کی تشریح کرنے میں دینی حمیت اور غیرتِ ایمانی مانع ہے۔ پھر اپنے رب سے ایسی بات بھی منسوب کر دی گئی ہے جو ہر قرینے سے ”کذب“ کے زمرے میں آتی ہے۔ قمر جلالوی کے شعر کا دوسرا مصرعہ اس انداز سے لکھا گیا ہے کہ یہ قول، اللہ تعالیٰ کا قول بن کر سامنے آیا ہے..... ع ”تمہارا گھر ہے۔۔ الخ۔“

یہ تو ایک مثال ہے۔ معراج کے حوالے سے نعتیہ شاعری میں بے شمار اشعار ایسے مل جائیں گے جن میں اللہ رب العزت کو حضور اکرم ﷺ کے دیدار کا تمنائی ظاہر کیا گیا ہے۔ گویا [معاذ اللہ] اللہ تعالیٰ زمین پر چلتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس ضمن میں بڑے بڑے جفا دریوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ علامہ قابل گلاؤٹھوی کا ایک شعر ہے جس کی تصمین ہلالِ جعفری نے کی:

”عرش پر نور کی قندیل سے چلتا ہے پتہ

عبد و معبود کی تشکیل سے چلتا ہے پتہ
آمد حضرت جبریل سے چلتا ہے پتہ
شب معراج کی تفصیل سے چلتا ہے پتہ
اپنے ہی حسن کے خود طالب دیدار ہیں آپؐ، (۱۶)

اس تفسیر کے دوسرے مصرعے میں ”تشکیل“ کا لفظ ”عبد و معبود“ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ تشکیل کے معنی ہیں شکل بنانا، صورت بنانا، خاکہ تیار کرنا، بنانا، مرتب کرنا، شکل دینا۔ (اردو لغت، اردو ڈکشنری بورڈ)۔ معراج کے حوالے سے اللہ اور رسول ﷺ کی ملاقات کو تشکیل کا نام دینا کسی طور مناسب نہیں ہے۔

خیر یہ تو لسانی مسئلہ ہے۔ قابل گلاؤٹھوی نے ”اپنے ہی حسن کے خود طالب دیدار ہیں آپؐ“ کہہ کر معراج کے واقعے کو عجیب رنگ دیدیا۔ اب ذرا غور فرمائیے:
☆ ”آپؐ“ کی ضمیر اگر حضور اکرم ﷺ کی طرف راجع ہے، تب تو یہ مطلب ہوگا کہ حضور ﷺ کا حسن ہی اللہ تعالیٰ کا حسن بھی ہے اور آپ ﷺ اپنے ہی حسن کی طلب میں معراج پر تشریف لے گئے تھے۔ اس طرح سوچنے سے دو نکتے زیر غور آئیں گے:

☆ حضور ﷺ کا حسن اصل ہے اور [نعوذ باللہ من ذالک] اللہ تعالیٰ کا حسن فرد ع۔
☆ معراج پر جناب رسالت مآب ﷺ اپنی مرضی سے تشریف لے گئے تھے۔

اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ پہلی بات اس لیے کہ اللہ کا وجود ”واجب“ ہونے کے بجائے ”ممکن“ ہونے کا احتمال پیدا ہوتا ہے..... اور دوسری بات واقعات معراج کے صریح خلاف ہے۔ پتہ نہیں شاعر کو ”شب معراج کی تفصیل سے“ کیا پتہ چلا تھا؟

قمر یعنی جیسے بالغ نظر شاعر نے جب معراج کی تلخیص کو متن شعر بنایا تو عجیب بات کہہ گیا:

”موسیٰ اللہ کے جلوؤں کے تمنائی تھے“

اُن کے دیدار کا اللہ تمنائی ہے“ (۱۷)

اس شعر میں اللہ کو نعوذ باللہ دیدار محبوب، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے محروم جان کر یہ خیال نظم کر دیا گیا ہے کہ ”اللہ بھی ان کے دیدار کا تمنائی ہے“۔ اس طرح اللہ کی دو صفات کی نفی ہوگئی۔ ”البصیر“ اور ”الصمد“۔ وہ ہر شے کو دیکھ رہا ہے۔ اور وہ کسی شے کا محتاج نہیں ہے۔ تمنا کرنا محتاجوں کا کام ہے، اللہ کا نہیں۔

قرآن کریم کے واضح اعلان سے انحراف کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

”اَنَا بَشَرٌ زَمَانُهُ تَمَّ كَوَسْمَجْجٍ، هَمْ نَهْ سَمَجْجِیْنَ

بنائے کن فکاں تم، وجہ تخلیق جہاں تم ہو“ (۱۸)

اس شعر کا متن، سورہٴ خمر السجدة کی درج ذیل آیت سے اخذ کیا گیا ہے۔

”قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلٰى اِنَّمَا الْهُكْمُ لِلّٰهِ وَاجِدٌ...“ (اے نبی! ان سے کہیے

کہ بس میں تو ایک بشر ہوں تم جیسا بتایا جاتا ہے بذریعہ وحی مجھے کہ بس تمہارا معبود ایسا معبود ہے جو

ایک ہی ہے)۔ (۱۹)

محولہ بالا شعر میں حضور اکرم ﷺ کی بشریت سے انکار کے لیے شاعر نے قرآن کے الفاظ

دہرانے کے بعد اپنا موقف بیان کیا ہے۔ اللہ مرحوم شاعر کی غلطی معاف فرمائے (آمین)!

☆ حدیثِ قدسی سے انحراف کی مثال:

حدیثِ قدسی وہ حدیث کہلاتی ہے جو قرآن کریم کا حصہ نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی تلاوت

قرآن پاک کی طرح کی جاتی ہے۔ لیکن اس حدیث کا ”متن“ اللہ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ یعنی:

”حدیثِ قدسی وہ کلام ہے جس کے الفاظ تو رسول اکرم ﷺ کے ہوں اور اس کے معانی الہام یا

خواب کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بتلائے ہوئے ہوں“۔ (۲۰)

اس وضاحت کے بعد یہاں ایک حدیثِ قدسی نقل کی جاتی ہے:

”كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاحْبَبْتُ عَنْ اَعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقُ“

(میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو خلق کو پیدا کیا میں نے)۔ (۲۱)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ جل مجدہ کے لیے ”چھپا ہوا خزانہ“ کے الفاظ آئے ہیں۔ اس

حدیث کا علم ہمارے شعراء کو بھی ہے۔ لیکن بعض شعراء، حضور اکرم ﷺ کی ذات کو درجہ الوہیت پر فائز

دیکھنے اور دکھانے کی آرزو رکھتے ہیں۔ اسی لیے وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں ایسی بات کہہ جاتے ہیں جس سے

ان کی تمنا بھی پوری ہو جائے اور نبی علیہ السلام کو، براہِ راست ”الہ“ کہنے کی تہمت سے بھی بچ سکیں۔ ایسی

ہی ایک کوشش ملاحظہ ہو:

”آپؐ سے ظاہر ہوا ہے حسنِ رب ذوالجلال

کنت کنزاً کا خزانہ آپؐ ہیں بس آپؐ ہیں“ (۲۲)

اس شعر میں شاعر نے ”کنت کنزاً کا خزانہ“ کہہ کر ”اللہ رب العزت“ کے بجائے نبی

کریم ﷺ کی ذات والا صفات کو مخاطب کیا ہے۔ نعتیہ شاعری میں اس طرح کے مضامین باندھنا کوئی مستحسن عمل نہیں ہو سکتا۔ اس سے اجتناب ضروری ہے۔

☆ حدیثوں کی صحیح روایت کے بجائے خیالی مضمون باندھنے کی مثال:

بخاری، مسلم، بیہقی، ترمذی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ روایات نقل کی ہیں جن کی رو سے آپ ﷺ کے ”دونوں شانوں کے درمیان بلند گوشت تھا“، یہ مہر نبوت تھی۔ (۲۳)

ان روایتوں کے برعکس شاعر نے مہر نبوت کا مضمون اس طرح باندھا ہے:

سرکار کی جبیں پہ رسالت کی مہر تھی

سینے پہ ثبت ختم نبوت کی مہر تھی (۲۴)

ظاہر ہے یہ تخیلاتی شعر ہے اور حقیقت سے بہت دور جا پڑا ہے۔

☆ خیال کو واقعہ بنا کر پیش کرنے کی مثال:

ایسے اشعار پیش کرنے سے پیشتر ڈاکٹر عندلیب شادانی کا عام شاعری پر تبصرہ ملاحظہ ہو۔ وہ

لکھتے ہیں:

”معاذ کا عقیدہ تو اکثر مذاہب میں پایا جاتا ہے لیکن قیامت کب آئے گی اس کی تعیین کسی نے نہیں کی..... ہمارے شعراء خصوصاً چوٹی کے غزل گو جس درجہ حساس واقع ہوئے ہیں، وہ ظاہر ہے۔ بھلا ان سے اس غیر معین حالت کی برداشت کہاں ممکن تھی اور وہ کب تک انتظار کر سکتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنی خیالی دنیا بنائی اور اس دنیا میں پہنچنے کے لیے فرضی طور پر یا تو جلا و محبوب کی چھری سے ہلاک ہوئے یا پھر اس کے جو رستم کے باعث ایڑیاں رگڑ رگڑ کے جان دیدی۔ پھر قیامت قائم کی۔ حشر و نشر کے سامان ہوئے۔ خدائی دربار سجایا اور داور محشر کے سامنے فریاد لے کر پہنچے۔ چوں کہ یہ حضرات شاعر ہونے کی حیثیت سے گویا ایک ہی ”امت“ کے افراد ہیں۔ اسی لیے حشر میں سب کو تقریباً ایک ہی قسم کے واقعات پیش آتے ہیں“۔ (۲۵)

ڈاکٹر عندلیب شادانی نے غزل کے ایسے اشعار پر طنز کیا ہے، جو حشر میں عاشق کی فریاد پیش ہونے پر محبوب کے تجل ہونے کے تخیلاتی مضامین کے حامل تھے۔ ایسے مضامین باندھنا روایتی غزل گوؤں کا بھی شعار رہا ہے اور جدید دور میں بھی کہیں کہیں یہ مضامین نظر آ جاتے ہیں۔ اس کے باوجود غزل میں تخیلاتی شاعری کرنا، واقعاتی حوالے سے کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو، بہت زیادہ معیوب نہیں ہوتا۔ لیکن

نعت ایک مقدس صنفِ سخن ہے۔ یہاں بیان کی صداقت لازمی ہے۔ چاہے وہ لمحاتی صداقت ہی کیوں نہ ہو۔ شعر گوئی کے وقت جو کیفیت شاعر پر غلبہء عشق رسول ﷺ کی طاری ہو جائے وہ بھی لمحاتی صداقت کے ذیل میں آتی ہے۔ چنانچہ اس خاص کیفیت کے اظہار کو بھی صداقت ہی کے طور پر قبول کیا جانا چاہیے۔ تاہم اس لمحاتی کیفیت کو اسی دنیاوی زندگی کا عکاس ہونا چاہیے۔ حشر و نشر کے تخیلاتی بیان کو واقعاتی سطح پر بیان کرنے سے گریز لازم ہے۔ ورنہ شاعر خواہ مخواہ دروغ گو قرار پائے گا۔ ایسی باتوں پر عاقبت میں گرفت بھی ہو سکتی ہے۔ درج ذیل اشعار پر ذرا غور فرمائیے:

”دفن کر کے جب مرے احباب آقا ﷺ چل دیئے
آ کے جلوؤں سے لحد کو جگمگایا شکریہ
پیاں ابھی بڑھنے بھی پائی تھی نہ میری حشر میں
جام کوثر تم نے خود آکر پلایا شکریہ
عیب محشر میں کھلا ہی چاہتے تھے میں نثار
ڈھک کے پردہ اپنے دامن میں چھپایا شکریہ
سوئے دوزخ جب ملائک مجھ کو لے کر چل دیئے
میں ترے صدقے مجھے آکر چھڑا یا شکریہ
شکریہ کیوں کر ادا ہو آپ کا یا مصطفیٰ ﷺ
کہ پڑوسی خلد میں اپنا بنایا شکریہ (۲۶)

درج بالا اشعار خالصتاً تصوراتی واقعات پر مبنی ہیں۔ شاعر کا اس دنیا سے رخصت ہو کر لحد میں چلے جانا اور وہاں حضور ﷺ کا جلوہ افروز ہونا۔ شاعر کا یوم حشر حضور اکرم ﷺ کے دستِ مبارک سے کوثر کا پیالہ پینا۔ شاعر کے عیبوں کی حضور ﷺ کے ہاتھوں ستر پوشی ہونا۔ شاعر کے بارے میں دوزخ کا فیصلہ ہو جانا اور حضور اکرم ﷺ کا شاعر کو فرشتوں کے چنگل سے چھڑانا۔ حضور اکرم ﷺ کا شاعر کو اس سخت گھڑی میں سہارا دینا اور جنت میں لے جا کر اپنے پڑوس میں جگہ عطا کرنا..... کیا یہ سب کچھ وقوع پذیر ہو چکا ہے؟..... جواب نفی میں ہی ہوگا!..... پھر ان احوال کو اس طرح بیان کیوں کیا گیا کہ شاعر پر گزرے ہوئے واقعات معلوم ہوں؟..... اس کی وجہ شاعر کی نفسی کیفیت ہے اور کچھ نہیں۔ ہو سکتا ہے شاعر نے کوئی خواب دیکھا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے اور یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ شاعر نے اپنے احوال کا تصوراتی آنکھ سے مشاہدہ کیا ہو!..... بہر کیف، کچھ بھی ہو، بیان میں صداقت کا عنصر قطعی نہیں ہے۔ شاعر ابھی اسی دنیائے

آب و گل میں ہے تب ہی تو شاعری کر رہا ہے..... اور اس دنیا میں یہ تمام احوال پیش آنا ممکن نہیں..... ان تمام اشعار میں کوئی قرینہ نہ تو خواب کا ہے اور نہ ہی شاعر کی تمنا کا اظہار ہوا ہے۔ اگر شاعر اپنی تمنا کا اظہار کرتا تو صیغہ مستقبل میں بات کرتا اور درخواست کرتا ہوا نظر آتا کہ آقا ﷺ! مجھے آپ کی ذات والا صفات سے ایسی ایسی عنایات کی توقع ہے! اے کاش ایسا ہو جائے! اس کے برعکس تمام اشعار میں شاعر حضور ﷺ سے براہ راست مخاطب ہے اور عنایات خسروانہ پر آپ ﷺ کا ”شکریہ“ ادا کر رہا ہے۔ شکریہ نعمتیں حاصل ہو جانے کے بعد ادا کیا جاتا ہے..... اور یہاں یہ تمام نعمتیں ابھی شاعر کو حاصل ہی نہیں ہوئی ہیں..... ایسی صورت میں شاعر نے غیر ارادی طور پر حضور اکرم ﷺ کا شکریہ ادا کر کے اپنے لہجے کو [نعوذ باللہ] طنزیہ بنالیا۔ کیوں کہ زندگی میں پیش آنے والے معاملات میں اکثر و بیشتر اپنی توقعات پوری نہ ہونے پر طنزاً شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ نیتوں کا حال تو اللہ جانتا ہے۔ ہم تو صرف ظاہر پر حکم لگا سکتے ہیں۔ حدیث شریف ہے ”نحن نحکم بالظاهر واللہ یتولی السرائر“ (ہم ظاہر پر حکم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سرائر کا ذمہ دار ہے، یعنی باطن سے اللہ واقف ہے)۔

اس موقع پر ایک بات اور صاف کرتا چلوں۔ بعض لوگ صوفیانہ شطیحات کے اظہار میں بے باک ہوتے ہیں۔ شطیحات کیا ہیں؟ یہ جاننے کے لیے ہم نے سر دلبراں دیکھی تو وہاں لکھا ہے:

”شطیحات: جمع ہے شطح کی۔ یہ وہ کلمات ہیں جو صوفیائے کرام کی زبان سے مستی و شوق و غلبہء حال میں بے اختیار صادر ہو جاتے ہیں۔ جو بظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں مگر باطناً کسی سز کی جانب ان میں اشارہ ہوتا ہے۔ گو ہر شخص ان اشارات کو صحیح طور پر سمجھ نہ سکے۔ اس قسم کے کلمات کے متعلق مشائخین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی روش یہ ہے کہ انھیں نہ رد کرتے ہیں نہ قبول، تا وقتیکہ سمجھ نہ لیں۔“ (۲۷)

شاہ سید محمد ذوقی کی درج بالا عبارت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم شاعر کے اشعار کو نہ تو قبول کرتے اور نہ ہی رد کرنے کی جسارت کرتے..... لیکن یہ معاملہ کائنات کی سب سے سچی اور بعد از خدا بزرگ ہستی جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حوالے سے نہ صرف بیان ہوا تھا بلکہ مشتم بھی ہوا (کسی کتاب کی طباعت کا مرحلہ بقائم ہوش و حواس، ہی پیش آتا ہے) اس لیے ہم پر لازم ہو گیا کہ اس کی طرف کچھ تنقیدی اشارے کر دیں تاکہ کتاب پڑھنے والوں اور عوامی سطح پر ان اشعار کو دہرانے والوں پر حقیقت حال کھل جائے۔ شعراء بھی اپنی شاعری میں ایسی باتوں کے اظہار سے گریز کریں اور نقاد ان فن بھی ایسے معاملات میں چوکے رہیں۔

ایک شاعر نے حضور اکرم ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے غم کی کیفیت کا خیالی بیان شعروں میں ڈھالا ہے اور ان کو دلا سہ دینے کے لیے حضور ﷺ کی صداؤں کا بار بار آنا ذکر کیا ہے۔ ان صداؤں کا سنا جانا ممکن تو تھا لیکن یہ کسی مستند حدیث میں مذکور نہیں۔ ثانیاً ان صداؤں میں جو تمنائیں اظہار پذیر ہوئی ہیں وہ مزاج نبوت سے متصادم ہیں۔ عجیب بات کہ شاعر نے تخیلات کی دنیا سجاتے ہوئے اپنی عاقبت کا بھی خیال نہیں رکھا۔ وہ لکھتا ہے:

”کھا کر پچھاڑیں روتی تھیں زہرا جو زار زار
آتی تھیں مصطفیٰ کی صدا میں یہ بار بار
بٹی! مرے کلیجے کے ٹکڑے، ترے ثار
نورِ نگاہ میرے نواسوں سے ہوشیار
مہلت ملے تو دونوں کی شادی رچائیو
دولہا دلہن کو میری لحد پر بھی لائیو (۲۸)

افسوس! حضور اکرم ﷺ کی امت کے شاعر، مزاج رسالت سے آگاہ نہیں ہو سکے! انہیں نہیں معلوم کہ حضور ﷺ کی زبان حق ترجمان سے ناممکن الوقوع باتوں کا صدور نہیں ہوتا۔ نبی ﷺ کا یہ مقام بھی قطعاً نہیں ہے کہ وہ بہت چھوٹی چھوٹی خواہشات کا اظہار فرمائیں اور وہ بھی کب، جب اس دنیا سے پردہ فرما جائیں! بھلا نختے معصوم بچوں کی شادی کا خیال قرین قیاس ہو سکتا ہے؟ لاریب لہذا بہتان العظیم! اصل حقیقت کیا تھی؟..... حضور اکرم ﷺ نے پردہ فرمانے سے چند یوم قبل حضرت بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو یہ خبر دیدی تھی کہ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی آپ ﷺ سے ملیں گی! انخصائص الکبریٰ میں امام جلال الدین سیوطی نے حدیث بیان کی ہے:

”طبرانی و بیہقی رحمہما اللہ نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے مرض میں بلایا اور ان سے راز کی کچھ دیر باتیں فرمائیں اور وہ رونے لگیں اس کے بعد ان سے کچھ دیر اور راز میں باتیں فرمائیں اور وہ ہنسنے لگیں پھر میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا مجھے پہلی مرتبہ تو یہ خبر دی کہ جبریل علیہ السلام ہر سال ہر رمضان میں ایک مرتبہ قرآن کا دور کراتے تھے اور اس سال انہوں نے دو مرتبہ قرآن کا دور کرایا ہے اور مجھے خبر دی کہ کوئی نبی نہیں ہوا مگر اس کے بعد نبی آیا اور اس نے نصف عمر اس کے ساتھ گزاری اور نصف عمر اس کے بعد گزاری اور فرمایا: اے بیٹی! مسلمان عورتوں میں سے کوئی عورت مصیبت میں تم سے اعظم نہیں ہے تو تم صبر میں

ادنیٰ عورت نہ ہونا۔ اور دوسری مرتبہ جو مجھ سے راز میں گفتگو کی تو اس میں مجھے خبر دی کہ میں آپ کی اہل بیت میں سے سب سے پہلے آپ سے ملوں گی اور فرمایا تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو بجز اس کے جو مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا سے تعلق رکھتی ہو، اس بنا پر میں ہنس پڑی۔“ (۲۹)

اس مستند روایت کی موجودگی میں نہ تو یہ ممکن ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے ایسے بین کیا ہو جیسے شاعر نے لکھا ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی بیاری بیٹی کو اس کے بچوں کی شادی کرنے اور ان کی دلہنوں کو اپنی لحد مبارک پر لانے کی تلقین فرمائی ہو!

بچوں کی شادی کا شوشہ تو خود شاعر نے اپنی ذہنی اختراع سے چھوڑا ہے۔ ورنہ حضور ﷺ نے تو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اولاد کے سن بلوغ کو پہنچنے سے قبل ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دنیا چھوڑ دیں گی اور یقیناً ایسا ہی ہوا۔ حضرت فاطمہ کا وصال ۱۱ھ ہجری میں ہو گیا۔ پھر ایسی خواہشات [بچوں کی شادی] کا اظہار زبان نبوت سے کروانا کس قدر قبیح اور لائق گرفت فعل ہے اس کا اندازہ راخوان فی العلم ہی کو ہو سکتا ہے۔

☆ مسئلہ امتناع نظیر:

امام جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب میں ایک عنوان قائم کیا ہے ”مما اُعلیٰ پر حضور ﷺ کا اسم مبارک“۔ اس عنوان کے تحت ایک طویل حدیث نقل کی ہے۔ ہم وہ حدیث من وعن یہاں پیش کرتے ہیں:

”حاکم، بیہقی اور طبرانی رحمہم اللہ نے ”صغیر“ میں اور ابو نعیم اور ابن عساکر رحمہم اللہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جب خطا سرزد ہو گئی تو انہوں نے التجا کی ”اے رب! بہ حق محمد ﷺ مجھے بخش دے“۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”تم نے محمد ﷺ کو کس طرح جانا؟“ عرض کیا: ”جب تو نے میرے پتلے کو اپنے دست قدرت سے بنایا اور جان آفرینی کی، میں نے سراٹھایا تو دیکھا کہ عرش اعلیٰ کے ستونوں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ تو میں نے جان لیا کہ جس ذات اقدس کا نام نامی تیرے اسم گرامی کے ساتھ مکتوب ہے یقیناً وہ تیری بارگاہ میں دیگر ساری مخلوق سے اعلیٰ و محترم ہوگا“۔ ربّ عظیم نے فرمایا: ”اے آدم! تم نے ٹھیک سمجھا۔ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں نہ تم کو پیدا کرتا نہ کائنات کو“۔ حدیث قدسی ہے۔ اللہ عزّ وجل فرماتا ہے ”لولاک لما خلقت الافلاک“۔ اس حدیث قدسی کے یہی معنی ہیں یعنی یہ تمام کائنات اور عالم اجساد صدقہ ہے وجود باوجود جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا“۔ (۳۰)

گو بعض علماء نے اس ”لولاک“ والی حدیث قدسی پر کلام بھی کیا ہے تاہم نفس مضمون پر بیشتر

کا اتفاق ہے۔ راقم الحروف نے عربی، فارسی اور اردو کے بیشتر شعراء کے ایسے اشعار دیکھے ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ ہی کو حصر کے ساتھ ”وجہ وجود کائنات“ لکھا ہے۔ یہاں موقع نہیں ہے ورنہ ایسے سیکڑوں اشعار نقل کیے جاسکتے ہیں۔ شعراء، ادباء، مغازی نویسوں، سیرت نگاروں اور تاریخ دانوں کے اجماعی مسئلے کو اردو کے ایک شاعر، بیدم وارثی نے صوفیانہ شطح کے تحت ایک شعر لکھ کر متنازعہ بنانے کی ناکام کوشش کی۔ قوالوں نے اس شعر کی تشبیہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ میں نے وہ شعر بیدم وارثی کے دیوان میں نہیں پایا۔ ہو سکتا ہے کسی اور شاعر کا ہو اور بیدم وارثی سے منسوب کر دیا گیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شعر کہہ کر شاعر نے اسے قابل اشاعت نہیں جانا ہو۔ بہر حال وہ شعر منسوب بیدم وارثی ہی سے ہے۔ رشید وارثی نے وہ شعر اپنے مضامین میں نقل کیا ہے۔ شعر ہے:

بیدم یہی تو پانچ ہیں مقصود کائنات
خیر النساء، حسین و حسن، مصطفیٰ علیؐ (۳۱)

اس شعر میں حدیث قدسی کے برعکس حضور اکرم ﷺ کی ذات کے علاوہ چار اور مقدس ہستیوں کو ”مقصود کائنات“ قرار دیا گیا ہے۔ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچ مقدس ہستیوں میں سے ایک تھے اور شعر میں مذکور مقدس ہستیوں میں بھی چوتھے نمبر پر!..... میں اسے ”شرک فی النبوت“ کی مثال قرار دیتا ہوں۔

رشید وارثی نے اپنی کتاب ”اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ“ کے صفحات ۳۴ سے ۳۹ تک اس مسئلے پر اپنا موقف بیان کیا ہے اور اس شعر کی تائید میں بہت کچھ لکھا ہے لیکن اپنی تحریر میں نہ تو مذکورہ بالا مفہوم کی کوئی حدیث ہی پیش کر سکے اور نہ ہی اس شعر سے ملتا جلتا شعر ہی انہیں حوالہ دینے کے لیے میسر آیا۔ حد ہے کہ انہوں نے اپنا بھی کوئی شعر نقل نہیں کیا۔ اس کے برعکس ان کی کتاب میں جا بجا اس حقیقت کا اظہار ہوا ہے کہ ”مقصود کائنات“ صرف اور صرف حضور اکرم ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۴۹ پر وہ لکھتے ہیں:

”باعث تخلیق کائنات، فخر موجودات، مظہر شان کبریا، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

شان اقدس میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے ”انک لعلیٰ خلق عظیم“۔ (۳۲)

اس اقتباس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ رشید وارثی نے بیدم وارثی کے شعر کی تعریف و توصیف میں اور اس کے نفس مضمون کی صحت ظاہر کرنے میں زور قلم صرف تو کر دیا لیکن خود ان کے تحت اشعار میں حقیقت محمدیہ ﷺ ٹھیک ٹھیک بیٹھی ہوئی ہے اسی لیے انہوں نے اپنی کتاب میں مقصود کائنات صرف حضور

علیہ السلام کو جانا اور لکھا ہے۔ لیکن ضد میں اس نظریے کی حمایت میں بیجا دلائل دینے کی کوشش کی۔
 راقم الحروف کو اس شعر پر گفتگو کرتے ہوئے ۱۸۲۰ء میں مولوی اسماعیل دہلوی کی کہی ہوئی
 ایک بات یاد آرہی ہے ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے علامہ اقبال کی کتاب ”جاوید نامہ“ کی شرح میں لکھا ہے:
 ”برصغیر میں انگریزی دور کی چھتری کے تحت بعض ہندوستانی مسلمانوں نے جو طرح طرح کے
 اختلافی مسائل کھڑے کر دیئے تھے ان میں سے ایک یہ مسئلہ رحمۃ اللعالمین بھی تھا اور ایک عالم جن کا
 نام محمد اسماعیل تھا اس مسئلے پر خاص طور پر بحثیں کر رہے تھے وہ چاہتے تھے جس طرح اللہ نے جہان
 پیدا کر سکتا ہے نئے رحمۃ عالم بھی پیدا کر سکتا ہے۔ یہ اس کے لیے مشکل نہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم کی طرح کا اور پیغمبر پیدا کرنا اس کی قدرت میں ہے اس طرح ہر جہان کے لیے ایک
 الگ رحمۃ عالم ہو سکتا ہے۔ جبکہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی جملہ عالموں کی رحمۃ
 قرار دیتا ہے۔ اس لیے کسی اور جہان میں کسی نئے رحمۃ عالم کے وجود کا ہونا ممکن نہیں۔ جہان
 چاہے لاکھوں ہوں رحمۃ عالم سب کے لیے صرف ایک ہی ہے جس کو خود خالق کائنات نے رحمۃ
 للعالمین یعنی جملہ جہانوں کے لیے رحمۃ قرار دیا ہے اور وہ ہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم۔“ (۳۳)

غالب نے بھی مولانا فضل حق خیر آبادی کے اصرار پر ایک مثنوی ”امتناع نظیر“ لکھی
 تھی۔ حالی نے یادگار غالب میں یہ پورا واقعہ بھی درج کیا ہے۔ وہیں غالب کا یہ شعر بھی درج ہے:

”منشأء ایجاد ہر عالم یکلیست
 گردو صد عالم بود خاتم یکلیست“ (۳۴)

راقم الحروف نے بیدم وارثی کے مذکورہ شعر کو مسئلہ امکان نظیر سے جوڑا تو روح کا نپ گئی۔
 حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا اس لیے ”خاتم النبیین“ کا منصب حضور اکرم ﷺ کی ذات والا صفات
 کی یکتائی کا مظہر ہے۔ محولہ حدیث قدسی بھی حضور اکرم ﷺ کی ذات والا صفات ہی کو مقصود کائنات
 ٹھہراتی ہے۔ ان شواہد اور اجماع امت کے تناظر میں بیدم وارثی کا شعر عقیدے کے طور پر قبول کر لینا
 حضور اکرم ﷺ کی یکتائی کے تصور کو مجروح کرنے کے مترادف ہوگا۔ اس لیے اس طرح کے خیالات سے
 شعراء، علماء اور سیرت نگاروں کو اجتناب کرنا چاہیے۔ نقادوں کا بھی فرض ہے کہ اس قسم کے متون کی بنت
 پر شعراء کی اصلاح کی غرض سے گرفت کریں۔

حضور اکرم ﷺ کے اصحاب یا ان کے قرابت داروں کی محبت لاکھ ابھارے، عقیدہ درست رہنا

ضروری ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام کو بڑھا کر اللہ کے مرتبے پر پہنچانا بھی گمراہی ہے اور حضور اکرم ﷺ کے مرتبے کے برابر کسی اور کا مرتبہ ماننا بھی گمراہی ہے۔ نبی کریم کی شانِ یکتائی پر جس بات سے بھی حرف آتا ہو، وہ مرتبہ رسالت کے استخفاف کا باعث ہوگی۔ اس لیے ہر نعت گو شاعر کا فرض ہے کہ ایسے خیالات منظوم کرنے سے اجتناب کرے اور ہر نقاد کا فرض ہے کہ ایسے خیالات جس بیت یا نظم میں نظر آئیں ان پر قرینے سے تنقید کرے۔

☆ الفاظ کے استعمال میں احتیاط کے تقاضے:

الفاظ کے استعمال میں عام بول چال میں بھی بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاعری تو کام ہی الفاظ کے استعمال کا ہے۔ اس لیے اس فن کی آبیاری کے لیے شاعر میں الفاظ کو پرکھنے کی صلاحیت ہونا چاہیے۔ الفاظ تو الفاظ ان کی شعر میں بُت بھی درست ہونا ضروری ہے ورنہ بات کچھ کی کچھ ہونے کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مولوی نجم الغنی رامپوری نے بحر الفصاحت میں لکھا ہے:

”ایک شاعر نے جہانگیر کی مدح میں ایک قصیدہ کہا تھا اور اس نے پڑھنا شروع کیا۔ جیسے ہی کہ پیش

مصرع مطلع کا پڑھا: ع اے تاج دولت بر سر تازا ابتدا انتہا

فرمایا کہ تو عروض جانتا ہے؟ اور شعر کے وزن و تقطیع سے باخبر ہے؟ عرض کیا کہ مجھے یہ چیزیں معلوم نہیں۔ فرمایا کہ اگر عروض دان ہوتا تو تیری گردن مروا دیتا۔ شاعر بیچارہ گھبرا گیا کہ کیا خطا واقع ہوئی۔ مہربانی سے آگے طلب کر کے فرمایا کہ جب اس مصرع کی تقطیع کریں تو اس طرح وزن ہوگا:

اے تاج دو ”مستعلن“، لت بر سر ”مستعلن“، از ابتدا ”مستعلن“، تا انتہا ”مستعلن“۔

”لت بر سر“ بدین اور بد فال ہے۔ شاعر کو ایسی چیزوں سے خبر دار رہنا چاہیے۔“ (۳۵)

جہانگیر بادشاہ کے لیے جو قصیدہ پڑھا گیا تھا اس میں لفظ غلط نہیں تھا صرف یہ عیب تھا کہ تقطیع میں ”لت بر سر“ آتا تھا جس کا مطلب ہے ”تیرے سر پر لات“۔ اس مثال سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شاعری میں نہ صرف لفظوں کا درست استعمال بڑا ضروری ہے بلکہ لفظوں کی ایسی تشکیل سے بھی بچنا ضروری ہے جن کی تقطیع کی جائے تو بات کچھ کی کچھ بن جائے۔

مجھے لفظوں کے غلط استعمال کی بہت سی مثالیں ملی ہیں لیکن ان مثالوں کو جمع کرنے سے مقالہ بیجا طوالت کا شکار ہو جائے گا۔ اس لیے چند باتیں عرض کر کے اس باب کو ختم کرتا ہوں۔

☆ اللہ کے ذاتی نام کے غلط تلفظ کی مثال:

قرر عینی لکھتے ہیں:

”[میں نے] لفظ اللہ کو فعلن کے وزن پر لا نہیں لکھا بلکہ اس میں اللہ کی ہائے ہوز کو واضح طور پر مفعول کے وزن پر باندھا ہے یعنی ع اللہ کو لا نہیں اللہ کہا (۳۶)

مجھے بھی اس بات پر اصرار کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام کو مخفف نہیں کرنا چاہیے، چاہے شعری ضرورت کچھ ہی کیوں نہ ہو، اس فعل قتیج سے بچنا لازمی ہے۔ اللہ کا لفظ پانچ حرفی ہے (بروزن مفعول) اور اس کا ہر لفظ پورا پڑھا جاتا ہے۔ اس لیے اسے کسی طور چار حرفی (بروزن فعلن) بنا کر نہیں لکھنا چاہیے۔

☆ ”کبریا“ کا بے محل استعمال:

کبریا کا لفظ ہمارے ہاں بڑے بڑوں نے ”اللہ“ کے صفاتی نام کے طور پر استعمال کیا ہے۔ شعراء نے کبھی اس طرف دھیان نہیں دیا کہ ”کبریا“ کو پہلے پہل جس نے بھی اللہ کے صفاتی نام کے طور پر استعمال کیا ہوگا اس نے عربی قاعدے سے ناواقفیت کی بنا پر یا اپنے غلط اجتہاد کی بنا پر ایسا کیا ہوگا۔ حالانکہ یہ صرف صفت ہے اسم صفت نہیں ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ صرف دو بار آیا ہے۔ سورہ یونس اور الجاثیہ میں:

۱۔ وَتَكُونُ لَكُمْ اَلْكِبْرِيَا ؕ فِى الْاَرْضِ ط

اور حاصل ہو جائے تم دونوں کو سرداری اس ملک میں۔ (۳۷)

۲۔ وَلَهُ الْكِبْرِيَا ؕ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ص

اور اسی کو سزاوار ہے بڑائی آسمانوں اور زمین میں۔ (۳۸)

قرآن کریم کی درج بالا آیات سے صاف ظاہر ہے کہ کبریا بڑائی کو کہتے ہیں ”بڑے“ کو نہیں۔ اللہ کے لیے ”اکبر“ بھی اسم ذات (اللہ) کے ساتھ کہا جاتا ہے۔

افسوس اس بات کا ہے کہ یہ غلطی اتنی عام ہوئی کہ اردو لغت بورڈ، کراچی، میں بھی ”کبریا“ کے معنی خدا تعالیٰ کے صفاتی نام کے ہی دیئے ہیں۔ حالانکہ اسی لغت میں اس لفظ کے معنی بزرگی، عظمت، شان و شوکت، جاہ و جلال، قدرت اور فضیلت بھی رقم ہیں اور میر کا یہ شعر بھی درج ہے جو اس لفظ کے بالکل درست استعمال کی طرف اشارہ کر رہا ہے:

”میر ناچیز مشہد خاک اللہ

ان نے یہ کبریا کہاں پائی“ (۳۹)

ان حقائق کی روشنی میں ”کبریا“ کو اللہ کے صفاتی نام کے طور پر برتنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔
☆ بیٹھے نبی ﷺ:

ایک صاحب نے بلا سوچے سمجھے حضور اکرم کے لیے بیٹھے نبی ﷺ کی ترکیب استعمال کی۔ بیٹھا، اشیاء کی شیرینی کے لیے تو استعمال ہوتا ہے۔ افراد کے لیے اس کے استعمال میں خوبی کے بجائے ذم کا پہلو ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں لفظ ”راعنا“ کے استعمال کی ممانعت کے ذریعے واضح فرمان جاری کر دیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کیا جائے جو ”ذو معنی“ ہو اور جس میں اچھائی اور برائی کے دونوں معنی پائے جاتے ہوں۔ اس لیے بیٹھے نبی ﷺ کہنا بھی حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کے مترادف ہے۔ پہلے مطلع ملاحظہ فرمائیں:

”عرش علی سے اعلیٰ بیٹھے نبی ﷺ کا روضہ

ہے ہر مکاں سے بالا بیٹھے نبی ﷺ کا روضہ“ (۴۰)

جس نعتیہ غزل کا مطلع اوپر درج کیا گیا ہے اس کے بارہ اشعار ہیں۔ اس طرح ”بیٹھے نبی ﷺ“ کی ترکیب تیرہ مرتبہ دہرائی گئی ہے۔ اب لفظ ”بیٹھے“ کے وہ استعمالات ملاحظہ فرمائیے جو افراد کے لیے ہوں تو کیا معانی دیتے ہیں:

بیٹھا: ۱۔ (کنایہ) وہ شخص جس کی باتیں اور حرکتیں عورتوں کی سی ہوں، زنانہ منتری، زنانہ، زخما، ہیچوا (فرہنگ آصفیہ) ۲۔..... بیٹھا ٹھگ: بیٹھی بیٹھی باتیں بنا کر ٹھگنے والا یار، دغا باز، بددیانت، جھوٹا دوست، بے ایمان دوست؛ ٹھگوں کے اس فرقے کا آدمی جو بیٹھا تیلیا (ایک زہر) کھلا کر مسافروں کو ہلاک کرتا اور لوٹ لیتا ہے، بیٹھے والا (پلیٹس؛ فرہنگ آصفیہ؛ مخزن المجاورات) ۳۔ بیٹھی چھری: ۱۔ (مجازاً) دشمن نما دوست، وہ شخص جو دوستی کے پیرائے میں دشمنی کرے، وہ شخص جو بظاہر دوست اور باطن دشمن ہو، ظاہر میں خوشنما اور اصل میں مضرت رساں۔ (۴۱)

اس میں کچھ شک نہیں کہ ”بیٹھا“ اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو حلیم الطبع، بردبار، دھیمے مزاج کا آدمی ہو اور جسے غصہ نہ آئے..... لیکن یہ بات طے ہے کہ جس لفظ میں برائی کا کوئی پہلو پوشیدہ ہو وہ خیر البشر جناب رسول اللہ، علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے استعمال کرنا بے ادبی اور روح قرآن کے منافی ہے۔ چنانچہ اس لفظ کے استعمال سے از حد گریز کی ضرورت ہے۔

☆ مدینہ منورہ کے لیے یثرب کا استعمال:

حضور اکرم ﷺ کے ورود مسعود سے قبل جو شہر ”یثرب“ کہلاتا تھا وہ آپ ﷺ کی آمد کے بعد ”مدینۃ النبی ﷺ“ ہو گیا۔ اس لیے نعت گو شعراء کے لیے یثرب کا لفظ استعمال کرنا مناسب نہیں۔ پھر اس لفظ کے معانی بھی اچھے نہیں ہیں۔ بعض احادیث میں بھی مدینہ منورہ کو ”یثرب“ کہنے کی ممانعت آئی ہے۔ اس موضوع پر رشید وارثی کی کتاب میں ایک تفصیلی مضمون بعنوان ”مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کی ممانعت“ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ (۴۲)

قرآن کریم میں سورہ احزاب [۳۳] کی آیت نمبر ۱۳ میں لفظ یثرب، منافقین کے قول کے طور پر آیا ہے:

وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ

(اور جب کہ ان (منافقوں) کی ایک پارٹی (یعنی اوس بن قبطی اور اس کے ساتھیوں) نے کہا۔ اے یثرب والو! (یہاں) تمہارے قیام کا کوئی موقع نہیں۔ (۴۳)

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیری حاشیے میں لکھا:

”بغوی نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو یثرب کہنے کی ممانعت فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا: یہ طابہ ہے۔ حضور ﷺ نے مدینہ کو یثرب کہنا اس لیے پسند نہیں فرمایا کیوں کہ یثرب کا لفظ ثَرْبٌ، یَثْرِبُهُ اور ثَرْبٌ، یَثْرِبُهُ اور ثَرْبٌ عَلَیْہِ سے مشتق ہے (یعنی مادہ سب کا ایک ہے لیکن استعمال فَعْلٌ یَفْعَلُ اور تَفْعِيلُ اور افعال سے ہوتا ہے) اور ثرب ہو یا اثرب یا تشریب سب کا معنی ہے ملامت کرنا، عار دلانا، کسی جرم پر ذلیل کرنا اور یثرب اس شخص کو کہتے ہیں جو بخشش میں دراز دست نہ ہو۔ قاموس“۔ (۴۴)

☆ نبی اکرم ﷺ کو شہنشاہ کہنا:

بخاری شریف میں ”باب بغض الاسماء الی اللہ تبارک وتعالیٰ“ کے تحت ایک حدیث آئی ہے: ”قال قال رسول اللہ ﷺ اخنی الاسماء یوم القیمة رجل تسمى ملک الاملاک“ (حضور اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ نام اس شخص کا ہوگا جو ”ملک الاملاک“ کہلاتا ہوگا۔ ملک الاملاک کے معنی ”شاہان شاہ“ لکھے ہیں۔ (۴۵)

☆ اصحاب النبی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے برابر مرتبہ پانے کا بیان:

شاعر کا خود کو کسی طرح بھی نبی ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے برابر سمجھنا یا لکھنا انتہائی بے ادبی ہے۔ صحابیت کا رتبہ جن کے نصیب میں تھا انہیں مل چکا اب کوئی بھی یہ رتبہ نہیں پاسکتا۔ امت کا بڑے سے بڑا ولی بھی یہ دعویٰ کرے تو اسے ہم صرف اور صرف شطیحات کے ذیل میں رکھیں گے۔ مثال کے طور پر ایک شاعر نے کہا:

”قریب حضرت محبوبؐ داور ہوتے جاتے ہیں

بقا اب آپ سلمانؓ والوذّر ہوتے جاتے ہیں“ (۴۶)

اس شعر میں جو دعویٰ ہے وہ روحانی واردات کے لحاظ سے کتنا ہی سچا کیوں نہ ہو، شعر بہر حال مبالغہ آمیز ہی تصور کیا جائے گا اور شاعر کا دعویٰ ہرگز ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ دیگر شعراء کو بھی مشورہ دیا جائے گا کہ اس قسم کے مبالغے سے اجتناب کریں۔ نقادانِ فن بھی ایسے اشعار پر گرفت کریں گے۔

☆ روزِ جزا کی پرسش سے بے خونی:

نبی اکرم ﷺ کی طرف سے روزِ جزا اپنے امتی کی شفاعت کرنے کا معاملہ صدیوں صدیوں اللہ کے ”اذن“ پر منحصر ہے۔ اللہ رب العزت نے خود فرمادیا ہے:

”مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ مَّ بَعْدَ اِذْنِهٖ ط“ (۴۷)

”نہیں ہے کوئی شفاعت کرنے والا مگر بعد اس (اللہ) کی اجازت کے“

ایسی صورت میں کسی شاعر کا یہ کہنا کہ میری شفاعت تو ہو ہی جائے گی اس لیے مجھے روزِ جزا کی پرسش کا کوئی خوف نہیں ہے، بہت بڑی جسارت ہے۔ امید بڑی اچھی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ نے ناامیدی سے منع بھی فرمایا ہے۔ لیکن کسی تصور کو قطعیت کے ساتھ اس طرح شعری بنت میں لانا کہ قیامت سے امت کے گناہگار بے خوف ہو جائیں، قطعی مناسب نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ایک شعر کی تضمین کے تین مصرعے اور وہ شعر، یعنی خمسے کا ایک بند پیش خدمت ہے:

”گنہ کا غم نہیں حافظ، خطا کا غم نہیں حافظ

ہلال اعمالِ بد کی انتہا کا غم نہیں حافظ

یہ دنیا ہو کہ عقبیٰ ہو سزا کا غم نہیں حافظ

مجھے کچھ پرسشِ روزِ جزا کا غم نہیں حافظ

کرم سرکار کا غالب ہے میرے بارِ عصیاں پر“ (۴۸)

☆ شاعرانہ تعلی:

شعری ادب میں شاعرانہ تعلی کا پایا جانا ایک معمول کی بات ہے۔ لیکن نعت میں تعلی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس شعری وادی میں داخل ہونے والوں کو یہاں کے تقدس کا احساس ہوتا ہے یا ہونا چاہیے اس لیے یہاں بڑے بڑے شعراء اپنے اشعار میں عجز کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم نے شاعرانہ عجز کے کچھ نمونے اپنے مقالے میں پیش کر دیئے ہیں اس لیے یہاں ان اشعار کے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ بعض نعت نگاروں سے اس مقدس صنفِ سخن کی تخلیق کے حوالے سے بھی تعلی کے مضامین باندھنے کی جسارت کی ہے۔ اس سلسلے میں اگر اعتدال سے کام لیا جائے تو توفیق مدح مصطفیٰ ﷺ حاصل ہونے پر کچھ فخر کیا جاسکتا ہے، لیکن بعض شعراء کے یہاں تعلی کا ویسا ہی شاعرانہ غزائے پکتا ہے جیسا کہ غالب کے درج ذیل شعر سے مترشح:

”ما نہ بودیم بدیں مرتبہ راضی غالب“

شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فن ما“

(اے غالب، ہم تو اس مقام و مرتبے (شاعر ہونے) پر راضی نہ تھے۔ خود شاعری نے یہ خواہش کی کہ وہ ہمارا فن بن جائے)۔ (۴۹)

رشید وارثی کی کتاب میں ”اردو نعت اور شاعرانہ تعلی“ کے عنوان سے ایک بھرپور مضمون موجود ہے۔ لیکن اس میں انہوں نے شعری مثالیں دیتے ہوئے شعراء کے نام حذف کر دیئے ہیں۔ بہر حال اس موضوع پر ان کی تحریر لائق مطالعہ ہے۔ رشید وارثی نے تخلص حذف کر کے ایک شعر نقل کیا ہے، جسے یہاں مثال کے طور پر مع ان کے تبصرے کے پیش کیا جاتا ہے:

”خود بینی و خود ستائشی انسان کو کس قدر خود فریبی میں مبتلا کر دیتی ہے، اس کا اندازہ تعلی پر مبنی اس شعر سے لگایا جاسکتا ہے:

(تخلص) شرف ملا ہے یہ نعت رسولؐ سے

جس جا ہے ان کا نام، وہیں تیرا نام ہے“ (۵۰)

اعجازِ رحمانی کا ایک شعر ہے:

”کوئی حسانؑ ہے کوئی اعجازؑ ہے

کیسے کیسے ہیں مدحت سرا آپؐ کے“ (۵۱)

اس شعر پر ذرا غور فرمائیے کہ شاعر موصوف نے خود کو صحابی اور شاعر رسول ﷺ، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے برابر ظاہر کر کے یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ کیسے کیسے اچھے، معتبر، بڑے، قادر الکلام اور عظیم شعراء، آپ ﷺ کی مدحت میں مصروف ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی مدح سرائی کی توفیق مل جانا ایک بہت بڑی سعادت ہے لیکن کسی شاعر کو اس دربار میں اس طرح کی تعلی کی جسارت قطعی نہیں کرنی چاہیے۔ شاعر نعتیہ شاعری کر کے پیر و حسان ضرور ہو گیا ہے لیکن حضرت حسانؓ کا ہم مرتبہ نہ ہوا ہے، نہ ہو سکتا ہے۔ اس شعر میں ”آپ ﷺ“ کی ضمیر کو ”مخاطب“ سمجھا جائے تو بات انتہائی درجہ گستاخی آمیز ہو جاتی ہے۔ کیا حضور اکرمؐ اپنی مدح کے سلسلے میں کسی شاعر کے محتاج ہیں؟..... کیا خالق کائنات نے ان کی توصیف قرآن میں کچھ کم بیان کی ہے؟..... کیا حضرت حسانؓ نے کبھی کوئی تعلی آمیز شعر کہا تھا؟..... سارے سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ پھر ایک ادنیٰ شاعر کو ایک عجمی زبان میں کچھ نعتیہ اشعار کہہ لینے پر ایسے ہی بغلیں بجا بی چاہئیں؟..... بہر حال دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ اللہ رب العزت شاعر کو توبہ کی توفیق بخشے (آمین)۔

☆ خلاصہء کلام:

اس مقالے کے کل آٹھ باب ہیں۔ الحمد للہ ان سطور کے ساتھ ہی وہ آٹھ ابواب مکمل ہو گئے! آخری باب میں ہماری کوشش یہ رہی ہے کہ نعتیہ شاعری کی تنقید کے لیے، مقالے کے مندرجات کی روشنی میں، کچھ اصول مرتب کر دیئے جائیں۔ چنانچہ ہم نے مختصراً کچھ اصول بھی لکھ دیئے اور جن باتوں سے نعتیہ شاعری میں معائب پیدا ہوتے ہیں حتیٰ الوسع ان کا بھی احاطہ کرنے کی سعی کی۔ محاسنِ سخن کا تفصیلی ذکر بھی کیا جاسکتا تھا۔ لیکن طوالت سے بچنے کے لیے یہ کام نقادوں پر چھوڑنا پڑا، ورنہ مثالوں ہی سے مقالے کا حجم بہت بڑھ جاتا۔ اچھی شاعری کا آدرش رکھنے والے نقاد، خود ہی محاسنِ سخن کی روشنی میں اشعار کی تحسین کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں معائبِ سخن کی نشاندہی کے لیے جو چند اشارے ہمارے مقالے میں آئے ہیں مستقبل کے نقاد ان باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی آراء کا اظہار کر سکتے ہیں۔ اس مقالے میں شاعری کے عیوب کی صورت حال بھی تکمیلیت کے درجے کی نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ جس طرح سوچنے والے ذہن ان گنت ہیں اور شعراء لا تعداد، اسی طرح کلام میں محاسن پیدا ہونے کے امکانات اور معائب کے در آنے کے احتمالات بھی حد و شمار سے بالا ہیں۔ اس لیے نقاد کو، پیش نظر متن (Text) پر ہر زاویے سے غور کرنا چاہیے۔ تنقیدی دبستانوں میں سے جس تنقیدی دبستان سے بھی نقاد کی ذہنی

مناسبت ہو، اسی دبستان کے اصولوں کو تنقید میں برت سکتا ہے۔ تنقیدی دبستانوں کا تفصیلی ذکر کرنا یہاں ممکن نہیں ہے۔ البتہ ہم نے نقادوں کی تنقیدی آراء کو دبستانوں کی حدود میں رکھ کر دیکھنے کی کوشش ضرور کی ہے۔ ہو سکتا ہے مستقبل میں کوئی باہمت اور باصلاحیت ناقد نعتیہ شعری سرمائے کو مختلف تنقیدی زاویوں سے پرکھنے کا کام زیادہ خوش اسلوبی سے انجام دے سکے!

☆ نقاد کے لیے معروضیت شرط اول ہے:

نقاد کے لیے اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ وہ شاعری پر کھتے ہوئے انتہائی معروضیت (Objectivity) سے کام لے۔ یہ نہ ہو کہ کسی شناسا یا بااثر شاعر کی نعتیہ شاعری اس کو ہر عیب سے پاک نظر آئے اور کسی اور کی شاعری میں اسے صرف کیڑے نظر آئیں۔ اسے تو ہر حال میں کھرے کو کھرا اور کھوٹے کو کھوٹا ہی کہنا پڑے گا۔ نعتیہ شاعری کو اگر قرآن و حدیث، تاریخ و سیر کے مضامین سے مطابقت کی میزان پر تولا جاتا ہے تو یہ پیاناہ ہر شاعر کے لیے استعمال کرنا ہوگا۔ اس ضمن میں کسی بزرگ، کسی ولی اور کسی قطب کی رعایت نہیں کی جائے گی۔ البتہ بعض معاملات کو ”شطحیات“ کے ذیل میں رکھ کر دیگر شعراء کو اس سطح آمیز شاعری کے مافیہ (Content) کو اپنانے سے گریز کی دعوت دی جاسکتی ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ نقاد صرف شعر کے متن (Text) پر بات کرے، شاعر کی ذات پر گفتگو کرنے کا اسے قطعی حق نہیں ہے، نہ محاسن شخصیت بیان کرنے کی غرض سے، نہ عیب چینی کے خیال سے۔

☆☆☆

باب ہشتم:

ماخذ و منابع:

۱۔ Kalim-ud-din Ahmad, The Meaning of Criticism, (National Book

Foundation, Islamabad, First Edition 198,) page 21.

۲۔ Ibid Page 11 ۳۔ حرف حرف خوشبو، ص ۱۸ ۴۔ روشنی ہی روشنی، ص ۲۳

۵۔ کلیات میر تقی میر

۶۔ ریاض مجید، ڈاکٹر، نعت..... ”موضوع محض“ سے ”معجزہ فن“ تک، بشمول نعت رنگ ۲۲، کراچی، ستمبر ۲۰۱۱، ص ۱۱ ۷۔ امام حاکم

، المستدرک، ج اول، ص ۱۱۵..... ابن ماجہ حدیث نمبر: ۳۹۳۹، ج ۲، ص ۵۶۰

- ۸۔ القرآن ۲: ۴۹ ۹۔ رزی جے پوری، جواہر النعت، (فیڈرل بی ایریا، کراچی) ۱۹۸۱ء، ص ۶۲
- ۱۰۔ حبیب الرحمن صدیقی، علامہ، کاندھلوی، ”مدنی داستانیں اور ان کی حقیقت، حصہ اول“، (الطین پبلشنگ ٹرسٹ، مکان نمبر ۳۔ ۷۔ اے، بلاک نمبر ۱، ناظم آباد، کراچی) س۔ ن۔ ص ۲۲۳
- ۱۱۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ اللعالمین ﷺ، ج دوم، (مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار لاہور) جون ۲۰۰۶ء، ص ۹۵ ۱۲۔ القرآن ۱۷: ۱۷
- ۱۳۔ القرآن النجم آیات ۱۶ تا ۱۸
- ۱۴۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، ج پنجم، ۲۵
- ۱۵۔ ہلال جعفری، کنگول ہلال، (بزم شعر و ادب، اسلام آباد)، ستمبر ۲۰۰۰ء، ص ۲۴۰ ۱۶۔ ایضاً ص ۲۳۸
- ۱۷۔ قمر عینی، ولایۃ رسول ﷺ، (کتاب ساز پبلی کیشنز، روالپنڈی کینٹ) اشاعت اول رجب المرجب ۱۴۲۳ھ، ص ۸۹
- ۱۸۔ بقا نظامی عظیم آبادی، شہر جبرئیل، (مطب المرکز شفا، فیڈرل بی ایریا، کراچی) جنوری ۱۹۹۲ء، ص ۱۰۹
- ۱۹۔ القرآن ۶: ۴۱ ۲۰۔ احادیث قدسیہ، مکتبہ رحمانیہ (اردو بازار، لاہور) س۔ ن۔ ص ۱۴
- ۲۱۔ ظہور الحسنین شاہ، سید، طاہر یوسفی تاجی، (ناشر محمد سعید خاں نور بھائی جعفر بھائی، مشن روڈ، کراچی) ۱۹۶۲ء، ص ۵۱..... ذوقی، سر دلبراس، (نارتھ ناظم آباد، کراچی) ص ۳۶۰ ۲۲۔ شہر جبرئیل، ص ۸۴
- ۲۳۔ جلال الدین سیوطی، امام، الخصاص الکبریٰ فی معجزات الوری، ج اول (مکتبہ اعلیٰ حضرت، دربار مارکیٹ، لاہور) ۲۰۰۶ء، ص ۱۸۰
- ۲۴۔ غوث تھراوی، بلاوہ، (ڈیفینس اتھارٹی فیئر فائیو، ایکس ٹینشن، کراچی) نومبر ۱۹۹۲ء، ص ۵۵
- ۲۵۔ عندلیب شادانی، ڈاکٹر، دو حاضر اور غزل گوئی، (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور) ۱۹۵۱ء، ص ۷۹
- ۲۶۔ عطار محمد الیاس، مغیلاں مدینہ، (مکتبہ المدینہ، شہید مسجد، کھارادر، کراچی) س۔ ن۔ ص ۴۱
- ۲۷۔ شاہ محمد ذوقی، سر دلبراس، (محفل ذوقیہ، نارتھ کراچی) طبع پنجم ۱۴۱۸ھ، ص ۲۳۲
- ۲۸۔ نسیم امر وہوی، مسدس نسیم شتمل بر نعت و رحلت رسول کریم، (ناشر سید علی امر وہوی، فیڈرل بی ایریا، کراچی) س۔ ن۔ ص ۸۷
- ۲۹۔ الخصاص الکبریٰ، ج دوم، ص ۵۸۶ ۳۰۔ ایضاً ج اول ص ۵۱
- ۳۱۔ رشید وارثی، اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، شریعت اسلامیہ کے تناظر میں، (نعت ریسرچ سینٹر، کراچی) اپریل ۲۰۱۰ء، ص ۳۱۱
- ۳۲۔ ایضاً ص ۴۹ ۳۳۔ نسیم، ڈاکٹر، شرح جاوید نامہ، (شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور) س۔ ن۔ ص ۱۷۷
- ۳۴۔ حالی، مولانا الطاف حسین، یادگار غالب، (خزینہ علم و ادب، اردو بازار، لاہور) ۲۰۰۲ء، ص ۸۰
- ۳۵۔ نجم الغنی رامپوری، مولوی، بحر الفصاحت، حصہ دوم، (مجلس ترقی ادب، لاہور) طبع دوم دسمبر ۲۰۰۶ء، ص ۸۵
- ۳۶۔ قمر عینی، ولایۃ رسول ﷺ، ص ۲۴ ۳۷۔ القرآن ۸: ۱۰ ۳۸۔ القرآن ۳۷: ۳۵
- ۳۹۔ اردو لغت، (اردو لغت بورڈ، کراچی) ۴۰۔ مغیلاں مدینہ، ص ۳۵
- ۴۱۔ اردو لغت ۴۲۔ اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۲۱۷ ۴۳۔ القرآن ۱۳: ۳۳ ۴۴۔ تفسیر مظہری، جلد پنجم، ص ۲۲۵
- ۴۵۔ صحیح بخاری ۴۶۔ شہر جبرئیل، ص ۱۲۵ ۴۷۔ القرآن ۳: ۱۰ ۴۸۔ کنگول ہلال، ص ۲۳۱
- ۴۹۔ غالب، کلیات غالب (فارسی) مع شرح، (مکتبہ دانیال، لاہور) ۲۰۰۴ء، ص ۲۳ ۵۰۔ اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۲۵۶
- ۵۱۔ اعجاز رحمانی، چراغ مدحت، (قومی ادبی سوسائٹی پاکستان، کراچی، نارتھ کراچی) ۱۹۹۶ء، ص ۱۱۸ ☆☆☆☆☆

کتابیات:

☆ القرآن الکریم

☆ تراجم و تفاسیر:

الف:

۱۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ، تفسیر ابن عباس، جلد دوم، مترجم: مولانا شاہ محمد عبدالمتقندر قادری بدایونی، فریدک شال، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۵ء

۲۔ ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ج: سوم، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور

۳۔ جلد: پنجم

۴۔ امیر محمد اکرم اعوان، اسرار التریل، ادارہ نقشبندیہ اویسیہ، دارالعرفان، منارہ، ضلع: چکوال

ث:

۵۔ ثناء اللہ، قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی، تفسیر مظہری، جلد: ۸، خزینہ علم و ادب، اردو بازار، لاہور،

۶۔ جلد: ۹

ر:

۸۔ رضا، احمد رضا خاں بریلوی، ترجمہ قرآن: کنز الایمان، تفسیر: نورالعرفان، مفتی احمد یار خاں نعیمی، پیر بھائی کپنی، اردو بازار، لاہور

۹۔، ترجمہ قرآن، کنز الایمان، تفسیر: مولانا مولوی سید محمد نعیم الدین، مراد آبادی

س:

۱۰۔ سیما اکبر آبادی، وحی منظوم (منظوم ترجمہ قرآن)، سیما اکاڈمی پاکستان، ناتھ کراچی، کراچی

ش:

۱۱۔ شبیر احمد عثمانی، مولانا، تفسیر عثمانی، سعودی عرب

۱۲۔ شبیر احمد، مولانا سید، ترجمہ قرآن، قرآن آسان تحریک، لاہور

۱۳۔ شفیع، مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد: ۳، ادارۃ المعارف، کراچی

ف:

۱۴۔ فواد عبدالباقی، محمد، المعجم المفہر س، لالفاظ القرآن الکریم، بیروت

ک:

۱۵۔ کرم شاہ، پیر محمد کرم شاہ، الازہری، ضیاء القرآن، جلد: ۳، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

م:

۱۸۔ محمد جونا گڑھی، مولانا، ترجمہ قرآن، تفسیر احسن البیان (اردو) حافظ صلاح الدین یوسف، دارالسلام، ریاض،

سعودی عرب

☆ کتب احادیث:

الف:

۱۹۔ ابن ماجہ جلد دوم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

۱۹ (الف)۔ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، جلد: ۲ بخاری شریف، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

۲۰۔.....جلد: ۳

۲۱۔ ابوعبسی، امام ابوعبسی محمد بن عبید بن عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی شریف، جلد: ۲، مترجم: مولانا ظفر الدین، مکتبہ العلم،

اردو بازار، لاہور

۲۲۔ احسن احمد بن میجر عبد الشکور، مولانا، احادیث قدسیہ، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

ح:

۲۳۔ حاکم، امام حاکم، المستدرک، جلد اول

و:

۲۴۔ ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری، امام، مشکوٰۃ شریف، جلد: ۲، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

☆ عام کتب

الف:

۲۵۔ ابرار کرپوری، ورفنا لک ذکرک، مرکز علم و دانش، نئی دہلی، بھارت، س۔ن

۲۶۔ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، مترجم مولانا راغب رحمانی، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، طبع یازدہم،

دسمبر ۲۰۰۱ء

۲۷۔ ابوالحسن محمد منظور فیضی، مقام رسول ﷺ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اکتوبر ۲۰۱۰ء

۲۸۔ ابوالعجاز حفیظ صدیقی، ڈاکٹر آفتاب احمد خاں، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد،

۱۹۸۵ء

۲۹۔ ابوالکلام قاسمی، مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایت، ایجوکیشنل بک ہاؤس، مسلم یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ،

۱۹۹۲ء

۳۰۔ ابوالیث صدیقی، ڈاکٹر، لکھنؤ کا دبستان شاعری، غنفر اکیڈمی پاکستان، اردو بازار، کراچی، طبع ثانی: ۱۹۸۷ء

۳۱۔ اختشام حسین، سید، تنقیدی نظریات، لکھنؤ یونیورسٹی، بھارت، س۔ن

- ۳۲۔ اختر بجنوری، مضرب جاں، مکتبہ مظہر فروغ ادب، فیڈرل بی ایریا، کراچی، ۱۹۸۶ء
- ۳۳۔ اختر عالم، سید، حقیقت محمدیہ ﷺ، ملیز تو سیتی کا لونی، کراچی، ۱۹۷۶ء
- ۳۴۔ اختر لکھنوی، سرکار ﷺ، قلم نشاں پاکستان، اورنگی ٹاؤن، کراچی، ۱۹۹۵ء
- ۳۵۔ اختر، محمد مسعود، صلوا علی الحبیب ﷺ، مخزنِ حمد و نعت، آئیڈیل ٹاؤن، سرگودھا روڈ، فیصل آباد، باراول: فروری ۲۰۰۹ء/۱۴۳۰ھ
- ۳۶۔ ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، شرح جاوید نامہ، (شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور)، س۔ ن
- ۳۷۔ ادیب رائے پوری، نعتیہ ادب میں تنقید و مشکلات تنقید، مدحت پبلیشرز، کراچی، ۱۹۹۹ء
- ۳۸۔ ادیب، ڈاکٹر سید لطیف حسین، تذکرہ نعت گویان بریلی، ۷۳۔ پھول والان بریلی (بھارت)، بار اول: ۱۹۸۶ء
- ۳۹۔ ارشاد علی خاں، پروفیسر، جدید اصول تنقید، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۰ء
- ۴۰۔ ارم سلیم، اردو میں مقدمہ نگاری کی روایت، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء
- ۴۱۔ اسحاق، قاری محمد اسحاق ملتانی، مستند نعتیہ کلام، ادارہ تالیفات اشرفیہ، چوک فوارہ، ملتان، محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
- ۴۲۔ اسحاق قریشی، ڈاکٹر پروفیسر محمد اسحاق قریشی، برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری، مرکز معارف اولیاء، محکمہ اوقاف، حکومت پنجاب، شوال: ۱۴۲۳ھ، ۲۰۰۲ء
- ۴۳۔ اسماعیل انیس، چراغ عالمیں، مکتبہ شہزاد اقبال، لائڈھی ٹاؤن، کراچی، ۱۹۸۵ء
- ۴۴۔ اسماعیل میرٹھی، کلیات اسماعیل میرٹھی، مرتبہ: محمد اسلم سیفی، مکتبہ عالیہ، لاہور، طبع دوم: ۱۹۹۳ء
- ۴۵۔ اشفاق، ڈاکٹر سید رفیع الدین، اردو میں نعتیہ شاعری، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، اکتوبر ۱۹۷۶ء
- ۴۶۔ اظہر کمال، محمد اظہر کمال، حرف عقیدت، جہانگیر بک ڈپو، لاہور، س۔ ن
- ۴۷۔ اعجاز رحمانی، آسمان رحمت، کل پاکستان حلقہ ادب، گلشن اقبال، کراچی، ۲۰۰۵ء
- ۴۸۔، چراغ مدحت، قومی ادبی سوسائٹی پاکستان، کراچی، نارتھ کراچی، ۱۹۹۶ء
- ۴۹۔ اعظم چشتی، نیر اعظم، مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء
- ۵۰۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، کلیات حالی، شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی، ج: اول، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۸ء
- ۵۱۔ افر صدیقی امر و ہوی، سرمایہ تغزل، صوفی عبدالرشید، نیو کراچی، کراچی، ۱۹۸۳ء
- ۵۲۔ افضال احمد انور، ڈاکٹر، اردو نعت کا ہمیشی مطالعہ (مقالہ پی۔ ایچ۔ ڈی)، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، تکمیل: ۲۰۰۷ء (غیر مطبوعہ مخزن نعت ریسرچ سینٹر، کراچی)
- ۵۳۔ اقبال، ڈاکٹر علامہ شیخ محمد اقبال، جاوید نامہ، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، اردو بازار، لاہور، س۔ ن

۵۴۔ اقبال جاوید، پروفیسر، نعت میں کیسے کہوں، نعت ریسرچ سینٹر، بی۔اے، سیکٹر ۱۱۔ ۱، ناتھ کراچی، کراچی، جنوری ۲۰۰۹ء

۵۵۔..... مخزن نعت، علمی کتاب خانہ، کبیر سٹریٹ، اردو بازار،

لاہور، ۱۹۷۹ء

۵۶۔..... تیرا وجود الکتب، ۸۸، سٹیلا سٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ، ۲۰۰۱ء

۵۷۔ اقبال عظیم، زبور حرم، نعت ریسرچ سینٹر، ناتھ کراچی، کراچی، اشاعت دوم: ۲۰۱۰ء

۵۸۔ اکرم رضا، پروفیسر محمد اکرم رضا، قافلہ شوق کے مسافر، فروغ ادب اکادمی، ۸۸۔ بی سٹیلا سٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ، ۲۰۰۷ء

۵۹۔..... تاجدار ملک سخن، المدینہ دار الاشاعت، لاہور، س۔ن

۶۰۔ امیر حسنین جلیسی، بت خانہ شکستہ من، ادبی معیار پبلی کیشنز، صدر کراچی، اشاعت اول: جنوری ۱۹۸۳ء

۶۱۔ امیر کیکاؤس بن سکندر بن قابوس، قابوس نامہ، مترجم میاں محمد افضل، شاہکار بک نمبر ۷۴، لاہور، س۔ن

۶۲۔ امین راحت چغتائی، محراب توحید، بک سینٹر، راولپنڈی، طبع دوم: ۲۰۰۹ء

۶۳۔..... رِعل، بک سینٹر، حیدر روڈ، راولپنڈی کینٹ، طبع اول: ۲۰۰۶ء

۶۴۔ ایاز صدیقی، ثنائے محمد ﷺ، گلکشت، ملتان، اشاعت ثانی: ۲۰۰۰ء

۶۵۔ این میری شمل، شہپر جریل، مترجم: ڈاکٹر محمد ریاض، گلاب پبلیشرز، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۷ء

الف ممدودہ:

۶۶۔ آرزو نصیر آرزو، نو حرا، پاکستان رائٹرز فیڈریشن، کراچی، س۔ن

۶۷۔..... شہر یار آرزو، ویکم بک پورٹ، اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۸ء

۶۸۔ آزاد، محمد حسین، آب حیات، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، اردو بازار، لاہور، س۔ن

۶۹۔ آزاد، مولانا مولوی محمد نعیم الحق، حیات الشعراء، بلدیہ میر پور خاص، باراول ۱۹۶۹ء

۷۰۔ آصف بشیر چشتی، شہر نعت، فیصل آباد ڈویژن کے شعراء کرام کی نعتوں کا انتخاب، مجلس معین ادب، چشتیہ دربار، فیصل آباد، س۔ن

۷۱۔..... خلد نعت، اکائی، امین پور بازار، فیصل آباد، ۲۰۰۹ء

۷۲۔ آفتاب کرمی، قاب قوسین، اقلیم نعت، کراچی، ۲۰۰۵ء

۷۳۔ آفتاب کرمی، ممدوح خلایق، اقلیم نعت، کراچی، ۲۰۰۸ء

۷۴۔ آلوسی، محمود شکر آلوسی، بلوغ الارب، ج: چہارم، ترجمہ: پیر محمد حسن، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، باراول: مارچ،

۱۹۶۸ء

ب:

- ۷۵۔ بخارعلیگ، ع۔ ع۔ سوع ادب فی حسن ادب، تعمیر ادب، النور سوسائٹی، منصورہ گلستان، مصطفیٰ، کراچی، ۱۹۸۵ء
 ۷۶۔ بقا نظامی عظیم آبادی، شہپر جریل، مطب المرکز شفا، فیڈرل بی ایریا، کراچی، ۵ جنوری ۱۹۹۲ء
 ۷۷۔ بیدم وارثی، دیوان بیدم، علی جویری پبلیشرز، لاہور، ۱۹۹۳ء

ت:

- ۷۸۔ تابش دہلوی، تقدیس، ادب گاہ، ناظم آباد، کراچی، ۱۹۸۵ء
 ۷۹۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر، جتو، یونیورسٹی بکس، اردو بازار، لاہور، بار دوم: ۱۹۸۷ء
 ۸۰۔ تعظیم علی نقوی، سید، شایاں بریلوی، تاریخ شعرائے روہیلکھنڈ، نارتھ ناظم آباد، کراچی، جلد اول، ۱۹۹۱ء
 ۸۱۔ تنویر پھول، انوار حرا، عرفان فاؤنڈیشن پاکستان، کشن فاروق، نارتھ کراچی، کراچی، ۱۹۹۷ء

ج:

- ۸۲۔ جاذب تفریشی، نعت کے جدید رنگ، بھوپال انٹرنیشنل فورم، کراچی، س۔ ن
 ۸۳۔ جعفر بلوچ، بیعت، الفیصل اردو بازار، لاہور، اشاعت دوم: ۲۰۰۱ء
 ۸۴۔ جلال الدین سیوطی شافعی، امام، الخصائص الکبریٰ فی معجزات خیرالوری، مترجم: غلام معین الدین نعیمی، مکتبہ اعلیٰ حضرت، دربار مارکیٹ، لاہور، بار سوم: جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ، ۲۰۰۶ء
 ۸۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ارسطو سے ایلٹ تک، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، طبع سوم: ۱۹۸۵ء
 ۸۶۔ تاریخ ادب اردو، مجلس ترقی ادب، لاہور، ج سوم، طباعت دوم: اپریل ۲۰۰۸ء
 ۸۷۔ جمیل نظر، ایقان، جمیل نظر فاؤنڈیشن، ایف بی ایریا، کراچی، ۱۹۹۴ء
 ۸۸۔ مقدمہء سحر و سحر (قارئین ادب کی عدالت میں)، شیوا اکیڈمی، کراچی، س۔ ن
 ۸۹۔ جمیل نقوی، ارمغان جمیل، الیٹ پبلیشرز لمیٹڈ، سائٹ، کراچی، ۱۴۰۵ھ
 ۹۰۔ جیلانی کامران، تنقید کا نیا پس منظر، مکتبہ عالیہ، اردو بازار، لاہور، س۔ ن

ح:

- ۹۱۔ حافظ عبدالغفار حافظ، ارمغان حافظ، قلم نعت، کراچی، اشاعت ثانی
 ۲۰۰۲ء
 ۹۲۔ حافظ لدھیانوی، نشید حضوری، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۱۴۰۰ھ
 ۹۳۔ حالی، خواجہ الطاف حسین، مقدمہء شعر و شاعری، کتب خانہ کتب خانہ علم و ادب، دہلی، بھارت، س۔ ن
 ۹۴۔ یادگار غالب، خزینہء علم و ادب، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۲ء
 ۹۵۔ حامد امرہوی، جو بنابر بخشش، محلہ سادو، امرہ، بھارت، اشاعت ثانی ۲۰۰۴ء
 ۹۶۔ حبیب الرحمن صدیقی، علامہ، کاندھلوی، ”مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت، حصہ اول“، (الرحمن پبلشنگ

- ٹرسٹ، مکان نمبر ۳-۷-۷۰، بلاک نمبر ۱، ناظم آباد، کراچی) س۔ن
- ۹۷۔ حسرت موہانی، تذکرۃ الشعراء، مرتبہ: شفقت رضوی، ادارہ یادگار غالب، ناظم آباد، کراچی، ۱۹۹۹ء
- ۹۸۔ حسرت کاس گنجوی، ڈاکٹر، جادہ رحمت کا مسافر (صہیح رحمانی کی نعتیہ شاعری پر تنقیدی مضامین کا مجموعہ) آفتاب ایڈمی، کراچی، ۲۰۰۱ء
- ۹۹۔ حسن زیدی، محمد، کیف دوام، منزل پبلیکیشنز، اسلام آباد،
- ۱۰۰۔ حسن عسکری، محمد، مجموعہ حسن عسکری، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۹۴ء
- ۱۰۱۔ حفیظ تائب، طاق حرم، القمر انٹر پرائزز، اردو بازار، لاہور، س۔ن
- ۱۰۲۔ حفیظ تائب، وہی لیس وہی طہ، القمر انٹر پرائزز، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۸ء
- ۱۰۳۔، کلیات حفیظ تائب، القمر انٹر پرائزز، اردو بازار، لاہور، س۔ن
- ۱۰۴۔ حلیم، عبدالعلیم ندوی، عربی ادب کی تاریخ، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور، طبع اول ۱۹۸۸ء،
- ۱۰۵۔ حمید، سید حمید الدین، احمد، گلہائے عقیدت، اقلیم نعت، کراچی، اشاعت ثانی، ۲۰۰۱ء
- ۱۰۶۔ حنیف اسعدی، آپ ﷺ، اقلیم نعت، کراچی، ۱۹۹۶ء
- ۱۰۷۔ حسنی، عبدالحی، مولانا حکیم سید گل رعنا، تذکرہ شعرائے اردو، مطبع معارف اعظم گڑھ، طبع چہارم، ۱۳۷۰ھ
- ۱۰۸۔ حیات، محمد حیات چغتائی، فن نعت کی نئی جہات (ڈاکٹر طاہر تونسوی کے تنقیدی مضامین کا انتخاب)، مکتبہ الہام بہاولپور، ۲۰۰۶ء
- ۱۰۹۔ حیرت الہ آبادی، منارہ نور، بزمِ عبرت، فیڈرل بی ایریا، کراچی، ۱۹۸۹ء
- خ:
- ۱۱۰۔ خادمی اجیری، نور و نکلت، بزمِ فروغ ادب، حیدر آباد، ۱۹۸۵ء
- ۱۱۱۔ خاطر غزنوی، سلسلہ انوار کا، سنڈیکیٹ آف راکٹرز، پشاور، ۱۹۹۶ء
- ۱۱۲۔ خاکی، عبدالعزیز خاکی، ذکرِ صلے علی، تنظیم استیقام نعت، کراچی، جولائی ۱۹۹۳ء
- ۱۱۳۔ خالد، عبدالعزیز خالد، مٹھنا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، طبع دوم: ۱۹۷۵ء
- ۱۱۴۔ خاور قریشی، دیوارِ شب، بزمِ قومی ادبیات (بقا) معلم آباد، کراچی، ۱۹۹۸ء
- ذ:
- ۱۱۵۔ ذوقی، شاہ سید محمد ذوقی، سرِ دلہاں، محفلِ ذوقیہ، نارتھ کراچی، کراچی، طبع پنجم: ۱۴۱۸ھ
- ر:
- ۱۱۶۔ رشید حسن خاں، انتخابِ کلامِ ناسخ، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، پہلی اشاعت ۱۹۹۶ء
- ۱۱۷۔ رشید، عبدالرشید فاضل، پروفیسر، سلسلہ درسیات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۱۶، میکوڈ روڈ، لاہور، طبع ثانی ۱۹۹۰ء

- ۱۱۸۔ رشید محمود، راجا، شاعران نعت، مدنی گرافکس، نیواناکلی، لاہور، اشاعت اول: ۲۰۰۲ء
- ۱۱۹۔، حدیث شوق، بازار حج محمد لطیف، اندرون نکسالی گیٹ، لاہور، اشاعت دوم: ۱۹۸۶ء
- ۱۲۰۔، نعت کائنات، جنگ پبلیشرز، لاہور، اشاعت اول: ۱۹۹۳ء
- ۱۲۱۔ رشید وارثی، اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، شریعت اسلامیہ کے تناظر میں، (نعت ریسرچ سینٹر، کراچی) اپریل ۲۰۱۰ء
- ۱۲۲۔ رضا، احمد رضا خاں بریلوی، حداائق بخشش، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، س۔ن
- ۱۲۳۔ رئیس احمد نعمانی، فروغ نوا، مجلس مطالعات فارسی، علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۲۰ء، اشاعت اول: ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء
- ۱۲۴۔ ریاض حسین چودھری، کنکول آرزو، القمر انٹر پرائزز، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۲ء
- ۱۲۵۔ ریاض مجید، ڈاکٹر، اردو میں نعت گوئی، اقبال اکادمی، لاہور، بار اول: ۱۹۹۰ء
- س:
- ۱۲۶۔ ساجد رضوی، نکس خورشید، لطیف آباد، حیدر آباد، ۱۹۹۰ء
- ۱۲۷۔ ساجد امجد، ڈاکٹر، اردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات، غففر اکیڈمی پاکستان، اردو بازار، کراچی، ۱۹۸۹ء
- ۱۲۸۔ سبطین شاہجہانی، شاہ محمد سبطین، قلم انوار، حلقہ جعفری رحمانی چشتی صابری، پاکستان، اسلام آباد، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء
- ۱۲۹۔ سجاد باقر رضوی، تہذیب و تخلیق، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اول جون ۱۹۸۷ء
- ۱۳۰۔ سجاد بخٹ، حاضری و حضوری، ادارہ فکر نو، اورنگی ٹاؤن، کراچی، ۲۰۰۸ء
- ۱۳۱۔ سجاد، سید، آب حیات کا تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ، نئی مطبوعات، ۹۔ سرکل روڈ، لاہور۔ بار اول: مارچ ۱۹۶۶ء
- ۱۳۲۔ سراج احمد بستوی، ڈاکٹر، مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری، کانپور یونیورسٹی، کانپور، بھارت، ۱۹۹۷ء
- ۱۳۳۔ سراج احمد قادری، ڈاکٹر، شنائم النعت، ادب کدہ محلہ بنجر یا پچھی، خلیل آباد، صلح سنت کبیر نگر، بھارت، اشاعت اول: جنوری ۲۰۰۹ء
- ۱۳۴۔ سرشار صدیقی، اساس، اثاثہ ناشرین ادب، کوئٹہ، ۱۹۹۰ء
- ۱۳۵۔ سرو سہارن پوری، زخمہ دل، القمر انٹر پرائزز، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۵ء
- ۱۳۶۔ سعدی، شیخ سعدی شیرازی، بوستان، مترجم: مولانا قاضی سجاد حسین، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س۔ن
- ۱۳۷۔ سعید وارثی، ورثہ، بزم وارث، شاہ فیصل کالونی، کراچی، ۱۹۸۷ء
- ۱۳۸۔ سلام، عبدالسلام ندی، شعر الہند، حصہ دوم، مطبع معارف اعظم گڑھ (بھارت) طبع چہارم: ۱۹۴۹ء

- ۱۳۹۔ سلیمان منصور پوری، قاضی محمد، رحمۃ اللعالمین رحمۃ اللہ علیہ، ج دوم، (مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار لاہور) جون ۲۰۰۶ء
 ۱۴۰۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی دبستان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۳۰
 ۱۴۱۔ سہیل غازی پوری، حمد و نعت، شعری دائرہ، فیڈرل بی ایریا، کراچی، ۲۰۰۰ء
 ۱۴۲۔ سیما اکبر آبادی، سائز حجاز، سیما اکائیڈمی، ناظم آباد، کراچی، ۱۹۸۲ء
 ش:

- ۱۴۳۔ شاہ حاتم، حیات و کلام، ذوالفقار، غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، یونیورسٹی اور نیٹل کالج، لاہور، ۱۹۶۴ء
 ۱۴۴۔ شاہ نصیر، مترتبہ: ڈاکٹر تنویر احمد علوی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۱ء
 ۱۴۵۔ شاہین، پروفیسر عبداللہ شاہین، نعت گوئی اور اس کے ادب، دارالسلام، ۳۶ لوئر مال، لاہور، س۔ن
 ۱۴۶۔ شبلی نعمانی، مولانا، شعرانجم، حصہ اول، ملک نذیر احمد، تاج بک ڈپو، اردو بازار، لاہور، س۔ن
 ۱۴۷۔ شفقت رضوی، پروفیسر، نعت رنگ کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ، مہرمنیر اکائیڈمی، کراچی، ۲۰۰۴ء
 ۱۴۸۔، اردو میں نعت گوئی، چند گوشے، جہان حمد پبلی کیشنز، لیاقت آباد، کراچی، ۲۰۰۲ء
 ۱۴۹۔ شفیق اختر، حمد و نعت، حقیقت کے آئینے میں، لٹریچر کونسل پاک شیخ اسکول اینڈ کالج، دوحہ قطر، اشاعت دوم: ہندوستان، ممبئی، ۲۰۰۵ء
 ۱۵۰۔ شفیق بریلوی، ارمغان نعت، مرکز علوم اسلامیہ، گارڈن، کراچی، (نقشِ ثانیہ ترتیب نو: ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء
 ۱۵۱۔ شوق، مرزا شوق لکھنوی، مثنویات شوق، مرتبہ: رشید حسن خاں، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۹۹ء
 ۱۵۲۔ شوکت زریں چغتائی، ڈاکٹر، اردو نعت کے جدید رجحانات، بزمِ تخلیق ادب پاکستان، کراچی، 75300، اشاعت: ۲۰۱۰ء

- ۱۵۳۔ شہزاد مجیدی، تحیت، دارالخلاص، لاہور، ۱۴۳۱ھ
 ۱۵۴۔ شہزاد جیلپوری، زادِ راہ، راشد عزیز، بفرزون، کراچی، ۱۹۸۵ء
 ۱۵۵۔ شیفتہ، نواب مصطفیٰ خاں، گلشن بے خار، مرتبہ کلب علی خاں فائق، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول ۱۹۷۳ء
 ص:

- ۱۵۶۔ صابر دہلوی، مرزا قادر بخش، تذکرہ گلستانِ سخن، ج: اول، مرتبہ: خلیل الرحمان داؤدی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۶ء
 ۱۵۷۔ صلیح الدین رحمانی، سید، غالب اور ثنائے خواجہ رحمۃ اللہ علیہ، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی،
 ۱۵۸۔، نعت نگر کا باسی، (ڈاکٹر سید ابوالخیر کشتی کی نعت گوئی و نعت شناسی کا ایک جائزہ)، اقلیم
 نعت، کراچی، ۲۰۰۸ء
 ۱۵۹۔، چادہ رحمت، ممتاز پبلیشرز، کراچی، بار اول، ۱۹۹۳ء
 ۱۶۰۔، ایوانِ نعت، ممتاز پبلیشرز نیو اردو بازار، کراچی، دسمبر ۱۹۹۳ء

- ۱۶۱۔ صدیق کلیم، نئی تنقید، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء
- ۱۶۲۔ صفی الرحمن مبارکپوری، مولانا، الرحیق المختوم، المکتبہ والسلفیہ، لاہور، ۱۹۹۵ء
- ۱۶۳۔ صہبا اختر، اقراء، مکتبہ ندیم، کورنگی، کراچی، ۱۹۸۱ء
- ط:
- ۱۶۴۔ طاہر قریشی، محمد طاہر قریشی، فہرست کتب خانہ، نعت ریسرچ سینٹر، نعت ریسرچ سینٹ، کراچی، بار اول ۲۰۰۹ء
- ۱۶۵۔ طاہر القادری، میلاد مصطفیٰ ﷺ، منہاج القرآن، لاہور
- ظ:
- ۱۶۶۔ ظہور الحسنین شاہ، سید، طاہر یوسفی تاجی، (ناشر محمد سعید خاں نور بھائی جعفر بھائی، مشن روڈ، کراچی) ۱۹۶۲ء
- ع:
- ۱۶۷۔ عارف عبدالستین، بیٹمال، کاروان ادب، ملتان، ۱۹۸۵ء
- ۱۶۸۔ عاصی کرناٹی، ڈاکٹر، اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر، اقلیم نعت، کراچی، ۲۰۰۱ء
- ۱۶۹۔، تمام و ناتمہ، سید قمر زیدی، ملتان، بار اول ۱۹۹۴ء
- ۱۷۰۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اردو تنقید کا ارتقا، انجمن ترقی اردو، پاکستان، کراچی، اشاعت چہارم ۱۹۹۴ء
- ۱۷۱۔ عبدالحق، شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت، جلد دوم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اگست ۲۰۰۵ء
- ۱۷۲۔ عبدالحق، ڈاکٹر، مولوی، مقدمات عبدالحق، مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، اردو مرکز، لاہور، پہلا پاکستانی ایڈیشن: ۱۹۶۴ء
- ۱۷۳۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید، اشارات تنقید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء
- ۱۷۴۔ عبداللہ عباس ندوی، عربی میں نعتیہ کلام، میزان ادب، مکتبہ ایوب پبلی کچر، کراچی، ۱۹۷۸ء
- ۱۷۵۔ عزیز صابری، جواہر النعت، بزم یوسفی، فیڈرل بی ایرایا، کراچی، ۱۹۸۱ء
- ۱۷۶۔ عطا، محبوب الہی، چرخِ طلس، الحمد پبلی کیشنز، چوک انارکلی، لیک روڈ، لاہور، س۔ ن
- ۱۷۷۔ عطار، محمد الیاس، مغیلاں مدینہ، (مکتبہ المدینہ، شہید مسجد، کھارادر، کراچی) س۔ ن
- ۱۷۸۔ علی اصغر حکمت، جامی، عبدالرحمن نور الدین جامی، مترجم: عارف نوشاہی، رضا پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۱ء
- ۱۷۹۔ عمران نقوی، دلیل آفتاب، مطالعات نعت، ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، شفیق پبلی کیشنز، لاہور، اشاعت اول: جون ۲۰۰۱ء
- ۱۸۰۔ عندلیب شادانی، ڈاکٹر، دورِ حاضر اور غزل گوئی، (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور) ۱۹۵۱ء

غ:

۱۸۱۔ غالب، مرزا اسد اللہ خاں، غزلیات فارسی، مرتبہ: وزیر الحسن عابدی، مجلس

یادگار غالب، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۱۹۶۹ء

۱۸۲۔.....، کلیات غالب (فارسی، متن، لغت، ترجمہ، شرح، ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی)، مکتبہ

دانیال، لاہور، ۲۰۰۴ء

۱۸۳۔.....، قصائد و مثنویات فارسی، باہتمام: غلام رسول مہر، مجلس یادگار غالب، پنجاب یونیورسٹی،

۱۹۶۹ء

۱۸۴۔ غزالی، امام، سرگزشت غزالی (ترجمہ المہجد) مترجم: مولانا حنیف ندوی، علم و عرفان پبلیشرز، لاہور، ۱۹۹۹ء

۱۸۵۔ غفور شاہ قاسم، پاکستانی ادب شناخت کی نصف صدی، ریز پبلی کیشنز، سکسٹھ روڈ چوک، مری روڈ،

راولپنڈی، اگست، ۲۰۰۰ء

۱۸۶۔ غفور، عبدالغفور قمر، انتخاب نعت، ج دوم، ڈاکٹر توحید، ای۔۱۹، فیروز، ایل سی سی ایچ ایس، لاہور کینٹ،

۱۹۹۷ء

۱۸۷۔ غوث متھراوی، بلاوہ، (ڈیفینس اتھارٹی فیرفائیو، ایکس ٹینشن، کراچی) نومبر ۱۹۹۲ء

۱۸۸۔ غوث میاں، خواتین کی نعتیہ شاعری، حضرت حسان حمد نعت بک بینک پاکستان، کراچی، ۲۰۰۲ء

ف:

۱۸۹۔ فدا خالدي دہلوی، م۔ ص، بزم یوسفی، فیڈرل بی ایریا، کراچی، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۱۹۰۔ فرمان فتحپوری، ڈاکٹر، اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول: نمبر ۲، ۱۹۷۷ء

۱۹۱۔.....، اردو کی نعتیہ شاعری، آئینہ ادب، چوک انارکلی، لاہور، ۱۹۷۷ء

۱۹۲۔ فیروز شاہ، محمد، با وضو آرزو، پنڈی اسلام آباد سوسائٹی، راولپنڈی، ۲۰۰۴ء

۱۹۳۔ فیضانِ نظر، بزم نور، تلک چاڑی، حیدر آباد، ۱۹۸۴ء

ق:

۱۹۴۔ قاتنی، قصائد قاتنی، آقا بیدار بخت، ملک نذیر احمد تاج بک ڈپو، اردو بازار، لاہور، ۱۹۶۵ء

۱۹۵۔ قمر جمیل، جدید ادب کی سرحدیں، قمر پلازہ، گلشن اقبال، کراچی، فروری ۲۰۰۰ء

۱۹۶۔ قمر عینی، ولایت رسول، کتاب ساز پبلی کیشنز، راولپنڈی، بار اول: ۲۰۰۲ء

۱۹۷۔ قمر وارثی، شمس الضحیٰ، بزم ارباب سخن پاکستان، اورنگی، کراچی، ۱۴۰۷ھ

۱۹۸۔.....، کہف الوری، دبستان وارثیہ، اورنگی ٹاؤن، کراچی، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء

۱۹۹۔..... (مرتب) جمال اندر جمال، دبستان وارثیہ، کراچی، جولائی ۱۹۹۸ء

۲۰۰۔..... (مرتب) مہکا مہکا حرف حرف، دبستان وارثیہ، کراچی، ۱۹۹۹ء

۲۰۱۔ قمریہ دانی، مہر درخشاں، اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء

ک:

۲۰۲۔ کشفی، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر، نعت اور تنقید نعت، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۰۹ء

۲۰۳۔ کوکب نورانی اوکاڑوی، نعت اور آداب نعت، مہر منیر اکیڈمی (انٹرنیشنل)، سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی،

کراچی، دسمبر ۲۰۰۴ء

۲۰۴۔ کلیم الدین احمد:

Kalim-ud-din Ahmad, The Meaning of Criticism, (National Book Foundation, Islamabad, First Edition 1998,)

گ:

۲۰۵۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی،

(بھارت)، ۱۹۹۳ء

۲۰۶۔، ادبی تنقید اور اسلوبیات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

۲۰۷۔ گوہر، ڈاکٹر سید شمیم، نعت کے چند شعرائے متقدمین، خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ، ۱۲۷۔ چک نیا حجرہ، الہ

آباد، (بھارت) اکتوبر ۱۹۸۹ء

ل:

۲۰۸۔ لطیف اثر، صفیہ نور، وقاص اکیڈمی، نارتھ ناظم آباد، کراچی، ۱۹۹۲ء

م:

۲۰۹۔ ماجد خلیل، روشنی بنی روشنی، دبستان وارثیہ، اورنگی ٹاؤن، کراچی، ۲۰۰۱ء

۲۱۰۔ مبارک مونگیری، ذکر ارفع، مبارک مونگیری میموریل اکیڈمی، کراچی، ۱۹۹۴ء

۲۱۱۔ مسرور کشفی، نقش جمال، فروغ ادب، کنڈن اسٹریٹ، کراچی، ۱۹۹۶ء

۲۱۲۔ مسعود اختر، محمد، صلوا علی الحبیب ﷺ، مخزن حمد و نعت، فیصل آباد، ۱۴۳۰ھ

۲۱۳۔ مسلم، ابوالاقتیاز ع۔ س۔ مسلم، سرو و نعت، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء

۲۱۴۔ مظہر الدین، حافظ مظہر الدین، جلوہ گاہ، حریم ادب، راولپنڈی، طبع دوم: ۲۰۰۹ء

۲۱۵۔، تجلیات، حریم ادب، راولپنڈی، بارچہرام: ۲۰۰۹ء

۲۱۶۔، باب جبریل، حریم ادب، راولپنڈی، بارچہرام: ۲۰۰۹ء

۲۱۷۔ معین الرحمن، ڈاکٹر سید، مجموعہ مطالعات عبدالحق، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء

۲۱۸۔ مقبول نقش، حرف ثبات، ہم سخن رائٹرز گلشن اقبال، کراچی، ۲۰۰۴ء

۲۱۹۔ ممتاز حسن، خیر البشر ﷺ کے حضور میں، ادارہ فروغ اردو، لاہور، بار اول: جنوری ۱۹۷۵ء

۲۲۰۔ منظر عارفی، اللہ کی سنت، سخن پہلی کیشنز (ادبی تنظیم)، شمارہ فیصل کالونی، کراچی، اشاعت اول:

جنوری، ۲۰۰۹ء

۲۲۱۔ منور بدایونی، کلیات منور، جہان حمد پہلی کیشنز، اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۸ء

۲۲۲۔ منیر سیفی، مثال، کاغذی پیرہن، لاہور، جنوری ۲۰۰۲ء

۲۲۳۔ مہر وجدانی، تجلیات، غضنفر اکیڈمی پاکستان، اردو بازار، کراچی، ۱۹۹۹ء

۲۲۴۔ میر تقی میر، کلیات میر، دیوان اول، ج اول، مرتبہ: کلب علی خاں فائق، مجلس ادب لاہور، طبع دوم:

جون ۱۹۸۶ء

۲۲۵۔ میرزا مقبول بیگ بدخشانی، ڈاکٹر عبدالغنی، ارمغان عقیدت، پیکیجز، لاہور، س۔ن

ن:

۲۲۶۔ ناصر، سعادت خاں، تذکرہ خوش معرکہ زبیا، مرتبہ مشفق خواجہ، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول: ۱۹۷۰ء

۲۲۷۔ ناظم، بشیر حسین، جمال جہان فروز، ماڈرن بک ڈپو، میلوڈی مارکیٹ، اسلام آباد، اشاعت دوم: ۱۹۹۸ء

۲۲۸۔ نثار احمد علوی، حکیم، سخنوران کاکوری، میخانہ ادب، ایچ، ۸-۲۲، ناظم آباد، کراچی، س۔ن

۲۲۹۔ نثار احمد نثار، ڈاکٹر، نور الہدی محمد ﷺ، بزم یاران سخن، کراچی، ۲۰۰۴ء

۲۳۰۔ نجم الغنی رامپوری، مولوی، بحر الفصاحت، حصہ اول، مرتبہ قدرت نقوی، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول

۱۹۹۹ء

۲۳۱۔، بحر الفصاحت، حصہ دوم، (مجلس ترقی ادب، لاہور) طبع دوم دسمبر ۲۰۰۶ء

۲۳۲۔ نسیم امروہوی، مسدس نسیم شتمل بر نعت و رحلت رسول کریمؐ، (ناشر سید علی امروہوی، فیڈرل بی ایریا

کراچی) س۔ن

۲۳۳۔ نصیر الدین، پیر نصیر الدین، دیں ہمہ اوست، مہر یہ نصیر یہ پبلشرز، گولڑہ، اسلام آباد، ۱۴۲۸ھ

۲۳۴۔ نظامی عروضی سمرقندی، چہار مقالہ، ترجمہ مطبوعہ لاہور

۲۳۵۔ نظر لکھنوی، لمعات نظر، محمد تابش صدیقی، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء

۲۳۶۔ نعیم تقوی، بصیرت، مجلس افکار اسلامی، کراچی، ۱۹۷۸ء

۲۳۷۔ نعیم، ڈاکٹر عبدالنعیم عریزی، محسن کاکوری کی نعتیہ شاعری، بریلی بھارت، ۱۹۹۹ء

۲۳۸۔، اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ادارہ تحقیقات امام رضا انٹرنیشنل، کراچی، ۲۰۰۸ء

۲۳۹۔ نیاز بے نیاز، دیوان شاہ نیاز بریلوی، تنظیم خدام سلسلہ عالیہ نیاز یہ، کراچی، ۱۳۸۹ھ

۲۴۰۔ نیاز فتحپوری، انتقادات، حصہ اول و دوم، نگار پاکستان، ماہنامہ، کراچی، سالنامہ دسمبر ۱۹۹۵ء

و:

۲۴۱۔ وجیہ الدین احمد خان، مولانا، قادری مجددی، مسلک ارباب حق، جامع العلوم فرقانیہ، رام پور (بھارت)

باردوم: ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء

۲۴۲۔ وحید اشرف، ڈاکٹر سید، کچھوچھوی، اردو زبان میں نعت گوئی کا فن اور تجلیات، ارباب حلقہ ذکر سلسلہ اشرفیہ،

بڑودہ (بھارت)، باراول: ۲۰۰۱ء

۲۴۳۔ وحید الدین فقیر، سید، روزگار فقیر، ج: ۱، لائن رٹ پریس، فریروڈ، کراچی،

۲۴۴۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تنقید اور جدید تنقید، انجمن ترقی اردو پاکستان، بابائے اردو روڈ، کراچی، اشاعت

اول: ۱۹۸۹ء

۲۴۵۔ وسیم فاضلی، روشنی کاسفر، فاضلی پبلیکیشنز، ناظم آباد، کراچی، ۲۰۰۴ء

۲۴۶۔ وقار صدیقی اجیری، حرف حرف خوشبو، فرید پبلیشرز، اردو بازار، کراچی، ۱۹۹۸ء

۲۴۷۔، نقش کعبہ، بزم تزیین ادب، شمالی ناظم آباد، کراچی، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء

۲۴۸۔ وقار عظیم، تنقید آزاد اور اس کا مخصوص مزاج، آب حیات کا تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ، مرتبہ سید سجاد، نئی

مطبوعات، سرکلر روڈ، لاہور، باراول: ۱۹۶۶ء

ہ:

۲۴۹۔ ہلال جعفری، توشہ ہلال، مرتب: جنید آزر، باہتمام: حافظ نور احمد قادری، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء

۲۵۰۔، کنگول ہلال، (بزم شعر و ادب، اسلام آباد)، ممبر ۲۰۰۰ء

ی:

۲۵۱۔ یگانہ چنگیزی، مرزا یاس یگانہ، لکھنوی، کلیات یگانہ، مرتب: مشفق خواجہ، (اکادمی بازیافت، کراچی) پہلی

اشاعت: جنوری ۲۰۰۳ء

۲۵۲۔ یوسف ورک، چودھری محمد یوسف ورک قادری، فہرست کتب، نعت لائبریری شاہدرہ، لاہور، طبع دوم: اکتوبر ۲۰۰۶ء

رسائل روانۃ المعارف/لغات:

رسائل اور کتابی سلسلے:

الف:

۲۵۳۔ ماہنامہ ”الاحسن“، کراچی، (نعت نمبر)، مدیر اعلیٰ: مولانا مفتی زرولی خان، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی

الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

۲۵۴۔ الرشید، لاہور، ماہنامہ، (مدیر) عبدالرشید ارشد (نعت نمبر ۱) ۱۹۹۰ء

۲۵۵۔ ۱۹۹۱ء، (نعت نمبر ۲)

۲۵۶۔ اوج، لاہور، مجلہ (گورنمنٹ کالج، شاہدرہ)، ترتیب و تدوین، پروفیسر ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی۔

ج: اول ۱۹۹۲-۹۳ء

۲۵۷۔ اوج، لاہور، مجلہ (گورنمنٹ کالج، شاہدرہ)، ترتیب و تدوین، پروفیسر ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، ج: دوم ۱۹۹۲ء

۲۵۸۔ ایوانِ نعت، کتابی سلسلہ، (مرتبین) وقار مصطفیٰ اور ملک فاروق احمد، مکتبہ ایوانِ نعت، باراول: مارچ ۱۹۸۸ء

ب:

۲۵۹۔ ”بصیر“، ماہنامہ کراچی، رسول پاک نمبر، مدیر اعلیٰ، ظفر حمید دھلوی، ستمبر ۱۹۷۲ء

۲۶۰۔ ”بیاض“، ماہنامہ نعت نمبر، لاہور، مجلسِ ادارت: خالد احمد، عمران منظور، جلد ۸، ۱۹۷۰ء اور جنوری ۲۰۰۱ء،

ج:

۲۶۱۔ حمد و نعت، ماہنامہ ایڈیٹر: شہزاد احمد، کراچی: جلد ۱، جولائی ۱۹۹۰ء

۲۶۲۔ جلد ۳، شمارہ ۳، اگست ۱۹۹۰ء

۲۶۳۔ جلد ۶، شمارہ ۸۔ ۹، فروری۔ مارچ ۱۹۹۶ء

۲۶۴۔ شمارہ ۱۰۔ ۹، اپریل۔ مئی ۱۹۹۶ء

خ:

۲۶۵۔ خاتونِ پاکستان، رسول ﷺ نمبر، مدیر: شفیق بریلوی، رتبہ الاول شریف ۱۳۸۲ھ مطابق اگست ۱۹۶۲ء

۲۶۶۔ خوشبوئے نعت (کتابی سلسلہ نمبر ۱) مدیر: ڈاکٹر محمد مشرف انجم، سرگودھا (پاکستان)، اپریل ۲۰۰۷ء

۲۶۷۔ خوشبوئے نعت (کتابی سلسلہ نمبر ۳) مدیر: ڈاکٹر محمد مشرف انجم، سرگودھا (پاکستان)، حقیقت تائب نمبر،

جون ۲۰۰۸ء

د:

۲۶۸۔ دنیائے نعت، کتابی سلسلہ، نمبر ۳، مرتب: عزیز الدین خاکی، مارچ ۲۰۰۳ء

س:

۲۶۹۔ ”سیارہ“، ماہنامہ، لاہور، عبدالعزیز خالد نمبر، مدیر مسئول: فضل من اللہ، ناشر: نعیم صدیقی، شمارہ ۵،

مئی ۱۹۶۹ء

۲۷۰۔ سیارہ ڈائجسٹ، رسول ﷺ نمبر، مدیر اعلیٰ، سید قاسم محمود، جلد: ۲۰، شمارہ ۵، نومبر ۱۹۷۳ء

۲۷۱۔ سفیر نعت، کتابی سلسلہ، چوتھی کتاب، مرتب: آفتاب کریمی، کراچی، ستمبر ۲۰۰۳ء

۲۷۲۔ سفیر نعت، کتابی سلسلہ، پانچویں کتاب، مرتب: آفتاب کریمی، کراچی، دسمبر ۲۰۰۵ء

ش:

۲۷۳۔ ماہنامہ شام و سحر، نعت نمبر، (نقشِ ثانی) مدیر اعلیٰ شیخ صفدر، مدیر اعزازی: خالد بٹ، مدیر معاون: سجاد

حیدر جلد ۸، شمارہ ۲۔ ۱، لاہور، جنوری۔ فروری ۱۹۸۲ء

۲۷۴۔ نعت نمبر ۳، مدیر اعلیٰ شیخ صفدر، مدیر اعزازی: خالد بٹ، مدیر معاون: سجاد حیدر، جلد ۹، شمارہ

- ۲۱۔ جنوری۔ فروری ۱۹۸۳ء
- ۲۵۔ نعت نمبر ۴، مدیر اعلیٰ شیخ صفدر علی: مدیر اعزازی: خالد شفیق، مدیر معاون: سجاد حیدر، لاہور، جنوری۔ فروری ۱۹۸۵ء
- ۲۶۔ نعت نمبر ۵، مدیر اعلیٰ شیخ صفدر علی: مدیر اعزازی: خالد شفیق، مدیر معاون: سجاد حیدر، لاہور، جنوری۔ فروری ۱۹۸۶ء
- ۲۷۔ شہر نعت، کتابی سلسلہ نمبر ۴، مدیر اعلیٰ ڈاکٹر شبیر احمد قادری، فیصل آباد، فروری تا نومبر ۲۰۰۹ء
- ص:
- ۲۸۔ صریح خامہ، قصیدہ نمبر، مدیر علیا: ریحانہ طلعت خان، شعبہ اردو، جامعہ سندھ، ۲۸۔ ۱۹۶۷ء
- ۲۹۔ صریح خامہ، نعت نمبر، مرتب: حمایت علی شاعر، مجلہ: سندھ یونیورسٹی، رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء
- ع:
- ۲۸۰۔ سہ ماہی ”عقیدت“، سرگودھا (پاکستان)، (تبصرہ نمبر) مرتب: مبصر: شاکر کٹکان، ستمبر ۲۰۰۷ء
- ق:
- ۲۸۱۔ ماہنامہ قرطاس، نعت نمبر، مدیر: محمد امین الدین، ناگپور، بھارت، جون ۲۰۰۵ء
- ک:
- ۲۸۲۔ ماہنامہ کاروان نعت، مدیر: محمد ابرار حنیف مغل، اردو بازار، لاہور
- م:
- ۲۸۳۔ ماہ نو، ماہنامہ سیرت رسول ﷺ نمبر، مدیر: ظفر قریشی، شمار بابت جولائی۔ اگست ۱۹۶۳ء
- ۲۸۴۔ ششماہی ”متاع امیر“ (میلاد مصطفیٰ ﷺ نمبر)، مدیر اعلیٰ: محمد امیر نواز امیر، شمارہ: ماہ اپریل ۲۰۰۵ء تا جون ۲۰۰۵ء
- ۲۸۵۔ ششماہی ”متاع امیر“ (معراج رسول ﷺ اور انوار نعت خصوصی شمارہ)، مدیر اعلیٰ: محمد امیر نواز امیر، شمارہ جولائی تا دسمبر ۲۰۰۵ء
- ۲۸۶۔ نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ، سہ ماہی ”مدحت“، مدیر سرور حسین نقشبندی، لاہور، شمارہ ۲، جون تا ستمبر ۲۰۱۰ء
- ۲۸۷۔ نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ، سہ ماہی ”مدحت“، مدیر سرور حسین نقشبندی، لاہور، خصوصی شمارہ (حقیقہ تائب نمبر) شمارہ ۳، اکتوبر تا مارچ ۲۰۱۱ء
- ۲۸۸۔ سہ ماہی ”مفیض“، گوجرانوالہ پاکستان، نعت نمبر، جلد ۱۵، مدیر اعلیٰ: محمد اقبال نجفی، شمارہ ۲۲، ۲۰۰۵ء،
- ۲۸۹۔ سہ ماہی ”مفیض“، گوجرانوالہ پاکستان، نعت نمبر، جلد ۱۵، مدیر اعلیٰ: محمد اقبال نجفی، شمارہ ۱۱-۱۲، ستمبر۔ دسمبر ۱۹۹۳ء، عارف عبدالستین نمبر
- ۲۹۰۔ سہ ماہی ”مفیض“، گوجرانوالہ پاکستان، نعت نمبر، جلد ۱۵، مدیر اعلیٰ: محمد اقبال نجفی، شمارہ ۲۷، ۲۰۰۸ء، نعت

۲۹۱۔..... شمارہ ۱۰-۱۱، اپریل-مئی ۱۹۹۶ء

ن:

۲۹۲۔ ماہنامہ نعت، لاہور، مدیر راجہ شید محمد۔ مسلسل اشاعت از ۱۹۸۸ء تا ایں دم۔

۲۹۳۔ نعت رنگ، (کتابی سلسلہ) مدیر: سید صبیح رحمانی، کراچی شمارہ ۱، تنقید نمبر، اپریل ۱۹۹۵ء

۲۹۴۔ نعت رنگ، (کتابی سلسلہ) مدیر: سید صبیح رحمانی، کراچی، شمارہ ۲، جنوری ۱۹۹۶ء

۲۹۵۔ نعت رنگ، (کتابی سلسلہ) مدیر: سید صبیح رحمانی، کراچی، شمارہ ۳، ستمبر ۱۹۹۶ء

۲۹۶۔..... شمارہ ۴، مئی ۱۹۹۷ء ۲۹۷۔..... شمارہ ۵، فروری ۱۹۹۸ء

۲۹۸۔..... شمارہ ۶، ۱۹۹۸ء ۲۹۹۔..... شمارہ ۸، ستمبر ۱۹۹۹ء

۳۰۰۔..... شمارہ ۹، مارچ ۲۰۰۰ء ۳۰۱۔..... شمارہ ۱۰، اپریل ۲۰۰۰ء

۳۰۲۔..... شمارہ ۱۱، مارچ ۲۰۰۱ء ۳۰۳۔..... شمارہ ۱۲، اکتوبر ۲۰۰۱ء

۳۰۴۔..... شمارہ ۱۳، دسمبر ۲۰۰۲ء ۳۰۵۔..... شمارہ ۱۴، دسمبر ۲۰۰۲ء

۳۰۶۔..... شمارہ ۱۵، مئی ۲۰۰۳ء ۳۰۷۔..... شمارہ ۱۶، فروری ۲۰۰۴ء

۳۰۸۔..... شمارہ ۱۷، نومبر ۲۰۰۴ء ۳۰۹۔..... شمارہ ۱۸، دسمبر ۲۰۰۵ء

۳۱۰۔..... شمارہ ۱۹، دسمبر ۲۰۰۶ء ۳۱۱۔..... شمارہ ۲۰، اگست ۲۰۰۸ء

۳۱۲۔..... شمارہ ۲۱، س۔ن ۳۱۳۔..... شمارہ ۲۲، ستمبر ۲۰۱۱ء

۳۱۴۔ نقوش رسول ﷺ نمبر، مدیر: محمد طفیل، لاہور: ادارہ فروغ اردو، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۴ء

۳۱۵۔ نگار پاکستان، (اصناف شاعری نمبر) مرتبہ: ڈاکٹر فرمان فتحپوری، ۳۲/۳۲ گارڈن مارکیٹ، کراچی نمبر ۳، سالنامہ ۱۹۹۷ء

۳۱۶۔ نگار پاکستان، (مسائل ادب نمبر) مرتبہ: ڈاکٹر فرمان فتحپوری، ۳۲/۳۲ گارڈن مارکیٹ، کراچی نمبر ۳، سالنامہ ۱۹۹۸ء

دائرۂ معارف لغات

۳۱۷۔ دائرۂ معارف اسلامیہ، جلد ۲، دانش گاہ پنجاب، لاہور، س۔ن

۳۱۸۔ اردو لغت، اردو لغت بورڈ، کراچی ۳۱۹۔ المنجد (عربی لغت)

۳۲۰۔ فیلڈ اردو انگریزی ڈکشنری ۳۲۱۔ پیگنکون انگلش ڈکشنری

۳۲۲۔ نو اللغات، نور الحسن نیر

مصنف: ایک تعارف

نام: عبدالعزیز خان ولد عبدالحمید خان [یوسف زئی]

قلمی نام: عزیز احسن

پیدائش: ۱۴ شوال المکرم ۱۳۶۶ھ مطابق ۳۱ اگست ۱۹۴۷ء (جے پور)

(تاریخ پیدائش برطانوی تعلیمی ریکارڈ: ۳ جون ۱۹۴۹ء) پاکستان آمد: مئی ۱۹۴۸ء

تعلیم: پی۔ ایچ۔ ڈی (اردو)، ایم۔ فل (اقبالیات)، ایم۔ اے (تاریخ)

اسلام، ایل، ایل، بی، بی۔ کام، فاضل (اردو) فاضل (فارسی)۔

تصانیف:

۱۔ اردو نعت اور جدید اسالیب (تنقید) ۱۹۹۸ء

۲۔ تیرے ہی خواب میں رہنا (شعری مجموعہ) ۲۰۰۰ء ۳۔ نعت کی تخلیقی سچائیاں (تنقید) ۲۰۰۳ء

۴۔ کرم و نجات کا سلسلہ (نعتیہ مجموعہ) ۲۰۰۵ء ۵۔ ہر نازک ہے (تنقید) ۲۰۰۷ء

۶۔ شہرِ توفیق (نعتیہ مجموعہ) ۲۰۰۹ء ۷۔ نعت کے تنقیدی آفاق (تنقید) ۲۰۱۰ء

۸۔ رموزِ بخود کی کافی و فکری جائزہ (مقالہ ایم۔ فل۔ اقبالیات) ۲۰۱۱ء ۹۔ امیدِ طیبہ رسی (نعتیہ مجموعہ) ۲۰۱۲ء

۱۰۔ اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ مقالہ پی۔ ایچ۔ ڈی ۲۰۱۲ء (پیش نظر)

تالیفات:

۱۔ جواہرِ نعت (نعتیہ انتخاب) ۱۹۸۱ء ۲۔ ص (نعتیہ مجموعہ) فدا خالدي دہلوی، ۱۹۸۳ء

۳۔ آتشِ احساس (مجموعہ غزلیات) فدا خالدي دہلوی، ۱۹۸۴ء ۴۔ خوابوں میں سنہری جالی ہے (نعتیہ

مجموعہ) صبحِ رحمانی، ۱۹۹۷ء ۵۔ قصرِ بلند، یعنی مطالعہ قرآن، ایچ، ایچ، ایچ، امام اکبر آبادی، ۲۰۰۱ء

۶۔ سبد گل، ایچ، ایچ، ایچ، امام اکبر آبادی، ۲۰۰۱ء

تعلیمی ادارے:

(۱) لیاقت ہائی اسکول، لیاقت آباد نمبر ۱۰، کراچی۔ (۲) گورنمنٹ ہائی اسکول، لیاقت آباد نمبر ۴، کراچی۔

(۳) فیڈرل اسکول، پہلی چورنگی، ناظم آباد، کراچی۔ (۴) سٹی کامرس کالج (شام)، ناظم آباد، کراچی۔

(۵) اسلامیہ لاء کالج (شام)، کراچی۔ (۶) علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

(۷) جامعہ کراچی، کراچی۔

پیشہ: ملازمت۔ تیل اور گیس کی ترقیاتی کارپوریشن سے ڈپٹی چیف انٹرنل آڈیٹر کی حیثیت سے ۳ جون ۲۰۰۹ء کو

اپنی مدت ملازمت پوری کر کے سبکدوش ہوئے۔

ادبی سرگرمیاں:

- ☆ نگران ”نعت رنگ“ (نعتیہ ادب کا علمی تحقیقی و تنقیدی کتابی سلسلہ) مدیر صبیح رحمانی، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی۔
- ☆ ریڈیو پاکستان، کراچی..... عالمی سروس سے بے شمار کتابوں پر تبصرے نشر کیے۔
- ☆ ایک ریڈیو پیچر ”امیر خسرو“ بھی لکھا جو ریڈیو پر نشر ہونے کے بعد ”احباب“ کراچی میں شائع ہوا۔
- ☆ گاہے بگاہے Qtv., Ptv. اور Metro One News T.V. پر نعتیہ ادب کے حوالے سے ہونے والی گفتگو میں بھی شریک رہے ہیں۔
- ☆ QTV. کے مشہور پروگرام ”خوشبوئے حسان“ کے بیشتر پروگراموں میں نعت گو شعراء کے بارے میں اپنی تنقیدی رائے کا اظہار کیا۔
- ☆ روزنامہ جسارت، کراچی کے ادبی صفحات پر ڈاکٹر عزیز احسن کی تحریریں شائع ہوتی رہی ہیں۔ ہفتہ وار شائع ہونے والے ”جسارت میگزین“ میں بھی ادبی موضوعات پر مضامین شائع ہوتے ہیں۔
- ☆ نعتیہ موضوعات پر کچھ روزناموں میں بھی مضامین شائع ہوئے ہیں۔ مثلاً!
- ☆ روزنامہ ”نوائے وقت“ کراچی
- ☆ روزنامہ ”جنگ“ کراچی
- ☆ روزنامہ جنگ، راولپنڈی۔
- ☆ انجمن احباب جے پور، کراچی، کے مجلے ”احباب“ کے مدیر معاون بھی رہے ہیں۔
- ☆ ادبی موضوعات پر کچھ مضامین درج ذیل جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں:
- ☆ ”احباب“، انجمن احباب جے پور، کراچی۔ ☆ کتابی سلسلہ ”مکالمہ“ کراچی۔
- ☆ علم کی روشنی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔
- ☆ دو ماہی ”سربکف“، کراچی۔ ☆ سہ ماہی ”الزیر“، بہاولپور۔ ☆ جام نور، دہلی، بھارت۔

تنقیدی تصانیف کے مندرجات کا اشاریہ:

☆ اردو نعت اور جدید اسالیب: ناشر: فضلی سنز (پراویٹ) لمیٹڈ، اردو بازار کراچی، دسمبر ۱۹۹۸ء

عنوانات:

- ۱۔ نعت کے علمی و ادبی افق
- ۲۔ شعر کے فنی لوازمات
- ۳۔ اردو نعت اور شاعرانہ رویہ
- ۴۔ اردو نعت میں آفاقی قدروں کی تلاش
- ۵۔ نعت اور شعریت
- ۶۔ اردو نعت اور جدید اسالیب (اول)
- ۷۔ اردو نعت اور جدید اسالیب (دوم)
- ۸۔ عاصی کرنا لی کا نعتیہ کلام، فن کا طیف رواں
- ۹۔ صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری..... حب رسول ﷺ کا جمالیاتی اظہار
- ۱۰۔ قمر وارثی کے سنگلاخ زمینوں میں نعتیہ شعری تجربے

۱۱۔ شاخ غزل بہ مدت کے خوشما پھول ۱۲۔ جاذب قریشی..... جدید تر نعتیہ لہجہ کا شاعر

☆ نعت کی تخلیقی سچائیاں: ناشر: اقلیم نعت، کراچی۔ ۲۰۰۳ء

عنوانات:

- ۱۔ معجزہ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود
- ۲۔ نعت کا مقصد تخلیق
- ۳۔ نعت کی تخلیقی سچائیاں
- ۴۔ غالب کی اردو شاعری میں مضامین نعت کا فقدان
- ۵۔ ردیفوں کے مثبت استعمال کی تحریک ۶۔ ”نسبت“..... احساس اور لطافت کا مرتع
- ۷۔ شائے محمد ﷺ
- ۸۔ ارمغانِ حافظ..... ایک جائزہ
- ۹۔ نعتِ نبی ﷺ میں زبان و بیان کی بے احتیاطیاں
- ۱۰۔ پاکستان میں نعت (نصف صدی کا سفر)

☆ ہنر نازک ہے (مدح سرکارِ دو عالم ﷺ کا ہنر نازک ہے) ناشر: نعت ریسرچ سینٹر، کراچی۔ ۲۰۰۶ء

عنوانات:

- ۱۔ ایک حمد کا تجزیاتی مطالعہ
- ۲۔ فصیح العرب ﷺ کے حضور میں
- ۳۔ مقصودِ کائنات
- ۴۔ فی امامِ مبین
- ۵۔ کلامِ رضا میں مناقبِ صحابہ کرامؓ اور امہات المؤمنینؓ
- ۶۔ ولائے رسول ﷺ کے اظہاری زاویے..... قمر عینی کی شعری اقدار کا جائزہ
- ۷۔ نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلاتِ تنقید (ایک مطالعہ)
- ۸۔ تیرا وجود الکتب (ایک مطالعہ)

☆ نعت کے تنقیدی آفاق: ناشر: نعت ریسرچ سینٹر، کراچی۔ ۲۰۱۰ء

عنوانات:

- ۱۔ اردو کی حمدیہ شاعری میں جدید اسالیب کی دھنک
- ۲۔ مظفر وارثی کا حمدیہ آہنگ
- ۳۔ نعتیہ شاعری میں مثنوی رشتوں کی تلاش
- ۴۔ تخلیقی ادب اور نعتیہ ادب کی موجودہ صورت حال
- ۵۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید کی نعت شناسی
- ۶۔ اسلوب شناس نعت نگار..... احسان اکبر
- ۷۔ صبا اکبر آبادی کی نعت گوئی
- ۸۔ قلمِ انوار..... تخلیق مقاصد کا آئینہ
- ۹۔ جاذب قریشی کا قلمی سفر..... تخلیق نعت سے تنقید نعت تک
- ۱۰۔ قمر وارثی کے ریاضِ فن میں نعتیہ پھولوں کی مہک
- ۱۱۔ عابد سعید عابد کی نعتیہ شاعری

مضامین: (نعت رنگ):

نوٹ: نعت رنگ میں شائع ہونے والے بیشتر مضامین درج بالا کتابوں میں محفوظ ہو چکے ہیں..... جو مضامین ان کے علاوہ ہیں ان کے عنوانات درج ذیل ہیں:

- ۱۔ شاہ انصار الہ آبادی کی نعتیہ شاعری (شمارہ ایک)
- ۲۔ نظر لکھنوی..... ایک گمنام، قادر الکلام نعت گو (شمارہ ۱۹)
- ۳۔ ”سفیر نعت“ کا محسن کا کوروی نمبر (شمارہ ۱۶)
- ۴۔ نقیب عشق رسول ﷺ..... حافظ مظہر الدین (ش ۲۳)
- ۵۔ حمیرا راحت کی دو نعتیہ نظمیں (ش ۲۳)
- ☆ ماہنامہ ”کاروان نعت“:

- ۱۔ ڈاکٹر عاصی کرناٹی کی ایک نعت کے محاسن (شمارہ جولائی ۲۰۰۷)
- ۲۔ مدح سرمد و دو عالم ﷺ کا بہتر نازک ہے (شمارہ ستمبر ۲۰۰۷)
- ۳۔ تعلق بالرسول ﷺ (شمارہ جولائی اگست ۲۰۰۸)
- ☆ تبصرے:

نعت رنگ میں، حمد و نعت کی کتب پر شائع ہونے والے تبصروں کی فہرست:

- ۱۔ اجمل واکمل از محسن احسان (ش ۴)
- ۲۔ حرف حرف روشنی از اجمل نقشبندی (ش ۴)
- ۳۔ خطیب الامم از ریحانہ فاضلی (ش ۴)
- ۴۔ شعرائے امرتسر کی نعتیہ شاعری از محمد سلیم چوہدری
- ۵۔ طور سے حراتک از افسر ماہ پوری (ش ۴)
- ۶۔ عالم افروز از خالد شفیق (ش ۴)
- ۷۔ قدیل راحت از احمد شہباز خاور (ش ۴)
- ۸۔ لم یات نظیرک از عزیز ہواپچی (ش ۴)
- ۹۔ اوصاف از جمیل ملک (ش ۹)
- ۱۰۔ بساط عجز از ایم سلیم چشتی (ش ۹)
- ۱۱۔ تیری شان جل جلالہ از محمد مشرف انجم (ش ۹)
- ۱۲۔ جہان عقیدت از عزیز جبران انصاری (ش ۹)
- ۱۳۔ چراغ مدحت از اعجاز رحمانی (ش ۴)
- ۱۴۔ حبیبی یا رسول اللہ ﷺ از عزیز الدین خاکی القادری (ش ۹)
- ۱۵۔ حسن ازل از خالد محمود (ش ۹)
- ۱۶۔ رزق ثناء از ریاض حسین چودھری (ش ۹)
- ۱۷۔ سبز گنبد کے خیالوں میں از محمد مشرف انجم (ش ۹)
- ۱۸۔ سعادت از حسین سحر (ش ۹)
- ۱۹۔ شوق نیاز از سجاد مرزا (ش ۹)
- ۲۰۔ صدائے اللہ اکبر حریم ناز میں از طاہر سلطانی (ش ۹)
- ۲۱۔ طلع البدر علیہا از علیم ناصری (ش ۹)
- ۲۲۔ عکس تمنا از مسرور کیفی (ش ۹)
- ۲۳۔ م ﷺ از غالب عرفان (ش ۹)
- ۲۴۔ مالک ارض و سما از دبستان وارثیہ (ش ۹)
- ۲۵۔ مجتبیٰ ﷺ از اختر ہوشیار پوری (ش ۹)
- ۲۶۔ نعت نگار از مسرور کیفی (ش ۹)
- ۲۷۔ اردو میں حمد و مناجات از ڈاکٹر سید یحییٰ فیض (ش ۱۱)
- ۲۸۔ ازل تا ابد از نگار فاروقی (ش ۱۱)

- ۲۹۔ انوار عقیدت از شہزاد احمد (ش ۱۱) ۳۰۔ تمنائے حضوری از ریاض حسین چودھری (ش ۱۱)
 ۳۱۔ توصیف از محمد علی ظہوری (ش ۱۱) ۳۲۔ ثنائے آقا ﷺ از عبد الجبار اثر (ش ۱۱)
 ۳۳۔ حمد و مناجات از منصور ملتانی [عارف منصور] (ش ۱۱) ۳۴۔ حمد و نعت از سہیل غازی پوری (ش ۱۱)
 ۳۵۔ دل ریزہ ریزہ از سید طفیل احمد مدنی (ش ۱۱) ۳۶۔ زبور حرم از اقبال عظیم (ش ۱۱)
 ۳۷۔ سرو و نعت از ع۔ س۔ مسلم (ش ۱۱) ۳۸۔ سوغات از سیرت اکادمی بلوچستان (ش ۱۱)
 ۳۹۔ ضیائے ہفت درخشاں از سلیم اختر فارانی (ش ۱۱) ۴۰۔ عہدہ و رسول ﷺ از حکیم شریف احسن (ش ۱۱)
 ۴۱۔ عقیدت از یوسف مرزا (ش ۱۱) ۴۲۔ عقیدت کا سفر از حمایت علی شاعر (ش ۱۱)
 ۴۳۔ کشکول ہلال از ہلال جعفری (ش ۱۱) ۴۴۔ گلشن صلی علی از عظمت اللہ خان (ش ۱۱)
 ۴۵۔ محبت حضور ﷺ کی از شفیق مرزا عقیف طہ (ش ۱۱)
 ۴۶۔ محسن کا کوہ کی نعتیہ شاعری از ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی (ش ۱۱)
 ۴۷۔ نعت رسول خدا از محمد علی اثر (ش ۱۱) ۴۸۔ نقش اولین از زاہد فتح پوری (ش ۱۱)
 ۴۹۔ بیاض نعت از مولانا حامد حسن قادری (ش ۱۲) ۵۰۔ تقدیس قلم از رشید ساقی (ش ۱۲)
 ۵۱۔ تنویر از حسین سحر (ش ۱۲) ۵۲۔ جہان شوق از ابوبکر ناظم (ش ۱۲)
 ۵۳۔ رحمت نور لم یزل از ضیا انصاری (ش ۱۲) ۵۴۔ روح کوئین از عثمان ناظم (ش ۱۲)
 ۵۵۔ سونے مصطفیٰ ﷺ از منیر قصوری (ش ۱۲) ۵۶۔ نغمہء روح از قادری رونق بدایونی (ش ۱۲)
 ۵۷۔ وظیفہ از سید عاصم گیلانی (ش ۱۲) ۵۸۔ ثنا کا موسم از شہزاد مجددی (ش ۱۵)
 ۵۹۔ حضوری چاہتی ہوں از پروین جاوید (ش ۱۵) ۶۰۔ خواتین کی حمد یہ شاعری از غوث میاں (ش ۱۵)
 ۶۱۔ خواتین کی نعتیہ شاعری از غوث میاں (ش ۱۵)
 ۶۲۔ سخن نعت از راجا رشید محمود (ش ۱۵) ۶۳۔ مثال از منیر سیفی (ش ۱۵)
 ۶۴۔ الاحسن، نعت نمبر، مفتی محمد زرولی خان و محمد ہمایوں مغل (ش ۲۲)
 ۶۵۔ طاق حرم از حفیظ تائب مرتبہ: محمد نعمان تائب (ش ۲۲)
 ۶۶۔ خلد نعت از آصف بشیر پاشی (ش ۲۲) ۶۷۔ آسمان رحمت از اعجاز رحمانی (ش ۲۲)
 ۶۸۔ خوشبو تری جوئے کرم از ریاض ندیم نیازی (ش ۲۲)
 ۶۹۔ بہشت تضائین از حافظ عبدالغفار حافظ (ش ۲۲)
 ۷۰۔ تجلیت از شہزاد مجددی (ش ۲۲) ۷۱۔ حدیث شوق از رشید ساقی (ش ۲۲)
 ۷۲۔ فہرست کتب خانہ، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی از محمد طاہر قریشی (ش ۲۲)
 ۷۳۔ صلوا علی الحبیب ﷺ از محمد مسعود اختر (ش ۲۲)
 ۷۴۔ مولود منظوم مع انتخاب نعت و مناقب از سیف اللہ المسلمول مولانا فضل رسول قادری بدایونی ترتیب مولانا

اسید الحق محمد عامر قادری (ش ۲۲)
۷۵۔ نور الہدی محمد رحمۃ اللہ علیہ از ڈاکٹر محمد ثار احمد ثار (ش ۲۲)
